نقوش
جلد دوم
مکاتیب نمبر

نقوش

لاہور

مکاتیب نمبر ۲

عطیہ مخدوم ربانی تاباںؔ

محمد عظمت اللہ خاں

(۱)

بنام تمکین کاظمی

مشفقی و مکرمی! تسلیم

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ آپ کا مضمون بھی "ہمایوں" میں دیکھ چکا تھا۔ کاتب کی غلطیوں سے میں بخوبی واقف ہوں آپ نے تقریباً ہر نظم کے متعلق میرے نقطۂ نظر کو بالکل صحیح پیش فرمایا ہے۔

میں آپ کی خدمت میں دو تین دن کے بعد ایک غیر مطبوعہ نظم "پہلا آمنا سامنا" بھیج دوں گا۔ آپ جس رسالہ کو بھیجنا مناسب سمجھیں بھیج دیں۔

میری صحت بہت ہی خراب ہو گئی تھی اس لئے ادبی مشاغل کم ہو گئے ہیں اور خصوصاً میری شاعری کی دیوی کو چُپ سی لگ گئی تھی۔ میں ایک مہینے سے رخصت پر ہوں۔ ابھی صحت پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئی البتہ ایک نظم ہو رہی ہے بفضلہٖ تعالیٰ یہ ایک اچھی علامت ہے۔

میں آپ کا مضمون پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ میرے متعلق جو آپ نے اپنی عنایت سے عمدہ خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے میں انسان نہیں اگر ذرا بھی نہ پھولتا مگر اس کے علاوہ آپ نے اس ڈھنگ کی شاعری کے رواج میں نہایت قابلیت اور سلیقہ سے اس مضمون کے ذریعہ حصہ لیا ہے اور یہ کسی کی نہیں خالص اردو ادب کی خدمت ہے۔

میں نے نظمیں یکجا کر لی ہیں۔ سارا طبع کے نستعلیق ٹائپ کی تیاری کا انتظار ہے۔ زیادہ شوق ملاقات!

نیاز مند: محمد عظمت اللہ خاں۔ حیدرآباد دکن ۲۴ تیر ۱۳۴۱ ف (۲۷ جون ۱۹۳۲ء)

ؔ عظمت اللہ خاں دہلوی بی اے مددگار ناظم تعلیمات حیدرآباد (دکن) بڑے قابل شخص تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے اردو میں گیت اور غیر مقفیٰ نظم کہنا شروع کیا۔ ان کی نظموں پر میں نے ایک مضمون "عظمت اللہ خاں اور ان کی شاعری" کے عنوان سے ہمایوں لاہور میں بڑی تفصیل سے لکھا تھا جو بہت پسند کیا گیا۔

یہ مضمون میں نے عظمت کو اطلاع دیے بغیر لکھا تھا۔ اس کو دیکھنے کے بعد انہوں نے یہ خط مجھے لکھا تھا۔ اصل خط میرے ذخیرے میں محفوظ ہے۔
(تمکین کاظمی)

(۲)

<u>بنام تمکین کاظمی</u>

شفیقی و مکرمی! تسلیم

حسب وعدہ نظم ملفوف کی جاتی ہے۔ اس کے متعلق دو باتیں واضح کی جاتی ہیں۔ اولاً یہ کہ اس میں اس بات کا مطالعہ کیا گیا ہے کہ ایک تعلیم یافتہ نوجوان جب پہلی دفعہ ایک اجنبی لڑکی سے بہ حیثیت اجنبی لیکن شادی کی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے اوپر لیے آمنے سامنے ہوتا ہے تو اس وقت کس طرح قفل خاموشی توڑنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ مکالمہ کی کھڑکی سے اپنی اور طرف ثانی کی روحیں ایک دوسرے سے روشناس ہوں۔ ہمارے ہاں کی ۹۹ فی صدی شادیاں اب بھی اجنبی معاملہ اس کی ہوتی ہیں میں نے ان پر لطف حالات میں ایک انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان کا مطالعہ کرنا چاہا ہے۔ ثانیاً یہ کہ اس نظم کی بحر ایجاد بندہ ہے۔ اس کے ارکان حسب ذیل ہیں:

— — فَ عِ لُن ا فا عِ لُن ا فا عِ لُن

— ٧ — ا ٧ ٧ — ا — ٧ ٢

م ری نے نو میں س ما ؤ تم

ترجیعی مصرع بندوں کے مصرعوں سے دگنا ہے۔ بیچ میں بسرام ہے۔

مری نینوں میں سماؤ تم ہے من میں بسو آؤ تم

اس وضاحت کے بعد اگر نظم لے سے پڑھی جائے تو نہایت سُریلی چیز معلوم ہوگی۔ بہر حال اگر آپ کو انگریزی عروض سے دلچسپی ہے تو یہ ایک اردو میں انگریزی رنگ ڈھنگ کا تجربہ ہے۔

اب آپ کو اختیار ہے جس رسالہ میں آپ مناسب سمجھیں اس نظم کو بھیج دیں۔ اگر بحر کی وضاحت ہو جائے تو ہر شخص کو سہولت ہوگی۔

بفضلہ تعالیٰ اب میری صحت ذرا بہتر ہے۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور اس سمع خراشی سے نہ اکتائیں گے۔

نیاز مند: محمد عظمت اللہ خاں۔ حیدرآباد (دکن)

۱۲ رامرداد سنہ ۳۶ ف مطابق ۱۸ رجون ۱۹۲۷ء

نوٹ: عظمت اللہ خاں کا یہ خط میرے نام ہے انہوں نے اس کے ساتھ جو نظم بھجوائی تھی۔ میں نے اسے رسالہ "نیرنگ خیال" لاہور میں اپنے اسی وضاحتی نوٹ کے ساتھ چھپوایا تھا۔ اب وہی نظم جو عظمت نے اپنے خط کے ساتھ بھجوائی تھی اس نقل کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں۔ اس نظم کے آخر میں عظمت کے دستخط ہیں۔

(تمکین کاظمی)

پہلا آمنا سامنا

۱

نہیں منہ یوں نہ چھپاؤ تم
میں ہوں والہانہ لجاؤ تم
مجھے صورت تو دکھاؤ تم
ذرا گھونگھٹ یہ ہٹاؤ تم
مری نینوں میں سماؤ تم مرے من میں بسو آؤ تم

۲

بڑی اس من کی تھی آرزو
کہ ہوں اس رنگ سے روبرو
تو ہو دل کمل کے گھنگھرو
ابھی بس شرم اٹھاؤ تم
مری نینوں میں سماؤ تم مرے من میں بسو آؤ تم

۳

یہ ہے اک پھول سا ہاتھ نرم
لگی جو مری یہ ہے گرم گرم
بھلا اب مجھ سے کہاں کی شرم
ذرا آنکھیں تو ملاؤ تم
مری نینوں میں سماؤ تم مرے من میں بسو آؤ تم

۴

بہت آمادہ ہے اس پہ جی
تمہیں اب میں کر دوں گدگدی
ذرا آئے جو تمہیں ہنسی
مجھے ہنس ہنس کے ہنساؤ تم
مری نینوں میں سماؤ تم مرے من میں بسو آؤ تم

۵

دیا جب ہاتھ میں ہاتھ ہے
یہ تو اک عمر کا ساتھ ہے
خوشی نت چاہ کے ہاتھ ہے
ذرا دل دل سے لگاؤ تم
مری نینوں میں سماؤ تم مرے من میں بسو آؤ تم

۶

ذرا سوچو وہ ہے وصل کب
وہ دلوں میں ہے فصل جب
یہی ہاں بات ہے اصل اب
کہ مجھے دل میں بساؤ تم
مری نینوں میں سماؤ تم مرے من میں بسو آؤ تم

۷

نہیں اب دور نہ یوں رہو
مرے بس آؤ گلے لگو
مجھے دل دے کے مری بنو
مجھے یوں اپنا بناؤ تم
مری نینوں میں سماؤ تم مرے من میں بسو آؤ تم

عظمت

(۳)

بنام تمکین کاظمی

شفیق و مکرمی! تسلیم

دو خطوں کے جواب کا اس خط کے ذریعہ قرض ادا کر رہا ہوں اور شرمندہ ہوں۔ کچھ طبیعت کی بدمزگی کچھ عید کی گڑبڑ اور پھر دفتر کی گھس گھس اور امتحان مڈل کے نتیجہ کا فوراً اشاعت کرانا غرض ان سب باتوں نے آپ کو خط لکھنے سے روکا۔ حالانکہ جی چاہتا تھا کہ تفصیلی خط لکھوں۔

آپ ضرور اس رنگ میں طبع آزمائی کیجئے۔

"تجلی" میں آپ کی نظم "مرا سہاگ رہنے دے" میں نے دیکھی اور مجھے یقین ہے کہ آپ کامیاب رہیں گے۔ کبھی آپ سے ملاقات ہوگی تو ہندی کے متعلق بات چیت ہوگی۔

حامد اللہ افسر ذہین آدمی ہیں اور خوب کہتے ہیں صرف ذرا محنت اٹھا کر پرانی عروض کے جوئے سے اپنے کو آزاد کرلیں تو میرا خیال ہے کہ اس نئے رنگ میں نام کریں گے۔

میری نئی نظم آپ اس دفعہ کے مجلۂ عثمانیہ میں پائیں گے۔

مجھے خوشی ہوئی کہ میری نظم آپ کو پسند آئی۔ یہ میں بالکل آپ پر چھوڑتا ہوں کہ کس رسالہ میں اسے شائع کیا جائے۔

میں آئندہ بشرط فرصت طول طویل خط لکھوں گا اور اس میں ادبی بکواس ہوگی۔

میں اپنی نظموں اور مضامین کو جمع کر چکا ہوں۔ نستعلیق ٹائپ[1] کے تیار ہوتے ہی انشاءاللہ چھپوانا شروع کر دوں گا۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ انشاءاللہ تعالیٰ نستعلیق ٹائپ دو تین مہینے میں کامیابی سے بن جائے گا اور اس کا CASE انگریزی سے بھی کم ہوگا یعنی صرف ۲۶ حروف اور جوڑ ہوں گے۔ انگریزی میں CASE ۲۷۵ کا ہے۔ اگر نستعلیق کے ۲۷۵ بھی رہے تو کیا کہنے۔

نیاز مند محمد عظمت اللہ خاں۔ حیدرآباد دکن ۱۵ امرداد ۱۳۳۶ف
مطابق ۲۱ جون ۱۹۲۷ء

(۴)

بنام تمکین کاظمی

شفیق و مکرمی!

تسلیم۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے خط کا جواب نہ دے سکا۔ آپ نے جن طالب علم کا ذکر کیا ہے ان کے متعلق دفتر کے کھلنے کے بعد جواب دے سکوں گا۔

---

[1] عظمت کے خط میں جس نستعلیق ٹائپ کا ذکر ہوا ہے وہ دارالطبع سرکار عالی (گورنمنٹ پریس حیدرآباد) کا ہے جو اپنے نوک پلک کی نزاکت کی وجہ سے ناقص ثابت ہوا۔ (تمکین کاظمی)

یہ چند سطریں آپ کو اس لئے لکھ دیں کہ آپ کو خط کے پہنچنے نہ پہنچنے کا تردد نہ رہے۔ میری طبیعت بفضلہ تعالیٰ رو بہ صحت ہوتی جاتی ہے لیکن بہت ہی بتدریج۔

ہاں مدیر صاحب نیرنگ خیال نے عید نمبر اپنے رسالہ کا اپنی عنایت سے بھیجے ہیں۔ ایک میں آپ کی نظم "مطربہ" خوب چیز ہے۔ میں پڑھ کر بہت محظوظ ہوا۔ باقی حالات مستوجب شکر!

نیاز مند: محمد عظمت اللہ خاں - حیدر آباد دکن

۲ر شہریور ۱۳۳۶ف مطابق ۱۰ر جولائی ۱۹۲۷ء

---

(۵)

<u>بنام تمکین کاظمی</u>

مشفقی و مکرمی!

تسلیم۔ آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ میں بہت یاد آوری کا شکر گزار ہوں۔

یہاں آ کر بفضلہ تعالیٰ میری طبیعت رو بہ صحت ہے۔ لکھنے کی اجازت نہیں لیکن آپ کی عنایت کی وجہ سے خود ہی جواب دے رہا ہوں۔

جناب مستقل صاحب کو سلام فرما دیجئے اور کہئے کہ وہ ابھی لکھنے کی اجازت کا انتظار کریں۔ میں ان کے عنایت نامہ کا بھی ممنون ہوں۔

آپ کا نیاز مند: محمد عظمت اللہ خاں - اروگیا ورم - ۱۸ر ستمبر ۱۹۲۷ء

نوٹ: عظمت اللہ خاں کا یہ آخری خط میرے نام ہے اس کے بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے مضامین کا مجموعہ اور نظموں کا مجموعہ انتقال کے بعد طبع ہوا ہے۔ (تمکین کاظمی)

سر راس مسعود

(۱)

بنام محمد امین زبیری

جناب مولوی محمد امین صاحب!

تسلیم۔ آپ کے دونوں خط مجھے پچھلی ڈاک سے یہاں ملے۔ امید ہے کہ اب آپ سمجھ جائیں گے کہ جناب کو جواب جلد کیوں نہیں ملا۔ آپ نے جو سر سید مرحوم کے خطوط کی بابت لکھا وہ میں نے بغور پڑھا۔ آپ کی مہربانی ہے کہ آپ اس کام کو کرنے کے لئے تیار ہیں۔ میں انشاء اللہ ۲۰ اگست تک حیدر آباد واپس آجاؤں گا۔ اس وقت جناب کو اس کی بابت مفصل جواب دے سکوں گا۔ آپ کی رائے ٹھیک ہے کہ بہتر یہی ہے کہ سب صاحبوں کے خطوط سیریز کی طرح پبلک کے سامنے پیش ہوں۔

خاکسار: سر سید راس مسعود۔ یوکوہاما (جاپان) ۲۵ر مئی ۱۹۲۲ء

سر سید کے کوئی خطوط ابھی آپ نہ چھپوائیں ورنہ دقت ہو جائے گی۔

(۲)

بنام علامہ کیفی چریا کوٹی مرحوم

مخدومی و مکرمی زاد مجدکم!

وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ آپ کا گرامی نامہ مجھے چند روز ہوئے ملا۔ آپ کے اور میرے خاندان کے تین پشت سے تعلقات قائم ہیں۔ جناب دادا صاحب قبلہ مرحوم و مغفور اور جناب والد صاحب قبلہ مرحوم و مغفور سے آپ کے والد ماجد اور چچا صاحب مرحوم سے خاص تعلقات اور روابط تھے۔

آپ کا خاندان علمی تبحر کے لحاظ سے سارے ہندوستان میں ممتاز ہے۔ جناب مولانا محمد فاروق صاحب مرحوم و مغفور اور جناب مولانا عنایت رسول صاحب مرحوم و مغفور اپنے زمانے کے جید عالم گزرے ہیں اور ہندوستان کے مسلمان ان بزرگ ہستیوں پر فخر کریں تو بالکل بجا ہے۔ آپ کا اور مجھ سے بھی خدا کے فضل و کرم سے ویسے ہی مخلصانہ تعلقات ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ رہیں گے۔

مجھے امید ہے کہ آپ برابر مجھے اپنے حالات سے مطلع فرماتے رہیں گے۔

خاکسار: سید راس مسعود، حیدر آباد دکن یکم اگست ۱۹۲۷ء

(۳)

بنام نصیر الدین ہاشمی

ڈیر نصیر الدین!

بعد دعا کے معلوم ہو کہ تمہارا خط مورخہ ۴ دسمبر ۱۹۲۹ء معہ یورپ کے صداقت ناموں کی نقلوں کے ملا۔ مجھے یہ دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی کہ وہاں تمہارے کام کی بابت لوگوں نے اس عمدگی سے تمہارا شکریہ ادا کیا۔ جس دن سے کہ میں نے یہاں اپنا کام شروع کیا ہے کثرتِ کار کی وجہ سے ناممکن ہو گیا ہے کہ میں کسی کے خط کا بھی جواب وقت پر دے سکوں، لہٰذا امید کرتا ہوں کہ تمہارے خط کے جواب میں جو دیر لگی ہے اس کو معاف کرو گے۔

بدقسمتی سے ہمارے کتب خانہ کی حالت یہاں ایسی عمدہ نہیں ہے جیسی کہ مسلمانوں کی مرکزی درس گاہ کے کتب خانہ کی ہونی چاہیے۔ تاہم تم جو کچھ دریافت کرنا چاہتے ہو وہ LIBRARIAN مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کو لکھ کر دریافت کر سکتے ہو۔

مجھے خود اس کا علم ہے کہ جناب نواب سر حیدر نواز جنگ کو تم میں کافی دلچسپی ہے اور میری رائے یہ ہے کہ تم ان سے گاہے گاہے ملتے رہو اور صاف طرح سے جو کچھ بھی تمہاری مشکلات ہوں ان کا اظہار ان کے سامنے کرو۔ سوائے اس کے اور کوئی تمہیں صلاح نہیں دے سکتا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ جس وقت موقع نکلے گا نواب صاحب ممدوح تمہاری مدد کرنے سے دریغ نہ فرمائیں گے۔

خاکسار: سید راس مسعود۔ علی گڑھ ۱۰ دسمبر ۱۹۲۹ء

(۴)

بنام نصیر الدین ہاشمی

ڈیر نصیر الدین ہاشمی:

بعد دعا کے معلوم ہو کہ تمہارا عنایت نامہ و کتاب مجھے کل ملے۔ جب وقت ملے گا تو تمہاری جدید تصنیف کو ضرور پڑھوں گا۔ تم ان چند لوگوں میں سے ہو جو میرے یاد ہیں۔ مجھے ابھی تک فرصت ملی نہیں۔ یہاں کا نظامِ تعلیم میں بدلنا چاہتا ہوں۔ خواہش یہ ہے کہ اس ریاست میں بھی قومی تعلیم جاری ہو جائے۔ افسوس کہ میری صحت ایسی خراب ہو گئی ہے کہ میں اب ۴ گھنٹے سے زیادہ کام نہیں کر سکتا۔ جرمنی واسطے علاج کرانے گیا تھا لیکن قلب کی بیماری کا سوا آرام کے اور کوئی علاج نہیں ہے۔ جو کچھ بھی میری صحت تھی وہ علی گڑھ کے نذر کر چکا۔ یہ صرف نواب صاحب بھوپال کی محبت تھی کہ وہ مجھے یہاں کھینچ لائی۔ یہ ایک نہایت دانشمند بادشاہ ہیں اور خدا نے چاہا تو ان سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ یہ ریاست بھی ان شاء اللہ جلد علم کا مرکز بن جائے گی۔

مجھے یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کام کرتے ہو اور کیا تنخواہ پاتے ہو۔ عبد السلام[1] مرحوم کے والد کو میرا سلام کہہ دینا۔ خدا کرے اس مرحوم کے بچے خیریت سے ہوں۔

میں ہوں تمہارا سچا خیر طلب: سید راس مسعود۔ بھوپال ۲۴ نومبر ۱۹۳۴ء

نوٹ: یہ خط خود سید صاحب کا لکھا ہے۔

---

[1] عبد السلام مرحوم میرے پھوپھی زاد بھائی اور تعلیم میں ناظر تھے۔

(۵)

<u>بنام نصیر الدین ہاشمی</u>

ڈیر نصیر الدین ہاشمی! تسلیم

تمہارا عنایت نامہ مورخہ ۴؍ دسمبر ۱۹۳۵ء مجھے ابھی ملا۔ یہ پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ ہندوستانی اکیڈیمی میں اپنا ایک مقالہ پڑھ رہے ہو۔ خدا مبارک کرے۔

افسوس کہ جس زمانہ میں کہ تم ادھر سے گزرو گے میں بھوپال میں نہ ہوں گا۔ یہاں سے ۱۰؍ دسمبر کو روانہ ہو رہا ہوں اور دوسری یا تیسری جنوری سے پہلے واپس آنا نہ ہوگا۔ والسلام!

میں ہوں تمہارا سچا خیر طلب: سید راس مسعود، بھوپال ۸؍ دسمبر ۱۹۳۵ء

(۶)

<u>بنام مولوی عبد الحق صاحب</u>

میرے نہایت پیارے عبد الحق!

تمہارا خط مورخہ ۷؍ اکتوبر ۱۹۳۶ء جو تم نے کلکتہ سے مجھے لکھا تھا ملا۔ خط میں یہ پڑھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ تم نے جو دعوت نامہ میرے پاس بھیجا تھا اس کے جواب کے تم منتظر ہو۔ مجھے تمہارا کوئی دعوت نامہ نہیں ملا اور نہ تمہارے ۱۱؍ ستمبر والے خط کے بعد سے کوئی اور خط ملا۔ بہرحال اب اس خط کے ذریعہ تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ میں علی گڑھ میں اپنی والدہ کے ساتھ ۲۴؍ اکتوبر سے ۳۰؍ اکتوبر تک قیام کروں گا۔ تم نے جو مجھے اردو کانفرنس کی صدارت کے واسطے لکھا ہے تو اس کے متعلق صرف اس قدر عرض ہے کہ میں اپنے آپ کو اس عزت کے لائق نہیں پاتا ہوں۔ رہا اردو کی خدمت، تو جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں میں ہر ممکنہ خدمت کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔

امید کہ تم اب حیدر آباد واپس آگئے ہوگے اور ہر طرح خیریت سے ہوگے۔ فقط!

میں ہوں تمہارا سچا چاہنے والا!
راس مسعود۔ بھوپال ۱۰؍ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(۷)

<u>بنام نصیر الدین ہاشمی</u>

برخوردار نصیر الدین ہاشمی!

تسلیم! تمہارا عنایت نامہ ۱۵؍ ستمبر ملا۔ کتابوں کی پارسل بھی پہنچی لیکن انتہائی مصروفیت کی وجہ سے اون کو ابھی پڑھ نہ سکا۔ اس کا یقین ہے کہ جو کچھ تم نے لکھا ہوگا وہ نہایت قابلِ قدر ہوگا۔ میری دعا قبول کرو اور میرا سلام عبد السلام مرحوم کے والد کو پہنچا دو۔

میں ہوں تمہارا خیر طلب: سید راس مسعود
بھوپال (سی آئی) ۱۵؍ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(۸)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

جنابِ محترم!

نوازش نامہ اس وقت پہنچا جبکہ صاحبزادہ صاحب[1] بمبئی تشریف لے جا چکے تھے۔ جناب کا خط میں نے روانہ کر دیا۔ ان کے بعجلت جانے کا باعث یہ تھا کہ ان کے احباب مقیم بمبئی نے پہلے سے ان کی دعوتوں کا انتظام کر لیا تھا اور جہاز کی روانگی کی تاریخ کی غیر متوقع تبدیلی کی وجہ سے اس انتظام کو درہم برہم کرنا مناسب نہ سمجھا گیا۔

جناب نے جن شفقت آمیز الفاظ میں مجھے یاد فرمایا ہے اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میری زبان قاصر ہے سوائے اس کے کچھ عرض نہیں کر سکتا کہ یہ جناب کی نیک نفسی اور ذرہ نوازش ہے جس کے لئے مشکور و ممنون ہوں۔

مجھے افسوس ہے کہ اس وقت تک حاضر نہ ہو سکا۔ یہاں آ کر مجھے اس درجہ مصروف رہنا پڑا کہ میری صحت تک خراب ہو گئی اور ملنے ملانے کا موقع نہ ملا۔

بندہ زادے کو جناب کا لذیذ تحفہ حسب ارشاد دے دیا گیا۔ قدرت نے اس کو ابھی قوتِ تکلم پورے طور پر عطا نہ کی تھی کہ شیرینی نوش کرنے اور ابھی لب بند کر دیئے۔ فقط!

دستخط: سید راس مسعود۔ ۸ ذیقعدہ

(۹)

بنام نواب رفعت یار جنگ بہادر

شفیقی و محترمی!

السلام علیکم۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کے عنایت نامہ کا جواب جلد روانہ ہو سکا۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس تعویق کو معاف فرمائیں گے۔

خواجہ کمال الدین صاحب کی جو کتابیں مدرسوں کے کتب خانوں کے لئے ٹیکسٹ بک کمیٹی نے منظور کی ہیں ان کے متعلق ارباب مسلم مشن لاہور کو چاہئے کہ مدارس ثانویہ ممالک محروسہ سرکار عالی کے صدر مدرس صاحبان سے خط و کتابت کریں۔ امید ہے کہ صدر مدرس صاحبان اپنی متعلقہ گنجائش سے ان کی خریداری کریں۔ ایسا بھی کیا جاتا ہے کہ دفتر نظامت کتابیں خرید کر تقسیم کر دیتا ہے۔ اگر سنہ ۱۳۳۶ ف میں خواجہ صاحب کی کتابیں کافی تعداد میں مدارس کی جانب سے نہیں خریدی گئیں تو میں انشاء اللہ اور سنہ ۱۳۳۶ ف میں حسب گنجائش ان کتابوں میں سے بعض کو خرید کر مدارس کے کتب خانوں کو تقسیم کرا دوں گا۔

نیازمند: سید راس مسعود۔ ۲۲ ابان سنہ ۱۳۳۵ ف

---

[1] صاحبزادہ آفتاب احمد خاں جو سر راس مسعود کے خسر تھے اور ان کے یہاں بطور مہمان آئے تھے۔

مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی

(۱)

بنام ولؔ شاہجہان پوری

دام مجدکم!

آسان نہیں کہ میں اپنے حالات آپ کو لکھوں۔ ایک سال سے بیمار ہوں۔ میڈیکل کالج میں مدقوق تجویز کیا ہے کھانسی بہت شدت سے ہے۔ کسی وقت حرارت بھی رہتی ہے۔ لکھنؤ گیا تھا آپ کا دعوت نامہ دیکھا تھا۔ غرض کہ صاحب فراش ہوں ایسی حالت میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ آپ کے خلوص اور محبت پر نظر کرتے ہوئے امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے اور میری غیر حاضری کو محمول کسی عذر بارد پر نہ فرمائیے گا۔

عزیزؔ لکھنوی۔ محمود آباد ضلع سیتاپور

(۲)

بنام ولؔ شاہجہان پوری

مکرمی!

تسلیم۔ گرامی نامہ پہنچا منت پذیر یاد آوری ہوا۔ مرض کی حالت بدستور ہے کبھی کم کبھی زیادہ طاقت روز بروز جواب دے رہی ہے اگر کوئی مجرب نسخہ ہو تو مرحمت فرمائیے۔ مشاعروں کی شرکت سے اب احتراز کرتا ہوں اوّل تو فضا بدل گئی دوسرے تمام رات اس زحمت کو برداشت کرنے کے قابل نہیں رہا۔ دیوان کی اشاعت کافی ہوئی مجھ کو ادبی کساد بازاری کا تجربہ ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہ اشاعت اتنے زمانے میں کافی ہے۔ پنجاب سے اگر کتب فروش طلب کرتے ہیں تو ان کو ضرور دیجئے کمیشن زائد ہی سہی مگر وہ اشتہارات دے کر کتاب نکال دیں گے۔ یہ تمام زحمتیں آپ سے نہیں ہوں گی میں نے تو عہد کر لیا ہے کہ اب اپنی کوئی کتاب اپنی رقم سے نہیں چھپاؤں گا اس میں سراسر نقصان ہے میری کتابیں کی الماری میں دیمک لگ گئی اس میں ایک کتاب پر میری جدید غزلیں تھیں جس کو بالکل کھا لیا نشان بھی باقی نہ رہا چند ایسی غزلیں جن کے مسودات موجود ہیں چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس بھیج دوں جس کو جناب صرف انتخاب کر دیں کیا یہ ممکن ہے شبیر حسن سلمہ کو دعا ان کی کامیابی سے دلی مسرت ہوئی۔

مخلص: عزیزؔ

(۳)

بنام دل شاہجہان پوری

مکرمی!

تسلیم۔ دیوان پہنچا۔ اسے وقت تو خوش کر وقت ناخوش کر دی۔ اسی وقت جلد ساز کے حوالہ کیا گیا۔ آج جلد بندھ کر آگئی۔ فرصت کے اوقات میں اس سے بہتر کوئی مشغلہ نہیں ہو سکتا۔ جا بجا سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ کتابت کے اغلاط بہت رہ گئے۔ مگر آپ کیا کریں۔ بقول مولانا شبلی مرحوم کے ہندوستان میں کتاب صحیح چھپنا محالات سے ہے۔ یہ خط تو عبدالحکیم کا نہیں ہے بلکہ کسی معمولی کاتب کا ہے۔ خیر آپ کو تجربہ تو کتاب چھپوانے کے متعلق ہو گیا ہوگا۔ میرے خیال میں لکھنؤ اس کام کے لئے موزوں نہیں۔ آئندہ علی گڑھ، لاہور میں یہ کام کیجئے گا۔ دیوان کی قیمت کیا رکھی ہے اور کس قدر چھپوایا ہے۔ بعفت تقسیم نہ فرمایئے گا۔ انشاء اللہ تعمیلِ ارشاد بجا لاؤں گا۔

عزیز

(۴)

بنام دل شاہجہان پوری

مکرمی!

تسلیم۔ گرامی نامہ پہنچا۔ نگار میرے پاس نہیں آتا نہ اس قرب و جوار میں کہیں آتا ہے۔ ممنون ہوں گا اگر وہ پرچے آپ مجھ کو بھیج دیں یا وہ اوراق نکال کر بھجوا دیں۔ دونوں صورتوں میں باحتیاط واپس کر دوں گا۔ اگر کوئی صاحب لے گئے ہوں تو ان سے منگوا کر بھجوا دیجئے بہر صورت میں منتظر ہوں، یہ صابر صاحب کون بزرگ ہیں۔ اگر مرزا فخر اللہ بیگ ہیں تو مضمون ان کا نہیں ہو سکتا۔ میں غزلیات کو جمع کر رہا ہوں کیونکہ میرا پورا مجموعہ جو کتاب کی صورت میں تھا نذر کرم ہو گیا۔ اب جہاں تک ہوگا جمع کر کے آپ کی خدمتِ اقدس میں بھیجوں گا میں آپ کی محبت اور آپ کے خلوص کا ہمیشہ سے معترف تھا جس کا ایک گہرا اثر میرے دل پر ہے۔ گرما مارکا میں نے تین چار روز تک استعمال کیا مگر کوئی فائدہ نہیں محسوس ہوا۔

حکیم امجد علی صاحب کا کیا پتہ ہے؟ شبیر حسن سلمہٗ کو دعا۔

مخلص: عزیز

(۵)

بنام دل شاہجہانپوری

محبت بکرم!

تسلیم۔ نگار واپس کرتا ہوں۔ شاد صابری کوئی صاحب ہوں مگر یہ فرضی نام ہے۔ مضمون دراصل مولوی سبط حسن اور ان کے بھائی ظفر مہدی کا ہے بہر نوع مجھے اس سے بحث نہیں۔ انظرالی ما قال پر نظر ہے۔ اس کا افسوس ضرور ہوا کہ شدتِ عداوت میں انہوں نے میرے مطبوعہ اشعار میں تحریف کر کے گنجائشِ اعتراض پیدا کی جس کو میں نے نوٹ کر دیا ہے۔ غلطی ہونا

مجھ سے بھی ممکن ہے اور ناقدسے بھی۔ اب آپ انصاف سے ایک محاکمہ اس پر کر دیجئے تاکہ جو در اصل اغلاط ہیں تیسرے ایڈیشن میں ان کی تصحیح کر دی جائے اگرچہ تیسرا ایڈیشن بھی چھپ گیا ہے مگر آخری غلط نامہ لگا دینا ممکن ہے۔ میں دشمنوں کی نظر سے بعض اوقات فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں بعض اوقات ان کی کمزوریوں کا علم حاصل کرتا ہوں۔ میری غزل کا ایک شعر ہے

دشمن پہ بھی نگاہ رہے عیب ہیں ہے وہ

یہ کیا صرف چاہنے والوں کو دیکھئے۔ انہی بزرگ نے میرے قصائد پر بھی رسالہ تسنیم اور سرفراز اخبار میں اعتراضات شائع کئے ہیں جس کے دندان شکن جوابات میں نے لکھ کر ایک دوسرے شخص کے نام سے شائع کرا دئے ہیں۔ وہ مباحث میں آپ کو دکھاؤں گا۔ رسالہ "نگار" میں جو اعتراضات ہیں ان میں بعض باتیں مجھ کو صحیح معلوم ہوتی ہیں لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ میں اپنی ذات کو عصمت مآب سمجھوں۔ آپ چونکہ بالغ نظر اہل فن ہیں اگر تصدیق فرماویں تو میں تصحیح کرا دوں۔ اس نمبر کے علاوہ پہلا نمبر بھی دیکھ لیجئے گا۔

جواب کا منتظر رہوں گا۔ دیوان غزلیات و مجموعہ منظومات مرتب کر رہا ہوں ختم کے بعد آپ کو بغرض انتخاب بھیجوں گا۔

نغمۂ دل کی بابت میری رائے ہے پنجاب کی کسی تعلیمی درسگاہ میں داخل ہونا چاہئے۔ شبیر حسن سلمہٗ کو دعا۔ اصلاحوں سے قطع نظر کیجئے گا اس کی گنجائش بڑے بڑے اساتذہ کے کلام میں نکل آئے گی صرف اغلاط پر نظر رہے مگر تعمق نظر کی ضرورت ہے۔ نیاز صاحب کے نوٹ بعض جگہ صحیح نہیں۔

عزیزؔ!

خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی

(۱)

بنام منشی محمد الدین فوق

مکرمی دام مجدکم!

تسلیم۔ پہلے میں شکریہ جناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب بالقابہ کا ادا کرتا ہوں کہ آپ کو محرک تحریر نامہ محبت شمامہ ہوئے۔ من بعد آپ کا سپاس گذار ہوں کہ آپ کی ذات ہوا خواہ قوم ہے اور بالفاظ دیگر خادم العوم جس کی شان ہے خادم القوم مخدومہم — اللہ تعالیٰ آپ کی تائید اور مدد کرے۔

عزیز ناچیز مطالعہ سے دونوں رسالوں (کشمیری میگزین) کے نہایت مسرور ہے اور بہ دل و جان ترقی خواہ قوم کا بہی خواہ ہے۔

یہ جو تحریر ہوا کہ اپنا حال لکھو، تو اس استخواں فروشی سے خموشی بہتر ہے جس کی صورت سیرت ننگ بنی نوع انسان ہو اس کے اظہار کی کیا ضرورت۔ البتہ عزیز ناچیز کو شوق شعر و سخن روز ازل سے ہے اور باوجود قحط سالی سخن کبھی کبھی طبع آزمائی کرتا رہا لیکن چار پانچ برس سے ایسے امراض میں مبتلا رہتا ہے کہ مصداق اس شعر کا ہے؎

چناں قحط سالی شد اندر دمشق   کہ یاراں فراموش کردند عشق

بایں ہمہ بموجب الامر فوق الادب ایک مخمس کی نقل مرسل ہے۔ میرے گمان میں دلچسپی ناظرین سے خالی نہ ہوگا۔ اگرچہ بشمول مثنوی ید بیضا طبع ہوا ہے۔ لیکن کسی اخبار یا رسالہ میں طبع نہیں ہوا۔ مکرر آنکہ تالیف و تصنیف درکنار اب بوجہ بیماریوں کے کتب بینی بھی دشوار ہے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ جناب ڈاکٹر صاحب کو تسلیم!

عزیز الدین عزیز از لکھنؤ سبزی منڈی — ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۹ء

مخمس

وزد بہ مرغزار ہا ہوائے نو بہار ہا   نہ سرو ہا چنار ہا ز صوفیاں قطار ہا

چکارو باد و سار ہا چو راقصاں بکار ہا   بوجد شاخسار ہا ز نغمۂ ہزار ہا

بہ از صدائے تار ہا نوائے زیر[1] و زار ہا

[1] آواز پست و بلند

همه دل به هیچ شے مداں ثبات شمس و فیے　　　نگوی از قباد و کے بپرس از عراق و رے
بروزگار و کار و سے نبرده کس سراغ و سے　　　کنوں که رفت فصل دے بیاد سے بنائے نے
بنوش مے کجا و کے بباغ در بہار ها

چمن شده سپهر شاں جدا و مش چو کهکشاں　　　شگوفه ماه و نشاں کمال حسن مهوشاں
نسیم را چه سرخوشاں هوا بروکشاں کشاں　　　چو گل چه لاله هر دو شاں سبو کش این قدح کش آں
کنند بہ که مے کشاں تلافی خمار ها

ز طائراں فرق فرق سحرگهاں بیا و حق　　　غزل سرایداں نسق که کودکانِ هم سبق
شقیق لعل گوں و شتن چناں که در افق شفق　　　شگفته گل ورق ورق بلبسعی ابر در عرق
بر ورق طبق طبق گهر کند نثار ها

بہار گشته گل فشاں جهان کهنه شد جواں　　　در غنچها یگاں یگاں رده رده زماں زماں
بجنبش آمده چناں که مهد خواب کودکاں　　　چه فرودیں چه مهرگاں هوا چو دایه مهرباں
کشاده غنچه ها دهاں چو طفلِ شیر خوار ها

بیا گل از چمن ببر چو من چمن چمن ببر　　　شقیق از دمن ببر عقیق از یمن ببر
رحیق از انجمن ببر رفیق هم چو من ببر　　　بنفشه یاسمن ببر شگوفه بے ثمن ببر
سمن دو من سمن ببر ز طرف کشت و کار ها

بسیج جوئبار کن بسرو بن گذار کن　　　کرشمه اش بکار کن به جلوه اش شرمسار کن
بقدِ خود دو چار کن چو بید بیقرار کن　　　به لطف در کنار کن چو سر کشد کنار کن
بگیر و پس بدار کن خوش ست گیر و دار ها

ز راست بخت روز به به بخت آفرین بزه　　　غلام تو چه که چه مه بر خش ناز زیں بنه
ز هر دو زلف پرگره بدوش بر فگن زره　　　کمان عشوه ساز زه به تیغ غمزه آب ده
که دل بجائے شهر و ده دهند شهریار ها

دو زلف اگر بهم زنی بایمن اسیر افگنی　　　میان درع و جوشنی سفندیار و بهمنی!
بجلوه برق خرمنی بغمزه شیر اوژنی　　　حریف صد تهمتنی چه جائے رطل ده منی
بیک کرشمه بشکنی خمار ذوالخمار ها

مراد من ازیں چمن نه سرو هست و یاسمن　　　مدام هست چشم من به نوبهار علم و فن
چه علم شمع انجمن سهیل مطلع یمن　　　عیار حق نه قلب ظن بهار جاں نه برگ تن
رحیق دیں نه لائے دن بلائے میگسار ها

حدیقۂ ازل ابد شمارۂ قبول ورد　　　　گل ارغواں بہ صد دو صد چمن چمن سبد سبد
سمن بران سرو قد سہی قدان لالہ خد　　　　مثال ایک و نقش بد ز دست دل ہمی برد
چہ باشد آں نگار خود کہ بندد ایں نگارہا

عزیز تا ادیب شد عزیز ہر ادیب شد　　　　انیس ہر حبیب شد حبیب ہر لبیب شد
بہر کجا خطیب شد ز سامعاں شکیب شد　　　　مقابل حبیبؔ شد رقیب عندلیب شد
حریف دلفریب شد بہ نغمہ از ہزارہا

بموجب ارشادِ گرامی یہ ہرزہ درائی درج نیاز نامہ ہوئی کہ قبول نظر ہو جائے۔ اگر مناسب جانئے تو رسالہ میں شائع کیجئے۔ چونکہ نظم ہے تصحیح کا خیال رہے۔ فقط!

۱؎ حبیب اللہ قاآنی شیرازی

۲؎ بارہ بند کا یہ مخمس منشی محمد الدین فوقؔ مرحوم مدیر کشمیری میگزین لاہور کو ۱۹۰۹ء میں بغرض اشاعت موصول ہوا تھا۔ مگر منشی صاحب یہ نظم کہیں رکھ کر بھول گئے اور باوجود تجسس و تلاش کے اسے دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ یہ مخمس خواجہ عزیز مرحوم کی مثنوی مہ بیضا کے ساتھ بھی شائع ہوا تھا اور کلیات میں بھی چھپ گیا ہے۔ پیش نظر مسودے اور مطبوعہ میں خاصا فرق ہے۔

بہتر ہے۔ ؎

مبند دل بہ ہیچ شے مداں ثبات شمس و فے　　　　مگو ے از قباد و کے، بپرس از عراق و رے
ز چرخ و انقلاب وے　　　　زمان و سے جو گشت طے بیاد ہے بنا و نے
بہ نوش مے کجا و کے چراغ در بہارہا

مفتی کفایت اللہ

(۱)

بنام غلام رسول مہر

جناب مکرم دام مجدہم!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ محبت نامہ نے مسرور فرمایا۔ یادآوری کا شکریہ۔ آپ کی دعا کی برکت اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے سفرِ حجاز نہایت راحت، اطمینان و عافیت کے ساتھ پورا ہوا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

کمر میں تو انتہائی سعی کر رہا ہوں اور کروں گا کہ مسلمانوں میں افتراق و شقاق کی خلیج زیادہ وسعت پذیر نہ ہو۔ اس کی موجودہ حیثیت ہی تباہی لانے کے لئے کیا کم ہے کہ وسعت پذیری کا خوف نہ کیا جائے مگر خدا جانے ہندوستانیوں کی بدقسمتی کی انتہا کب ہوگی اور ان کی فلاح کے لئے کون سا وقت مقدر ہے کہ جس طرف توقع کی نظر ڈالو اُدھر ہی یاس کی ظلمت نظر کو خیرہ کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ دستگیری فرمائے اور ہماری حالتِ زار پر رحم کرے۔

مولانا عبدالحلیم صاحب، مولانا محمد عرفان صاحب سفر میں ہیں۔ مولانا احمد سعید صاحب سلام فرماتے ہیں۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔ دہلی ۵ ستمبر ۲۶ء

---

(۲)

بنام مہر صاحب

جناب محترم!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ حسب اعلان سابق ۱۵ اگست ۱۹۲۵ء کو مسلمانان دہلی کا ایک جلسہ اس غرض سے منعقد ہوا کہ انبیاء و پیشوایانِ مذاہب کی توہین کو روکنے کے لئے مستقل جدید قانون وضع کرانے کے وسائل پر غور کیا جائے۔ جمعیۃ منعقدہ کے اراکین میں سے آنریبل نواب سر ذوالفقار علی صاحب و آنریبل نواب محمد اسماعیل خاں صاحب و آنریبل مولانا محمد شفیع صاحب داؤدی شریکِ جلسہ ہوئے اور مولانا محمد علی کے وضع کردہ مسودہ پر غور کیا گیا۔

تبادلۂ خیالات کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ ہندوستان کے تمام صوبوں سے وکلاء و علماء و دیگر اہل الرائے مسلمانوں

کی ایک معتمد اور منتخب جماعت شملہ میں مجتمع ہو اور ارکان اسمبلی کے ساتھ مل کر زیر تجویز قانون کے تمام پہلوؤں پر غور و بحث کرے اور اگر کسی ترمیم کی ضرورت ہو تو ترمیم کرکے اسے منظور کیا جائے۔ پھر ارکانِ اسمبلی کے واسطے سے یا اگر ضرورت ہو تو ایک وفد کے ذریعہ سے وائسرائے کو اس امر پر آمادہ کیا جائے۔ ہمیں جناب والا سے توقع ہے کہ اس ضروری اور نہایت اہم معاملہ میں پوری توجہ فرما کر اپنی زریں رائے سے اس مسئلہ کے حل کرنے میں امداد فرمائیں گے۔ یہ اجتماع ۲۸ر اگست ۱۹۲۷ء کو شملہ میں ہوگا جس کیلئے کوئی مناسب مقام وہیں متعین کیا جائے گا۔ اطلاع دہی کی سہولت کے لئے ضروری ہے کہ جناب اپنے شملہ پہنچنے اور جائے قیام کی اطلاع مولانا محمد شفیع داؤدی ممبر اسمبلی کو فرما دیں۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ جو حضرات اپنی جائے قیام کا انتظام نہ فرما سکیں ان کیلئے انتظام کر دیا جائے۔ لیکن ابھی تک نہیں کہا جا سکتا کہ انتظام ہو سکے گا یا نہیں۔

ہماری درخواست ہے کہ ۲۸ر اگست کی صبح تک جناب ضرور شملہ پہنچ جائیں تاکہ اسی روز کسی مناسب وقت میں اجتماع ہو سکے۔

محمد کفایت اللہ (صدر جمعیۃ العلماء) دہلی۔ اگست ۱۹۲۷ء

---

(۳)

<u>بنام سید دل محمد فضا</u>

مولانا دام مجدہم!

بعد سلام مسنون۔ جناب کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ میں گرچہ شعر و شاعری سے نابلد ہوں اور مجھے اس پر قلم اٹھانا زیبا نہ تھا۔ تاہم آپ کے ارشاد کی تعمیل میں اپنا حقیر خیال پیش کر دیا ہے۔ جانتا ہوں کہ یہ در خورِ توجہ و التفات نہ ہوگا۔

جوابی کارڈ سے مضمون زیادہ ہونے کی وجہ سے لفافہ ارسالِ خدمت کیا گیا ہے۔ لفظ 'شروع' عربی لفظ ہے اور مصدر ہے اس میں الف تا بڑھا کر شروعات جمع کا صیغہ بنا لیا گیا ہے۔ مصدر سے اگر مصدری معنی مراد لئے جائیں تو اس کی جمع بنانا خلاف اصل ہے کیونکہ المصدر لایثنی ولایجمع مسلّمہ قاعدہ ہے لیکن جبکہ لفظ مصدر سے مصدری معنی مراد نہ ہوں بلکہ حاصل بالمصدر کے معنی مراد ہوں یا مصدر سے اسم مفعول کے معنی مراد ہوں یا مصدر کے انواع بتانے مقصود ہوں تو مصدر کی جمع بنا لی جاتی ہے جیسے رکعۃ، رکعات۔ سجدہ، سجدات۔ قولہ، اقوال۔ طہارۃ، طہارات۔ اجارہ، اجارات، امانۃ، امانات۔ دیانۃ، دیانات وغیرہا۔

رہا یہ سوال کہ فعُول کی جمع الف تا کے ساتھ فعولات آتی بھی ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ فعُول کے وہ مصادر جو ذوات التاء ہیں ان کی جمع تو الف تا کے ساتھ مطرد ہے جیسے نبوۃ، نبوات۔ خصومۃ، خصومات۔ حکومۃ، حکومات۔ وسوسۃ، وسوسات اور جو مصادر غیر ذوات التاء ہیں جیسے شروع، رکوع، سجود، نزول، ہبوط، صعود، سکون، قعود، جلوس، وجود۔ ان کی جمع فعولات پر اگرچہ مطرد نہیں لیکن ان میں سے بعض مصادر کی جمع فعولات پر بنائی اور استعمال کی گئی ہے۔ جیسے مصاحف میں رکوع کی جمع رکوعات اوائل سُوَر میں مستعمل ہے اور جیسے وجود کی جمع وجودات، ہبوط و صعود کی جمع ہبوطات و صعودات استعمال کی گئی ہے۔ دیہ یاد رہے کہ یہ جمع مصدری معنی کے لحاظ سے نہیں بلکہ اسم مصدر یا حاصل بالمصدر کے معنی کے لحاظ سے ہے مگر لفظ مصدر کی جمع ہے، اسی طرح شروع کو حاصل بالمصدر کے معنے (آغاز) میں لے کر اس کی جمع شروعات بمعنی آغازہا یا ابتداہا بن سکتی ہے۔

اگر یہ خیال ہو کہ شروعات کو شروع کی جمع قرار دینا اس وقت ممکن تھا کہ اس کو جمع کے معنے میں استعمال کیا جاتا لیکن اس کو جمع سمجھنے اور استعمال کرنے والے مفرد کے معنی میں استعمال کرتے ہیں جیسے ؎

قبا جسم کی تنگ سے تر ہوئی
حیا کی یہاں سے شروعات ہے
(سائل دہلوی)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ کے صحیح ہونے کے بعد یہ خیال لائق التفات نہیں ہے کیونکہ عربی جمع کے متعدد الفاظ اردو میں مفرد کی جگہ استعمال ہوتے ہیں جیسے لفظ اصول، اخبار، احوال، واہیات، خرافات، اسباب وغیرہ۔

ان تمام باتوں کے باوجود اکثر ادبا شروعات کا لفظ استعمال نہیں کرتے اس لئے میں بھی اس کے استعمال کو پسندیدگی کی نظر سے تو نہیں دیکھتا مگر استعمال کرنے والوں کو بھی مستحق طعن و تشنیع نہیں سمجھتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ - دہلی یکم ستمبر ۱۹۴۳ء

عبدالرحمٰن بجنوری

بنام مولوی عبدالحق

مخدوم و معظم تسلیم بعد تعظیم

مولانا ہاشمی صاحب سے یہاں ملاقات ہوئی۔ انہوں نے آپ کے دفعتاً حیدرآباد بلائے جانے کے متعلق کہہ زبانی فرمایا نہایت افسوس ہے کہ آپ سے ملاقات کا یہ قریب ترین اور عمدہ موقع ہاتھ سے جاتا رہا۔ آئندہ ماہ نومبر کے آغاز سے میں بھی تین ماہ کے لئے دورہ پر جاؤں گا۔ لیکن امید ہے کہ زمانہ کرسمس میں علی گڑھ یا لکھنؤ جہاں آپ کا ارشاد ہوگا حاضر ہو سکوں گا۔

آپ نے باوجود میرے استفسار کے کہ انجمن ترقی اردو کا اجلاس کہاں ہوگا تفصیلات سے کچھ بھی اطلاع نہیں بخشی اخباروں میں چرچا ہے اور آپ خاموش ہیں۔ جو مضمون میں نے انجمن ترقی اردو کے متعلق لکھ کر گذشتہ سال آپ کی خدمت میں بمبئی روانہ کیا تھا اس کے متعلق ایک مہربان کا یہ خیال ہے کہ اگر انجمن کا اجلاس لکھنؤ میں ہو تو اس کو وہاں پڑھوں۔ اگر آپ کی رائے میں یہ مناسب ہو تو میں تیار ہوں۔ لیکن اس مضمون کا آخری اور مکمل مسودہ آپ ہی کے پاس ہے میرے پاس چند پراگندہ اجزا پڑے ہوئے ہیں۔ اگر وہ موجود ہو اور آپ میرے پاس روانہ فرما دیں تو میں اس کو دوبارہ دیکھ لوں گا۔ اور اگر آپ کا مشورہ ہوگا تو اس عرصے میں اس کو چھپوا بھی لوں گا۔ یہ میں قطعاً آپ کے مشورے پر چھوڑتا ہوں۔

مولانا ہاشمی صاحب کی گفتگو سے کچھ ایسا معلوم ہوا کہ شائد آپ کا ارادہ ہے کہ دیوان غالب کو لکھنؤ الناظر پریس میں ہی طبع کرایا جائے۔ گو مجھ کو اس بات کا باور نہیں ہوتا۔ لیکن اس خبر نے مجھ کو نہایت مشوش کر دیا ہے اور میں نہایت مضطربانہ التجا کرتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہ فرمائیے گا ورنہ تمام محنت برباد ہو جائے گی۔ جو دیوان لکھنؤ میں کتابت ہوا ہے نہایت عمدہ ہے۔ لیکن اگر اس کی چھپائی کے لئے کسی نہایت اعلیٰ درجے کے کلوں کے پریس میں انتظام نہ کیا گیا تو کتنا ہی عمدہ کاغذ لگایا جائے حروف پھیل جائیں گے سطریں غیر متوازی ہو جائیں گی اور تمام صورت اور نقشہ بگڑ جائے گا۔

میری رائے یہ ہے کہ اول تو لکھنؤ کے خوش نویس کے لکھے ہوئے مسودہ کا پی کو فوٹو کرانے کی کوشش کی جائے۔ یو۔ رے، کلکتہ کا کارخانہ دنیا کے عمدہ کارخانوں میں شمار ہوتا ہے۔ جس میں صرف ایک قباحت ہے اور وہ یہ کہ لاگت بہت

ہی بڑھ جائے گی، بہرحال ایک اندازہ طلب کرنے میں مضائقہ نہیں۔

اس کے بعد ایک پریس بمبئی میں ایک شخص ہاتھ نانی نے کھولا ہے جو ہندوستان میں بہترین بتلایا جاتا ہے۔ ہاشمی نے لیتھو کا فن یورپ میں تحصیل کیا ہے اس کا پتہ لگا کر اس سے طبع کرایا جائے۔ جو دیوان غالب آپ طبع کرا رہے ہیں وہ ایک کتاب کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ ایک یادگار کی حیثیت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہاشمی صاحب کا خیال غلط ہے اور میں خواہ مخواہ یہ لکھ رہا ہوں لیکن دل نے نہ مانا اور جب تک نہ لکھ دیا دل کا وسوسہ نہ گیا۔

عبدالرحمٰن صاحب دہلی میں ہیں۔ حکیم اجمل خاں صاحب کو کوچ کرنے یا میل سمجھانے (یہ دونوں) ان کے اپنے الفاظ میں) گئے ہیں۔ ۸ ارکو پرنس حمید اللہ خاں، حکیم اجمل خاں، مفتی انوار الحق کی لفٹننٹ گورنر سے آگرہ میں ملاقات ہے۔ دیکھنا ہے کہ ڈیرہ دون کالج کی قسمت کا کیا تصفیہ ہوتا ہے۔ آپ کے طویل والا نامہ کا جواب عرض کرنے کی ابھی نوبت نہیں آئی، انشاءاللہ فرصت سے لکھوں گا اور اپنا حال کیا لکھوں۔ جملہ کوائف بدستور ہیں والسلام

عبدالرحمٰن بھوپال ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۶ء

(۲)

بنام مولوی عبدالحق

مخدوم و مہربانم　تسلیم بصد تعظیم

(۱) مرزا سعید صاحب کے معاملے کے متعلق ہنوز جواب نہیں آیا۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ کیا ہوا۔ کیونکہ اگر اردو یونیورسٹی ان کو نہ ملے تو مسلم یونیورسٹی ان کو مجبور کر کے ان کی خوشامد کر کے ان کو ولایت روانہ کرے۔

(۲) دیوان غالب کی کاپیاں پہنچ گئیں۔ ایک نمونہ تیار ہو رہا ہے جب تیار ہو جائے گا روانہ ہو گا۔ علاوہ اس کے زنک پلیٹ فوٹو ٹائپ کرنے کے متعلق خط و کتابت کر رہا ہوں کلکتہ کی ایک کمپنی تیار ہے اور دل کے جواب ابھی نہیں آئے۔ تخمینوں سے اطلاع دوں گا۔ اگر آپ پانچ ہزار تک صرف کرنے کو تیار ہوں تو ضرور بہترین فوٹو زنک پلیٹ ٹائپ بہترین جلد کے ساتھ بہترین کاغذ سمیت ممکن ہے۔

(۳) کاپی ممکن ہے کہ اور لکھوانی پڑے۔ فوٹو ٹائپ کے لئے یہ موزوں نہیں۔

(۴) چند تصاویر متعلق مضامین دیوان وغیرہ کے بھی بندوبست کر رہا ہوں، دہلی سے قبر کی تصویر بھی منگوائی ہے۔

(۵) سید نذیر ہاشمی صاحب سے ملاقات ہوئی اور خیریت اور سلامتیِ مزاج دریافت ہو کر خوشی ہوئی۔

(۶) میں نے ایک برگساں کے لکچر کا جو 'خواب' (رویا) کے متعلق ہے ترجمہ کیا ہے۔ حکم ہو تو حاضر کیا جائے۔

(۷) KING OF THE WOOK CHAMBER کے ترجمے کے لئے مجھکو یاد دلا دیجئے تاکہ حقی صاحب سے مکمل کرا کے روانہ کروں۔

(۸) ایک خط آپ کی خدمت میں ... صاحب کا روانہ کرتا ہوں یہ واقعی نہایت قابل شخص ہیں۔ یہاں سب چار سے سات تک بکس اور گھر میں پچاس ساٹھ کے ملازم ہیں جوں کہ علمی مذاق کے آدمی ہیں سخت مجبوری میں خود کو پاتے ہیں،

یوں پھریں اہلِ کمال آشفتہ حال افسوس ہے

اگر اردو یونی ورسٹی ان کو تعلیم کے لیئے لے لے تو موزوں شخص ہیں۔ انگریزی بھی جانتے ہیں چنانچہ ٹیگور کی کتاب گیتانجلی کا ترجمہ کیا ہے۔
ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار مشاہرہ کے مستحق ہیں۔
میں خود ان ہی کے الفاظ میں ان کی آپ سے سفارش کرتا ہوں:
"اگر آپ کی کوشش سے ایک شخص کی زندگی سدھر جائے تو کیا حرج ہے"

زیادہ سلام۔ نیازمند عبدالرحمٰن۔ بھوپال ۲۷-۷-۱۷ء

(۳۱)

بنام مولوی عبدالحق

جناب والا .... تسلیم

مجھے نہایت افسوس ہے کہ میں آنکھوں کی شکایت کے باعث آپ کے مراسلہ سررشتہ نظامت تالیف و ترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن نمبری ... کا اب تک جواب تحریر نہ کر سکا اب بھی میں تحریر کے کام سے بہت کچھ معذور ہوں لیکن چونکہ تعمیل ارشاد ضروری ہے چند سطریں لکھوا کر ارسال خدمت کرتا ہوں۔

آپ کے مراسلہ مذکورۂ بالا کے اور مجوزہ نصاب اردو یونیورسٹی کے مطالعہ سے کم از کم مجھ کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی جس کا ایک دوسرا نام اردو یونیورسٹی ہے حقیقت میں اردو یونیورسٹی نہیں ہے بلکہ عربی یونیورسٹی ہے۔

آپ کے نصاب تعلیم میں اردو زبان کو سوائے ذریعہ تعلیم قرار دینے کے کوئی جگہ نہیں دی گئی ہے جو درجہ کہ اردو کا ہونا چاہیئے تھا وہ انگریزی کو دیا گیا ہے۔ زبان اردو کا مطالعہ بالکل اختیاری رکھا گیا ہے اور اس کو زیادہ سے زیادہ تلنگو تامل کناری زبانوں کی حیثیت دی گئی ہے

شعبۂ دینیات میں عالم، و فاضل وغیرہ کے امتحانات میں اردو کا کہیں نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ علم حدیث فقہ اور اصول کی تعلیم اردو میں نہیں دی جا سکتی۔

اس وقت تمام دنیا میں یہ کوشش ہے کہ ملکی زبان کو فروغ دیا جائے۔ دولت عثمانیہ میں جہاں کوئی خاص ترکی زبان کی یونیورسٹی قائم نہیں ہوئی ہے گذشتہ دس برس کے اندر زبان کی قلب ماہیت ہو گئی ہے اور عثمانلی ترکی ایک خالص چغتایا تورانی زبان ہو گئی ہے لیکن آپ باوجود ایک اردو یونیورسٹی قائم کرنے کا دعوے کرنے کے اپنی پرانی روش کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں معلوم ہوتے۔

میری ناچیز رائے میں جب تک آپ اردو کو نہ صرف دنیوی علوم بلکہ دینی علوم کا ذریعۂ تعلیم قرار نہ دینگے اور اردو علم ادب اور زبان کے مطالعہ کو بحیثیت ایک مستقل مضمون کے ہر جماعت میں لازم قرار نہ دیں گے اردو یونیورسٹی اس ملک میں وہ کام نہ کر سکے گی جس کی اس سے امید ہے۔ اردو زبان کو صرف موجودہ انگریزی تعلیم کی اشاعت سے ہی نقصان نہیں پہنچا بلکہ اس سے بھی نقصان پہنچا ہے کہ اردو کو عربی اور فارسی کے مقابلہ میں غیر ضروری اور کم وقعت خیال کیا گیا ہے۔ دیوبند۔ اور ندوۃ العلما اور تمام عربی اور فارسی مدارس پر اگر یہ الزام نہیں ہے تو کیا ہے کہ آج تک علم تفسیر، علم حدیث، علم الاصول، منطق، فلسفہ، اور ادب کی ضروری سی ضروری کتابیں اردو میں ترجمہ نہیں ہوئیں۔ اگر اردو یونیورسٹی بھی ان امور کی طرف سے ایسی ہی غافل رہے گی تو آخر اس کام کو کون کرے گا۔

اس وقت گورنمنٹ انگریزی کی تعلیمی پالیسی کا جو رخ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید گورنمنٹ بھی اپنے مختلف صوبہ جات میں مقامی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانا چاہتی ہے اگر ایسا ہوا تو آپ کی اردو یونیورسٹی اور گورنمنٹ کی یونیورسٹیوں میں شاید ہی کوئی فرق رہ جائے جس کی بنا پر آپ اپنا امتیاز ظاہر کر سکیں۔ میں عربی اور فارسی کی تعلیم کا مخالف نہیں ہوں، عربی علوم اسلامیہ کا مخزن ہے اور فارسی ہماری تہذیب اور تمدن کا ایک جزو ہے لیکن عربی اور فارسی کی تعلیم اور اشاعت کے لئے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیائے اسلام میں چین سے لے کر مراقش تک اور ہندوستان سے لے کر روس تک بہت سی درسگاہیں موجود ہیں۔ خدانخواستہ ان زبانوں کو اپنی ترقی اور فروغ کے لئے اردو یونیورسٹی کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اردو زبان کی موت اور زیست اردو یونیورسٹی کی کامیابی اور ناکامیابی پر منحصر ہے۔

اردو یونیورسٹی کا صرف یہ کام نہیں ہے کہ وہ اپنے طالب علموں میں اتنی لیاقت پیدا کر دے کہ ان کو اردو سے شُدبُد ہو جائے۔ بلکہ اس کا کام آئندہ اردو علم ادب کی عظیم الشان عمارت تیار کرنا ہے۔ اردو یونیورسٹی جس غلطی میں مبتلا معلوم ہوتی ہے۔ انگلستان کی یونیورسٹیاں عرصہ تک اس غلطی میں مبتلا رہی ہیں اور ان کے بہت بُرے نتائج برداشت کر چکی ہیں۔ انگلستان میں بھی آکسفورڈ کیمبرج اور یونیورسٹیوں کا یہ خیال تھا کہ یونانی اور لاطینی زبانوں کا تحصیل کرنا انگریزی سے زیادہ ضروری ہے۔ لیکن بالآخر زمانہ نے ان کو ان کی غلطی پر متنبہ کر دیا۔

بعض لوگ یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ اردو زبان میں قابل تحصیل بات ہی کیا ہے۔ اردو نہ صرف موجودہ ایشیائی زندہ زبانوں میں پیش پیش ہے بلکہ ایک بلند پایہ زبان ہے اردو زبان کی تاریخ پر اگر غور کیا جائے تو اردو کا نہ صرف ایرانی بلکہ تورانی زبانوں سے بھی تعلق ہے۔ اردو کو نہ صرف شمالی زبانوں ہی سے بلکہ جدید مغربی زبانوں سے بھی ربط ہے۔ اردو زبان کی تاریخ کا مطالعہ اور اردو علم اللسان کی تحقیق اتنا بڑا کام ہے کہ اگر عثمانیہ اردو یونیورسٹی چاہے تو اپنا کل وقت ان ہی دو امور میں صرف کر سکتی ہے۔

اس وقت دنیا میں وہ زمانہ ہے کہ جب تک کوئی یونیورسٹی کوئی خاص کام اپنے ذمہ نہ لے اور علوم متداولہ میں کوئی خاص اضافہ نہ کرے علمی اعتبار سے اس کا عدم اور وجود زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اگر عثمانیہ اردو یونیورسٹی دنیا میں اپنی حیثیت قائم کرنا چاہتی ہے، تو اس کا صرف ایک ذریعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر طرف سے یکسو ہو کر صرف اردو کی خدمت، اشاعت، اور تعلیم کو اپنا نصب العین قرار دے۔

گزشتہ دسمبر میں جب کلکتہ میں ہمارے ملک کے سربرآوردہ حضرات جمع تھے۔ علاوہ اور مسائل کے زبان کے مسئلہ پر بھی بحث ہوئی تھی اور کم و بیش یہ قرار پایا تھا کہ اردو یا ہندی یا ہندوستانی ہمارے تمام ملک کی متحدہ زبان قرار دی جائے۔ یہ فیصلہ گو ابھی زیادہ اہمیت نہ رکھتا ہو صاف بتلا رہا ہے کہ اردو زبان کو بہت جلد کیا حیثیت ملنے والی ہے۔ اردو یونیورسٹی کو اس وقت کے لئے ابھی سے تیار رہنے کی کس قدر ضرورت ہے

اردو زبان کا مسئلہ جہاں اور مختلف حیثیتیں رکھتا ہے۔ ایک حیثیت یہ بھی رکھتا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کا باہمی اتفاق بھی اس پر مبنی ہے۔ ہمارے ملک میں ایک افسوسناک تحریک یہ پیدا ہو چلی ہے کہ مسلمان اردو میں ہندی الفاظ کی تعداد کم اور عربی اور مشکل فارسی کے الفاظ کی تعداد کو زیادہ کرتے جاتے ہیں اور ہندو ہندی سے سہل اور رائج عربی اور فارسی الفاظ کو خارج اور غیر مانوس اور ادق سنسکرت الفاظ کو ان کی جگہ داخل کرتے جاتے ہیں۔ اگر یہ افراط و تفریط یونہی جاری رہی تو اردو اور ہندی سچ مچ دو جدا اور مختلف زبانیں بن جائیں گی۔ ہندو اور مسلمان کو اپنی اس غلطی سے متنبہ ہونا واجب ہے کیونکہ دونوں کی یہ نادان دوستی زبان اور ملک دونوں کے حق میں عین دشمنی ہے اصطلاحات علمیہ کی تلاش اور انتخاب کے وقت سب سے زیادہ اس کا خیال ضروری ہے۔

اصطلاحات علمیہ کے وضع کرنے میں بھی اردو یونیورسٹی کو بے جا تقلید سے بچنا ضروری ہے۔ ترکوں نے انگریزوں کی طرح بہت

سی اصطلاحات کو مثلاً آکسیجن، ہائیڈروجن وغیرہ اولیبا کا ویسا ہی اپنی زبان میں لے لیا ہے۔ یہ محض ان کی پست ہمتی اور نارسی کی دلیل ہے جرمنوں نے جو علمی حیثیت سے انگریزوں کے مقابلہ میں ایک نئی قوم ہے۔ ایسا نہیں کیا بلکہ سب اصطلاحات کو اپنی زبان میں وضع کر لیا ہے۔ اُردو یونیورسٹی کو اس بارہ میں جرمنوں کی تقلید کرنی چاہیئے۔

لیکن اردو کے لئے جس طرح انگریزی یا لاطینی اصطلاحات کا اختیار کرنا غلط ہے عربی اصطلاحات کا اختیار کرنا بھی درست نہیں۔ عربی اصطلاحات کے اختیار کرنے میں یہ فائدہ ضرور ہے کہ بیروت اور مصر میں جو کام ہوا ہے۔ اس سے اردو یونیورسٹی فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ لیکن اردو یونیورسٹی کے پاس ماشاء اللہ چالیس لاکھ روپیہ کا سرمایہ موجود ہے اور اعلیٰحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے۔ اردو یونیورسٹی کو کس بات کی کمی ہے کہ وہ یوں دوسروں کی دست نگر ہو۔

عربی اصطلاحات کے اختیار کرنے سے وہی قباحت جو انگریزوں کو لاطینی اصطلاحات کی وجہ سے باقی رہتی ہے اردو وہ آسانی جو جرمنوں کو خاص اصطلاحات سے پیدا نہیں ہوتی۔ اصطلاحات علمیہ کی خوبی یہ ہے کہ ہر شخص ان کو بآسانی سمجھ لے اگر اردو یونیورسٹی ایسی اصطلاحات وضع کرے گی جن کا مفہوم پانے کے لئے اول عربی زبان کا سیکھنا لازمی ہوگا تو اُردو یونیورسٹی کا کام کسی طرح ہماری زبان اور ہمارے ملک کے لئے مفید ثابت نہ ہوگا۔

انجمن ترقی اُردو نے ایک کتاب حیوانیات کے متعلق شائع کی ہے اس میں قابل مصنف نے مفصلۂ ذیل اصطلاحات کا استعمال کیا ہے۔

کثیرۃ الرجل۔ اخطبوطیہ۔ شوکیۃ الجلد۔ متعلق الجلد۔ صلصفیہ۔ مستقیمۃ الاجنوہ۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ کون شخص ایسا ہے جو عربی زبان جانے بغیر ان الفاظ کے معنی سمجھ سکتا ہے۔ اس سے تو کہیں بہتر ہوتا کہ انگریزی اصطلاحات ہی اختیار کر لی جاتیں۔ گو ایسا کہنا فخر کا باعث نہیں لیکن ہمارے ملک کے لوگ انگریزی الفاظ سے کم از کم ان الفاظ کی نسبت زیادہ واقف ہیں۔ اگر ان ہی تمام اصطلاحات کا ترجمہ کثیر پا۔ خار پشت۔ گداز جلد۔ غلاف پوش اور راست پر کیا جاتا تو کیا حرج تھا۔ ہر شخص ان الفاظ کے معنی سمجھتا ہے۔ پس اُردو یونیورسٹی کو ایسی اصطلاحات وضع کرنی چاہیئں جو درجۂ قبول کو پہنچ سکیں۔

مجھے نہایت افسوس ہے کہ میں اصطلاحات کی مرسلہ فہرست کے متعلق رائے لکھنے سے اس وقت معذور ہوں۔

عبدالرحمٰن ایجوکیشنل ایڈوائزر بھوپال اسٹیٹ

۲۸-۲-۱۸ء

منشی پریم چند

(۱)

بنام سید امتیاز علی تاج

مشفقی و مکرم بندہ! تسلیم

مشکور ہوں۔ سخت نادم ہوں کہ اب تک بازارِ حسن کے متعلق ایفاءِ وعدہ نہ کر سکا۔ بار بار کوشش کی کہ مستقل طور پر صاف کر ڈالوں لیکن ایک نہ ایک رکاوٹ آجاتی ہے۔ کتاب ایک چوتھائی صاف کرکے پڑی ہوئی ہے۔ اب ۱۵ اپریل تک مجھے مرنے کی فرصت نہیں ہے۔ انشاء اللہ ۱۵ مئی تک۔ جس کہکشاں میں "چچا" کا قصہ چھپا تھا وہ میری فائل میں نہیں ہے۔ کوئی صاحب اڑا لے گئے۔ ہر چند تلاش کیا مگر بے سود۔ مجبور رہوں۔ کہکشاں میں آپ کی رسائل پر تنقید مجھے بے حد پسند آئی۔ مگر اس کا ٹائٹیل کا ڈیزائن باوجود مسٹر چغتائی کے طبعزاد ہونے کے مجھے کچھ نہیں جچا۔ شاید یہ میری ناشناسی کا باعث ہے۔

مضامین بھی مئی ہی میں لکھوں گا۔

تاخیر کے لئے معافی کا طالب ہوں۔

خیراندیش: دھنپت رائے نارمل سکول گورکھپور ۲۰ مارچ ۱۹۱۹ء

---

(۲)

بنام سید امتیاز علی تاج

مشفقی و مکرم بندہ!

تسلیم! کل الہ آباد سے واپس آیا، کہکشاں ملا۔ آپ کے فتح محبت کی داد دیتا ہوں۔ محبت کا نشو و نما خوب ہے! بالکل حسبِ فطرت۔ آپ مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ چھوٹی کہانیاں لکھنا چھوڑ دوں۔

اب مضامین اور بازارِ حسن میں لپٹا ہوں۔ خدا کرے لاہور میں امن ہو۔ ایک جلد ماہِ مجم بذریعہ وی۔ پی قسم اول ارسال فرماویں۔ مشکور ہوں گا۔

خیراندیش: دھنپت رائے نارمل سکول گورکھپور ۱۹ اپریل ۱۹۱۹ء

---

(۳)

بنام سید امتیاز علی تاج

مشفق من! تسلیم!

لفافہ ملا، مشکور ہوں۔ مئی جون کے پرچے خوب پڑھے اور حظ اٹھایا۔ میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ ایسا دلچسپ رسالہ اس وقت اردو زبان میں نہیں ہے۔ پبلک اگر قدر کرے تو مجبوری ہے۔ بالخصوص ارتقا اور اصل انواع پر جو مضمون قبلہ سید ممتاز علی صاحب نے تحریر فرمایا ہے وہ رسالہ کی جان ہے۔ ان موضوعات پر ایسا صاف اور روشن مضمون میری نظر سے نہیں گذرا۔ مجھے اب تک معلوم نہ تھا کہ حضرت ممدوح کو علمی مضامین میں اتنی دسترس ہے۔ ...[1] کچھ زیادہ دلچسپ نہیں لیکن شبنم کی سرگذشت بہت اچھا ہے۔ گلکدہ پر اردو رسالوں میں کوئی مبصرانہ تنقید نہیں نکلی۔ اس لحاظ سے ونیز تنقید کی خوبی کے اعتبار سے آپ کا رسالہ اول ہے۔ 'اردو کے نقاد' پر اچھی چوٹ کی ہے حالانکہ کسی قدر غیر منصفانہ ہے۔ 'عالم خواب' مجھے بہت پسند آیا۔ 'علاج بالمثل' بہت خوب ہے۔ معلوم نہیں طبعزاد ہے یا کچھ اور۔ حصہ نظم بھی دیگر رسالوں سے کہیں بلند تر ہے۔ میں تعریف کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ حق کا اظہار کر رہا ہوں۔ گمنام صاحب تو بڑے لکھاڑ معلوم ہوتے ہیں اور حق یہ ہے کہ خوب لکھتے ہیں۔

پریم پچیسی حصہ دوم کی ۱۰۰ جلدیں آپ کے یہاں بھجوا دی ہیں۔ پریم بتیسی حصہ اول چھپ رہی ہے۔ غالباً دو مہینے میں تیار ہو جائے گی۔ کیا بتیسی کا حصہ دوم آپ اپنے اہتمام سے نہیں شائع کر سکتے؟ بازارِ حسن تو ابھی معلوم نہیں کب تک تیار ہو۔ اس اثنا میں اگر بتیسی حصہ دوم آپ شائع کر سکیں تو خوب ہو۔ کچھ قصے آپ ہی کے دونوں پرچوں میں نکلے ہیں۔ بقیہ دس میں دے دوں گا۔ کوئی ۱۰ جزو کی کتاب ہو گی۔ آپ کے لئے ایک قصہ لکھ رہا ہوں۔ خونِ جگر تو بہت صرف کر رہا ہوں پر معلوم نہیں کچھ رنگ بھی آئے گا یا نہیں۔ خون ہی نہیں ہے تو رنگ کیا خاک پیدا ہو۔ اور کیا التماس کروں۔ اپنے والد صاحب قبلہ کی خدمت میں میرا دست بستہ سلام کہئے گا۔ آپ کے خطوط سے ایسا خلوص ٹپکتا ہے کہ بے اختیار ملنے کو جی چاہتا ہے پر غلامی کی قید اور سفر کی درازی ہمت توڑ دیتی ہے۔ والسلام!

نیازمند: دھنپت رائے گورکھپور ۱۱ر اگست ۱۹۱۹ء

(۴)

بنام سید امتیاز علی تاج

بندہ نواز! تسلیم

'زنجیرِ ہوس' کوئی تاریخی واقعہ نہیں ہے اور نہ کسی تاریخی واقعہ سے اس کا برائے نام بھی تعلق ہے۔ قاسم ضرور فاتح سندھ کا نام ہے اور اس کی زندگی میں ایک واقعہ ایسا ہے بھی جو قصہ کے کام آسکتا ہے لیکن اس قصہ کو اس سے تعلق نہیں یہاں تک کہ میں نے دہلی کے کسی بادشاہ کا نام بھی نہیں دیا تاکہ کسی کو غلط فہمی نہ ہو۔ نہ ملتان کے فرمانروا کا نام دیا ہے۔ اس میں یہ دکھانا میرا مقصود ہے کہ انسان ہوس کے ہاتھوں کتنا اندھا ہو جاتا ہے اور یہ ہوس کس طرح تیزی سے بڑھتی جاتی ہے اور کچھ نہیں۔

---

[1] یہ لفظ پڑھا نہیں گیا۔

اب بازارِ حسن کے متعلق ——— یہ ناول تقریباً ۳۰۰ صفحات کا ہوگا۔ لکھا ہی تیار ہے مگر محض عدیم الفرصتی کے باعث اب تک صاف نہ کر سکا۔ اگر آپ اتنی بڑی کتاب چھاپ سکیں تو میں صاف کرنا شروع کروں ورنہ ابھی گرمی کی تعطیل تک ملتوی رکھوں۔ آپ کو صاف کرنے کی تکلیف نہ دوں گا کیونکہ صاف کرنے میں اکثر قصہ کے سین کے سین پلٹ جاتے ہیں۔ اس قصے میں سنے ایک اخلاقی بے شرمی یعنی بازارِ عصمت فروشی پر چوٹ کی ہے۔ اگر آپ یونہی دیکھنا چاہیں تو اس کے متفرق اجزا آپ کے پاس بھیج دوں۔ معاوضہ کے متعلق تصفیہ جب آپ دیکھ لیں گے تب۔ 'کہکشاں' کے لئے میں نے پہلے ہی عرض کی تھی کہ میں آئندہ کئی ماہ تک بہت کم لکھ سکوں گا۔ مگر انشاء اللہ کوئی موقع نکال کر آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔

بارش ادھر بھی واجبی ہوئی ہے اور فصلیں خراب ہوگئی ہیں۔ جواب سے ممتاز فرمائیں۔

نیاز مند: دھنپت رائے نارمل سکول گورکھپور ۲۳ ستمبر ۱۹۱۹ء

---

(۵)

بنام سید امتیاز علی تاج

بندہ نواز! تسلیم۔ مزاج عالی

آنا دیکھی۔ خوب ہے۔ جس قلم سے آنا نکل سکتی ہے اس سے آئندہ مجھے رقابت کا اندیشہ ہو تو قابلِ معافی ہے۔ بقیہ کا اشتیاق ہے۔ چھوٹی کہانیوں کو کئی مضمون میں چھاپنے سے لطف جاتا رہتا ہے۔

روپے مل گئے۔ ممنون ہوں۔

"پیمانِ وفا" احبابِ قدیم کے نذر ہوا۔ آپ کے لئے دوسری فکر کروں گا۔ بازارِ حسن رفتہ رفتہ صاف ہو رہا ہے۔ ارادہ ہے ایک محرر رکھ کر کام جلدی سے ختم کر ڈالوں۔ زیادہ والسلام!

احقر: دھنپت رائے گورکھپور ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۹ء

---

(۶)

بنام سید امتیاز علی تاج

جنابِ مشفقی! تسلیم!

پروف اور نوازش نامہ کئی روز گذرے ملے۔ کاغذ بُرا نہیں ہے۔ اسی پر چھپنے دیجئے۔ چھپے ہوئے فارم روکنے سے نقصان ہوگا۔ میرا کاغذ اس سے کہیں بہتر ہے لیکن کوئی مضائقہ نہیں۔ سستا کاغذ رہے گا تو کتاب بھی ارزاں ہوگی۔ مسطر یہی رہنا چاہیے مگر کاتب کو تاکید کر دی جائے کہ مکالمے ہمیشہ نئی سطروں سے شروع کیا کریں۔ قصوں کی فہرست ضرور روانہ فرمائیے گا۔

کہکشاں ستمبر اور اکتوبر دونوں ملے۔ بہترین مضمون مولانا صاحب قبلہ کا ہے۔ ان موضوعات پر ایسے واضح مضامین

میری نظر سے نہیں گذرے۔ حجاب امتیاز خوب ہے۔ ہاں پلاٹ کمزور ہے اور کہیں کہیں سلاست بیان قائم نہیں رہنے پاتی ہے۔ دیگر مضامین اوسط درجہ کے ہیں۔ "بنو عباس" بالکل تاریخی مضمون ہے۔ اس سے عوام کو کیا دلچسپی ہوگی؟ میں عنقریب چارلس ڈکنس کا ایک قصہ بھیجوں گا۔ نادر قصہ ہے۔ ترجمہ مکمل ہے۔ عدیم الفرصتی کے باعث ایک صاحب سے نقل کرا رہا ہوں۔ پتیسی کا کام جاری رکھئے گا تاکہ حصہ اول و دوم ساتھ ساتھ نکلیں۔ بازار حسن کی کاپی بھی قصہ موعودہ کے ساتھ روانہ خدمت ہوگی۔

'ایک رات' مجھے بہت پسند آیا۔ زور بیان ہے۔ تشبیہات نادر۔ رسائی فکر کی داد دیتا ہوں کچھ خواب پریشان سے ملتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ تشبیہیں کئی بہت خوب ہیں۔

نیاز مند: دھنپت رائے گورکھپور ۱۶؍ دسمبر ۱۹۱۹ء

(۷)

بنام سید امتیاز علی تاج

مشفقی! تسلیم!

یہ خموشی کیوں۔ دو خط لکھے جواب ندارد۔ پریم پچیسی کی رسید ندارد۔ سخت تردد ہے جلد رفع کیجئے۔ مارچ کا رسالہ دیکھا مولانا راشد اور حضرت نیاز دونوں صاحبوں کے مضامین قابل داد ہیں۔ خوب لطف آیا۔

منصوری چلنے کی دعوت دی تھی۔ میں تیار ہوں مگر آپ دعوت کر کے بھول گئے۔ جلد فیصلہ کیجئے تاکہ ادھر سے اپریل ہی میں ڈیرہ دون جانے کا ارادہ کروں۔ اور تو کوئی حال تازہ نہیں۔ پریم پتیسی کا کیا حال ہے؟ کتنی ہوئی اور کتنی باقی ہے۔ بازار حسن کے اب کل ۳۰ صفحات باقی ہیں۔ ۱؍ اپریل کو آپ کے پاس رجسٹرڈ پہنچ جائے گی۔ والسلام!

دھنپت رائے گورکھپور ۲۴؍ مارچ ۱۹۲۰ء

(۸)

بنام سید امتیاز علی تاج

مجی! تسلیم!

مفصل خط ملا لیکن مفصل جواب اس وقت دوں گا جب آپ بازار حسن تمام و کمال پڑھ چکیں گے۔ اس کے متعلق آپ نے جو کچھ فرمایا وہ سب آپ کی قدر افزائی ہے۔ میں بہت ممنون ہوں گا اگر جناب اس پر اپنی مفصل تبصرانہ رائے سے مجھے مطلع فرمائیں۔ اس میں ناراض ہونے کی کون بات ہے۔ نقاد ہیں کہاں۔ مجھے تو اس کی آرزو رہتی ہے کہ کوئی مجھے خوب نیک و بد سمجھائے۔ اس کی طباعت، حق الخدمت وغیرہ کے متعلق آپ مجھ سے کہیں بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ قبلہ سید ممتاز علی صاحب کو میری جانب سے ثالث بنا لیجئے گا۔ مقدمہ آپ کے لئے لکھ رہا ہوں۔ مئی میں درج ہو سکے گا۔ والسلام!

دھنپت رائے نارمل سکول گورکھپور

۱۴؍ اپریل ۱۹۲۰ء

(۹)

بنام سید امتیاز علی تاج

مشفق من! تسلیم!

میں آج کل کنکھل رشی کیش وغیرہ کا سفر کرتا ہوا ڈیرہ دون آپہنچا۔ میں نے کنکھل سے ایک خط آپ کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ معلوم نہیں پہنچا یا نہیں۔ مجھے اس کا جواب نہیں ملا۔ آپ اِدھر آنے کا قصد رکھتے ہوں تو براہِ کرم ایک معمولی تار سے مطلع فرمائیے تاکہ آپ کا انتظام کروں۔ ورنہ میں بہت جلد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میری طبیعت دوران سفر میں زیادہ مضمحل ہو گئی ہے۔ آیا تھا کہ ہردوار کی آب و ہوا سے کچھ فائدہ ہوگا لیکن نتیجہ اس کا الٹا ہوا۔ پیچش نے جس سے میری پرانی دوستی ہے بہت دق کر رکھا ہے۔ اس خط کے پاتے ہی اپنے فیصلہ سے مطلع فرمائیے۔ اگر یہاں نہ آسکیں تو دہلی میں ملنے کا فیصلہ کیجئے اور مطلع کیجئے کہ آپ وہاں کب تک پہنچیں گے اور میں کہاں آپ سے ملوں۔ زیادہ والسلام!

نیازمند: دھنپت رائے۔ ڈیرہ دون ۶ رجون ۱۹۳۰ء

---

(۱۰)

بنام سید امتیاز علی تاج

مشفق من! تسلیم!

آپ کا رجسٹرڈ لفافہ مجھے دفتر زمانہ میں آکر ملا۔ افسوس ہے کہ کاش یہ خط ڈیرہ دون میں مل گیا ہوتا تو میں آپ لوگوں کی ہمراہی میں منصوری کی سیر کر لیتا۔ مجھے اب کی سفر میں یہ تجربہ ہوا کہ میں بغیر کسی رفیق یا دوست کے تنہا نہیں رہ سکتا۔

یہ سن کر بغایت خوشی ہوئی کہ کاغذ آگیا اور پریم پتیسی کی کتابت مکمل ہوگئی۔ اب اسے چھپا بھی ڈالیں۔ حصہ اول بھی غالباً آخر جولائی تک تیار ہو جائے گا۔

بازارِ حسن کے متعلق اگر آپ کو میری شرطیں منظور ہیں تو روپیہ کے لئے فکر نہ کیجئے۔ مجھے فی الحال اشد ضرورت نہیں۔ آخر اگست تک بھیج دیں تب بھی کوئی حرج نہیں۔

اب عذر گناہ، آپ کے لئے دورانِ سفر میں مضمون لکھا اور بھیجنے ہی والا تھا مگر یہاں آتے ہی آتے وہ میرے قبضہ سے نکل گیا۔ "مہریہ" نام تھا۔ عدم تعمیل ارشاد کے لئے معاف کیجئے گا۔ آج گورکھپور واپس جاتا ہوں پیچش کا باقاعدہ علاج کروں گا اور "رشتۂ آرزو" جو شروع کر چکا ہوں جلد ہی حاضر خدمت ہوگا۔ والسلام!

دھنپت رائے

نیاچوک کانپور ۱۵ رجون ۱۹۳۰ء

(۱۱)

بنام سید امتیاز علی تاج

بھائی جان! تسلیم!

میں کل یہاں آ پہنچا۔ کل آپ کا خط ملا اور آج اپنی تصویر دیکھی۔ فوٹو خوب ہے۔ مجھے امید نہ تھی کہ آپ اسے گروپ میں اتنی صفائی سے پیدا کر سکیں گے۔ خیر آپ کی بدولت مجھے اپنی صورت تو نظر آئی۔ بہتر ہے بازارِ حسن دو حصوں میں شائع ہو۔ میرے خیال میں بھی یہی تجویز تھی۔ پبلشر کی بیلے کا دیباچہ ضرور لکھوں گا مگر کتاب چھپ جانے کے بعد غالباً زیادہ سہولت ہوگی۔ پریم بتیسی اگر ستمبر تک تیار ہو جائے تو میں غنیمت سمجھوں۔

اب مضمون کی بات۔ مضمون فی الحال میرے پاس دو ہیں مگر سفر کے تکان اور طبیعت کے مضمحل ہو جانے کے باعث صاف نہیں کر سکا۔ ارادہ تھا کہ خط کا جواب ان مضامین کے ساتھ ساتھ بھیجوں لیکن فوٹو کی رسید دینی ضروری تھی۔ کل انشاء اللہ ایک مضمون صاف کرنا شروع کروں گا اور غالباً ۹ جون کو یہاں سے روانہ کر دوں گا۔ اس تاخیر کے لئے مجھے معذور رکھیئے گا۔ صحت سے مجبور ہوں۔ امید ہے کہ آپ خوش ہوں گے۔ کشمیر کی زیارت مبارک۔

نیازمند: دھنپت رائے گورکھپور ۵ جون ۱۹۲۰ء

---

(۱۲)

بنام سید امتیاز علی تاج

بھائی جان! تسلیم!

آپ کا ایک کارڈ کئی دن ہوئے آیا تھا۔ کہکشاں بھی ملا۔ مضمون کی فرمائش ابھی تک پوری نہ کر سکا۔ آج کل مصیبتوں کی یورش ہے۔ یہاں ۲۳ جون کو آیا۔ ۶ جولائی کو چھوٹا بچہ چیچک میں مبتلا ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے داغ دے گیا۔ ابھی تک اس غم سے نجات نہیں ہوئی۔ صبر تو ہو گیا مگر یاد باقی ہے اور شاید تا زیست رہے گی۔ اسے اپنے اعمال کا نتیجہ سمجھتا ہوں اور کیا۔ جب تک دل نہ سنبھلے مضمون کہاں سے آئیں۔ خطوں کا جواب دینا بھی شاق ہے، معاف کیجئے گا۔ پریم بتیسی اور بازارِ حسن کی کیا حالت ہے۔ امید ہے کہ آپ خوش ہوں گے۔

دعاگو: دھنپت رائے نارمل سکول گورکھپور ۲۸ جولائی ۱۹۲۰ء

---

(۱۳)

بنام سید امتیاز علی تاج

بھائی جان! تسلیم!

تار ملا تھا مگر خط کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا۔ ارادہ تھا کہ جواب میں میرا مضمون پہنچے۔ خط نہ لکھوں۔ لیکن صحت اور کچھ سوزِ پنہاں نے ایسا مجبور کر رکھا ہے کہ آج مجبوراً خط لکھ رہا ہوں۔ کیا کروں۔ کئی کام چھیڑ رکھے تھے سبھی ادھورے پڑے ہوئے ہیں۔ 'ناکام' نامکمل ہے، اس کا ہندی ترجمہ نامکمل ہے۔ چار مختصر کہانیاں ادھوری اور ایک ڈراما زیرِ تجویز۔ مگر صحت کچھ کرنے

ہی نہیں دیتی۔ معلوم نہیں پریم بتیسی اس زندگی میں شائع ہوگی یا نہیں۔ بازارِ حسن کا اللہ ہی حافظ ہے اور "ناکام" کا تو ابھی ذکر ہی کیا۔ نہ زمانہ پریس کو فرصت نہ دارالاشاعت کو مہلت۔ ستمبر کے مہینہ میں کچھ ضرور حاضر کروں گا۔ والسلام!

احقر: دھنپت رائے گورکھپور ۱۸ اگست سنہ ۱۹۲۰ء

(۱۴)

بنام سید امتیاز علی تاج

بھائی جان تسلیم!

آپ کا نوازش نامہ کئی دن ہوتے ملا تھا۔ مگر اس عالم ضعیفی قبل از وقت میں ایم۔ اے پاس کرنے کی مرض سوار ہو گئی ہے اس وجہ سے وقت کا بہانہ کرتا رہا۔ صبح کو شام کے لئے رکھ چھوڑتا تھا، شام کو صبح کے لئے۔ آپ نے کہکشاں کو بند کرنے کا فیصلہ کیا خوب کیا۔ نقصان اٹھانا اس پر دردِ سر۔ اس بلا سے نجات ہی اچھی۔ مگر اس وقت فرصت کو یا تو اپنی آئندہ ترقی یا تصنیف میں صرف کیجئے۔ کیوں آپ کے انگلینڈ جانے کی تجویز کیا فسخ ہو گئی۔ اگر آپ کے مالی حالات اجازت دیں تو آپ جیسے طباع نوجوان کا وہاں قسمت آزمائی کرنے جانا ضروری ہے۔ وہاں سے لوٹ کر آپ کسی کالج کے پروفیسر اور پھر پرنسپل ہو سکتے ہیں۔ صرف دو سال کی جلاوطنی ہے۔

مہاتما گاندھی کی اگر صرف ہزار ڈیڑھ ہزار جلدیں ہی نکلیں تب تو آپ کو شاید اس میں بھی خسارہ ہی رہا ہو۔ پریم بتیسی کا منتظر ہوں۔ زمانہ کو بھی تقاضوں سے چین نہیں لینے دیتا۔ غالباً اکتوبر میں دونوں حصے نکل جائیں گے۔ آپ کے "تہذیب" کی معرفت میری ۵۰۰ جلدوں میں سے بھی کچھ نکل جائیں تو کیا کہنا۔ زمانہ کا حال مجھے معلوم ہے۔ سال بھر میں شاید ڈیڑھ دو سو جلدیں نکلیں۔ اور کہیں اشتہار دینا نہیں چاہتا۔ اب کی صبح امید میں بھی کچھ جلدیں بھیجوں گا۔ اس کے لئے اب کی ایک قصہ "بعد از مرگ" لکھا ہے۔ قصہ کیا ہے ایک دوست کی حقیقت ہے۔ صرف آخر میں تھوڑی سی اُپج ہے۔ پڑھ کر اپنی تنقید اور ممکن ہو تو حضرت پطرس کی تنقید سے مطلع فرمائیے گا۔

مجھے روپوں کی ضرورت تو تھی اور ہے۔ اس لئے کہ میں پریس میں شرکت کر چکا ہوں اور اس کے روپے ادا کرنے لازم ہیں۔ لیکن چونکہ میرا شریک میرا قدر دان ہے اس کی جانب سے روپوں کا تقاضا نہیں ہے اور شاید نہ ہو۔ اگر آپ کو فی الحال تردد ہے تو مضائقہ نہیں۔ جب آپ کو سہولت ہو اس وقت سہی۔ پچیسی بھی دونوں حصے ختم ہو چکی ہے۔ شاید حصہ دوم کی چند جلدیں باقی ہوں۔ دوسری اشاعت کا مرحلہ درپیش ہے۔ زمانہ کے منیجر صاحب اصرار کر رہے ہیں مگر میں نے عہد کر لیا ہے کہ زمانہ کی گردش میں نہ پڑوں گا۔ اگر آپ اسے نکال سکیں تو کہیں بہتر۔

۱۔ جی ہاں نواب رائے میں ہی تھا لیکن جب سوزِ وطن لکھنے کے بعد مجھے میرے ڈیپارٹمنٹ نے مضامین لکھنے سے مجبور کر دیا اور ڈیپارٹمنٹل سختیاں شروع کیں تو میں نے محبّی بابو دیا نرائن صاحب کے مشورے سے یہ نام تجویز کر لیا۔

۲۔ سیرِ درویش زمانہ نے شائع کیا ہے مگر اس کے حقوق میرے ہی پاس ہیں۔ اگر آپ پر تکلف چھاپ سکیں تو شوق سے چھاپئے۔

۳۔ جی نہیں تھا۔ میرے پاس ماتر ناٹا کبھی نہیں آیا اور نہ اس میں کبھی لکھنے کی جرأت کی۔ دگیر صاحب نے دو ایک بار فرمائش ضرور کی تھی مگر میں بندۂ دام اور وہاں قدر دانی اور تحسین۔ اس سے میرا کام نہ چلا۔

حضرت نیاز فتحپوری کے چند مضامین معرکے کے تھے۔ انہیں زمانہ کے دفتر میں دیکھ آیا تھا۔ نقاد اکثر چونچلے بہت کرتا ہے مجھے یہ زنانہ پن پسند نہیں۔ میں لٹریچر کو MASCULINE دیکھنا چاہتا ہوں۔ FEMININE خواہ وہ کسی صورت میں ہو، مجھے پسند نہیں۔ یہی وجہ ہے مجھے ٹیگور کی اکثر نظمیں نہیں بھاتیں۔ یہ میرا فطری نقص ہے۔ کیا کروں۔ اشعار بھی مجھے وہی اپیل کرتے ہیں جن میں کوئی جدت ہو۔ غالب کے رنگ کا میں عاشق ہوں۔ عزیز لکھنوی کے گلکدے کی خوب سیر کی تھی مگر بدقسمتی سے آج تک ایک شعر بھی موزوں نہیں کر سکا۔ نہ جی چاہتا ہے۔ غالباً شاعرانہ حس دل میں ہے ہی نہیں۔ آپ کے سندری اور گنگا اسنان کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اگر آپ کے پاس ان کی نقل ہو تو بھیجنے کی عنایت کیجئے گا۔ میں نے تو اب تک آپ کی جتنی چیزیں دیکھی ہیں ان میں نابینا جوان، سب سے زیادہ پسند آیا۔ آپ نے غضب کیا تھا۔ شاید اردو میں ایسا تخیل اور نہیں نظر آسکتا۔ لالۂ صحرا، میں بھی زور خوب تھا مگر وہ بات نہ تھی۔

آپ کی غزلوں کو خوب غور سے دیکھا۔ میں آپ کی ترقی کی داد دیتا ہوں۔ یہ شعر بہت خوب ہے۔ سبحان اللہ ؎

دنیا دکھائی دیتی تھی مخمور سی مجھے		وہ دیکھنا تری نگہ نیم باز کا

'داستان میری' والا شعر بہت خوب ہے۔ خموشی کیا ہے۔ حیرت حسن، رعب حسن، وفور جذبات یہاں بھی اتوار کو بابو رگھوپت سہائے کے مکان پر ایک چھوٹا سا مقامی مشاعرہ ہوا تھا، طرح تھی ع

سو گیا جاگنے والا شب تنہائی کا

بابو رگھوپت سہائے زندہ دل شاعر ہیں۔ انہوں نے بھی آپ کی غزلوں کی خوب داد دی۔ وہ آپ کے لالۂ صحرا کا ترجمہ انگریزی میں کرنا چاہتے تھے۔ مگر بہت وقت طلب دیکھا تو ارادہ ترک کر دیا۔ اور کیا لکھوں۔ صحت بدستور، مصروفیات روز افزوں، بارش روزانہ۔

کہکشاں کا جولائی نمبر خوب تھا۔ والسلام!

دھنپت رائے۔ نارمل سکول گورکھپور ۱۴ر ستمبر ۱۹۲۰ء

(۱۵)

بنام سید امتیاز علی تاج

جناب مکرم من!

تسلیم۔ کتابوں کا پارسل پہنچا۔ پریم بتیسی دیکھی، باغ باغ ہو گیا۔ مجھے یہ مجموعہ نہایت پسند آیا۔ کتابت ذرا اور جلی ہوتی تو بہتر ہوتا لیکن تب قیمت اور زیادہ رکھنی پڑتی۔ فی الجملہ کتاب خوب چھپی ہے اور میں اس کے لئے آپ کا تہ دل سے ممنون ہوں۔ دیکھیں پبلک اس کی کیا قدر کرتی ہے۔ پہلا حصہ بھی شاید اس ماہ میں تیار ہو جائے۔ میں نے دفتر زمانہ کو لکھ دیا ہے کہ آپ کے یہاں ۵۰۰ جلدیں بھیج دیں۔ آپ بھی ان کے یہاں اتنی ہی جلدیں یا اس سے دس پانچ کم بھیج دیجئے گا۔ مفصل خط بعد کو لکھوں گا۔

احقر: دھنپت رائے۔ نارمل سکول گورکھپور ۳ر اکتوبر ۱۹۲۰ء

(۱۶)

بنام سید امتیاز علی تاج

بھائی جان تسلیم!

بعد انتظارِ شدید و مدید عنایت نامہ کے درشن ہوئے۔ مشکور ہوں۔ کتابیں آپ نے غالباً کانپور بھیج دی ہوں گی۔ مال گاڑی ملنے پر وہاں سے آپ کی خدمت میں ۵۰۰ جلدیں اور پہنچیں گی۔ آپ بھی ان کے پہنچنے پر تین سو اور جلدیں بھیج دیجئے گا۔ سرورق کا مجھے سخت افسوس ہے۔ یہ مہتمم صاحب پریس کی عنایت کا نتیجہ ہے۔ ممکن ہو تو آپ سرورق دوسرا لگوا لیں۔ قیمت مجھ سے وضع کر لیں۔

سیر درویش اور پریم پچیسی کی ایک جلد بھی میرے پاس نہیں۔ زیادہ تصحیح کی ضرورت نہیں۔ کتابت یا پروف کے ساتھ ساتھ تصحیح بھی ہوتی جائے گی۔ بس کاتب نے پیراگراف الگ نہیں کئے ہیں۔ اکثر دو پیراگراف ملا دیئے ہیں۔ اس کے سوا مجھے تو زیادہ اغلاط نہیں معلوم ہوتے۔ آپ کتابت شروع کروا دیں اور دونوں بازارِ حسن ہی کے سائز پر چھپوائیں۔ مجھے بھی ایک ہی سائز کی کتابیں پسند ہیں۔ آپ ان دونوں کتابوں کا کاپی رائٹ چاہتے ہیں یا محض دوسرے ایڈیشن کا حقِ اشاعت؟

میں نے ادھر دو تین قصے لکھے ہیں۔ ایک صبحِ امید میں ہے "بعد از مرگ" دوسرا زمانہ میں ہے "نوک جھونک" ایک اور زمانہ میں رکھا ہوا ہے "مسرتِ حیات" ایک چوتھا میرے پاس ہے "دستِ غیب" پانچواں زیرِ تحریر ہے جس میں نان کوآپریشن کا رنگ نظر آئے گا۔ ان کے متعلق میں آپ کی نکتہ چینی کا شوق سے انتظار کروں گا۔ آپ کو میری تحریریں جب نظر آئیں ضرور ان پر اظہارِ خیال کر دیا کریں۔ اس سے مجھے دلی تسکین ہوتی ہے۔ ان قصوں کے علاوہ ایک ناول "ناکام" صاف کر رہا ہوں جو تصنیف سے کم جان سوز کام نہیں ہے۔ یہ ختم ہو جائے تو ڈراما میں ہاتھ لگاؤں۔ اس کا پلاٹ تیار ہے۔ چار ہی ایکٹ میں ختم ہو جائے گا مگر سین پندرہ سولہ سے کم نہ ہو سکیں گے۔ کامیاب ہو سکوں گا یا نہیں ایشور ہی جانیں۔ "ناکام" جوں ہی تیار ہوا آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجوں گا۔ میں اپنی کتابوں کی توسیعِ اشاعت کے اعتبار سے پنجاب کے کسی رسالے میں لکھنا چاہتا ہوں لیکن کہکشاں کے بعد اب مجھے کوئی ایسا رسالہ نظر نہیں آتا۔ اب آپ کا شغل کیا رہتا ہے؟

میرے ایک دوست آپ کی کتاب "لطافتِ سیرت" کا ہندی ترجمہ کرانا چاہتے ہیں ان کا ارادہ اسے پانچ ہزار چھاپنے کا ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو اس کتاب کی ایک جلد میرے پاس بھیج دیں۔ جو نسخہ آپ نے نذر کیا تھا کوئی صاحب اڑا لے گئے۔ یوں ہندی میں گاندھی جی کی کئی سوانح عمریاں موجود ہیں لیکن آپ کی تصنیف میں اور ہی لطف ہے۔ اسی وجہ سے میرے دوست موصوف اسے ہندی جامہ پہنانے کے شائق ہیں۔ اور کیا لکھوں۔ کیا میری اور آپ کی ملاقات کبھی نہ ہو سکے گی۔ دنیا میں میرے صرف گنے گنائے دوست ہیں۔ آپ بھی اس نہایت محدود تعداد کے رکنِ خاص ہیں مگر افسوس کہ ابھی تک صورت آشنائی بھی نہیں۔ اور نہ ہو تو اپنا فوٹو ہی بھیج دیجئے اسی سے تسکین دے لوں۔ زیادہ والسلام!

ہاں ہم خرما و ہم ثواب، کشنا وغیرہ میری ابتدائی تصانیف ہیں۔ پہلی کتاب تو لکھنؤ کے نول پریس نے شائع کی تھی۔ دوسری کتاب بنارس کے میڈیکل ہال پریس نے۔ یہ غالباً ۱۹۰۲ء کی تصانیف ہیں۔ میرے پاس ان میں سے ایک جلد بھی نہیں اور نہ شاید پبلشروں کے ہی یہاں نکل سکیں اور نہ ان کے دیکھنے کی ضرورت ہی ہے۔ نومشقی کے سارے عیوب ان میں موجود ہیں۔

آپ کا
دھنپت رائے نارمل سکول گورکھپور ۲۹ جنوری ۱۹۲۱ء

مولانا ممتاز علی صاحب قبلہ کی خدمت میں دست بستہ آداب فرما دیجئے گا۔

(۱۷)

بنام سید امتیاز علی تاج

بھائی جان تسلیم!

تصویر ملی۔ بہت ممنون ہوا۔ اس نے ملاقات کی آرزو دوچند کر دی۔ آپ کی میرے ذہن میں جو تصویر تھی وہ کچھ اور ہی تھی میں اگر مصور ہوتا تو "شعر" اور "ادب" کی غالباً یہی تصویر بناتا۔ مہاتما گاندھی بھی ملے[1]۔ (آج یہاں ان کی آمد آمد ہے)

آپ نے شاید ابھی تک پریم پتیسی حصہ دوم کی جلدیں کانپور نہیں ارسال فرمائیں۔ وہاں کی فرمائشیں رکی ہوئی ہیں۔ براہ کرم اب تاخیر نہ فرمائیے۔ اگر مال گاڑی سے نہ بھیج سکیں تو فی الحال ۱۰۰ جلدیں ہی روانہ فرمائیں۔

اس سے پہلے کے خط کے جواب کا منتظر ہوں۔ والسلام!

دھنپت رائے ۸ رفروری ۱۹۲۱ء

(۱۸)

بنام مولوی عبدالحق صاحب

جناب مشفق و مکرم بندہ! تسلیم

یاد آوری کا ممنون ہوں۔

چند در چند موانعات کے باعث تعمیلِ ارشاد سے قاصر ہوں۔ موضوع مضمون نہایت بسیط ہے اور اس پر جامع مضمون لکھنے کے لیے بہت تحقیق اور مطالعہ کی ضرورت ہے اور میں ترکِ موالات کا پیرو ہونے کے باعث فی الحال اس کے لئے کافی وقت نہیں نکال سکتا۔ میرے خیال میں اس کے لئے اگر آپ منشی اقبال ورما سحر ہنگامی۔ حضور کلکٹری فتح پور یا منشی راج بہادر صاحب لمگوڑا ایم اے۔ ایل ایل بی وکیل فتحپور کو تکلیف دیں تو وہ دونوں اصحاب اسے زیادہ خوبصورتی سے انجام دے سکیں گے مگر بہترین شخص جسے میں جانتا ہوں پنڈت پدم سنگھ شرما ہیں۔ انہیں ہندی ادبیات کی عمیق واقفیت ہے اور اردو ادب کے بھی ماہر ہیں۔ ان کا پتہ ہے بجنور۔ ڈاک خانہ نگینہ۔

نیاز مند: دھنپت رائے (پریم چند)
دفتر گیان منڈل کاشی۔ ۲۷ رمئی ۱۹۲۱ء

(۱۹)

بنام سید امتیاز علی تاج

برادرم!

تسلیم! خط کئی دن ہوئے آیا۔ میرا قصہ پسند نہ آیا، مجھے خود بھی یہی خوف تھا۔ اس کی تنقید آپ نے مناسب کی ہے بے شک قصہ دب گیا ہے۔ آئندہ احتیاط رکھوں گا۔ زمانہ کے جولائی نمبر میں لال چند ایک قصہ ہے۔ اس کے متعلق بھی اپنی رائے تحریر فرمائیے گا۔ کیا اب کی بار بھی قصہ دب گیا یا میں کچھ کامیاب ہوا۔ کم سے کم میں نے کامیاب ہونے کی کوشش ضرور کی تھی۔

---

[1] یعنی مہاتما گاندھی نامی کتاب ملی۔

آپ کی رائے کا بے تابی سے منتظر رہوں گا۔ مخزن کیوں نہیں آیا۔ آپ کے خط کے لئے میں چشم براہ ہوں۔
آپ اس قصّہ کو مخزن میں شائع نہیں کر سکتے تو اتنی تکلیف کیجئے کہ اسے بندے ماترم آفس میں بھیج دیجئے، وہاں نکل جائے گا۔ مخزن کے لئے میں جلد لکھوں گا۔ قصّہ ہوگا یا کچھ اور عرض نہیں کر سکتا۔ زیادہ والسلام!

نیازمند: دھنپت رائے مارواڑی ہائی سکول کانپور، ۲۷ اگست ۱۹۲۱ء

---

(۲۰)

سید امتیاز علی تاج

مشفق من! تسلیم
اب تو آپ کے خطوں کے لئے مہینوں ترس جاتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں میں ہی عدیم الفرصت ہوں پر آپ مجھ سے بھی زیادہ مصروفِ کار نظر آتے ہیں۔ یا یہ بے اعتنائی تو نہیں ہے؟ بازارِ حسن کی باقی کتابت ابھی ختم ہوئی یا نہیں؟ کتاب کے شائع ہونے کا کب تک انتظار کروں؟
پریم بتیسی کی بکری کیسی ہو رہی ہے۔ آپ نے کسی اخبار میں غالباً اشتہار نہیں دیا۔ آپ نے اردو لٹریچر کی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے تو زیادہ زندہ دلانہ جوش کے ساتھ کام کرنا چاہئے۔ اس دخلانہ مشورہ کے لئے معاف فرمائیے گا۔
امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت خوش و خرم ہوں گے۔

نیازمند دھنپت رائے ماروا ڑی ہائی سکول کانپور ۱۹ دسمبر ۱۹۲۱ء

---

(۲۱)

سید امتیاز علی تاج

برادرم! تسلیم
نوازش نامہ ملا۔ بہت اطمینان ہوا۔ دفتر زمانہ میں پریم بتیسی حصہ دوم کی قیمت میں ترمیم کرنے کے لئے کہہ دیا۔ مخزن کے لئے مضمون لکھا ہوا تیار ہے۔ اسکول ہی میں لکھا تھا۔ تعطیل کے باعث وہاں جانا نہیں ہوتا۔ مدرسہ کھلتے ہی مضمون بھیجوں گا مگر قصّہ بہت مختصر ہے۔ آج کل لاہوری رسالوں میں لکھتے ہوئے طبیعت ہچکچاتی ہے۔ میں وہ زبان نہیں لکھ سکتا جس کا آجکل اکثر رسالوں میں نمونہ نظر آتا ہے اور جس کا پیشرو اگر کوئی ایک شخص نہیں تو ناگرہ کا نعارہ ہے۔ اس رنگ کا عنصر ہے سیدھی سی بات کو تشبیہات اور استعارات میں بیان کرنا۔ میں اس رنگ کی تقلید سے قاصر ہوں۔ تاجور صاحب بھی اسی رنگ کے مقلد تھے اور معاف کیجئے گا حضرت بیدل بھی اس کے علاوہ نظر آتے ہیں۔ ایسے رنگین نویسوں کو میری روکھی پھیکی تحریر کیا پسند آئے گی۔ یہ محض آپ کا اصرار ہے جس نے مجھے مخزن کے لئے قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔ علاوہ بریں میں بھی تنگ مراللاق ہوں۔ میرے دل و دماغ میں بھی آجکل وہی مسائل گونجا کرتے ہیں۔ ذہنوں میں بھی وہی خیالات جھلکتے ہیں اور ادبی رسائل میں ان کی گنجائش نہیں۔ نومبر کے زمانہ میں "سورلٹر" لکھا ہے۔ ذرا اس پر رائے زنی کیجئے گا۔ ممکن ہے یہ آپ کے معیار پر اترے۔ اس میں صرف چند گھنٹوں کے واقعات ہیں۔
اور سب خیریت ہے۔ ذرا جلد جلد یاد فرمایا کیجئے۔ آپ کے خطوں کا بہت منتظر رہتا ہوں۔

آپ کا: دھنپت رائے ۲۹ دسمبر ۱۹۲۱ء

---

(۲۲)

بنام سید امتیاز علی تاج

بھائی جان! تسلیم

آپ کا خط ملا۔ مخزن اور ہمایوں میں آپ کے مضامین دیکھے۔ صدق دل سے داد دیتا ہوں۔ "زبیدہ" میں زورِ قلم زیادہ ہے اور تخیل نہایت بلند۔ مگر میرے خیال میں ہیروئن کی نازک حالتیں اچھی طرح واضح نہیں ہوئیں۔ اس کے جذباتی فلسفہ کا تو علم ہو جاتا ہے لیکن ذہن میں ایک اڑتے ہوئے خاکہ کے سوا اور کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اندازِ تحریر میں جدت ہے، تاثیر ہے، عمق ہے، گہرے جذبات کی توضیح ہے لیکن شیرینی نہیں۔ کہیں کہیں ایسے الفاظ ثقیل آ جاتے ہیں جو نغمہ کی روانی میں ہارج ہو جاتے ہیں۔ بعض بعض مقامات پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کسی جذبہ کی توضیح کرنے کی کوشش کی ہے مگر ادا کرنے میں ناکام رہے مثلاً "......[1] کہ آسمان کو ایک وہم بنا دیں۔" انجام بھی بہت جلد ہوا۔ کوئی چھوٹا موٹا واقعہ آ جاتا تو زبیدہ کے طرزِ عمل سے اس کے خیالات اور روشن ہو جاتے۔ بہرحال ان معمولی سے قطع نظر قصہ محض قصہ ہی نہیں بلکہ ایک نغمۂ معنی ہے۔ آپ 'نابینا جوان' کا سا قصہ لکھنے کی پھر کوشش کیجئے، وہ لاجواب چیز تھی۔ مخزن میں جو قصہ ہے وہ مجھے اچھا نہیں۔ مجھے یاد آتا ہے کہ میں نے ایک جگہ کچھ اسی قسم کا ایک قصہ دیکھا تھا۔ انجام ضرور ڈرامیٹک ہے۔ میں آپ سے یہ بھی گذارش کر دینی چاہتا ہوں کہ اختراعیت کے دام میں نہ پھنسیے۔ سلاست اور روانی ہاتھ سے نہ جائے۔ آج کل لوگ ایک عجیب طرزِ بیان اختیار کرتے جاتے ہیں جس میں سادگی اور نیچرل پن کو چھوڑ کر خواہ مخواہ شوکتِ بیان پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

میرا ہندی ناول ختم ہو گیا، اب اردو کا کام جلد ہو گا۔ جب تک بازارِ حسن پریس سے نکلے گا شاید نئے ناول کا حصہ اول آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔

'نورجہاں' کا ترجمہ میں خود تو نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے فرصت نہیں ہے۔ خود بھی ایک ڈراما لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن میرے چند احباب بنگلہ زبان کے ماہر ہیں ان کی مدد سے یہ کام ہو سکتا ہے۔ اور یہ بنگل سے ترجمہ کرنے میں زیادہ آسانی ہو گی۔

اور کیا عرض کروں۔

نیاز مند: دھنپت رائے ۱۶ر فروری ۱۹۲۲ء

(۲۳)

بنام سید امتیاز علی تاج

محبی! تسلیم

'انارکلی' اردو کا پہلا ڈرامہ ہے جسے میں نے اول سے آخر تک ایک ہی سانس میں پڑھا۔ یہ تو میں نہیں کہتا کہ میں نے اردو کے سب ڈرامے پڑھ ڈالے ہیں مگر جتنے پڑھے ہیں ان میں مجھے جتنی کشش 'انارکلی' میں ہوئی وہ اور کسی ڈرامے

---

[1] یہ لفظ پڑھا نہیں گیا۔

میں نہیں ہوئی ہیں تو اسے انگریزی کے بہترین ڈراموں کے مقابل رکھنے کو تیار ہوں۔ "دورِ جدید" اس کے ایک ایک لفظ میں منقوش ہے "پارسی" طرز کی زنجیروں سے آپ نے ڈرامہ کو یک لخت ...[1]... کر دیا۔ کہیں کہیں تو آپ نے نزاکت فہمی کا کمال کر دکھایا ہے۔ "انارکلی" مجھے بہت عرصہ تک یاد رہے گی۔ اکبر کا کیرکٹر مجھے بہترین معلوم ہوا۔ بس اگر شکایت ہے تو یہی کہ آپ نے جہانگیر کے ہاتھوں دل آرام کا قتل کرا کے میرے دل کو سخت صدمہ پہنچایا۔ حتیٰ کہ اس ڈرامہ سے جہانگیر سے مجھے نفرت ہو گئی۔ کوئی سچا عاشق اتنا بے رحم ہو سکتا ہے اسے دل نہیں تسلیم کرتا۔ معاف کیجئے گا۔ والسلام!

مخلص: پریم چند گنیش گنج، لکھنؤ ۵ مارچ ۱۹۲۲ء

(۲۴)

بنام سید امتیاز علی تاج

مہربان بندہ تسلیم!

ممنون ہوں۔ شاہکار کا اب تک منتظر ہوں۔ میں نے تو سمجھا تھا آپ نے وہ ارادہ ترک کر دیا۔ میں غالباً ۵ اگست تک اپنا افسانہ خدمت عالی میں ضرور بالضرور حاضر کر دوں گا۔ میں تو منتظر تھا اور شاید ایک بار دریافت بھی کیا تھا کہ رسالہ جاری ہوا یا نہیں "ہنس" اب آل انڈیا لٹریری رسالہ ہونے جا رہا ہے جس میں گجراتی، مراٹھی، تامل، تیلگو، کنڑی، بنگلہ سبھی زبانوں کے ادیب اپنے مضامین بھیجیں گے۔ چونکہ اس میں ایک حصہ اُردو کے لئے لازمی طور پر مخصوص ہے اور نہایت ممتاز حصہ۔ اس لئے میں چند منتخب اور مستند اردو رسائل سے ہنس کا تبادلہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ شاہکار سے ہنس کا تبادلہ منظور فرمائیں اور ۱ اگست کا پرچہ بھیج دیں۔ میں بھی اگست کا پرچہ روانہ کر دوں گا۔ اس کے ساتھ ہی وہ پمفلٹ روانہ کرتا ہوں جو آل انڈیا ادبی تحریک کی جانب سے انگریزی میں شائع ہوا ہے اور اس کے ساتھ یہ خط بھی اور آپ سے یہ استدعا کروں گا کہ آپ اس آل انڈیا تحریک میں شرکت فرمائیں اور اس میں عملی حصہ لیں۔ تحریک کے اغراض اور مقاصد اس پمفلٹ سے جناب پر واضح ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ علیحدہ ایک خط ارسال ہے جس کی نقل اردو کے ادیبوں کی خدمت میں دعوت کے طور پر ارسال کی گئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ جناب اس قومی ادبی خدمت میں نہ ذاتی طور پر بلکہ اپنے اثر سے بھی امداد فرمائیں گے۔

احقر: پریم چند دفتر ہنس، بنارس ۶ اگست ۱۹۳۵ء

(۲۵)

بنام سید امتیاز علی تاج

برادرم تسلیم!

آپ کے دو نوازش نامے ایک ساتھ آئے مشکور ہوں۔ "قرار" و مضامین کا مجھے افسوس اس لئے ہے کہ آپ کا قصد ادھورا رہ گیا، اور خوشی اس لئے کہ ہمارے درمیان کوئی روحانی یا باطنی تعلق ضرور ہے ورنہ دوروں کو وہی باتیں کیوں نہیں سوجھتیں۔ پر آپ

---

[1] یہاں ایک لفظ پڑھا نہیں گیا۔

اپنا قصہ ضرور تمام کریں۔ ہر گُلے را رنگ و بوئے دیگر۔

سنسکرت لٹریچر پر لکھنے کا میں نے ارادہ کیا تھا مگر اس کے لئے جو مواد جمع کیا تھا وہ سب اِدھر اُدھر ہو گیا۔ اب 'بہاری' کے متعلق کوئی مضمون عنقریب بھیجوں گا۔ پریم پچیسی کے نسخے آپ نقد حساب کر دیں تو زیادہ بہتر۔ کل قیمت پر للعہ فی صد کمیشن اور محصول وضع کر لیں۔ یوں جب نکلیں گے قصہ کا حساب ملا کر بقیہ کا منی آرڈر ارسال فرما دیں تو عین عنایت ہو۔

میں اب تک آپ سے اپنے مضمونوں کے لئے ––– لیا کرتا تھا۔ مجھے اب بھی کوئی انکار نہیں ہے مگر چونکہ بعض دیگر رسائل اس سے بہتر شرائط کرنے پر آمادہ ہیں اس لئے مجھے احتمال ہے کہ میرا نفس کہیں ان شرائط پر فریفتہ نہ ہو جائے اور مجھے اپنی خواہش کے خلاف اپنے اچھے مضامین ان کے پاس بھیجنے کے لئے مجبور نہ کرے۔ صبح امید کے متواتر خطوط آ رہے ہیں اور وہ مجھے عرصے سے سخت تنگ کر رہی ہے۔ اب مجھے مجبوراً اس کے شرائط قبول کرنے پڑے۔ ورنہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ میں نے اب تک اس میں ایک سطر بھی نہ لکھا تھا۔ اب کس حیلے سے انکار کروں۔ یہ سب دکھڑا آپ سے محض دلی تعلق کے باعث کر رہا ہوں۔ میں حاشا یہ نہیں کہتا کہ آپ بھی مجھے ––– دیا کریں۔ اپنے قدیم مجھوتے پر قانع و شاکر ہوں۔ پر اگر میرے مضامین صبح امید میں نکلیں اور اور مجھ جیسا سست قلم آدمی کہکشاں میں اس سے بھی زیادہ تساہل کرے تو مجھے معذور خیال فرمائیے گا۔

میری وضع و قطع اور شکل و شباہت کے متعلق آپ نے جو قیاس کیا ہے اس سے روحانی تعلق کا گمان اور بھی پختہ ہو جاتا ہے بے شک میرا سن چالیس سال ہے۔ میں بند کالر کا کوٹ اور سیدھا پاجامہ پہنتا ہوں اور پگڑی باندھتا ہوں۔ ایک پوربی آدمی کا پہناوا فلٹ کیپ ہے آپ نے پگڑی کا گمان کیوں کیا۔ کیا آپ کو القا ہوا ہے؟ میں اپنے مسلّمہ اصولوں کے خلاف اپنا ایک فوٹو بھی ارسالِ خدمت کرتا ہوں۔ اس شرط پر کہ وہ بعد ملاحظہ واپس کر دیا جائے اور یا اگر آپ بطور ایک دوست کی یادگار کے رکھنا چاہیں تو اس کا کسی آرٹسٹ سے ایک بڑے پیمانہ کا بسٹ بنوا لیں۔ اور کیا عرض کروں۔ کہکشاں کا انتظار ہے۔ ربندرا بابو کی کون کون سی تصانیف کے ترجمے جناب کے دفتر سے شائع ہونے والے ہیں۔ اب کی 'زمانہ' جولائی میں ربندر پر ایک دلچسپ مضمون نکل رہا ہے۔ آپ کی نظر سے گذرے گا۔

جناب قبلہ سید ممتاز علی صاحب کی خدمت میں دست بستہ آداب قبول ہو۔

نیاز مند: پریم چند۔ نارمل سکول گورکھپور ۲۴؍ جولائی

---

(۲۶)

بنام سید امتیاز علی تاج

جناب شفقی تسلیم!

نوازش نامہ صادر ہوا۔ آپ اپنے سلسلۂ اشاعت کی توسیع کرنی چاہتے ہیں یہ امر میرے لئے خاص طور پر باعثِ اطمینان ہے۔ اردو میں رسالے اور اخبارات تو بہت نکلتے ہیں، شاید ضرورت سے زیادہ، اس لئے کہ مسلمان ایک لٹریری قوم ہیں اور ہر تعلیم یافتہ شخص اپنے تئیں مصنف ہونے کے قابل سمجھتا ہے لیکن پبلشروں کا یکسر قحط ہے۔ سارے قلمروِ ہند میں ایک بھی ڈھنگ کا پبلشر موجود نہیں۔ بعض جو ہیں ان کا عدم اور وجود برابر ہے کیونکہ ان کی ساری کائنات چند ردّی ناول ہیں جن سے ملک یا زبان کو کوئی

فائدہ نہیں۔ عرصہ ہوا 'دائرۃ الادب' دہلی میں قائم ہوا تھا اور بڑے طمطراق سے چلا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں میں اس کے ناظم صاحب کا جوش فرو ہوگیا اور وہ کچھ اس طرح غائب ہوگئے کہ معاملہ داروں کا حساب تک نہ صاف کیا۔ اس لئے میں آپ کی اس تجویز سے بہت مطمئن ہوں لیکن معاف فرمائیے گا ایک ادبی رسالہ کا بار اپنے سر پر رکھے ہوئے آپ اپنی نئی تجاویز میں کامیاب ہو سکتے ہیں اس میں مجھے شک ہے۔ ایک اوّل درجہ کا اردو رسالہ ایک آدمی کو ہمہ تن مصروف رکھنے کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔ ورنہ اس کا معیار سے گر جانا یقینی ہے۔ ایسی حالت میں آپ دونوں کام کامیابی کے ساتھ نہیں کر سکتے تاوقتیکہ آپ کو کوئی ہوشیار اسسٹنٹ نہ مل جائے اور چونکہ آج کل لاہور میں بلا معقول معاوضہ کے ہوشیار آدمی مل نہیں سکتا اور کہکشاں کے لئے یہ بار شاید ناقابل برداشت ہو اس لئے آپ کو اس کے سوا اور رمز نہیں کہ یا تو اشاعت کے ہوں یا کہکشاں کے۔ میری ناچیز رائے ہے کہ اگر آپ اشاعت کا کام سرانجام دے سکتے ہیں تو کہکشاں کو خیرباد کہئے۔ کہکشاں جو کام کر رہا ہے وہی کام اور بھی کئی ممتاز رسالے کر رہے ہیں یا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر پبلشنگ کا میدان بالکل خالی ہے اور زبان کی خدمت کرنے کے جتنے موقعے اشاعت کتب کے ذریعے مل سکتے ہیں، ماہوار رسالہ سے ممکن نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ماہوار صحائف سے زبان کی خدمت نہیں ہوتی، مگر رسائل کے وسائل محدود ہوتے ہیں اور اس کے حدود اسے تصنیف کے اکثر شعبوں سے بے فیض رکھتے ہیں۔ اردو رسالوں میں آپ کوئی ضخیم اور محققانہ تاریخی تصنیف نہیں شائع کر سکتے تاوقتیکہ وہ آپ کے روبرو خوردبینی صورت میں نہ پیش کی جائے۔ علیٰ ھذا فلسفہ، شعر، نظریات، کیمیات وغیرہ وغیرہ سبھی اصناف کلام کا دروازہ آپ کے لئے بند ہے۔ آپ کو چلتے ہوئے مضامین، تفریح بخش چٹکلے، دلچسپ شاعرانہ تذکرے، رنگین قصے چاہئیں۔ یہاں تک کہ آپ کوئی ضخیم ناول ہاتھ میں لیتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ تو جناب چٹ پٹے مضامین سے ناظرین کی ضیافتِ طبع چاہے ہو جائے لیکن زبان کی کوئی مستقل خدمت نہیں ہو سکتی۔ ایسے مضامین سے زبان کے مستقل سرمایہ میں کوئی قابلِ قدر اضافہ نہیں ہوتا۔ اردو کو ہر ایک شعبہ کی اچھی اور مستند کتابوں کی جتنی ضرورت ہے وہ محتاجِ بیان نہیں اور حالانکہ اس بے بضاعتی کا باعث ایک بڑی حد تک ہماری سیاسی بے دست و پائی ہے۔ تاہم ہم نے اپنے لٹریچر کی طرف ابھی اتنی توجہ نہیں کی جس کا وہ مستحق ہے۔ اگر ہمیں اپنی لاج رکھنی ہے تو اپنے لٹریچر کو فروغ دینا پڑے گا اور چاہے یہ کام افراد کریں یا مجموعۂ افراد مگر اسے کاروباری اصولوں پر کئے بغیر استحکام نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ ایک مشترکہ سرمایہ سے کوئی پبلشنگ کا دھندا جاری کر سکیں تو کیا کہنا۔ لاہور جیسے تجارتی مقام پر ایسی کمپنی کھولنی بہت مشکل نہ ہونی چاہئے۔ بہرحال اگر آپ اشاعت کے کاروبار میں ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں تو کہکشاں کو بند کیجئے بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ آپ کو اس کے جاری رکھنے میں سراسر خسارہ ہے یہی میری دوستانہ صلاح ہے۔ امید ہے آپ میری صاف گوئی کو معاف فرمائیں گے۔

خاکسار: پریم چند۔ گورکھپور ۲۵ اگست

(۲۷)

بنام سید امتیاز علی تاج

بھائی جان! تسلیم

خط انتظار کے بعد ملا، مشکور ہوں۔ تتلی چھپ گئی شکر ہے۔ بازارِ حسن کی کتابت ہونے لگی بڑی خوشی کی بات ہے۔

حصّہ اوّل ابھی تک منشی دیانرائن صاحب کی بے توجہی کے سبب معرضِ التوا میں پڑا ہوا ہے مگر امید ہے کہ حصّہ دوم کا شائع ہونا تازیانہ کا کام دے گا اور یہی میری غرض تھی۔

کہکشاں آپ بند کرنا چاہتے ہیں۔ جب نقصان ہو رہا ہے تو ضرور بند کیجیے۔ جب آپ کو ولایت جانے کا موقع ملے تو اس سے فائدہ نہ اٹھانا اپنے اوپر اور قوم کے اوپر ظلم کرنا ہے۔ بے ڈھنگ کے دو چار رسال نکل جائیں گے تو میری طرح آپ کو بھی پچھتانا پڑے گا۔ کاش میں نے اوائل عمر میں ایم۔ اے تک حاصل کر لیا ہوتا تو یہ کس مپرسی کی حالت نہ ہوتی۔ ورنہ وہ زمانہ فسانہ نگاری کے نذر ہوا اور اب ضرورتیں ڈگری کے لئے مجبور کرتی ہیں۔ آپ بی۔ اے پنجاب سے کیجیے اور فوراً ولایت کا سفر کیجیے۔ دو تین سالوں میں آپ پانچ چھ سو روپے حاصل کرنے کے مستحق ہو جائیں گے اور اگر اخبار نویسی کی طرف مائل ہو گئے تو یہاں بھی اوّل درجہ کا انگریزی رسالہ نکال سکیں گے۔ اخلاقی اور ذہنی فوائد جو حاصل ہوں گے ان کی کوئی قیمت نہیں۔ میں نے اپنی جانب سے ایک دوستانہ خط لکھا ہے۔ مناسب سمجھیں تو اسے شائع کر دیجیے۔ مجھے اس نرغہ سے خوبصورتی سے نکل جانے کا اس کے سوا اور کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ لطائف الحیل کے فن میں میں بھی اُمّی ہوں۔ صاف صاف کہنا جانتا ہوں۔

بتیسی اور دیگر کتب ضرور روانہ کریں۔ آپ نے گاندھی کے حالات لکھے تھے اس کی کتنی جلدیں نکل گئیں۔ پریم بتیسی آپ کے یہاں سے کتنی نکل جائے گی۔ اب تو کہکشاں کا ذریعہ اشتہار بھی نہ رہے گا۔

یہاں بارش قبل از وقت بند ہو گئی۔ فصل کا نقصان ہو رہا ہے۔

میں نے کلکتہ کے ایک ہندی پریس میں شرکت کر لی ہے۔ ۱۱ میرے ایک دوست کا ہوگا اور ۵ میرا۔ مجھے اپنے حصّہ کے روپوں کی فکر کرنی ہے۔ اگر کام چل گیا تو پچاس ساٹھ روپے ماہوار کا فائدہ ہو سکے گا۔ اگر آپ کو تردد نہ ہو تو ستمبر میں شرط حساب طے فرما دیجیے گا۔ کل پریس ۱۶ ہزار کا ہے۔ تعزیت کے لئے مشکور ہوں۔ دو بچے تھے۔ ایک نے مفارقت کی۔ اب ایک چہار سالہ شیر خوار رہ گیا اور ایک لڑکی۔ پرماتما انہی دونوں کو زندہ رکھے۔ غم جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ مشیت یہی تھی۔ مجھے بھی اب اس کی مصلحت نظر آ رہی ہے۔ شاید مجھے علائق کی زنجیر گراں سے کچھ آزاد کرنا مقصود تھا۔ خط جلد لکھئے گا۔ آپ کے خطوط سے تسکین ہوتی ہے۔

آپ کے والد صاحب بزرگوار نے جن الفاظ میں مجھے تلقین صبر اور توکل فرمایا ہے ان کے لئے تہ دل سے ممنون ہوں۔ عید الضحیٰ کا دن ہے دو چار احباب ملنے آتے ہوں گے اس لئے اب رخصت۔ عید مبارک! خیال میں آپ سے بھی بغل گیر ہو رہا ہوں۔ والسلام!

دھنپت رائے۔ گورکھپور ۲۶ اگست

(۲۸)

بنام سید امتیاز علی تاج

بندہ نواز تسلیم

عنایت نامہ ملا۔ کہکشاں بھی نمبر اوّل سے بہتر ہے۔ مبارک باد! دیگر رسائل پر نوٹ لکھنے کی فکر ضرور کیجیے، اس سے رسالہ

مقبول تر ہوگا۔

ایک قصہ "جنگ کا دیوالہ" جاتا ہے۔ لمبا ہو گیا ہے۔ دیکھئے، پسند آئے تو رکھ لیجئے۔ دو نمبروں میں نکل جائے گا۔ قصہ روکھا ہے۔ جذبات نہیں آنے پاتے۔

ناول کے متعلق، تصویروں کی رائے فسخ ہو گئی۔ ہندی کا پبلشر اسے جلد نکالنا چاہتا ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں تصویریں دی جائیں گی اس لئے فی الحال ان کا ذکر فضول۔ رہا معاوضہ، وہ قصہ پڑھ لینے پر آپ خود طے کر لیں گے۔ ہندی والوں نے مجھے چار سو روپے دئے ہیں۔ اردو سے مجھے اتنی امید نہیں۔ مگر ۱۲ سطری صفحہ کے ۱۲ر کے حساب سے قبول کر لینے میں مجھے تامل نہ ہوگا۔ یہ میرا پہلا ضخیم ناول ہے۔ مجھے اس کی اشاعت کی فکر ہے۔ دوسرا ناول بھی شروع کر چکا ہوں۔ اور کیا عرض کروں۔

سید ممتاز علی قبلہ کی خدمت میں آداب قبول ہو۔

جواب سے یاد کیجئے گا۔ والسلام!

دھنپت رائے۔ گورکھپور ۱۰ر نومبر

اصغر گونڈوی

بنام علامہ کیفی چریاکوٹی

(۱)

جناب مولینا۔ السلام علیکم

آپ نے کل مجھ سے ملنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مگر اس وقت مجھے خیال ہؤا کہ ممکن ہے آپ کو یاد نہ رہے اور آپ بالا ہی بالا تشریف لے جائیں۔ اس لئے آپ کو مطلع کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ بھگوتی سہائے (کرشن سہائے کے بھائی) اور شارق ایمانی پرسوں آپ سے ملنے کے لئے آنے والے ہیں۔ ان لوگوں کے پیش نظر جو مراحل ہیں وہ آپ معلوم ہیں۔ اگر آپ کہیں تشریف لے گئے، اور آپ کے قیمتی مشوروں سے یہ لوگ مستفید نہ ہو سکے تو کرشن سہائے کو جو شکایت ہوگی اس کا آپ خود ہی اندازہ کریں۔ میری بابت آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کے کاموں کے متعلق کتنے حوصلہ شکن اور متشائم خیالات رکھتا ہوں۔ گھر کی رونق جن جن ہنگاموں پر موقوف ہے وہ بجھی ہوئی طبیعتوں سے ممکن نہیں۔ آپ موجود ہوں گے تو بعید نہیں کہ آپ کے زور میں بے حس و حرکت مال گاڑیاں بھی گھسٹ چلیں۔ اس لئے کم از کم آپ کو پرسوں تک اپنا ارادہ ملتوی رکھنا چاہئے۔

۳ر اپریل ۱۹۳۰ء　　　　احقر اصغر

بنام ڈاکٹر زور

(۲)

دی ہندستانی اکیڈیمی یونائیٹڈ پروونسز، الہ آباد

مکرم۔ سلام و رحمتہ۔ نامۂ گرامی صادر ہؤا جس کے لئے ہمہ تن سپاس ہوں۔ "ہندستانی زبان کی ابتدا" کوئی شک نہیں کہ نہایت اچھوتا اور نفیس موضوع ہے۔ ایسے ہی موقعوں پر شاید یہ لوگ پڑھ دیا کرتے تھے ؎

پسلی پھڑک اٹھی نظر انتخاب کی

ہندستانی اکیڈیمی کے رسالے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی مضمون ہو سکتا ہے؟ رسالہ دسمبر میں طبع ہو جائے گا۔ اس لئے اسے براہِ کرم نومبر تک مرحمت فرما دیجئے۔

یورپ کے کتب خانوں کے اردو مخطوطات، اور نادر کتابوں کی فہرست بہت ضروری ہے۔ اسی کے ساتھ آپ کا مشورہ بھی کہ ان میں کونسی چیزیں کام کرنے کے قابل ہیں۔ حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ[1] کے دیوان کی ترتیب

---

[1] اصل نام جانجاں ہے۔ لیکن جانجاناں کے نام سے مشہور ہیں۔

فی الحال میرے پیش نظر ہے۔ کچھ اس کے بارے میں بھی مشورہ دیجئے۔ معلوم نہیں آپ کا قصد ہندستان کا کب تک ہے۔ ہمارے ایک مشترک دوست محمد حفیظ سید بھی لندن تشریف لے گئے ہیں۔ ممکن ہے۔ آپ سے ملاقات ہو۔ ڈاکٹر زبید احمد صاحب[1] بحمد اللہ بخیریت ہیں۔

"میرے اشعار سے یورپ میں بیٹھ کر لطف اٹھانے" کا حال معلوم کر کے مجھے بھی کافی لطف آگیا۔ شاعروں کی واہ وا اور سبحان اللہ سے محروم نفس کو بہر حال غذا کا کچھ نہ کچھ سامان مل ہی گیا۔ مضمون اور گرامی نامے کا بے چینی کے ساتھ منتظر رہوں گا۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۳۰ء　　　　نیاز کیش احقر اصغر

بنام ڈاکٹر زور

(۳)

ہندستانی (تماہی رسالہ)

مکرمی تسلیم و نیاز۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کا کوئی مضمون ہمارے پہلے نمبر میں نہ نکل سکا۔ دوسرے نمبر کی تیاری شروع ہو گئی ہے اور اب آپ کے مضمون کا پھر انتظار ہے۔ رسالے کا پہلا نمبر آپ کی خدمت میں روانہ کیا جا رہا ہے۔ ممکن ہو تو چند سطریں اس کے بارے میں بھی لکھئے۔ تاکہ مجھے اپنی خامیوں کی اطلاع ہو اور آئندہ میں اس کی اصلاح کر سکوں۔

"ہندستانی صوتیات[2]" پر آپ کا انگریزی رسالہ موصول ہوا ہے اس پر یا تو زبید صاحب یا اور کوئی صاحب ریویو لکھیں گے۔ امید ہے کہ "اردو شہ پارے" پر بھی اس نمبر میں ریویو ہو۔

حضرت مرزا مظہر جانجاں کے اردو کلام کے بارے میں میں نے سنا ہے کہ انڈیا آفس یا برٹش میوزیم میں کوئی نسخہ موجود ہے۔ میرے پاس ان کتب خانوں کی کوئی فہرست موجود نہیں ہے۔ یہ خبر جو مجھے ملی ہے اگر صحیح ہو تو میں وہاں سے اس کے فوٹو کے لئے کوشش کروں۔ اس کے متعلق میں نے سر تیج بہادر سپرو کو بھی ولایت میں لکھا ہے لیکن شاید راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کی مصروفیتوں سے انہیں فرصت نہیں ملی کہ اس کی تحقیق کر کے مجھے جواب دیتے۔

میں ایک مدت سے انتظار کر رہا ہوں کہ یورپ کے اردو مخطوطات کے بارے میں آپ سے معلومات حاصل کروں تاکہ کوئی کام شروع کیا جائے۔ اب تو آپ حیدرآباد تشریف لے آئے وہاں اپنے احباب کے ذریعہ سے کوشش کیجئے کہ رسالے کے لئے کچھ اچھے مضامین بھیجیں۔ ہمارے یہاں ادبی مضامین کی بہت کمی ہے۔ زیادہ ضرورت اس قسم کے مضامین کی ہے۔ مضامین کا معقول معاوضہ بھی دیا جاتا ہے۔ اس لئے میں نہیں سمجھتا کہ لوگ ہم خرما و ہم ثواب کے لئے کیوں نہ تیار ہوں گے۔ والسلام　احقر اصغر　۲۰ جنوری ۱۹۳۱ء

---

[1] استاد عربی تھے الٰہ آباد یونیورسٹی میں۔ لندن میں میرے ساتھ تھے اور غالباً ۱۹۳۲ء میں ہندستان واپس ہوئے۔

[2] یہ انگریزی کتاب ہندستانی فونے ٹکس ۱۹۲۹ء میں پیرس سے شائع ہوئی تھی۔

بنام مولوی ضیاء احمد صاحب بدایونی

(۴)

ہندستانی اکیڈیمی، صوبہ متحدہ الہ آباد - نمبر ۸۰۶ - J - ۲/۲۲

جناب مکرم - تسلیم و نیاز

"ہندستانی" کا ایک نمبر جناب کی خدمت میں ارسال کیا گیا تھا، غرض یہ تھی کہ آپ کوئی مضمون اس کے لئے مرحمت فرمائیں، مگر اب تیسرا نمبر نکل رہا ہے مگر اب تک ادھر آپ کے مضمون سے محروم۔

ایک بار مولینا احسن مارہروی کے یہاں آپ سے شرف نیاز حاصل ہو چکا ہے، شاید آپ کو یاد ہو۔ اس بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ اس درخواست کے لئے مجھے کافی حق حاصل ہے ورنہ اس کے بعد پھر ڈاکٹر زبیر احمد صاحب کو سفارش کی تکلیف دوں گا۔

مضمون کے لئے کوئی سا ادبی موضوع تجویز کر لیجیے، ہندستانی اکیڈیمی مضامین کا معقول معاوضہ بھی دیتی ہے

۱۳ر جون سنہ ۱۹۳۱ء والسلام نیازمند اصغر اصغر

بنام ڈاکٹر زور

(۵)

ہندستانی اکیڈیمی، صوبہ متحدہ - الہ آباد - ہندستانی (تماہی رسالہ)

مکرم - السلام علیکم - مدت کے بعد گرامی نامہ صادر ہوا - شکریہ - شاہ حاتم پر آپ کا مضمون نکل گیا جنوری کا رسالہ دو تین روز میں پہنچ جائیگا - دہلی میں زبان اردو کا ارتقاء نہایت عمدہ موضوع ہے - اپریل نمبر کے لئے مضامین پریس میں دئے جا رہے ہیں مگر میں آپ کے مضمون کے لئے گنجائش رکھوں گا - مگر مضمون ذرا زیادہ طویل نہ ہو تو اچھا ہے -

حضرت مظہرؒ کا اردو کلام میرے پاس وہی ہے جو عام طور پر تذکروں میں ملتا ہے - آبحیات - گل رعنا - شعر الہند - تذکرہ میر - چمنستان - اور بس - ان کا فارسی دیوان بھی ہے - یہ ہے کل کائنات مواد اور مسالے کی - اس کے علاوہ آپ جو کچھ دیں گے اس کا ممنون ہوں گا - مگر جو کچھ دیجئے وہ اب بھیج ہی دیجئے انتظار کی حد ہو چکی کیا کانفرنس میں الہ آباد آنے کا قصد ہے - مارچ میں کانفرنس ہوگی - والسلام

۵ر جنوری سنہ ۱۹۳۲ء اصغر اصغر

بنام ڈاکٹر زور

(۶)

ہندستانی (تماہی رسالہ)

مکرم - سلام مسنون - گرامی نامہ معہ سید محمد صاحب[1] کے تبصرہ کے موصول ہوا - سید سلیمان صاحب[2] نے اپنے مضمون میں کہیں جدید اکتشاف کا دعویٰ نہیں کیا ہے بلکہ "بعض تحریرات" کا اشارہ کر کے دیوان

[1] عثمانیہ یونیورسٹی کالج آف آرٹس میں اردو کے ریڈر ہیں۔

[2] مولانا سید سلیمان ندوی۔

ہاشم علی کے متعلق کچھ نئے معلومات کا اضافہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے یہ مضمون اثنائے سفر میں لکھا ہے ممکن ہے کہ کسی مضمون میں ان کو ہاشم علی کے متعلق کچھ باتیں مل گئی ہوں۔ لیکن انہوں نے رسالہ اردو کا مضمون اور شہ پارے کا وہ حصہ جہاں ہاشم علی کا ذکر ہے یقیناً نہیں دیکھا ورنہ ممکن تھا کہ ان مضامین سے بھی فائدہ اٹھاتے اور اس کا ذکر اپنے مضمون میں بھی کر دیتے۔ مذکورہ مضامین میں ایڈنبرا والے نسخہ سے مدد لی گئی ہے سید سلیمان صاحب کے مضمون کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے ایک ہندوستانی نسخہ سے اپنا مضمون تیار کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہاشم علی کا نام۔ متروکات کی تفصیل۔ مراسم تعزیت کا بیان بعض نئے انتخابات مثلاً کس کا بھلا دن پالنا وغیرہ سے مضمون کو خاصا مفید اور دلچسپ بنا دیا ہے۔

سید محمد صاحب کے مضمون سے یہ مترشح ہے کہ سید سلیمان نے آپ کے مضامین سے فائدہ اٹھایا اور ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

آپ سید محمد صاحب کو سمجھا دیجئے۔ میں نے براہِ راست ان کو نہیں لکھا ہے۔ صرف اس لئے کہ اصل چیز آپ ہیں۔

۱ر ستمبر ۱۹۳۱ء

نیازمند احقر اصغر

(۷)

بنام ڈاکٹر زور

ہندوستانی ایکاڈیمی (صوبہ متحدہ) الہ آباد

مکرم۔ سلام مسنون۔ آپ نے مجھے اور "ہندوستانی" دونوں کو بھلا دیا۔ "ہندوستانی" کے لئے ایک زمانہ ایسا آگیا تھا کہ مضامین کا مطلقاً کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا تھا۔ ایسی صورت میں میں نے خیال کیا کہ اب احباب کا فرض ہے کہ وہ مضامین بھیجنے کے مسئلہ پر غور کریں۔ مجھے تقاضا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ میں اپنی کوشش سے بھی غافل نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معاوضہ تو منظور نہیں ہوا مگر یہ طے پا گیا کہ (۱۵) روپے کی ایک اعزازی رقم مضمون نگاروں کی خدمت میں پیش کر دی جایا کرے۔ یہ رقم اگرچہ بہت حقیر ہے تاہم پہلی صورت سے تو بہر حال بہتر اور غنیمت ہے۔ اب میں نے خیال کیا کہ آپ کو بھی ادھر توجہ دلاؤں۔ امید ہے کہ کوئی مضمون مرحمت فرما کر ممنون بنائیں گے۔

"دیوان زادۂ حاتم" کے ابتدائی اوراق بھی آپ نے ابھی نہیں بھیجے[1] ۔ اس لئے یہ کام بھی رکا ہوا ہے ذرا ادھر بھی توجہ فرمائیے۔ "مجلۂ عثمانیہ" میں آپ کا مضمون جواہر سخن پر نکلا ہے ابھی بالاستیعاب دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔ فرصت میں اطمینان سے دیکھوں گا۔ آج کل قصد ہو رہا ہے کہ "نشاطِ روح" کے بعد جو اشعار ہیں ان کو "روحِ نشاط" کے نام سے طبع کراؤں۔ اس پر مولوی ابوالکلام آزاد نے بھی لکھا ہے۔ کتاب طبع ہو

---

[1] دیوان زادۂ حاتم کا جو مسودہ میں نے اکیڈیمی کو بھیجا تھا۔ اس کے ابتدائی اوراق وہاں غائب ہوگئے تھے اور بعد کے صفحات کے پروف آئے تھے۔ میں نے اعتراض کیا تو دوبارہ یہ صفحات طلب کئے گئے تھے۔

جائے گی تو آپ کی خدمت میں بھی پیش کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں کوئی مفید مشورہ ہو تو اس سے دریغ نہ فرمائیے گا۔

۱۵ ستمبر ۱۹۳۲ء والسلام مع الاکرام احقر اصغر

(۸)

بنام ڈاکٹر زور

مکرم جناب۔ سلام مسنون۔ شاید ہی جناب مجھ سے واقف ہوں۔ اس لئے ایک تعارفی خط کے ساتھ حاضر ہوا ہوں۔ میں ہندستانی اکیڈیمی میں کام کرتا ہوں۔ یہاں سے ایک سہ ماہی رسالہ[1] نکلنے والا ہے۔ اس کی ادارت مجھے سپرد کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی اور متفرق کام میرے ذمہ ہیں۔

جناب کا "شہ پارہ[2]" اکیڈیمی میں آیا ہے۔ عنقریب اس پر ریویو کیا جائے گا۔ ہاں سب کچھ ہوا مگر اس تعارفی یا سفارشی خط کی غرض ابھی میں نے نہیں عرض کی۔ اس لئے ایک "بحث نگار" کی طرح نمبروار عرض کرتا ہوں۔

۱۔ ایک مضمون رسالے کے لئے مرحمت فرمائیے۔ اور وعدہ فرمائیے کہ وقتاً فوقتاً اس میں مضامین بھیجتے رہیں گے۔ اکیڈیمی چونکہ گورنمنٹ کی ہے اور کام یہ میرا ذاتی نہیں ہے اس لئے یہ عرض کرنے پر مجھے معاف فرمائیے گا کہ مضامین کا اعزازی معاوضہ بھی پیش کیا جائے گا۔

۲۔ انگلستان اور فرانس کے کتب خانوں میں اگر کوئی معقول و مناسب کتاب جناب کی نظر سے گزری ہو اور جس پر آپ یہ سمجھتے ہوں کہ کام کیا جا سکتا ہے۔ اس سے مطلع فرمائیے تاکہ ان کے فوٹو لینے کی درخواست کی جائے۔ براہ کرم ان کتابوں کے متعلق یہ تفصیلات بھی دیجئے کہ ان میں کون کون سی عوام کی دلچسپی کی اور کون خواص کی دلچسپی کی ہوں گی۔ والسلام مع الاکرام

احقر اصغر

(۹)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی تسلیم۔ "ہندستانی" نکل گیا ہے۔ مگر ابھی تک پریس سے آیا نہیں ورنہ اب تک روانۂ خدمت کر دیا گیا ہوتا۔

میرے خاص دوست محمد حفیظ سید ولایت سے واپس آ گئے غالباً آپ کے بعد یہ دوسرے شخص ہیں جنہوں نے اردو میں پی ایچ ڈی کیا ہے۔ وہ فرانس سے ڈی لٹ کی بھی ڈگری لائے ہیں۔ مقالہ ہندو فلسفہ پر تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کچھ ڈپلومے لائے ہیں۔

ہندستانی کے لئے آپ نے بہت دنوں سے کچھ نہیں بھیجا۔ حیدرآباد سے کچھ اچھے مضامین بھجوائیے۔ اور خود بھی اپریل نمبر کے لئے بھیجئے۔

---

[1] یہ رسالہ سہ ماہی "ہندستانی" کے نام سے نکلا تھا۔ جنوری ۱۹۳۱ء میں

[2] کتاب اردو شہ پارے جو ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی تھی۔

آپ کی "لسانیات[1]" پر میں نے ڈاکٹر زبید احمد صاحب سے کہا ہے کہ ایک اچھا سا ریویو کر دیں۔ ابھی تک انہوں نے توجہ نہیں فرمائی ہے۔ ڈاکٹر صدیقی[2] سے آپ نے دیباچہ لکھایا۔ بہت اچھا کیا۔ اگرچہ انہوں نے نفس کتاب کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ تاہم یہ کیا کم ہے کہ انہوں نے لکھ دیا۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے متعلق آپ نے اب تک مدد نہیں کی جو کچھ مل سکتا ہو دیجئے۔ اور جو نہ مل سکے اُس کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے مجھے لکھیئے تاکہ کچھ نہ ہو سکے تو کتاب[3] میں آپ کی یہی تحریر کھپا دوں۔ والسلام

احقر اصغر

---

[1] ہندستانی لسانیات ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی تھی۔

[2] ڈاکٹر عبدالستار صدیقی الٰہ آباد۔

[3] غالباً حضرت اصغر نے یہ کتاب مکمل نہیں کی۔

حسرت موہانی

(۱)

بجواب نشاط النساء بیگم[1]

بسم اللہ

السلام علیکم۔ میں پرتاب گڈھ سے فیض آباد ۲ فروری کو بخیریت پہنچا۔ یہاں جیلر صاحب بڑی مہربانی سے پیش آئے۔ سپرنٹنڈنٹ جمیل ماشاء اللہ خاں ہیں۔ ان سے بھی دوسرے دن ملاقات ہوئی۔ یہاں بھی حسب دستور کھانا مجھ کو خاص ملتا ہے یعنی دودھ شکر کے علاوہ دونوں وقت گیہوں کی روٹی اور ترکاری گھی میں پکی ہوئی۔ غرض کہ ہر طرح سے آرام ہے۔ اطمینان رکھو۔ کتابیں اور اخبار بھی حسب معمول ملتے ہیں۔ بستر وغیرہ بھی اور سامان ضروری مثلاً لوٹا، پیالہ وغیرہ سب میں اپنے پاس رکھتا ہوں۔

تمہارا ۳۰ جنوری کا لکھا ہوا کارڈ مجھ کو یکم فروری کو پرتاب گڈھ میں مل گیا تھا۔ آج ۱۴ کا لکھا ہوا کارڈ پرتاب گڈھ سے واپس ہو کر ملا۔ آئندہ خطوط اور اخبار سب فیض آباد کے پتے سے بھیجا کرنا۔ فیض آباد انگریزی میں یوں لکھنا: FYZ ABAD۔ میرے پاس اخبار وغیرہ بہت جمع ہو گئے ہیں۔ عنقریب میں وہ سب ایک بورے میں بھر کر واپس کر دوں گا۔ اس کے بعد میں علی گڈھ سے تذکرۃ الشعراء کے لئے بہت سے دیوان منگاؤں گا جن کی فہرست عنقریب سے روانہ کروں گا۔ تم وہ سب دیوان ہمارے کتب خانے سے تلاش کر کے ایک ٹرنک میں بند کر کے بذریعہ پسنجر ٹرین بھیج دینا۔ قفل بند کر دینا اور بلٹی مع کنجی رجسٹری والے لفافے میں جس کے اندر کپڑا لگا ہوتا ہے، علیحدہ بھیج دینا۔

اڈیٹر ہندوستان کے روپے بھیجنے کا حال معلوم ہوا۔ میرا بھی شکریہ ان کو لکھنا۔

بیجک میں نے پرتاب گڈھ ہی سے بھیج دیا تھا، غالباً اب پہنچ گیا ہوگا۔ نمائش سے مال واپس لانے میں بھی محصول نہیں دینا پڑتا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دوکان سے نمائشی مال لیجاتے وقت دفتر چنگی میں اطلاع کر دینا چاہئے کہ ہم اتنا مال جو اس قیمت کا ہے نمائش میں لئے جاتے ہیں۔ بعد نمائش پھر واپس لائیں گے۔ اس پر وہاں سے ایک رسید مل جاتی ہے جس کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک حصہ مال لے جاتے وقت چنگی کی چوکی والے لے لیتے ہیں۔ دوسرا واپسی کے وقت ان کو دکھایا جاتا ہے۔ نامہ سے کہنا کہ وہ چنگی کے صدر دفتر میں جا کر منشی سے میرا سلام کہیں اور رسید لے لیں۔ منشی کو ۱ر یا ایسا ہی کچھ دے دیا جاتا ہے تو وہ سب کام ٹھیک کر دیتا ہے۔

---

[1] بیگم صاحبہ حسرت موہانی

...۲۰۰ روپے کی مالیت لکھ دیا تاکہ ہم نمائش میں بیٹھے جاتے ہیں مع ٹیبلوں پر۔ اگر اس خط کے پہنچنے سے پہلے ہی مال نمائش میں جا چکا ہو تو سکرٹری صاحب نمائش سے مل کر میرا اسلام کہنا اور ان سے کہنا کہ غلطی سے ہم نے چنگی سے نمائش میں اپنی دکان سے مال لانے کی رسید نہیں لی ہے۔ اب آپ منشی کو لکھ دیجئے کہ وہ رسید دے دے۔

تم خط روز لکھا کرو مگر میں ہفتہ وار لکھا کروں گا۔ ہفتہ کے روز تم جوابی کارڈ لکھ دیا کرو تاکہ میں اتوار کو جواب لکھ دیا کروں۔

باقی برابر حسب معمول یونہی کارڈ لکھا کرو۔ فقط!

حسرت۔ ڈسٹرکٹ جیل فیض آباد ۵ فروری ۱۹۱۶ء

(۲)

بنام نشاط النساء بیگم

بسم اللہ

السلام علیکم۔ ۹ فروری تک سب کارڈ پہنچے۔ پیکٹ بھی ملے مگر کئی روز سے اخبار لیڈر نہیں آیا۔ معلوم نہیں کیا سبب ہوا۔ ۸ فروری تک لیڈر ملا، اس کے بعد ۹، ۱۰، ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء کا لیڈر نہیں ملا۔ تم منیجر صاحب لیڈر کو لکھو کہ اخبار ۸ فروری کے بعد کیوں نہیں روانہ کیا۔ لکھنا کہ ۸ فروری کے بعد سے اس وقت تک جتنے پرچے نہ بھیجے ہوں وہ سب فوراً بھیجیں اور آئندہ برابر حسب معمول روانہ کیا کریں۔ پتہ انہوں نے فیض آباد کا تبدیل کر دیا تھا۔ احتیاطاً پھر لکھ دینا۔

رسالہ الناظر جنوری اور فروری کا کیوں نہیں آیا۔ جنوری کا بہت روز ہوئے کہ شائع ہو گیا ہے اور اب فروری کا بھی نکل گیا ہوگا۔ دریافت کر کے بھجواؤ۔

نمائش کے حالات روزانہ لکھنا اور اشتہار مطبوعہ کالج کے ہر کمرے میں تقسیم کرا دینا اور نمائش میں بھی سب خیموں میں تقسیم کرا دینا۔

معلوم نہیں خواجہ مجید نے حسب وعدہ ٹائپ کرایا یا نہیں۔ دیوان حسرت اور غالب وغیرہ طالب علموں کو اب نصف قیمت میں نہیں دئے جا سکتے۔ البتہ حصہ دوم ۴؍ اور مکمل ۱۰؍ میں اور شرح غالب ۱۲؍ میں اگر دے دو تو کچھ ہرج نہیں ہے۔

ستارۂ صبح کا بھی آٹھویں نمبر کے بعد پھر کوئی پرچہ نہیں آیا۔ دریافت کرنا۔ اگر برابر ہفتہ وار آیا کرے تو اچھا ہے۔

اردوئے معلیٰ کی ابتدائی جلدیں اب نہیں مل سکتیں۔ جواب لکھ دینا۔ ظفر الملک صاحب نے کتابیں جتنی جتنی رعایت کی ہیں، سب کا حساب لکھتی جانا مع تعداد کتب بشمولہ عرکے۔ اردوئے معلیٰ کی جلدیں دوکان میں اندر والے حصے کے آخر میں الماری میں موجود ہیں۔ شروع کپڑے کا پشتا ہے۔ دفتی پر کاغذ معمولی ہے۔ ایک جلد مجھ کو بھیج دو۔ لیڈر کی طرح نئی روشنی بھی دو روز سے نہیں آیا۔ معلوم نہیں کیا سبب ہے۔ آب و ہوا یہاں کی اچھی ہے اور میں بخیریت ہوں۔ اخبار دیکھ کر میں ایک بوری میں بھرتا جاتا ہوں جب پورا بھر جائے گا تب علی گڑھ بھیج دوں گا۔

مندرجہ ذیل دیوان تلاش کر کے ٹرنک میں بند کر کے پسنجر ٹرین پر بھیج دو۔ کنجی قفل ٹرنک کی مع بلٹی رجسٹرڈ والے لفافے میں بھیجنا جو ۲؍ کو ملتا ہے فقط۔

(۱) شاہ حاتم قلمی جلد چرمی (۲) شاہ نصیر کی اور دیوانوں کے ساتھ ایک جلد میں ہے (۳) عبداللہ خاں مہر قلمی جلد چرمی۔

(۴) شگفتہ (۵) جلوۂ مطبع سفید کاغذ پر نقل لکھنوی کی ضرورت نہیں (۶) مسودۂ قلمی جو بڑے کلاں میں تھا (۷) تاریخ مجلد مطبوعہ (۸) رشک تجلیات قدیم مجلد (۹) خواجہ وزیر (۱۰) بحر (۱۱) تہور مطبوعہ سلطانی (۱۲) آیا (۱۳) ماہر مطبوعہ مجلد (۱۴) سحر (۱۵) آتش مطبوعہ نیلی تقطیع چوپتھر (۱۶) نادر (۱۷) افضل قلمی بلا جلد کر سے ہیں یہ پر مہر کیا نہیں اور (۱۸) راسخ عظیم آبادی قلمی مجلد چرمی (۱۹) نساخ (۲۰) حالی وحشت (۲۱) میر مہدی مجروح (۲۲) ناظم نواب رام پور (۲۳) سالک مرزا قربان علی بیگ (۲۴) عاشق شاگرد غالب۔ اس کی تین جلدیں ہیں۔ (۲۵) مولوی اسمٰعیل جلد انگریزی وضع (۲۶) تنقید غالب (۲۷) جگر قلمی جلد کہنہ (۲۸) بیخود قلمی چھوٹی جلد۔ (۲۹) حسرت قلمی جلد کہنہ (۳۰) شاہ قلمی جلد کہنہ۔ نمبر ۲۹ و نمبر ۳ ایک ساتھ جلد میں ہیں۔ جلد بندی دار کاپی کی شکل میں ہیں۔ مسودہ قلمی میرے الماری کا ہے تلاش کر کے بھیجو۔ فقط۔ بھائی صاحب کو سلام۔ نانی کو دعا۔ لفافہ نہیں ملا تھا۔ وہ پھر بھی بھیجوں گا۔ فقط!

حسرت۔ ڈسٹرکٹ جیل فیض آباد۔ ۱۰ نومبر ۱۹۱۶ء

(۴۳)

م نشاط النساء بیگم

بسم اللہ

السلام علیکم۔ تمہارے ۹ مارچ تک کے خط اور پوسٹ کارڈ پہنچے۔ حال معلوم ہوا۔ عبد الغفار وغیرہ اگر آئیں تو ان سے ملنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ یہاں کے سپرنٹنڈنٹ آج کل ایک فوجی یورپین افسر ہیں اور میرے ساتھ جو برتاؤ ہے ماشاء اللہ نماز حسب وقت میں پڑھتا تھا ویسے ہی اب بھی پڑھتا ہے۔ مگر یہاں کا پانی میرے موافق نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کھانا اچھی طرح ہضم نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ اور میں ہر طرح سے بخیریت ہوں۔ اطمینان رکھو۔ سیالکوٹ خط سے تم کو ناحق غصہ ہوا۔ پنجابی لوگ اکثر ایسی ہی تحریریں بھیجا کرتے ہیں۔

جن جن لوگوں کو دیوان حسرت مکمل نہیں پہنچا ہے مثلاً ہمدم، نقیب ہند وغیرہ ان کو اب صرف حصہ دوم بھیجنا اور شوکت، مولوی علی حیدر، مولوی حمید الدین کو حیدر آباد جو دیوان تم نے بھیجے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ان لوگوں کو نہیں ملے۔ غالباً طاعون کے سبب سے وہ لوگ حیدر آباد میں نہ ہوں گے۔ اب ان تینوں کو کارڈ لکھ کر دریافت کرو کہ دیوان ملے یا نہیں۔ اگر نہ ملے ہوں تو ان کو بھی صرف دیوان دوم بھیج دینا اور شوکت سے دیوان جلیل مسمیٰ بہ جان سخن منگوانا۔

معلوم ہوا کہ دیوان مومن و نسیم و تسلیم بھی اب نہیں باقی ہیں۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ آئندہ تذکرہ صرف انہی کو روانہ کیا جائے جو خاص طور پر طلب کریں۔ ورنہ باقی لوگوں کو مفصلہ ذیل کتابیں بھیجا کرو۔

(۱) مکتوبات ۸؍ (۲) انتخابات اردو نسخے معلٰی ۴؍ (۳) دیوان غالب ۸؍ (۴) دیوان حسرت دوم ۵؍ کل ۱؍۱۳ محصول ڈاک اور فیس وی پی ملا کر للعہ کا وی پی کیا کرو اور جو لوگ ۴؍ کا وی پی منگایا کریں ان کو بھی اسی طرح للعہ کا وی پی بھیجا کرو اور کارڈ اطلاع لکھ دیا کرو کہ تذکرہ اب نہیں رہا اس لئے للعہ کا وی پی بھیجا ہے۔

کشن پرشاد نے ۱۵۰ روپیہ کے ۴۰ سٹ لئے ہیں۔ ان کو بھی ۴۰ کے بجائے ۴۵ سٹ نئی ترتیب سے یعنی ۱؍۱۳ قیمت والے بھیج دو۔ تذکرہ نہ بھیجنا۔ مجھ کو تذکروں کی اور نسیم و تسلیم و مومن کے انتخاب مطبوعہ کی بہت ضرورت ہوگی۔ ان کو بھی لکھ دینا کہ تذکرہ نہیں رہا

اس نے ۳۰ کی بجائے ۲۰ سٹ روانہ ہیں۔

سلیپر پرانی ٹوٹ گئی ہے اس لئے چپل ذرا بڑی چھانٹ کر بھیج دو۔ دو ٹوپیاں بھی دو پلی بنا کر بھیجو۔

آئندہ سے مختلف قسم کی آمدنیاں علیحدہ علیحدہ جمع کرنا۔ (۱) ۳۰۰ جمع ہیں۔ آئندہ سے کتابوں سے جو آمدنی ہو وہ سب اسی رقم پر جمع کرنا اور علیحدہ رکھنا (۲) دکان سے جو آمدنی ہوا کرے اس کا روزانہ حساب علیحدہ جمع کیا کرو اور اس میں سے ۵۰ روپے ماہوار بتوکل علی کے قرض میں دیا کرو اور گھر میں جو کچھ خرچ ہو وہ بھی دوکان ہی کی آمدنی سے کیا کرو۔ اس کے بعد جو کچھ بچا کرے وہ علیحدہ جمع کرتی رہو اور نیا مال اس سے منگایا کرو۔ (۳) متفرق آمدنی جو کچھ ہو مثلاً بریلی سے یا محمد علی کے پاس سے جو کچھ آئے وہ سب علیحدہ جمع کرتی جاؤ اسے خرچ نہ کرنا۔ جو کچھ اس طور پر جمع ہوگا وہ علی گڈھ آنے پر بطور ضمانت ادا کرکے اپنا مطبع پھر جاری کر دیں گے۔ غرضکہ آمدنی کی تین مدیں ہیں۔ تینوں کا حساب علیحدہ علیحدہ رہے۔ بڑی بات قرض کی ادائی کرنا ہے۔ آنے پر دیکھا جائے گا۔

کتابوں کے بکس کی ایسی کچھ جلدی نہیں ہے۔ جب جنوری ۔۔۔۔۔ سب کتابیں آ جائیں تب بھیجنا۔ بلکہ اگر ہو سکے تو ایک ایک کاپی دوبارہ مطبوعہ دیوان مجموعہ عالم، سید سلیمان اور کشن پرشاد کو لکھ کر کتابیں منگوا لو۔

دکان میں میں ناگوں کی بہت کمی ہے۔ تم سے کہتا کہ ان کو وحید صاحب سے نرخ دریافت کرکے بیچنے کی کوشش کریں۔ لیکن اب بجائے ان کے تم کو تکلیف ہوگی۔

اب تو سہولت بھی ہوگئی۔ خواجہ کے پاس سے مسودہ منگوا کر بھیجواؤ۔ پتہ وغیرہ سب انہی سے لکھوا لینا اور قاعدہ بھی پوچھ لینا کہ کہاں اور کس کے ذریعہ سے بھیجا جائے گا یا بلا واسطہ لیا جائے گا۔ مجھ کو قاعدہ نہیں معلوم ہے۔

۱۲ مارچ۔ یہاں تک لکھنے کے بعد آج تمہارا ۱۰ مارچ کا کارڈ اور پیکٹ بھی ملا۔ کھانا مجھ کو اچھا ملتا ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ مجھ کو روپے وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط!

حسرت۔ ڈسٹرکٹ جیل فیض آباد۔ ۱۱ مارچ ۱۶ء

(۴)

بنام نشاط النساء بیگم

بسم اللہ

السلام علیکم۔ میں ایک لفافہ بھیج چکا ہوں۔ اس کے لکھنے کے بعد ہی شام کو گورنمنٹ کا حکم آ گیا کہ للت پور سے کہیں جانے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ اس لئے اب مجبوراً مجھ کو للت پور سے جانا پڑتا۔ میں یہ کارڈ لکھ کر جانا چاہتا ہوں گا اور اس وقت پولیس مجھ کو باضابطہ گرفتار کرے گی اور بعد میں مقدمہ ہوگا۔ مقدمہ کہاں ہوگا اس کا حال ابھی معلوم نہیں ہوا۔ خیر جہاں کہیں ہوگا اس کا حال بعد میں بذریعہ تار تم کو لکھوا دوں گا۔ تم خواجہ مجید صاحب کے پاس یہ خط بھیج دینا اور کہہ دینا کہ اگرچہ مجھ کو اپنے مقدمے میں بحث وغیرہ کیلئے کسی وکیل کی ضرورت نہیں لیکن بہت سی باتیں ایسی پیش آتی ہیں جو میں ایک قانون داں کی مدد ضروری ہو جاتی ہے پس جہاں کہیں مقدمہ ہو وہاں آپ ایک روز کیلئے آ جائیے یا کسی اور کو بھیج دیجئے۔ بیشک فیس میں ادا نہ کر سکوں گا۔ مگر یہ تو ہے کہ وکیلوں سے میں کسی مدد کی امید نہیں رکھتا اس لئے آپ سے درخواست کی جاتی ہے کم سے کم ایک وکیل یا بیرسٹر ہمدردی کے لئے بھیجنا چاہئے۔ فقط!

حسرت موہانی للت پور ۹ مئی ۱۹۱۶ء

(۵)

بنام نشاط النساء بیگم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم۔ کارڈ نمبر ۱ آج بھی پہنچا اور جتنے خطوط تم نے لکھے سب پہنچے۔ حالات معلوم ہوئے۔ آج صبح کو میں نے لفٹیننٹ گورنر کو تار دیا تھا کہ مجھ کو ملنے کی اجازت دیجئے۔ اس وقت جواب آگیا کہ مل نہیں سکتے البتہ اگر کوئی تحریر بھیجو تو ہم غور کریں گے۔ پس میرا ارادہ ہے کہ ایک آخری تدبیر یہ بھی کر دیکھوں کہ سب حال ان کو لکھ بھیجوں شاید اس پر کچھ لحاظ کیا جائے۔ مگر اس تحریر کے روانہ کرنے سے قبل میں چاہتا تھا کہ کسی بیرسٹر سے مل کر مشورہ کر لوں اس لئے آج تین تار میں نے جوابی مفصلۂ ذیل لوگوں کے نام بھیجے ہیں کہ تجھ آکر مل جاؤ۔ میں اخراجات ادا کروں گا۔

(۱) خواجہ عبدالمجید بیرسٹر علی گڑھ (۲) ڈاکٹر ناظرالدین حسن بیرسٹر لکھنؤ (۳) ظہیر احمد بیرسٹر الہ آباد

غالباً پرسوں تک ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔ ان سے مشورہ کر کے لفٹیننٹ گورنر کے نام تحریر روانہ کروں گا اور اس کے جواب کے آنے تک اور انتظار کروں گا یعنی للت پور سے باہر نہ جاؤں گا۔ اس کے سوا باقی اور احکام کی نہ میں نے آج تک تعمیل کی ہے نہ کروں گا۔ باقی حالات بدستور ہیں۔ متفرق باتوں کا جواب اس کارڈ کی پشت پر درج ہے۔

رومال ۲۰ والے بہت سے رکھے ہیں۔ ایک بنڈل تو اس دوکان میں تھا جو خالی کی گئی ہے۔ دوسرا بنڈل دوکان کے اندرونی حصے میں اصلی ترکی ٹوپیوں کے کسی بکسے، زرد رنگ کے ڈبے میں ہے وہ نکلوا لینا۔ بوٹ پالش ابھی بہت ہے۔ لٹھے کے لئے تمہیں یا نامہ کو دہلی بھیجنا وہ بھارت بیوپار کے منیجر سے ملیں وہ ان کو دیسی لٹھا ناگپور والے کی دوکان سے دلوا دیں گے۔ اگر وہ نہ ملیں تو جادو بیٹے شمبھو ناتھ تاجر پارچہ نئی سڑک دہلی سے میرا نام لے کر خرید لائیں (۱۲ / ۳) نمبر کا لٹھا غالباً عمدہ کو ملے گا۔ بھارت بیوپار کا پتہ ایشور بھون قریب مسجد فتح پوری دہلی ہے۔

صرف بذریعہ منی آرڈر جیسا کہ میں پہلے کارڈ میں لکھ چکا ہوں بھیج دینا۔ باقی اگر اور ضرورت ہوگی تو میں بذریعہ تار منگوا لوں گا۔ ہاں فیض عام پریس والوں سے کہنا کہ ذرا صبر کریں میں عنقریب ان کا حساب کر کے بھیجوں گا۔ فقط!

حسرت موہانی۔ للت پور ۱۰ ؍ مئی ۱۹۱۶ء

---

(۶)

بنام نشاط النساء بیگم

بسم اللہ

السلام علیکم۔ آج بھی تمہارا خط نوشتہ ۱۰ ؍ مئی پہنچا۔ گورنمنٹ کا حکم جب تک نہ آیا تھا اس وقت تک میں نے خط نہ لکھنے کا عہد کیا تھا مگر اب تو حکم آگیا ہے اس لئے اب کوئی پابندی نہیں ہے۔ میں روزانہ خط لکھوں گا بغیر کسی کو دکھائے ہوئے کیونکہ احکام نظربندی کی تعمیل اس وقت تک نہ میں نے کی ہے نہ کروں گا۔ ڈاکٹر ناظرالدین نے تار کے جواب میں لکھا ہے کہ اگر فیس و خرچ پیشگی بھیج دو تو آؤں۔ یہ بھی اچھا ہے میں ان کا تار اگر للت پور میں مقدمہ ہوا تو پیش کروں گا کہ یہاں مجھ کو قانونی مدد نہیں مل سکتی اس لئے مقدمہ علی گڑھ

منتقل کیا جائے۔

بیرسٹر ظہور احمد صاحب الہ آباد میں نہیں ہیں اس لئے ان کے بھائی اڈیٹر مساوات نے تار کا جواب دیا ہے کہ جب وہ آ جائیں گے تب بھیجوں گا۔ خواجہ مجید کا کوئی جواب نہیں آیا۔ بہر حال کل یعنی سنیچر کو میں گورنمنٹ کو اپنی آخری تحریر بھیجوں گا کہ میں علی گڑھ میں نظر بندی منظور کرتا ہوں بشرطیکہ میرے ذمہ کوئی الزام نہ لگایا جائے اور مجھ کو بدستور اپنی روزی خود پیدا کرنے کی اجازت ہو۔ نیز آزادی کے سلب کرنے کا یک نشست معاوضہ اس قدر دیا جائے کہ میں اپنا قرض ادا کر سکوں۔ اگر یہ منظور ہو گا تو خیر ورنہ پھر مقدمہ یقینی ہے۔ غالباً ایک ہفتے میں۔

خطوط تمہارے سب پہنچتے ہیں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ مجھ کو کامیابی ہو گی۔ بی آئی ڈی کے دفعہ ۴ کا قصہ سب غلط ہے۔ لوگوں نے افواہ اڑا دی ہے۔ وظیفہ عبد اللہ شاہ صاحب کا بھی پڑھوں گا۔ ان کو میرا اسلام کہلا بھیجنا۔ اشفاق میاں صاحب سے کہنا کہ آپ کے ذمے ۱۴ روپے تھے جن میں سے ۲ میں بمبئی جاتے وقت نقد لے گیا تھا لہٰذا ۹ باقی ہیں۔ ان کا حساب کتاب میں درج ہے دکھا دینا۔ باقی حالات بدستور ہیں۔ کھانا یہاں ایک خانساماں ہے وہ پکا دیتا ہے ۵ روز میں دیتا ہوں۔ فقط!

حسرت۔ للت پور ۱۲ مئی ۱۶ء

(۷)

النساء بیگم

بسم اللہ

السلام علیکم۔ کارڈ نوشتہ ۱۰ مئی پہنچا۔ جواب اسی وقت لکھ رہا ہوں تاکہ ۹ بجے صبح کی ڈاک میں نکل جائے اور کل ہی تم کو پہنچ جائے۔ میں نے آج ۸۰ لفظوں کا ایک تار لفٹیننٹ گورنر صاحب کو بھیجا ہے۔ یہ آخری ترکیب ہے۔ اگر اس کو انہوں نے منظور کر لیا تو خیر ورنہ پرسوں یعنی ۱۵ مئی ۱۹۱۶ء کو ۱۱ بجے دن کے میرے خلاف مقدمے کی کارروائی یہاں سب ڈویژنل افسر کے اجلاس میں شروع ہو جائے گی۔ میں اس کے لئے تیار ہوں سب باتیں اور اعتراض وغیرہ سوچ لئے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ مجھ کو کامیابی ہو گی مگر ایک اور بھی شخص مثل بیرسٹر کے ہوتا تو اچھا تھا۔ بہر حال خواجہ مجید صاحب کو فوراً بھیج دینا کہ وہ اگر چاہیں تو ۱۲ بجے کی گاڑی میں روانہ ہو کر براہ متھرا آگرہ جھانسی ہوکر میں یہاں ۸ بجے دن کو پہنچ سکتے ہیں۔ اگر نہ آئیں تو خیر کچھ مضائقہ نہیں ہے، میں خود پیروی کر لوں گا۔

کاغذ ہم فی پونڈ کے حساب سے دینا بشرطیکہ دام کل نقد ملیں۔ گر بون سب اور دھوتیاں سب اگر لکھنؤ کے بک سکیں تو بیچ دو مگر دکان بدستور قائم رہنا چاہئے۔

باقی سب حالات بدستور ہیں۔ وظیفے دونوں پہنچے۔ پڑھتا ہوں۔ تمہارے سب خطوط مجھ کو ملتے ہیں۔ فقط!

حسرت۔ للت پور ۱۳ مئی ۱۹۱۶ء

(۸)

امۃ النساء بیگم

بسم اللہ

میں کل مفصل خط لکھ چکا ہوں۔ آج بھی لکھتا ہوں ممکن ہے کہ یہ خط بھی تم کو کل ہی مل جائے۔ اس وقت تک مقدمہ میرے موافق

لال کنارے کی لنگیاں جو چار چار ایک میں ہیں ان کے ملنے کا پتہ یہ ہے: - رتن چند جیٹھ مل تاجر پارچہ مسکیٹی مارکٹ
(MUSKETY MARKET) احمد آباد۔ ان کی قیمت فی چار شاید ۸؍ ہے۔ و فی عدد ۲ر کے حساب سے فروخت ہوتی ہیں۔

ایک خط الناظر کو لکھنا کہ مجھے وہ فلسفۂ جذبات، فلسفۂ اجتماع، ابو مسلم خراسانی یعنی سلطان جیہ رجوش کا نیا ناول یہیں الہ آباد
کے پتے پر بھیج دیں بذریعہ رجسٹری شدہ پیکٹ۔ میں ان پر ریویو لکھوں گا اور ایک خط واحد یار خاں اکبر آبادی بی۔ اے اڈیٹر نئی روشنی الہ آباد کو
لکھ دو۔ میرا سلام لکھنا اور لکھنا کہ آپ اپنا اخبار روزانہ الہ آباد ڈسٹرکٹ جیل بھیج دیا کریں اور ہو سکے تو تبادلے کے دیگر روزانہ اخبارات
بھی خود دیکھنے کے بعد مجھی کو بھیج دیا کیجئے۔ میں دیکھ کر واپس کر دیا کروں گا۔ ایک خط سید سلیمان صاحب ندوی شبلی منزل اعظم گڈھ کو لکھ دو
میرا بہت بہت سلام لکھنا اور لکھنا کہ اپنا نیا رسالہ معارف میرے نام ضرور روانہ کریں۔ یہ بھی دریافت کرنا کہ آیا آپ کے پاس
آفتاب عالمتاب موجود ہے یا نہیں۔ ضرور لکھئے۔ فقط!

حسرت۔ الہ آباد ڈسٹرکٹ جیل ۱۳؍ جولائی ۱۹۱۶ء

(۱۰)

بنام نشاط النساء بیگم

بسم اللہ

السلام علیکم۔ صرہینچ گئے ہیں، مگر میں نے ابھی تک منگائے نہیں ہیں۔ منگا لوں گا۔ آئندہ سے منی آرڈر ناظم کے نام سے روانہ
کیا کرو۔ اپنا نام بھی درج کیا کرو۔

حسرت۔ الہ آباد ڈسٹرکٹ جیل ۸؍ نومبر ۱۹۱۶ء

(۱۱)

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم

مکرم بندہ!

تسلیم۔ پروفیسر ابوالحسن صاحب کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ کانفرنس کے متعلق انتظام آپ کریں گے اور چونکہ حاجی صاحب موصوف
نے مجھ سے بھی کچھ مدد چاہی ہے اس لئے آپ اپنے ارادے سے مجھے بواپسی ڈاک مطلع فرمائیں تاکہ میں وقت مقررہ پر آپ سے لکھنؤ
میں مل جاؤں۔ ابو محمد صاحب بھی شاہجہان پور سے آکر آپ کی مدد کریں گے۔ فقط!

نیاز مند فضل الحسن حسرت موہانی۔ موہان ضلع اناؤ

غزل

اپنے جنونِ شوق سے گھبرا رہا ہوں میں | خود جانتا نہیں کہ کدھر جا رہا ہوں میں
احساس اس کا ہے کہ مرا دل ہے ناصبور | ہنگامِ عرضِ حال جو شرما رہا ہوں میں
حد سے گزر گئی ہیں تری بے وفائیاں | اب تک مگر فریبِ وفا کھا رہا ہوں میں
بے التفاتیاں نہ ہوئیں مانعِ امید | رنگ ان میں التفات کا کچھ پا رہا ہوں میں
شاید جنونِ عشق مرا ناتمام تھا | یہ کیا ہوا کہ ہوش میں پھر آ رہا ہوں میں
برباد کچھ تو چاہیے امید کے لئے | سعیِ عبث سے دل کو جو بہلا رہا ہوں میں

وحشت سکوتِ مدعیانِ سخن کو دیکھ
بزمِ سخن میں دادِ سخن پا رہا ہوں میں

آپ کا خیر طلب وحشت

بنام جناب شفا گوالیاری

(۳۰)

کلکتہ - کرم فرمائے عالم تسلیم

آپ کی خیر و عافیت کا حال معلوم کر کے خوشی ہوئی۔ اردو کی خدمت جو آپ نے اپنے ذمے لی ہے ایک بہت بڑی خدمت ہے۔ دعا کرتا ہوں کہ آپ اسے حسن و خوبی انجام دے سکیں۔ حسبِ ارشاد تین غزلیں جو نمبر بہبود کے لئے کافی ہوں گی روانہ کرتا ہوں۔

اپنا حال کیا عرض کروں ضعفِ پیری پہ اور پریشانیاں ضم ہو گئی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ مجھے مع اہل و عیال کے کلکتہ چھوڑنا پڑے۔ یہاں کی فضا سخت مکدر ہے۔

مرا در منزلِ جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم | جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملہا

۱ مارچ سنہ ۵۰ء | نیاز کیش وحشت

بنام جناب وفا راشدی

([illegible])

عزیزی وفا راشدی صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کا پوسٹ کارڈ مورخہ ۹ اپریل جو ایئر میل سے روانہ کیا گیا تھا۔ ۱۲ کو ملا اور خط مورخہ ۱۴ اپریل جو معمولی ڈاک سے بھیجا گیا تھا حسبِ معمول گیارہ دن کے بعد یعنی ۲۵ اپریل کو پہنچا۔ اس عرصے میں مکتبۂ جدید کے ساتھ میرا معاملہ طے ہو گیا۔ ۲۰ اپریل کو رشید احمد صاحب نے خط لکھ کر معاہدے کی نقل طلب کی اور ۲۸ کو یعنی آج معاہدہ دستخط شدہ پہنچ گیا۔ میں نے اسی وقت ترانۂ وحشت (مع ضمیمہ دیوانِ وحشت) جو پہلے سے پیک کیا ہوا دھرا تھا رجسٹری کر کے روانہ کر دیا۔ یہ پیکٹ ایئر میل سے نہیں بھیجا گیا ہے اس لئے گیارہ بارہ دن کے بعد لاہور پہنچے گا۔

مجھے بڑا افسوس ہے کہ آپ کئی بار مکتبہ ہو گئے۔ وہاں مکتبہ والوں نے بے اعتنائی برتی
عزیزی ظفر ہاشمی صاحب کے خط کی نقل جو آپ نے بھیجی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں
نے مجھے کوئی خط لکھا تھا جس کے جواب کا انہیں انتظار ہے۔ مجھے تو کوئی خط ان کا نہیں ملا ہے۔ نہ معلوم
کس پتے پر انہوں نے بھیجا ہے۔ شاید پرانے پتہ پر بھیجا ہو۔ انہوں نے جن محبت آمیز الفاظ میں اپنے خیالات ظاہر
کئے ہیں میں ان کی قدر کرتا ہوں۔ جب مکاتیب چھپ جائے تو وہ کچھ کاپیاں خرید کر اپنے دوستوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔
میں نے ترانۂ وحشت کی ترتیب میں نظر انتخاب انہیں اشعار پر ڈالی ہے۔ جو میری نظر میں کچھ نہ کچھ بات
اپنے میں رکھتے ہیں۔ تاریخی نام ایک عزیز نے تجویز کیا اور میں نے ان کا دل خوش کرنے کو قبول کر لیا۔
کائنات کے لئے خود نوشت سوانح عمری جو آپ نے طلب کی تھی اس کے متعلق میں لکھ چکا ہوں کہ
زندگی میری کوئی زندگی تھی کسی طرح دن کاٹ دیئے۔ میں خود اپنے متعلق کچھ لکھنا پسند نہیں کرتا۔ آپ نے یہ
کام میرے لئے بڑی خوبی سے انجام دیا ہے۔
امید ہے کہ آپ اور آپ کے متعلقین بخیر و عافیت سے ہوں گے۔

۱۹ اپریل سنہ ۵۰ء		آپ کا خیر طلب وحشتؔ

---

(۵)

مکرم جناب وقار راشدی صاحب

عزیزی السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ
مودت نامہ موصول ہو کر باعث مسرت ہوا۔ یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ مکتبہ جدید والوں کے ساتھ میرے
معاملے کا طے ہو جانا آپ کے خیال میں بہت مناسب ہوا۔ امید ہے کہ وہ اس کام کو خوبی کے ساتھ انجام دیں گے۔
عزیزی ظفر ہاشمی کا خط مجھے ملا اور میں نے جواب بھی لکھ دیا۔ یہ دریافت کرکے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ
ایک بسیط مضمون اہل بنگالہ کی خدمات پر جو اردو کی ترویج و توسیع میں انجام پائی ہیں لکھنا چاہتے ہیں۔ اس کام کے
لئے آپ ایک خاص استعداد کے حامل ہیں۔ آپ کی خواہش ہے کہ جب آپ کتاب یا مضمون لکھ لیں تو میں اس
پر ایک مقدمہ لکھوں۔ میں خوشی سے چند کلمات بطور پیش لفظ لکھ دوں گا۔ مقدمہ لکھنا اب میرے لئے
مشکل کام ہے۔ آنکھوں کی بینائی کے کم ہو جانے سے لکھنے پڑھنے کا کام کم ہی کر سکتا ہوں۔ ماہِ نو میں جو مضامین
میرے نکلے ہیں وہ کلکتے میں لکھے گئے تھے۔ وہاں کتابیں میرے پاس تھیں اور میں کچھ پڑھ سکتا تھا۔ کلکتہ چھوڑا
تو اسباب خانہ داری کے ساتھ کتابیں بھی چھوڑ آیا۔ چند باتیں جو آپ نے دریافت کی ہیں ان کا جواب وثوق
کے ساتھ دینا میرے لئے آسان نہیں ہے کیونکہ اسلامیہ کالج جہاں میں ادب کی تعلیم دیتا تھا پندرہ برس ہوئے
میں نے چھوڑا اس کے بعد لیڈی براہورن کالج میں فارسی کی تعلیم دینے لگا۔ اب حافظہ کام نہیں دیتا۔ یہ صحیح ہے کہ
باغ و بہار نوطرز مرصع سے ماخوذ ہے لیکن سلیس اردو کی پہلی کتاب نثر کی ہمارے ہے جو کلکتہ میں لکھی گئی۔ آرائش محفل
(قصہ حاتم طائی) سید محمد حیدر بخش کی تصنیف ہے۔ اور آرائش محفل (ہندوستان کے شہروں کے حالات) شیر علی

افسوس کی تصنیف ہے۔ بوستانِ خیال اور الف لیلیٰ کے مصنفوں کے نام یاد نہیں ہیں اور تحقیق طلب ہیں۔ لاہور کے کسی کتب خانے میں ان کتابوں کو تلاش کیجئے تو مصنف کے نام بھی معلوم ہو جائیں گے۔ یہ دو کتابیں کلکتہ میں نہیں لکھی گئی تھیں۔ دہلی یا لکھنؤ میں لکھی گئی تھیں۔ باقی باتیں کتابوں کے متعلق جو آپ نے لکھی ہیں۔ میرے خیال میں صحیح ہیں۔ کلکتہ کے شعراء کا کلام اب میرے پاس کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ شاید کلکتہ کے شاکر صاحب جو میرے خیال میں ایک نہایت باکمال شاعر ہیں کچھ آپ کی مدد کر سکیں ان کا پتہ ذیل میں ہے:-

سید طاہر علی شاکر معرفت محمد یوسف بازی والا۔ ۱۲۹ شمس الهدیٰ روڈ، کلکتہ ۱۶

کائنات کا پرچہ موصول ہوا مجھے بہت پسند آیا۔ امید ہے کہ آپ مع متعلقین خیر و عافیت سے ہیں۔

۲۰ مئی ۱۹۵۱ء

آپ کا خیر طلب وحشت

بنام جناب وفا راشدی صاحب

(۶)

عزیزی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا پوسٹ کارڈ مورخہ ۴ اکتوبر پہنچا۔ معلوم ہوا کہ آپ کا محکمہ حیدرآباد سندھ کو منتقل ہونے والا ہے۔ بندگی بیچارگی۔ لاہور سے نکل کر سندھ کے ریگستان میں جانا ایک مصیبت ہے۔

آپ نے بنگلور کے ماہنامہ "ترقی" کا ذکر کیا ہے۔ اگلے نمبر میں غالباً میری ایک غزل ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ وہ شمارہ میرے پاس آئے گا۔ میں آپ کے مضمون "اردو کی ترقی میں بنگال کا حصہ" کو ضرور پڑھوں گا۔ چونکہ اس میں میرا ذکر ہے گا اس لئے اس مضمون پر میری رائے کا اظہار نامناسب ہوگا۔

جیم صاحب کلکتہ سے کام کے سلسلے میں آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کائنات کے موعود وحشت نمبر کے لئے مضمون لکھا ہے اور ان سے معلوم ہوا کہ بیخود صاحب نے بھی لکھا ہے۔

ترانۂ وحشت کی طباعت کا کام اب شروع ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں نظر ہاشمی صاحب کا بھی ایک خط آیا ہے اور مکتبہ کے مہتمم رشید احمد چودھری نے بھی مجھے ایک خط لکھا ہے۔ امید ہے کہ دسمبر تک کتاب چھپ جائے گی۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۵۱ء

آپ کی خیر و عافیت کا طالب وحشت

بنام جناب وفا راشدی صاحب

(۷)

ڈھاکہ۔ عزیزی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

محبت نامہ مورخہ [illegible] کو پہنچ کر باعث مسرت ہوا۔ معلوم ہوا کہ آپ [illegible] حیدرآباد سندھ جانے والے ہیں وہاں پہنچتے ہی [illegible] مجھے اور اپنے احباب کو اپنے نئے پتے سے آگاہ کیجئے۔ برتم صاحب ڈھاکہ آئے تھے معلوم ہوا وہ مینجر "کائنات" کو اپنا مضمون بھیج چکے ہیں۔ بیخود صاحب کا حال معلوم نہیں اور میں وحشت نمبر کائنات کے متعلق اپنے کسی ملنے والے سے ذکر کرنا نہیں چاہتا۔ آپ اس کام کو بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ ترانۂ وحشت کی کتابت ہو رہی ہے اور ممکن ہے کہ دسمبر کے آخیر تک کتاب مکمل ہو جائے۔

آپ کا مضمون "ترقی" میں میری نظر سے گزرا۔ یہ مضمون قابلِ قدر ہے۔ ڈھاکا میں اکثر میرے ملنے والوں نے اس کو دیکھا اور تعریف کی۔ ایک فہرست میرے شاگردوں کی اس میں نظر آئی۔ یہ نہ ہوتی تو بہتر تھا۔ اس فہرست میں دو چار نام ایسے ہیں جن کے متعلق میں نہیں چاہتا کہ لوگ انہیں میرے شاگرد سمجھیں۔ خیر اب تیر از کمان رفتہ۔

حضرت شمسی کے تلامذہ میں آپ نے عزیز کا نام لکھا ہے۔ یہ ان کے شاگرد نہ تھے۔ اپنے بھائی صولت سے اصلاح لیتے تھے۔ ان کو آپ نے بقید حیات بتایا ہے۔ دو تین سال ہوئے انہوں نے قضا کی۔ اکمل مرحوم کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ اگر ان کا سارا کلام جمع کیا جائے تو کم از کم پانچ ضخیم دیوان مرتب ہو سکتے ہیں۔ یہ حقیقت نہیں ہے۔ بمشکل ایک دیوان مرتب ہو سکتا ہے۔ مرحوم کہتے کم تھے لیکن جو کہتے تھے خوب کہتے تھے۔

ڈھاکا کے شعراء میں آپ نے ایک نام لکھا ہے شرف الحسینی کمالی۔ ان کا تخلص کمالی نہیں، شرف ہے۔

امید ہے کہ آپ مع متعلقین بخیر ہوں گے۔

۲۴ر نومبر ۱۹۵۱ء　　　　آپ کا خیر طلب، وحشت

مکرم جناب وقار راشدی صاحب

(۸)

ڈھاکا، مشرقی پاکستان۔ عزیزی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

محبت نامہ مورخہ ۱۲ر جنوری ملا۔ لیکن بجائے مسرت کے سخت قلق ہوا کہ آپ کی بچی یکایک اللہ کو پیاری ہو گئی۔ جو آپ کے دل پہ گزری ہے وہ آپ ہی کا دل جانتا ہوگا۔ صبر آتے آتے آئے گا۔

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو　　　　رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

آپ کو اب تک معلوم ہو گیا ہوگا کہ ایک جانگداز سانحہ کا مجھ کو بھی مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ وہ قمر صدیقی کی ناگہانی موت ہے۔

دل سے کسی طرح نہ مٹے گا قمر کا داغ　　　　باقی مرے جگر پہ رہے گا جگر کا داغ

قمر میرا شاگرد ہی نہ تھا وہ مجھے فرزند جیسا عزیز تھا۔ ہائے قمر!

جی ہاں سید اقبال عظیم کا مضمون "نو رنگ" میں میری نظر سے گزرا۔ بڑی قابلیت کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اگرچہ مضمون کا موضوع اس توجہ کے قابل نہیں ہے۔

مجھے اپنا فوٹو کھنچوانا پڑا تھا۔ ایک کاپی وحشت نمبر کانٹ کے لئے ملفوف ہے۔

خالد بنگالی سے کلکتہ میں میری ملاقات ہوئی تھی۔ خوش گو شاعر تھے ان کے حالات سے میں باخبر نہیں ہوں۔

آپ کی اور متعلقین کی خیر و عافیت کے لئے دعا کرتا ہوں۔

۱۶ر جنوری ۱۹۵۲ء　　　　آپ کا خیر طلب، وحشت

مکرم جناب وقار راشدی صاحب

(۹)

ڈھاکا، مشرقی پاکستان۔ عزیزی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

محبت نامہ مورخہ ۱۱ر جنوری موصول ہوا۔ مصائب پیہم جو آپ کے متحمل ہوئے ہیں بڑے صبر آزما ہیں ــ

"یک داغ و نیک نا شدہ داغِ دگر نہد" جی بھر آیا اور دل سے دعا نکلی کہ اللہ آپ کو صبر دے۔

میں اب بہت ضعیف و ناتواں ہو گیا ہوں۔ نقل و حرکت دشواری ہوتی ہے لیکن مجبوری کا کیا علاج کہ دو چار دن میں مجھے کلکتہ جانا پڑے گا۔ بھارت نے میری پنشن روک دی ہے۔ ضروری کارروائی کلکتہ پہنچ کر ہی ہو سکتی ہے۔

آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ قمر مرحوم پر ایک مضمون خاور کے لئے بھیج چکے ہیں اور عزیزی ظفر ہاشمی پر بھی ایک مضمون آپ نے مدیر دلربا کے نام بھیجا ہے۔ جب یہ مضامین شائع ہوں گے تو میں ضرور انہیں پڑھوں گا۔ یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ بنگال میں اردو کے موضوع پر آپ نے ایک مبسوط کتاب تالیف کی ہے۔ یہ ایک بڑی خدمت آپ نے انجام دی۔

ظفر ہاشمی سلمہ کا ایک خط آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ترانۂ وحشت عنقریب بازار میں آنے والا ہے

۱۴ر جنوری ۵۳ء　　　　آپ کا خیر طلب وحشت

---

(۱۰)

بنام جناب وفا راشدی صاحب

ڈھاکا، مشرقی پاکستان۔ عزیزی وفا راشدی صاحب سلمکم اللہ عن الموائب،

آپ کا بھیجا ہوا اخبار آفتاب ملا۔ جس میں آپ نے ترانۂ وحشت پر ایک پُر زور مقالہ لکھا ہے میں نے اسے بڑی دلچسپی سے پڑھا یہ دیکھتے ہوئے کہ میرے عقیدتمند میرے متعلق اپنے حسن ظن کو کس حد تک پہنچا سکتے ہیں! جہاں تک تبصرہ نگاری کے اصول سے تعلق ہے آپ نے اپنے کام کو نہایت خوبی سے انجام دیا ہے۔ اگرچہ نقاد اکثر "بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیبِ داستاں کے لئے"۔ مجھے یقین ہے کہ اس مقالے کے پڑھنے والے آپ کے حسن تحریر کی داد دیں گے۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہیں۔ میرا حال یہ ہے کہ بستر پر پڑا رہتا ہوں۔ خطوط کے جواب بمشکل تحریر کرتا ہوں ناتوانی حد سے بڑھ گئی ہے۔

۲۴ر اگست ۵۳ء　　　　دعا کا طالب وحشت

---

(۱۱)

بنام طاہر فاروقی صاحب اسلامیہ کالج پشاور

ڈھاکہ۔

خنک آں نسیم بشارتے کہ زنائب از نفسے رسد　　　　پس از انتظارے و مدتے خبرے ز بےخبرے رسد

محب دلنواز تسلیم و نیاز۔

مکتوب محبت اسلوب میرے دل کی دوا لایا۔ یہ خبر مجھے ملی تھی کہ طبیعت آپ کی بدمزہ ہے۔ لیکن آپ کا پتہ معلوم نہ تھا اس لئے کوئی خط نہیں لکھ سکا۔ صدیقی سید اقبال عظیم کو ایک پوسٹ کارڈ لکھا کہ مجھے آپ کے پتے سے مطلع فرمائیں۔ کوئی جواب ان کا نہیں آیا جس سے قیاس کرتا ہوں کہ میرا خط انہیں نہیں ملا۔

خدا کا شکر ہے کہ آپ کے مرض میں افاقہ ہے۔ اس کی درگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کو شفائے کامل

عطا کرے۔ تنت بہ بازطبیباں نیازمند مباد! کیا کہوں آپ کس قدر یاد آتے ہیں۔ آپ جیسے خلوص والے ارباب محبت مشکل سے ملتے ہیں۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

جناب اثر صاحب کو میرا اسلام کہئے اور ان سے یہ بھی کہئے کہ میرے اپنے درمیان رسم و رواج کا برتنا ضروری نہ سمجھیں۔ میں نے جو پیش لفظ ان کے دیوان کے لئے لکھا اور جو اصلاحیں ان کے کلام پر دیں یہ معمولی خدمت اس کی مقتضی نہیں ہے کہ اس کے لئے ایک خط مجھے لکھا جائے۔ ان کا تشکر آپ کے خط سے واضح ہو گیا اور میں نے ان کے تاثرات کا پورا اندازہ کر لیا۔ میں اپنے متعلق کیا لکھوں۔ بس زندہ ہوں اور اسکو غنیمت سمجھتا ہوں۔

۱۷ دسمبر ۱۹۵۳ء — بندۂ محبت: وحشت

---

(۱۲)

بنام جناب وفا راشدی

ڈھاکا۔ عزیزی وفا راشدی صاحب سلمکم اللہ من النوائب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ محبت نامہ پہنچکر باعث مسرت ہوا۔ یہ سچ ہے کہ میں بمشکل پڑھ لکھ سکتا ہوں، لیکن خط کا جواب مشکل سے قلم چلا کر اکثر لکھ دیا کرتا ہوں۔

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ کی کتاب بنگال میں اُردو زیر طبع ہے۔ آپ نے اُردو ادب کی ایک بڑی خدمت کی ہے جو ہر طرح قابل تحسین ہے۔ سید اقبال عظیم صاحب پروفیسر چاٹگام کالج نے بھی ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے "مشرقی بنگال میں اُردو"۔ آپ کی نظر سے شاید یہ کتاب گزری ہو۔

آپ نے میری تصویر طلب کی ہے۔ میں آٹھ دس دن میں بھیجوں گا۔ تصویر موجود نہیں ہے۔ مجھے اس کے لئے فوٹو گرافر کے یہاں جانا پڑے گا۔ کوئی آدمی جو مجھے رکشا پر بٹھا کر لے جائے، اس کی تلاش ہے۔

آپ نے ارادہ ظاہر کیا ہے کہ "بنگال میں اردو" کی اشاعت کے بعد ایک کتاب "حیات وحشت" مرتب دیں۔ اس خیال میں آپ کی محبت کار فرما ہے۔ "حیات" اس شخص کی لکھی جاتی ہے جس نے اپنی زندگی میں متعدد مفید کام کئے ہوں۔ میں محض ایک متغزل ہوں۔ غزل گوئی کے سوا دنیا میں کچھ نہیں کیا۔ بہتر ہے کہ آپ اس خیال کو ترک کر دیں۔ آپ کی کتاب بنگال میں اردو میرے تذکرے سے مملو ہے۔

علی حسن سلمہ کا پتہ ہے۔۔ ALI HASAN, C.S.P. D.M. RAJSHAHI, EAST PAK.

۳۰ دسمبر ۱۹۵۴ء — آپ کا خیر طلب وحشت

پروفیسر محمد محفوظ الحق

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۱)

(پریسیڈنسی کالج کلکتہ)

محترم و مکرم۔ سلام مسنون۔

"یورپ میں دکھنی مخطوطات" کا شکریہ قبول فرمائیے۔ آپ نے زبان و ادب پر بڑا احسان کیا ہے۔ آپ کی کتاب تلاش و تحقیق اور کاوش و تدقیق کا ایک قابل قدر نمونہ ہے۔ اور آپ کی محنت کی دائرہ وسیع ظاہر ہے، آپ نے جو مواد پیش کیا ہے وہ کسی اور جگہ مشکل سے مل سکے گا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ جرمنی نہ جا سکے۔ اگر اس کا موقع ملتا تو ہم یورپ کے دکھنی مخطوطات سے کافی حد تک بے نیاز ہو جاتے

رسالہ اردو میں جو تنقید چھپی ہے وہ اب تک میری نظر سے نہیں گزری۔ امید ہے کہ ہفتہ عشرہ میں اسے دیکھ سکوں گا۔ اگر وہ تنقید ذاتی اختلاف کی بنا پر لکھی گئی ہے تو مجھے اس کا بے حد افسوس ہے، تحقیقات کا کام ایسا ہے کہ غلطیوں کا ہونا لازم ہے۔ بھول چوک ضرور ہوگی، فروگذاشتیں بھی ہوں گی، بعض نظریوں سے اختلاف بھی ہوں گے، ۔۔۔ چند سال بعد آپ خود ترمیم و تنسیخ کریں گے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ محاسن سے چشم پوشی کی جائے اور چند غلطیوں کی بنا پر مؤلف اور اس کی کتاب کو مورد طعن و تشنیع بنایا جائے۔ اس قسم کی دل آزار تنقیدوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمت پست ہوتی ہے، اور نئے کام کرنے والوں کو جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس میدان میں قدم اٹھائیں۔ میں "دکنیات" کا ماہر نہیں بلکہ ایمان کی بات تو یہ ہے مجھے اس سے ویسا بھی لگاؤ نہیں ہے، احمد جنیدی کی ماہ پیرا پر مضمون لکھنے کو لکھ تو دیا لیکن خیال ہوتا ہے کہ تنقید نگار صاحب میری بھی خبر نہ لیں۔ اگر یہ ہوا تو مجھے افسوس ہوگا۔ تنقید اچھی چیز ہے لیکن اس کا معیار وہی ہونا چاہئے۔ جس کو ڈاکٹر محی الدین نے بنایا ہے ورنہ وہی کہنا ہوگا جو حافظ نے کسی زمانہ میں کہا تھا ۔

غزل خوانی و خوش خوانی نمی دانند در شیراز　　بیا حافظ کہ ما خود را بملک دیگر اندازیم

آپ نے جنیدی کے متعلق جو اطلاع دی ہے اس کا شکریہ قبول فرمائیے۔ میں چاہتا ہوں کہ "بھوگ بل" پر کچھ لکھوں۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا نسخہ وہی ہے جس کا ذکر اسٹوارٹ نے اپنی فہرست میں کیا ہے۔ اس کے اوراق

کہاں کہاں ہیں؟ آپ کی کتاب میں اس مثنوی کا ذکر نہیں، حیدرآباد میں اس کے مخطوطے ضرور ہوں گے۔ مضمون "ہندستانی" کو بھیج دیا گیا۔ انشاء اللہ اس کی ایک کاپی نذرِ خدمت کروں گا

براہِ کرم "بھوگ بل" کے بارہ میں مطلع فرمائیں۔ امید ہے کہ مزاج عالی بعافیت ہوگا۔ والسلام

۲۰ر فروری ۳۴ء

نیازکیش محمد محفوظ الحق

(۲)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مشفقی سلام مسنون۔

آپ کے گرامی نامہ کا جواب آج دے رہا ہوں۔ دیر کی وجہ محض میری کاہلی ہے۔ میں ۳ جولائی کو کلکتہ پہنچا۔ کچھ عرصہ ہوا کہ میں نے محترمی سید خورشید علی صاحب کو "کلیاتِ شاہی" کی دستیابی پر مبارک باد کا خط لکھا تھا۔ آج ان کا جواب بھی آگیا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ میں گورنمنٹ کو لکھ رہا ہوں۔ دفتر کے ذریعے اس کے شائع کرنے کا انتظام کیا جائے، اگر آپ کے دفتر سے اس قسم کا کوئی مراسلہ گیا ہے تو آپ کو ضرور علم ہوگا۔

آپ کا مضمون بے مثل ہے۔ میرے دو دوست یہاں ہیں۔ جن کو دکھنی لٹریچر سے دلچسپی ہے، انہوں نے بھی بہت پسند کیا، آپ کی کوشش و کاوش مستحقِ صد تحسین ہے، خدا کرے ایسے ہی فوائد آپ کے ہاتھ آتے رہیں،

"بھوگ بل" میں نے منگوا لیا ہے۔ ۱۰۳۲ھ سن تالیف ہے، شاعر کا تخلص قریشی ہے، امیر برید ثانی کی فرمائش سے لکھا ہے۔ نسخہ کتابت کا بہت عمدہ نمونہ ہے ۱۰۸۲ھ میں دریا خان کے لئے لکھا گیا ہے کاتب نیک نام خان بہادر کے لشکر میں تھا۔ آپ قریشی کے متعلق کچھ اطلاع دے سکتے ہیں؟ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ والسلام

۲۹ر جولائی ۳۳ء

محفوظ

(۳)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مخدومی و مکرمی

سلام مسنون۔ "حضرت امجد کی شاعری" کا شکریہ قبول فرمائیے، رسید پہلے بھی روانہ کر سکتا تھا۔ لیکن چاہتا تھا کہ کتاب کو اچھی طرح پڑھ لوں تو پھر اپنی ناچیز رائے سے مطلع کروں۔

حضرت امجد زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ ان کے کلام میں وہ کیف، وہ سوز، اور وہ حقائق و معارف موجود ہیں جن کا اثر قلب و دماغ پر ہونا لازم ہے آپ نے یہ ریویو لکھ کر ادبِ اردو پر احسان کیا ہے دعا ہے کہ کچھ عرصہ بعد اس سے مکمل تر ریویو شائع فرما سکیں۔ کیونکہ دلدادگانِ امجد کی اس سے پیاس بجھ نہیں سکتی۔

دعا ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہو۔ والسلام

۲۳ر اگست ۳۴ء

نیازکیش

محمد محفوظ الحق

(۴)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مکرمی بندہ تسلیم

گرامی نامہ کا شکریہ، آپ جس موضوع پر کام کر رہے ہیں وہ نہایت اہم ہے، لیکن تلاش و تحقیق کے وسائل یہاں بہت کم ہیں۔ میں نے بہار کی اردو نثر کی تاریخ پر کوئی کام نہیں کیا ہے۔ ایک زمانہ میں خیال ہوا تھا کہ سید حمید الدین بہاری کے "خوان الوان" پر کچھ لکھوں۔ لیکن مصنف کے متعلق کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ اس لئے یہ خیال ترک کر دیا۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں ایک "خوان الوان" بھی ہے، مصنف کا نام سید حمید الدین بہاری ہے سنہ تالیف کا ذکر نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ سنہ ۱۸۰۴ء (سنہ ۱۲۱۹ھ) کے قبل کی تالیف ہے کتاب میں مختلف کھانوں کی ترکیبیں لکھی ہیں۔ اس کی کوئی ادبی حیثیت نہیں ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کلکتہ کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی لائبریری میں ہے اور دوسرا نسخہ لندن میں برٹش میوزیم میں ہے۔

مؤخر الذکر نسخہ کا حال آپ کو J.F. BLUMHARDT کی CATALOGUE OF HINDI, PUNJABI AND HINDUSTANI MSS. IN THE B.T. 14 MUSEUM. ص۱۵ (نمبر ۳) پر ملے گا، مؤلف کا بیان ہے کہ اس نے اس کتاب کو ڈاکٹر گلکرسٹ کے ایما سے لکھا، اور نیز کہ یہ ایک فارسی خوان الوان کا ترجمہ ہے، فارسی میں طعامیات پر مختلف کتابیں ہیں لیکن "خوان الوان" نامی کسی فارسی تالیف کا مجھے علم نہیں،

۲۔ رسالہ مضامین رمضان وغیرہ کو میں نے اب تک نہیں دیکھا اس لئے کوئی رائے نہیں دے سکتا۔

۳۔ شاہ شرف الدین یحییٰ منیری کے حالات پر کوئی محققانہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری آپ پروفیسر حافظ شمس الدین احمد صاحب (پٹنہ کالج) سے دریافت فرمائیں۔ انہوں نے منیری پر ایک فاضلانہ مقالہ اورینٹل کانفرنس (پٹنہ) کے اجلاس میں پڑھا تھا، وہ مزید روشنی ڈال سکیں گے۔

۴۔ عالم علی عظیم آبادی سے میں واقف نہیں۔

کار لائقہ سے یاد فرماتے ہیں۔ والسلام

محفوظ

مکرر: کلکتہ کے خوان الوان کے نسخہ کے بارہ میں اگر مزید اطلاع کی ضرورت ہو تو مزید تحریر فرماویں۔

مکرر: مجھے خدا بخش خان لائبریری میں کچھ کام ہے کیا آپ میری امداد فرما سکتے ہیں، کام چند گھنٹوں کا ہے! اگر آپ کو فرصت اور موقع ہو تو مزید تحریر فرمائیں، آپ کو زحمت دوں گا۔ والسلام

۱۳ مارچ سنہ ۲۹ء

محفوظ

---

(۵)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مکرم بندہ تسلیم

آپ کی نوازش کا شکریہ، آپ نے بڑی زحمت فرمائی، آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ دیوان صاحب پر بعض

اصلاحیں صائب کی ہیں۔ چنانچہ آپ نے نقل بھی ارسال فرمائی ہے۔ لیکن آپ نے نسخہ کا نمبر نہیں تحریر فرمایا۔ براہ کرم نمبر مزید تحریر فرمائیں۔

کلیات صائب (۱۰۷، صلاح الدین) کا نسخہ میری نظر سے گزر چکا ہے، آخر میں چند غزلیں صائب نے خاتمہ لکھ کر بڑھائی ہیں، آپ نے لکھا ہے کہ "دیوان کا ایک اور نسخہ ہے اس پر بھی صائب کی ہاتھ کی لکھی ہوئی غزلیں ہیں آخر میں دستخط ہے۔ ابتدا میں دیوان صائب لکھا ہوا ہے اور اس کے ہاتھ کا ایک شعر۔"

براہ کرم اس نسخہ کا نمبر، سنہ کتابت، تعداد اوراق (اگر معلوم ہو سکے) اور صائب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی غزلوں کا پہلا شعر، دستخط کی نقل وغیرہ روانہ فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

سید حمید الدین بہاری کی "خوان نعمت" کی ابتدائی عبارت کی نقل روانہ کرتا ہوں، ایشیاٹک سوسائٹی کا نسخہ آخر میں ناقص ہے، یعنی چوبیسواں اب موجود نہیں، یہ نہیں ہے کہ صفحات غائب ہیں بلکہ ص ۹۰ پر چوبیسواں عنوان لکھ کر جگہ چھوڑی ہوئی ہے، کاتب کا خیال تھا کہ بعد کو یہ چیز بڑھائی جائے گی لیکن موقع نہیں ملا۔

بلمہارٹ کی فہرست میں کتاب کا نام "خوان الوان" ہے۔ حالانکہ خوان الوان اس کتاب کا نام ہے جس سے یہ کتاب ترجمہ ہے۔ ترجمہ کا نام مؤلف خود "خوان نعمت" بتاتا ہے۔

خوان نعمت کا ذکر مسٹر سید محمد ایم۔ اے نے "ارباب نثر اردو" ص ۲۶۲ و ص ۲۶۳ پر کیا ہے، مگر ان کو کوئی نسخہ نہیں ملا، انہوں نے بلمہارٹ کے حوالہ سے کچھ لکھ دیا ہے۔ صرف ایک بات یہ لکھی ہے کہ چونکہ یہ کتاب مسٹر گلکرسٹ کے ایما سے لکھی گئی ہے اس لئے ظاہر ہے کہ یہ کتاب ۱۸۰۲ء میں یا اس سے پہلے لکھی گئی کیونکہ ۱۸۰۴ء میں مسٹر گلکرسٹ فورٹ ولیم کالج کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر ولایت واپس گئے۔

صائب کا ایک کلیات جس کی تحریر سندی ہے یہاں موجود ہے اس لئے صائب کی تحریر کے بارہ میں کوئی شبہ نہیں۔

۲ راپریل ۱۹۶۳ء　　　　والسلام محفوظ

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو　　　　(۹)

مخدومی و مکرمی تسلیم

خط نے مسرور کیا، آپ کی عنایت کا ممنون ہوں کہ دیوان صائب (فارسی نمبر ۷۰۵، انگریزی ۲۴۴) کے متعلق پوری صراحت فرمادی، یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس دیوان کے صفحہ اول پر جو شعر:

محو کے از صفحہ دلہا شود آثار من　　　　من ہماں دوقم کہ می یابند از اشعار من

خود صائب نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے وہی شعر کلکتہ کے نسخے پر بھی صائب نے اپنے ہاتھ سے بڑھا دیا ہے فرق یہ ہے کہ یہاں کا پورا نسخہ ۵۰۰ ورق کا صائب نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اور وہاں کے نسخے پر چند غزلیں اس نے اپنے ہاتھ سے بڑھائی ہیں۔

"خوان الوان" کے ایک "خوان" کی نقل عنقریب روانہ خدمت کروں گا مجھے صرف سنیچر کو فرصت ہوتی ہے اور اس سنیچر کو یہاں تعطیل ہے لائبریری

بندہ نے بھی اسلئے دوسرے نسخہ کو جان کر نقل کروں گا اور آپکی خدمت میں روانہ کردونگا انشاء اللہ۔ آپنے اس خط میں نسخہ ۲۴۹ کا حوالہ دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ پہلے خط (یعنی ۲۶ مارچ) میں نسخہ نمبر ۱۰۲ صلاح الدین کے اشعار درج تھے۔ حالانکہ آپ کے ۲۶ مارچ کے خط کی عبارت یہ ہے:

"(۱) دیوان صائب دیکھا، آپ کے دوست نے آپ کو غلط اطلاع دی تھی۔ صائب کی اصلاح اس نسخہ پر موجود ہے۔ ہاں چونکہ بہت باریک ہے اور اصلاحیں بہت کم ہیں اس لئے جب تک کافی غور نہ کیا جائے نہیں ملتیں، بعض اصلاحیں لکھتا ہوں۔

ص ۵۹ گہر در بحر شد پستی گراں قیمت ......

ص ۱۴۳ ہر کہ رنگ آرزو در سینۂ افکار ریخت

کلیات صائب (صلاح الدین ۱۰۶) میں بھی بعض اصلاحیں صائب نے کی ہیں۔ دیوان صائب کا ایک اور نسخہ ہے اس پر صائب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی غزلیں ہیں، آخر میں دستخط ہے ......"

آپ کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ خط کے ابتدا میں جس دیوان کا حوالہ دے رہے ہیں وہ نسخہ نمبر ۲۴۹ انگریزی و ۶۷۲ فارسی ہے، نہ کہ صلاح الدین مرحوم کا نسخہ۔ براہ نوازش اس نسخہ نمبر ۶۷۲ کو پھر نکلوا کر دیکھئے اس کا نام کلیات صائب ہے، تعداد اوراق ۴۸۶ ہے اور کاتب کا نام محمد رضا اور سنہ کتابت ۱۰۷۰ھ (سبعین بعد الالف) یعنی صائب کی وفات سے دس سال پہلے ہے۔

آپ نے ص ۵۹، ص ۱۴۳ وغیرہ پر جن اصلاحات کا ذکر فرمایا ہے وہ اگر نسخہ نمبر ۶۷۲ فارسی میں ہیں تو صرف اسی قدر لکھ دیجئے، اصلاحات کی نقل وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ یہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ صائب احسن کے ساتھ کشمیر گیا تھا لیکن قرائن اس کے خلاف ہیں، صائب کا ذکر قصیدہ کشمیر کی تعریف میں نہیں ملا، حالانکہ وہ کابل اور برہانپور وغیرہ میں احسن صائب کا ذکر کرتا ہے اس لئے دیباچہ احسن کی ضرورت ہے کہ کشمیر کے سلسلہ میں احسن، صائب کا ذکر کرتا ہے یا نہیں آپ نے جو اقتباس ۲۶ مارچ کے خط میں روانہ کیا ہے اس میں کابل کے سلسلہ میں صائب کا ذکر فرمایا ہے کیا شعرائے کشمیر کے سلسلہ میں بھی صائب کا نام آیا ہے یا نہیں؟ باکی پور کی انگریزی فہرست میں ان شعراء کا نام فہرست نگار نے دیا ہے۔

مولانا حیدر، محمود دستمالی، محمد مقیم جوہری، قاضی محمد، طالب آملی، محمد جان قدسی، لیکن صائب کا نام نہیں۔

آپ صرف دیکھیں کہ احسن جہاں کشمیر کا ذکر کرتا ہے وہاں مرزا صائب کا نام بھی لیا ہے یا نہیں؟

اس لئے اب صرف دو کام آپ کے سپرد کرتا ہوں:

(۱) نسخہ نمبر ۲۴۹ انگریزی و فارسی ۶۷۲ کے ص ۵۹ ص ۱۴۳ پر صائب نے اصلاحیں کی ہیں یا نہیں؟

(۲) دیوان احسن کے دیباچہ میں سفر کشمیر کے سلسلے میں صائب کا نام آیا ہے یا نہیں؟ والسلام

ممنون کرم محفوظ الحق

مکرر:- دیوان کامران پبلشر سے منگوا کر جلد روانہ خدمت کروں گا، انشاء اللہ

۱۳ راپریل ۱۹۳۹ء

(۷)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مخدومی، تسلیم

"خوان نعمت" کے ایک حصہ (باب اول) کی نقل ارسال خدمت ہے۔ یہ باب چونکہ بہت طویل ہے اس لئے میں نے صرف ایک حصہ نقل کیا ہے۔ امید ہے کہ یہ اطلاع کافی ہوگی۔ ہر باب جس ورق پر شروع ہوتا اور جہاں ختم ہوتا ہے وہ بھی میں نے لکھ دیا ہے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

خطوط مندرجہ بالا پتہ پر ارسال فرمائیے کیونکہ کالج ان دنوں بند ہے۔ والسلام

۱۴ر مئی ۱۹۳۹ء　　　محفوظ الحق

(۸)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مشفقی تسلیم،　　　(کلکتہ)

آپ کے دونوں کارڈ ملے، آپ کی کامیابی کی خبر سن کر بڑی مسرت ہوئی، خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمیشہ کامیاب کرے۔ اب کیا خیال ہے تحریر فرمائیے۔

آپ کے پہلے کارڈ کا جواب فوراً دیتا لیکن بچہ کی علالت اور اس کے بعد اہلیہ کی شدید علالت کی وجہ سے بے حد عدیم الفرصت تھا۔ دو دن خود بھی بخار میں مبتلا ہو گیا تھا۔

آپ جہانگیر کی تحریر کا بلاک چاہتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ بلاک موجود ہے لیکن ہمارے پاس اتنے بلاک ہیں اور اس طرح منتشر طور پر رکھے ہیں کہ تلاش کی ضرورت ہے بہرحال جس وقت ضرورت ہو تحریر فرمائیے روانہ خدمت کر دوں گا۔ آپ کی تحریر کا موضوع کیا ہے اور بلاک کی ضرورت کیوں ہوئی؟ آپ وہ مضمون کہاں چھپوائیں گے؟ وہ بلاک دیوان کامران بانکی پور کے پہلے صفحہ کا ہے جس پر جہانگیر اور شاہجہان کی تحریریں ہیں۔ چند ماہ ہوئے ہمارا ایک مضمون اسلامک کلچر حیدرآباد میں چھپا ہے جس میں بھی جہانگیر و عبدالرحیم خانخاناں کی تحریروں کا عکس شائع ہوا ہے۔ لیکن وہ بلاک ہمارے پاس نہیں، حیدرآباد والوں نے خود بنایا تھا، اور اب وہ ان کی ملکیت ہے۔

دیوان کامران بلاک کے ساتھ روانہ خدمت کر دوں گا۔ کلیات صائب (صلاح الدین صاحب کا نسخہ) میں صائب کی اصلاحات کو اگر آپ لکھ کر روانہ فرمادیں تو بڑی نوازش ہوگی یا چند اہم "اصلاحات" ہی کو نقل کرا کر ارسال فرمادیں بے حد ممنون ہوں گا۔　والسلام

۲۳ر اگست ۳۹ء　　　محفوظ الحق

(۹)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مکرم بندہ تسلیم　　　(پریسیڈنسی کالج، کلکتہ)

نوازش نامہ کا شکریہ، آپ نے بلاک کے لئے لکھا تھا، اور پھر لکھا ہے، "مسلمان" میں بہت سے بلاک نکلے تھے جن میں دو یا تین ہمارے تھے اور بقیہ خود انہوں نے بنوائے تھے، ہمارے بلاکوں میں شاہجہان اور جہانگیر

کی تحریروں کا بلاک بھی ہے، آپ کے پاس اگر وہ پرچہ ہو تو لکھئے کہ آپ کو کون کون بلاک چاہئے، ہمارے پاس بلاک کا انبار ہے، ادھر ادھر پڑے ہیں، تلاش میں زحمت ہوگی، بہرحال جو بھی مل جائیں گے۔ روانہ خدمت کر دوں گا۔

ایک بات اور عرض کر دوں، اردو رسالے والے بلاک واپس نہیں کرتے گو وعدے تو بیسیوں کرتے ہیں، اس لئے اس بارہ میں پورا اطمینان کر لیجئے۔ داراشکوہ کی خطاطی کا ایک رنگین بلاک =/۵ ۱۱ میں تیار ہوا تھا، اس کو محمدی (بنگلہ) رسالہ والوں نے غائب کر دیا، کیا کہوں کیا ملال ہوا، داراشکوہ کی کون سی کتاب آپ کو ملی ہے؟ تحریر فرمایئے گا

۲۲ نومبر ۲۹ء　　　والسلام محفوظ الحق

بنام ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو

(۱۰)

میرے محترم تسلیم۔　　　(پریسیڈنسی کالج کلکتہ)

کل ۱۸ کو چار دن کی تعطیل کے بعد ہمارا کالج کھلا تو آپ کا خط ملا، پڑھ کر بیحد خوشی ہوئی . . . . سال ڈیڑھ سال سے میری مضمون نگاری کا سلسلہ بند ہے یہی وجہ ہے کہ میرا کوئی مضمون آپ کی نظر سے نہیں گزرا، اس وقت کسی چیز پر کام بھی نہیں کر رہا ہوں۔

"دیباچہ" کا شکریہ بے نہایت قبول فرمایئے، آج ہی پوسٹ روانہ کر رہا ہوں۔

غالب پر یہاں کوئی چیز نہیں، چند سال ہوئے لاہور کے پروفیسر حمید احمد خاں تشریف لائے تھے، بہت تلاش کیا، ناکام واپس گئے، "آئینۂ گیتی نما" بھی یہاں نہیں۔ پنشن کے سلسلہ میں غالب نے جو درخواست گورنر جنرل کو دی تھی وہ ایمپیریل ریکارڈ ڈیپارٹمنٹ میں ہے۔ جس کا دفتر چند سال سے دہلی منتقل ہو گیا ہے، اس درخواست سے استفادہ کی اجازت نہیں ممکن ہے کہ اب نئے قوانین و قواعد کے ماتحت اجازت مل جائے آپ KEEPER کو لکھیں، دیکھئے کیا جواب آتا ہے امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ والسلام

۱۹ نومبر ۵۲ء　　　محفوظ الحق

بنام ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو

(۱۱)

محترم و مکرم تسلیم

آپ کا محبت نامہ سعد اللہ پور سے آج کلکتہ واپس آیا، آپ کی عنایت کا ممنون ہوں اور مبارکباد کا شکریہ ادا کرتا ہوں، یہ "غلط بخشی" نئی چیز نہیں، اس لئے شکایت فضول ہے۔

اس تعطیل میں دو مہینے سے اوپر سعد اللہ پور رہا۔ لیکن امتحان کے پرچوں سے ذرا بھی فرصت نہیں ملی، مرشد آباد، رمیٰ کو چند گھنٹوں کے لئے گیا تھا وہ بھی تعزیت کے خیال سے۔

آپ نے "خاندان تیموریہ" سے جو اقتباس روانہ فرمایا تھا وہ مجھے مل گیا تھا اور اپنے لکچر میں اس سے فائدہ بھی اٹھایا تھا، اس زمانہ میں اپنے لکچر کی تیاری میں بے حد مصروف تھا، اس لئے جواب نہیں دے سکا پھر بھول گیا، معافی کا طالب ہوں۔

میرا کالج ۵ ار جون کو کھلا اور اسی دن سعد اللہ پور سے یہاں آیا۔
فرمایئے آج کل کیا کام ہو رہا ہے؟ میری کتابوں کا ذخیرہ سعد اللہ پور میں ہے اور یہاں کی دوسری لائبریریاں بھی خالی پڑی ہیں، کوئی کام نہیں ہو سکتا۔
آپ اپنی خیریت لکھئے گا۔ نوازش ہوگی، آپ کی عنایت کا دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں، والسلام

۲۰ ر جون سنہ ۴۲ء　　محفوظ

بنام مختار الدین احمد آرزو

(۱۲)

میرے محترم تسلیم،
ہمارے ایک دوست ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی پونا میں ہیں، ان کو آفتابی نام ایک شاعر کے حالات کی ضرورت ہے، مختلف فہرستوں کی ورق گردانی سے پتہ چلا ہے کہ صحف ابراہیم مولینا نواب علی ابراہیم خان میں ان کے حالات درج ہیں، اس تذکرہ کا ایک نسخہ (جلد اول) بانکی پور میں ہے، بڑی نوازش ہوگی اگر آپ اس شاعر کے حالات اس تذکرہ سے نقل کر کے راقم کے نام روانہ فرمائیں۔ نام کے تلاش میں وقت ضرور ہوگی۔ اور کافی وقت بھی صرف ہوگا۔ لیکن امید ہے کہ آپ یہ زحمت گوارا فرمائیں گے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی قرین عافیت ہوگا۔ والسلام

۱۴ ر جولائی سنہ ۴۲ء　　محفوظ الحق

بنام مختار الدین احمد آرزو

(۱۳)

میرے مکرم تسلیم،　　(پریسیڈنسی کالج، کلکتہ)
ایک کارڈ روانہ خدمت کیا ہے جس میں آپ سے درخواست کی تھی کہ صحف ابراہیم سے آفتابی کا تذکرہ نقل فرما کے روانہ فرمائیں۔ پونا سے ہمارے دوست کا پھر تقاضا آیا ہے۔ براہ کرم فرصت نکال کر خدا اس کام کو انجام دے دیں، بڑی عنایت ہوگی، امید ہے کہ مزاج گرامی قرین عافیت ہوگا۔ والسلام

۳۱ ر جولائی سنہ ۴۲ء　　محفوظ الحق

بنام مختار الدین احمد آرزو

(۱۴)

میرے محترم تسلیم،　　(پریسیڈنسی کالج، کلکتہ)
آپ کا کارڈ باعث مسرت ہوا۔ آپ کی عنایت و توجہ کا بدل ممنون ہوں، اردو کی کانفرنس اور مخطوطات کی نمائش اور وہ بھی بہار میں! یہ سنہ ۴۲ء کا ایک عجیب واقعہ ہے، ہماری طرف سے مبارک باد قبول فرمایئے۔ آپ نے بڑا کام کیا ہے۔ خدا آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔ براہ کرم اہم قلمی نسخوں پر نوٹ تحریر فرمائیں اور اسکو کسی اچھے رسالے میں شائع فرمائیں۔ اور مجھے مطلع فرمائیں، نوازش ہوگی۔ آج ڈاکٹر چغتائی کو لکھ رہا ہوں، اور ان سے وہ اطلاع بھی طلب کر رہا ہوں، جواب آنے پر آپ کو مطلع کروں گا، نوازش کا ممنون۔ والسلام

۳ ر اگست سنہ ۴۲ء　　محفوظ الحق

(۱۵)

میرے محترم و مکرم تسلیم!

یہ خط زمانہ کے بعد لکھ رہا ہوں، اور وہ بھی اپنی غرض کی بنا پر۔ غرض یہ ہے کہ ہمارے ایک پارسی دوست پونا میں ہیں وہ اپنی قلمی کتابوں کی فہرست مرتب کر رہے ہیں، اس سلسلہ میں اُن کو بانکی پور کے نسخہ "تاریخ خاندان تیموریہ کے مصوروں کے نام کی ضرورت ہے یہ کتاب غالباً کمشنر صاحب کے آفس میں ہوگی اور وہاں ہفتہ میں صرف دو دن دیکھی جا سکتی ہے۔ آپ کسی صاحب کو مقرر فرماویں کہ وہ اس کام کو کر دیں۔ آنے جانے، کاغذ کے کل اخراجات وہ پارسی صاحب ادا کریں گے۔ کام یوں کرنا ہوگا۔

تصویر نمبر ۱ - طرح کا ہنا عمل لبادن -

" نمبر ۲ - طرح جگجیون - عمل سوُر داس -

" نمبر ۳ - طرح لعل چہرہ نامی فرخ و ششکر گجراتی -

یعنی تصویر کے نیچے جو عبارت ہے اُس کی من و عن نقل کی ضرورت ہے۔ بعض نام نہایت غیر مانوس ہوں گے۔ ان میں اکثر ہندو ہوں گے۔ اس لئے بڑی کوشش سے معلوم ہو جائیں۔　خان بہادر مولوی عبدالمقتدر نے ان مصوروں کے نام اپنی فہرست میں دئے ہیں۔ وہ فہرست اگر سامنے رہے تو آسانی ہوگی۔ ان تصاویر کا فوٹو بھی دو جلدوں میں شائع ہوا ہے لیکن مصوروں کے نام اکثر کٹے ہوئے ہیں۔ اس لئے آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔

جو اجرت بھی صرف ہو آپ خیال نہ فرمائیں۔ آپ کا جواب آنے پر رقم روانہ خدمت کر دوں گا۔ ضرورت ہے کہ کام نہایت سہولت سے آہستہ آہستہ اور کوئی غلطی نہ رہ جائے۔ اگر موقع ہو تو آپ اس "نقل" کا مقابلہ فرماویں۔

نئے لائبریرین صاحب سے نیاز حاصل نہیں، لیکن معلوم ہوا کہ نہایت خوب آدمی ہیں۔ اس گرمی کی تعطیل میں انشاء اللہ ان سے ملوں گا۔ جواب کے لئے کارڈ جاتا ہے۔ برا نہ مانیں۔ یہ پارسی صاحب کے اصرار پر معافی کر رہا ہوں۔ والسلام　　۱۸ ر فروری ۱۹۳۴ء　　محفوظ

مکرر: آپ کو خط لکھ چکا تھا، تو مجھے ایک بات یاد آئی، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کو مرآت سکندری کے "مقدمہ" کی نقل کی اشد ضرورت ہے۔ شاید صفحہ ڈیڑھ صفحہ ہے۔ "فہرست" میں نمبر یاد نہیں۔ لیکن "ہندوستان کی تاریخیں" کے ضمن میں اس کا نمبر مل جائے گا۔ براہ کرم کسی کاتب سے نقل کرا کے میرے پاس بھجوا دیں، جو اُجرت ہوگی فوراً روانہ خدمت کر دوں گا۔ لیکن براہ کرم آپ خود اس "نقل" کا مقابلہ "اصل" سے فرما دیں۔ کاتبوں کا حال تو آپ کو معلوم ہے وہ نہایت غلط نقل کرتے ہیں۔

ڈاکٹر چغتائی کو آج ہی خط لکھ رہا ہوں، قاسم علی خاں افریدی کے بارے میں ان سے دریافت کیا ہے۔ والسلام

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

۱۶

میرے محترم تسلیم!

ایک ہفتہ کی غیر حاضری کے بعد کل جو پٹنہ سے واپس آیا تو آپ کا مفصل اور مکمل خط ملا۔ الفاظ نہیں کہ آپ

کا شکریہ ادا کروں۔ میں جو چاہتا تھا اس سے بھی زیادہ آپ نے مواد فراہم فرمایا ہے۔ جزاک اللہ۔ چند سال ہوئے میں نے لائبریرین کو لکھا تھا، انہوں نے جواب دیا کہ یہ صائب کا آٹوگراف ہے اور براؤن (جلد چہارم) کے فوٹو کے خط سے بالکل مشابہ۔ لیکن آپ نے تو کاتب کا نام تک لکھ دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حاشیہ پر بعض اضافے صائب کے خط سے مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کی یہ اطلاع نہایت اہم ہے۔ براہ کرم براؤن کی لٹریری ہسٹری آف پرشیا (جلد چہارم) سے صائب کے خط کا عکس نکال کر دیوان کے اضافوں سے مقابلہ کریں۔ اگر اس مقابلہ سے آپ کی تشفی نہ ہو تو آپ تحریر فرمایئے۔ میں صائب کے خط کا وہ فوٹو روانہ خدمت کروں گا۔ اس سے مقابلہ میں آسانی ہوگی۔

ورق ۱۴۱ اور متفرق اشعار کے قریب جو اضافے ہیں وہ تو بخط صائب نہیں ہو سکتے کیونکہ ایک جگہ لکھا ہے: ولہ طاب ثراہ۔

ایک بات اور دریافت طلب ہے کہ غزل: سرو گلزار ارم یا قامت دلجوست این۔ کے سامنے "حاشیہ" پر جو عبارت ہے: "این غزل این جانیست" وہ ذرا مبہم سی ہے۔ سارا دیوان صائب کا ہے تو اس غزل کے سامنے اس تصریح کی کیا ضرورت تھی کہ "این غزل این جانیست" یا یہ لکھا ہے: "این غزل این جانب نیست"۔ اس غزل میں تخلص کس کا ہے؟

اطمینان سے ان امور کی طرف توجہ فرمایئے گا۔ آپ کی نوازش کا دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ والسلام

محفوظ الحق ۵/۸ درگاہ روڈ۔ سرکس کلکتہ　　　۲۴ مارچ سنہ ۱۹۴۴ء

(۱۷)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

میرے مکرم سلام مسنون

آپ کا مفصل خط باعث مسرت ہوا۔ آپ نے تو نہایت دلچسپ نسخہ دریافت فرمایا۔ اور آپ نے جو کیفیت تحریر فرمائی ہے وہ میری ضرورت کے لئے کافی ہے۔ صرف ایک چیز رہ جاتی ہے یعنی اس کے ایک صفحہ کا فوٹو۔ کس صفحہ کا فوٹو لیا جائے اس کا فیصلہ آپ کریں۔ آخر صفحہ کا جس پر "صائب" لکھا ہے۔ اور سنہ کتابت درج ہے، یا اندر کے کسی صفحہ کا۔ فوٹو کی جلدی نہیں ہے۔ لیکن بازار کے فوٹوگرافر کتابوں کا فوٹو اچھا نہیں لیتے۔ یہ کام یونیورسٹی کے PHYSICS یا کسی اور ڈیپارٹمنٹ میں اچھا ہوگا۔ ڈاکٹر ہادی حسن صاحب سے مشورہ فرمایئے۔ وہ ہمارے قدیم مہربان ہیں اور ان کا مشورہ بہترین ہوگا۔ خرچ کا تخمینہ بھی تحریر فرمایئے گا کہ روانہ کروں۔

آپ کی یونیورسٹی کب بند ہوتی ہے! آپ تعطیل میں پٹنہ آئیں گے یا نہیں؟ ہمارا ٹھیک نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ چلا بھی جاؤں۔

ہماری مطبوعہ کتابوں میں مجمع البحرین دارا شکوہ، دیوان کامران اور رباعیات خیام ہیں۔ ایشیاٹک سوسائٹی کو لکھ رہا ہوں کہ مجمع البحرین آپ کے پاس روانہ کر دی جائے۔ کامران کے سیکڑوں نسخے ہمارے پاس ہیں لیکن وہ اس

وقت سعد اللہ پور (پٹنہ) میں بکسوں میں بند ہیں۔ اگر گیا تو نکال کر روانہ کردوں گا۔ خیام کی قیمت بہت زیادہ یعنی ۲۰ روپے ہے۔ ہمیں جو نسخے ملے تھے وہ تقسیم ہو گئے۔ اس وقت امتحان کے پرچوں کی جانچ میں مصروف ہوں۔ جون میں پھر کوئی کام شروع کروں گا۔ انشا ءاللہ۔

بقیہ خیریت ہے آپ کی زحمت توجہ اور عنایت کا دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ چھ سال سے جس چیز کا خواہاں تھا وہ الحمدللہ آج ملی۔ والسلام

۱۰ر اپریل سنہ ۴۲ء — محفوظ الحق

(۱۸)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مخدوم محترم تسلیم۔

آج دس دن کے بعد آرہ سے واپس آیا تو آپ کا ۱۳ر کا مفصل خط ملا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ علی گڈھ محض میری وجہ سے گئے ورنہ اگر آپ نہ جاتے تو معلومات مجھے کون بھیجتا اور اس گہرے مطالعہ کی زحمت کون گوارا کرتا۔ آپ نے ایک عجیب انکشاف کیا، کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔ خدا جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ محقق ہیں اس لئے آپ جو کچھ لکھتے ہیں وہ محققانہ انداز میں۔ کوئی دوسرا ہوتا تو صائبؔ و عارفؔ کے خط میں تمیز بھی نہیں کرتا۔

عارف، صائبؔ کا خاص کاتب تھا۔ اسی عارف کے ہاتھ کا ایک نسخہ کلیات صائب کا بانکی پور میں ہے۔ ایک نواب صدر یار جنگ بہادر کے کتاب خانے میں اور چند ایران کے کتاب خانوں میں۔ صائبؔ سنہ ۸۰ھ کے بعد بھی زندہ تھا۔ معاصرین کی شہادت کے علاوہ اس کی قبر کا کتبہ چند سال ہوئے ملا ہے۔ اس پر جو سنہ درج ہے وہ یاد نہیں۔ لیکن ۸۰ھ کے چند سال کے بعد ہے۔

آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ آج ہی مدراس سے کلیات صائبؔ کے پہلے صفحہ کا فوٹو آیا ہے جو تمام و کمال صائبؔ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ پہلے یہ نسخہ نوابان کرناٹک کے پاس تھا اور اب ایک بزرگ کے پاس مدراس میں ہے۔

اب رہا ان دو نسخوں کے فوٹو کا سوال۔ مدراس سے جو فوٹو آیا ہے وہ CABINET سائز سے کچھ بڑا ہے اور نہایت صاف ہے۔ پانچ روپے صرف ہوئے ہیں۔ وہاں کا چارج کیا ہے؟ ضرور تحریر فرمائیے کہ روانہ خدمت کر دوں۔ اگر یہ کام یونیورسٹی کے PHYSICS یا BOTANY ڈیپارٹمنٹ میں ہوتا تو بہتر تھا کیونکہ COPY کا کام ذرا مشکل ہے اور ہر فوٹوگرافر نہیں کر سکتا۔

بہر حال اگر آپ کی روانگی سے پہلے یہ کام ہو جاتا تو بہت بہتر ہوتا۔ امید ہے کہ میرا پہلا خط آپ کو ملا ہوگا

۲۲ر اپریل سنہ ۴۲ء — والسلام اخلاص کیش محفوظ الحق

(۱۹)

بنام مولوی سید الطاف علی صاحب بریلوی

محترم و مکرم تسلیم۔

رسالہ "معنف" کی دوسری جلد کا آٹھواں نمبر ملا۔ شکریہ قبول فرمائیے۔ آج سے پہلے آپ کا رسالہ میری

نظر سے نہیں گزرا تھا اور افسوس کرتا ہوں کہ کیوں نہیں گزرا تھا۔ اس نمبر کے مضامین علمی و تحقیقی ہیں اور مجھے بے حد پسند آئے۔ آپ کے رسالہ کا معیار بلند ہے۔ ہمیشہ بلند رکھیے۔ مجھے گزشتہ نمبروں کے دیکھنے کا اشتیاق ہے۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ گزشتہ نمبر دفتر میں بغرض فروخت موجود ہیں یا نہیں؟ جواب جلد دیں۔ والسلام

۲۱ راکتوبر ۱۹۴۳ء　　　آپ کا

محمد محفوظ الحق (پروفیسر عربی و فارسی)

مکرر: خطوط رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے پتہ پر نہ ارسال فرمائیں۔

مولوی ابو اللیث صاحب صدیقی، ایم اے کا مضمون "لٹن لائبریری کے چند نادر اردو مخطوطات" آپ کے "معنف" یا کسی اور رسالہ میں شائع ہوا ہے یا نہیں؟

مولوی مہیش پرشاد

(۱)

بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب

مکرمی!

تسلیم۔ آپ جانتے ہیں کہ اہلِ ہنود کے یہاں دیوالی سے حساب کتاب بدل جاتا ہے۔ چنانچہ امسال کی دیوالی سے میں نے اپنا وظیفہ یہ مقرر کیا ہے ؎

مانگا کریں گے ہم بھی دعا ہجرِ یار کی　　　آخر تو دشمنی ہے دعا کو اثر کے ساتھ

بھلا غالب کے متعلق میں کب مستفید ہو سکوں گا کہ میرا وظیفہ بدل جائے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

غالب کے خطوط کے سلسلے میں ضروری ہے کہ دیگر مشاہیر کے خطوط کو بھی حتی الامکان بخوبی دیکھ لوں۔ چنانچہ اسی اثر کے باعث "مشاہیرِ اردو کے خطوط" نامی ایک چھوٹی سی کتاب تیار ہو گئی جو علیحدہ ارسالِ خدمت ہے۔ براہِ مہربانی اس کے متعلق اپنی قیمتی رائے کا اظہار کیجیے اور مجھ کو شکرگزاری کا موقع بخشئے۔ مزید شکرگزاری خطوطِ غالب سے متعلق ہے۔

بندہ: مہیش پرشاد۔ صدر شعبہ فارسی و اردو۔ مؤلف خطوطِ غالب وغیرہ

ہندو یونیورسٹی بنارس ۸ دسمبر ۱۹۳۲ء

---

(۲)

بنام ڈاکٹر زور

بندہ نواز!

تسلیم۔ امید کہ آپ بخیریت تمام پہنچ گئے ہوں گے اور اپنے کام کاج میں ہمہ تن مصروف ہوں گے لیکن ذرا ان امور کے لئے تکلیف فرمایئے:

۱۔ سہرا کب کہا گیا تھا۔ جس اخبار میں درج ہو اس کا حوالہ رقم فرمایئے۔

۲۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ عالیجناب نواب سالار جنگ کے کتب خانہ میں مرزا غالب کا ایک قصیدہ ہے اور چند خطوط ہیں ان کی

نقلیں مرحمت فرمائیے۔

۴۔ ہز ایکسیلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب کے پاس اگر مرزا کے خطوط بنام جناب میرن صاحب ہوں تو ان کی نقلوں کے لئے کوشش کیجئے۔

اتنا کام کچھ کم نہیں کر اور لکھوں۔ باقی آئندہ۔

خدا کرے کہ پھر ایسا ہو کر جلد ملاقات ہو سکے۔ زیادہ سلام!

احقر العباد: مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۹ فروری ۱۹۳۶ء

(۳)

بنام ڈاکٹر زور

لطف و کرم فرمائے من!

تسلیم۔ سب سے پہلے میں ندامت کا اظہار ضروری خیال کرتا ہوں۔ اس کے بعد معافی کا خواستگار ہوں۔ آپ کے اخلاقِ کریمانہ کا مداح ہوں۔ اگرچہ میری طرف سے جواب دینے میں کوتاہی ہوئی تاہم آپ نے مجھے برابر یاد فرمایا۔ شکریہ و دلی شکریہ قبول فرمائیے۔

حال یہ ہے کہ پچھلے دنوں صحت اچھی نہ تھی اسی حال میں بعض امتحانی امور کی تکمیل سے بھی گریز نہ ہو سکتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب اچھا ہوں اور غالب کے باب میں کچھ نہ کچھ لکھ رہا ہوں۔

آدم بر سرِ مطلب، دستنبو[1] (مطبوعہ بریلی) و لطائف غیبی[2] کے نسخے مل چکے ہیں شکریہ۔ ان کے لئے آپ تکلیف نہ فرمائیے۔ ہاں اگرچہ دستنبو کا وہ نسخہ میسر آ سکے جو مطبوعہ آگرہ سنہ ۱۸۵۸ء ہے تو وہ کام کا ثابت ہوگا۔ وعدہ ہوا کہ میں نے اسے دیکھا لیکن پھر بھی دیکھنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ نامۂ غالب کا محض وہ ورق ہاتھ لگا ہے جس کے آخر میں درج ہے:

"الحمد للہ کہ نجم الدولہ اسد اللہ خاں مرزا غالب کا خط موسومہ مرزا رحیم بیگ صاحب، الخ"

القصہ نامۂ غالب[3]، سبدِ چین[4] اور رسالہ آئینۂ ادب حیدرآباد کے نسخوں کو بذریعہ رجسٹری بھیجنے کی تکلیف گوارا فرمائیے آجکل کالج بند ہے اور میری صحت بھی درست ہے لہٰذا حتی الامکان جلد نامۂ غالب، سبدِ چین سے ضروری امور کو نوٹ کر کے انہیں واپس بھیج دوں گا۔ رسالہ آئینۂ ادب کا یہاں میسر آنا ناممکن امر ہے اور آنجناب کا گراں بہا مضمون یقیناً ایسا ہے کہ میں اس رسالے کو اپنے پاس رکھوں۔ پس صاف بات یہ ہے کہ رسالے کی قیمت کے ٹکٹ اس وقت بھیج دوں گا جس وقت نامۂ غالب اور سبدِ چین کو واپس کروں گا۔ ظاہر ہے کہ رسالہ کو علیحدہ بذریعہ ڈاک منگانا ناحق خرچ بڑھانا ہے۔ لہٰذا آپ کو تکلیف دے رہا ہوں کہ آپ میرے لئے

---

[1] غالب کی فارسی کتاب حالاتِ غدر کے متعلق۔ [2] غالب کی کتاب بہ زبان اردو مباحث "برہانِ قاطع" کے سلسلے کی ایک کڑی۔

[3] نامۂ غالب مباحث "برہان قاطع" کے سلسلے کی ایک کڑی۔

[4] غالب کا وہ فارسی کلام جو کلیاتِ فارسی کی اشاعت کے بعد چھپا۔

رسالہ کو قیمتاً خرید کر کے ارسال کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں۔

نادرِ غالب اور سبدِ چین کے بعد غالب کی کتابوں میں سے پنج آہنگ کا وہ نسخہ باقی رہ جاتا ہے جو کہ سنہ ۱۸۴۹ء میں دہلی سے شائع ہوا تھا اس کے میسّر آنے پر بعض خطوط کی تاریخوں پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ امید کہ آپ کی سعیِ بلیغ سے اس کا دیکھنا بھی نصیب ہوگا۔ زیادہ یہ کہ آپ کی عنایات کا پھر شکر گزار اور اپنی کوتاہی پر معافی کا خواستگار ہوں۔

احقر العباد: مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۴ر جون سنہ ۱۹۳۶ء

(۴)

بنام ڈاکٹر زور

لطف و کرم فرمائے من!

تسلیم۔ میں نہیں جانتا کہ کن الفاظ میں معذرت کا خواستگار ہوں۔ آپ کی زبردست عنایت ایک طرف اور میری غفلت دوسری طرف۔ چونکہ پچھلے مہینے میں یونیورسٹی بالکل بند تھی (اور اب ۹ر جولائی کو کھلے گی) میری صحت بھی بالکل درست ہے۔ لہٰذا غالب کے باب میں بعض جگہوں میں پہنچنا مصلحت آمیز امر تھا۔ چنانچہ پچھلے دو ہفتے کے اندر کئی مقامات میں پہنچا اور کچھ مفید مواد حاصل ہوا۔ ڈاک خانے کو پتہ دے گیا تھا لہٰذا ڈاک برابر ملتی تھی۔ پہلے آپ کا لفافہ ملا اور اس کے بعد آئینۂ ادب کے دو گراں قدر پرچے ملے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ چٹھی اور دو دو ایک تو یہ کہ آپ نے میری ناچیز التماس پر اخبارات کی اوراق گردانی فرمائی دوسرے یہ کہ مجھ ناچیز کو یاد کر کے ممتاز فرمایا۔

دورانِ سفر میں اطمینان کے ساتھ خطوط کا جواب دینا مشکل امر تھا۔ لہٰذا آج جواب دے رہا ہوں جبکہ بنارس پہنچ گیا ہوں۔ یونیورسٹی ۹ر جولائی کو کھل رہی ہے۔ اب کہیں اور جانا مشکل امر ہے۔ ہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ میں نے یونیورسٹی سے تین ماہ کی رخصت مانگی ہے۔ نادرِ غالب کی تکمیل حتی الامکان جلد ہو سکے۔ رخصت کے بارے میں ابھی مناسب فیصلہ نہیں ہوا لیکن قوی امید ہے کہ فیصلہ میرے حق میں ہوگا۔

بھلا نادرِ غالب اور سبدِ چین کب تک روانہ فرمانے کی زحمت برداشت کریں گے۔ آئینۂ ادب بلاشبہ ایک عمدہ رسالہ ہے۔ میں بھی کچھ لکھوں گا لیکن ذرا اطمینان نصیب ہو جانے کے بعد۔ متوقع ہوں کہ جواب میں جو دیری ہوتی ہے اس کے لئے آپ مجھے معاف فرمائیں گے اور چونکہ میں زود نہیں ہوں لہٰذا آہستہ آہستہ ہی کام کر سکتا ہوں۔

احقر العباد: مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس۔ یکم جولائی سنہ ۱۹۳۶ء

(۵)

بنام ڈاکٹر زور

لطف و کرم فرمائے من!

تسلیم۔ آپ یہ جان کر خوش ہوں گے کہ مطلوبہ کتب میں سے دیوانِ غالب اردو مطبع احمدی مہتمم امو جان والا نسخہ نہیں ملا۔ نادرِ غالب آپ بھیج ہی دیں گے۔ باقی کتابیں مل گئیں بہت اطمینان ہے آج چھٹا روز ہے کہ میں چھٹی پر ہوں اور ہمہ تن

غالب میں لگا ہوا ہوں۔ آپ براہِ کرم نامۂ غالب بذریعۂ رجسٹری مرحمت فرمائیے۔ جلد واپس کر دوں گا۔ آج کل سوائے غالب کے دوسرا کام نہیں۔ رشید حسین صاحب کے تین نسخے دہلی میں میسر آ گئے تھے اس لئے مطلق ضرورت نہیں۔ اس کے بھیجنے کی تکلیف نہ فرمائیے گا۔ باقی خیریت ہے۔

احقر العباد، مہیش پرشاد، ہندو یونیورسٹی بنارس ۲۲ نومبر ۱۹۳۶ء

(۶)

بنام مالک رام

میرے کرم فرما!

تسلیم۔ آپ کے دو خط ملے۔ میں جواب نہ دے سکا۔ حال یہ ہے کہ میں الفریس گیا تھا۔ وہاں بھی طبیعت کچھ خراب ہو گئی۔ دہلی تک نہ جا سکا۔ حضرت تفضل کے بارے میں کچھ نہ بتا سکا۔ میرا مطلب اس کتاب سے تھا جس کا ذکر آپ نے کیا ہے۔ میں نے اسے سرسری دیکھا تھا۔ ایاب صاحب آگرہ کے ہیں وہ بھی تفضیل پر کچھ لکھ رہے ہیں۔

دیوانِ غالب اڈیشن اول کی نقل میں تقریباً سات آٹھ روپے کا صرفہ ہے۔ ہاں یہ امر واضح رہے کہ اکثر صفحات کرم خوردہ ہیں۔ ایسی کچھ اشعار کی ترمیم دوسرے نسخوں کے سہارے ہو سکتی ہے۔ نقل کرانے میں کچھ تامل نہیں لیکن معاملہ زیادہ سودمند نہیں معلوم ہوتا۔ جیسا ارشاد ہو کیا جاوے۔ میں ڈھائی مہینے سے بیمار ہوں لیکن اب صحت پہلے سے اچھی ہے۔ تردد نہ کیجئے۔ امید کہ مارچ کے اخیر یا یوں کہئے اپریل کے دوسرے ہفتے تک بالکل اچھا ہو جاؤں گا۔

مصر کے دو چار اخبار جو آ سکتے ہوں بھیج دیجئے۔ ذرا موجودہ زبان سے کچھ فائدہ اٹھاؤں گا۔ کیا قرآن شریف کا کوئی ایسا نسخہ دستیاب ہوا جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں۔

جواب بہت دیری کے بعد آپ کی خدمت میں پہنچ رہا ہے۔ معاف کیجئے۔

مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۸ / مارچ ۱۹۴۰ء

(۷)

بنام نصیر الدین ہاشمی

بندہ نواز!

تسلیم۔ شکر ہے کہ میرے ناچیز مسودے کو آپ نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ ایک عرض ہے کہ مجلس اشاعت دکھنی مخطوطات سے جو کتابیں شائع ہو چکی ہیں ان کی مکمل فہرست چاہئے تاکہ کتابوں کا نام و دام معلوم ہو جائے تو لائبریری میں منگائی جا سکیں۔ اگر فہرست مطبوعہ نہ ہو تو کتابوں کا نام و دام لکھوا کر بھجوا دیجئے۔ بہت شکر گزار رہوں گا۔ میں نے مجلس اشاعت کو لکھا تھا مگر جواب سے محروم رہا۔ اس لئے زحمت دے رہا ہوں۔

خواتینِ دکن کی اردو خدمات کو میں نے ابھی تک نہیں دیکھا منگوائی جائے گی۔ بہت بہت شکریہ۔

بدستخط مہیش پرشاد　صدر شعبۂ اردو بنارس ۱۳ / فروری ۱۹۴۷ء

(۸)

بنام مالک رام

مہربانم!

نمستے: میں کچھ تشویشناک حالت میں تھا کہ آپ کا خط یکایک اسکندریہ سے آیا۔ میں سمجھتا تھا کہ اب آپ واپس آگئے ہیں۔ واپس آنے کے بعد مکرر وہاں جانا نہ ہوگا۔ خیر یہ امر موجبِ مسرت ہے کہ آپ جلد وطن مالوف میں تشریف لاویں گے۔

"خمخانۂ جاوید" کی دوسری، چوتھی اور پانچویں جلدوں کو بھجوا دوں گا۔ ہر ایک جلد کا دام عہ/ (۸ روپے) سے زیادہ نہیں۔ میں نے دیکھ لیا ہے یہ جلدیں ہیں۔ تینوں جلدوں کے پہنچنے پر چیک بھیج دیجئے گا۔ ڈاک خانہ سے ڈاک محصول وغیرہ کا بھی پتہ لے لیا ہے۔

تلامذۂ غالبؔ کے نام یہ ہیں: منشی ہرگوپال تفتہؔ، قاضی عبدالجمیل بریلوی، مولوی عبدالرزاق شاکرؔ، مرزا باقر علی خاں کاملؔ، مرزا حسین علی خاں شاداںؔ، منشی بال مکند بے صبرؔ، منشی غلام بسم اللہ بسملؔ، شاہ فرزند علی بہاری، عبدالرحمٰن تحسینؔ پانی پتی، نواب یوسف علی خاں، نواب کلب علی خاں، نادر شاہ خاں شوخیؔ، شیو رام مرتبسؔ، سید نورالدین زیدالواسطی وغیرہ وغیرہ۔

غالبؔ کے زمانے میں یا ان کے بعد جو تذکرے مدون ہوئے ہیں ان کو کما حقہٗ اس وقت نہیں لکھ سکتا۔ ان میں سے دو ایک ضرور مہیا کر سکتا ہوں۔ تذکروں کے علاوہ کئی کتابیں ایسی ہیں جن میں غالبؔ کا ذکر ہے۔ چنانچہ محض تذکرے نہیں بلکہ ایسی مطبوعات کی فہرست کسی حد تک مرتب کی ہے جن میں غالبؔ کا ذکر ہے مثلاً "تذکرہ شعرائے ہند" از فیلن صاحب مولوی کریم الدین مطبوعہ ۱۸۴۸ء دہلی، "آثار الصنادید" از سر سید، "سخن شعرا" از نساخؔ، "تاریخ شعرائے بہار"، "اورینٹل کالج میگزین لاہور" مئی ۱۹۳۲ء، "رشحات صفیر بلگرامی"، "مشورہ آگرہ" جنوری ۱۹۳۳ء، "کلیاتِ خواجہ عزیزالدین صاحب عزیزؔ لکھنوی"۔

منشی درگا پرشاد نادرؔ دہلوی کا "چمن انداز" مطبوعہ ۱۸۸۳ء ہے۔ اس میں شاعرات کا تذکرہ ہے۔ یہ دو حصوں میں شائع ہوا تھا۔ دوسرا حصہ بنام "چمن انداز" بھیج سکتا ہوں۔

طہران کا مطبوعہ قرآن چھوٹی تقطیع والا آپ نے خرید لیا تھا۔ بہت اچھا کیا تھا۔ لائبریری کے لئے طہران کا مطبوعہ قرآن فارسی ترجمہ والا ضرور خرید لیا ہے مگر چھوٹی تقطیع والا میں اپنے پاس رکھوں گا۔ میرے پاس اس طرح کئی مقامات کے مطبوعہ قرآن اکٹھا ہو گئے۔

دیوانِ غالبؔ کا نسخہ بھوپال میں ہے۔ اس کے متعلق آپ کسی کو کچھ نہ لکھئے۔ جب آپ ہندوستان میں اطمینان کے ساتھ رہیں تو جناب ڈاکٹر عبدالحق صاحب قبلہ سے بات چیت کر کے پھر کسی کو لکھئے گا۔

خطوطِ غالبؔ کی دوسری جلد کب شائع ہو، کچھ پتہ نہیں، کچھ بس نہیں۔

کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

یہ بات آپ نے خوب لکھی ہے۔ کبھی کبھی مجھ پر مایوسی کا عالم طاری ہو جاتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو کچھ مواد اکٹھا کیا ہے وہ مناسب طور سے مستعمل نہ ہو سکے اور میں ملک عدم میں پہنچ جاؤں۔ کوئی صاحب اطمینان کے ساتھ سب کچھ سمجھ لیں اور مناسب شرائط کے ساتھ تمام چیزیں مجھ سے لے لیں اور لکھیں تو اچھا ہوگا۔ میرا جو حال ہے کیا لکھوں۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

انشاء اللہ کوتاہ قلمی نہ ہوگی۔ ع بھڑکتا ہے چراغِ صبح جب خاموش ہوتا ہے۔

خدا کرے کہ آپ جلد ہندوستان تشریف لاویں اور ہفتہ دو ہفتہ بنارس میں رہنے کا اتفاق ہو۔

جون پور ممالک متحدہ میں ایک اہم شہر ہے۔ یہاں کے علماء کا تذکرہ فارسی مع انگریزی ترجمہ شائع ہوا ہے۔ غالب کے کسی شاگرد یا مکتوب الیہ کا ذکر اس میں نہیں۔ اگر اس کی ضرورت ہو تو لکھئے گا۔ اس تذکرے کا علم بہت کم لوگوں کو ہے۔ میں جونپور گیا تھا اتفاقاً مجھے اس کا علم ہوا ورنہ میں بھی اسے نہ جانتا تھا۔ خم خانہ کی جلدیں بذریعہ ڈاک ہفتہ عشرہ بعد روانہ کر سکوں گا۔ کیونکہ چند روز کے لئے الٰہ آباد ضرور جانا چاہیئے۔

مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۳ر مئی ۱۹۴۷ء

(۹)

بنام مالک رام

محترم و مکرم!

نمستے۔ ایک لفافہ بھیج چکا ہوں۔ پہنچا ہوگا۔ خم خانۂ جاوید کی جلدیں دو پیکٹوں میں کر کے بھیج رہا ہوں۔ کیونکہ ایک پیکٹ میں جا نہیں سکتی ہیں۔ جلد دوم ۶/۱، چہارم ۴/۱، پنجم ۵/۱۔ جلد دوم کے دام بڑھا دیا ہے۔ بہت کم کاپیاں اس کی ہیں۔ کچھ بالکل خراب حالت میں ملیں۔ ان میں سے جو اچھی نکلی اسے بھیج رہا ہوں۔ ایک بک سیلر کی معرفت خریدا ہے۔ اس کو کل ۱۱/۴ روپئے پڑے ہیں۔ ۲۵ فی صدی کمیشن ہو گیا ہے۔

جو کتابیں اور ضروری ہوں ان کو بھیجنے کا انتظام کروں گا۔ مہتاب داغ کی اگر ضرورت ہو تو آئندہ بھیج دیا جائے گا۔ اس کے بھی بہت کم نسخے رہ گئے۔ فی کاپی تین روپیہ دام ہے۔ باقی سب خیریت ہے۔

بندہ مہیش پرشاد

بعض لوگ مختلف ملکوں کے استعمال شدہ ڈاک خانے کے ٹکٹوں کو چاہتے ہیں۔ مختلف قیمتوں کے استعمال شدہ کچھ ٹکٹ بھیجنے کی زحمت گوارا فرمائیے گا۔ ڈاک خانہ کی ہدایت کے بموجب کتابوں کو پیک کیا ہے تاکہ حسب ضرورت ڈاک خانہ ان کی جانچ کر سکے۔

بندہ مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۱۰ر مئی ۱۹۴۷ء

(۱۰)

بنام مالک رام

بندہ نواز!

نمستے۔ آپ کا ایک خط محررہ ۲۸ر مئی اور دوسرا محررہ ۱۱ر جون دونوں ایک ساتھ ۱۹ر جون کو ملے۔ شکریہ۔ ہاں چیک بھی مل گیا۔

میں ۲۵ر جون کو دلّی جا رہا ہوں۔ دیکھوں گا اگر کوئی کتاب کام کی مل گئی تو سب کو ایک ساتھ بھیجوں گا۔ ہاں اگر کچھ کتابیں میسر آگئیں تو جلد ان کو بھیج دوں گا۔ تین کتابیں علیحدہ بھیج رہا ہوں۔ مہتاب داغ، اس کے آخر میں جو تاریخیں ہیں ان سے بعض واقعات کا

پتہ لگتا ہے اس امر کے لئے مفید ہے۔ تذکرۃ العلماء جون پور، چمن انداز حصہ دوم۔ صفیر بلگرامی کا تذکرہ جلوۂ خضر نہیں ملتا۔ آثار الصنادید، تذکرہ شعرائے ہند (منشی کریم الدین)، اورینٹل کالج میگزین، مشورہ، رشحات صفیر کے نسخے ایک جگہ پر نہیں۔ کوئی چیز کسی لائبریری میں ہے اور کوئی کسی میں۔ کلیات خواجہ عزیز لکھنوی کا مل جائے گا۔ باقی مطبوعات میں سے ضروری باتوں کو نقل کرا کر بھیج سکتا ہوں۔ مگر یہ کام جولائی میں ہوگا۔

سید نور الدین ضیا الواسطی کا ذکر جون پور سے تعلق رکھنے والی ایک تاریخ ہے، اوس میں ہے کلام نہیں ملا ہیں کوشش میں ہوں۔

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب — اب عناصر میں اعتدال کہاں

کھانے پینے کی چیزوں کا میسر آنا آسان کام نہیں۔ پھر بھلا مایوس کیوں نہ ہو جاؤں۔ خیر مشیت ایزدی میں بس کیا جب تک زندہ رہنا ہے رہوں گا۔ غالب کے مکتوب الیہم کے حالات بہت کچھ جمع کئے ہیں۔ اون کی ہر ایک تصنیف پر کچھ نہ کچھ مواد جمع ہے۔ غالب کے حالات تاریخی اعتبار سے مرتب کئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ٹکٹوں کے خواہاں بہت سے ہیں۔ میرا تعلق اسلامک کلچر سے ہے۔ اس لئے اسلامی ممالک کے ٹکٹ مجھ سے کبھی کبھی لوگ مانگا کرتے ہیں۔ میں جب ایران گیا تھا کچھ ٹکٹ لے آیا تھا۔ لوگوں نے لیا۔ اب تقاضے سنا کرتا ہوں۔ ٹکٹوں کے لئے خاص طور سے کوشش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسلامی ممالک سے تعلق رکھنے والے سیٹ کا لحاظ نہ کر کے متفرق طور سے کبھی بھیج دیجئے گا۔ خاص طور سے کوشش کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔ جو ٹکٹ وہاں بے سود سمجھے جاتے ہیں وہی یہاں اہمیت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور لوگ ان کے خواہاں ہیں۔ میرے پاس بھی ادھر ادھر کے کچھ ٹکٹ جمع ہو گئے ہیں۔ ایران کے ٹکٹ زیادہ ہیں کبھی کبھی بچوں کی دلبستگی کے سامان ہو جاتے ہیں۔

آپ نے فوٹو طلب کیا ہے۔ حسن اتفاق کہ کل ہی فوٹو والے لفافے کو کسی دوسرے کام سے نکالا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں جب کہ غالب کی تکمیل میں لگا ہوا تھا تو اس وقت ۵ رفروری کو جو فوٹو کھینچا گیا تھا اوسی کی دو کاپیاں لفافے میں ملیں۔ ایک کاپی حسب الارشاد بھیج رہا ہوں۔ اس کا بلاک ۱۹۳۷ء کے بعض اخبارات میں نکل چکا ہے۔ اچھا صاحب، آپ بھی اپنا ایک فوٹو بھیجنے کی تکلیف گوارا فرمائیں۔ شکریہ۔

ہندوستانی اکاڈمی کا حال کیا لکھوں۔ الہ آباد جاؤں گا، کھٹ کھٹاؤں گا۔ قرآن شریف مطبوعہ طہران آپ نے روانہ کیا ہے شکریہ۔ انشاء اللہ دو چار روز میں آ جائے گا اور یقیناً اچھا ہی ہوگا۔ زیادہ نمستے!

مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۲۳ رجون ۱۹۴۷ء

(۱۱)

بنام مالک رام

بندہ نواز!

نمستے۔ آپ کے خطوط دربارۂ حیرآں اور مرزا غالب ملے۔ فوٹو گراف بھی ملا۔ بہت بہت شکریہ۔ حیرآں صاحب سے بریلی میں اور لکھنؤ میں ملنے کے اتفاقات ہوتے ہیں۔ خوب آدمی تھے۔ انہوں نے کوئی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی۔ ان کی بیوہ بریلی میں تھیں۔

اس ویریان میں کچھ جان نہیں سکا۔ ان کے پاس علمی و ادبی کتابیں تھیں۔ کسی کتب خانہ کو دے گئے ہیں۔

کلیانی میری سب سے بڑی لڑکی ہے۔ اس کی شادی ۲۳ اکتوبر کو ہوگی۔ کیسے کہوں کہ آپ شریک ہو کر عزت افزائی کریں۔ ہاں یہ ضرور عرض کروں گا کہ دعائے خیر کریں کہ یہ کام بخوبی سرانجام پائے اور وہ آئندہ سکھی رہے۔

پنجاب میں جو کچھ ہوا ہے اس سے آپ کے اعزہ و اقارب کو نقصان ضرور پہنچا ہوگا۔ خدا کرے کہ بخیر و عافیت ہوں۔

کلیانی کی شادی کے معاملات میں بھی وقت زیادہ صرف ہو رہا ہے۔ ضعیفی اور مصروفیت کے باعث حالات عجیب پیش آئے۔ بمشکل تمام خطوط کل ملے۔ آج جواب دے رہا ہوں۔ مجبوری ہے۔

کلیات خواجہ عزیز لکھنوی کے لئے لکھنؤ میں کوشش کی، نہیں ملی۔ صفیر بلگرامی کا تذکرہ جلوۂ خضر کو اپنے لئے میں نے پہلے تلاش کیا تھا، نہیں ملا۔ بنارس سنسکرت کالج کے پرنسپل گریفتھ کا انگریزی وید نہیں ملتا۔ تاہم دکان داروں سے کہہ دیا ہے۔ اگر میسر آیا تو خرید لوں گا۔

جنون صاحب کے حالات لکھ چکا ہوں۔ جوہر کے بارے میں آپ کیا چاہتے ہیں۔ جس خط میں جوہر کے بارے میں آپ نے تفصیلی باتیں لکھیں وہ تو مجھے ملا نہیں۔ مکرر تکلیف کر کے لکھئے۔

خطوط غالب کے متعلق جو آپ کے خیالات ہیں ان پر عند الفرصت غور کروں گا تب لکھوں گا۔ تاہم سبھوں کے باب میں کچھ لکھنا بڑا بھاری کام ہے۔

مہتاب داغ ۲/۴ تذکرہ علمائے جون پور -/۳ ہے۔ روپوں کی ضرورت نہیں۔ ہندوستانی اکاڈمی کا حال اردو کے حق میں اچھا نہ رہے گا۔ یوپی میں ہندی کا زور ہے۔ خطوط غالب ممکن ہے کہ کہیں اور چھپیں۔ ہندوستانی اکاڈمی اردو کے لئے بہت روپیہ غالباً نہ صرف کر سکے۔ الہ آباد جاؤں گا تو پتہ لوں گا کہ کیا ہو سکتا ہے۔

جو ٹکٹ آپ نے ارسال کئے ملے۔ بہت بہت شکریہ۔ ٹکٹوں کے لئے مزید تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ جو با آسانی میسر آئیں متفرق طور پر صرف انہی کو کبھی کبھی بھیج دیا کیجئے۔

منشی نبی بخش حقیر کے نام کے خطوط کو میں نے دہلی میں جناب آفاق صاحب کے پاس دیکھا تھا۔ اصلی خط نہیں نقلیں ہیں لیکن مصنوعی یا جعلی نہیں۔ ان سے جو باتیں ہوئیں ان کی وجہ سے مانگنا مناسب نہیں خیال کیا۔

میں اچھا ضرور ہوں لیکن تفکرات کا شکار ہوں۔ کلیانی کی شادی ہوگئی مگر اس کی تعلیم کا معاملہ ڈانواں ڈول ہے۔ میڈیکل ([illegible]) کی تعلیم کے لئے بمشکل تمام اس کا داخلہ ہوا تھا مگر اس کے پڑھانے کے لئے ٹال مٹول ہو رہا ہے۔

آپ کے لئے کوئی اور کتاب خرید نہیں سکا۔ قرآن شریف مطبوعہ طہران بہت اچھا ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ میرے پاس مصر، ٹرکی اور ایران کے مطبوعہ نسخے ہو گئے ہیں۔ رسم الخط کے اعتبار سے سبھوں میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ اس امر کے متعلق ایک اچھا مضمون لکھا جا سکتا ہے لیکن فرصت کہاں۔ ہندوستان کے جو حالات ہیں ان کی وجہ سے خطوط غالب جلد دوم کی طباعت میں عجلت سے کام نہ ہوگا۔ چاروں ویدوں کے انگریزی ترجمہ کی بابت دریافت کیا۔ ہاتھ آنا دشوار ہے۔

نغمہ ہائے جاوید کی تکمیل کا کام جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی صاحب کی ذات خاص کے ساتھ وابستہ ہے۔ پانچویں جلد کے

بعد ازاں نے اور کیا کیا ہے، کچھ پتہ نہیں۔ تکمیل کی صورت مشکل ہی معلوم ہوتی ہے۔

جناب جنوں کے نام کے جو لفافے میری نظر سے گزرے ہیں، اور ان میں سب سے پرانا لفافہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۵ء کا تھا۔ اس کے متعلق کچھ نوٹ کیا تھا مگر وہ اس وقت مل نہیں رہا ہے۔ تلاش کر کے پھر لکھنے کی کوشش کروں گا۔ زیادہ سلام!

بندہ مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۱۹۴۷ء

آپ کی مطلوبہ کتب کے لئے کوشش کروں گا کہ جلد مہیا کر لوں۔ چمن آنذانہ میری طرف سے ناچیز ہدیہ ہے۔

مہیش پرشاد

(۱۲)

بنام مالک رام

مہربانم!

نمستے۔ معاف بات یہ ہے کہ ۲۳ اکتوبر کو کلیانی کی شادی ہو گئی۔ اس سلسلے میں کاغذات ادھر اُدھر ہو گئے۔ آپ کے خطوں کو اپنے خیال میں ایسی جگہ رکھا کہ مل جاویں گے مگر دوسری بات یہ ہے کہ کلیانی سے چھوٹی جو اس کی بہن ہے وہ بھی قابل شادی ہے۔ اس امر کی جستجو ہے کہ اپریل تک اس کی شادی ہو جائے۔ ایشور مالک ہے۔

آپ کے وطن مالوف میں آپ کے عزیز و رشتہ داروں کا کیا حال رہا۔ کب تک ہندوستان میں آپ قدم رنجہ فرمایئے گا۔ زیادہ زیادہ معافی کا خواستگار۔

میں سمجھتا ہوں کہ بہت سی یا قریب قریب تمام باتوں کا جواب لکھ چکا۔ باقی کیا ارشاد مزید ہے۔ فقط!

مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۱۱ دسمبر ۱۹۴۷ء

(۱۳)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب آرزو

مہربانم!

تسلیم۔ آپ کا لفافہ محررہ ۱۴ جون ملا۔ آپ کی تجاویز بہت عمدہ ہیں۔ خدا کرے کہ پوری کامیابی نصیب ہو۔

میں اس وقت تعطیل گرما کی وجہ سے امرکنٹک کے پہاڑی علاقوں میں آیا ہوں۔ ہفتہ عشرہ کے بعد بنارس واپس پہنچ جاؤں گا۔ اس وقت غالب اور برہان قاطع یا سید چینی کے بارے میں مضمون لکھوں گا۔ غالب کے فارسی کلام کا ایک مجموعہ بنام تیغ تیز آرزو خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ہے۔ ابتدائی فارسی کلام اسی نام سے لکھا ہوا ہے۔ حسن اتفاق کہ آپ اس وقت بآسانی اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ غالب کے متعلق جو مفید اور اچھے مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی مبسوط فہرست بڑے کام کی ہوگی۔ ہاں اس کی تیاری میں کافی محنت و احتیاط کی ضرورت ہے۔

پنج آہنگ کے نیز قلمی نسخے دیکھ رہیں۔ میں نے ان کے متعلق ایک مضمون نگار لکھنؤ میں چھپنے کے لئے کسی وقت بھیجا تھا۔ اندیشہ ہے کہ وہ اس میں چھپا تھا کہ نہیں۔ بظاہر ہوگا۔ یار کا بھی ایک قلمی نسخہ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اس کے بارے میں

کچھ لکھ کر بھیج دوں۔

فی الحال چند امور لکھ رہا ہوں، کچھ اور سمجھ میں آئے گا تو بعد کو لکھوں گا۔

میں شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ قلم برداشتہ [illegible] کی توجہ دی ہے وہ قابل تعریف امر ہے۔ خدا کرے کہ آپ کو پوری کامیابی نصیب ہو۔ فقط!

مہیش پرشاد (پروفیسر ہندو یونیورسٹی)

از مقام [illegible] ۱۲ جولائی [illegible]

(۱۴)

بنام مالک رام

بندہ نواز!

تسلیم۔ جواب کافی دیر کے بعد دے رہا ہوں۔ اس امر کے تسلیم کرنے یا اقرار کرنے میں مجھے بالکل عار نہیں۔ خیر!

مولانا مسعود حسن رضوی، پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی کے پاس مرزا غالب کے ۹۴ فارسی خطوط تھے اور کچھ نظمیں تھیں۔ ان کو کتب خانہ رام پور نے متفرقات غالب کے نام سے شائع کیا ہے۔ اگر یہ کتاب آپ کے پاس نہ پہنچی ہو تو بھیج سکتا ہوں۔

ہندوستان میں سیاسی کشمکش کے ساتھ ہی ساتھ علمی و ادبی کشمکش بھی کچھ کم نہیں ہے۔ ہندی کے لئے زور بڑھ رہا ہے۔ خطوط غالب کا حصہ اول اب کہیں سے نہیں ملتا۔ صرف پانچ سو چھپا تھا۔ ہندوستانی اکاڈمی نے حصہ اول کو چھاپا۔ ہنگامے نے موقع نہ دیا کہ دوسرا حصہ چھپتا۔ حصہ اول ختم ہے۔ ضرورت تھی کہ دونوں حصے چھپتے مگر حالات ایسے معلوم ہو رہے ہیں کہ اکاڈمی اب نہ چھاپے کیونکہ کوشش ہندی والوں کی طرف سے سر توڑ یہ ہے کہ اکاڈمی صرف ہندی کتب کے لئے ہی مخصوص رہے۔ خطوط غالب کا حشر کیا ہوتا ہے اس میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ختم ہو جاؤں اور غالب کا کام نامکمل رہ جائے۔ جو مواد فراہم کیا ہے وہ ایسا نہیں کہ میرے بعد بغیر اس کے کوئی حصہ کوئی بھی شخص مرتب کر سکے۔ انڈین یونین میں اردو کے لئے بہت کم میدان رہ گیا ہے۔ یو۔پی میں میٹریکیولیشن کے نصاب میں ہندی ہر ایک طالب علم کے لئے ضروری ہو گئی ہے۔ فارسی و عربی سے کچھ لوگ دور ہو رہے تھے، سائنس کا اثر بڑھ رہا تھا۔ اب ہندی کا زور ہو رہا ہے۔

جناب پروفیسر وزیر الحسن صاحب متوطن دہلی اس وقت طہران میں ہیں۔ انہوں نے غالب پر کچھ خاص مواد [illegible] ہے۔ برہان قاطع پر خاص تحقیقات کی ہے اور کوئی خاص بات غالب کے باب میں نہیں ہے۔

دریائے گنگا و جمنا میں طغیانی زوروں کے ساتھ ہے۔ بنارس میں نیچے کے حصے تباہ ہو چکے ہیں۔

آپ کب ہندوستان میں واپس آویں گے۔ مجھے یقین ہے ایک عجیب حالت میں ملک کو پائیں گے۔ فقط:

بندہ مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس

۸ ستمبر ۱۹۴۸ء

(۱۵)

بنام مالک رام

جناب من!

تسلیم۔ آپ کا خط محررہ ۲۸ ر نومبر ملا۔ مجھے یہ معلوم کرکے افسوس ہے کہ آپ آلام و مصائب کے شکار رہے۔ عسر
کے بعد یسر ہونا چاہئے۔ امید کہ اب آپ اچھی حالت میں ہوں گے۔ ہندوستانی اکاڈمی خطوط غالب شائع کرے یہ امر قریب
قریب ناممکن ہے۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ ہر ایک پبلشر کے بس کا کام نہیں کہ وہ خطوط غالب شائع کرسکے۔ ڈرتا ہوں کہ جو کچھ جمع
کیا ہے وہ بیکار نہ جائے۔ میرے بعد میرے اکٹھا کئے ہوئے مواد سے ہر ایک فائدہ اٹھا کر مرا سب کام کرسکے یہ امر ناممکن ہے۔
خطوط غالب کے علاوہ مکتوب الیہم کی بابت جو کچھ میرے پاس ہے وہ کچھ اہم نہیں ہے۔ لاتقنطوا من رحمۃ اللہ۔
آپ نے آئندہ رسال(ہ) آنے کے لئے لکھا ہے۔ خیر جو ہو وہی غنیمت ہے۔ کوشش کر رہا ہوں کہ کوئی اچھا پبلشر
مل جائے جو خطوط غالب و دیگر متعلقات کو شائع کرے۔ فقط زیادہ سلام!

مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۲۰ ر دسمبر ۱۹۴۸ء

(۱۶)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

جناب من!

تسلیم۔ کارڈ ملا۔ میگزین بھی ملا۔ سارا میگزین تو نہیں صرف اپنی دلچسپی والا حصہ تو ضرور پڑھا۔ تاہم یہ ضرور کہوں گا کہ میگزین
خوب ہے۔ نہایت ہی کاوش و جانفشانی سے ایڈٹ کیا گیا ہے اور عمدہ و دلچسپ مضامین کا ایک نفیس گلدستہ بنایا گیا ہے جس کے لئے
بلاشبہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ غالب کے متعلق آپ کے یہاں کافی جمع ہو گیا ہوگا۔ میرے پاس والا ابھی رہنے دیجئے۔ کچھ غیر مطبوعہ مواد کتاب کے ساتھ ہی
شائع ہونا مناسب رہے گا۔ معاف کیجئے اس کی تلافی دوسرے ڈھنگ سے بھی کچھ نہ کچھ کر دوں گا۔ جناب قاضی صاحب کا مضمون دو لب غالب
کی راست گفتاری آپ نے چھاپا اور صـ۔۔ پر بھی آپ نے ان کے متعلق بھی کچھ چھاپ دیا۔۔۔۔۔۔ میرے پاس بھی چند مشاہیر کے
خطوط بنام راقم الحروف ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو وقتاً فوقتاً کچھ بھیج دوں گا۔ اس وقت غالب نمبر میں میرا ایک ہی مضمون کافی ہے
پھر کچھ اور کسی وقت لکھ دوں گا۔ غالب کی ایک کتاب دستنبو لٹن لائبریری میں ضرور ہے۔ کچھ محنت کیجئے اور کتابیں بھی وہاں میسر
آئیں گی۔ خطوط غالب ممکن ہے کہ اکاڈمی نہ شائع کرے یا نہ کرسکے۔ ایسی حالت میں کیا مسلم یونیورسٹی چھاپنے کے لئے تیار ہوگی۔
متن دو حصوں پر مشتمل ہے۔ دو حصوں میں مقدمہ مرزا کا حال و مکتوب الیہم وغیرہ کے حالات ہوں گے۔ میرے خیال سے بعض
حواشی کا ہونا بھی مناسب ہے۔ عالی مقام جناب سر سید صاحب کا ایک خط بنام مولانا عبدالحی صاحب مصنف گل رعنا ہے
وہ مجموعہ خطوط سر سید میں شامل نہیں۔ میں نے اسے ایک ناچیز تالیف میں شامل کر دیا ہے۔ زیادہ عفو کا طالب!

احقر العباد: مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۲۹ ر دسمبر ۱۹۴۸ء

(۱۷)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

جناب آرزو صاحب!

تسلیم۔ میری یہ آرزو ہے کہ آپ کچھ تکلیف میرے لئے کریں:۔

مرزا غالب کے دو خط فرقانی نام کے ایک شاعر صاحب کے نام ہیں۔ مجھے صرف یہی معلوم ہو سکا ہے کہ فرقانی صاحب میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد صاحب کمشنر دہلی کے یہاں میر منشی تھے۔

میرے پاس گلشن بے خار نہیں۔ ممکن ہے کہ ان کے حالات اس میں ہوں۔ اگر آپ حالات مختصراً بہم پہنچائیں اور ماخذ کا حوالہ بھی دیں تو بہت شکر گذار رہوں گا۔ تصدیعہ کے لئے معافی کا خواستگار!

بندہ مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۲۶ر فروری ۱۹۴۹ء

(۱۸)

بنام مالک رام

جناب من! نمستے

کسی سے مصیبت کا احوال کہنا　　مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ

پچھلے دنوں خوب گردش پڑی۔ چھٹیاں تھیں مختلف مقامات میں رہا۔ ۸ر جولائی سے یونیورسٹی کھلی ہے اب بنارس میں ہوں قاضی عبد الودود صاحب بیرسٹر بانکی پور وقتاً فوقتاً غالب کے متعلق لکھا کرتے ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ غالب کی ہر ایک تصنیف ناقدانہ حیثیت سے شائع ہو۔ آج بھی ان کا خط آیا ہے کہ کئی تصانیف کے نسخے تیار ہیں۔ طباعت و اشاعت کا مسئلہ مشکل ہے۔ میری کتاب کی اشاعت ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد کی بدولت ہوئی۔ اب ہندوستانی اکاڈمی آئندہ غالباً ہندی کا ہی کام کرے گی۔ میری کتاب کی طباعت کا حق مجھے دے دیا ہے۔ میں اس فکر میں ہوں کہ کتاب شائع ہو۔ یہ کام مشکل ہے۔ شکل نام پہلے سب کچھ اکٹھا کیا اب طباعت کا معاملہ حل کروں۔

انوار بک ڈپو لکھنؤ نے میری کتاب کا بیشتر حصہ چھاپ لیا ہے۔ ان کے نام نوٹس دیا ہے۔ اب کوئی صورت اس کے سوا اور نہیں معلوم ہوتی کہ ان کے ساتھ عدالت میں چارہ جوئی کروں۔ چنانچہ دو مسئلے درپیش ہیں۔ طباعت کا اور مقدمے کا۔

غالب کی جو اصلی تحریریں میرے پاس جمع ہیں ان کا بلاک تیار کرا کر ان کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ تاکہ ان کی تحریروں کے نمونے بذریعہ عکس لوگوں کے پاس رہیں اور اصلی تحریریں کہیں محفوظ رہیں۔ اگرچہ پچھلے ایام میں غالب کی کافی تحریریں شائع ہوئی ہیں۔ پھر بھی میرے پاس کچھ ایسی ہیں جو کہ ابھی شائع نہیں ہوئیں اور ہنوز میرے پاس محفوظ ہیں۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

غالب کے نام جو خطوط مختلف حضرات کے ہیں ان کا مجموعہ بھی چھوٹا سا تیار ہو گیا ہے۔ ایسے مجموعے میں کچھ خط از مرزا غالب بطور جواب یا جواب الجواب ٹھہرتے ہیں۔

آپ ہندوستان کب تشریف لائیے گا اور کیا کر رہے ہیں۔ تفکرات سے فارغ البال ہیں کہ نہیں۔ فقط!

مہیش پرشاد۔ بندو یونیورسٹی بنارس ۲۲ر جولائی ۱۹۴۹ء

(۱۹)

بنام مالک رام

بندہ نواز!

نمستے۔ میں سمجھتا تھا کہ آپ کا خط عدن سے آوے گا۔ عدن میں کسی وقت بذاتِ خود پہنچوں گا۔ پچھلے دنوں بمبئی گیا تھا وہاں عدن کا کرایہ بھی دریافت کیا تھا۔ لیکن آپ تو ابھی مصر میں ہی ہیں۔ خیر جہاں رہیں بخیریت رہیں۔

آپ کبھی آویں سب دیکھیں تو کسی نتیجے پر آپ پہنچ سکتے ہیں۔ زیادہ لکھنا مشکل امر ہے۔ خمخانۂ جاوید کی جلد سوم مل سکتی ہے۔ دام تقریباً پانچ روپیہ ہوگا۔ دیوان انور نہیں مل سکتا۔ میرے پاس نہیں ہے۔ اورینٹل کانفرنس کی کارروائی غالباً ایک سال بعد شائع ہوگی۔

میری صحت کبھی اچھی کبھی خراب رہا کرتی ہے۔ پچھلے دنوں گڑبڑ ہوگئی۔ اب اچھی ہے۔

باقی خیریت ہے۔ ۲۶ جنوری کو ری پبلک (REPUBLIC) یوم منایا گیا۔ اس روز نئے ٹکٹ چلے۔ وہ بھیج رہا ہوں۔

بندہ مہیش پرشاد، ہندو یونیورسٹی بنارس ۸ مارچ ۱۹۵۰ء

(۲۰)

بنام مالک رام

کرم فرمائے من!

نمستے۔ میں اس وقت یونیورسٹی بند ہونے کی وجہ سے دہلی میں ہوں۔ ۴ جولائی تک دلّی میں رہوں گا۔ بعدہٗ بنارس واپس پہنچ جاؤں گا۔

خمخانۂ جاوید کی تیسری جلد ہندو یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہوگی۔ وہ وہاں سے قیمتاً مل جاوے گی۔ جلد اوّل کا ملنا مشکل امر ہے۔ میرے دو ایک کرم فرما اس کے طالب ہیں۔ عرصہ سے تلاش میں ہوں مگر کوئی نسخہ میسّر نہیں آیا۔

لکھنؤ کے انوار بک ڈپو پر نالش کر چکا ہوں۔ تقریباً سال بھر معاملہ لشتم پشتم میں پڑا رہا۔ مجبوراً عدالت میں جانا پڑا ہے۔ ممکن ہے کہ اگست میں معاملہ کچھ طے ہو جائے۔ جو کچھ ہوگا عرض کروں گا۔

آپ عراق میں آگئے ہیں۔ اسکندریہ کی بہ نسبت ہندوستان سے زیادہ نزدیک ہے۔ جی چاہتا ہے کہ کسی وقت بغداد پہنچ کر نیاز حاصل کروں۔ اچھا یہ ہوگا کہ جب آپ ہندوستان تشریف لائیں تو آپ کے ساتھ بغداد چلوں۔ اس وقت تک آپ بھی بغداد و عراق کے دیگر مقامات سے بخوبی واقف ہو جاویں گے۔

نادراتِ غالب کے نام سے ایک کتاب جناب آفاق دہلوی صاحب نے مرتب کی ہے۔ اس میں مرزا کے خطوط بنام منشی نبی بخش ہیں۔ ان خطوط کے علاوہ کچھ کار آمد اس میں اور ہیں۔ امید کہ ملاحظہ کیا ہوگا۔ نگار لکھنؤ کے دو نمبروں میں ان مطبوعات کا ذکر ہے نیز بنا غالب کے بارے میں کچھ نہ کچھ مندرج ہے۔ جواب بنارس کے پتے پر ہی بھیجئے گا۔

بندہ مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۴ جون ۱۹۵۰ء

(۲۱)

بنام مالک رام

بندہ نواز!

نمستے! لفافہ ملا۔ ایک خط رجسٹری کرا کر دلی سے بھیجا تھا۔ ان دنوں بیماری کی وجہ سے دلی ہی میں تھا۔ اب بنارس میں ہوں۔ کھانسی نے ابھی پیچھا نہیں چھوڑا۔ مزید تکلیف ایک پھوڑے سے پیدا ہو گئی ہے جو پیٹھ میں داہنی طرف اوپری حصے میں ہے۔ بھر گیا ہے زخم بھر رہا ہے۔ بیس دن سے زیادہ ہو چکے۔ غالباً دس دنوں میں درست ہو گا۔

میری کتاب خطوطِ غالب کا تقریباً نصف حصہ انوار بک ڈپو لکھنؤ نے چھاپا۔ مقدمے کی نوبت آئی۔ کافی دوڑ دھوپ کرنی پڑی۔ خیر صلح ہو گئی۔

۳۰ جون تک یونیورسٹی میں ملازم رہوں گا۔ ساٹھ سال کا ہو چکا ہوں۔ ریٹائر ہوں گا۔ کہاں رہنا ہو، کچھ پتہ نہیں۔ غالب کی تکمیل کا خیال ہے۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے بہت کم کام اس درمیان میں کر سکا۔

آپ ہندوستان کب تشریف لاویں گے۔ کب آپ کا نیاز حاصل ہو گا؟ فقط!

مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس - ۱۰ جنوری ۱۹۵۱ء

(۲۲)

بنام ڈاکٹر زور

کرم فرمائے من!

تسلیم۔ ۳ فروری سے ایسا بیمار ہوا گویا وقت آ گیا تھا کہ موت کو لبیک کہوں مگر زیست باقی تھی نہیں مرا۔ پچھلے دنوں جب طبیعت بہت خراب ہوئی تو میں نے صاحب رجسٹرار کو لکھ دیا کہ کاپیاں نہیں دیکھ سکوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ کافی آرام کی ضرورت ہے۔

میں جب زوروں کے ساتھ بیمار ہوتا ہوں تو کافی عرصہ کے لئے تندرست ہو جاتا ہوں۔ امید کہ اب آئندہ بہت دنوں تک بیمار نہیں ہوں گا۔ یکم مئی ۱۹۵۱ء سے ریٹائر ہوں گا۔ جس قدر کام کہئے گا کر دوں گا۔ اس سال کاموں کے دیکھنے سے معاف کیا جاؤں۔

بندہ مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ۱۳ مارچ ۱۹۵۱ء

(۲۳)

بنام ڈاکٹر زور

بندہ نواز!

تسلیم۔ لفافہ ملا۔ بہیں راحت ہوئی۔ شکریہ۔ میں امسال پونہ نہیں بلایا گیا اور اگر بلایا جاتا تو وقتِ معینہ پر پہنچ نہ سکتا تھا۔ کیونکہ صحت خراب تھی۔ اب یکم مئی سے ریٹائر ہوتا ہے۔

اچھا صاحب! غالب کی تصانیف طبع اول کے باب میں تھوڑا تھوڑا چند سطروں میں لکھا۔ پھر بھی وہ مضمون کئی صفحات میں

ہو گیا۔ ہر ایک تصنیف پہلے پہل کہاں سے کب شائع ہوئی ہے۔ طبع اوّل بعض تصانیف کا کہاں میسّر آسکتا ہے۔ ان امور کو بہ نظر رکھ کر لکھا اور پہلے سے تہیہ کیا تھا کہ آپ کی خدمت میں بھیجوں گا کیونکہ سب رس پاکر خجالت محسوس کرتا تھا کہ کچھ نہیں لکھا ہے۔ اس مضمون میں کچھ کمی رہ گئی ہے جس کی تکمیل ایک دوست کے واسطے پر مبنی ہے۔ چنانچہ جوں ہی اس امر کا پتہ ٹھیک ٹھیک لگ جائے گا مضمون آپ کی خدمت میں پہنچے گا۔ تبدیل آب و ہوا کی غرض سے الٰہ آباد کے دیہات میں جا رہا ہوں ہفتہ عشرہ میں واپس ہونے کا ارادہ ہے۔ اس وقت تک غالباً میرے ایک مہربان کا خط بھی آجائے گا اور مضمون کی تکمیل بھی ہو جائے گی اور آپ کے حکم کی تعمیل میں قاصر نہ رہوں گا۔ ہندی میں دو کتابیں بچیوں کے لئے بھیجوں گا۔ بڑی خوشی ہوتی ہے جب پٹنہ کا سانحہ یاد آتا ہے۔ بچیوں کو بہت بہت سلام و دعا۔

بندہ مہیش پرشاد ہندو یونیورسٹی بنارس ۱۲ر اپریل ۱۹۵۱ء

(۲۴)

بنام ڈاکٹر زور

بندہ نواز!

تسلیم۔ ایک خط بھیج چکا ہوں امید کہ پہنچا ہوگا۔ میرے دوست نے اس امر سے آگاہ کیا جس کا میں طالب تھا۔ مضمون کی تکمیل ہو گئی۔ اس کو معہ دو کتب ہندی بذریعہ رجسٹری بھیج رہا ہوں۔ امید کہ بچیاں میری کتابوں کو پڑھیں گی اور آپ کو کچھ مدد دیں گی تو غالباً آپ مسرور ہوں گے۔ ہاں صاحب اگر مضمون کو اس قابل سمجھئے کہ سب رس میں اسے جگہ ملے تو جگہ دے دیجئے گا ورنہ واپس کر دیجئے گا کسی اور کے کام آجائے گا۔ مرزا کی تصانیف کے طبع اوّل کے بارے میں صحیح علم لوگوں کو ہو اس خیال کو مدِّ نظر رکھ کر لکھا ہے۔ جب تک کتاب کی تقطیع نہ بتلائی جائے پتہ نہیں چلتا کہ کتاب کی ضخامت کیا ہے۔ میں نے ہر صفحہ کی سطروں کا بھی ذکر کیا ہے ممکن ہے کہ بعض لوگ اس امر کو غیر معروف سمجھیں اور ممکن ہے کہ یہ امر کسی کسی کے نزدیک اچھا ہو خیر جو ہو سو ہو جو کچھ سوجھا لکھ مارا۔ اچھا بچیوں کو سلام و دعا۔

بندہ مہیش پرشاد ۱۳ر اپریل ۱۹۵۱ء

(۲۵)

بنام ڈاکٹر زور

بندہ نواز! تسلیم۔

کالج بند ہونے سے پہلے بذریعہ رجسٹری کتابیں بھیجی تھیں اور ایک مضمون۔ کوئی اطلاع نہیں۔ میری صحت کبھی اچھی رہتی ہے کبھی خراب۔ میں اب امتحانی کاموں سے علیحدہ رہنا چاہتا ہوں۔ میرے ایک عزیز چاہتے ہیں کہ ان کو کہیں موقع آپ کے یہاں ملے چنانچہ کاغذ منسلکہ سے ان کا حال معلوم ہو جائے گا۔ ان کو اپنے یہاں موقع دیں تو شکر گزار رہوں گا۔ بچیوں کو بہت بہت دعا۔

بندہ مہیش پرشاد

٭ متحانات کے سلسلے میں پونہ گیا تھا تو میری دو لڑکیاں بھی ساتھ تھیں جن کی ہندی دانی سے مہیش پرشاد بہت خوش ہوئے تھے۔ (زور)

٭ مرزا محمد عسکری صاحب مراد ہیں۔

(۲۶)

بنام مالک رام

بندہ نواز!

نمستے۔ ایک لفافہ بھیج چکا ہوں۔ امید کہ پہنچا ہوگا۔

مقصد یہ ہے اس امر کا ہوں کہ کوئی مضمون بھیجئے جو کہ آل انڈیا اورینٹل کانفرنس بمبئی میں پڑھا جائے۔ یہ کانفرنس نومبر میں ہوگی۔ یہ بندہ اس میں عربی فارسی سیکشن کا پریسیڈنٹ منتخب ہوا ہے۔ یہ مضمون اگر آپ ستمبر میں بھیج دیں تو سہولت ہوگی۔ اس کے لئے میں خصوصیت کے ساتھ شکرگزار ہوں گا۔ مضمون میرے پاس ہی آنا چاہئے۔ شکریہ!

بندہ مہیش پرشاد!

(۲۷)

بنام مالک رام

بندہ نواز!

نمستے۔ ۱۳ اگست کا خط ملا۔ موضوع کیا بتلاؤں۔ غالب پر لکھئے۔ مصر کی عربی کے متعلق کچھ لکھئے۔

اتوار کے دن ڈپو کے ساتھ اگر کچھ نہ ہوا تو عدالت میں جاؤں گا۔ جہاں اب تک دو دن غالب پاس پیش کی ہے وہاں کچھ اور سہی۔

آپ آ جائیے تو اچھا ہوگا۔ خدا جانے کب تک میں کام پورا کر سکوں گا۔ جب کہ آپ تمام مواد کی نقل کے لئے خرچ کرنے کے لئے تیار ہیں تو تمام مواد ہی مناسب معاوضہ سے کیوں نہ لے لیں۔

ہندوستان میں کچھ نئے ٹکٹ چلے ہیں، ان میں سے کچھ بھیج رہا ہوں۔ کچھ ٹکٹ حیدرآباد کے بھی بھیج رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ آئندہ ان کا میسر آنا دشوار ہو۔ باقی سب خیریت ہے۔

بندہ مہیش پرشاد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس۔

(۲۸)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب آرزو

عزیزم!

سلام۔ غالب نمبر ملا۔ عرصے سے سخت منتظر تھا۔ اگرچہ آجکل کنووکیشن کے جلسے ہو رہے ہیں تاہم میگزین کو الٹ پلٹ کر کچھ نہ کچھ ضرور دیکھا اور اس سے بہت متاثر ہوا۔ غالب کے باب میں آپ نے جو کچھ کہا ہے اس سے کسی قدر اندازہ کر سکا ہوں کہ آپ نے کتنی تکلیف گوارا کی ہے۔ فقط کہنا یہ کہ آپ کی مساعی جمیلہ سے غالب کے حق میں بہت مفید کام ہو گیا ہے۔ اس کے لئے مبارکباد۔ خدا کرے کہ آپ کو مزید کامیابی نصیب ہو۔ غالب کے لئے ابھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ شکریہ۔ فقط!

مہیش پرشاد

بربنائے توسیع میدان شاعری حروف قریب المخرج کے ساتھ قوافی کو صحیح مانا ہے۔ چنانچہ شک اور سگ ۵۰۶ کا قافیہ درست مانتے ہیں۔ ترجمہ یا خود حدائق البلاغہ کے بیان میں قافیے کو ملاحظہ فرمایئے۔

عربی میں جو الفاظ یائے مقصورہ کے ساتھ ہیں ان میں سے ایرانی اکثر کا تلفظ یا اور الف دونوں سے کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غالبؔ بھی راضی کے قوافی میں تقویٰ اور عیسیٰ بھی لائے۔ عیسیٰ و مسیح عبرانی زبان کے الفاظ ہیں اور عربی میں عیسیٰ بھی اس کا تلفظ ہے۔ تسلی کو تسلّیٰ بھی پڑھ لیتے ہیں۔

صاحب ناسخ التواریخ کی ایک جلد محض بیان قافیہ میں ہے۔ اگر ہاتھ لگے تو اسے ضرور ملاحظہ فرمایئے۔ تاہم کی نسبت بہت کچھ معلومات کا اضافہ ہوگا۔

ایک کارڈ کے ذریعہ سے ضرور اطلاع دیجئے کہ میری تکو اس آپ تک پہنچ گئی اور آپ کا اطمینان ہوا یا نہیں۔ تاکہ مجھے بھی علم ہو جائے کہ میری خامہ فرسائی ٹھکانے لگی۔

علم عروض و قافیہ عجب ٹیڑھا علم ہے۔ اس کے اشکال کی وجہ سے بڑے بڑے شعراء نے بھی اس کی طرف توجہ نہ کی۔ درحقیقت کوہ کندن و کاہ برآوردن کا مصداق ہے۔ موزوں طبع فطری کو اس کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہوتی ہے نہیں معلوم کون سی بات نے آپ کو اس کی طرف منہمک کیا۔ والسلام خیر ختام

آپ کا خیر اندیش ہیچمدان سید اولاد حسین شاداں بلگرامی

۲۶ نومبر ۱۹۳۹ء (۱۴ شوال ۵۸ھ) یوم یکشنبہ

(۲)

<u>بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ</u>

شاداں نوازا! دام اللہ افاداتکم!

علیکم السلام ورحمۃ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی نظم تازہ میں نے پڑھی بہت محظوظ ہوا ع اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی۔ خدا نظرِ بد سے بچائے بہت خوب فرماتے ہیں۔ کلام میں پختگی اور زبان پر قدرت بھی پائی جاتی ہے۔ خدا آپ کو فائز المرام رکھے۔

جواب مستفسرات

زحاف نحر محقق طوسی کے عمل سے یہ اجتماع سلم و حذف ہے یعنی جس رکن آخر کے آخر میں وتد مفروق واقع ہوا اسے گرا دیا پھر بقیہ رکن سے ایک سبب خفیف حذف کر دینے کا نام نحر ہے۔ یعنی اس کو اجتماع جدع و کشف سمجھتے ہیں اگرچہ انہوں نے اس کی تصریح نہیں کی مگر ان کے عمل سے یہی نمایاں ہے لیکن یہ عمل رکن بہ ترتیب وار نہیں ہو سکتا ہے اور محقق کا عمل ترتیب وار چل سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یعنی اسقاط دو سبب خفیف اور اس کا ن تا سے مفعولات م بلا وقف کا نام جدع اور حرف ہفتم متحرک آخر وتد مفروق کے حذف کا نام کشف رکھتے ہیں۔ اس صورت میں اجتماع نقیضین لازم آتا ہے کیونکہ جب اس کا ن تا مفعولات کا نام جدع ٹھہرا تو پھر مفعولات میں حرف ہفتم جو رت ، ہے متحرک کہاں رہی جو حرف ہفتم متحرک وتد مفروق پہ عمل کشف حذف ہو یعنی کشف کا عمل حرف ساکن پر کیسے ہو لہٰذا ان دونوں کے اجتماع کا نام بھی نحر نہیں ہو سکتا ہے۔

زلل یہ اجتماع ہتم و تخبین ہے یعنی جس رکن آخر کے آخر میں دو سبب خفیف سے پیشتر ایک وتد مجموع ہو تو پہلے سبب آخر گرانا (یہ حذف ہوا) پھر سبب اوّل سے ساکن کو گرا کر اس کے متحرک کو ساکن کرنا (یہ قصر ہوا اور اجتماع حذف و قصر ہی کا نام ہتم ہے) بعدہٗ عمل تخبین وتد مجموع کے متحرک اوّل کو بسبب الف ماقبل و توالی سہ حرکات ساکن کرنا یہ عمل تو محقق طوسی کام میں لاتے ہیں مگر یہ نام نہیں رکھتے وہ اس کا نام مجروق ازل فرماتے ہیں کیونکہ وہ اہتم ہی کو پہلے ازل کہہ چکے ہیں۔

بعضے اس کو ہتم و خرم کا اجتماع سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ صریحاً غلطی پر ہیں کیونکہ ہتم ہمیشہ عروض و ضرب کے واسطے مخصوص ہے اور خرم صدر و ابتدا کے لئے خاص ہے لہٰذا دونوں کیسے جمع ہو سکیں گے۔

عمل محقق ٹھیک ہے۔ ظاہر ہے کہ رکن اہتم ہمیشہ رکن مکفوف کے بعد آتا ہے۔ اس صورت میں کف کے اخیر اور ہتم کی ابتدا میں باہم تخبین کر کے اس کا نام زلل کہہ سکتے ہیں۔

مفاعیلن سے (مفاعی بوجہ حذف پھر مفاع بوزن فعول جیسے بوجہ قصر (ہتم) رہا) پھر مثلاً کسی بحر میں مفاعیل فعول ہے چونکہ رکن مفاعیلُ کا لام متحرک اور رکن فعول کے (ف ع) متحرک ہیں یہ عمل تخبین (کیونکہ دونوں رکنوں میں مل کر تین متحرک متوالی ہو گئے بیچ کے متحرک کو ساکن کیا) تو مفاعیلُ فعولُ سے مفاعیلْف عول ہو گیا جو بروزن مفاعیلُن فاع ہے۔ اس صورت کا نام ازلی ہے۔

اس سے پہلے خط کے جواب میں عرض کر چکا ہوں کہ جدع کی یہ تعریف غلط ہے کہ "مفعولاتُ میں سے دونوں سبب خفیف کا حذف کر دینا" کیونکہ اتنی تعریف سے فاع بہ حرکت عین باقی رہے گا نہ بسکون عین اور رکن مجدوع فاع کو بسکون عین سب کہتے ہیں۔ لہٰذا منحور بھی جدع اور سقوط الف سے فَعَ بہ حرکت عین رہے گا نہ بسکون عین اس لئے یہ تعریف نحر کی غلط ٹھہری۔

اور زلل کی نسبت بیان زلل میں ذکر آ چکا کہ اجتماع خرم و ہتم کا نام نزد بعض زلل ہے اور اس تعریف کے صحیح ہونے کی علت بھی وہیں مرقوم ہے۔

زائد از استفسار

مکانفہ۔ جب دو سبب خفیف متوالی واقع ہوں خواہ ایک رکن میں جیسے مفاعیلن میں عیلن اور مستفعلن میں مستفْ خواہ دو رکن میں جیسے فاعلاتن فاعلاتن کے تن فا درمیانی۔ اگر ان دونوں سببوں کے دونوں ساکنوں کو گرا دینا ساتھ ہی جائز ہو یا ان دونوں ساکنوں کو بحال رکھنا ساتھ ہی جائز ہو یا ان دونوں ساکنوں میں سے ایک کو گرا دینا اور ایک کو بحال رکھنا ساتھ ہی جائز ہو تو ان تینوں حکموں کا علیحدہ علیحدہ نام مکانفہ ہے۔

عبداللہ خزرجی اس حکم کے قائل ہیں جیسا کہ میزان الافکار شرح معیار میں مرقوم ہے اور محقق اس حکم کے قائل نہیں جیسا کہ معیار الاشعار میں تحریر ہے۔ الغرض مکانفہ ایک حکم کا نام ہے زحاف کا نام نہیں۔ چونکہ معاقبہ اور مراقبہ، مکانفہ پر مبنی تھا اس لئے اس کا ذکر کیا گیا۔

معاقبہ۔ جب دو سبب خفیف کے دو ساکن متوالی تم کو ملیں (جیسے مکانفہ میں ملے تھے) اور ان دونوں ساکنوں کو گرا دینا ساتھ ہی جائز نہ ہو اس وقت غور کرو کہ دونوں کو بحال رکھنا ساتھ ہی جائز ہے یا نہیں۔ اگر دونوں کی بحالی جائز ہوئی اور ساتھ ہی

دونوں میں ایک کا سقوط بھی جائز ہوا تو اس طرح کے ثبوت اور سقوط کا نام معاقبہ ہے۔ مثلاً تم کو اختیار ہے کہ مفاعیلن کے اسباب کے ساکنوں کو نہ گراؤ اور مفاعیلن سالم رکھو اور پھر یہ بھی ساتھ ہی اختیار ہے کہ مفاعیلن کو خواہ مفاعیلُ بضم لام قائم رکھو خواہ مفاعلن بحذف یا۔ الغرض معاقبہ بھی ایک حکم کا نام ہے زحاف کا نام نہیں۔

زوائد بجائے افہام

صدر۔ جو رکن کہ بسبب معاقبہ مخبون ہو جائے جیسے فاعلاتن فاعلاتن سے فاعلاتن فعلاتن بن جائے۔ پس صدر زحاف کا نام نہیں بلکہ مزاحف کا نام از روئے حکم ہے۔

عجز۔ جو رکن بسبب معاقبہ مکفوف ہو جائے جیسے فاعلاتن فاعلاتن سے فاعلاتُ فاعلاتن بن جائے۔ یہ بھی حکماً مزاحف کا نام ہے، زحاف کا نام نہیں۔

طرفین۔ وہ رکن جو بہ عمل معاقبہ مشکول ہو جاتے جیسے فاعلاتن فعلاتُ فاعلاتن۔ یہ بھی زحاف کا نام نہیں بلکہ از روئے حکم مزاحف کا نام ہے۔ طرفین میں دونوں طرف سے ایک ایک ساکن سبب خفیف کا اوّل و آخر گر جاتا ہے جیسے فاعلاتن سے فعلاتُ۔ گویا معاقبہ دونوں طرف اپنا عمل کرتا ہے۔

بری۔ وہ رکن جس میں عمل معاقبہ ہو سکتا ہو اور وہ اس عمل سے بچ جائے مثلاً مفاعیلن کو مفاعلن بہ عمل قبض یا مفاعیلُ بہ عمل کف کر سکتے تھے مگر نہ کیا اور اس سے بری رکھا۔

فائدہ۔ مکانفہ بحر سریع، منسرح، بسیط اور رجز میں مستعمل ہے۔ معاقبہ بحر منسرح، رمل، وافر، ہزج، خفیف، مجتث طویل، کامل اور مدید میں واقع ہوتا ہے۔ مراقبہ بحر مضارع، مقتضب، ہزج، قریب، طویل اور وافر میں وارد ہوتا ہے۔

مراقبہ۔ جب سببین خفیفین کے متوالی دو ساکن کسی بحر میں پائے جائیں جیسے معاقبہ میں تھے اور ان دونوں کو بحال رکھنا ساتھ ہی جائز نہ ہو تو بالضرور ایک کا سقوط اور ایک کی بحالی واجب ہوگی۔ پس ایسے دو ساکنوں میں سے ایک کے سقوط اور ایک کے ثبوت کا نام ہے۔ مثلاً مفاعیلن سے اگر یائے تحتانی بہ عمل قبض گرائی جائے تو نون بحال رہے گا اور اگر نون بہ عمل کف گرایا جائے تو یائے تحتانی بحال رہے گی۔ یہ حکم مراقبہ ہی کا زور ہے جس سے مفاعیلن میں ایک ساتھ قبض اور کف اور ارکان فاعلاتن فاعلاتن کے درمیان نون فا میں ایک ساتھ کف و خبن نہیں آسکتے۔ مراقبہ بھی زحاف نہیں بلکہ حکم کا نام ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں معاقبہ اور مراقبہ کو سمجھ نہ سکا۔ میں خود ہی کیا سمجھتا ہوں جو کسی دوسرے کو سمجھاؤں ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔

سن میلادی سے عمر ۶۹ اور ہجری سے اکہتر ہے۔ دماغ کو تو ابھی صحیح پاتا ہوں، ممکن ہے ایسا سمجھنا بھی غلط فہمی پر مبنی ہو، مگر حافظہ میں نقصان شروع ہو گیا ہے لہٰذا اپنی تحریر پر اعتماد نہیں ہو سکتا۔

قافیہ کی تعریف آپ کو مسلّم لیکن استحسان اور ترجیح میں آپ کو کلام ہے۔ آپ سکندر اور قلندر کے قوافی کو اختر کے ساتھ قافیہ کرنے سے مستحسن سمجھتے ہیں اس کی بابت ملاحظہ فرمائیے۔

ماہرین علم قافیہ نے روی سے پہلے چار حرف ردف، قید، دخیل و تاسیس قرار دیتے ہیں اور بعد روی چار حرف ردّ عمل

خروج، مزید، نائرہ یا مانتے ہیں اور روی مستقل کو روی غیر مستقل پر ترجیح دیتے ہیں۔

سکندر اور قلندر کے قوافی میں اگر حرف را کو روی قرار دیں تو اس سے ماقبل کے حرف دال اور نون۔ روی سے پہلے کے چار حرفوں میں سے کسی ایک میں ان کا شمار نہیں ہوتا اور اگر نون کو روی قرار دیں تو دال اور را، وصل اور خروج کی تعریف میں نہیں آتے کیونکہ وصل اور خروج حروف غیر مستقل ہوتے ہیں اور یہ مستقل ہیں۔ لہٰذا قلندر اور سکندر کا قافیہ مجردہ ہوا، آخر بھی قافیہ ان کے ساتھ مجردہ ہے۔ بحیثیت علم قافیہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں۔

علم بلاغت کے فن بدیع کے لحاظ سے قلندر اور سکندر میں صنعت لزوم مالایلزم ضرور ہے اور فن بدیع میں وجوہ محسنات کلام ہی کا ذکر ہوتا ہے۔ جب کوئی صنعت کلام یا الفاظ میں پائی جاتی ہو تو از روئے فن بدیع غیر صنعت والے کلام سے اس کو ضرور مستحسن مانا گیا ہے اور کل صنائع بدائع ضروری نہیں۔ ہونا ان کا نہ ہونے سے بہتر ہے اور کسی بات کو ان کے عمل دینے سے کئی طرح سے ادا کر سکتے ہیں۔

صندوق اور بندوق کا قافیہ سکندر اور قلندر سے بھی اچھا ہے کیونکہ حرکت و سکون و تعداد حروف میں بھی برابر ہیں اور ہم جنسی اعراب میں بھی متساوی ہیں۔ پھر مطبوع بمعنی پسندیدہ اور مطبوع بمعنی چھاپ زدہ اس سے بھی اچھے قوافی ہیں لیکن اگر اس قسم کے قوافی غیر ضروری کو ضروری قرار دے لیا جائے تو معدودے چند قوافی ملیں گے اور اظہار خیالات کے لئے کفایت نہ کریں گے۔ مستحسن قوافی کو فن قافیہ مانع تو نہیں ہے اور نہ ان کو برا بتاتا ہے۔ اہل فن بھی تو علم بدیع کے لحاظ سے ایسے قوافی کو اچھا ہی کہتے ہیں۔ پھر آپ کے خیال نے کوئی جدت تو پیدا نہ کی۔

لفظ معنی کا تلفظ MĀNĪ (मानी) اور MĀNĀ (माना) اور عیسیٰ کا تلفظ ISI (ईसी) اور ISĀ (ईसा) زبان اردو میں بھی دونوں طرح ہے چنانچہ عیسیٔ دوراں کے الفاظ سے کسی طبیب کو مخاطب کرتے ہیں اور ISIYAY DAURAN پڑھتے ہیں۔ البتہ اردو میں تقویٰ TAQVA (तक्वा) کا تلفظ تقوی (तक्वी) TAQVI نہیں ہے۔

چونکہ "بھی اور راضی" وغیرہ کو (بھا اور راضیا) نہیں پڑھ سکتے اور عیسیٰ اور معنیٰ بھی اردو اور فارسی میں تلفظ کئے جاتے ہیں لہٰذا "بھی اور راضی" کے تتبع میں عیسیٰ اور معنیٰ پڑھیں گے نہ عیسا اور معنا۔

تحقیق و تدقیق بہت اچھی چیز ہے۔ یہ مادہ جس کو عطا ہو تو یہ قدرت کا عطیۂ عظمیٰ ہے۔ جب آپ صحت دماغ کے ساتھ قابلیت بھی رکھتے ہیں تو پھر آپ کا کام قابل تحسین اور رائدہ کبھی نہ ہوگا۔ ضرور آپ کی تصنیف اس فن میں زبان اردو میں قابل قدر اضافہ ہوگی۔ امید ہے کہ طبع ہو جانے کے بعد اس سے استفادہ کرنے سے آپ مجھے محروم نہ رکھیں گے۔

ظاہر ہے کہ اس کے لکھنے میں علاوہ دماغ سوزی کے اچھا خاصا وقت بھی صرف ہوا ہے لہٰذا ایک کارڈ کے ذریعے سے اس کے پہنچنے سے اطلاع بخشیں گے تاکہ مجھے بھی اطمینان ہو جائے کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ والسلام خیر ختام۔

خیرخواہ سید اولاد حسین شاداں بلگرامی

رامپور اسٹیٹ (یوپی) محلہ لال مسجد۔ ۸ دسمبر ۳۹ و ۲۶ شوال ۵۸ھ یوم جمعہ

---

(۳)

<u>بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ</u>

شاداں نوازا!

علیکم السلام - آپ اس سے پہلے کے مستفسرات کے جوابات سے فی الجملہ مطمئن ہونا تحریر فرماتے ہیں - جو کمی رہ گئی ہو دوبارہ لکھئے تو دوسری سعی کروں - شاید تسلی کامل ہو جائے - ممکن ہے کہ میں پورے طور سے تشریح نہ کر سکا ہوں یہ بھی پہلے ہی لکھ چکا ہوں ؎ او خود گم است کرا رہبری کند -

مفاعیلن میں شتر کو عمل دینے سے میم مفاعیلن مجموع کا اور عی کی ری ، جو بسبب تخفیف کی ہے گر گئی تو فاعلن رہ گیا - کیونکہ شتر نام اجتماع خرم و قبض کا ہے - لہٰذا ہزج مثمن اشتر کا وزن - فاعلن مفاعیلن - فاعلن مفاعیلن ہوا یعنی رکن اول و سوم اشتر ہے اور دوم و چہارم سالم -

یہ نام وہ لوگ رکھتے ہیں جو بحور مثمنات مسمطات چہار گوشہ کے چار ٹکڑے برابر کے کر کے رکن سوم و ہفتم کو بمنزلہ صدر اور ابتدا کے قرار دیتے ہیں کیونکہ شتر اجتماع خرم اور قبض کا نام ہے اور خرم ارکان صدر و ابتدا سے مخصوص ہے لہٰذا اسے حشو میں نہ آنا چاہیئے - پس تیسرا رکن فاعلن ان کے نزدیک اشتر نہ ہونا چاہیئے - اس لیئے ان کو یہ تاویل کرنا پڑی کہ یہ بحر چونکہ مسمط چہار گوشہ ہے اس لیئے مثمن کو مربع مانا نب رکن سوم و ہفتم محل صدر و ابتدا میں آگیا اور شتر کا لانا جائز ہو گیا -

یہی وجہ ہے کہ بحور مسمطات چہار گوشہ میں ارکان دوم اور چہارم و ششم میں تین اور نئے قافیے علاوہ قافیہ غزل یا قصیدہ لاتے ہیں اور انہیں ارکان میں تسبیغ و اذالہ بھی لے آتے ہیں حالانکہ قوافی اور تسبیغ و اذالہ اواخر شعر سے مخصوص ہیں ان کے اس عمل کی یہی تاویل ہے جو مرقوم ہوئی -

حافظ   از در رم در آ سر مست تا زنم بشادی دست
روشنی بما پیوست ، راستی بمہ مانی

چنانچہ شعر مذکور کا وزن فاعلن مفاعیلان - فاعلن مفاعیلان ہے - مانی اور دانی اصلی قوافی غزل کے ہیں مگر یہ تین قافیے مست ، دست ، پیوست ، غیر قوافی غزل لائے جن میں سے مست اور پیوست حشو میں واقع ہوئے ہیں - ساتھ ہی ان میں زحاف تسبیغ بھی ہے - حالانکہ قافیے اور تسبیغ کا محل عروض و ضرب ہے نہ حشو -

جو لوگ شتر و ضرب و خرم وغیرہ کو حشو میں لانا ناجائز جانتے ہیں اور تاویل مذکور کو پسند نہیں کرتے وہ اس بحر مزاحف فاعلن مفاعیلن ، فاعلن مفاعیلن کو اشتر مکفوف مقبوض محبق کہتے ہیں جیسے حافظ فرماتے ہیں ؎

جمع کن باحسانے حافظ پریشاں را
اے شکنج گیسویت ، مجمع پریشانی

دونوں اخشار کا اصلی وزن مفاعیلن مفاعیلن ہے - پہلے حشو میں کف کیا تو مفاعیلُ ہوا اور دوسرے حشو میں قبض کیا تو مفاعلن ہو گیا - اب مفاعیلُ مفاعلن جو دو رکن ہیں ان کے درمیان میں تین متحرک متوالی ہو گئے - لُ مُفَا ، بذریعہ زحاف تحبیق میم متحرک

دربیانی کو ساکن کیا تو مفاعیلْن فاعلْن ہوگیا جس کا وزن مانوس مفاعیلن فعلن ہے۔ اس صورت سے پورا وزن فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن ہوگیا اور بحر کا نام ہزج مثمن اشتر مکفوف مقبوض مخبون ہوا۔

یہ امر قرینِ عقل ہے کہ جتنے کم سے کام نکلے تو زیادہ کو کیوں دخل دیا جائے۔ لہٰذا یہ بحر ہزج مثمن اشتر مسمط چہار گوشہ ہے۔ مسمطات میں عین قافیے لانا مستحسن ہے اور ترنم میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ واجب و لازم نہیں۔ جو بحر چار برابر کے حصوں پر تقسیم ہوجائے وہ مسمط کہلاتی ہے۔

آپ صرف اشارات چاہتے تھے مگر مجھ سے بنا بر عادت بکواس ہوگئی۔ معاف فرمایئے گا اس بیان کو آپ کے استفسار سے زیادہ تعلق نہیں مگر امید ہے کہ افادہ سے بھی خالی نہ ہوگا۔

اگر بیان اول کو صحیح نہ مانیں تو تسبیغ و اذالہ حشو و دربیانی کی بعض مقامات پر کوئی تاویل نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ تسبیغ و اذالہ عروض و ضرب سے مخصوص ہیں اور کلام اساتذہ میں حشو میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

بحر مثمن مقتضب مطوی مسکن کا وزن فاعلات مفعولن، فاعلات مفعولن دو بار ہے۔ چونکہ اصل مفعولات مستفعلن چار بار ہے لہٰذا مستفعلن ہر جگہ مطوی مسکن ہے اور مفعولات مطوی ہے۔ مستفعلن میں طی کرنے سے مستعلن رہتا ہے تعلن میں تین متحرک متوالی ہیں لہٰذا دربیانی عین متحرک کو ساکن کیا تو مستعلن بروزن مفعولن ہوگیا اور مفعولات میں طی کرنے سے مفعلات بروزن فاعلات ہوجاتا ہے لہٰذا ناسخ کا یہ شعر مقتضب مطوی مسکن ہے ؎

سننے والے روتے ہیں، اپنی نیند سوتے ہیں
ان پر نوحے ہوتے ہیں، اپنی وہ کہانی ہے

اس وزن کو ہزج مثمن اشتر مکفوف مقبوض مسکن بھی کہہ سکتے ہیں لیکن زحاف کے حساب سے اس کو مقتضب ہی میں شمار کرنا اولیٰ ہے بلکہ ہزج کے اس وزن کو بھی مقتضب ہی سمجھنا انسب ہے۔ کیونکہ آسانی مقتضب ہی میں ہے۔ اس لئے کہ ہزج کا وزن ماننے میں چار زحافوں کو دخل دینا پڑتا ہے اور مقتضب ماننے میں صرف دو زحاف طی اور تسکین سے کام نکل جاتا ہے۔

میں نے جو اوزان ہزج اور مقتضب کے برابر بتائے اور ان کا نام بھی لکھا وہ تو البتہ مساوی ہیں۔ آپ جو فاعلن مفاعیلن (ہزج اشتر) کو فاعلات مفعولن مقتضب مطوی مقطوع کے برابر بتاتے ہیں۔ مجھے یہ دونوں اوزان تو برابر نہیں معلوم ہوتے یا میں مساوات کو سمجھ نہ سکا۔

دو وزن مختلف میں اگر کوئی شعر پڑھا جاسکے تو اس کو صنائع میں شمار کرتے ہیں اور اس کا نام ذو بحرین ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وزن تو ایک ہو اور نام اس کے مختلف ہوں بوجہ دخل زحافات، اور اس میں کچھ ہرج نہیں۔ جس سے استخراج اسم کی سہولت ہو نام وہی رکھیں گے۔ جیسا کہ میں نے اوپر بتایا کہ ہزج سے اسے مقتضب کہنا انسب و اولیٰ ہے۔

بحر منسرح مفتعلن فاعلن چار بار — ظہوری

بند نقاب کشم تیغ و ترنج آورم
یوسف و یعقوب را کف بریدن دہم

بیر نقی تیر ـــ

تیر نہیں پیر تم کاہلی اللہ رے		نام خدا ہو جوان کچھ تو کیا چاہئے

اس وزن کو بحر بسیط میں مطوی کر کے لاتا ہوں ہے جب تک کہ اس کے ساتھ کے کسی شعر میں وقف درمیانی نہ ملے۔ ظہوری ـــ

فرق ہر دم چو پیش دست نگہداشت زخم
در پس زانوئے بیف لب بگزیدن دہم

بیر زکی دہلوی ـــ

بیٹھ تو پہلو میں یار، کچھ تو ہو دل کو قرار
تو جو گیا اے نگار، صبر و تحمل کہاں

ان دونوں شعروں میں فاعلات مابین یعنی وقفہ وسطی موجود ہے اس لئے پوری غزل منسرح میں سمجھی جائے گی۔

بارش ضیا ہوئی، آبشار نور سے		آسماں جھپک اٹھا حسن کے وفور سے

فاعلن مفاعلن اس کا وزن ہے جیسا کہ آپ نے لکھا اور بحر بھی ہزج اشتر مقبوض ہے۔

شعر بالا کا یہ وزن فاعلات فاعلن نہ میرے خزانۂ خیال میں ہے نہ کتب عروض کی سرسری الٹ پلٹ سے مجھے ملا۔ نہ اپنی سعی سے میں بحور مسلمات کے ضروب میں داخل کر سکا۔

مفتی سعد اللہ صاحب رام پوری اپنی کتاب میزان الافکار شرح معیار الاشعار محقق طوسی کے رسالہ رباعی میں تحریر فرماتے ہیں کہ رباعی کے اوزان میں تو زحافوں کو دخل دینے سے اسی ہزار وزن بن سکتے ہیں جن میں سے صرف چوبیس اوزان کو اساتذۂ فن نے انتخاب کیا ہے۔

اسی طرح دس ارکان میں باون چوّن زحافات کو دخل دینے سے لاتعداد بحریں بن سکتی ہیں جن میں سے پانچ چھ سو بحور و ضروب کو اپنے مذاق کے موافق اساتذہ نے اختیار کیا اور باقی کو خوش آئند نہ پا کر ترک کر دیا۔

یہ بات ہو یا کوئی اور بات بہرطور اس وزن کو میں کسی بحر کے تحت میں لانے سے بھی عاجز ہوں۔

یہ تو میں لکھ چکا ہوں کہ اس فن کو یا کسی دوسرے فن کو میں جانتا نہیں۔ اللہ نے طلاب کے بہکانے کو میرے لئے وسیلۂ رزق بنا دیا ہے لہٰذا الٹا سیدھا ان چیزوں میں دخل بیجا دیا کرتا ہوں۔

میر شمس الدین فقیر دہلوی نے اپنی کتاب حدائق البلاغہ میں تعریف شعر میں قصد متکلم کو تحقق نفس شعر میں واجب سمجھا اور دلیل یہ پیش کی کہ کوئی فرد ایسا نہیں کہ جس سے بے قصد کلام موزوں نہ صادر ہو جاتا ہو لہٰذا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر انسان شاعر ہے اور یہ بدیہی البطلان ہے۔ کیا عجب ہے کہ اس کے ترجمہ میں بھی قصد کو واجب ٹھہرایا ہو۔

اور یہ مغالطہ ہے کیونکہ مابہ الامتیاز درمیان نظم و نثر وزن ہی ہے۔ جب کسی کلام میں وزن عروضی پایا جائے چاہے بالقصد اس میں وزن رکھا گیا ہو یا بلا قصد موزوں ہو گیا ہو۔ وزن کے ہوتے ہوئے وہ شعر ضرور ہے۔ ہاں جس سے وہ کلام موزوں صادر ہوا ہے۔ اگر وہ دوسرا شعر نہیں کہہ سکتا تو وہ شاعر البتہ نہیں۔ کلام موزوں بے قصد شعر کیوں نہیں ذکر تو شعر کا تھا اور استدلال

شاعر ہونے یا نہ ہونے سے کیا۔

"ملا کی دوڑ مسجد تک" پھر آگے کیا عرض کروں۔ والسلام خیر ختام

ایچمدان: سید اولاد حسین شاداں بلگرامی

رامپور اسٹیٹ یو۔پی محلہ لال مسجد ۱۸ دسمبر ۱۹۳۹ء ذیقعدہ ۵۸ھ، یوم دوشنبہ

تقوی کے ROOT کو لغات عربیہ میں دیکھئے۔ آخری حرف اس کا ی ہے یعنی ناقص یائی ہے۔ اس لئے مجھ TAQVI ہی تلفظ کرتے ہیں۔

حکومت برطانیہ کے محکموں میں ڈاک خانہ کا انتظام گو بہت اچھا ہے مگر پھر بھی بعض عوارض سے بعض اوقات خطوط تلف بھی ہو جاتے ہیں۔

---

(۴)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

MOHALLA LAL MASJID

RAMPUR STATE, U.P

شاداں نوازا!

علیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ ۲۹ دسمبر کو آپ کا عنایت نامہ ملا۔ اس خط میں آپ نے مجھے لفظ "استاد" سے مخاطب کیا ہے۔ بر بنائے رسم و رواج یہ نسبت محقق نہیں۔ لوگ علماء دین سے استفادہ کرتے ہیں مگر مستفتی مفتی کے شاگرد عرف عام میں نہیں کہلاتے۔ علاوہ اس کے اس آخری عمر میں بھی میں خود ہی متعلم جہل معتم ہو گیا۔ ہاں اس حدیث مبالغہ آمیز من تعلم حرفاً فھو مولاہ سے تمسک کیا جائے تو سکوت کرنا پڑتا ہے۔

ماہرین فن عروض نے اصول اولی عروض کے اسباب و اوتاد قرار دیئے ہیں (جب کہ فواصل کو لغو سمجھا جائے) اور انہی اسباب و اوتاد کے لحاظ سے استخراج بحور کرتے ہیں مثلاً مفاعیلن مفاعیلن کی ترکیب وتد مجموع مقدم بر دو سبب خفیف سے ہے اب اگر وتد مجموع کو چھوڑ کر سبب اول سے شروع کریں تو عیلن مفا بروزن مستفعلن ہو جاتا ہے اور دوسرے سبب خفیف سے شروع کریں تو لن مفاعی بروزن فاعلاتن ہو جاتا ہے۔ یہ صورت استخراج بحر مسلم نہیں کہ اوتاد کے بھی ٹکڑے کر ڈالیں۔ جو صورت آپ نے اختیار کی ہے یعنی مفاعیلن کے میم متحرک کو اس سے ماقبل کے رکن میں شریک کر کے اس کو فاعلات کر لیا اور باقی فاعیلن کو مفعولن سے بدل کر فاعلات مفعولن بنا لیا۔

اس طرح کے اجزا اگر کئے جائیں تو اوزان علاوہ مسلمات نکل آئیں گے جو بعضے مسلمات سے مشابہ ہوں گے اور بعضے بالکل نئے۔ ممکن ہے کہ بعض ان نئے بحروں میں سے مترنم بھی ہوں اور بعض مذاق سلیم پر ناگوار ہوں۔ آپ کے اصول سے فعولن فعولن فعولن فعولن سے فعلات فعلات فعلات فعلات بھی ایک بحر مستخرج ہو سکتی ہے۔ اس سے پہلے ایک بحر آپ نے پوچھی تھی اور میں نے اس کے نام بتانے سے اظہار عجز کیا تھا شاید اسی طرح آپ نے نکالی ہو گی اور یہ ٹکسال باہر ہے۔

یہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ انہی ارکان عشرہ سوالم اور ارکان مزاحف سے لاتعداد اوزان اور بھی نکل سکتے ہیں مگر اساتذۂ فن نے انہیں اپنے مذاق کے موافق غیر متزنم مان کر ترک کر دیا۔

انہی بحور مسلمات سوالم میں دیکھیے۔ اہلِ عرب رمل مثمن سالم کو بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔ اہلِ عجم شاذ و نادر اور اہلِ ہند ناموزوں سمجھتے ہیں۔ اہلِ عرب ہزج مثمن سالم کو ناموزوں بتاتے ہیں۔ وہ صرف مسدس لاتے ہیں۔

اس سے پہلے خط میں تسبیغ و اذالہ حشوی کے جواز و عدم جواز دونوں کے اقوال لکھ چکا ہوں۔ یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ بحور مسلمات میں نوانکار جواز بوجہ کثرتِ استعمال مان ہی لینا پڑا۔ لہٰذا اس بارے میں اب آپ کا کچھ لکھنا عبث ہے۔ یہی حال خرم کا بھی ہے کہ علاوہ صدر و ابتدا اگر درمیان میں کوئی دوسری تاویل سے خرم درمیانی کو بنا سکتے ہیں تو اساتذہ کی تنقیص کیوں کریں اور ان کے قانون کو کیوں توڑیں۔

فعلن فعولن، فعلن فعولن ۔ چونکہ بحر مسمط ہے لہٰذا تیسرے اور ساتویں رکن میں ثلم لانا جائز ہے اور دوسرے اور چھٹے رکن میں تسبیغ جائز ہے۔

جی چاہے یوں تاویل فرمائیے۔ اصلی وزن فعولن فعولن فعولن فعولن ہے۔ صدر فعولن میں ثلم کیا تو عولن بروزن فعلن ہوا پھر دوسرے رکن یعنی حشو اول میں قبض لائے تو دوسرا رکن فعول ہوا اور تیسرا فعولن ہے لہٰذا فعول فعولن میں (لُ + فَ + عُ) تین متحرک متوالی اکٹھا ہو گئے لہٰذا بہ عمل تخبیق فاصلے درمیانی کو ساکن کیا تو فعولُف عولن بروزن فعولن فعلن ہو گیا۔ اس طرح ثلم درمیانی کا جھگڑا اٹھ جاتا ہے اور اس کا نام متقارب مسمط مثمن اثلم مقبوض مخبق ہو جائے گا۔ لیکن بعض جگہ یہ تاویل کام نہیں دیتی ہے جیسے شعر حزیں ؎

دیدی چہا کرد غم با دلِ من رسوا ملا من شیدا دلِ من

فعلن فعولان، فعلن فعولن۔ یہاں تاویل اوّل کام نہیں دیتی لہٰذا رکن دوم میں تسبیغ اور رکن سوم میں بوجہ تسمیط ثلم ماننا پڑے گا۔ وزن مصرع اول

اگرچہ خرم اور ثلم کا عمل ایک ہے پھر بھی ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ خرم رکن سباعی سے اور ثلم رکن خماسی سے تعلق رکھتا ہے اور صدر و ابتدا سے دونوں مخصوص ہیں۔

جوابات مزید استفسارات

(I) ONOMATOPOEIA = IMITATIVE SOUND

جو شعر آپ نے لکھا ہے اس میں دون دون نقل آواز نقارہ نہیں ہے بلکہ محض بمعنی خوار و ذلیل ہے۔ یہ شعر البتہ آپ کی بات کا حامل ہے ؎

ز نقارہ آواز آمد بروں کہ دونست و دونست گردون دوں

پہلے دو دون نقل آواز نقارہ کی طرف ایہام ہے اور تیسرا دون بمعنی خوار و ذلیل اور ان دو معنوں کے دون میں تجنیس تام ہے اور گردون، دون میں کہہ سکتے ہیں کہ تجنیس مضارع ہے۔ اگرچہ اہلِ فن دو حرفوں کی زیادتی صرف آخر لفظ میں تجویز کرتے ہیں اور اوّل و وسط میں ایک حرف کی زیادتی مانتے ہیں جیسے شکوہ اور کوہ میں۔

آنوسے ٹوپیا کو کوئی صنعت نہیں قرار دیتے اور اس کا نام مکابت العصوت رکھتے ہیں۔

(۲) عربی بحور کی تو کچھ حالت نہ پوچھیے۔ ملاحظہ ہو حسان بن ثابت

بِمِنَ الصَّبِیِّ بِجَانِبِ الشِّعَارِ　　　مُنْتَقٌ غَیْرُ ذِی مَعْشَرِ

اوّل تو شعر مقتدرہے۔ پھر بابا کا رُن کا ہے مزید برآں متفاعلن میں مستفعلن ٹھنسا ہوا ہے۔
لمنص صبی متفاعلن - ی بجانب متفاعلن بطعاتے مل مستفعلن۔ تن غیر ذی مستفعلن، معشرن فعولن مذاق اہل عرب کے سوا ایسا شعر کب شعر کہلانے کا سزاوار ہو سکتا ہے۔ لہٰذا استقری نے متفاعلن میں مستفعلن ٹھونسا تو کیا بُرا کیا؟

اور وزن کامل کا عربی میں ملاحظہ ہو:

و لقد سیقتہم الی فلم نزعہ وانت آخر بر وزن متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن۔ یہ زفیل گولی مارنے کے قابل ہے۔

(۳) بحور سوالم مسمطات کے کسی رکن میں آپ اذالہ و تسبیغ کو اپنے فتوے سے جائز نہیں سمجھتے حالانکہ اہل فن نے بلاقید مطلقاً اذالہ و تسبیغ کو عروض ضرب میں جائز مانا ہے۔ ہاں دقیق النظر اذالہ و تسبیغ بر نون غنہ کو مستحسن بوجہ عدم ثقالت سمجھتے ہیں اور غیر نون غنہ کو بوجہ ثقالت مکروہ قرار دیتے ہیں لہٰذا ہما تنظ کے شعر کے جواب وہ آپ ہیں نہ اہل فن اور کسی شاعر کا کلام مسدد و غیر مسمط دونوں میں تسبیغ و اذالہ عروضی و ضربی سے آپ خالی نہ پائیں گے۔ آپ عدم تساوی اجزا کی وجہ سے سمطات میں اذالہ و تسبیغ نہیں چاہتے مگر کیا کیا جائے کہ شعار قوم شعرا یہی واقع ہوا ہے۔ آپ بھی طوعاً و کرہاً سرِ تسلیم جھکائیے اور بزرگداشت پر عمل کیجیے۔

تعریف شعر

مولانا روحی صاحب دبیر عجم کے باب ہشتم عنوان حقیقت شعر کے ذیل میں فرماتے ہیں۔ علماء عربیت تعریف شعر یوں فرماتے ہیں:

کلام موزوں مقفی جو متکلم کے قصد سے صادر ہو۔

محمد بن قیس رازی صاحب معیار العجم کے نقل قول میں لکھتے ہیں کہ محمد بن قیس نے تقریباً وہی باتیں کہی ہیں جو اوپر ذکر ہو چکیں (یعنی نین اجزا اور ردو لوازم) اور اصطلاح میں اس کو کلام کہتے ہیں جو متکلم سے قصداً صادر ہو اور خوبی معنوی کے علاوہ موزوں مقفی اور مکرر ہو یعنی ایک مصرع نہ ہو۔ دبیر عجم میرے پاس نہیں اس کا خلاصہ "منشور حکم" ہے۔ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا ہے تو دبیر عجم میں بھی قید قصد متکلم ضرور ہے۔ آپ سے نقل کرنے میں بدسخنے سست اندیشیدہ" سے پہلے کی عبارت رہ گئی۔ وہ بیچارے کیا کریں علاوہ محقق طوسی تقریباً کل قید قصد ضرور لگاتے ہیں اور اس قید سے اپنے نزدیک قرآن کو مستثنیٰ کرنا چاہتے ہیں BUTIN VAIN -

قصد کی قید لگانے سے اور زیادہ مبتلائے عذاب ہو گئے اس لئے کہ خدا کا فعل اضطراری ٹھہرا اور غیر بدیہ ہو گیا جبکہ قرآن میں آیات موزوں موجود ہیں۔ ناسمجھی سے قصد اور عمد میں فرق قرار دیتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ انسانوں میں تو ان دونوں میں فرق کر لو۔ مگر خدا کی نسبت سے ان میں فرق نہیں ہو سکتا لہٰذا اس صورت سے بھی چھٹکارا نہیں ہوتا۔

اگر بحث ہے تو اس طرح سے ہے کہ مصاریع مختلفہ پر اطلاق شعر کا نہیں ہوتا اور قرآن مجید میں اگر کلام موزوں

ملتا ہے تو وہ معمار یع ہی ہیں۔ ایک آدھ شعر بھی ملتا ہے مگر وہ آیت کا کوئی لفظ چھوڑ کے شعر ہوتا ہے۔ قطع و برید کر کے تو ہر نثر سے بھی شعر بنا سکتے ہیں۔

جہاں مذمت شعر کی یا شعرا کی آیات و احادیث سے پائی جاتی ہے وہاں مدح بھی ملتی ہے جیسے ان من الشعر لحکمہ الشعراء تلامیذ الرحمٰن۔ نبی ؐ نے کعب بن زہیرؓ کو اس کے قصیدے پر انعام دیا جو قصیدہ بردہ کے نام سے مشہور ہے۔ حسان بن ثابتؓ کی تعریف کی ہے۔

وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ۔ ذاتِ نبوی کے بارہ میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا اور نہ ان کے لئے سزاوار ہے۔ اس سے مذمت شعر نہیں نکلتی۔

جس نبی کے زمانے میں جس فن کو رواج زیادہ تھا اس زمانے کے نبی کو اسی فن میں صاحب اعجاز بنا کر مبعوث کیا جاتا تھا۔ حضرت موسیٰ کے وقت میں سحر کو رواج تھا اس لئے ان کو عصائے باطل السحر ملی۔ حضرت عیسیٰ کے زمانے میں طب کا زور تھا ان کو علاج کا معجزہ عطا ہوا۔

ہمزہ والے سوال کا جواب اسی خط میں ضمناً موجود ہے۔ کوئی ہمزہ جب وزن میں آتا ہو تو اس کو برابر ایک حرف کے مانتے ہیں۔ جن الفاظ۔ کے آخر میں ہمزہ ہو اس کو ایرانی اور ہندی موزوں ہی میں نہیں لاتے جیسے حیاء، وفاء، دعاء، عرب بروزن فعول اور ایرانی و ہندی بروزن فعَل نظم کرتے ہیں یعنی حیا، وفا، دعا۔ فن تاریخ گوئی میں (ی) مان کر دس عدد لیتے ہیں۔ مثلاً "چاہئے" اس کے انتیس ۲۹ عدد لئے جائیں گے اور "جائیے" کے چونتیس۔ پہلے الف ممدودہ کو (ا۱) اس طرح لکھتے تھے تو دو عدد لیتے تھے اب اس طرح (آ) لکھتے ہیں اس لئے ایک عدد لیتے ہیں۔

اگرچہ میرا قلم مہذار ہے مگر ناواقف کے لئے افادہ سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ کوئی بات کسی سے ذہانت کی نکلے تو طبیعت محظوظ ہوتی ہے۔ اگر لگتی ہوئی اور چسپاں بات نہ ہو تب بھی جواب دیتا ہوں۔ تحمیق و تضحیک کسی حالت میں نہیں کرتا۔

معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد کا مصداق ہوں۔ سوالات سے مجھے خود کچھ فکر کرنے کا موقع ملتا ہے اس لئے شکر گذار ہوتا ہوں نہ شاکی۔

نوٹ:- ذال کی جگہ زائے معجمہ لکھنے کے خلاف ہوں اس لئے گذارش کو ذال سے لکھا، وجوہ بیان کرنے کا محل نہیں۔

والسلام خیر ختام۔ سید اولاد حسین شاداں بلگرامی۔ یکم جنوری ۱۹۴۰ء

(۵)

<u>بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ</u>

شاداں نوازا!

تسلیم۔ کل آپ کا عنایت نامہ ملا۔ یاد فرمانے کا شکریہ۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آپ نے "استاذی المعظم" لکھا تھا۔ جبھی تو میں نے عرض کیا تھا کہ یہ نسبت میرے آپ کے درمیان متحقق نہیں۔ اگر مرے

استاذ الاعظم لکھا تھا چونکہ مخاطبہ میرے ساتھ غائب بھی ذہن اسی طرف منتقل ہوتا ہے کہ آپ مجھے اپنا استاد فرض کر رہے ہیں۔ خیر معنی ما معنی۔

ہمزہ کی نسبت جو شعر عربی کا لکھا تھا اس کی طرف توجہ دلائی تھی اور تقطیع بھی کر دی تھی اس سے واضح تھا کہ ہمزہ بلحاظ کا بجائے ایک حرف متحرک کے واقع ہوا ہے لہٰذا یہ لکھنے کی ضرورت نہ رہی کہ بیشک الف کا بھی ہمزہ بجائے ایک حرف متحرک کے ہے اور صحیح ہے۔

ٹکٹ پر جو مہر ڈاک خانہ ہے اس کے آخری حروف TAL ہیں۔ ان سے پہلے کے حروف واضح نہیں اس لئے پڑھے نہیں جاتے۔ آپ نام مقام اسلام لکھتے ہیں۔ براہ نوازش اپنا نام ظاہر نہ کیا اس لئے صحیح تلفظ نہ کر سکا۔ اس خط میں پہلا نام بھی نہیں ہے جس سے سمجھتا کہ واسطہ کا بادل اسلام میں ہو گیا ہے اور آپ ان کے سالہ ہیں۔ شاید یہ کوئی نیا تعلق ہے۔

میں یہ سمجھتا تھا کہ آپ وتد مجموع کو بھی تسلیم کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ فاعلن، مفاعیلن اور مفاعلات مفعولن کو آپ متساوی قرار دیتے ہیں تو وہ اسی ترکیب سے برابر ہوتے ہیں۔ فاعلن، فعِلن = فاعلات مفاعیلن = مفعولن۔ جب مفاعیلن وتد مجموع ہے اس کو تحلیل کیا جائے۔ اسی طرح میں نے فعولن فعولن وتد مجموع فعو کی ف کو الگ کر کے فعلات فعلات وزن لکھا تھا یعنی فعولن فَ، فعولن فَ، فعولن فَ، فعولن فَ بروزن چہار بار فعلات اور اس استخراج کو خلاف اصول بتایا تھا۔

آپ اگر ذکی الطبع نہ ہوتے تو اتنے اعلیٰ امتحانات نہ پاس کر سکتے اور نہ بعید از قیاس مسائل پیدا کر کے TO THE POINT سوالات پیدا کرنا خود دلیل ذہانت ہے پھر میں آپ کی ذہانت کا اقرار کیوں نہ کروں۔ والسلام خیر ختام۔

ہیچمدان شاداں۔ رامپور اسٹیٹ۔ دیوپی، محلہ لال مسجد ۱۸ جنوری ۱۹۴۰ء ۸ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ یوم پنجشنبہ

بنام سید دل محمد فضا

(۶)

سلامت باکرامت رہو۔ دعا۔ استفسارات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

(۱) ایس دکہ یا ٹکڑ ڈگمگ گھنڈی اور بٹن۔ بکہ وغیرہ۔

COLLAR گریبان۔ سلیمان حشیم کا لغت انگریزی و فارسی میں لفظ COLLAR اور لغت اشٹینگاس میں لفظ یقہ دیکھئے دور کے معنے گرد۔ یخہ اگر ہے تو غلط چھپ گیا ہے۔ در ترجمہ ان تینوں کو وہ زنگ کوٹ دو کہ وہ نہیں واسکٹ کے گریبان کے گرد ٹانک دے۔

(۲) ایک چراغ الحمد بکار خوردن کام آنا (ترجمہ) یہ چراغ تیرے کسی کام آتا ہے۔ بقاعدہ صرف عربی شروعات شروع کی جمع ہے مگر مستعمل نہیں۔ اردو میں بمعنی آغاز و ابتدا عوام میں اور عوام الناس بولتے ہیں لہٰذا فصیح نہیں۔ اعلیٰ اور اوسط طبقے والوں کو نہ استعمال کرنا چاہئے میں بھی استعمال نہیں کرتا ہوں۔

الحمد للہ کہ آپ خیریت کے ساتھ برسر کار بھی ہیں۔ والسلام!

سید اولاد حسین شاداں بلگرامی۔ رامپور اسٹیٹ دیوپی، محلہ لال مسجد ۲۰ جون ۱۹۴۳ء

بنام مولوی عبد الصمد صارم صاحب اورینٹل کالج لاہور

(۷)

شاداں نوازا!

علیکم السلام۔ چار ماہ سے میں مختلف آلام میں مبتلا ہوں۔ ایک مہینہ بواسیر کا خون آتا رہا۔ ایک مہینہ تک ناک سے خون آیا،

نزلہ بگڑ گیا۔ ایک سال سے زیادہ ہوا کہ مالی اور جانی نقصان برابر ہو رہا ہے۔ تیرہ برس کی میری بھتیجی کا انتقال ہوا۔ اپریل گذشتہ میں میرے حقیقی بھانجے کا جوانی میں انتقال ہوا جسے میں بمنزلہ فرزند سمجھتا تھا۔ میرے کوئی اولاد نہیں ہے۔ پرسوں میری بڑی ہمشیر کا انتقال ہوا جو میرے لئے بمنزلہ والدہ تھیں۔ ڈیڑھ ہزار روپیہ کا نقصان ہو گیا۔

شرح غالب بھی لکھ رہا تھا۔ جب کسی ایک کام میں منہمک ہوتا ہوں تو دوسرا کام مجھ سے نہیں ہوتا ہے۔

چار مہینے سے خطوط کے جوابات بھی نہیں لکھے ہیں۔ آج اتنی مدت کی آئی ہوئی ڈاک دیکھی تو آپ کا جوابی لفافہ نکلا۔ آپ تشریف لاتے تھے اور اسی شعر کا زبانی ذکر بھی آیا تھا مگر آپ نے اپنے اس خط میں ذکر بھی نہ کیا۔

چونکہ زشتر زبازپساں   رنجہ دارند ہمچو خرمگساں

بازپس شاعر کا ترکیب دیا ہوا لفظ ہے وہ لغت میں کیوں ملے یعنی پلٹنا یہاں مراد پیچھے کی طرف۔ رنجہ داشتن تکلیف پہنچانا "آنا"، بیٹھے رہنا۔ خرمگس، بڑی مکھی۔ خر تفضیع کے لئے فارسی میں لاتے ہیں۔ دارند کے فاعل وہ لوگ جو خرمگس کی طرح پیٹھے رہتے ہیں۔ بازپساں متعلق فعل رنجہ دارند اور مزید علیہ بازپس جیسے بامداد سے بامداداں۔

(مطلب) جس طرح اونٹ کے پیشاب پر پیچھے کی طرف بڑی مکھیاں لپٹی رہتی ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی پیٹھے رہتے ہیں (جن کی صورت تقبیح دکھائی ہے):

چند چنداز حکمت یونانیاں   حکمت ایمانیاں راہم بخواں

پہلا مصرع وزن سے خارج ہے۔ یوں ہوگا ؏ چند خوانی حکمت یونانیاں، یا ؏ چند چنداں حکمت یونانیاں۔

کہاں تک حکمت یونان کی بکواس ہے یا پڑھتے رہوگے ؎

بدیں ہر دو خصلت غلام توام   چو نامے کہ مولائے نام توام

تمہاری ان دو خصائل خوب کی وجہ سے میں تمہارا غلام ہوں۔ تمہارا ایسا اعلیٰ نام ہے کہ میں اس کا غلام ہوں۔ چہ برائے عظمت مولا بمعنی غلام۔

اے کہ از اندیشۂ عقل صلاح اندیش تو   ہر نفس بندد رہ غمازی اسرار گل

چاندنی اور بو کو غماز شعرا کہا کرتے ہیں۔ رات کا اندھیرا عیب پوش اور چاندنی عیب کشا ہوتی ہے اسی طرح ہر خوشبودار چیز کی خوشبو بھی پردہ کشائے راز گل ہوتی ہے۔

تمہاری عقل جو صلاح اندیش ہے اس کے خوف سے اسرار گل کی غمازی کے راستہ کو ہر لپٹ خوشبو کی بند کر دیتی ہے، بجائے ظاہر کرنے کے۔ شاید اس شعر کا تعلق اس سے پہلے شعر سے ہو۔ والسلام!

دوسرا پرچہ قاضی سید محمد نصیر صاحب کو دے دیجئے۔

سید اولاد حسین شاداں۔ ریاست رام پور (یوپی)، محلہ لال قبر

۲۵ مئی ۱۹۴۶ء ۔ ۲۳ جمادی الثانی۔ یوم شنبہ

سیماب اکبر آبادی

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱)

مکرمی و محبی جناب فوق صاحب زاد کرمہٗ۔

وعلیکم السلام۔ ایک عرصہ مدید کے بعد آپ کا محبت نامہ ملا۔ شکر ہے کہ میں آپ کو یاد رہا۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ بے حد مصروف رہتے ہیں۔ اس لئے خط بھیجنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ادھر لاہور سے آنے کے بعد زندگی کچھ ایسی گراں رفتار ہو گئی ہے کہ قدم قدم پر جی چھوڑ دینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جب سے اب تک کوئی نظام ایسا مرتب نہیں ہو سکا جو یک گونہ مطمئن کر دیتا۔ آگرہ سے دہلی آیا۔ دہلی سے واپس آگرہ جا رہا تھا کہ ساغر صاحب بھی علی گڑھ سے یہیں چلے آئے۔ اور ارادہ ہوا کہ پیمانہ دہلی سے شائع کر دوں۔ اطلاع دے دی ہے۔ اور منشائے الٰہی کے ماتحت کام شروع کر دیا ہے اب یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ موجودہ حالت کو ہمارے لئے خوشگوار بنا دے۔

آپ کی اہلیہ محترمہ کی طویل علالت کی اطلاع باعث فکر و ملال ہوئی۔ خدا محترمہ کو آپ کی رفاقت میں ہمیشہ زندہ رکھے۔ سِل کا اگر کوئی ماہر (SPECIALIST) لاہور میں ہو تو اسے دکھلائیے۔ ایک ڈاکٹر یہاں بھی اس مرض کا مخصوص علاج کرتے ہیں۔ میں ان سے بھی ذکر کروں گا۔ اچھا ہو کہ آپ انہیں بغرض علاج دہلی لے آئیں۔ حکیم اجمل خاں صاحب سے رجوع کریں۔ آب و ہوا بھی بدل جائے گی۔

زندگی ہر دور میں میعادی رہی ہے۔ ابدی حیات کا آج تک کوئی حامل نہ ہو سکا۔ لیکن سانس کے ساتھ آس باقی ہے۔ اور باقی رہنی چاہئے۔ دعا اور دوا کے بعد انسان کے پاس کچھ نہیں۔ مگر خدا کے پاس سب کچھ ہے۔ دقت یہ ہے کہ وہ اپنے قانون میں کوئی ترمیم نہیں کرتا۔ ازل میں جو الواح مرتب ہو چکی ہیں۔ ہنوز انہیں پر عملدرآمد ہے پھر اس کی شکایت کیا؟ دنیا میں ہر ذی روح معرض انقلاب میں ہے۔ زندگی خود ایک انقلاب ہے۔ کسی حالت کا یکساں رہنا محال ہے۔ ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام! خدا کے فضل پر بھروسا رکھیے۔ اور ہر بات اسکے اختیار میں چھوڑ کر یکسو ہو جائیے منظر[1] مع متعلقین آگرہ میں ہیں۔ چاہتا ہوں کہ سب کو یہیں بلا لوں۔ کبھی کبھی اپنی خیریت سے اطلاع دیتے رہئے۔ "پیمانہ"

---

[1] شمشاد حسین فرزند حضرت سیماب۔

کا اشتہار عنقریب روانہ کروں گا۔ "کشمیری" کی زیارت مدت سے نہیں ہوئی۔ پتہ رجسٹر میں مستقلاً لکھ دیجئے۔
مجھے اپنا خادم یقین فرمایئے۔ اور جو خدمت میں کر سکتا ہوں اس کی تفویض میں کبھی تکلف نہ کیجئے۔

دفتر پیمانہ دہلی ۱۷؍ دسمبر ۱۹۲۷ء   نیاز مند۔ سیماب اکبرآبادی [1]

---

[1] مولانا عاشق حسین صاحب سیماب صدیقی الوارثی اکبرآبادی داغ دہلوی کے شاگرد ہونے کی وجہ سے منشی محمد الدین فوق کے استاد بھائی تھے۔ بڑے پرگو۔ زود نویس اور قادر الکلام شاعر تھے طبیعت میں بلا کی آمد تھی۔ "تاج" اخبار آگرہ سے اور رسالہ "پیمانہ" آگرہ لاہور اور دہلی سے شائع کرتے رہے بعد میں ایک ماہوار رسالہ "شاعر" کے نگران اور مدیر تھے کئی کتابوں کے مصنف اور صدہا شاگردوں کے استاد تھے۔

فوق صاحب کی اور میری ان سے پہلی ملاقات لاہور میں ہوئی جب ۱۹۲۶ء میں وہ اپنے شاگرد عزیز ماتم نظامی علی گڑھی اور اپنے فرزند شہشاد حسین منظر کے ہمراہ لاہور تشریف لائے تھے اور تقریباً پانچ چھ ماہ فیروز منزل کی رہائش پر مثنوی مولانا روم کا ترجمہ اردو نظم میں کیا کرتے تھے۔ یہ ترجمہ الہام منظوم کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے کراچی آ گئے تھے اور وہاں سے رسالہ "پرچم" نکالتے تھے۔ مگر ارض تاج سے کچھ غربت میں چلے آنے کا جو صدمہ تھا اسے کچھ اُن کا دل ہی جانتا تھا۔ دو سال ہوئے کراچی میں پیوند زمین ہوئے۔ کچھ مکتوب الیہ کے بارے میں۔

فوق صاحب ہیں جو میرے خواجہ تاش ... خوش خیال و خوش مذاق و خوش معاش
پیرو و شاگرد داغ دہلوی! ... زندہ اک تاریخ ہیں کشمیر کی
والہانہ عشق ہے کشمیر سے ... روح زخمی ہے وطن کے تیر سے
خواجہ و مزدور کے ہیں ترجماں ... دیر میں بھی ان کی ہوتی ہے اذاں
ذوق ہے اصلاح اور تہذیب سے ... نظم کہتے ہیں اسی تقریب سے
ان کی نظموں میں اثر ہے دل نشیں ... ہیں وہ داغ و میر کے محفل نشیں
ان کے نغمے جب سنیں گے اہل دل ... کیف وصل ان کو ہوگا مستقل
ان کے نغمے انجمن پر چھائیں گے ... ہر طرف وجدان نو برسائیں گے
شعر وہ رسماً کبھی کہتے نہیں ... وقت پر خاموش بھی رہتے نہیں
پہلے لیتے ہیں اثر ماحول سے ... نظم کرتے ہیں حقیقی واقعے
پھر نتائج پر کیا کرتے ہیں غور ... غور سے پھر فکر کا ہوتا ہے دور
وہ مفکر بھی ہیں اور شاعر بھی ہیں ... اور فن شعر کے ماہر بھی ہیں
حضرت اقبال کے ہیں ہم نشیں ... صاحب وجدان و عرفان و یقیں
شاعری پنجاب میں گو عام ہے ... قوم کی اصلاح میں ناکام ہے
فوق صاحب کو ہے سب پر فوقیت ... درس و حکمت سے ہے ان کو انسیت
ان کی نظمیں نسخۂ اکسیر ہیں ... وہ حقیقی شاعر کشمیر ہیں

(سیماب اکبرآبادی)

---

(۲)

بنام محمد عبداللہ قریشی

محترمی! السلام علیکم۔

سہرا اور خط پہنچا۔ ڈیزائن دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی۔ اہل پنجاب کا یہی تو وہ معیار ذوق ہے جسے دیکھ کر ان کی بلند مذاقی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اگر آپ ۵۰۰ یا ایک ہزار سہرے وہیں سے چھپوا کر بھیج دیں تو "شاعر" میں لگا دیئے جائیں گے۔ اور جن لوگوں کے نام آپ لکھیں گے انہیں اخبار بطور نمونہ بھیج دیا جائے گا۔

امید کہ آپ بخیر ہوں گے۔ سالک صاحب سے سلام کہہ دیجئے۔

تاج آگرہ ۲۸ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء

خادم و نیازمند سیماب اکبرآبادی

---

(۳)

بنام منشی محمد الدین فوق[1]

محترمی۔ السلام علیکم

خدا خدا کر کے آج تھوڑی سی فرصت ملی۔ تعمیل حکم کر رہا ہوں۔ آگرہ سے لاہور اتنی دور ہے کہ حصول نیاز کا موقع ہی نہیں ملتا۔ خدا کرے عزیزی ظفر احمد[1] کی شادی جلد از جلد اس تقریب کا حیلہ بن جائے۔

کیا آپ کشمیر کی نمائش میں شریک نہ ہوں گے؟ اب تو وقت نکلا جا رہا ہے۔ کوشش کیجئے کہ "کشمیری" وہیں سے شائع ہو۔ کشمیر میں اب کوئی اخبار نہیں ہے اور پریس مہاراجہ کر اس طرف توجہ دلا رہا ہے۔ مگر وہ تو اب چھ مہینے کے لئے یورپ جا رہے ہیں۔

آگرہ جب آپ تشریف لائیں آپ کا گھر ہے۔ اس کے متعلق اطلاع و اعلان کی ضرورت نہیں۔

"پیمانہ" کے ایک موثر ریویو کا منتظر ہوں۔

تنہا ہوں اور قصر الادب کے جرائد ثلاثہ نے دماغ پریشان کر رکھا ہے۔ منتظر صلہ سے بہت کچھ مدد مل رہی ہے خدا کا شکر ہے۔ ساغر تو اب اپنی دنیا الگ بنا رہے ہیں۔ گو وہ اپنی اس کوشش میں ناکام ہیں۔ مگر کوشش جاری ہے۔ بہرحال پیمانہ کے ساتھ ان کا تعاون میرے اطمینان کا باعث ہے۔ اور کوئی خدمت؟ ہاں زیرہ اور بنفشہ ضرور بھیجئے۔ کچھ "شاعر" یا "پیمانہ" میں بھی لکھئے!

ہائے کشمیر!

تیرے دیدار کی حسرت دل سیماب میں ہے

قصر الادب آگرہ ۱۰ راگست سنہ ۱۹۳۰ء

نیازمند سیماب اکبرآبادی

---

(۴)

بنام منشی محمد الدین فوق

مکرمی و محبی زاد کرمہ۔ السلام علیکم۔

کارڈ پہنچا۔ میری عدیم الفرصتی اور عدم تعین ارشاد کی یہ کافی سزا تھی جو آپ نے اس کارڈ میں میرے لئے تجویز

---

[1] فرزند منشی محمد الدین فوق

قربانی۔ دل پر ایک تازیانہ لگا۔ احساس جاگا اور ہاتھ اس بکس کی طرف بڑھ گئے جس میں آپ کی شے مطلوبہ محفوظ تھی۔ آج وہ تمام کاغذات نکال کر اپنے سامنے رکھ لئے ہیں۔ بہت ممکن ہے شام تک بھیج دوں ورنہ کل بھیجنے میں تو شک نہیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ یہ چیز آپ کے پاس پہنچے۔ آپ کو اپنے الفاظ "اب مزید تکلیف نہ دوں گا۔" واپس لے لینے چاہئیں۔ مجھے ان الفاظ سے جتنی تکلیف ہوئی میں ہی خوب جانتا ہوں۔ خادم ہوں۔ نیازمند ہوں۔ خادموں سے خفا نہیں ہوا کرتے۔

ادبی نکرے حسب الارشاد حاضر ہیں۔ ان کا کیا بنے گا؟ ذرا ہمیں بھی تو سنوا دیں!

"شاعر" آپ کے پاس برابر جارہا ہے۔ اپریل مئی کا یکجائی نمبر کیا آپ کو نہیں ملا؟ منتظر کہتے ہیں ہم نے مزید بھیجا ہے۔ اب فیصلہ آپ کی اطلاع پر ہے۔ اطلاع آنے پر دوبارہ بھجوا دوں گا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ "شاعر" بجائے ویپانہ کے ماہانہ کر دیا گیا ہے۔ میں تو "کشمیری" میں ریویو کا منتظر تھا۔ لیکن آپ کہتے ہیں "شاعر" پہنچا ہی نہیں۔ حیران ہوں آپ کے خط کا "بیگانگی" والا حصہ پھر صبر آزما ہے۔ جن لوگوں کا شعار خلوص ہے وہ اس لفظ سے نا آشنا ہیں۔ "تاج" اور "شاعر" دونوں آپ کے ہیں۔

آپ آخر جون میں کشمیر جائیں گے۔ مبارک ہو۔ کشمیر سے ہمارا بھی سلام کہہ دیجئے گا۔

اور کوئی خدمت؟

آگرہ ۲۰ رمئی ۱۹۳۲ء نیازمند۔ سیماب اکبرآبادی

---

(۵)

بنام محمد عبداللہ قریشی

محترمی۔ وعلیکم السلام

دعوت نامہ پہنچا۔ یاد آوری کا ممنون ہوں۔ میں بوجوہ انجمن[1] کے اجلاس میں شریک نہ ہو سکوں گا۔ اگر لاہور آتا تو آپ کی شادی میں شرکت ضرور کرتا۔ خدا یہ نئی زندگی آپ کو مبارک کرے اور ازدواجی مسرتیں سازگار ہوں۔

دور ہی سے سہی مبارک ہو[2]۔

شریک مسرت

شاعر آگرہ ۸ راپریل ۱۹۳۳ء سیماب اکبرآبادی

---

[1] حمایت اسلام لاہور

[2] میں نے اپنی شادی کے موقعہ پر دعوتی رقعہ بھیجا تھا جس کے جواب میں یہ خط اور مندرجہ ذیل نظم موصول ہوئی تھی:-

نہ ہے نشاطِ گلستاں نہ ہے شباب بہار — اُلٹ دیا ہے کسی مست نے نقاب بہار
ادھر پری ہے زمیں چاندنی کے پھولوں سے — اُدھر فلک پہ فروزاں ہے ماہتاب بہار
صبیح غنچوں سے ہونے لگی نزاولش کیف — صراحیوں سے چھلکنے لگی شراب بہار
لباسِ سبزہ سے پیدا ہے ایک حشرِ جمیل — ہر ایک ذرّہ ہے رنگین فرشِ خواب بہار

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۶)

بنام جناب نثار اٹاوی

QASR UL ADAB, AGRA.

عزیزی۔ السلام علیکم۔

آپ کے پاسِ خاطر سے شاد صاحب کی غزل بعد اصلاح واپس بھیج رہا ہوں۔ اسے اجتہاد نہیں کہتے اُپچ کہتے ہیں۔ ہر متداول بحر میں ایک یا دو رکن بڑھا کر بحورِ معلومہ کے خلاف بحریں معلوم کر لینا بہت معمولی اور بچوں کا سا کام ہے۔ لیکن اس قسم کی بحریں نہ مروج ہو سکتی ہیں نہ کارآمد۔ شاد صاحب کو اس بے راہ روی سے روکئے۔ نئی بحریں یوں ایجاد نہیں ہوا کرتیں۔ اس کے لئے بڑے علم و بڑی مہارت کی ضرورت ہے۔ اس غزل پر آپ کے پاسِ خاطر میں نے اصلاح کر دی ہے۔ قاعدے کے اعتبار سے اس غزل کو خلاف وزن نہیں کہا جا سکتا۔ خلاف بحر کہہ سکتے ہیں۔

۲۶ ستمبر ۱۹۴۰ء

دعاگو

سیماب اکبرآبادی

(بقیہ نوٹ پچھلے صفحے کا) کسی مسرتِ نوخیز کی ہے اک تمہید — یہ خوشگوار تغیر یہ انقلاب بہار

بہا تھا خونِ محبت جو عید قرباں پر

وہی ہے آتشِ گل دامنِ گلستاں پر

ہوئے ہیں جمع بعد شوق نثاران ادب — کہ صدر محفل عشرت ہے آج جان ادب

وہی ادیب ادب جس پہ ناز کرتا ہے — وہ عندلیب و طوطیٔ بوستان ادب

وہ جس کی قوتِ ذہنی کا معترف ہے کمال — نگاہ جس کی ہے گلچین گلستان ادب

وہ ایک ذرہ جو پامالِ رہ گذر ہو کر — بنا خود اپنی ہی کوشش سے آسمان ادب

وہ اک جوان قریشی محمد عبداللہ — ادا شناس معانی مزاج دان ادب

جھکا چکی ہے عروس ادب تو پرچم کو

عروس حسن اب آئی ہے خیر مقدم کو

نوید ہو کہ مقدر بروئے کار ہے آج — مزاج حسن محبت سے ہمکنار ہے آج

ہوئی ہے ختم تمنا و شوق کی منزل — نہ منتظر ہے کوئی اور نہ انتظار ہے آج

وہ دل جو خانۂ تمنا سے تھا خلش اندوز — خوشی کے جوش سے گلخانۂ بہار ہے آج

برس رہی ہے مسرت کی روشنی ہر سو — قرانِ زہرہ و خورشید سازگار ہے آج

دماغ ہوش ہوئی مضطرب نشاط کی گونج — اس انجمن میں ہر اک ساز نغمہ بار ہے آج

نظر جواں رہے آغوش پر بہار رہے

الٰہی عہد محبت یہ استوار رہے

سیماب

(۷)

بنام جناب نثار صاحب اٹاوی

QASR UL ADAB, AGRA.

باسمہٖ تعالیٰ

عزیزی! میں بھوپال اور جھانسی کے مشاعروں سے کچھ ایسا تھک گیا تھا کہ دو روز تک ڈاک دیکھنے کا بھی موقع نہ ملا۔ اسی لئے آپ کے خط کا جواب بھی نہ دے سکا۔ مگر معلوم ہوا کہ برخوردار اعجاز حسین سلمہٗ نے جواب دے دیا ہے۔ اس کے بعد پھر آپ کا کوئی خط اس وقت تک نہ ملا۔ میں اسلامیہ ہائی اسکول کے مشاعرے میں حاضر ہو جاؤں گا صدارت کے لئے معافی چاہتا ہوں، اس لئے کہ خطبۂ صدارت لکھنے کا وقت نہیں رہا۔ ۲۵؍جنوری کو لکھنؤ جا رہا ہوں۔ ۱۲-۱۹ پر اٹاوہ سے گزروں گا۔ فرصت ہو تو ٹرین پر مل لیجئے۔

اعجاز سلمہٗ کا ارمان صاحب کا اور میرا کرایہ آمد و رفت مع زادِ راہ ۲۵؍تک یہاں پہنچ جانا چاہیئے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب سے میرا اسلام کہہ دیجئے۔

۲۳؍جنوری ۱۹۴۱ء

دعاگو سیماب اکبرآبادی

(۸)

بنام منشی محمد الدین فوقؔ

محترمی۔ السلام علیکم۔

لاہور میں تو صرف اس لئے آنا چاہتا ہوں کہ آپ سے ملاقات ہو جائے۔ البتہ کشمیر دیکھنے کا شوق ہے۔ ہندوستان میں پیدا ہونے کے بعد تاریخ اور کشمیر نہ دیکھنا پیدا نہ ہونے کے برابر ہے۔

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔

بچے آداب گذارش ہیں۔

قصرالادب آگرہ ۲۷؍مارچ ۱۹۴۱ء

دعاگو سیماب وارثی اکبرآبادی

(۹)

بنام ظفر الحق خلف فوقؔ مرحوم

باسمہٖ تعالیٰ

(قصرالادب۔ آگرہ)

عزیزم سلمہٗ۔ آپ کا کارڈ ملا۔ مجھے آپ کے والد کے انتقال کی خبر کل ہی "خیام" کے ذریعے مل گئی تھی میں نہیں کہہ سکتا کہ اس اطلاع سے میرے دل پر کیا گذری؟ مرحوم کی تواضع، مہمان نوازی، مردم شناسی، معاملہ فہمی اور تدبر بیک وقت سب اوصاف یاد آ گئے۔ افسوس!

اب کہاں لوگ اس طبیعت کے!

مگر قانون الٰہی آخر قانون الٰہی ہے۔ وہ آج تک کسی کے لئے نہیں ٹوٹا۔ اور اس سے کوئی ایک متنفس بھی مستثنیٰ نہ ہو سکا۔ دنیا کے تمام رہنے والے ایک ہی کشتی پر سوار ہیں۔ اور آگے پیچھے اپنے اپنے ساحل پر اتر رہے ہیں۔ کشتی سب کو چھوڑنی ہے۔ ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔ ۱۴؍ستمبر کو فوقؔ صاحب اور ۱۵؍ستمبر کو سائلؔ صاحب دہلوی کے انتقال نے علی التواتر پیغام سوگواری دیا ہے۔ خدا مغفرت کرے اور انہیں اپنے

جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ نیز آپ لوگوں کو صبر و استقامت ارزانی فرمائے۔

فوق صاحب اپنے پیچھے اپنے اتنے آثار چھوڑ گئے ہیں کہ دنیا انہیں مدتوں نہیں بھلا سکتی۔ ان کی تصانیف کی اشاعت کا انتظام بالالتزام ہوتا رہا تو وہ آپ ہی لوگوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

دنیا کا دستور دائمی یہ ہے کہ یہاں ہر بیٹے کو ایک دن باپ بننا پڑتا ہے۔ فوق صاحب کے والد ماجد نے بھی ایک دن اسی طرح وفات پائی تھی اور انہیں باپ بننا پڑا تھا۔ اب ان کے بعد اس آبائی مسند پر آپ کی جگہ ہے مجھے امید ہے کہ آپ مرحوم کے نقش قدم پر چل کر اپنی خاندانی شہرت و عظمت کو قائم رکھیں گے۔ یہی تسکین تو میں امتدادِ ایام ہر صابر کو خواہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو بھلا دیتا ہے۔ دل کی جو حالت اب ہے وہ کچھ دن کے بعد باقی نہ رہے گی۔

میں نے کل ارتجالاً ایک قطعۂ تاریخ "خیام" میں اشاعت کے لئے بھیجا ہے۔ اس کی نقل آپ کو بھیج رہا ہوں۔ آپ کا آخری فرض یہ ہے کہ مرحوم کی قبر پختہ بنوا کر اس کے سرہانے یہ کتبہ کھدوا کر لگا دیں۔ تاکہ ان کی وفات کا سال محفوظ رہے۔

۲۱ ستمبر ۱۹۴۵ء شریکِ درد سیماب اکبرآبادی

ھو الباقی

کرد رحلت محمد الدین فوق بود شاگرد داغ و پاک ضمیر

شاعر و نکتہ داں مدیر و ادیب خوش بیاں، خوش مزاج، خوش تحریر

چاردہ [۱۴] از مہِ ستمبر رفت روزِ جمعہ بسوئے ملکِ کبیر

گفت تاریخ رحلتش سیماب

"انتزاعِ مؤرخِ کشمیر"

۱۹ ء ۴۵

"شاعر" میں بھی مرحوم کے متعلق ضرور لکھا جائے گا۔

محمد عبداللہ صاحب قریشی سے میرا سلام کہہ دیجئے۔ یہ آپ کے والد مرحوم کے دست راست تھے، آپ کے بھی کام آئیں گے۔

سیماب

---

(۱۰)

ام جناب شفا گوالیاری

باسمہ تعالیٰ مزدوری

محبی۔ السلام علیکم

پورے تین مہینے پہلے ۳ مارچ کو آپ کا خط آیا تھا۔ کہ آپ ایک معتبر شخص کے ہاتھ شہد بھیج رہے ہیں۔ وہ معتبر شخص آج تک تو آگرہ پہنچا نہیں۔ جاڑے گرمیوں سے بدل گئے۔ مگر وہ نہ خدا جانے بھوپال سے گوالیار اور گوالیار

سے آگرہ نہیں پہنچا۔ اگر ہر قدم پر وہ نفل پڑھتا ہوا بھی چلتا تو اب تک کعبۂ مقصود تک پہنچ چکا ہوتا۔ کہیں شہد کی بوتل میں چپک کر تو نہیں رہ گیا؟

بہرحال اب آپ ایک بوتل شہد موعود اور ایک بوتل شہد بطور تاوان اُسی دوکان سے پارسل کرا کے بذریعۂ ڈاک خانہ بھیج دیجئے۔ تیسرے پہر شربت بنا کر پی لیا کروں گا۔ گرمی قوت برابر سلب کر رہی ہے اور میں کمزور ہوتا چلا جا رہا ہوں۔

اپنی خیریت سے بھی اطلاع دیجئے کیا شاعری کا ذوق کچھ کم ہو گیا ہے یا کم کر دیا گیا ہے۔ خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔

آگرہ ۷ رمئی سنہ ۴۸ء دعاگو سیماب

---

(۱۱)

<u>بنام جناب شفا گوالیاری</u>

بسم اللہ تعالیٰ

محبی۔ السلام علیکم۔

خط ملا۔ ۷ ر ستمبر کو لقوہ کا حملہ ہو گیا تھا۔ الحمد للہ کہ اب نسبتاً اچھا ہوں۔ مرض بتدریج زائل ہو رہا ہے۔ علاج برابر جاری ہے۔

"پرچم" آپ کے نام برابر جا رہا ہے۔ اس کی توسیع اشاعت میں کوشش کیجئے۔ بھوپال سے "جادہ" نہیں آیا۔ کیا بات ہے؟

کراچی ۱۴ راکتوبر سنہ ۴۹ء دعاگو سیماب اکبرآبادی

---

(۱۲)

<u>بنام نثار صاحب اٹاوی</u>

محبی السلام علیکم۔

آپ کا خط ملا۔ ترک وطن ایک امر تقدیری تھا۔ پورا ہوا۔ "دے بر ندمش" کا قصہ ہے۔ مجھے بھی آپ لوگوں سے جدا ہونے کا بیحد صدمہ ہے مگر مجبوری ہے۔ "علیہا علیہ" تکمیل کے بعد انشاء اللہ بصورت کتاب مزید شائع کی جائے گی۔ "پرچم" کا سالنامہ عنقریب شائع ہو گا۔ نشاط صاحب مجھ سے نہیں ملے۔ مظہر سلمہ اچھی طرح ہیں۔

کراچی ۹ رمارچ سنہ ۵۰ء دعاگو سیماب اکبرآبادی

---

(۱۳)

<u>بنام جناب شفا گوالیاری</u>

محبی شفا صاحب۔ السلام علیکم۔

کل شام کو آپ کا خط ملا۔ مولانا ذکی کی خبر وفات سے تکلیف ہوئی۔ خدا مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائے ارتجالاً ایک قطعۂ تاریخ آج صبح کہہ کر پہلی ڈاک سے بھیج رہا ہوں۔ اس کی ایک نقل "غالب" کو اور ایک "جادہ" کو بھی بھیج دیجئے۔ اس کی رسید بہت جلد بھیجئے۔ تاکہ پہنچنے کا اطمینان ہو۔ ایک کارڈ اس سے پہلے لکھ چکا ہوں خدا جانے وہ پہنچا یا نہیں۔ "غالب" کے خاص نمبر کے لئے کل پرسوں تک کچھ بھیج دوں گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

یہ معلوم کرکے کہ آپ وہاں مطمئن ہیں، اطمینان ہوا۔ خدا مطمئن ہی رکھے۔

کراچی ۵؍ مئی سنہ ء دعاگو سیماب اکبرآبادی

<u>بنام جناب شفا گوالیاری</u>

(۱۴)

کوئی محفل تھی نہ اپنی۔ کوئی محفل میں نہ تھا
وہ بھی کیا دن تھے کسی کا عشق جب اپنا نہ تھا

پہلے مصرع میں صرف الفاظ کی بے ترتیبی سے مصرع سست اور الجھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ معناً غلط نہیں ہے۔ اگر مصرع کی ترکیب یہ ہو۔ "تھی نہ اپنی کوئی محفل، کوئی محفل میں نہ تھا" تو پھر کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔ شاعر نے دل کو محفل اور عشق کو صاحب محفل تعبیر کیا ہے، جو صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یکم ستمبر سنہ ء سیماب اکبرآبادی از کراچی

مرزا فرحت اللہ بیگ

(۱)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی!

تسلیم۔ آپ ولایت سے آگئے اور مجھ سے نہیں ملے۔ کچھ تحفہ نہ تھا تو خیالات ہی مل جاتے۔ پرسوں مولوی عبدالحق صاحب مجھ سے ملے تھے۔ انہوں نے آپ کے واپس آنے کا ذکر کیا اور یہ بھی کہا کہ ان کی فرمائش پر آپ آتشکدہ ابراہیم میں سے انعام اللہ خاں یقین کے حالات لکھ کر لائے ہیں۔ چونکہ یقین کا دیوان مولوی صاحب طبع کرا رہے ہیں اور اس کا انتظام میرے سپرد ہے اس لئے انہوں نے فرمایا تھا کہ جو حالات آپ یقین کے لکھ کر لائے ہیں وہ میں آپ سے طلب کر لوں۔ اگر وہ نوٹ عنایت ہو تو عین عنایت ہے اور اگر فرصت کے وقت مجھ سے مل لیجئے تو اس سے بھی زیادہ عنایت۔ بہرحال مجھے آپ کے خط اور نوٹ کا سخت انتظار رہے گا۔ کیونکہ میں نے یقین کے حالات لکھنے شروع کر دیے ہیں اور صرف آپ کے نوٹ کے انتظار میں روک دیے ہیں۔ والسلام!

کمترین: فرحت اللہ بیگ۔ ۴؍مہر سنہ ۱۳۳۸ فؔ[1]

(۲)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی!

تسلیم۔ عنایت نامہ صادر ہوا۔ آپ کی عنایت کا شکریہ۔ مجھے تذکرۂ گلزار ابراہیم ہی کے الفاظ کی ضرورت ہے اگر عنایت ہو تو مہربانی۔ آپ کسی وقت دفتر آجائیے۔ اگر ۱۱ اور ۱۲ کے درمیان ہو تو بہت ہی اچھا ہے۔ یہاں یقین کے متعلق آپ سے گفتگو بھی ہو جائے گی۔ حیدرآباد میں بیٹھ کر جتنا مواد میں نے اس بارے میں جمع کر لیا ہے اس سے زیادہ جمع کرنا یہاں ذرا مشکل ہے۔ بہرحال تشریف لائیے۔ اگر کل کسی وقت آجائیے تو اور بھی اچھا ہے۔ کیونکہ بغیر آپ سے ملے میں اس مضمون پر آگے قلم نہ اٹھاؤں گا۔ والسلام!

کمترین فرحت اللہ بیگ۔ ۷؍مہر سنہ ۱۳۳۸ ف

---

[1] حیدرآبادی سنین کو سنہ عیسوی میں تبدیل کرنا میرے لئے مشکل تھا اس لئے انہیں مجبوراً بغیر ترتیب کے پیش کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

(۳)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی زور!

تسلیم۔ نظر پر میرے جو نوٹ ہیں ان کا مجھے انتظار ہے اس میں ابھی بہت کچھ بڑھانا ہے اور چھپنے کا موقع آگیا ہے۔ جو خط میں سنبل کو قطعہ نے ساقط دیا ہے اس میں کا یہ آخری فقرہ کاٹ دو " اس کی آنکھوں میں خون بھیا۔ گدھے نے کہا میری آنکھیں پھوڑ دیں" یہ فقرہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ والسلام!

کمترین مرزا فرحت اللہ بیگ

(۴)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مکرمی!

تسلیم۔ آپ کی دو مرسلہ کتابیں مجھے ملیں۔ میں چند روز ہوئے حیدرآباد آیا تھا اور آپ کا شکریہ ادا کرنے عبدالمجید بیگ صاحب کے مکان پر گیا تھا۔ آپ کے ہاں دریافت کرایا تو معلوم ہوا کہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ بہرحال اس خط کے ذریعہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔

معلوم ہوتا ہے آپ کے ہاں دفتر میں کام بہت کم ہے۔ ورنہ اس طرح مسلسل کتابوں کا لکھنا اور چھپوانا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ میری تو یہ حالت ہے کہ کام کا بار نہیں اٹھانے دیتا۔

آپ نے جو رنگ ڈال دیا وہ بہت اچھا ہے، اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو بہت سے نامعلوم ادیبوں اور شعرا سے دنیا واقف ہو جائے گی اور جو کمی اہلِ علم کے تذکروں میں ہے وہ بہت کچھ پوری ہو سکے گی۔

آخر میں شکریہ اور بہت بہت شکریہ۔ میری جانب سے پرسان حال کی خدمت میں آداب۔

کمترین فرحت اللہ بیگ۔ گلبرگہ شریف ۱۳ شہریور سنہ ۵۴ ف

نوٹ: مرزا صاحب سے میری ملاقات دفتر دیوانی کی ملازمت کے بعد شروع ہوئی (۱۳۲۹ف) مرزا صاحب کے مضامین اور میرے مضامین اور تالیفات کے سلسلہ میں اتحاد زیادہ ہوتا گیا۔ اب مرزا صاحب جو تالیف شائع کرتے ہیں وہ مجھے تحفہ دیا کرتے ہیں اور میں بھی اپنی تالیفات ہدیہ کرتا ہوں۔ (نصیر الدین ہاشمی)

(۵)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی!

تسلیم۔ ... رسید ملا۔ شکریہ۔ خوش مذاقی کا ایک لفظ بھی اگر سو قیانہ ہو جائے تو وہ سارے مضمون کو خراب کر دیتا ہے۔ میرے مضمون میں ایک ایسا لفظ موجود تھا اور اس کو میں بدلنا چاہتا تھا مگر جب مضمون چھپ گیا ہے تو لاچاری ہے۔ باقی مضمون پڑھ لکھا گیا ہے اور

نہ اس کے چھپنے کی کوئی امید ہو سکتی ہے۔ اتنا حصہ بھی یونہی جوش میں لکھ لیا گیا تھا۔ اب جوش ٹھنڈا ہو گیا اور مضمون ختم۔ والسلام!

کمترین فرحت اللہ بیگ۔ ۳۰ اردی بہشت سنہ ۴۷ ف

(۶)

بنام بشیر النسا بیگم صاحبہ بشیر

محترمہ تسلیم

آپ کا تحفہ ملا تھا مگر وہ کہیں ادھر ادھر ہو گیا۔ سوچتا تھا کس پتہ پر خط لکھوں۔ بارے آج وہ پھر مل گیا۔ اس کی معذرت کے ساتھ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بہادر خاں مرحوم میرے عزیز دوست تھے۔ ان کے مرنے کا مجھے بڑا رنج ہے مگر اس کے ساتھ ہی ذرا اس خیال سے تسلی بھی ہو جاتی ہے کہ مرنا سب کو ہے لیکن ایسا مرنا سب سے اچھا ہے کہ آدمی اپنے انتہائی عروج کے زمانہ میں ختم ہو جائے تاکہ ؎

یاد کوئی تو گاہ گاہ کرے

ورنہ بعض دفعہ تنزل کے بعد انسان کی زندگی جی ہو کر رہ جاتا ہے۔ آپ نے دل سے یہ نظم لکھی ہے اس لئے دل میں اثر کرتی ہے۔ ورنہ اوپری دل سے تو ہر کوئی نوحے اور مرثیے لکھ لیا کرتا ہے۔ خدا آپ کو اس کا اجر دے۔ والسلام!

کمترین مرزا فرحت اللہ بیگ۔ برکت پورہ ۷، مہر سنہ ۴۲ ف

(۷)

بنام ڈاکٹر غلام یزدانی صاحب

برادرم!

السلام علیکم۔ تمہارے دو خط آئے۔ جواب اس لئے نہیں دیا کہ تمہارے تحفہ کا انتظار تھا وہ آج مل گیا۔ بندۂ خدا کوئی چیز کسی کے لئے دیتے ہیں تو اس کی حاجت دیکھ کر لیتے ہیں۔ یہ بٹوہ امریکہ والوں کے لئے ہے نہ کہ فرحت اللہ بیگ کے لئے۔ میرے پاس خدانخواستہ اتنے نوٹ کہاں سے آئے جو اس میں بھر کر پھروں۔ بس میرے بٹوہ میں اتنی گنجائش کافی تھی کہ دس روپے کا ایک نوٹ آ جائے۔ بہرحال چونکہ یہ آ چکا ہے اس لئے شکریہ کے ساتھ رکھ لیتا ہوں ورنہ سچ یہ کہ نہ میں اس کے قابل ہوں اور نہ یہ میرے قابل۔

زبیدہ کی کامیابی کا حال سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ خدا اس کو ساتھ خیر و خوبی کے بعد ختم تعلیم واپس لائے۔

میں اپنا تحفہ تمہارے لئے پہلے ہی حیدرآباد میں چھوڑ آیا ہوں۔ "میری شاعری" کو دیکھو۔ ایک جدت ہے اور بڑے مزے کی جدت ہے۔

ہاں یہ تو لکھو کہ عرس شریف کے موقعہ پر آؤ گے یا نہیں۔ اگر نہ آؤ تو کم سے کم پھول اور بیری کو تو بھیج دو۔ آخر ان کو تم نے کیوں گھر میں بند کر رکھا ہے۔

تم نے کیمرہ لانے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر . . . . خیر جانے دو۔ تم لانے کی محنت سے بچے اور میں بلاوجہ کے غرور سے۔

میری جانب سے سب کو دعا کہہ دو۔ یہاں بفضلہ سب اچھی طرح ہیں۔ سردی خوب پڑ رہی ہے۔ والسلام!

کمترین: فرحت۔ گلبرگہ شریف

فانی بدایونی

---

(۱)

<u>بنام مکیش اکبرآبادی</u>

مکرمی تسلیم

میں اتوار تک ... گوالیار ہوں گا۔ سنیچر کی شام کو قصد روانگی اور پیر کی صبح کو عزم واپسی ہے۔ کل اور پرسوں تعطیل عید ہے۔ میں خود ہی حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔ مجھے سخت افسوس یہ معلوم کرکے ہوا کہ آپ تشریف لائے اور میں زیارت سے محروم رہا۔ غالباً آپ اس زمانے میں تشریف لائے ہوں گے جب کہ میں بسلسلہ مشاعرہ راستے بریلی گیا ہوا تھا۔ زیادہ نیاز

<u>نیازمند:</u> فانی ۲۰ر اپریل ۳۱ء

---

(۲)

<u>بنام حکیم مختار احمد</u>

عزیزم مختار احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد دعائے ترقی درجات معلوم ہو کہ تمہارا خط مورخہ ۲۶ جنوری ۳۳ء کل ۱۴ر فروری ۳۳ء کو مہاراجہ بہادر کی ڈیوڑھی واقعہ الوال پر ملا۔ معلوم نہیں اس قدر تاخیر کیوں ہوئی۔ بہرحال خط مل گیا اور خط کے ساتھ گر لیاں بھی۔ شکریہ در شکریہ۔ اس سے قبل ایک اور خط بھی جو تم نے جوش صاحب کے پتے سے بھیجا تھا ملا تھا۔

میں بدستور مہاراجہ بہادر دام اقبالہٗ کا مہمان ہوں۔ ہنوز کوئی سلسلہ ملازمت نہیں ہوا ہے امید تو ہے کہ ہو جائے۔
عزیزم عشرت علی خاں نے ایک برس سے زیادہ ہوا خط و کتابت بند کر دی ہے۔ اس لئے مجھے ان کے لڑکے کی ملازمت کا حال پہلی مرتبہ تمہارے خط سے معلوم ہوا۔ خدا مبارک کرے۔
تمہارے شمس الحکما ہونے کی مبارکباد کیا دوں۔ آمدنی کے اعتبار سے نجم الحکما بھی ہو جاؤ تو مبارکباد دوں گا۔ زیادہ دعا

محمد شوکت علی خاں فانی

حیدرآباد دکن۔ محلہ ... پٹی۔ مکان ۲۰۲/۴ مورخہ ۱۵ر فروری ۳۳ء

---

(۳)

<u>بنام حکیم مختار احمد</u>

عزیزم سلمہٗ

درخواست مع خط بعدہٗ ایک پوسٹ کارڈ دونوں پہونچے۔ مگر مجھے ایک خط پرسوں اور ایک کارڈ کل ملا۔ وجہ یہ ہوئی کہ میں حیدرآباد میں نہ تھا۔ گلبرگہ شریف گیا تھا وہاں علیل ہو گیا آٹھ روز گلبرگہ شریف میں قیام کرنا پڑا پرسوں دس بجے دن حیدرآباد پہونچا تب آپ کا خط ملا۔

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے کسی خط کا جواب نہیں دیا ممکن ہے کہ آپ تک نہ پہونچا ہو اور اس لئے آپ صحیح فرماتے ہوں مگر یہ حقیقت نہیں ہے میں نے ضرور جواب دیا ممکن ہے کسی ایک خط کا جواب نہ دیا ہو اور وہ شاید اس خط کا ہو آپ نے جواب جوش صاحب کے توسط سے بھیجا تھا اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ خط مجھے اتنی دیر میں ملا کہ جواب دینا بیکار ہو چکا تھا

درخواست پیش کرنے میں مجھے ذرا تامل نہیں میں ضرور پیش کروں گا مگر یہ بتانا چاہتا ہوں (اگر آپ یقین فرمانا مناسب سمجھیں) کہ کام اس طرح نہیں ہوا کرتا۔ جو نظیریں آپ نے لکھی ہیں وہ ہر شخص کے حالات سے متعلق نہیں ہیں۔ زیادہ دعا۔

محمد شوکت علی خان فانی۔

حیدرآباد۔ ملے پلی۔ مکان نمبر ۳۲ مورخہ ۲۵ را پریل ۳۳ء

نوٹ: چونکہ ابھی مہاراجہ بہادر کی خدمت میں حاضر ہونے سے بوجہ علالت معذور ہوں اس لئے دو چار روز تک درخواست پیش نہ کر سکوں گا۔

فانی

---

(۴)

<u>بنام حکیم مختار احمد</u>

عزیزم طول عمرہٗ

بعد دعا معلوم ہو کہ تمہارا پوسٹ کارڈ پہونچا۔ حالات معلوم ہوئے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم میری بات نہ مانو گے اس لئے کہ تم یہاں کے حالات کا اندازہ نہیں کر سکتے تاہم چونکہ میرا فرض ہے کہ تمہارا قصد معلوم کرنے کے بعد فوراً تمہیں متنبہ کر دوں اس لئے بلا لحاظ اس کے کہ تم مانو یا نہ مانو تمہیں یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ حیدرآباد کا قصد بلا تامل فسخ کر دو۔ اس مشورہ کا سبب کبھی زبانی کہوں گا۔ فی الحال اسی قدر کافی ہے۔ اگر تم نے اس مشورہ پر عمل نہ کیا تو نقصان مالی کے علاوہ سخت پریشان ہو گے۔

میرا تقرر ہنوز نہیں ہوا ہے۔ دیکھئے کب ہوتا ہے اور کہاں۔ یا غالباً ہوتا بھی ہے یا نہیں۔ عزیزی عشرت علی خان کا حال کا حال معلوم کر کے سخت پریشانی ہے افسوس کہ کچھ نہیں کر سکتا۔ خدا رحم کرے اور کیا کہوں۔ زیادہ دعا۔

شوکت علی خان

حیدرآباد۔ ملے پلی۔ مکان ۳۲ مورخہ ۲۸ جون ۳۳ء

---

(۵)

بنام الطاف علی بریلوی

مکرمی تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۱۴ر اگست ۱۹۳۸ء پرسوں ستمبر ۱۹۳۸ء کو نامہ پڑ ہوتا ہوا حیدرآباد میں ملا — میرا تبادلہ عرصہ ہوا نامہ پڑ سے ورنگل ہو گیا تھا اور ورنگل سے بھی تبادلہ کو ایک عرصہ ہوا۔ اب جگتیال ضلع کریم نگر بھیج دیا گیا ہوں۔ ایک سال میں تین تبادلے ہو چکے ہیں سنتا ہوں کہ پھر تبادلہ زیر غور ہے غرضکہ

ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

حیدرآباد میں اس وقت قیام کا باعث یہ ہے کہ میں تین مہینہ سے علیل اور رخصت پر ہوں۔ چونکہ ابھی صحت نہیں ہوئی رخصت میں شاید مزید توسیع کی ضرورت ہوگی۔ اپنا حال کن الفاظ میں لکھوں۔ بہر صورت اور بہر حال خدا کا شکر ہے اگر زندگی میں آپ سے ملنا مقدر ہے تو انشاءاللہ زبانی عرض کروں گا۔ میرے اشعار کا مجموعہ نظیفی پریس دہلی سے انجمن ترقی اردو اورنگ آباد کی طرف سے عرفانیات فانی کے نام سے عنقریب شائع ہونے والا ہے — اسمیں وہ تمام مجموعہ بھی ہے جو باقیات فانی میں شائع ہوا تھا۔ ایک نسخہ آپ کی خدمت میں یقیناً انشاءاللہ پہنچے گا۔ سیحی صاحب سے تقریباً چار سال ہوتے ہوں چال آمد و رفت بند ہے۔ سنا گیا ہے کہ بہت خفا ہیں۔ سبب آب تک معلوم نہ ہوا۔ ان کی شاعری کے متعلق آپ کی رائے سے مجھے صرف اس قدر اختلاف ہے کہ آپ محض ان کی شاعری کے متعلق فرماتے ہیں کہ موجودہ رنگ میں پڑ کر انہوں نے اپنی شاعری کو بہت زیادہ گرا دیا مگر میں اس سے کچھ آگے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان کی شاعری کے ساتھ جو امیدیں وابستہ تھیں۔ وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئیں۔

آپ کی علالت کا حال معلوم ہو کر افسوس ہوا۔ امید ہے کہ اب کچھ افاقہ ہوا ہوگا۔ خدا آپ کو زندہ اور تندرست رکھے کہ آپ مغتنمات زمانہ میں سے ہیں بہت جی چاہتا ہے کہ اڑ کر وہ پہونچوں اور آپ سے مل کر جتنا وقت گذر سکوں گزار دوں

میرے گھر میں آپ کو سلام کہتی ہیں اور لڑکے قدم بوسی عرض کرتے ہیں۔ زیادہ نیاز۔

یہ عریضہ خود نہ لکھ سکا لکھوا دیا ہے طبیعت ٹھیک نہ تھی معاف فرمایئے گا۔ شوکت علی خاں فانی حیدرآباد مورخہ ۱۰ر ستمبر ۱۹۳۸ء

(۶)

بنام حکیم مختار احمد

عزیزم مختار احمد سلمہٗ اللہ تعالیٰ

عبدالقادر صاحب کے ہاتھ جو تم نے خط بھیجا تھا پہونچا۔ میرے گھر میں اب ایسی کوئی شکایت نہیں ہے تاہم تمہاری بھیجی ہوئی ادویہ اور نسخہ جات اور پرسش حال کا شکریہ۔ تم نے اپنے متعلق کچھ نہ لکھا کہ اب کیا کیفیت ہے۔ کام کیسا چلتا ہے عام حالات کیا ہیں۔ تم لکھتے ہو کہ تمہیں یہاں نہ آنے کا افسوس ہے۔ افسوس کسی طرح صحیح نہیں ہیں تو کہتا ہوں کہ اچھا ہوا تم

زحمت سے بچ گئے۔ مشکل ہے کہ تم اس کو باور کرو۔ مگر یہ پھر بھی حقیقت ہی رہے گی۔

بہت عرصہ سے میں خود بدایوں آنے کا قصد کر رہا ہوں۔ دیکھئے مشیت الٰہی کیا فیصلہ کرے۔ میری مدت ملازمت اب تھوڑے ہی دن بعد ختم ہے۔ معلوم نہیں یہاں سے واپسی پر کہاں جاؤں اور کیا کروں۔ بظاہر خود بدایوں میں تو کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ حالانکہ دل یہی چاہتا ہے کہ زندگی کے آخری لمحات وہیں گزر جائیں تو بہتر ہے۔ زیادہ دعا۔

شوکت علی خان فانی

حیدر آباد (دکن) سلطان پلی ۲۰۲ مورخہ ۲۴ جنوری [۳۹]ء

(۷)

<u>بنام حکیم مختار احمد</u>

عزیزم سلمہٗ

تمہارا خط مورخہ ۲۹ اگست [۴۰]ء ابھی پہونچا۔ باعث مسرت ہوا۔ میں بفضلہ تعالیٰ تندرست ہوں۔ البتہ پچھلی مرتبہ ریڈیو میں نشر کلام سے ایک روز پہلے کچھ معمولی طور پر طبیعت ناساز تھی۔ اپنی معلومات سے کوئی خاص چیز بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی تاہم بہت بہت شکریہ۔

"عشرت علی خاں نے استعفا دیدیا تھا" اس "تھا" کا مفہوم شرح طلب ہے۔ کیا وہ استعفا واپس لیلیا گیا یا "تھا" بجائے "ہے" کے استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی توضیح ضروری ہے

اس وقت میری حالت اس قابل نہیں کہ عرفانیات بھیج سکوں تاہم ممکن ہوا تو چونکہ آئندہ ماہ رمضان المبارک میں سید حسن صاحب حیرت بدایوں جا رہے ہیں ان کو ایک نسخہ تمہارے لئے دیدوں گا۔

فیروز قدر اور ہمایوں قدر دونوں بے کار ہیں اور فیروز قدر عرصہ سے علیل رہتے ہیں۔ میں خود بھی بے کار ہوں۔ وکالت شروع کر دینے کی خبر غلط ہے۔ ہاں اگر ممکن ہوا تو ارادہ ضرور ہے۔

جدید کلام کو صرف ریڈیو میں سن سکتے ہو اور نوٹ بھی کر سکتے ہو۔ فیروز قدر کی طبیعت درست ہوتی تو لکھ بھیجتے مگر وہ مجبور ہیں۔ سب سلام کہتے ہیں۔ زیادہ دعا۔

فانی: حیدر آباد (دکن) سلطان پلی ۲۰۲ مورخہ یکم ستمبر [۴۰]ء

آرزو لکھنوی

(۱)

بنام محمد علی اثر رامپوری

جناب والا! سلام مسنون الاسلام قبول ہو۔ آپ کی غزل دیکھی۔ لطف بھی اٹھایا۔ اور حسب ضرورت ترمیم بھی کی اور نوٹ بھی لکھ دیئے۔ کوشش کیجئے کہ جلد سے جلد اصلاح کی ضرورت باقی نہ رہے۔ میں اب پا بر کاب ہوں بہتر برس اس فانی دنیا میں گزار چکا اور کب تک رہ سکوں گا۔ دماغ و دل کمزور۔ آئے دن کا بیمار۔ کام اتنے کہ رات دن میں جو وقت کام کے لئے نکل سکتا ہے وہ کافی نہیں ہو سکتا۔ مقامی شاگردوں کی اصلاح جو چالیس پچاس سے کم نہیں۔ باہر کے خطوط کے جوابات۔ استفسارات کے حل۔ اپنی نوکری کے فرائض، کیا کیا کروں۔ جہاں تک ممکن ہو آپ کا کام جلد سے جلد دیکھ کر واپس کروں گا اگر کبھی دیر ہو جائے تو اسے تساہل نہ سمجھئے گا۔

۲۵ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء ۱۲۵/۱ ۔ سی۔ جی۔ ایک روڈ۔ خضر پور کلکتہ ۔ ناچیز آرزو

(۲)

بنام محمد علی خاں اثر رامپوری

نیشنل اسٹوڈیوز۔ فورتھ فلور۔ تارد یو روڈ۔ بمبئی۔ شفیقی وحبیبی! سلام مسنون قبول ہو۔ کرمنامہ موجب مسرت و امتنان ہوا۔ میں کس طرح کلکتہ سے لکھنؤ اور پھر لکھنؤ سے بمبئی پہنچا۔ یہ اک دفتر پریشان ہے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ نیا مقام ہے۔ نئے لوگ ہیں۔ خیالات بھی علٰحدہ ہیں۔ غرض کہ دنیا نئی ہے۔ کام کی زیادتی۔ بیک وقت تین پکچروں کے گیت بناتا ہیں۔ دعوت ناموں کی کثرت سے مجھے نہ فرصت نہ طبیعت درست۔ اور نئی مصیبت یہ ہے کہ ہفتہ عشرہ میں کوئی مبارک رات ایسی آجاتی ہے کہ گھڑی دو گھڑی آنکھ لگ جاتی ہے۔ ورنہ ساری رات جاگنا اور اس حالت میں کہ بلیک آؤٹ کی وجہ سے نہ کام کر سکتے ہیں۔ نہ بے شغلی میں رات کاٹے کٹتی ہے۔ پھر اُس روز کی جگائی کا جو اثر قلب و دماغ پر پڑتا ہے وہ ادھر تو آنکھوں کو بے نور کئے دیتا ہے، اُدھر قبض کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ بہر حال خدا کا شکر، کہ اس کا جتنا اثر ہونا چاہئے اُتنا نہیں ہے کہ مر پٹ کر کچھ دماغی کام کر ہی لیتا ہوں۔ انتخاب کے لئے دو اوین بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس کا کوئی انتظام کروں گا۔ اور سوالات کے سلسلہ وار جواب دوں گا۔ مگر کچھ عرصہ مزید لگے گا۔ جو غزلیں رکھی ہوئی ہیں اُنہیں تو سر دست رہنے ہی دیجئے کہ جو کام آپ نے میرے سر ڈالا ہے۔ اس کے لئے کافی وقت کی ضرورت ہے۔ جس کا یہاں

نقصان ہے۔ اگر کوئی خاص کلام کسی خاص ضرورت سے کیا گیا ہو تو اسے بھیج دیجئے گا۔

رسالہ نگار جنوری و فروری ۱۹۴۱ء میں نہ انتخاب میرا انتخاب ہے نہ حالات میرے لکھے ہوئے ہیں۔ مجھ سے ہر دیوان کا انتخاب طلب کیا گیا ــــ اور اس سے بہت کچھ کم کرکے جو چاہا لے کر چھاپ دیا۔ اور اس طرح کہ یہ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ کس دیوان کا انتخاب کہاں تک ہے۔ حد یہ ہے کہ خاص اردو تک کا کلام کمیل کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد تنقید نمبر ۱۹۴۲ء میں نکلا ہے۔ چار نقادوں کے تبصرے ہیں، جسے دیکھ کر صاف ظاہر ہوتا ہے کہ چاروں ایسی انجمن کے ممبر ہیں، جن میں سب کا نقطۂ نظر کچھ لوگوں کو گھٹانا اور کچھ کو بڑھانا ہے۔ جس کے لئے نہ کسی دلیل کی ضرورت ہے نہ کسی توضیح کی۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ اک ایسے قطعی فیصلہ کا اعلان ہے۔ جسے بے چون و چرا تسلیم کر لینا ہر شخص کا فرض ہے۔

آخر میں نیاز صاحب نے جج بن کر ناطرف داری کی ادائیں دکھانے کے بعد جو فیصلے کئے ہیں وہ بھی یہی شان رکھتے ہیں۔ بس اسے مان ہی لو۔

میرے متعلق انہوں نے جو گلفشانیاں کی ہیں وہ بہت ہی پُر لطف ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اہل فہم میرے دھوکے میں نہیں آئیں گے، مگر عوام مزدا آمنّا و صدّقنا کہہ دیں گے۔ لہٰذا جو کچھ کہا ہے اس کا مفہوم تو کلام کے محاسن کو ظاہر کرتا ہے اور انداز بیان محاسن کو معائب بتاتا ہے۔ یہ شانِ تحریر اپنی جگہ بلند پایہ رکھتی ہے۔ مگر یہ شعار کتنا رکیک ہے۔ حسرت موہانی اور فراق گورکھپوری ہندوستان کے سب سے بہترین غزل گو۔ اور فانی بدایونی ان سے ذرا کم۔ مگر اور سب سے بالاتر ہیں۔ یہ ہے حاصل اس ساری جد و جہد کا۔ ... فانی مرحوم نے میرا پہلا دیوان دیکھتے ہی اپنے چھپے چھپائے دیوان کو کاٹ کر پھینک دیا۔ وہ میرے دوست تھے۔ جس وقت میں نے ان سے مطبوعہ دیوان طلب کیا ہے تو مرحوم نے یہی کہا تھا جو اوپر میں نے لکھا ہے۔ کیا کہوں، فرصت نہیں ورنہ دیکھتا نیاز صاحب کہاں تک ہیں۔ اگر ان کے فریب تحریر کے پردے چاک چاک کر ڈالے جائیں تو دنیا ان کے دھوکے میں کبھی نہ آسکے۔ کوشش کروں گا کہ جلد سے جلد فہرست سوالات کی خانہ پری کر کے روانہ کر دوں۔ انصاری صاحب بھی تسلیم کہتے ہیں۔

۲ر اپریل ۱۹۴۲ء

خیر طلب آرزو

---

(۴)

بنام محمد علی خاں اثر

۲۰۔ جمشید فیروز محل۔ بھنڈی بازار بمبئی ۸

محبی اثر صاحب! اسلام مسنون۔ آپ کا کارڈ اور کتاب حکیم حیدر بیگ صاحب کی معرفت وصول ہو کر دلی مسرت حاصل ہوئی اس لئے کہ اس انقلاب نے تمام احباب و اعزا کی طرف سے پریشان خاطر کر دیا تھا۔ میں اسوقت بہت بیمار ہوں۔ ایک تو خون کا دباؤ ازید برآں بادی بواسیر خونی ہو گئی۔

مسدس بینظیر کا نام باغ بے نظیر ہی ہوتا تو بہتر تھا۔ بہر حال خوب کتاب ہے اور آپ نے بڑی جانکاہی کے

ساتھ سے تالیف کیا ہے۔ مگر اس وقت میں اس قابل نہیں ہوں کہ اس پر سیر حاصل تبصرہ کر کے چھپوا دوں اور اس کی کٹنگ آپ کو بھیجوں۔ آئندہ دیکھا جائے گا۔ دیر آید درست آید۔ یہ وقت تو میرے لئے دعا کا ہے۔

۲۹ ستمبر ۱۹۵۰ء خیر طلب آرزو

---

(۴)

بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب

پرنسز پلیس۔ رامپور اسٹیٹ۔ آرزو نوازا! تسلیم۔ میں بخیریت ہوں۔ خدا سے امید ہے کہ آپ بھی بہمہ وجوہ بخیریت سے ہوں گے۔ میں ہز ہائنس کے چھوٹے بھائی صاحب کے یہاں مقیم ہوں۔ میرا قیام بحیثیت استاد کے ہے اس لئے تنخواہ کا مسئلہ قابل بحث نہ رہا۔ اور نیز اس وجہ سے بھی کہ میرا تعلق دربار سے کچھ نہیں۔ مگر میرا ذکر اکثر رہا کرتا ہے۔ خاص اردو خاص طور پر پسند کی جا رہی ہے۔ اب تک جتنے اشعار مشہور ہوئے سب اسی منقیہ اردو کے ہیں۔ عید ملنے کی غرض سے منظر صاحب تشریف لائے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی یہی فرمائش کی کہ آپ وہی اپنی شدہ بھاشا سنائیے۔ اسی اثنا میں "نظام اردو" پر نظر پڑی۔ پھر ایک گھنٹہ کامل سوا کتاب دیکھنے کے وہ کسی طرف متوجہ نہ ہوئے اور یہ کہہ کر کتاب ہاتھ سے رکھی کہ یہ نئی چیز اور پہلی چیز ہے۔ یہاں پُر مغز اشعار کی قدر نہیں۔ صرف خون کو حرکت دینے والے شعر پسند کئے جاتے ہیں۔ میں نے بھی گویائی کا ذرا سا رُخ بدل دیا ہے۔ حال میں ایک مشاعرہ ہونے والا ہے جس کی طرح یہ ہے ۔ دامن تنگ رہا ہے عروس بہار کا ۔۔۔ طرح تو لائق نفرت تھی، مگر جانتا ہوں کہ ہز ہائنس کا حکم میرے طلب میں نافذ ہوگا۔ اس لئے کچھ شعر کہہ لئے ہیں۔ دو ایک شعر دوسری طرف لکھوں گا۔ شاید آغا صاحب سلمہٗ نظام اردو کی کچھ کاپیاں لائیں تو الٰہ آباد جاتے وقت کچھ صدیقی صاحب کے واسطے لے جائیے گا۔ اور کچھ اپنے پاس رکھ لیجئے گا کہ شاید کسی کو آپ بھیجنا ضروری سمجھیں۔ مثلاً کیفی صاحب دہلوی یا اور کوئی۔ بچوں کو دعا۔

آرزو

بجھنے کو ہے چراغ شب انتظار کا چہرہ اترتا جاتا ہے امیدوار کا
بدلی کی چھاؤں سی اِدھر آئی اُدھر گئی جھپکی پلک کہ ختم تھا موسم بہار کا
مجھ کو اسی زمیں پہ مٹایا ہے چرخ نے چاہو جہاں نشان سمجھ لو مزار کا
راہِ طلب میں دوڑ نہ اتنا کہ پھوٹے سانس اس پھر تک میں بجھے گا چراغ اعتبار کا
وہ اُن کا اک مٹائے ہوئے کو پکارنا اور کانپ کر زمین سے وہ اٹھنا غبار کا
ہنگام صبح بجھ گئی یہ کہتے کہتے شمع ہم بھی چلے جو وقت گیا انتظار کا
اب شکر کریں ہی شکر کریں ہیں کلی کہ خشک چل آرزو کہ ختم ہے موسم بہار کا
پیری میں آرزو یہ جوانی کے زور شور ہے جوش اس خزاں میں بھی فصل بہار کا

صحت کی میعاد صورت والی بحث ختم ہو گئی ہے، کسی، فرصت کے وقت صاف کر کے روانہ کروں گا۔ بعض حالات آغا سلمہٗ سے معلوم ہوں گے۔

(۵)

بنام جناب شفاؔ گوالیاری بھوپال

مہربان من جناب شفاؔ صاحب۔ سلام مسنون۔ میں بھی سخت بیمار ہوں۔ خون کا دباؤ بڑھ گیا ہے۔ میرے لئے دعا کیجئے اور جناب محویؔ سے بھی بعد سلام مسنون کے یہی استدعا ہے مگر جواب دینا تو شرعاً اخلاقاً دونوں طرح واجب ہے۔

شعر زیر بحث میں نہ مفہوم اچھا ہے نہ اوپر کے مصرع کا بیان بھی درست ہے۔ دوسرا مصرعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ عاشق بعد عشق سمجھتا رہا ہے کہ اس سے تو وہی حالت اچھی تھی جب عشق نہ ہوا تھا بلکہ ایسی اچھی حالت تھی جس کی یاد سے لطف آرہا ہے اور موجودہ حالت سے نفرت ظاہر ہورہی ہے۔ اگر اچھا مصرع لگتا تو یہ سب برائیاں دور ہوجائیں۔ مصرع آمد و روانی میں بجائے خود اچھا ہے۔ اب مصرع اولیٰ کو لیجئے۔ کوئی محفل تھی نہ اپنی۔ کہنے کے بعد کوئی محفل میں نہ تھا ــــــ کُل سے انکار کے بعد اس کے جزو کا ذکر بھی بے سود ہے۔ جب کل نہ تھا تو اس کا وہ جزو بھی نہ تھا سلب جس کا ہونا تکلیف دہ ثابت ہو رہا ہے یعنی اب دل کی محفل ہے اور اس میں کوئی ایسا بھی موجود ہے جس کے نہ ہونے کو بہتر سمجھا جا رہا ہے۔ غرض کہ ذات معشوق و نفس عشق دونوں ہی لائق نفرت ہیں، عجب طرح کی شاعری ہے ــــــ

کوئی محفل تھی نہ اپنی کوئی محفل میں نہ تھا
وہ بھی کیا دن تھے کسی کا عشق جب دل میں نہ تھا

دل کی محفل بھی بغیر ثبوت کے فرضی سی ہے۔
جو کچھ آیا ہے اس سے تو دل مکان ہے اور معشوق اس کی مکین ہے۔

آرزو

محمود شیرانی

(۱)

بنام ڈاکٹر زور

ڈیر مسٹر قادری!

آپ کا عنایت نامہ ایک عرصہ سے جواب کا منتظر ہے۔ میں اس تاخیر کی آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ مجھ کو اپنی نئی ملازمت کے سلسلہ میں چند لکچر دینے تھے۔ چونکہ وقت کم اور کام زیادہ تھا اس لئے ان لکچروں کی تیاری میں ہمہ تن مشغول رہا۔

"پنجاب میں اُردو" کے متعلق آپ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کے لئے آپ میرا شکریہ قبول کیجئے۔ عبدالحق صاحب کے تبصرے نے تو مجھ کو سخت مایوس کیا ہے بلکہ میں اس کو بیداد سمجھتا ہوں۔

آپ کے اعتراضات ایک حد تک بجا اور درست ہیں۔ میں عجلت میں تھا۔ بالخصوص پرنسپل عبداللہ یوسف علی کی تاکید کی بنا پر مجھ کو یہ کتاب قبل از وقت شائع کرنی پڑی ہے اور کئی موقعوں پر اس میں اجتہادی یا دوسری قسم کی غلطیاں بھی موجود ہیں۔ تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ ضروری یا تازہ مواد کے متعلق میں نے کتاب میں کافی اطلاع دے دی ہے۔ میں نے جس ذخیرہ پر زیادہ تر اعتماد کیا ہے وہ اکثر قلمی ہے جو خود میرے پاس ہے یا دیگر احباب کے مجموعۂ کتب سے علاقہ رکھتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

"بعض چیزیں اس قدر اہم اور کام کی ہیں کہ ان کے ساتھ اگر ان کی واقفیت کے ثبوت اور پتے بھی دے دئے جاتے تو وہ تھوڑی سی تشنگی باقی نہ رہتی جو اس وقت میں محسوس کر رہا ہوں۔"

آپ کا یہ جملہ تشریح کا محتاج ہے۔ مہربانی کر کے آپ مجھ کو اطلاع دیجئے کہ وہ کونسے ضروری مقامات ہیں جہاں میں نے اپنے حوالے نہیں دئے ہیں۔

مجھ کو پنجابی اردو مصنفین کے مخطوطات میں دلچسپی ہے اگر ان کے متعلق آپ کوئی تفصیلی اطلاع بہم پہنچائیں گے تو میں بے حد شکر گزار ہوں گا۔ بالخصوص تالیفات کے متعلق جو بیونیک نیونال میں آپ بتاتے ہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ بہت جلد یورپ سے کامیاب واپس اپنے وطن تشریف لے آئیں گے اور ادبیات کی خدمت میں حسب معمول سرگرم و مستعد رہیں گے۔ والسلام!

محمود شیرانی۔ ۱۸ فلیمنگ روڈ لاہور۔ ۲ راپریل ۱۹۲۹ء

(۲)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب

18 · FLEMING ROAD
LAHORE 7·6·33

مائی ڈیر سید!

عنایت نامہ کا شکریہ۔ آپ میری طرف سے ہدیۂ مبارکباد قبول کیجئے، آپ ایم۔اے میں اوّل رہے ہیں۔ نتیجہ آج ہی اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ آپ کو مجھ سے پیشتر دیگر ذرائع سے اطلاع پہنچ گئی ہوگی۔ مقام شکر ہے۔ مجھ کو بیحد خوشی ہوئی۔

آپ کے سیکرٹری صاحب اس روز کے بعد مجھ سے کبھی نہیں ملے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ مجھ سے ناراض ہیں۔ اگر کبھی ملاقات ہوئی اور موقع نکل آیا تو تذکرہ ضرور کر دوں گا۔ صوفی صاحب بھی کبھی نہیں ملے۔

پروفیسر شفیع یہاں سے پانچ کو چل دیئے اور وہ آپ سے خفا ہیں۔ میں نے حتی الامکان ان کے خیالات میں تبدیلی کی کوشش کی۔

ہزارہ آنا میرے لئے دشوار ہے۔ بال بچے ۵ کو وطن چلے گئے۔ یہاں میں اور کالا اور رحیل ہیں۔ کھانا پکانا انہی کے ہاتھوں میں ہے۔ مجھے تقریباً بھوکا رہنا پڑتا ہے اور اگر یہی حالت رہی تو ممکن ہے کہ کھانے ہی سے دست بردار ہو جاؤں۔ گرمی انتہا درجہ کی پڑ رہی ہے۔ رات تمام رات حبس تھا۔ ہوا کا نام نہ تھا۔ پنکھے کے ساتھ بھی نیند نہیں آتی تھی۔ میں نے ایسی گرم راتیں لاہور میں بہت کم گذاری ہیں۔

اب تو آپ سے ملاقات اکتوبر میں ہوگی۔ آپ کے والد ماجد کی خدمت میں میرا سلام نیاز۔ والسلام!

محمود شیرانی

(۳)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب

سید صاحب!

آپ کے خط عرصہ سے جواب کے منتظر ہیں۔ اس میں میرے تساہل کے علاوہ آپ کی توجہ پہیلی بہ تعلق نل دمن احمد ہرادی بھی ذمہ دار ہے۔ نل دمن سے میں ناآشنائے محض ہوں نہ اس کی لسانی خصوصیات سے واقف۔ حیران تھا کہ جواب کیا دوں۔ قیام دہلی کے زمانہ میں اورینٹل کالج میگزین آیا۔ اس میں آپ کا شائع کردہ نل دمن کا حصہ نظر سے گذرا۔ لیکن وہاں میں اور امور میں مشغول تھا اور ہریانی کے نمونے بھی موجود نہ تھے۔ یہاں آئے پندرہ روز سے زیادہ ہو گئے مگر باوجود کوشش و خواہش ابھی تک جواب کی نوبت نہیں آئی۔ میری صحت دن بدن خراب ہو رہی ہے۔ سانس اور دل کی تکلیف بڑھ رہی ہے۔ چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ آج کل تو یہاں سردی بھی غیر معمولی پڑ رہی ہے۔ اس سردی نے تو پنجاب کو بھی مات کر دیا۔

نل دمن کی زبان کو ہریانی کہنا جغرافیائی اعتبار سے تو یقیناً غلط ہے۔ ہریانہ کا اطلاق ایک خاص خطہ پر ہوتا ہے۔ میرٹھ کو اس میں داخل کرنا درست نہیں۔ اس میں لسانی مطابقت اردو کی بنا پر ہے جس کی دونوں شاخیں ہیں۔ پھر بھی ان میں فرق موجود ہے

ہراوی کی زبان زیادہ صاف اور منجھی ہوئی ہے اس میں فارسی غالب ہے۔ برخلاف اس کے ہریانی ٹھیٹ دہقانی ہے۔ اس پر فارسی اثر کم ہے۔ آپ اس کو ورنیکلر ہندوستانی مان لیں تو کوئی ہرج نہیں یا دہلی کے مضافات کی قصباتی زبان کہہ دیں یا قصباتی اردو کہہ لیں۔ ہریانی کا لفظ میرا اپنا اختیار کردہ ہے۔ سرکاری رپورٹ اس علاقہ کی زبان کو جٹو، جٹی، باگڑی، بانگڑ، چمروا وغیرہ نام سے یاد کرتی ہے۔ یہ نام مقامیوں کو پسند نہیں ویسے بھی بھلے نہیں معلوم ہوتے اس لئے میں نے ہریانہ کی اصطلاح کو اختیار کر لیا۔ اس اصطلاح کا تمام دہلی کے گرد و نواح کی زبان پر اطلاق درست نہیں ہوگا۔ ایسی اردو کے نمونے اور علاقوں سے بھی پہنچے ہوں گے مثلاً صوبہ اجمیر، آگرہ، الہ آباد وغیرہ۔

آپ کی کتاب کے متعلق مولانا عبدالحق نے اثبات میں جواب دیا تھا۔ اگر اب تک ان لوگوں نے آپ کو نہیں لکھا ہے تو عنقریب لکھیں گے۔

بڑی چیزوں کی اشاعت کے متعلق میں سوچ رہا ہوں۔ تنقید وغیرہ کو تو انجمن شاید اس سال چھاپ دے۔ باقی چیزوں کا تا بدید بندوبست نہ ہو سکے۔

یہ عبداللہ نے کیا بے پرکی اڑائی۔ میں اس بدبختی کی حالت میں گجرات جاکر کیا کرتا۔ میرے لئے تو روپڑ بھی گجرات ہے۔

مولانا نذیر احمد صاحب کی خدمت میں میرا اسلام کہہ دیجئے اس میں بھانجے صاحب بھی شریک ہیں یعنی بابو صدیق احمد خاں۔ ڈاکٹر بنارسی داس اور لالہ منشی رام کو میرا اسلام کہنا۔ موحرالذکر سے محمد احمد کے متعلق میری طرف سے سفارشی الفاظ کہہ دینا۔ والسلام!

محمود شیرانی۔ مہندی مارگ۔ ٹونک راجپوتانہ۔ ۱۵ر جنوری ۱۹۴۲ء

---

(۴)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب

مائی ڈیر سید صاحب!

جے پور سے واپسی پر جہاں میں دمہ کے علاج کے واسطے گیا تھا مجھے آپ کی قابلِ قدر تصنیف "ادبیاتِ فارسی میں ہندوؤں کا حصہ" جو دیر سے یہاں میری منتظر تھی ملی۔ اس کے لئے آپ میرا دلی شکریہ قبول کیجئے۔ آپ کی تالیف کو جب کھولا سب سے پہلے وہ ورق کھلا جس میں وارستہ کی تصنیفات کا ذکر تھا۔ یہاں "صفات کائنات" یا "عجائب و غرائب" کا ذکر ہے۔ دوسرے صفحہ پر "جنگ رنگا رنگ" کا مذکور ہے۔ میرے خیال میں یہی چیزیں یا ان سے ملتی جلتی میرے مجموعۂ قلمیات میں ہیں جو اب پنجاب یونیورسٹی کی ملک ہے۔ دونوں چیزیں وارستہ کی ہیں لیکن مجھ کو ان کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا۔ میں نے جلدی میں انہیں بیاضوں میں داخل کر لیا تھا۔ ان میں سے ایک کا نمبر ۹۴۲ ہے۔ میں نے اس کا نام معلوم نہیں کیوں "نامۂ نگارین و صحیفۂ رنگین" رکھ لیا ہے۔ یہ تو اس تالیف کے واسطے ایک توصیفی جملہ معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال یہ بیاض نثری نمونوں پر شامل ہے۔ نسخہ نہایت پاک و صاف ہے اور اس کی تاریخ کتابت ۱۲۳۶ھ ہے۔ دوسری بیاض کا نمبر ۱۴۷۶ ہے۔ نسخہ پاکیزہ ہے اور شعرا کے نمونۂ کلام پر شامل ہے۔ بعض موقعوں پر وارستہ اعتراض بھی کرتا ہے اور اسی سے مجھے معلوم بھی ہوا کہ یہ بیاض وارستہ کی یادگار ہے۔ بہرحال آپ ان دونوں چیزوں کو دیکھیے۔

میں نومبر سے بیمار ہوں۔ جنوری میں جب دمہ کے دورے سخت اور تقریباً روزانہ ہونے لگے میں علاج کے واسطے جے پور

جا کر وہاں کے ہسپتال میں داخل ہو گیا۔ سترہ اٹھارہ روز رہا اور ڈاکٹر کی اجازت سے فروری میں واپس آیا۔ جے پور میں اگرچہ دورے
بعد میں بند ہو گئے تھے لیکن ٹونک آنے سے چھٹے دن بعد ایسا سخت دورہ پڑا کہ خدا کی پناہ۔ دل پر اس کا بُرا اثر پڑا۔ جسم کے جوڑ جوڑ
میں تکلیف رہی۔ تین چار روز تک بدن پر لرزہ طاری رہا اور اب بھی ہے۔ اب تک میں خط لکھنے سے معذور رہا۔ اتنی بُری طرح کانپتا
تھا۔ گرمی میں اگر طبیعت سنبھل گئی تو خیر ورنہ سفرِ آخر بہت قریب سمجھو۔ جسم کی طاقت بالکل زائل ہو چکی ہے اور دل ہر قسم کے صدموں آوازوں
اور شور سے اثر پذیر ہونے لگا ہے۔ دن میں کئی کئی مرتبہ ڈوبنے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ خدا خاتمہ بخیر کرے۔ والسلام!

محمود شیرانی۔ مہندی باغ۔ ٹونک راجپوتانہ۔ ۱۷ فروری ۱۹۲۴ء

(۵)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب

مائی ڈیر سید صاحب!

میں آپ کو ایک تکلیف دے رہا ہوں اور بدرجۂ مجبوری لکھ رہا ہوں۔ میرے ہم وطن محمد شریف ہیں جو پنجاب یونیورسٹی کے
امتحان میں اس سال شریک ہونے کے گنہگار ہیں۔ یہ بصورت اونلی انگلش (ONLY ENGLISH) میں شریک ہوئے تھے۔ یونیورسٹی نے
ان کا رزلٹ شائع نہیں کیا اور اپنے سرکلر لیٹر 4531/A کے ذریعے تیس روپے ان سے طلب کئے۔ شریف صاحب نے میرے
مشورہ سے وہ روپے بھیج دئے جس کی رسید نمبر ۵۵۴۴ یونیورسٹی سے ان کو مل گئی۔ اس کے بعد ایک اطلاعی کارڈ NO. EX
FEES 2/1591/4/A آیا جس میں تحریر تھا کہ اب تم نے اپنی فیس کا حساب صاف کر دیا ہے۔ کنٹرولر صاحب کو اطلاع
دے دی گئی ہے۔ تمہارا نتیجہ جلد شائع کر دیا جائے گا۔ ساتھ ہی کارڈ اطلاعی آیا کہ ROLL NO. 13361 میٹرک کے امتحان میں
"غیر حاضر" ہے۔ نیچے ہمارے دوست علاء الدین صاحب کے دستخط ہو رہے ہیں۔ یہ اطلاع غیر اطمینان بخش ہے۔ کیونکہ رول نمبر
مذکور امتحان میں شریک ہوا ہے اور کاپی دے کر آیا ہے یعنی ENGLISH ONLY کی۔ اب معلوم نہیں کہاں غلطی ہوئی ہے کہ
ایک "حاضر" کو یونیورسٹی "غیر حاضر" قرار دے رہی ہے۔ محمد شریف بیچارے بہت پریشان ہیں۔ میرے پاس اس سلسلے میں کئی دفعہ آچکے
ہیں۔ مجھ کو شرم آتی ہے اس لئے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ مہربانی کر کے اس بارہ میں آپ ذرا دلچسپی لیجئے اور ان کے نتیجۂ امتحان
سے اطلاع دیجئے۔ ممکن ہے کہ یونیورسٹی نے شریف صاحب کو پورے امتحان میں شریک مانا ہو اس لئے غیر حاضر قرار دیا حالانکہ
وہ صرف انگریزی کے امیدوار تھے۔ یونیورسٹی نے تیس روپے مانگے تھے اس لئے انہوں نے میرے مشورہ سے تیس ہی بھیج دئے۔
حالانکہ ONLY ENGLISH کی صرف بارہ روپے فیس ہے اور پانچ روپے لیٹ فیس کے۔ اس حساب سے ساڑھے سترہ
ان کو لینے چاہئیں۔ میں نے شریف صاحب سے کہا ہے کہ بقایا کے رفنڈ کی درخواست کر دو۔

مہربانی کر کے ذرا تکلیف گوارا کر کے اس معاملہ کے متعلق دریافت کیجئے اور مجھے جواب دے کر اپنا شکر گذار بنائیے۔

آج لپنا والے ڈاکٹر کا خط آیا ہے۔ باقی خیریت ہے۔ اورینٹل کالج میگزین کا کیا حال ہے؟ یارانِ قدیم میں سے کون کون باقی ہے؟ والسلام!

محمود شیرانی۔ مہندی باغ۔ ٹونک راجپوتانہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۴ء

جواب کے لئے ٹکٹ ارسال ہے تعارف ہو جئے۔ ہاں یہ بھی لکھئے کہ فاضل رقم کے رفنڈ کے واسطے کس سے خط و کتابت کی جائے گی۔

م — ش

(۶)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب　　　URGENT

مائی ڈیر سید صاحب!

میں آپ کے مہربانی نامے اور توجہ اور تکلیف کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں محمد شریف آپ کی اطلاع کے باوجود [illegible] رہے ہیں۔ آپ کے بعد بھی یونیورسٹی سے درخواست کی کوئی خبر نہیں آئی [illegible] سبب تھا کہ تمہارا نتیجہ بھی روک لیا ہے۔ اگر [illegible] مانگنے پر تو پانچ روپے اور دو۔

محمد شریف صاحب کی درخواست آپ کی خدمت میں بھجوا رہا ہوں۔ اگر آپ خود یا بھائی صاحب سے ذاتی طور سے اپنے طور پر یہاں کی درخواست پر حکم مناسب دے سکیں تو بہت اچھا ہو۔ کیا ظلم کی بات ہے کہ ایک شخص کو جو امتحان میں شامل ہوا ہے زبردستی غیر حاضر دکھایا گیا ہے۔ بھائی جو کچھ آپ سے ہو سکے کیجئے۔ شریف صاحب بہت پریشان ہیں۔

یہ خوشی کی بات ہے کہ میری کتابوں کی فہرست نکالنے کی آپ کے حصے میں آئی ہے۔ مہربانی کر کے آپ اس کی فہرست اسی طریقے سے تیار کیجئے جس طرح ربیو اور عبدالمقتدر زاہد نے کی ہے۔ اس بارہ میں ہر ہمیشہ آپ کو مشورہ دینے کے لئے تیار ہوں۔

آپ نے کالج کے حالات تفصیل سے نہیں لکھے۔ ڈاکٹر صاحب کچھ نہیں لکھتے۔ اورینٹل کالج میگزین اور عربک پرشین سوسائٹی کا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیج رہا ہوں [illegible] مہربانی کر کے آپ داخل کر دیجئے اور رسیدیں بھجوا دیجئے۔ شریف صاحب جلدی میں ہیں اس لئے یہ خط ختم کرتا ہوں۔ والسلام! ماموں بچوں کو سلام و الدعا!

محمود شیرانی۔ مہندی باغ۔ ٹونک راجپوتانہ ۲۵ دسمبر ۱۹۴۵ء

مہربانی کر کے آزاد کلکتہ یا [illegible] مجموعے یا اور کسی سے ذوق کا ایسا کلام بھیجئے جو اب تک شائع نہ ہوا ہو۔ والسلام!

م ش

---

(۷)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب

مائی ڈیر سید صاحب!

لطف نامہ پہنچا۔ بھائی کیا کرتے ہو۔ وہ پانچ روپے میں نے اورینٹل کالج میگزین اور عربک پرشین سوسائٹی کے چندہ کے واسطے بھیجے ہیں۔ آپ شریف صاحب کی امانت کیونکر سمجھ بیٹھے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے میرا خط پورا نہیں پڑھا۔

ریڈرشپ کی مبارکباد قبول ہو۔ گریڈ میں کیا اضافہ ہوا یہ نہیں لکھا۔ شریف صاحب کے سلسلے میں آپ کا اور صدیقی صاحب کا شکریہ۔ صدیقی صاحب کی تجویز تو بہت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ خدا کرے راست آئے۔

ہاں خوب یاد آیا آپ یہ پانچ روپے میری طرف سے سمجھ کر جس طرح میں عرض کر رہا ہوں داخل فرما دیں یعنی (۱) چندہ اورینٹل کالج میگزین (۲) چندہ عربک پرشین سوسائٹی۔ اگر کمی ہو تو مجھے لکھ دیجئے۔ اگر فاضل ہو تو علی الحساب جمع کرا دیجئے۔ میں اس چندہ یا چندوں کے لئے بہت متفکر ہوں۔ کیونکہ ان پر ایک افتاد پہلے پڑ چکی ہے۔ پچھلے دنوں یاد ہے میرے پاس اس چندہ کی طلب میں کارڈ آیا میں نے [illegible]

کو کہلا بھیجا اُردو میگزین اور سوسائٹی کے چندہ کے واسطے چار روپیے بنام ڈاکٹر محمد اقبال منی آرڈر کر دیں۔ چنانچہ چار کا منی آرڈر کر دیا گیا۔ تین ماہ کے انتظار کے بعد میں نے گھر والوں سے دریافت کیا کہ ان چار روپیوں کی کوئی رسید بھی آئی یا نہیں۔ چند روز کے بعد جواب دیا کہ وہ روپیے تو انہی دنوں میں واپس آ گئے تھے اور خرچ بھی ہو گئے۔ میں حیران رہ گیا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں خط لکھا اور دریافت کیا کہ آخر منی آرڈر کیوں واپس ہوا۔ دیر کے بعد جواب آیا لیکن میرے استفسار کا کوئی جواب نہ تھا۔ اب آپ کے ذریعے دوبارہ کوشش ہوئی اور نتیجہ یہ نکلا کہ آپ نے شعیب صاحب کی امانت مان لیا۔ آپ مجھے جوابی جواب کیا بلکہ رسیدیں ڈاکٹر صاحب سے لے کر بھجوا دیجئے۔

میرے مجموعے کی فہرست علیحدہ رہنی چاہیئے نہ میرا مجموعہ یونیورسٹی کے مجموعے میں توڑ کر شامل کرنا چاہیئے بلکہ اس کی جداگانہ ہستی قائم رہنی چاہیئے۔ یہ تو لائبریرین کا سب سے پہلا وعدہ تھا۔ میں اس بارہ میں لائبریرین کو لکھوں گا اور آپ لائبریری کمیٹی میں کمیٹی کے فیصلے کے خلاف میری طرف سے احتجاج کریں۔

میری صحت بالکل گر چکی ہے۔ معلوم نہیں کب تک مہمان رہوں۔ چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ بڑی کوشش کے بعد دس بیس قدم چل سکتا ہوں۔

ذوقؔ کے کلام کے سلسلے میں مجھے کچھ یاد نہیں۔ آپ میری اردو کی بیاضیں دیکھ سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہیں کچھ مل جائے۔ آپ مجموعۂ آزاد میں تلاش کیجئے شاید کچھ مل جائے۔ والسلام!

محمود شیرانی۔ مہندی باغ۔ ٹونک راجپوتانہ ۱۲ / جنوری ۱۹۴۶ء

بڑے بھیا جی کبھی ملتے ہیں۔ میری مراد شیخ عبدالعزیز بیرسٹر بٹالہ سے ہے۔ ان کی خدمت میں میرا اسلام عرض کر دیجئے میں ان کو علیحدہ بھی عریضہ لکھ رہا ہوں۔ ماموں بھانجے کی خدمت میں سلام۔ ان سے کہنا کہ اگر ٹونک کے خربوزے میری زندگی میں کھانے ہیں تو گرمی میں آ جاؤ۔ اس دعوت میں آپ بھی شریک ہیں۔ فقط!

م۔ ش

تاجور نجیب آبادی

(۱)

<u>بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد</u>

محترم ملت فخر قوم! آفتاب اقبال بر نصف النہار باد آمین!

تسلیم۔ آستانِ کریم پر سائل کا آنا کچھ گناہ میں داخل نہیں ہے۔ اس لئے جہاں رسالہ ذخیرہ، نظام المشائخ، نظارہ، "پرنس میگزین" وغیرہ جناب کی علمی دریا باریوں سے سیراب ہوتے ہیں، اگر رسالہ "مخزن" جس نے سب سے پہلے اردو لٹریچر کی خدمت ہمکر بندھی اور سب سے زیادہ یعنی اٹھارہ سال تک جانفشانیوں کے ساتھ علمی خدمت بجا لاتا رہا ہو اگر یہ عرض کرے کہ

"اے خانہ برانداز کرم کچھ تو ادھر بھی"

تو مستحق ہمدردی نہ ہوگا؟ "فللارض من کاس الکرام نصیب"

"مخزن" کا دور جدید شروع ہوا ہے۔ ملک کے اکثر اہل قلم اس کو پروان چڑھانے پر مستعد نظر آتے ہیں۔ "مخزن" کا حال زرّیں ماضی کی صورت اختیار کرنے کو ہے۔ جناب بھی اس تشنۂ کرم "مخزن" کو بطور صدقۂ التفات اپنی سحر طرازیوں میں سے کچھ مرحمت فرمائیں تو پھر "مخزن" کی بادہ نوازی کو چار چاند لگ جائیں گے۔ میں تو آج ہی سے اپنی تاریخ یاس و امید کو یہ تسلی دے رہا ہوں۔

"باش ماروے شفا آید ہمے"

نیاز کیش: احسان اللہ خان تاجور نجیب آبادی ایڈیٹر مخزن لاہور

مخزن آفس ۷ر جنوری ۱۹۱۸ء

---

(۲)

<u>بنام شاکر صدیقی</u>

مکرمی! سلام مسنون

خط مع غزل صادر ہوا۔ آپ نے بلا استحقاق دوسروں کے مقابلہ میں مجھے انتخاب کیا اس کا دلی شکریہ —

جب سے مخزن میں آیا ہوں اس وقت سے اب تک بہت سے غائبانہ عنایت فرماؤں نے مجھے خدمت اصلاح سونپنے کا اہم کام سپرد کرنا چاہا مگر اپنے آپ کو اس ذمہ داری کا اہل نہ پاکر میں نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔ آپ کا خط جس وقت پہنچا پنڈت میلا رام صاحب وفا میرے پاس ہی بیٹھے تھے۔ انہوں نے بھی خط پڑھا اور مجھے باصرار انکار سے روکا۔ اس لئے

میں باوجود عدم استحقاق کے آپ کی فرمائش کو قبول کرتا ہوں۔ یہ خط غزل کی رسید سمجھئے۔ اصلاح کسی آئندہ فرصت میں ارسال کروں گا انشاء اللہ
جوابی لفافہ بھیجنے کی ضرورت نہ تھی۔ غزل دیکھ کر معلوم ہوا کہ آپ کی طبیعت شاعرانہ ہے۔ استعداد موجود ہے
صرف تھوڑی سی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ پھر آپ ملک کے شاعروں میں ممتاز درجہ پا سکتے ہیں۔ [illegible] اس جملہ کو [illegible]
ایک بات یاد رکھئے کہ میں عدیم الفرصت بھی ہوں اور کاہل بھی۔ آپ کے تقاضے مجھ سے کوئی کام لے سکتے ہیں۔ والسلام!

خیر طلب: تاجور عفی عنہ۔ مخزن آفس، ناصر [illegible] فروری [illegible]

الحاقیہ: آپ کے انداز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اچھے مضمون نگار بھی بن سکتے ہیں۔ والسلام!

(۳)

بنام شاکر صدیقی

عنایت فرمائے من! اسلام مسنون

میں حد سے زیادہ نادم ہوں کہ اب تک تعمیل حکم نہ کر سکا۔ آپ کی چشم پوشی سے امید ہے کہ میری فطری کاہلی سے متاثر نہ ہو گی۔ اب میں انشاء اللہ جلد سے جلد نظمیں ارسال کروں گا۔ اطمینان رکھیے۔ والسلام!

نیاز مند: تاجور عفی عنہ۔ مخزن آفس۔ لاہور ۱۱ اپریل ۱۹۲۱ء

(۴)

بنام شاکر صدیقی

شاکر صاحب!

سلام! "ان کی نگاہ ناز کے اعجاز سے" اس قسم کے الفاظ پست سمجھے جاتے ہیں۔ بس رہا عالم کا منظر میری [illegible]
میں سے "بس رہی۔ . . . . سے ... ہے ... بہت دور واقع ہوا ہے۔ فقروں کی ترتیب بھی ہونی اور درست ہونی چاہیے۔
مشکل ردیف و قافیہ ابھی آپ دو سال تک نہ استعمال کریں۔ فارسی بندشوں سے بھی اس وقت تک احتراز کریں جب تک سلاست اور صفائی کلام میں پیدا نہ ہو۔ کلام میں سادہ اور باوقار جذبات اور خوش رنگ الفاظ سے اثر پیدا ہوتا ہے۔ آئندہ مجھے ذیل کے پتے پر خط لکھا کریں۔ سیفی صاحب سہسوانی۔ بیڈن روڈ۔ کابلی بلڈنگ لاہور۔ سیفی میرے شاگرد ہیں اور مجھ سے شاگردوں کے خطوط کا جواب ضرور لکھوا دیتے ہیں۔

آپ کی مصیبت میں صبر کی تلقین بے مزا کے سوا اور کیا ہے کہ میں شریک ہو سکتا ہوں۔ خدائے تعالیٰ مرحوم کو مغفرت اور آپ کو صبر اور نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین!

میں کاہل اور مجبور ہوں۔ اصلاح کا تقاضا سیفی صاحب سے کیا کیجئے۔ وہ میرے پاس رہتے ہیں تقاضا کر کے جواب لکھوا دیتے ہیں۔ والسلام!

خیر طلب: تاجور عفی عنہ

(۵)

بنام مہاراجہ سر کشن پرشاد

سرکار عالی جاہ مہاراجہ بہادر دام اقبالہ!

نیاز مندی: جناب والا کے نام حضرت ہوش بلگرامی کا تعارفی خط ارسال خدمت سامی ہے۔ میں اپنے مکرم نواب حمید یار جنگ بہادر[1] کے پاس مقیم ہوں۔ مختلف احباب کی زبانی جناب کے صفات حسنہ حدیث متواتر کی حیثیت میں مجھ تک پہنچے ہیں اس سننے

---

[1] نواب حمید یار جنگ عبداللہ خان بھوپال سے حیدرآباد آ کر ناظم صنعت و حرفت ہوئے بعد کو معتمد فوج تھے۔ آجکل [illegible] پرائیویٹ سیکرٹری ہیں۔

شوقِ زیارت سے اپنے دل کو معمور پاتا ہوں۔ باریابی کی اجازت پاؤں تو نہایت شوق سے حاضر ہوں۔ میں امیرالامرا نواب نجیب الدولہ کی بقیۃ السیف اولاد میں سے ہوں یعنی شکستہ حالی۔ ابھی خودداری کا خلل دماغ میں باقی ہے اس لئے امیر مرحوم کی زبان میں کہ

خدا کے گھر بھی نہ جائیں گے بے بلائے ہوئے

مخلص: [illegible] تاجور نجیب آبادی ایڈیٹر ہمایوں و پرنسپل ڈی۔ ایس کالج لاہور

بنگلہ نواب صدیار جنگ بہادر، خیریت آباد، حیدرآباد دکن، ۳ جولائی ۱۹۲۶ء

---

(۶)

بنام شاکر صدیقی

مکرمی شاکر صاحب!

ہدیۂ ممنونیت۔ آپ کی غزلیں عنقریب انجمن اربابِ علم پنجاب کے جلسہ منعقدہ ۱۸ جنوری سے فارغ ہو کر بھیجوں گا۔ اس وقت سیفی صاحب کی معرفت یاددہانی کرا دیجئے وہ مجھ سے کام زبردستی ہی لے لیتے ہیں۔ باقی آپ کا یہ کہنا کہ میں اب وہ مرے کا دامن نہ پکڑوں گا اس کا جواب یہ ہے کہ رب۔ آپ کا دامن بندہ کے چنگل سے بس چھوٹنا غیر ممکن ہے۔ میں مجرمانہ حرکات کا اہل ہوں مگر اب آپ کے لئے ناقابلِ برداشت نہیں ہوگا۔

بھائی کبھی چھٹی پر آ کر ملو۔ سادہ جذبات، سادہ الفاظ اور شستہ پیرایہ میں لکھتے رہو۔ میں آپ کی غزلیں انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد واپس کروں گا۔ تمہارے خطوط سے بہت شرمندہ ہوتا ہوں۔ والسلام!

تمہارا خادم: تاجور

---

(۷)

بنام شاکر صدیقی

شاکر!

خدا کا شکر ہے کہ تم سے سرخرو ہوتا ہوں۔ بھائی ایک نظم یا غزل بھیجا کرو۔ میں کاہل اور تم قافیہ پیما! کیسے بنے گی؟ شعر سادہ، عام فہم اور سلیس زبان میں کہو۔ پہلے الفاظ کو قبضے میں لاؤ۔ تخیل تو اپنا ہے۔ ایسے الفاظ کا لباس خوشرنگ بنانا چاہئے۔ تخیل لاکھ اچھا ہو اگر الفاظ کا جامہ خوش رنگ نہیں یا پیرایۂ بیان مرغوب نہیں تو تخیل کی فلک پیمائی بالکل بیکار ہے۔ متین اور سنجیدہ شعر سادہ زبان میں کہو۔ الفاظ پرست بن جاؤ۔ میں ایک پوری نظم کسی مصرعہ کے حسبِ منشا لفظ دستیاب نہ ہونے کے سبب دو دو سال رکھ کے رکھتا ہوں۔ سچ کہا ہے ؎

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شعر کہنا کام ہے آتش مرصع ساز کا

والسلام!

خیر طلب: تاجور

۲۰ فروری ۱۹۲۵ء بوقت نصف شب۔ لاہور

غزل (اصلاح)

دور آنکھوں سے اگر انجمنِ ناز نہ ہو　　لطف میں ڈوبا ہوا عشق کا انداز نہ ہو

حسرت و یاس و تمنا نہ کہیں جاگ اٹھیں[1]　　"اس طرح توڑ مرے دل کو کہ آواز نہ ہو"

جلبے بیکل میری نہ پوچھو ہوں ہووے آ... سے　　آشیاں دیکھ کے شعلوں میں بھی پرواز نہ ہو[2]

پردۂ حجرہ میں ان کے ہے نہاں لطفِ حیات　　اے خدا اب کرم ان کا کبھی باز نہ ہو

فرقتِ گل میں ہے ہر نالۂ بلبل بے سود　　اس سے دل سنتے جو گلچیں بھی جفا باز نہ ہو[2]

میرے اشکوں کا منہ ہے نواز مش اب تو　　بخت بیدار یہ اپنے مجھے کیوں ناز نہ ہو

کیا یہی حسنِ جہاں سوز کا ہے جذب کہ عشق　　دیدہ بر راہ نہ ہو گوش بر آواز نہ ہو

ایک دم اہلِ گلستاں ہوں شہیدِ نغمہ　　نبضِ نالہ سے جو ہم دمِ تر ساز نہ ہو[3]

خوئے سیماب کی حسرت ہے الٰہی مجھ کو　　وہ ملے درد کہ منت کشِ اعجاز نہ ہو

سنگ ریزے بھی چمک اٹھتے ہیں لیکن شاکر
وہ نہیں حسن کہ جو مایۂ صد ناز نہ ہو

مناجات

تو نے اپنے کرم سے اے مولا　　لطفِ آرام ہے مجھے بخشا

چاند سورج کی ہے ضیا بخشی　　زندہ رہنے کو ہے ہوا بخشی

ٹھنڈا پانی عطا کیا تو نے　　رزق کھانے کو ہے دیا تو نے

~~دین بخشا، عطا کی دنیا بھی~~　　پوری کر دی ہر اک تمنا بھی

اصلاح: دین کے ساتھ دی ہے دنیا بھی[4]

اس پہ لیکن مری یہ ناشکری
شکر اس کا کیا نہ دل سے کبھی

قدرِ نعمت کبھی نہ کی میں نے　　سرکشی میں نہ کی کمی میں نے

---

[1] مبالغہ کی آمیزش تسمیہ میں تیلیہ بنا ، علو ، اصلاح ، آنکھ کو رد شدہ نو غیر یدی کر دیتی ہیں ۔ آپ نیچے ہر شعر میں بے پرواہ کر انتہا تک پہنچا دیا ۔ (تاجور)

[2] عشق باز ، جفا باز : یہ ترکیبیں مجھے ... ہیں ان سے اجتناب کیجئے ۔ (تاجور)

[3] آپ شیریں اور پُرترنم الفاظ کا انتخاب کیا کریں ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ پہلے مضمون سوچ رکھتے ہیں اور پھر اس کے لیے پیرایہ بیان اور الفاظ ... ابتدا میں یہ طریقہ درست نہیں ۔ کلام خشک اور بعض اوقات بے معنی ہو جاتا ہے ۔ ابھی تو اچھے الفاظ تلاش کر کے آسان مضمون باندھئے ۔

[4] عطا کا الف دبتا تھا ۔ (تاجور)

(۵) سوتے ہوئے ہیں جاگے
بیٹھے ہوئے ہیں اٹھے
حسنِ عجیب کو سامانی پیغامِ زندگانی
مہیّا کامرانی
ہنگامۂ قیامت بزمِ جہاں کی حالت
ہر ایک سو بہ غل ہے بلبل ہے شاخِ گل ہے
شب کے سکوں کا قائل ہے

---

(۶) گلشن کا پتہ پتہ تمام
پہنے لباس زر کا
ہے زیبِ شاخساراں رونق دہِ بہاراں
راحت پئے ہزاراں
پھولوں کی خوش لباسی ہے منطقِ قیاسی
قدرت ہے بانکپن میں پھولوں کے پیرہن میں
کاشانۂ چمن میں

---

(۷) کوئل کا ہر چمن میں
پھولوں کی انجمن میں
نغمہ سرائی کرنا بلبل کا گل پہ مرنا
اور سرد آہیں بھرنا
وابستہ اس کے دم سے پیدا کیئے عدم سے
جس نے تمام عالم حیوان و جن و آدم
شادی و عیش و ماتم

---

(۸) روشن فضا ہے ساری
یا جو سے نور جاری
شمع گنج زمیں پیر فلک کے گھر میں
نو بسو کی ستے نظر میں
یہ سروِ مہر کا نقشہ قدرت کا ہے کرشمہ
ایسا ہوا کہ خدا کی متقبل ہو یا کرشمہ کی
صنعت ہے وہ خدائی

سبز چڑیا

ننھی چڑیا تجھے یہ سبز لباس
بخشا قدرت نے کیا ہے دیدہ نواز
اُڑ رہی ہے ہوا میں سبز پری
ذہن میں سما ہے یہ رم پرواز

تیری گردن میں مہر کی کرنیں
پیدا کرتی ہیں دلفریب چمک
کوئی سمجھے ترے پروں میں ہے
نورِ ایمن کی جلوۂ منور جھلک

موسمِ برجاں ہے سبز مخمل پر
یہ موسم گل میں ہے تبسم ریز
تیرے سر کی خفیف سی سُرخی
سبز پتوں میں کوئی سُرخ کلی

۱؎ مصرعہ بے لطف ہے ۲؎ دونوں جمع صحیح مگر قبیح ہیں۔ اردو میں ایسی جمع نہ لانی چاہیئے ۳؎ اس بنا کے مصرعوں میں مضمون کی بے ترتیبی معلوم ہوئی ۴؎ الفاظ میں وقار نہیں ۵؎ کشتر دیکھنے کی ضرورت ہے ایسے ثقیل الفاظ استعمال نہ کرنے چاہئیں ۶؎ لفظ تبسم حرف تا کے زبر سے ہے اور شعر بسکون تا باندھا ہے یہ صحیح نہیں۔

(۸)

بنام شاکر صدیقی

مخدومی حضرت شاکر صاحب! دام نوالکم آمین!

سلام مسنون! خط آیا۔ میں گرم جوشی سے آپ کی عزت افزائی کی قدر کرتا ہوں۔ اپنے دوستوں سے کئی دفعہ ذکر کر چکا ہوں مجھے اپنا خادم سمجھیں اور ہمیشہ اپنا سچا خیر طلب۔ آپ کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ آپ بھولنے کی چیز نہیں ہیں۔ آپ کی عزت دل سے کرتا ہوں اور بیحد نادم ہوں کہ آپ کی خدمت کا حق ادا نہیں کر سکا کیونکہ کاہل بہت ہوں۔

انجمن ارباب علم پنجاب کی مجلس ادبا کی ممبری روپیہ ماہوار ہے۔ انجمن کا آرگن ہزار داستان اور مطبوعات ممبر کو مفت ملتی ہیں۔

بچوں کے لئے آسان زبان میں "علم کی قدر" ایک نظم بھیجئے۔ زبان آسان ہو، الفاظ مشکل نہ ہوں۔ والسلام!

تاجور عفی عنہ - ۲۶ مارچ ۱۹۲۶ء

(۹)

بنام ڈاکٹر زور

مخدومی قبلہ جناب ڈاکٹر صاحب!

سلام مسنون! والا نامے کا شکریہ۔ میں نے مکان تبدیل کیا ہے۔ منیجر سے کہا ہے کہ آپ کی کتابیں اس اتوار پر نیسان سے نکالو۔ انشاء اللہ تعالیٰ جلد مجلد کتابیں ارسال خدمت کروں گا۔ یہاں پنجاب ٹیکسٹ بک کی منظور کردہ کتابیں چلتی ہیں پنجاب یونیورسٹی میں شیرانی کے ریٹائر ہونے سے اردو لیکچرر شپ خالی ہوتی ہے۔ اس کے لئے میں بھی ساعی ہوں۔ یہاں اگرچہ ملکی و غیر ملکی کا سوال سخت ہے لیکن قسمت آزمائی کے طور پر میں بھی ہاتھ پاؤں مارنا چاہتا ہوں۔

یہ عریضہ اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ میری اردو ادب کی استعداد و اہلیت اور ادبی خدمات سے متعلق اپنی گرانمایہ رائے عنایت فرمائیے۔ درخواست کے ساتھ ملفوف کرنا چاہتا ہوں۔

یہاں بیس سال سے اردو ادب کی رہنمایانہ خدمت کر رہا ہے اور اس راہ میں بیس ہزار ذاتی سرمایہ کے علاوہ جوانی دماغ، طاقت سب کچھ لٹا چکا ہوں۔ نوجوان ادبا و شعرا کا مذاق ادبی بلند کرنے میں میرا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ اس وقت شعرا و ادبا کے جدید طبقے میں میری ہندوستان گیر شہرت کے شاگرد اخبار نویسی، تنقید نگاری، افسانہ نگاری، ڈرامہ نویسی، تصنیف و تالیف کے ذریعہ خدمت زبان کر رہے ہیں۔

براہ کرم میرے متعلق اپنی رائے گرامی بجرد ملاحظہ عریضہ ہذا ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

خادم: تاجور ۱۴ اپریل ۱۹۳۰ء

(۱۰)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

THL "ADABI-DUNYA"
POSI BOX NO 197
LAHORE 11-6-1931

مکرمی! سلام مسنون

والا نامہ صادر ہوا۔ شکریہ۔ حضرت رسا مرحوم میرے استاد تھے اور مجھ سے بہت التفات سے پیش آتے تھے۔ ان کے کلام کو میں نے مدوّن کرنا چاہا تھا مگر ان کے بھانجے نشتر سکندر آبادی نے ان کا کلام دبا رکھا ہے۔ ۱۹۰۸ء میں مرحوم میرٹھ تشریف لے گئے تھے

وہاں انہوں نے مجھے بھی طلب فرمایا تھا۔ اس وقت ان کے پاس اپنے کلام کے دو مسودے دو مجلدات میں موجود تھے۔ اس کے بعد میں ان سے رام پور میں ملا اور پھر میری ملاقات نہ ہو سکی۔ ان کا بہت سا کلام قاضی علی الدین صاحب مقیم ریاست رام پور (یو۔پی) کے پاس ہے ان سے حاصل کیجئے۔ مرحوم کی بیوی جنہوں نے نکاح ثانی کر لیا ہے ان کا پتہ لے کر ان سے مرحوم کے کلام کا حال معلوم کیجئے ممکن ہے ان کے پاس کچھ خطوط، کچھ کلام اور تصویر ہو۔

مولوی عبداللہ صاحب کامل شاہ لوری ایم۔ اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لائل پور نے مرحوم کے حالات اور خطوط ان کے شاگردوں سے جمع کر کے مرتب کئے تھے ان سے بھی امداد لیجئے۔ "جلوۂ یار" میرٹھ میں ان کا کلام اکثر شائع ہوا کرتا تھا۔ منشی محمد عبد الغفار آزاد میرٹھی، مالک رسالہ "جلوۂ یار" اندر کوٹ میرٹھ سے بھی فائل حاصل کیجئے۔ حضرت رسا کی تصویر، حالات اور منتخب کلام اگر مجھے عنایت کریں تو رسالہ ادبی دنیا میں شائع کر کے حق شاگردی پورا کر سکوں۔ جگر مراد آبادی ان کے شاگرد ہیں مگر اب اپنے آپ کو داغ کا شاگرد بتاتے ہیں۔ منشی عبد المجید خاں سالک بی۔ اے ایڈیٹر انقلاب بھی انہی کے شاگرد ہیں۔ حفیظ نعیمی مراد آبادی مرحوم، طالب مرحوم، عطاء اللہ افسر میرٹھی بی۔ اے، پروفیسر انٹرمیڈیٹ جوبلی گورنمنٹ کالج لکھنؤ بھی انہی کے شاگرد ہیں۔ بہت سے شاگردانِ داغ مرحوم بھی ان سے در پردہ اصلاح لیتے تھے۔

رام پور کے سرکاری اور غیر سرکاری عظیم الشان مشاعروں میں مرحوم کی موجودگی نے شوق قدوائی، آبر قدوائی اور رام پور کے سرکاری شعرا کا کبھی رنگ جمنے نہیں دیا۔ یوں بھی ان کا کلام اور اس پر ان کا اثر آفریں پڑھنے کا انداز بزم سخن کو درہم برہم کر دیا کرتا تھا۔

مجھ سے مرحوم میر نثار علی شہرت دہلوی سابق ڈائرکٹر سر رشتہ تعلیم کشمیر نے ایک بار (وہ اس سے بے خبر تھے کہ میں ان کا شاگرد ہوں) رامپور کے عظیم الشان سرکاری مشاعرے کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ :

"ریاست کی جانب سے ہندوستان کے تین سو مشہور شعرا کو دعوت دی گئی تھی بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس مشاعرے میں میں بھی مدعو تھا۔ داغ کے ایک شاگرد رسا نے جو غزل پڑھنی شروع کی ہے تو ایسا معلوم ہوا کسی نے ڈائنامیٹ چھوڑ دیا ہے۔ ہر شخص بے اختیارانہ طور پر داد دے رہا تھا۔ ساری مجلس زیر و زبر ہو گئی حتیٰ کہ رسا کے بعض معاصر جو ان سے کد رکھتے تھے وہ بھی اچھل رہے تھے۔"

میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو اتنا سراغ ضرور دیا ہے کہ آپ معہودہ حضرات سے مل سکے تو بہت سا مواد فراہم کر لیں گے۔

خاکسار : تاجور

---

(۱۱)

بنام مولوی محمد اظہار احسن صاحب وکیل غازی آباد

THE "ADABI-DUNYA"
POST BOX NO. 97
LAHORE 16-6-31

مخدوم جناب سلام مسنون!

نشتر صاحب کا یہ عذر کہ ان کے پاس کلام کا قلیل حصہ ہے بالکل غلط ہے۔ ان کے پاس تقریباً سب کلام ہے۔ مرحوم کی ایک صاحبزادی تھیں ان کا پتہ لیجئے ان سے پتہ مل سکے گا۔ کامل شاہ لوری سے عرصہ ہوا نہیں ملا۔ مولانا حسرت موہانی نے مرحوم کے متعلق کچھ لکھا تھا جس میں جلال اور داغ مرحوم کے چھوٹے بھائی کی یہ رائے درج کی تھی کہ رسا داغ کے شاگردوں میں سب سے بہتر ہیں۔ مرحوم کے خطوط میرے پاس ہیں وہ میں بھجوا دوں گا۔

تاجور

---

(۱۲)

بنام ڈاکٹر زور

محتشم ڈاکٹر صاحب قبلہ!

سلام مسنون! آپ کے مضمون کا انتظار ہے۔ سالنامہ زیر تحریر ہے۔ روزانہ ڈاک میں آپ کے مضمون کو نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں۔ دیکھئے (۱) اردو زبان کی تاریخ (۲) گذارش محررہ منشی پریم چند کا جواب' یہ دو زحمتیں گوارا فرمایئے گا۔

اور براہ کرم جلد توجہ فرمانے کی ضرورت ہے۔

ہاں ایک ضروری استدعا ہے۔ میں نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اردو مرکز کا سیٹ بھیج کر امداد کی درخواست کی ہے۔ امید ہے آپ سے سیٹ کے متعلق استصواب رائے کیا جائے گا یا مولانا عبدالحق صاحب سے۔ توقع ہے کہ آپ کلمۂ خیر سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ حد نیاز!

خادم: تاجور ۲۵ر جنوری ۱۹۳۶ء

---

(۱۳)

بنام ڈاکٹر زور

محترم ڈاکٹر صاحب!

سلام مسنون۔ کریمانہ ہمدردی کے لئے سپاس گذار ہوں۔ جبر کرنے والا صبر کی شفقت بھی دے رہا ہے۔ قدریہ فرقے کے تمام نظریئے میرے مصائب نے باطل کر دئے۔ جبر' خالص جبر' جمادات اور ذوی الارادہ میں وسعتِ زنجیر ہی کا امتیاز ہے اس سے زیادہ نہیں۔ بہر حال سخت جانی ابھی کچھ اور تماشے دکھانے کے لئے زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ حد نیاز!

خادم: تاجور ۲۵ر نومبر ۱۹۳۶ء

یگانہ چنگیزی

(۱)

بنام مولوی ضیاء احمد بدایونی

مکرمی، تسلیم۔

نوازش نامہ صادر ہوا۔ ممنون توجہات فرمایا۔ غنیمت ہے کہ ملک کے کچھ علم دوست احباب کم سے کم زبان ہی سے میری حوصلہ افزائی فرماتے رہتے ہیں اور میرے انداز سخن کو پسند فرماتے ہیں۔ مگر حقیقت امر یہ ہے کہ اس مذاق سخن کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے کافی وقت کی ضرورت ہے۔ اس انداز سخن کی نشو ونما دفعتہً نہیں ہو سکتی۔ لکھنؤ نے تو میری وہ قدر کی کہ سبحان اللہ۔ غلیظ گالیاں، ناپاک ہجویں، آبروریزی کی فکریں، جھوٹی اور مجرمانہ افترا پردازیاں میرے لئے جائز ہی نہیں بلکہ فرض سمجھ لی گئیں۔ یہی نہیں بلکہ میری روزی پر حملہ کرکے مجھے پریشان روزگار بناکر کلیجہ ٹھنڈا کیا گیا۔ تنگدستی کے ہاتھوں مجھے اپنی عمر بھر کا سرمایہ یعنی کتب خانہ تک کوڑیوں کے مول بیچ کر سر بصحرا ہونا پڑا۔ بال بچوں کو لے کر لکھنؤ سے نکل کھڑا ہوا اور اٹاوہ میں زندگی کے دن گذار رہا ہوں۔ اب مولانا صفی، عزیز، محشر، ثاقب، ناصری، ناطق، اقتیل وغیرہم کی دلی مسرتوں کا کیا پوچھنا ہے۔ واللہ ان ناعاقبت اندیش لکھنویوں نے اپنا نامۂ اعمال کس قدر سیاہ کر لیا ہے۔ بیرونجات کے جو لوگ ان لکھنویوں کے زیر اثر اور ان کے دام فریب میں مبتلا ہیں وہ میری طرف سے کیسی کیسی غلط فہمیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ کاش میری سوانح عمری کا صحیح مرقع اہل وطن کے سامنے پیش ہوتا۔ اگر میری سوانح عمری صحیح طور پر نہ لکھی گئی تو اردو کی ادبی تاریخ پر میں نہیں کہہ سکتا کتنا بڑا ظلم ہوگا۔

ملک میں قدر دان تو میرے بھی ہیں مگر کسی کو یہ غور کرنے کی مہلت نہیں ہے کہ یاس عظیم آبادی کے لیل ونہار کیونکر گزرتے ہیں اور یہ غریب کتنی تلخ، پُر آشوب اور کتنی ذلیل وحقیر زندگی بسر کر رہا ہے۔

بندہ نواز میں اردو لٹریچر کے لئے اک خاص مشن رکھتا ہوں۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اپنے مشن اپنے پیغام کو اہل وطن تک پہونچا نہیں سکتا۔

زمانۂ دراز سے دلی تمنا یہ ہے کہ اک ماہانہ رسالہ جاری کروں اور اس کے ذریعے سے آزادانہ طور پر اپنا مشن ملک کے سامنے پیش کروں۔ مگر جیسے روٹیوں کے بھی لالے پڑ گئے ہوں، جو فکر معاش میں دوسروں کی

نوکری اور غلامی کرنے پر مجبور ہو جائے اور پھر بھی ذلیل سے ذلیل جگہ بھی حاصل نہ کر سکے۔ وہ غریب اپنے ادبی مشن میں کیونکر کامیاب ہو سکتا ہے۔

میرے احباب و شناسا ملک میں اتنے موجود ہیں کہ اگر ایک ایک روپیہ ماہوار کا بھی بار اٹھالیں تو میں ایک ماہانہ رسالہ نکال سکتا ہوں مگر افسوس ہے کہ کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوتی جو مجھ سے ادبی خدمت لینے کی فکر کرے۔ میرا ارادہ ہے کہ اس اسکیم کو پھر اک بار اپنے احباب قدردان کے سامنے پیش کروں۔ اگر ۱۹۲۵ء سے میں کوئی رسالہ جاری کر سکا تو خیر ورنہ پھر میرے مستقبل کی تاریکی مجھے زندہ درگور بنا دے گی۔

۲۱ دسمبر ۱۹۲۴ء　(اردو محلہ اٹاوہ)　　　ابوالمعانی مرزا یاس عظیم آبادی

(۲)

بنام دلؔ شاہجہان پوری

شفیقی و مخلصی حضرت دلؔ السلام علیکم۔

آپ کا عطیہ نغمۂ دل پہنچا شکریہ جہاں تک آپ کے کلام کا تعلق ہے میں نے غور سے پڑھا۔ نیاز فتحپوری کا، عزیز لکھنوی نے جو کچھ آپ کے متعلق لکھا ہے میں اُسے پڑھنا نہیں چاہتا۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے کیوں؟ میں آپ کی نسبت خود ذاتی رائے رکھتا ہوں۔ تقریباً بیس سال سے آپ کی خدمت میں نیاز حاصل ہے اگرچہ انقلاب روزگار نے مجھے آپ سے بہت دور کر دیا ہے میں کہیں آپ کہیں بہت دنوں سے آپ کا دیدار بھی نہیں ہوا مگر آج سے بیس سال قبل جو رائے میں نے آپ کے متعلق قائم کی تھی اس میں اب تک کوئی تغیر نہیں ہوا آپ کے سنجیدہ کلام اور آپ کے معصومانہ کیریکٹر کا جب بھی معترف تھا اور اب بھی ہوں۔

منشی امیر احمد صاحب مینائیؒ کے سلسلہ میں میں آپ کو معتبر سخنور جانتا ہوں یہ صحیح ہے کہ آپ کے استاد بھائی حضرت ریاضؔ خیرآبادی کو ملک میں علی العموم زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہے مگر کلام کی خوبی فقط شوخی ہی نہیں ہے سنجیدگی اور متانت بھی بجائے خود بڑی چیز ہے اور یہی آپ کی خصوصیت ہے مگر فطرت عامہ کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ شوخی اور چلبلے پن کے آگے سادگی، سنجیدگی و متانت کی گرم بازاری ہو نہیں سکتی مثال کے طور پر آپ کی ایک غزل پیش کرتا ہوں ؎

یہ شرحِ غم ہے یہ انجام نالۂ سحری　　کہ چھا گئی میرے ظلمت کدے پہ بے اثری
بنے گا قصۂ عبرت کسی زمانے میں　　مرا نیاز ترا شیوۂ ستم نظری
اُٹھا جو پردۂ ظلمت تو دھد میں تھی نسیم　　فضا میں گونج رہا تھا ترانۂ سحری
عجیب راز ہے ناکامیٔ نگاہ کلیم　　قصور دید کہیں یا کمالِ جلوہ گری
سمجھ رہا ہوں تقاضائے عشق نالوں کو　　نہ امتیاز اثر ہے نہ حسِ بے اثری
گداز دل کو نہ مخلوط اشک ہونا تھا　　ہوئی ہے راز محبت کی آج پردہ دری
خیال و خواب ہوا رخصت بہار کے بعد　　وہ انبساط عنادل وہ نغمۂ سحری

جزاک اللہ۔ یہ ہے نغمۂ دل جو ہم ایسے کافروں کو بھی غرقِ سوز و گداز کئے بغیر نہ رہا۔ مگر نقار خانے میں اس نغمے کو کون سنے گا؟

۲۳ ستمبر ۳۳ء		(لاتوش بلڈنگ)		میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی سب رجسٹرار

بنام دل شاہ جہاں پوری

(۴۳)

شفیق و مخلص دیرینہ زاد لطفکم۔ سلام شوق۔

رہ نمائے تعلیم لاہور کے مئی نمبر میں آپ کی غزل کا ایک شعر دیکھ کر مجھے آپ کی خدمت میں نیاز نامہ لکھنے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ مگر پھر بھول گیا۔ واضح رہے کہ یہ رہ نما کا مئی نمبر ایک ماہ قبل پہنچ چکا تھا۔ خیر آج اتفاق سے ایک شعر موزوں ہو گیا تو آپ پھر یاد آنے ؎

خدا کے بعد بھروسہ ہے حضرتِ دل کا		خدا نخواستہ ٹک ایسے دوست پر گزرے
نکالے عیب نہ میں سو حسن میں سو عیب		خیال ہی تو ہے جیسا بندھے جدھر گزرے		} یگانہ

ساری کائنات کی جان بھی دل تو ہے۔ دل کی قدر و منزلت شاید اس حد تک ان لفظوں میں کسی نے بیان نہ کی ہو گی۔ یوں تو دل کی مدح اور قدح میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔

حسن اتفاق سے میرا یہ شعر اس دل پر بھی صادق آتا ہے جو میرے پہلو میں ہے اور اس دل پر بھی جو مجھ سے ہزار میل کے فاصلہ پر ہے۔ خلوص و محبت کے اعتبار سے کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔ خیر آمدم بر سر مطلب۔

فضا میکش صبا میکش نگہ ساقی کی خود میکش		رہیں گی تشنۂ بادہ مری انگڑائیاں کب تک		(دل)

اس میں شک نہیں شعر نہایت کیف انگیز ہے حضرت جوشؔ ملسیانی نے جو نوٹ لکھا ہے۔ حق بجانب ہے۔ مگر یہاں ایک لفظی بحث بھی قابل توجہ نظر آتی ہے چونکہ آپ میرے ساتھ کے کہنے والوں میں ہیں زمانۂ حال کے مادر زاد شاعروں میں نہیں ہیں، اور میرے مخلصین میں ہیں لہذا اسی خلوص و محبت کی بنا پر جس طرح مجھے اپنی آزادانہ رائے ظاہر کرنے کا حق حاصل ہے اسی طرح آپ کو میری رائے سے اختلاف کا حق حاصل ہے۔ مجھے یہ پوچھنا ہے کہ فضا میکش صبا میکش جو آپ نے فرمایا ہے یہ آپ کی سوچی سمجھی ہوئی عبارت ہے یا جگرؔ، جوشؔ جیسے اشخاص کے کلام سے متاثر ہو کر کہہ گئے ہیں۔ میں نے جگرؔ کے مندرجہ ذیل شعر پر ایک موقع پر اپنا خیال ظاہر کیا تھا آپ کے سامنے پیش کئے دیتا ہوں۔ اس سے آپ کہیں یہ نتیجہ نہ نکال لیں کہ جگرؔ مراد آبادی کے لئے جن الفاظ سے میں نے کام لیا ہے وہی آپ کے لئے کہوں گا ؎

شباب میکش جمال میکش خیال میکش نگاہ میکش		خبر وہ کیسی کہے گی کیا کسی کی اونہیں خود اپنی خبر نہیں ہے

خوش گوئی اور خوش گلوئی اور بات ہے صاحب فن ہونا اور بات ہے الفاظ کی قطار اتنی لمبی اور معنویت کے اعتبار سے عامیانہ۔ کس برتے پر ایسے لوگ ارباب ادب میں شمار کئے جا سکتے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ مست کس محل پر آتا ہے اور میکش مے نوش میخوار کس محل پر۔ مترادف الفاظ کے مختلف محل ہوتے ہیں اس شعر میں جگرؔ نے چاروں جگہ مست کی بجائے میکش کہہ دیا لکھنؤ کا کوئی جاہل بھی سنے تو ہنس پڑے۔ خواجہ آتشؔ فرماتے ہیں۔ ؎

مے کدے میں نشہ کی عینک دکھاتی ہے مجھے ۔۔۔ آسماں مست و زمیں مست و در و دیوار مست (آتش)

یہ ہے صرف بامحل۔ جگر کا اک اور شعر ؎

شیشہ مست و بادہ مست و حسن مست و عشق مست ۔۔۔ آج پینے کا مزہ پی کر بہک جانے میں ہے

یہ ہے صرف بامحل۔ یہاں شیشہ، بادہ، میکش کہا جاتا تو کتنا لغو معلوم ہوگا۔ وہ شاعری کیا جو الفاظ مترادفات میں فرق و امتیاز نہ کر سکے۔ خون اور لہو دونوں اردو میں ہم معنی ہیں تو کیا کوئی اردو بولنے والا (جاہل ہو یا پڑھا لکھا) بلا لحاظ جہاں چاہے خون کی جگہ لہو کہہ دے گا۔ مثلاً فلاں شخص کئی خون کر چکا ہے تو اس جگہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ فلاں شخص کئی لہو کر چکا ہے؟ مثلاً امیدوں کا خون ہو گیا کیا کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ امیدوں کا لہو ہو گیا۔ محمود شراب میں مست رہتا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ محمود شراب میں میکش رہتا ہے۔

میرے پیارے دل برا نہ ماننا۔ یہ میں نے اپنی ذاتی رائے ظاہر کر دی ہے آپ کو بھی اپنی رائے پر قائم رہنے کا حق حاصل ہے [1]

۱۷ رمئی ۳۸ء ۔۔۔ سیلو (دکن) ۔۔۔ خاکسار مرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

(۴)

محبی و مخلصی زاد لطفکم سلام شوق۔

محبت نامہ مورخہ × صادر ہوا کوئی دو مہینے ہوئے دو عنایت نامے پہنچے تھے مگر جواب دینے سے معذور رہا کیونکہ مسلسل کئی ہفتہ تک شدت نزلہ کھانسی بخار سے پریشان رہا اور بعد ازاں الجھنوں میں پھنس گیا۔ آپ کے اس شعر پر ؎

فضا میکش، صبا میکش نگہ ساقی کی خود میکش ۔۔۔ رہیں گی تشنۂ بادہ مری انگڑائیاں کب تک

میں نے جو خیال ظاہر کیا تھا وہی میرے نزدیک صحیح ہے یعنی مست کی جگہ میکش اس مقام پر درست نہیں۔ آپ کا یہ فرمانا کہ "میں مستی کا طالب نہیں ہوں جو نتیجہ میکشی ہے بلکہ مجرد میکشی مقصود ہے۔" آپ جیسے شخص کے لیے مناسب نہیں کیوں کہ اس میں اور قباحت پیدا ہو جاتی ہے فضا یا صبا یا نگاہِ ساقی کو مجرد میکشی سے کوئی نسبت واقعی نہیں ہے البتہ ہم آپ کی اک کیفیت محسوس کر کے فضا یا صبا یا نگاہ ساقی کو مست کہتے ہیں۔ ورنہ واقعیت کے لحاظ سے نہ صبا میکش نہ فضا میکش نہ نگاہ ساقی۔ آپ خود غور فرمائیں مست کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے جو فی الواقع پیے ہوئے ہو۔ اور اس پر بھی جو بے پیے مست ہو مگر میکش وہی ہے جو پیتا ہو۔

اے صبا ساتھ چلے گی مری بربادیٔ دل ۔۔۔ کوچۂ یار کو جانا تو یہاں ہو جانا

مولانا عبدالسلام ندوی نے اگر آپ کے اس شعر پر اعتراض کیا ہے کہ اس مقام پر ہوتی جانا کہنا چاہیے تھا یہ تو

---

[1] گزارش:۔ جگر صاحب بھی میرے مخلص دوست ہیں اور جناب یگانہ بھی قدیمی دلنواز مکرم۔ میں نے موصوف کی تنقید پر بے تکلف مصرع اولیٰ کی ترمیم کر دی ہے ؎

صبا بے خود فضا سرشار ساقی غرق مدہوشی ۔۔۔ رہیں گی تشنۂ بادہ مری انگڑائیاں کب تک

دل

کوئی اعتراض نہیں ہے بیشک روزمرہ تو ہے ادھر بھی ہوتے جانا مگر ہو جانا بھی تو روزمرہ ہی ہے فرق یہ ہے کہ ہوتے جانا میں کسی قدر زور زیادہ ہے ۔ معلوم ہوتا ہے مولانا کو شعر و سخن سے کوئی ربط نہیں ہے اگر اسدو دواوین کا مطالعہ کیا ہوتا تو ایسا شبہ ظاہر نہ فرماتے ۔

وہ فرماتے ہیں کہ یہاں ہوتے جانا ہونا چاہئے تھا میں کہتا ہوں کہ ادھر ہولینا بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی روزمرہ ہے ۔ وہ بھی صحیح ہے یہ بھی صحیح اور آپ نے جو کہا ہے وہ بھی صحیح ہے میرے نزدیک اس میں زبان کا کوئی سقم نہیں ہے

۲۸ر جولائی سنہ ۳۸ء　　سبلو نیکن۔　　خاکسار میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی سب رجسٹرار

بنام حکیم راغب مراد آبادی

(۵)

کرم فرمائے بندہ دامت الطافکم تسلیمات ۔

نوازش نامہ صادر ہوا ۔ یہ عذر ہے کہ آپ کو میری خیریت دریافت کرنے کی فکر لگی رہتی ہے مگر میں اب کچھ ایسا بے پروا اور کاہل ہو گیا ہوں کہ کبھی کوئی مخلص یاد بھی کرتا ہے تو جواب خط سے محروم رہتا ہے ۔ میں جانتا ہوں کہ خط کا جواب نہ پا کر آپ کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی مگر میں کیا کروں مزاج کا رنگ کچھ ایسا بدل گیا ہے کہ بعض اوقات خود اپنے اوپر ہنسی آتی ہے ۔ بات یہ ہے کہ اب میں کسی کو ایسا نہیں پاتا جسے اپنا حریف سمجھ سکوں ۔ حریف کوئی نہ رہا تو میں بھی ٹھنڈا پڑ گیا ۔ دوستوں کی دوستی مجھے ابھار نہیں سکتی ۔ البتہ حریفوں کی چوٹیں میرے دل کو گرماتی رہتی تھیں مگر اب وہ باتیں خواب و خیال ہو گئیں ؎

نہ جانے بہتے پھریں گے کدھر یہ دشمن و دوست　　بڑھا تو دل ہے وہ دریا کہ وار پار نہیں :

زندگی کے تجربوں نے نگاہ میں رفتہ رفتہ اتنی وسعت پیدا کر دی کہ دوست ، دشمن ہیچ ہو گئے ۔ اسی غزل کا مقطع ہے ؎

یگانہ میر وہی ہے جو پہلے مار چلے　　جو ٹھن گئی ہے تو اب تاب انتظار نہیں

مگر اب کوئی حریف نہیں رہا تو میں بھی وہ نہ رہا جو پہلے تھا ۔

پٹیالہ کا تحفہ پہنچا ۔ شکریہ ۔ مگر رنگین ازار بند میرے کس کام کے ؟

۲۸ر اگست ۱۹۴۱ء　　یادگیر (دکن)　　خیر اندیش میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

بنام راغب مراد آبادی

(۶)

عزیزی و شفیقی زاد لطفکم ۔

بعد سلام و دعائے شوق واضح ہو کہ عید کی مبارک باد پہنچی خدا آپ کو بھی مبارک کرے ۔ میں بحمد اللہ اچھا ہوں ۔ ہاں مجھے اس امر کا اندازہ ہو چکا ہے کہ آپ کو مجھ سے اک تعلق خاطر اور میری صحت کا خیال رہتا ہے بعض دوستوں کا خیال ہے اور مجھے بھی کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کچھ دنوں اور مجھے زندہ رہنا ہے ۔ واللہ اعلم ۔

اس سے پہلے آپ کا اک عنایت نامہ مورخہ ۷ر اکتوبر ملا تھا جس میں اپنے اک برادر عزیز کی رحلت کا ذکر فرمایا تھا ۔ خدا آپ کو اور مرحوم کے دیگر اعزا کو صبر جمیل کرامت فرمائے ۔

میرے اک شعر کا (نہ جانے بہتے پھریں گے کدھر یہ دشمن و دوست - بڑھا تو دل ہے وہ دریا کہ وار پار نہیں) آپ نے خاص اثر لیا ہے - اس سے آپ کی صحت مذاق کا پتہ چلتا ہے - تنگ و تاریک ماحول سے جب انسان نکل کر فضائے بسیط میں پہونچتا ہے تو اس کی نگاہ میں دنیا اتنی وسیع ہو جاتی ہے کہ دشمن کی دشمنی تو کیا نام نہاد دوستوں کی دوستی بھی نظر میں نہیں سماتی - اس وقت دریادلی کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے - اس مفہوم کو ایسی ٹھیٹھ اردو میں اب تک کسی نے بیان نہیں کیا - وہی معمولی وار و وار و وار پار" جسے ہر کس و ناکس بولتا ہے یہاں الہامی زبان بن گیا ہے - اردو کے ٹھیٹھ الفاظ میں بھی بڑی وسعت بڑے امکانات ہیں جن سے اب تک کسی نے وہ کام نہیں لیا جو یگانہ نے - کام لینا تو کجا اب تک ان امکانات کو کسی نے سمجھا ہی نہیں - اس کی وجہ یہ ہے کہ غالب کی دیو زاد زبان ٹھیٹھ اردو کے امکانات پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں دیتی، جو فیشن چل پڑا چل پڑا - مجھے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ نے اس نکتہ کو سمجھ لیا، خدا آپ کو خوش رکھے -

۲۶ اکتوبر ۱۹۴۱ء　　　میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

---

(۷)

نام مولوی رفیق احمد بدایونی

کرم فرمائے بندہ سلامٌ علیکم -

عنایت نامہ مورخہ ۵ جولائی ۱۹۵۴ء ادھر ادھر بھٹکتا ہوا ۱۸ جولائی کو مجھے ملا - یاد آوری کا شکریہ - آپ "ترقی پسند" غداروں کے دور تخریب میں فن شعر و سخن کے بارے میں مجھ سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں جب کہ میں بوجوہات چند در چند اس فن سے بیگانہ اور کنارہ کش ہو چکا ہوں -

خیر آپ نے یاد فرمایا تو اخلاقاً جواب دینا ضروری ہے - ایمن الادب کے مطبوعہ اوراق پر میں نے اپنی رائے لکھ دی ہے - دو مصرعوں کے بارے میں مزید تشریح کی ضرورت ہے - ملاحظہ فرمائیے:

(کتنے غازی ہیں آج بے وضو و بے نماز) - (موج بوئے گل نہیں جنبش مضراب ہے)

یہ دونوں مصرعے بحر منسرح مطوی موقوف سے (مفتعلن فاعلات مفتعلن فاعلات) خارج ہیں - وجہ یہ ہے کہ ان مصرعوں میں (بُو اور وُضو) کے واؤ کا اشباع، کھینچ کر پڑھنا ضروری ہے - بحر کے ارکان (مفتعلن فاعلات) تو یہ چاہتے ہیں کہ "بے وضو" کی تقطیع مفتعلن پر ہو یعنی بے وَ ضُ عُ (مُفتَعِلُن) مگر لفظ وضو چاہتا ہے کہ اس کی تقطیع فاعلاتن پر ہو بے وَ ضُو عُ (فاعلاتن) یعنی واؤ کا اشباع ضروری ہے - چونکہ مفتعلن پر تقطیع کرنے سے واؤ کا اشباع ممکن نہیں لہذا یہ مصرع بحر منسرح سے خارج ہے -

اسی طرح موج بوئے میں بُو کے واؤ کا اشباع ضروری ہے مگر مَو جِ بُ ءِ (مفتعلن) پر تقطیع کی جائے تو بُو کا واؤ ساقط ہوتا ہے - البتہ موجِ بُوءِ (فاعلاتن) پر ٹھیک آتا ہے - لہذا یہ مصرع بھی بحر منسرح سے خارج ہے -

یہ تو جواب تھا مگر کچھ اور بھی عرض کر دوں - فرض کیجئے مَوجِ بُو' کی جگہ موجِ غم ہوتا تو اس صورت میں موج غم کی تقطیع بر وزن (مفتعلن) بالکل ٹھیک ہوتی - آخر یہ کیوں کہ موج غم کی تقطیع مفتعلن پر ٹھیک ہو اور موجِ بُو

کی غلط۔ ہاں وجہ یہ ہے کہ غم کی میم حرفِ صحیح ہے اور بُو کا واؤ ہے حرفِ علت۔ اس کے سوا تو اشباع کا جھگڑا ہے نتیجہ یہ نکلا کہ موجِ بُوئے مرد کی تقطیع فاعلاتن پر ہوگی مفتعلن پر نہیں ہو سکتی۔ اور موجِ غم کی تقطیع مفتعلن پر ہوگی فاعلاتن پر نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ بُو بھی کلمہ دو حرفی ہے اور غم بھی۔ اچھا یہ بھی عرض کر دوں کہ واؤ کا اشباع کن صورتوں میں ضروری ہے اور کب غیر ضروری۔ کلمہ دو حرفی اور کلمہ سہ حرفی کے آخر میں واؤ ہو تو اس کا اشباع ضروری ہوگا۔ کلمہ چہار حرفی کے آخر میں واؤ ہو تو ایسے واؤ کا اشباع ضروری نہیں ہے۔ اختیاری ہے

کلمہ دو حرفی - بُو - رُو - جُو - خُو - کُو - مُو - (جستجو - گفتگو میں بھی جُو اور گُو دو حرفی ہی مانے جاتے ہیں) وغیرہ میں اشباع ضروری ہے - جیسے بوئے گل - روئے دوست - خوئے بد - گفتگوئے بے معنی - جستجوئے بے حاصل۔

کلمہ سہ حرفی - مُو - گلُو - غلُو - سبو - کدو - وغیرہ میں بھی اشباع ضروری ہے - سبوئے مے - گلوئے شیشہ -

کلمہ چہار حرفی - آبرو - بازو - جادو - زانو - پہلو وغیرہ میں اشباع ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی - جیسے پہلوِ دل (مفتعلن) پہلوئے دل (مستفعلن) بازوِ شل (مفتعلن) بازوئے شل (مستفعلن)

یہاں تک تو واؤ کے اشباع (بصورتِ اضافت) کی بحث تھی - مگر الف وصل اور واؤ عطف سے جب اس قسم کے الفاظ ملتے ہیں تو اس وقت بھی واؤ کے اشباع کے متعلق یہی قاعدہ عمل کرتا ہے - جس کی تفصیل بیان کرنے کی مجھے اس وقت فرصت نہیں - زیادہ کیا عرض کروں۔

۲۰ جولائی ۱۹۴۵ء — غوری منزل - حیدر گوڑہ - حیدر آباد دکن۔ — میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

پروفیسر ضیا احمد صاحب بدایونی کو میرا سلام پہنچا دیجئے - کیا آپ سے ان کا کوئی رشتہ ہے؟

(۸)

بنام مالک رام

میرے پیارے دوست خدا آپ کو خوش رکھے۔

اچانک آپ کا مکتوب پا کر لاہور کی گزشتہ صحبتیں یاد آگئیں - کس قدر مسرت ہوئی کہ آپ سے اتنی دور رہ کر بھی میں آپ سے قریب ہوں - یہی حاصل ہے میری شاعری کا - اس سے بڑھ کر کوئی صلہ نہیں - زمانہ میں آیاتِ وجدانی پر آپ کا تبصرہ نظر سے گزرا تھا - غالباً ۱۹۳۸ء میں - اسی زمانہ میں مَیں نے آپ کو غالباً جالندھر کے پتے سے خط بھی لکھا تھا - مگر آپ کا کچھ پتہ نہ چلا - اب معلوم ہوا کہ آپ ۱۹۳۹ء سے اسکندریہ میں ہیں - اگر آپ زمانہ قریب میں ہندوستان آ جائیں اور میں مہینہ دو مہینے میں لکھنؤ پہنچ جاؤں تو ممکن ہے پھر ایک بار ملاقات ہو جائے - آج چوتھا سال ہے کہ میں عمر ۵۵ سالہ کو پہنچ کر خدمت سے سبکدوش ہو چکا ہوں - آمدنی کے ذرائع سب بند ہو گئے - اگر دوارکا داس شعلہ نے میری خبر نہ لی ہوتی تو خدا جانے میری فیملی کا کیا حال ہوتا اور کتنی رسوائی ہوتی - حیدر آباد میں بعض بعض حکام سے مجھ سے بھی شناسائی ہے - مگر یہ لوگ بس تھوڑی بہت میری شاعری ہی کی تعریف کر دیا کرتے ہیں - کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ اس بات پر غور کرتا کہ یگانہ آخر زندہ کیونکر ہیں - حالانکہ توجہ کرتے تو کوئی نوکری وظیفہ یا مدد معاش کی صورت

پیدا ہو سکتی تھی۔ خیر خدا شعلہ کو زندہ اور خوش رکھے کہ جنوری سنہ ۴۳ء سے وہی میرا کفیل ہے۔

میرزا آغا جان کی طرف سے تسلیم قبول کیجئے۔ وہ تین چار سال سے میرے ہی پاس دکن میں تھے اور اک جگہ بھی مل گئی تھی معمولی سی۔ مگر چونکہ اب یہاں سے وہ گھبرا گئے تھے، بمبئی چلے گئے۔ وہاں سید ذوالفقار علی شاہ بخاری نے ان کو آل انڈیا ریڈیو بمبئی میں اناؤنسر مقرر کر دیا ہے۔ خیر غنیمت ہے۔ بخاری کی مہربانی ہے

میری آیات وجدانی (جدید) جس میں دورِ آخر کا کلام بھی شریک ہے۔ زیر طبع ہے۔ پریس نے بہت دیر لگا دی ورنہ اب تک میں لکھنؤ پہنچ چکا ہوتا۔ خیر اب غالباً دو مہینے کے اندر میں لکھنؤ روانہ ہو جاؤں گا۔ وہاں میرا پتا یہ ہوگا۔

میرزا یگانہ چنگیزی سلطان بہادر روڈ۔ لکھنؤ۔

آخری غزل

ارے واہ! صبح ہوئی تو کیا، وہی آگ دل میں بھری رہی
وہی خُور رہی، وہی بُو رہی، وہی فطرتِ بشری رہی

وہی نیستی، وہی شاستیں، تو کہاں کی عید، کہاں کی دید
شبِ غم کی صبح ہوئی تو کیا، وہی غفلتِ سحری رہی

یہ بلائے حُسن کہاں نہیں، مگر اپنے واسطے کچھ نہیں[1]
تمہیں کیا بتائیں، نظر کے ساتھ جو زحمتِ نظری رہی

نگہِ کرم کا سوال کیا ہے، عتاب کی بھی خبر نہیں
ترے سنگِ در پہ جبینِ شوق، دھری رہی سو دھری رہی

نہ خداؤں کا نہ خدا کا ڈر، اسے عیب جانیئے یا ہنر
وہی بات آئی زبان پر، جو نظر پہ چڑھ کے کھری رہی

کوئی رازِ دردِ چھپائے کیا، کہ یہ دردِ دل ہے بُری بلا
دمِ واپسیں بھی، زبان کو وہی فکرِ پردہ دری رہی

کوئی چشمِ شوق کے سامنے ہو، تو سوجھتی ہے نئی نئی
ترے دم قدم کی بہار تھی، کہ طبیعت اپنی ہری رہی

کوئی میری آنکھ سے دیکھتا، وہ زوالِ دولتِ رنگ و بُو
کہ بہارِ حُسن کی شام کو بھی عجیب جلوہ گری رہی

کوئی آرزو تھی چھپی ہوئی، کوئی اقتضا تھا دبا ہوا
دلِ مضطرب میں جبھی تو اک خلش شکستہ پری رہی

وہ گناہگار ہمیں تو ہیں، کہ جمالِ پاک کے سامنے
نظر اُٹھتے اُٹھتے جھپک گئی، ہوسِ گناہ دھری رہی

عجب اتفاق، بھڑک اٹھی وہ لٹنے میں دوست کی دشمنی!
ارے اس حقیقتِ تلخ سے مجھے کیوں نہ بیخبری رہی!

یہ وہ دل ہے، جس میں سوائے حق کوئی دوسرا ہے نہ تھا[2]
وہی ایک ذاتِ یگانہ، بس وہی ایک جلوہ گری رہی

۱۶ جولائی سنہ ۵۶ء (حیدرآباد دکن)

میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی

(۹)

بنام مالک رام

شفیق و مخلص زاد لطفکم۔ سلام شوق

آپ کا محبت نامہ مورخہ ۱۰ دسمبر سنہ ۱۹۵۰ء بغداد (عراق) جس پر مہر نئی دہلی ۲۰ دسمبر سنہ ۱۹۵۰ء لگی ہوئی ہے مجھے ۲۸ دسمبر کو ملا۔ خدا آپ کو خوش رکھے آپ نے ہمیشہ مجھے یاد رکھا۔ میں کیونکر آپ کو بھول سکتا ہوں۔ میں بحمداللہ

---

[1] قحطِ حسن۔

[2] کسی دوسرے کا گزر نہیں۔

اچھا بھئی مگر اس سن میں (۶۰ یا ۶۹) جو شکایتیں پیدا ہو جاتی ہیں وہ مجھ میں بھی پیدا ہو گئی ہیں - ناتوانی - کھانسی کی شدت اور حالات سخت سے سخت تر ہوتے گئے اور ہوتے جاتے ہیں - جب تک تاب مقابلہ باقی ہے مقابلہ کرتا رہوں گا - خدا کا شکر ہے اپنے اصول اپنے مقام سے نہ ہٹا - ۲۵ دسمبر کو یکایک جوش ملنے آئے دہلی سے - انہوں نے بھی داد دی کہ زمانہ کا مقابلہ کیا اور ڈٹ کے کیا - ہاں داد تو مل گئی - مگر اس سے مادی زندگی کی تلخیوں کا علاج تو ہوتا نہیں وہ تو پیسے ہی سے ممکن ہے اور پیسہ پیدا کرنے کی فکر کبھی ہوئی نہیں - پیسہ پیدا کرنے کے لئے پیدا ہی نہیں ہوئے - خیر جو ہوا سو ہوا۔

I GAVE MY BEST TO THE MANKIND.

۵ر جنوری سنہ ۵۱ء　　سلطان بہادر روڈ - کاظمین - لکھنؤ　　میرزا یگانہ

میں اسی مکان میں رہتا ہوں - جہاں آپ ۴۷ء میں مجھ سے ملے تھے - خط و کتابت کا سلسلہ مزید قائم رکھئے گا - یگانہ

(QUOTATION) حسب حال

"INSPITE OF THE LIFE-LONG ADVERSITY HE (YAGANA) WAS A FREEMAN THROUGHOUT. BUT THE DIGNITY OF A FREE-MAN LIKE HIM WAS NOT NEEDED IN THE SOCIETY. THE PEOPLE ALWAYS EXPECTED OF HIM A SORT OF SERVILITY OR SUB-SERVIENCE WICH IS UNWORTHY OF A GENIUS."

(یگانہ آرٹ)

(۱)
بننے کی ہوس میں کوئی اتنا نہ بنے　　ہستی نہ بگڑ جائے تماشا نہ بنے
گوہر نہ سہی قطرۂ ناچیز سہی　　انسان انسان رہے فرشتہ نہ بنے!

(۲)
کچھ کام کرو اگر چارۂ غم ہے یہی　　زخم دلِ ناکام کا مرہم ہے یہی
اللہ سے لو لگائے بیٹھے کیا ہو؟　　شیطاں سے نپٹ لو کہ مقدم ہے یہی

۵ر جنوری سنہ ۵۱ء　　میرزا یگانہ چنگیزی

بنام مالک رام

(۱۰)

میرے پیارے دوست خدا آپ کو خوش رکھے۔

محبت نامہ مورخہ ۲۸ر جنوری مجھے ۸ر فروری کو مل گیا جس میں آپ کا اک عطیہ بھی ملفوف تھا - جزاک اللہ - ہاں آپ جیسے مخلص سے کچھ بعید نہیں کہ میری سوانح عمری میری زندگی میں مرتب کر لیں اور مجھے دکھا لیں ورنہ چالیس پچاس برس کے بعد کسی نے کروٹ لی تو وہ محض اک مجموعہ اغلاط ہو گا - بلکہ عجب نہیں میری آنکھ بند ہو جانے کے کچھ دنوں بعد ہی یاروں کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل جائے اور اتہام و افترا سے کام لیا جائے - آپ نے جو عنوانات

قائم کیئے ہیں بشرطِ صحت و فرصت کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔ مگر جیسا میں چاہتا ہوں۔ ہرگز نہ لکھ سکوں گا کیونکہ پریشان حالی کبھی پیچھا نہ چھوڑے گی اور اب تو صحت بھی روز بروز گرتی جارہی ہے۔

میں چاہتا ہوں آپ کی آخری فرمائش پہلے پوری کردوں یعنی گنجینہ (مجموعہ رباعیات و غزلیات) کی ایک نقل (جو چھپے ہوئے نسخہ سے بہت کچھ تازگی و صحت میں بہتر ہوگی) آپ کو بھیجدوں تاکہ آپ کسی وقت اس کی طباعت و اشاعت کا انتظام کرسکیں تو کرلیں۔ اس قلمی نسخہ میں بعض ایسی غزلیں اور رباعیاں بھی ہوں گی جو مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہیں۔ گنجینہ میں طباعت کی بعض افسوسناک غلطیاں رہ گئی ہیں اور بعض مقام پر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پبلشر صاحب نے اشعار پر اصلاح بھی دے دی ہے۔ اور بعض بعض اشعار اپنی خوش ذوقی جتانے کے لئے خارج بھی کردیئے ہیں۔ ماشاءاللہ۔ مثلاً میرا ایک شعر ہے ؎

سکونِ بیدلی میں کیا کہوں کیوں لہر پیدا ہے — مبادا غیب سے کوئی نویدِ ناگہاں آئے

اس پر اصلاح دی ہے ع بہ سکونِ بیدلی میں کیا کہوں کیوں لہر پیدا ہے! واہ جی واہ۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ انگریزوں کے زمانے میں مجھ ایسے کو کسی نے نہ پوچھا تو زیادہ شکایت کی بات نہیں ہے مگر افسوس ہے کہ موجودہ گورنمنٹ کے ارکان کو بھی کوئی اتنی توجہ نہیں دلاتا کہ اُف ادیب کو بھی زندہ رہنے کا حق ہے اور اسے بھی مادّی ضرورت پوری کرنے کے لئے کچھ چاہیئے۔ مگر اس نقار خانے میں کون سنتا ہے۔

۱۰ر فروری ۱۹۵۱ء — خیراندیش میرزا یگانہ چنگیزی

---

(۱۱)

بنام مالک رام

شفیقی و مخلصی زاد لطفکم۔ سلام شوق۔

محبت نامہ مورخہ ۲۲ر مئی ۱۹۵۱ء صادر ہوا اور اسکے ساتھ جو عطیہ تھا۔ کچھ دنوں کے لئے غنیمت ہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

بھئی کیا کہوں کیسا لکھنا پڑا۔ ایسی الجھن میں رہتا ہوں کہ توبہ ہی توبہ۔ آمدنی کچھ نہیں اور گرانی بڑھتی جارہی ہے۔ نہ جانے کیا ہونے والا ہے۔ اپنے ذاتی حالات نے کچھ ایسا رنگ بدلا کہ جتنے ساتھی تھے۔ سب کے سب ادھر ادھر ہوگئے۔ کوئی پاس نہیں۔ بھلا یہ کمزور ہاتھ پاؤں کب تک ساتھ دیں گے۔ خیر کچھ نہ کچھ تو لکھوں ہی گا۔ مگر دیکھئے کب مہلت ملتی ہے۔ جن اشعار کی نسبت کچھ پوچھنا ہو ضرور پوچھ لیجئے۔ ممکن ہے تبادلۂ خیال سے کوئی نیا پہلو پیشِ نظر ہو جائے۔ گنجینہ میں اک رباعی درج ہے اس کے تیسرے اور چوتھے مصرعے کی اصلاح کر لیجئے ؎

بننے کی ہوس میں کوئی اتنا نہ بنے — ہستی نہ بگڑ جائے تماشا نہ بنے

فطرت کا تقاضا تو یہی ہے واللہ — انسان بنے آدمی، دیوتا نہ بنے

۷ر جون ۱۹۵۱ء — سلطان بہادر روڈ، منصور نگر لکھنؤ — میرزا یگانہ

بنام مالک رام

شفیق و مخلص زاد لطفکم

بغداد سے اسکندریہ روانہ ہوتے وقت آپ نے ۱۰ اپریل ۱۹۵۱ء کو جو خط لکھا تھا، وہ اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس سے پہلے آپ نے جس خط میں میری سوانح عمری لکھنے کے بارے میں جو سوالات لکھ بھیجے تھے ان کی طرف توجہ کا موقع ہی نہ ملا۔ اور اب کیا ملے گا۔

مختصر روداد یہ ہے کہ بیگم یہاں سے ۸ اپریل ۱۹۵۱ء کو روانہ ہو کر ساڑھے تین مہینے تک پونہ میں پڑی رہیں۔ بڑی کوششوں کے بعد لکھنؤ سے No OBJECTION CERTIFICATE ملا تو بمبئی سے پرمٹ لے کر ۲۳ جولائی کو وہ کراچی پہنچ گئیں۔ اور اس کے بعد میں یہاں سے ۱۹ اگست ۱۹۵۱ء کو روانہ ہو کر ۲۸ اگست کو کراچی پہونچا۔ بیا عرض کروں وہاں کیوں گیا تھا۔ فقط لڑکوں اور لڑکی کو ایک بار دیکھ لینا مقصود تھا۔ دیکھ لیا الحمد للہ۔ وہ لوگ جس حال میں ہیں شکر ہے زندہ ہیں۔ یہی بہت ہے۔ مگر میں نے چھ سات مہینے تک جو رنج و تعب اٹھایا اور رہی سہی صحت جو کچھ تھی وہ بھی برباد ہو گئی۔ اوس کا کیا ذکر۔ CERTIFICATE کی مدت گزر جانے کی وجہ سے یہ بلا نازل ہو گئی کہ اب پاکستان سے واپس جا نہیں سکتے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ کیا پاکستان میں موت کھینچ لائی ہے۔ خیر انڈین ہائی کمشنر کے دو شریف النفس ہندوؤں نے میرا حال دیکھ کر تہیہ کر لیا کہ آپ کو ہم لوگ ضرور ہندوستان پہونچا دیں گے۔ ادھر لکھنؤ کے بدخواہ یہ خوشیاں منا رہے تھے کہ اب کیا آئیں گے۔ اب وہیں مریں گے۔ دوستوں کو رنج تھا۔ مگر خدا نے ان کمبختوں کا منہ کالا کر دیا۔ انڈین ہائی کمشنر کے پرمٹ افسر نے تین گھنٹے کے اندر مجھے دہلی پہونچا دیا۔ بال بال خیریت ۱۹ اپریل کو لکھنؤ پہونچ گیا۔ اتفاق کی بات کہ ۲۶ اپریل کو لکھنؤ ریڈیو سے ایک مشاعرہ نشر ہونے والا تھا۔ ریڈیو والوں نے مجھے بھی دعوت دی۔ میں گیا اور شریک مشاعرہ ہوا۔ جو لوگ چاہتے تھے۔ کہ میں پاکستان میں مروں، انہوں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ میرا صاحب پھر لکھنؤ آ گئے۔ پہلی ہی (باری) پر مشاعرہ اٹھ گیا۔ پھر دوسری اور تیسری۔ بعد ازاں غزل پڑھی مگر آواز قابو میں نہ تھی۔ اب بیٹھنے میں طاقت کہاں:

الغرض میں اپنی منزل مقصود پر پہونچ گیا۔ ۲۷ اپریل سے بخار آنے لگا۔ ڈاکٹر کا علاج شروع کیا۔ بخار تو خیر جاتا رہا مگر کھانسی اور تنفس کا جو مرض ہے، جو سات مہینے تک پاکستان میں اور زیادہ بگڑتا گیا۔ اوس میں کوئی افاقہ محسوس نہیں ہوتا۔ سینہ نہایت کمزور، ٹانگوں میں معلوم ہوتا ہے دم نہیں رہا۔ دو تین فرلانگ چلنا دشوار ہے۔ میں اب تک اپنے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا کیا ہونے والا ہے۔ بہرحال تنہا ہوں۔ آس پاس کوئی نہیں۔ مگر خوشی سے مرنے کے لئے تیار بیٹھا ہوں۔

بن پڑے تو کچھ خرچ کے لئے بھی بھیج دیجئے۔ اب تو میں دروازے سے باہر تھوڑی دور تک جا سکتا ہوں۔ زیادہ نہیں۔ لکھنؤ ریڈیو کے مشاعرے میں جو رباعی پڑھی تھی یہ ہے ؎

دنیا سے الگ بیٹھے ہو دامن جھاڑے　　بکھرائے ہوئے بال گریباں پھاڑے
روٹھے تو سہی پھر بھی نہ پیچھا چھوڑا　　گھر چھوڑ کے جا بیٹھے کہاں، پچھواڑے

پاکستان کیا ہے۔ پچھواڑہ ہی تو ہے۔

۱۹ مئی ۱۹۵۲ء (لکھنؤ)　　کمترین میرزا یگانہ لکھنوی

(۱۳)

بنام مالک رام

شفیق عزیز۔ سلام شوق

ایک مہینے سے زاید عرصہ گذرا میں نے ایک خط آپ کو اسکندریہ کے پتے سے بھیجا تھا۔ ہنوز کوئی جواب نہیں آیا۔ نہ معلوم کیا بات ہے۔ غالباً وہ خط آپ کو ملا نہیں۔

میرا مختصر حال یہ ہے کہ میں اپنے لڑکوں کو دیکھنے کے لئے عارضی پرمٹ لے کر کراچی گیا تھا۔ مگر اتفاق وقت میں وہاں ایسا پھنس گیا کہ نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ یہ خیال کہ اب یہاں سے نکلنا قریباً محال ہے، روح کو تحلیل کئے دیتا تھا۔ وہاں جب تک رہا تنفس اور کھانسی کی شدت بڑھتی گئی۔ چھ سات مہینے تک سخت غم اٹھایا۔ خدا خدا کر کے دو کرمفرماؤں نے نہایت ہمدردی اور مستعدی کے ساتھ میری طرف توجہ کی اور آخرکار پرمٹ دلا کر مجھے دہلی پہونچا دیا۔ حق تعالیٰ جزائے خیر دے۔ دنیا بھلے آدمیوں سے خالی نہیں ہے۔

یہاں میں ۱۹ اراپریل کو پہونچا۔ کوئی ایک ہفتہ کے بعد دھوپ کھا کھا کے بیمار پڑا۔ پھر وہی تنفس اور کھانسی کی شدت ہونے لگی۔ سینہ اب بہت کمزور ہو گیا ہے۔ تنفس کے مرض نے اب یہ صورت اختیار کی ہے کہ ٹانگوں کی طاقت بہت گھٹتی جاتی ہے۔ ڈیڑھ مہینے سے علاج ہو رہا ہے گھر سے باہر تھوڑی دور تک جاتا ہوں۔ زیادہ دور تک جا نہیں سکتا۔ بعض روز تو میں بہت گھبرا گیا کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ مگر خیر اب چار پانچ روز سے قدرے افاقہ ہے۔ مگر اب نارمل حالت پر آنا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ خیر میں پاکستان سے نکل آیا، اپنے گھر پہونچ گیا۔ یہ میری زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے، ورنہ جو سمجھتا تھا کہتا تھا کہ اب وہیں مرے وہیں گڑے۔ یارانِ لکھنؤ بھی بہت بغلیں بجا رہے تھے کہ اب وہیں پاکستان میں مریں گے۔ مگر اللہ نے بڑا فضل کیا۔ میں اب یہاں بڑی خوشی سے مرنے کے لئے تیار ہوں۔ خدا نے وہاں سے نکالا، شکر ہے۔ میری حالت جیسی کچھ ہے آپ جانتے ہی ہیں۔ زیادہ نیاز۔ اپنی خیریت سے جلد مطلع فرمائیے۔

رباعی

دنیا سے الگ بیٹھے ہو دامن جھاڑے
بکھرائے ہوئے بال، گریباں پھاڑے
روٹھے تو سہی پھر بھی نہ پیچھا چھوڑا
گھر چھوڑ کے جا بیٹھے کہاں؟ پچھواڑے

۱۸ جون ۱۹۵۲ء　منصور نگر۔ لکھنؤ (انڈیا)　　راقم میرزا یگانہ چنگیزی

بنام مالک رام

(۱۴)

شفیقی و مخلصی زاد لطفکم۔ سلام شوق۔

آپ کا محبت نامہ مورخہ ۹ رفروری پیش نظر ہے۔ بھائی جان یہ تو اب قریب قریب ناممکن ہے۔ کہ میں آپ سے یا آپ مجھ سے کسی وقت بھی ناراض ہو سکیں۔ ہمارا آپ کا رشتہ محبت اتنا مضبوط ہو چکا ہے اور ہم آپ اپنے اپنے جادہ پر اتنے مستقیم ہیں کہ کوئی امر ہمیں اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا۔

آپ کے پچھلے خط کا جواب نہ دے سکا۔ اس کی وجہ بس اتنی ہے کہ میں اب مسلسل زندگی و موت کی کشمکش میں پڑا رہتا ہوں۔ اور غضب تو یہ ہے کہ تنہا ہوں۔ کوئی آس پاس نہیں۔ یعنی بیوی بچوں میں سے کوئی یہاں نہیں رہا۔

آپ کتنے سال سے کہہ رہے ہیں۔ مگر میں کیا کروں۔ اب موقع نہیں رہا کہ اپنے حالات لکھنے بیٹھوں۔ یہ خیال ہی کرکے دماغ میں طرح طرح کے خیالات آنے لگتے ہیں کہ کس دور کے حالات لکھوں۔ لڑکپن کے۔ جوانی کے۔ بڑھاپے کے۔ عظیم آباد کے۔ لکھنؤ کے۔ علی گڈھ کے۔ لاہور کے۔ حیدر آباد کے۔ عثمان آباد کے۔ ناتور کے۔ کیوٹ کے۔ یسیلو کے۔ یادگیر کے۔ پھر حیدر آباد کے۔ پھر لکھنؤ کے۔ پھر پاکستان کے دوران قیام میں جو حالات پیش آئے یا اب لکھنؤ میں جو حالات ہیں۔ اب تو جناب وہی جھوٹی سچی باتیں میری سوانح عمری میں لکھی جائیں گی جن کے نمونے خود اپنی زندگی میں بعض لوگوں کی زبانی سن چکا ہوں۔ میرے وہ حالات جن سے صحیح طور پر دنیا مجھے پہچان سکتی کبھی سامنے نہ آسکیں گے۔ ہاں میرا جو کام ہے وہ رہ جائے گا۔

اس چل چلاؤ کے وقت میرے ہاتھوں بعض جہالتوں کا جسطرح پردہ کھل گیا۔ عجیب و غریب سانحہ ہے۔ ناممکن ہے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھ سکا ہوں اوس سے آپ یا کوئی سنجیدہ مزاج انکار کر سکے۔ ان تحریروں کو دیکھ کر میرے ایک کرمفرما (جو مسلمان ہیں اور انگریزوں کے زمانے میں گورنمنٹ آف انڈیا سکرٹریٹ کے ایک رکن تھے) لکھتے ہیں۔ کہ "ان مضامین کو دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں"۔ اس سے ظاہر ہے کہ حق و صداقت کے ماننے والے دنیا میں نایاب نہیں ہیں۔

۲۲ ردسمبر کو بمبئی ہی میں تو یہ حال ہو گیا کہ جیسے اب وقت آ ہی گیا۔ اوسی شب کو صاحب موصوف نے مجھے ایک آدمی کی حفاظت میں ٹرین پر بٹھا کر لکھنؤ روانہ کر دیا۔ یہاں آکر طبیعت کچھ سنبھل گئی۔ مگر پھر ادھر دو تین دن ہوئے ضعف بڑھنے لگا۔ آج کچھ اچھا ہوں۔ مگر کب تک؟

۱۸ رفروری ۱۹۵۳ء (سلطان بہادر روڈ۔ منصور نگر۔ لکھنؤ (انڈیا)　　　　یگانہ

بنام مالک رام

(۱۵)

شفیقی و مخلصی زاد لطفکم۔

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۹ رمئی ۱۹۵۳ء پیش نظر ہے۔ گنجینہ کا نسخہ جو میں نے از سر نو مرتب کیا ہے لالہ ودارکا داس شعلہ کے حوالے کر دیا۔ اب اپنے پاس رکھنے کا وقت نہیں۔ نہ اور کوئی تازہ فکر کا موقع ہے۔ آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند۔ سانحۂ ناگوار پر میرے دوست احباب کو جو صدمہ پہنچا اور اہل و عیال کے لئے جو

ہمیشہ کا داغِ بدنامی رہ گیا - یہ تو ہونے والی بات تھی - مگر الحمد للہ میرے دل و دماغ پر کوئی بدحواسی نہیں چھائی
میں جانتا تھا کہ ان جاہل FANATIES کے ہاتھوں جان یا آبرو پر بن جانا کچھ بعید نہیں۔

GREAT WORKS REQUIRE GREAT SACRIFICES.

یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ یہ قوم عقل کے جوہر اور اخلاقی جوہر سے بے بہرہ ہے - بات کا جواب بات سے نہیں دے سکتی - ایک تن تنہا کو بس اپنا زور دکھا سکتی ہے - مگر یہ بیسویں صدی ہے - اندھی عقیدت کا زمانہ گذر گیا - اب اندھی عقیدت سے زندگی بن نہیں سکتی - ورنہ گمراہی دفع نہیں ہو سکتی - میرے ایک دوست نے میرے دل کی بات کہہ دی - فرماتے ہیں -

I HOPE YOU HAVE GUARDED THE INCIDENT WITH THE CONTEMPT IT DESERVES.

الغرض مجھ سے دیرینہ بغض و عناد جو بیالیس پینتالیس سال سے چلا آرہا تھا اوس کا ری ایکشن شروع ہو گیا اس سانحہ سے - اور یہی میری حق گوئی کی داد ہے NEGATIVE FORM میں - اس سے ثابت ہے کہ میں نے جو کچھ کیا وہ حق تھا۔

۱۵ / جون ۱۹۵۳ء - سلطان بہادر روڈ - منصور نگر لکھنؤ (انڈیا) -　　　میرزا یگانہ لکھنوی

قاضی عبدالغفار

(۱)

بنام پروفیسر محمد مسلم

TELEPHONE NOS.
CONSULTING ROOMS 1205
RESIDENCE 1235

THE BAHISHT,
MORIGATE, DELHI.

مکرمی - السلام علیکم - اخبار قوم میں ایک سب ایڈیٹر کے متعلق جو اشتہار چھپا تھا وہ میرا تھا - چنانچہ ایڈیٹر قوم کے نام آپ کا خط مجھے ملا ہے - میں عنقریب دہلی سے روزنامہ اخبار جاری کرنے والا ہوں - جس کا نام غالباً علم ہوگا - صورت یہ ہے کہ ڈاکٹر انصاری اور حکیم اجمل خاں صاحب وغیرہ نے ایک کمیٹی قائم کی ہے جس کے زیر نگرانی یہ اخبار جاری کیا جائے گا - اگر آپ اس کام میں شریک ہونا چاہیں اور بحیثیت سب ایڈیٹر آنا پسند کریں تو بہ واپسی ڈاک اطلاع دیجئے - تنخواہ فی الحال .... دی جاسکے گی - لیکن ایک دو مہینہ کے بعد اضافہ ممکن ہے - آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ ابتدائی حالت میں نہایت ہی احتیاط کی ضرورت ہے - خصوصاً اس لئے کہ ۸ صفحات کا اخبار ہوگا - اور اس کے لئے دو تین سب ایڈیٹر رکھنے پڑیں گے - دو پیسے میں فروخت کیا جائے گا - جس کے معنی یہ ہیں کہ ابتدا میں بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا - جو محض اس امید پر برداشت کیا جائے گا - کہ آئندہ اشاعت میں ترقی ہوگی - آپ بہ واپسی ڈاک جواب دیجئے اس لئے کہ شروع اپریل میں دفتر کھل جائے گا - اور آپ سے فوراً ہی آنے کی ضرورت ہوگی -

۱۲ / مارچ ۱۹ء ۔۔۔ نیازمند عبدالغفار

---

(۲)

بنام مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

مکرمی تسلیم - چند روز ہوئے ہوش بلگرامی صاحب نے حیدرآباد سے آپ کے قلم کا ایک خط خستہ حالت میں مجھے بھیجا اور یہ لکھا کہ یہ میرے نام مولانا کا خط آیا تھا - اس تحریر میں کسی پہلے خط کا حوالہ ہے جو آپ نے مجھے لکھا (شاید میرے اس عریضہ کے جواب میں جو میں نے حیدرآباد سے لکھا تھا) لیکن وہ پہلا خط مجھے وصول ہی نہیں ہوا۔

؎ خط کا یہ حصہ کٹا ہوا ہے۔

ہے لیکن اصل روگ اپنی جگہ باقی ہے اور اس عمر میں ایسے چھد کا پکڑنا آسان بھی نہیں۔

آپ کو یہ سن کر افسوس ہوگا کہ ہمارے مولانا عبدالماجد صاحب نے اپنا استعفیٰ بھیج دیا ہے۔ اس کا اندیشہ تو مجھے پہلے سے تھا لیکن میں یہ سمجھتا تھا کہ مولانا انجمن کے جلسے میں اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرنے کے بعد ایسا فیصلہ کریں گے لیکن مولانا نے نہ تو جلسے میں کچھ فرمایا اور نہ اپنے استعفے میں کوئی وضاحت فرمائی ہے۔ بہرحال میرا کام تو اتنا ہی ہے کہ ان کے استعفے کو اراکین کے سامنے پیش کر دوں۔

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

کبھی پہلے الہ آباد میں انجمن کی کوئی شاخ تھی۔ اب اگر آپ کچھ توجہ فرمائیں تو پھر کچھ جان ڈالی جائے۔

علیگڑھ ۶ مئی ۱۹۵۰ء　　محمد عبدالغفار

---

(۵)

بنام قاضی عبدالودود صاحب

مکرمی۔ عنایت نامہ وصول ہوا۔ یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ آپ کو کتب خانے میں میرا "پیام" نہیں ملا۔ حالانکہ حیدرآباد کے سروری صاحب اور رضوی صاحب وہاں جا رہے تھے اور میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ وہ آپ کو اطلاع کر دیں کہ میرے نہ آنے کا کیا سبب ہوا۔

افسوس ہے کہ آپ سے تفصیلی گفتگو کا کوئی موقع نہ مل سکا۔ لیکن ابتدائی مراسلت کے حوالے سے آپ نے جو شکایت کی ہے کہ میں بعد میں خاموش ہوگیا اور مراسلت کا سلسلہ منقطع ہوگیا اس کی نسبت عرض یہ ہے کہ میں ایک سال مسلسل علیل رہا۔ اور علالت بھی ایسی تھی کہ امید زیست باقی نہ رہی تھی۔ مراسلت کے منقطع ہونے کا صرف یہی سبب تھا۔

اس دفعہ پٹنہ میں میں نے آپ کے اختلافات کو رفع کرنے کی جو خواہش کی۔ اس کی نسبت آپ کو کچھ نہیں لکھتا۔ اس لئے کہ آپ پہلے ہی مجھے متنبہ کر چکے ہیں کہ آپ ان مسائل سے بے تعلق ہو چکے ہیں۔ بہرحال میری وہ کوشش جاری ہے اور مجھے امید ہے کہ کوئی خوشگوار نتیجہ حاصل ہوگا۔

جس دن آپ کا عنایت نامہ وصول ہوا سرور صاحب علی گڑھ میں موجود تھے اور میں نے آپ کی تحریر انہیں دکھا دی۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ حسب ہدایت تصحیح کر چکے ہیں۔

مصحفی اور انشا والے شمارے کے متعلق سرور صاحب نے کہا کہ وہ خود ایک نسخہ آپ کو بھیج چکے ہیں۔ یہ بھی ڈاکخانے ہی کی عنایت ہوگی۔ اب میں نے اپنے دفتر کو ہدایت کر دی ہے کہ ایک نسخہ پھر بذریعہ رجسٹری بھیج دیا جائے۔

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ میں ایک اپریشن کے لئے عنقریب بمبئی جا رہا ہوں۔ اور غالباً ۱۵ دن کے بعد واپس آؤں گا۔

۹ نومبر ۱۹۵۱ء علیگڑھ　　محمد عبدالغفار

---

(۶)

بنام مختارالدین احمد

انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڑھ۔ محبی۔ آپ کا ۴ فروری کا خط مجھے آج ملا جب میں رام پور سے ایک ماہ اور

دس دن کے بعد واپس آیا۔ بعض ضروری امور کا جواب فوراً دیتا ہوں۔ بقیہ امور پر بعد میں گفتگو ہوگی۔

غالب کی تصویروں، اور تصانیف کی اولیں اشاعتوں کے متعلق آپ کی تجویز بہت اچھی ہے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی تکمیل میں بہت وقت صرف ہوگا۔ اور کتاب کا حجم بھی بہت بڑھ جائے گا۔ لیکن یہ تجویز ہرگز ایسی نہیں ہے کہ اسے کسی وجہ سے بھی نظر انداز کیا جاسکے۔ لہٰذا میں یہ سوچتا ہوں کہ غالب کی تصویروں کے متعلق اور تصانیف کی اوّلیں اشاعتوں کے متعلق جو کچھ لکھا جائے اور جمع کیا جائے وہ تیسری جلد کی صورت اختیار کرلے۔ بہر حال جب آپ یہاں تشریف لے آئیں گے تو اس کے متعلق آپ سے تفصیلی گفتگو ہوسکے گی۔

آپ اُن تمام مطبوعات اور تصاویر کی فہرست مرتب کرکے لیتے آئیں جن کو حاصل کرنا ہے۔

۱۲ رفروری ۱۹۵۲ء　　　احقر محمد عبدالغفار

---

(۷)

بنام نصیر الدین

علیگڑھ۔ مکرمی۔ آپ نے غالب کی تصانیف کی جو فہرست کتب خانہ آصفیہ سے مرتب کرکے مجھے دی تھی، اس میں "دیوان غالب" مطبوعہ مطبع احمدی محرم ۱۲۷۰ھ ہمارے کام کی چیز ہے۔ اس کے متعلق حسب ذیل سوالات کا جواب عنایت کیجئے۔

(۱) غالب کے غیر مطبوعہ خط کی نقل (جو اس کتاب میں ہے) آپ حاصل کرسکتے ہیں یا نہیں (کرسکتے ہوں تو حاصل کرکے عنایت فرمائیے)۔

(۲) یہ کتاب کسی طرح ایک دو ہفتوں کے لئے ہمیں عاریتاً مل سکتی ہے یا نہیں۔ کسی ذریعہ سے اس کی کوشش کی جائے۔ ضمانت یا ضامن کی ضرورت ہو تو اس کا بھی انتظام ممکن ہے۔

(۳) اس کے سرورق اور کسی ایسے صفحہ کا جس پر غالب کے قلم کی زیادہ اصلاح ہو درکار ہے۔ اس کا انتظام آپ کرسکتے ہیں یا نہیں۔

ازراہ کرم جواب عنایت فرمائیے۔

۴ ر دسمبر ۱۹۵۲ء　　　محمد عبدالغفار

جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڑھ

---

(۸)

بنام مختار الدین احمد

علی گڑھ۔ انجمن ترقی اردو (ہند) محبی۔ معاف فرمائیے۔ اپنی غیر معمولی مصروفیت کی وجہ سے آپ کے مکتوبات کا جواب نہ دے سکا۔ اس لئے بھی جواب نہ دے سکا کہ لٹریری کمیٹی کا جتنا پروگرام اس سال کے لئے باقی تھا وہ بعض وجوہ سے ملتوی کردیا گیا ہے اور اب کتابوں کی طباعت اپریل میں بجٹ کے جلسہ کے بعد شروع ہوگی۔ چنانچہ سب کام رکے ہوئے ہیں۔

" احوال غالب" کی دوسری جلد کے مسودات میرے پاس محفوظ ہیں اور مزید مضامین کا انتظار ہے۔ میں

چند روز بعد آپ کو مفصل خط لکھوں گا۔

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے اور اپنے کاموں میں مصروف ہوں گے۔

۸ر فروری ۱۹۶۳ء　　محمد عبدالغفار جنرل سیکرٹری انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڑھ

(۹)

بنام ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو

انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڑھ۔

مکرمی۔ آپ مجھے معاف فرمائیں کہ میں علاقائی تحریک اور بعض دوسرے جھگڑوں میں اس قدر مصروف رہا کہ آپ کے عنایت ناموں کا جواب نہ دے سکا۔ علاوہ بریں علاقائی تحریک کے اخراجات کی وجہ سے اس سال ہمارا بجٹ بالکل درہم برہم ہوگیا اور طباعت کے چند کام روک لینے پڑے۔ اب شروع سال سے پھر کام شروع ہوگا "افکار غالب" کی طباعت تو جاری ہے لیکن قاضی عبدالودود صاحب کے پاس جو پروف گئے وہ اب تک واپس نہیں آئے۔ تقاضا کیا گیا لیکن جواب نہیں ملا۔

میں نے پریس سے چھپے ہوئے فرمے منگائے ہیں اور خیال یہ ہے کہ مقدمہ احتشام حسین صاحب سے لکھوایا جائے۔ فرمے آجائیں تو ان کو لکھوں۔ مولانا آزاد سے کچھ لکھوانا بہت مشکل ہے۔ پھر بھی کوشش کروں گا۔ دفتر کو تاکید کردی ہے کہ "اردو ادب" کے جو پرچے آپ کو نہ بھیجے گئے ہوں وہ فوراً بھیج دیئے جائیں۔

طباعت کے سلسلے کو بند کرنے کا جو سبب میں نے اوپر بتایا اس کے تحت ابھی آزاد کتاب گھر سے طباعت شروع کرنے کے لئے نہیں کہا گیا ہے۔ کاغذ کے لئے روپیہ بھی نہ تھا جو ان کو دیا جاتا۔

قدیم تذکروں کی جو جستجو آپ کر رہے ہیں، اس سے انجمن ضرور فائدہ اٹھائے گی۔ جو کچھ ہاتھ آئے لے کر آئیے یا اس کی تفصیل مجھے لکھئے۔ انجمن کا رجحان اس وقت قدیم نوادر کی اشاعت کی طرف نہیں ہے۔ پھر بھی اچھی چیز تو اچھی ہی ہوتی ہے۔ پیش کی جائے گی تو یقین ہے کہ منظوری حاصل ہوگی۔ امید ہے کہ اپنے کام میں دلجمعی کے ساتھ مصروف ہوں گے۔ اور بہت کامیاب واپس آئیں گے۔

۲۷ر فروری ۱۹۶۴ء　　محمد عبدالغفار

(مہر) جنرل سیکرٹری انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

(۱۰)

بنام عبدالقوی دسنوی

مکرمی۔ مشرقی کتب خانہ کے حالات سے تو میں کچھ نہ کچھ واقف تھا اور عرصہ سے میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ کبھی موقع ملے تو "دیسنہ" آؤں اور آپ کے اس خزانہ سے مستفید ہونے کی کوشش کروں، لیکن کیا کیجیے کہ زندگی کا میدان بہت وسیع ہے، اور زندگی کی الجھنوں کا الجھاؤ کبھی آخری سانس تک ختم نہیں ہوتا۔ میں اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا اگر جوبلی کے موقع پر ایک دفعہ وہاں آسکوں اور آپ کے جواہر خانہ کو دیکھ سکوں۔

ایک بات اور بھی مجھے کہنی ہے کہ آپ کی اخبارات اور رسائل کی فہرست میں میں نے دیکھا کہ مولانا ابوالکلام

آزاد کے اخبار "پیغام" اور رسالہ "لسان الصدق" کی چند جلدیں آپ کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ میں "آثار ابوالکلام" آزاد کا نیا اڈیشن تیار کر رہا ہوں، اور اس سلسلہ میں ان دونوں جرائد کے فائل دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ آپ مجھے چند روز کے لئے یہ فائل بھیج سکیں ان کی حفاظت کے لئے ہر ممکن ضمانت دینے کے لئے میں اور انجمن تیار ہیں۔ یہ فائل خود مولانا آزاد کے پاس بھی نہیں ہیں اور میں عرصہ سے ان کی تلاش میں تھا۔ آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا۔

اُمید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

علیگڑھ ۲۷ راپریل سنہ ۵۴ء　　　محمد عبدالغفار

(۱۱)

بنام ڈاکٹر مختار الدین صاحب آرزو

انجمن ترقی اردو (ہند) حیدرآباد دکن

محبی - میں نے آپ کے دو خطوط کا جواب نہیں دیا۔ خدا جانے آپ کس قدر خفا ہوں گے۔

میں اس عرصہ میں بہت مصروف بھی رہا اور بیمار بھی۔ آخر کار ۳۰ راپریل کو علاج کی غرض سے حیدرآباد چلا آیا۔ ذرا کچھ سکون میسر آیا تو آپ کے خط کا جواب لکھتا ہوں۔ افکار غالب کا معاملہ بہت ہی الجھ گیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ ہوا یہ کہ اردو ادب میں قاضی عبدالودود صاحب کے کسی مضمون کا جواب شائع ہوا جس کے متعلق قاضی صاحب کو یہ شکایت پیدا ہوئی کہ اُس جواب میں ان کی توہین کی گئی ہے۔ انہوں نے سرور صاحب سے معذرت کا مطالبہ کیا۔ سرور صاحب نے کہا کہ وہ اس مضمون کی تردید لکھیں۔ وہ تردید معذرت کے ساتھ اردو ادب میں شائع کی جائے گی۔ اس پر قاضی صاحب رضامند نہیں۔ ان کا مطالبہ ہے کہ سرور صاحب خود معافی مانگیں۔ میں نے بھی ان کو لکھا اور معذرت خواہ ہوا لیکن انہوں نے رجسٹرڈ نوٹس کے ذریعے سے مجھے متنبہ کر دیا کہ ان کا کوئی مضمون اردو ادب میں یا افکار غالب میں شائع نہ کیا جائے گا۔ افکار غالب میں درج کیا جانے والا مضمون قاضی صاحب کو تکمیل کے لئے بھیجا گیا تھا وہ بھی انہوں نے واپس نہیں کیا۔ غرض کہ بہت ہی خفا ہیں اور اس کشاکش میں افکار غالب کی طباعت رک گئی اور آج تک رکی ہوئی ہے۔ اب عاجز آکر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ان کے مضمون کا انتظار کئے بغیر افکار کی طباعت کو مکمل کرا دیا جائے۔ سب فرمے تیار ہو جائیں تو آپ کو بھجواؤں اور کسی سے اُس پر مقدمہ بھی لکھواؤں۔ میں نے دفتر کو ہدایت کر دی ہے کہ اردو ادب کے جو دو نئے شمارے شائع ہوئے ہیں وہ آپ کو صحیح پتہ پر بھیج دئے جائیں۔

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ صحت کے اعتبار سے میری خیر و عافیت بہت مشتبہ ہے۔ جون میں علیگڈھ واپس جانے کا ارادہ ہے۔

۵ رمئی سنہ ۵۴ء　　　احقر محمد عبدالغفار

(۱۲)

بنام وحید احمد صاحب فریدی رئیس شیخوپور (بدایوں)

ANJUMAN-E-TARAQQI-E-URDU (HIND) ALIGARH.
انجمن ترقی اردو (ہند)

محبّی ۔ السلام علیکم ۔ علیگڑھ میں آپ کا ایک مکتوب ملا تھا ۔ میں اس وقت بہت بیمار تھا ۔ اسی حالت میں علاج کے لئے حیدر آباد چلا آیا ۔ اور آخر جون تک یہاں قیام کا ارادہ ہے ۔ میں نے دفتر کو لکھا ہے کہ آپ کے مسودے کے متعلق لٹریری کمیٹی نے جو فیصلہ کیا ہو اس سے آپ کو اطلاع کر دیا جائے ۔ سرور صاحب غالباً جلسہ میں نہیں آسکے نہ انہوں نے مجھے اس مسودے کے متعلق کچھ لکھا ۔ اگر میں بیمار نہ ہوتا اور جلسہ میں شرکت کر سکتا تو خود اس مسودے کو پڑھ کر اپنی رائے پیش کرتا ۔ بہت ہی اچھا ہے کہ آپ نے اپنی خانہ نشینی میں تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کیا ۔ آپ کے لئے اس سے بہتر کوئی دوسرا شغل نہ ہوتا ۔

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے ۔

حیدر آباد ۱۴ رمئی ۵۲ء — احقر عبد الغفار

بنام عبد القوی دسنوی بتوسط ڈاکٹر مقبول علی ملک پیٹھ حیدر آباد دکن (۱۳)

مکرمی ۔ بہت عرصہ کے بعد آپ کا جواب بمبئی سے آیا ۔ میں اس کا انتظار ہی کر رہا تھا ۔ ہماری انجمن کا نیز مسلم یونیورسٹی کا بھی یہی قاعدہ ہے کہ اگر کوئی بڑا ادارہ یا یونیورسٹی کوئی مقالہ طلب کرتی ہے تو اس کو دیا جاتا ہے ۔ آپ کے یہاں قواعد بہت سخت ہیں پھر بھی مجھے تو ان مضامین کی ضرورت ہے اس لئے جس شرط پر ممکن ہو گا انہیں حاصل کروں گا ۔ البتہ اب مجھے مجاز ہے میں نے انجمن کے دفتر کو ہدایت کر دی ہے کہ آپ کو تیس روپیہ پیشگی بھیج دیئے جائیں ۔ آپ از راہ کرم "پیغام" کے مضامین جلد سے جلد نقل کرا دیجئے ۔ اسی طرح "لسان الصدق" کے مضامین کی بھی بہت ضرورت ہے ۔ "آثار ابو الکلام آزاد" کا دوسرا اڈیشن صرف انہیں مضامین کے انتظار میں رکا ہوا ہے ۔ آپ نے یہ تحریر نہیں فرمایا کہ آپ کب تک دربھنگہ واپس جائیں گے ۔

۰ رجولائی [illegible] — محمد عبد الغفار

(۱۴)

بنام عبد القوی دسنوی

مکرمی ۔ عنایت نامہ مورخہ ۱۲ راگست وصول ہوا ۔ بڑا تردد ہے کہ صرف ان مضامین کو نقل کرایئے جو مولانا آزاد کے لکھے ہوئے ہیں ۔ از راہ کرم بہت جلد اس کام کو مکمل کرا دیجئے ۔ میں "آثار ابو الکلام" پر نظر ثانی کر رہا ہوں ۔ اور جب تک یہ مضامین نہ آجائیں ۔ اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی ۔

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے ۔

علیگڑھ ۱۰ ستمبر ۵۳ء — محمد عبد الغفار جنرل سکرٹری انجمن ترقی اردو ہند علیگڑھ ۔

(۱۵)

بنام شہاب الدین دسنوی صاحب

مکرمی ۔ ۲۰ راکتوبر کا عنایت نامہ مجھے وصول ہوا ۔ میں اچانک اتنا بیمار ہو گیا کہ انجمن کے جلسے ملتوی کرنے پڑے ۔ اب کچھ افاقہ ہے لیکن ابھی اس قابل نہیں ہوں کہ شروع نومبر سے پہلے جلسے ہو سکیں ۔

مہر صاحب کی نظم "مرزا غالب" کے متعلق مجھے پہلی دفعہ ایک علمی رسالے سے یہ معلوم ہوا تھا کہ کوئی ایسا

فلم بنایا جا رہا ہے۔ آپ کو معلوم ہو کہ انجمن نے گزشتہ دو تین سال میں غالب کے متعلق بہت ریسرچ کرائی ہیں اور اس سلسلے کی پہلی کتاب "احوال غالب" حال ہی میں شائع ہو چکی ہے۔ دوسری کتاب "افکار غالب"[1] عنقریب شائع ہوگی۔ عجیب بات ہے کہ اس فلم کے متعلق کبھی کسی نے مرکزی انجمن سے مشورہ کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ علاوہ بریں ملک میں مسلمہ ماہرین ایسے موجود ہیں جنہوں نے غالب اور غالبیات کا مطالعہ کرنے میں اپنی عمر گزاری ہے۔ مثلاً ڈاکٹر عبداللطیف صدیقی۔ مالک رام۔ ڈاکٹر مختارالدین آرزو اور علامہ کیفی وغیرہ۔ مجھے معلوم نہیں کہ ان صاحبوں میں سے کسی سے اس فلم کے متعلق کوئی مشورہ کیا گیا یا نہیں۔ خود دہلی میں غالب کے خاندان سے قریبی تعلق رکھنے والے ایسے لوگ موجود ہیں جو مفید مشورے دے سکتے تھے۔ انہیں میں ایک حمیدہ سلطان صاحبہ ہیں۔ جو غالب کی قریبی عزیز ہیں اور جن کے قریبی بزرگوں میں غالباً اب بھی ایسے ایک دو افراد موجود ہیں جنہوں نے غالب کو دیکھا تھا۔ ایک فلمی رسالے میں غالب کی وہ تصویر بھی چھپی ہے جس صورت میں غالب فلم میں دکھائے جائیں گے۔ مجھے وہ تصویر دیکھ کر حیرت ہوئی۔ اس لئے کہ انجمن نے غالب کی جو تصاویر جمع کی ہیں ان سے یہ بالکل مختلف ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ فلم کے لئے کہاں سے یہ تصویر حاصل کی گئی ہے۔ بلاشبہ سہراب مودی نے جو ارادہ کیا ہے وہ یکسر نیک نیتی اور ادب دوستی پر مبنی ہے لیکن یہ ایک نازک کام تھا اور ملک میں سعادت حسن منٹو اور بیدی سے زیادہ غالب کے متعلق فکر و نظر رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ اگر خدانخواستہ فلم میں کچھ غلط واقعات پیش کر دئے گئے تو ان پر یقیناً بہت سخت اعتراض ہوگا۔ آپ ابھی "بھگت سنگھ" کے فلم کے متعلق دیکھ چکے ہیں کہ کتنے اعتراضات ہوئے۔ اردو کے ہر دوست کی یہ خواہش قدرتی ہے کہ فلم میں غالب کی صحیح تصویر اور کردار پیش کی جائے۔ غالباً اسی احساس کے تحت حمیدہ سلطان صاحبہ نے جو غالب سے قریبی تعلق رکھتی ہیں یہ خط سہراب مودی کو لکھا۔ بہتر یہ ہوتا کہ وہ اپنے نام کے ساتھ انجمن کا حوالہ نہ دیتیں۔ لیکن بہرحال ان کو یہ احساس ضرور ہوگا کہ غالب کے متعلق فلم کی تیاری میں دہلی کے کسی ایسے شخص سے مشورہ نہیں کیا گیا جو غالب اور ان کے خاندان سے قریبی تعلق رکھتا ہو۔ میں نے بہرحال حمیدہ سلطان صاحبہ کو ایک تفصیلی خط لکھا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ فلم کس حد تک تکمیل ہوئی ہے۔ اور جن اصحاب کے میں نے نام لئے ہیں ان میں سے کسی سے مشورہ کیا گیا ہے یا نہیں۔ لیکن اگر ابھی وقت ہو تو آپ سہراب مودی صاحب کو یہ مشورہ دیں کہ وہ فلم کی کہانی اور مکالموں کے متعلق مسلمہ ماہرین سے ضرور مشورہ کریں۔ ورنہ اگر فلم میں کوئی واقعات کی غلطی رہ گئی تو مجھے اندیشہ ہے کہ اس پر بہت سخت تنقید ہوگی۔ آپ نے ذاتی عناد کے متعلق اپنے خط میں جو اشارہ کیا ہے اس کی نسبت مجھے یقین ہے کہ حمیدہ سلطان صاحبہ کی تحریر کسی ایسی چیز سے آلودہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کا کسی فلمی رسالے یا اشتہاری ادارے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ سہراب مودی کو یہ ضرور مشورہ دیں کہ فلم کی تکمیل سے پہلے وہ ایسے لوگوں سے بھی رجوع کریں جو غالب کی زندگی کے ہر پہلو پر گہرا مطالعہ کر چکے ہوں۔ اور یہ کام وہ مرکزی انجمن کے ذریعے سے کر سکتے ہیں۔ میں انہیں بتا سکتا ہوں کہ کون لوگ ان کو اس کام میں صحیح اور مخلصانہ مشورہ دے

---

[1] اب "افکار غالب" کے بجائے "نقد غالب" کے نام سے یہ کتاب شائع ہو گئی ہے۔

سکتے ہیں۔ اگر ان کی نظر سے ہماری تازہ اشاعت "احوالِ غالب" گزری ہوتی تو شاید وہ انجمن کو اس معاملہ میں نظر انداز نہ کرتے۔ امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

علی گڑھ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۵۳ء　　　محمد عبدالغفار

بنام حمیدہ سلطان صاحبہ

(۱۶)

محترمہ - چند روز ہوئے آپ کا عنایت نامہ آیا تھا۔ دو مہینے سے سخت بیمار ہوں اور اس قابل بھی نہیں رہا کہ دہلی آ سکوں۔ میں جب دہلی گیا تھا تو آپ اس وقت تک واپس نہیں آئی تھیں۔ مجھے اب افاقہ ہے اور امید کرتا ہوں کہ نومبر میں ادھر آنے کے قابل ہو سکوں گا۔

اس عرصے میں ہماری انجمن کے ایک ممبر شہاب الدین دسنوی صاحب نے مجھے آپ کے اس خط کے متعلق لکھا جو آپ نے فلم "مرزا غالب" کے متعلق سہراب مودی کو لکھا تھا۔ انہوں نے اس خط کی ایک نقل بھی مجھے بھیجی ہے۔ میں نے ان کو جو کچھ جواب دیا ہے اس کی ایک نقل آپ کو بھیجتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ سہراب مودی نے اس فلم کے متعلق دہلی میں یا دوسرے مقامات پر ایسے لوگوں سے کوئی مشورہ کیا ہے یا نہیں جو غالب کے متعلق مشورہ دے سکتے ہیں۔ بہرحال اگر فلم میں واقعات صحیح نہ ہوئے تو یہ امر بہت افسوس ناک ہوگا۔ اگر آپ کو کچھ مزید معلومات ہوں تو مجھے مطلع فرمائیے۔

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گی۔

علیگڑھ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۳ء　　　محمد عبدالغفار

بنام شہاب الدین دسنوی صاحب

(۱۷)

مکرمی - ابھی میں آپ کو یہ خط بھیجنے والا تھا کہ آپ کا دوسرا خط ملا۔ جس کے ساتھ منودرا اسٹیلا کا ایک سائیکلو اسٹائل پرچہ بھی تھا۔ آج ہی میں نے ۹ر اکتوبر کے FILM FARE میں صفحہ ۳۲ پر اس فلم کا کچھ حال پڑھا۔ آپ بھی اس کو دیکھئے۔ اس مضمون میں فلم کی پوری کہانی تو نہیں دی گئی ہے لیکن ایک دو باتیں مجھے عجیب معلوم ہوئیں۔ مثلاً غالب معاشقہ میں (جس کی طرف غالب کے سوانح نگاروں نے بہت ہی دھندلے اشارے کئے ہیں) کوتوال کی رقابت کا حال یقیناً غیر مستند ہے۔ اس کا کوئی ذکر غالب کی سوانح عمری میں کہیں نہیں آتا۔ بلکہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا۔ ان کے جیل خانے جانے کے اسباب کچھ اور ہی تھے غرضیکہ اگر فلم کی کہانی میں اس قسم کے غلط واقعات ہوں گے تو مجھے اندیشہ ہے کہ ان پر اعتراضوں کی بھرمار مزدور ہوگی۔ بہرحال جب تک پوری کہانی میرے سامنے نہ ہو کوئی تنقید کر نہیں سکتا۔ غالباً تنقید و تبصرہ اب بیکار بھی ہوگا۔ اس لئے کہ فلم تیار ہو چکا۔ جہاں تک حمیدہ سلطان صاحبہ کا تعلق ہے میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ وہ بہت مخلص کام کرنے والی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ انہوں نے کسی ذاتی غرض یا تعصب کے تحت یہ خط نہیں لکھا ہوگا۔ ان کا جواب آنے پر اگر ضرورت ہوئی تو میں آپ کو پھر خط لکھوں گا۔

علیگڑھ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۳ء　　　محمد عبدالغفار

(۱۸)

بنام شہاب الدین دسنوی صاحب

مکرمی - میں نے آپ کے بعد کے خط کا جواب اس لئے نہیں دیا تھا کہ میں حمیدہ سلطان صاحبہ سے مزید تفصیلات حاصل کر رہا تھا۔ اب مجھے تمام تفصیلات معلوم ہو گئی ہیں - اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر فلم "مرزا غالب" کے متعلق کوئی اطمینان بخش فیصلہ نہ ہوا تو یہ معاملہ بہت آگے بڑھے گا۔ اور وزیر اعظم اور مولانا آزاد تک جائے گا۔ جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا تھا سہراب مودی صاحب نے اگر اس فلم کے متعلق جاننے والے اور ماہرین سے مشورہ کر لیا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے خطوط کے حوالے سے ان سے بات کریں اور اس بات پر ان کو آمادہ کریں کہ وہ کچھ لوگوں کو یہ فلم دکھا کر ان کی رائے حاصل کر لیں مشکل یہ ہے کہ دتاتریہ کیفی صاحب یا ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب جیسے لوگوں کا بمبئی آنا مشکل ہے لیکن مالک رام صاحب اور حمیدہ سلطان صاحبہ دونوں دہلی میں ہیں اور میں ان کو آمادہ کر دوں گا کہ وہ بمبئی آکر فلم کو دیکھیں - یہ تو آپ جانتے ہیں کہ غالب کے متعلق مالک رام صاحب کی معلومات بہت وسیع ہیں۔ اور انہوں نے بہت کچھ لکھا ہے علاوہ بریں اگر سہراب مودی صاحب چاہیں گے تو انجمن کی طرف سے بھی ایک دو نمائندے بھیجے جا سکتے ہیں جن کی رائے اس معاملے میں قابل لحاظ ہو گی۔ مجھے افسوس ہو گا اگر فلم کی تشہیر کے بعد اس کے خلاف اعتراضات شروع ہوئے اور کوئی ایجی ٹیشن شروع کیا گیا۔ جو تصویریں فلم کی اس وقت تک شائع ہوئی ہیں ان کو دیکھ کر تو میں حمیدہ سلطان صاحبہ کی رائے سے متفق ہوں۔ کہ اس فلم میں غالب کو اچھا خاصہ بھانڈ بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ میں نے دفتر سے آپ کو لکھ دیا تھا کہ اگر آپ کی انجمن کی جوبلی قریب انہیں تاریخوں میں ہو یا جمعیتہ العلماء کی تعلیمی کانفرنس وہاں ہو رہی ہے تو بہت ہی بہتر ہو گا۔ میں نے اس معاملے میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے بھی مشورہ کیا ہے کہ وہ بھی اس خیال کو پسند کرتے ہیں آپ کے جواب کا مجھے انتظار ہے۔

میری صحت اب بہتر ہے اور یہ ارادہ ہے کہ ۱۵ یا ۱۶ نومبر کو انجمن کا مطلوبہ جلسہ کر لوں۔ اس کے بعد ہی مجھے حیدرآباد جانا ہے اور وہاں سے پھر آپ کے جلسے میں شرکت کرنے کے لئے دسمبر میں بمبئی آسکوں گا۔ امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

۶ نومبر ۵۴ء　　　　　محمد عبدالغفار

---

(۱۹)

بنام شہاب الدین دسنوی صاحب

مکرمی - فلم "مرزا غالب" کا قصہ دہلی میں بہت تیزی سے چل رہا ہے۔ وہ لوگ ایک عام جلسہ بھی کرنا چاہتے ہیں اور ہر قسم کی احتجاجی تحریکیں شروع کر دینا چاہتے ہیں میں نے آج جو خط حمیدہ سلطان صاحبہ کو لکھا ہے اس کی نقل آپ کو بھیجتا ہوں۔ میں یہی کوشش کر رہا ہوں کہ اس احتجاج میں جذباتی کیفیت زیادہ پیدا نہ ہو اور ضرورت ہو تو آپ SCRIPT کی ایک نقل مجھے فوراً بھجوا دیں۔ اور سہراب مودی کو کسی طرح آپ اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ فلم کے RELEASE کرنے سے پہلے انجمن کے چند نمائندوں کو دکھا دیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ

وہ اگر میرے مشورے پر توجہ نہ کریں گے تو یقیناً پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔ آپ کے جواب کا منتظر ہوں۔
امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

۱۱ نومبر ۵۴ء محمد عبدالغفار

---

(۲۰)

بنام حمیدہ سلطان صاحبہ

محترمہ۔ آپ کا مکتوب وصول ہوا۔ میں تو ابھی اتنا کمزور ہوں کہ دہلی نہیں آسکتا لیکن میرے خیال میں ایک بات بار بار آرہی ہے جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ آپ اجمل صاحب اور دوسرے کارکنوں سے بھی مشورہ کریں وہ بات یہ ہے کہ "مرزا غالب" فلم کے متعلق ابھی تک ہمارے پاس کوئی ایسا مواد نہیں ہے جس کی بنا پر ہم کوئی ذمہ دارانہ اقدام کر سکیں۔ ایک دو فلمی رسالوں میں اس فلم کا بہت مجمل اور مختصر ذکر ہم نے دیکھا ہے صرف اس کی بنا پر کوئی بڑی احتجاجی تحریک شروع کر دینا کہاں تک مناسب ہوگا۔ یہ غور کرنے کی بات ہے اگر مرکزی انجمن یا اس کے سیکرٹری کی طرف سے کوئی آواز اٹھائی بھی جائے تو اس آواز کو ٹھوس اور ہر طرح مستند مواد پر مبنی ہونا چاہئے تاکہ جب ہم پنڈت جی[1] یا مولانا[2] سے بات کریں تو ان کے سوالات کا پوری طرح جواب دے سکیں۔ اس وقت تک ہم میں سے کسی نے فلم کا SCRIPT بھی نہیں دیکھا ہے اور زیادہ تر سنی سنائی باتوں پر ہم چل رہے ہیں۔ میں نے آج ہی دسنوی صاحب کو لکھا ہے کہ وہ اس SCRIPT کی ایک نقل فوراً بھجوا دیں، اور سہراب مودی صاحب سے کہیں کہ وہ فلم کو RELEASE کرنے میں جلدی نہ کریں۔ اس SCRIPT کے آنے کے بعد میں چند احباب کو اسے دکھاؤں گا۔ اور آپ بھی اسے دیکھیں اس وقت ہمارے سامنے ایسا مواد ہوگا جس پر ہم تنقید کر سکیں۔ شبہ ہمارے متعلق سہراب مودی صاحب یا کسی شخص کو بھی پیدا نہ ہونا چاہئے کہ ہم محض جذباتی طور پر کسی شخصی غرض یا تعصب کی بنا پر احتجاجی تحریک شروع کر رہے ہیں۔ وہ صورت انجمن کے وقار کے منافی ہوگی۔ میری رائے یہ ہے (اور آپ اس کو اپنی کمیٹی کے سامنے بھی پیش کر دیں) کہ سب سے پہلے پوری معلومات حاصل کرنی چاہئے اور نہ تو ابھی کوئی پریس کانفرنس کی جائے یا اخباروں میں قرارداد بھیجی جائیں یا پنڈت جی اور مولانا کو متوجہ کیا جائے میں اس سے پہلے دسنوی صاحب کو لکھ چکا ہوں کہ وہ سہراب مودی صاحب کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ فلم کو RELEASE کرنے سے پہلے ہمیں یعنی آپ کو اور مرکزی انجمن کے چند نمائندوں کو دیکھنے کا موقع دیں، مجھے موصوف کے جواب کا انتظار ہے۔

دہلی میں مالک رام صاحب کا پتہ حسب ذیل ہے:۔
مالک رام[3] صاحب ایم۔ اے معرفت ڈاکٹر ایس۔ کے بھرد واج نمبر ۲ بارہ کھنبہ روڈ۔ نئی دہلی۔

---

[1] پنڈت جواہر لعل نہرو

[2] مولانا ابوالکلام آزاد

[3] مالک رام صاحب ۵/۱۲ ویسٹرن ایکسٹینشن ایریا قرول باغ نئی دہلی۔

---

(۲۱)

بنام حمیدہ سلطان صاحبہ

محترمہ - آپ کا ۱۷ رنومبر کا مکتوب مجھے وصول ہوا اس میں فکر کی مسافت نہیں کہ آپ نے اس فلم کے متعلق پنڈت جی اور مولانا صاحب کو توجہ دلادی ہے - میرے پاس دسنوی صاحب کا خط آیا تھا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ سہراب مودی صاحب SCRIPT کی نقل دینے کو تیار نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ اب فلم تیار ہو چکا اس لئے اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی البتہ انہوں نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ RELEASE کرنے سے پہلے یہ فلم دسنوی صاحب اور مسز صفیہ زبیر کو دکھادیں گے تاکہ وہ اپنی رائے سے انجمن کو مطلع کردیں - اب میں دسنوی صاحب کے دوسرے خط کا منتظر ہوں جس سے یہ معلوم ہوگا کہ انہوں نے فلم کو دیکھ کر کیا رائے قائم کی - مشکل یہ ہے کہ ہمیں ابھی تک صراحتاً اور قطعی طور پر یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ اگر فلم کا کوئی پہلو قابل اعتراض ہو تو وہ کیا ہے کچھ بھی اس کا اندازہ ہو جائے تو میں انجمن کی طرف سے اس معاملے کو اٹھاؤں۔

دسمبر میں جن تقاریب کا آپ نے ذکر کیا ہے ان میں میری شرکت بہت مشکل معلوم ہوتی ہے - اس لئے کہ دسمبر میں مجھے حیدرآباد اور بمبئی جانا ہے - بمبئی میں دو کانفرنسیں جن میں شرکت کا وعدہ کرچکا ہوں البتہ اگر جلد سفر کے قابل ہو گیا تو انشاء اللہ آخر نومبر میں دو ایک دن کے لئے مزید دہلی آؤں گا اور آپ سے ملاقات ہوگی۔

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گی۔

علیگڈھ ۱۸ رنومبر ۵۴ء — محمد عبدالغفار

---

(۲۲)

بنام حمیدہ سلطان صاحبہ

محترمہ - آپ کا ۲۶ رنومبر کا مکتوب مجھے وصول ہوا میں نے بیگم رشید صاحب کو لکھا ہے - لیکن ابھی کوئی جواب نہیں آیا ہے - میں آخر نومبر میں تو نہ آسکا لیکن انشاء اللہ ۲ دسمبر کو وہاں پہنچوں گا۔

ابھی تک دسنوی صاحب کا کوئی جواب مجھے نہیں ملا ہے - جس وقت جواب ملے گا - میں آپ کو اطلاع کروں گا - امید ہے کہ سینسر کے ذریعہ کوئی مفید نتیجہ برآمد ہوگا - الحمد للہ کہ میری صحت اب بہت بہتر ہے۔

ہندوستان ٹائمس میں جو اشتہار غالب فلم کا چھپا ہے اس کا ایک تراشہ بھیجتا ہوں - اس میں جو تصویر دکھائی گئی ہے وہ غالباً وہی ہے جس صورت میں مرزا غالب اس فلم میں پیش کئے جائیں گے - اگر میرا گمان صحیح ہے تو غالب کی صورت کا یہ تصور بہت ہی غلط معلوم ہوتا ہے۔

علیگڈھ ۲۷ رنومبر ۵۴ء — محمد عبدالغفار

---

(۲۳)

بنام شہاب الدین دسنوی صاحب

مکرمی - کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ آئندہ ۹ ردسمبر انجمن کے ملتویہ جلسے کی تاریخ مقرر ہوئی ہے جس کا نوٹس آپ کو مل گیا ہوگا - صدر انجمن کی مصروفیات کچھ ایسی تھیں کہ وہ نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد کوئی وقت دے سکتے تھے - وہ دس دسمبر کو مصر وغیرہ جائیں گے - افسوس ہے کہ آپ جو بلی کی مصروفیات

کی وجہ سے غالباً اس جلسے میں شرکت نہ کر سکیں گے۔ اور اس کا مجھے افسوس ہے کہ میں بھی شریک نہ ہو سکوں گا۔
اخبار الجمعیتہ" کا ایک تراشہ آپ کو بھیجتا ہوں۔ معاملہ کیسکو صاحب تک پہنچ چکا ہے۔ اور دہلی کے لوگوں کی کوششیں جاری ہیں سہراب مودی صاحب سے آپ کی اور مسز صفیہ زبیر کی ملاقات کے نتیجے کا مجھے انتظار ہے۔ امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

علیگڑھ ۲۰ رنومبر ۱۹۵۴ء　　　محمد عبدالغفار

(۴۴)

بنام حمیدہ سلطان صاحبہ

محترمہ۔ ابھی بمبئی سے مسز صفیہ زبیر کا خط آیا ہے۔ جو کچھ انہوں نے فلم "مرزا غالب" کے متعلق لکھا ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

"آپ کے چند خطوط جو آپ نے سہراب مودی کے فلم "مرزا غالب" کے سلسلے میں لکھے ہیں میری نظر سے گزرے۔ دسنوی صاحب۔ ندوی صاحب اور دیگر ممبران انجمن ترقی اردو سے ان کی نسبت بات چیت ہونے پر یہ طے پایا کہ ہم سب اس فلم کو دیکھیں گے۔ چنانچہ کل شام کو ہم سب فلم دیکھنے کے لئے گئے۔ ہم سب کا یہی خیال ہے کہ مجموعی طور پر یہ فلم اچھے پائے کا ہے اور اس میں کوئی اس قسم کی بات نہیں ہے جس کی وجہ سے مرزا صاحب کے اخلاق یا اردو زبان پر کسی قسم کا حرف آئے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کہ اس میں مرزا غالب کا کیریکٹر بہت اونچا دکھایا گیا ہے۔ اور اُردو کی خدمت جو یہ فلم کرے گی اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ باقی رہا سوال اس کا کہ یہ فلم مرزا غالب کی زندگی کے صحیح حالات پر روشنی ڈالتی تو اس میں کچھ فنی نقطہ سے رد و بدل کیا گیا ہے۔ اوّل تو اس فلم کا یہ مقصد بھی نہ تھا کہ مرزا غالب کی زندگی کا DOCUMENTARY فلم بنایا جائے اس لئے فلم بنانے والوں کو اس کا لائسنس ہے کہ وہ اس کہانی کو دلچسپ بنانے کے لئے ہیر پھیر کریں ......
زبیر کا اور میرا یہ خیال ہے کہ ہم کو کسی بھی ایسے فلم کا خیر مقدم کرنا چاہئے جو کہ اردو زبان کو فروغ دینے اور عوام تک پہنچانے میں ممد ہو۔ ہم لوگوں نے اس فلم کو صرف ایک نظریہ سے دیکھا ہے اور وہ یہ کہ اردو زبان یا مرزا غالب کے اخلاق کو اس سے نقصان تو نہیں پہنچتا اور اس سلسلے میں ہمیں کوئی ایسی قابل اعتراض بات نہیں ملتی اس لئے سب احباب کا یہ خیال ہے کہ ہمیں اگر اس فلم کی حمایت نہیں تو مخالفت بھی نہیں کرنی چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ جب آپ اسے دیکھیں گے تو اور بھی خوش ہوں گے .... انجمن ترقی اردو کا اس کے خلاف قدم اٹھانا مناسب نہ ہوگا ہم لوگ نہ صرف اس فلم کو نقصان پہنچائیں گے بلکہ آئندہ کوئی صاحب اس قسم کی فلم جس میں مشہور ہستیاں ہوں اور اردو کا چرچا ہوتا ہو بنانے سے گریز کریں گے۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ یہ فلم عام فلموں کے معیار سے کہیں اونچی ہے آپ جانتے ہیں کہ میں ہندوستانی فلموں پر بہت سخت تنقید کرتی ہوں اور اس معاملے میں آسان پسند واقع نہیں ہوئی امید ہے کہ آپ بھی جو قدم اٹھائیں گی نہایت سوچ سمجھ کر اور ہر پہلو کو مدنظر رکھ کر اپنا فیصلہ کریں گی۔"
میں انشاءاللہ ۲ دسمبر کو دہلی پہنچوں گا۔ اس وقت آپ سے مفصل باتیں ہوں گی۔ ۱۹ رنومبر ۱۹۵۴ء محمد عبدالغفار

بنام حمیدہ سلطان صاحبہ

(۲۵)

محترمہ - آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا - میری صحت کی حالت اس قدر غیر یقینی ہے کہ خود مجھے اپنے ارادوں اور وعدوں پر اعتبار نہیں رہا ہے - بہت سے ضروری کاموں کے لئے دہلی آنا ہے لیکن جب ارادہ کیا جب ہی اس کو ملتوی کرنا پڑا - کاموں کا ہجوم ہے اور اپنی صحت پر بھروسہ نہیں - مجھے ۳۰ر دسمبر کو ساہتیہ کی ایک کمیٹی میں شرکت کرنی ہے جو مولانا آزاد کی صدارت میں ہونے والی ہے - پھر وہاں سے اسی دن رات کو مجھے لکھنؤ جانا ہے - جہاں اتر پردیش کی صوبائی شاخ کا پہلا جلسہ یکم جنوری کو ہوگا - اس کی مجھے صدارت کرنی ہے اور قاعدے کے مطابق میرے سوا کوئی اور اس کی صدارت کر بھی نہیں سکتا - دو تاریخ کی شام تک میں علی گڈھ واپس آ جاؤں گا - اور ۴ر جنوری کو دہلی جاؤں گا - اس لئے کہ پانچ تاریخ کی صبح کو مجھے بمبئی جانا ہے جہاں ۶ر تاریخ کی صبح میرا پہنچنا ضروری ہے پھر میں تقریباً دو مہینے باہر رہوں گا - اس لئے کہ بمبئی سے حیدرآباد چلا جاؤں گا اور ۹ر فروری کو مدراس اردو کانفرنس ہے جس کی صدارت بھی مجھے کرنی ہے اس طرح آخر فروری تک علی گڈھ واپسی ہوگی - اس سفر کے سلسلے میں اپنی صحت کے متعلق بھی بمبئی اور حیدرآباد میں طبی مشورہ کرنا ہے - اب آپ ہی بتائیے کہ میں کس طرح اپنے کو آپ کے سالانہ جلسہ میں شرکت کا پابند کر لوں - میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے سالانہ جلسے کی صدارت کے لئے کسی اور کو تجویز کریں اگر آپ کہیں تو میں علی گڈھ سے انجمن کے کسی رکن کو اس کے لئے آمادہ کر دوں - ڈاکٹر عبدالعلیم اور ڈاکٹر مسعود حسین دونوں بہت موزوں رہیں گے -

"فلم مرزا غالب" کے متعلق میرے پاس بمبئی سے جتنے خطوط آئے ان میں بحیثیت مجموعی فلم کی تعریف کی گئی لیکن بمبئی کے ایک اخبار "بلال" نے جو مضمون لکھا ہے اس میں بہت سخت اعتراضات کئے گئے ہیں وہ میں آپ کو بھیجتا ہوں - خاں صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ ایک دفعہ آپ سب اس فلم کو دیکھ لیں اور اس میں جو قابل اعتراض باتیں ہیں ان کو نوٹ کر لیں - میں بھی اگر ۳۰ر تاریخ سے ایک دو دن پہلے دہلی آیا تو اس فلم کو دیکھوں گا - مشکل یہ ہے کہ ہم کوئی آئینی یا قانونی کارروائی نہیں کر سکتے سوائے اس طریقے کے جو آپ لوگوں نے اختیار کیا ہے - مولانا سے اور کیسکر ہی سے کہنا سننا ہوگا - اور مجھے تو ایجی ٹیشن کا صرف یہی طریقہ مناسب معلوم ہوتا ہے اردو کے کچھ اخبار آپ کا ساتھ دے جائیں لیکن انگریزی پریس سے کوئی تائید حاصل ہو اس کی مجھے امید نہیں - ہندوستان ٹائمس میں اس فلم پر جو تبصرہ شائع ہوا ہے وہ تو آپ نے دیکھا ہی ہوگا -

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے - خاں صاحب سے فرما دیجئے کہ میں ۲۷ یا ۲۸ تک دہلی آنے کا ارادہ کر رہا ہوں -

۱۵ر دسمبر ۵۴ء — محمد عبدالغفار

بنام مولانا عرفان صاحب

(۲۶)

قرول باغ - دہلی - مخدومی و مکرمی - السلام علیکم - تار اور خط کا شکریہ ، سردار صاحب سے ملاقات ہوئی

وہ پرسوں یہاں سے روانہ ہو گئے مفصل باتیں ہوئیں، شوکت صاحب نے بھی خط لکھا ہے۔ اور یہ امید ہے کہ کوئی بہتر صورت پیدا ہوگی۔ شوکت صاحب نے آپ سے مفصل حالات بیان کئے ہوں گے۔ آپ کی کوششوں اور توجہات مشفقانہ کا احسان مند ہوں۔

شاید نہ ہو یہ رفتہ باز آید آپ:

ابھی تو حال یہ ہے کہ ایک تنکے کی طرح دریا کی موجوں پر ہوا کے تھپیڑے کھا رہا ہوں اور ہر ساعت اس طرح گزرتی ہے کہ گویا آخری ساعت ہے! بہت شکستہ خاطر ہوں۔ اتنا کہ نہ شوکت صاحب اندازہ کر سکے نہ میرا حال آپ کے تخیل میں آسکے گا۔ ظاہر اور باطن میں بعد المشرقین ہے۔ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ بھی دنیا کا ایک بے فکرا ہے! بہرحال ابھی پاؤں تو مار ہی رہا ہوں کہ آخر یہی شرط زندگی ہے! اس سے مفر نہیں!

اخبار خلافت کی ادارت کا سوال، جہاں تک میرا تعلق ہے۔ ایسا ہی ہے جیسا کہ مریخ کی طرف اہل سائنس کا سفر! مولانا! پہلا سوال روٹی کا ہے! اگر مجھے سرمایہ مل جائے اور میں کوئی آزاد اخبار جاری بھی کر دوں، تو یقین جانیئے کہ ہندوستان کے اس عہد میں کوئی ایماندار اخبار نویس دو۔ وقت کی روٹی بفراغت نہیں کھا سکتا۔ روٹی کی فکر ہو تو اخبار کے ذریعہ سے، اتصال یا بجبر کیجئے، یا قومی چندے جمع کر کے ہضم کیجئے یا طلائے واجدعلی شاہی اور حب ملذذ کے اشتہارات شائع کیجئے! مسلمانوں کی سیاست اب صرف یہ ہے کہ ہر مسلم لیڈر نے اپنے جھنڈے میں چھید کر لیا ہے اور منتظر ہے کہ اندھیاں جھنڈے پھاڑ کر دیں گی! گلے میں ڈھول ہے ہاتھ میں تنبورہ ہے، حلق بڑا ہے، زبان لمبی ہے، اور اگر مولوی ہے تو معدہ قوی ہے! ایک سے ایک بڑا مقتدر موجود ہے! اپنا حال تو یہ ہے کہ

پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں!

ہر راہرو راہبر ہے! غالب بے چارا تو دو چار قدم ہر راہرو کے ساتھ چلتا تھا ہم اب ان تجربات سے بھی اکتا گئے ہیں۔ بہت سے راہرو اور بہت سے راہبر دیکھ لئے! تو مولانا! صحافت اور سیاست کا تو خیال بھی نہ کیجئے! اس سے جاوڑی کی دلچسپیاں اور خانہ خمار کی دلفریبیاں بدرجہا انسب و اولیٰ ہیں! نفس کی پرورش تو ہے اگر ایمان کی نہیں!

اپنی ملعون متعولیت" کا خاتمہ کر کے آئیں، اور جلد آئیں، اپنی بستی چل کر الگ بسائیں! جہاں نہ "تنظیم ملت" ہو نہ "ریزولیوشن" ہوں نہ "اعلانات" ہوں، نہ "لیڈر" ہو نہ اس کی "ملعون" تحریک ہو! اگر آپ کے ارادے کمزور ہوتے ہیں۔ کیا چوپائی کے سب ارادے اتنے ہی کمزور ہوا کرتے ہیں؟ اس سے آپ کے اشارات پر خوش نہیں ہوتا، وقت آجائے اور آپ راہ فرار اختیار کریں، تو پھر میں ایک نئی دنیا میں آپ کا ہمسفر بنوں گا!

حکیم صاحب کی سیرت کا کام شروع کر دیا ہے، اگرچہ دشواریاں بہت زیادہ ہیں اور بدقسمتی سے کچھ لوگ مجھے اس کام کے لئے بلحاظ اپنے اغراض ومقاصد کے) موزوں نہیں سمجھتے۔ اس لئے جن اطراف سے کافی امداد ملنی چاہیئے

وہ نہیں ملتی، تاہم دل کی یہ ہوس پوری کرنی ہے، ناچاکردا بہت مگر لیڈر نہ بن سکا۔ اب مسیح الملک کا سوانح نگار بننا چاہتا ہوں۔ جو اس سے بڑی چیز ہے، معلوم نہیں مشیت ایزدی کیا ہے! یہ کام مجھ سے بن آئے تو سمجھوں گا کہ زندگی کی تمام ناکامیوں کا نعم البدل مل گیا۔ یہ تو فرمایئے کہ آپ کو سیرت کے سلسلے میں جو کچھ لکھنا ہے وہ کب لکھ کر عنایت فرمائیں گے۔ محض تحریر ہی سے کام نہ چلے گا۔ آپ سے زبانی باتیں ہونی چاہئیں، وہ کب؟ بمبئی کے فلوں کو کب تک کلیجے سے لگایئے گا۔ اب تو شوکت صاحب وہاں پہنچ گئے، آپ دہلی کی طرف دیکھئے! دس پانچ دن کے لئے ضرور آیئے۔ اگر فساد بغیرہ زندگی بے کیف ہے تو ہم یہاں بھی آپ کی خاطر اس کا انتظام کرا دیں گے۔ خدا حافظ

۱۳ار جون — احقر عبدالغفار

(۲۷)

نام مولانا عرفان صاحب

مکرمی مولانا۔ السلام علیکم۔ افغانستان کے متعلق مجھ سے ذکر کیا، وعدے کئے، بمبئی جانے سے پہلے ملنے کا اقرار کیا اور پھر غائب ہو گئے! میں سمجھا شاید دس پانچ روز بعد کوئی خط آئے مگر بمبئی پہ پیروں کا سایہ، وہاں اس قسم کی معقول حرکت، جسے خط و کتابت کہتے ہیں، حرام (ح کو صحیح مخرج سے ادا فرمایئے) نہیں تو مکروہ ضرور ہے! چوپاٹی سے فرصت ملے تو کوئی کسی کو دو حرف لکھے! بہرحال کچھ مولویت' (نہیں بلکہ "مولانائیت" یعنی مولویت درجۂ اعلیٰ) کچھ استغراق فی کیفیاتِ چوپاٹی، کچھ ذاتی مشاغل، (تفصیل کی ضرورت نہیں!) غرض میں غریب کرم نامہ کا آج تک منتظر ہی رہا!

خیر جانے دیجئے۔ اب مجھے جواب دیجئے کہ افغانستان کے متعلق میری خواہش آپ کو یاد ہے یا نہیں؟ اور آپ نے اس سمت میں کوئی عملی قدم اٹھایا یا نہیں؟ میں اب وطن سے جانے کے لئے اتنا ہی بے تاب ہوں، جس قدر بے قرار آپ ہمیشہ بمبئی میں مقیم رہنے کے لئے ہیں! آج صبح اس باب میں مولانا شوکت علی صاحب سے باتیں کی تھیں۔ وہ امید دلاتے ہیں کہ کام کچھ مشکل نہیں، اگر کوشش کی جائے، اب آپ جو کچھ کر سکتے ہیں کیجئے اور مجھے مفصل خط لکھئے۔ نیز اتنی تکلیف اور گوارا کیجئے کہ سردار گل محمد خاں سفر حج کے بعد جب بمبئی پہنچیں۔ تو آپ بذریعہ تار مجھے مطلع کر دیں کہ وہ دہلی کب آتے ہیں۔ مجھ سے اُن سے ذاتی تعلقات ہیں اور اس معاملہ میں میں خود اُن سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ بھول نہ جایئے گا!

میرا حال اگر آپ سننا چاہیں تو یہ ہے کہ ۴ ماہ سے قرول باغ میں بسیرا ہے۔ حکیم جمیل خاں مسیح الملک مغفور کی سوانح عمری لکھوانا چاہتے ہیں، جی میرا بھی چاہتا ہے، لیکن یہاں کے حالات ایسے ہیں کہ جمیل خاں صاحب کے ساتھ کام کرنا بہت مشکل ہوگا۔ اس لئے اب تک اس معاملہ کو طے نہیں کیا۔ طبیہ کالج کے "ارباب حل و عقد" کی جو حالت ہے وہ اس قابل نہیں کہ کوئی بھلا آدمی اپنی عزت نفس کو محفوظ رکھ کر کام کر سکے۔ بہرحال اگر عارضی طور پر یہ سلسلہ شروع ہوا تو آپ سے بھی امداد کا طالب ہوں گا۔ لیکن بہر صورت یہ چیز افغانستان کے متعلق میرے ارادہ کو کمزور نہیں کر سکتی۔ شوکت صاحب نے اخبار خلافت کے متعلق بھی اپنا خیال ظاہر کیا تھا لیکن میں نے اس سوال کو اگنور کر دیا تھا اس کی تو میری زندگی میں گنجائش ہی

نہیں۔ پھر سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ آپ کی موجودگی میں میرا دفتر خلافت میں قیام، میرے لئے سخت خطرناک ہوگا۔
آپ کا بڑا کرم ہوگا اگر آپ اس حقیقت کا اعتراف فرمائیں کہ یہ عریضہ جواب کا بھی مستحق ہے! بمبئی زندہ باد!
پھر ہائی، ہائے، ہائے!

خیر طلب عبدالغفار

---

(۲۸)

بنام مولوی سید الطاف علی بریلوی

بمبئی۔ مجلس مصنفین کے دفتر کے افتتاح کے موقعہ پہ جو ایڈریس آپ نے پیش کیا اس میں مصنفین اور ادیبوں کی فہرست میں آپ نے ڈاکٹر صاحب کا نام شامل کر کے موجودہ علیگڑھ کی روایات میں چار چاند لگا دیئے۔ عنقریب "پیام" کا "سیر راہ" ملاحظہ فرمائیے۔
امید کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ مولوی طفیل احمد صاحب کی خدمت میں میرا سلام شوق عرض کر دیجئے۔
امید ہے دسمبر میں آپ سے ملاقات ہوگی۔

دفتر روزنامہ پیام

محمد عبدالغفار

سلطان حیدر جوش

(۱)

بنام طاہر فاروقی صاحب اسلامیہ کالج پشاور

مجی و عزیزی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ عنایت نامہ مورخہ ۲۵ جنوری موصول ہوا۔ افسوس ہے کہ آپ نے اپنا ارادہ میرے قیام آگرہ میں ظاہر نہیں کیا ورنہ یہ مرحلہ بآسانی سر ہو جاتا۔ خیر اب سہی۔

میرے لئے آپ سے بہتر اور کون سا پبلشر ہو سکتا ہے لیکن آپ کی تحریر میں ایک ایسا لفظ پاتا ہوں جس سے سارا مطلب خبط نظر آتا ہے۔ آپ میرے غیر مطبوعہ افسانوں اور مضامین کا مجموعہ چاہتے ہیں اور میں لفظ "غیر مطبوعہ" سے پریشان ہوں۔ حضرت! میں نے تو ۱۹۰۶ء سے جب بھی افسانہ یا مقالہ لکھا تو کسی نہ کسی فرمائش کے تحت میں اور اس لئے ادھر لکھا اور ادھر روانہ کر دیا یعنی میرا ہر افسانہ و مضمون کسی نہ کسی رسالہ میں شائع ہو چکا ہے۔ اس اعتبار سے میرے غیر مطبوعہ افسانے یا مضامین اگر ہیں تو میرے دماغ و ذہن میں، کاغذ پر ان کا وجود کہیں نہیں۔

اب اگر آپ کا مطلب ان افسانوں اور مضامین سے ہو جو علیحدہ کتابی صورت میں شائع نہ ہوئے ہوں تو بے شک آپ کی فرمائش کے مطابق عمل کرنے کو تیار ہوں۔ میرے چند افسانے ایڈیٹر الناظر نے "افسانۂ جوش" کے نام سے نہایت خراب کاغذ پر اور بدترین کتابت کے ساتھ ۱۹۳۱ء میں شائع کئے تھے۔ پھر میرے برادر عم زاد حاجی طبیب نے کم و بیش ایک درجن افسانے و مضامین میرے زیر نگرانی، عمدہ کاغذ اور اعلیٰ کتابت کے ساتھ ۱۹۳۶ء میں شائع کئے۔ مگر یہ دونوں نسخے کمیاب تو نہیں نایاب ہو چکے ہیں۔ میرے افسانوں اور مضامین کا شمار سو سے تجاوز کرتا ہے، اس لئے مذکورہ کتابی صورتیں محض مشتے نمونہ از خروارے بھی جا سکتی ہیں! بہر حال کل افسانوں اور مضامین کا مجموعہ شائع کرنا طلسم ہفت خواں توڑنے کے برابر ہے کیونکہ خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنے افسانوں اور مضامین کا معاوضہ ہی نہیں لیا بلکہ ان کی نقل بھی اپنے پاس نہیں رکھی، اور کیوں رکھتا جبکہ "نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا" درحقیقت میرا لائحہ عمل تھا؛ البتہ ایک فہرست مرتب کرتا رہا جس میں افسانے یا مضمون کا عنوان مع اس رسالہ کے نام و تاریخ اشاعت کے جس میں وہ شائع ہوتا درج کر لیتا۔ لیکن میری بے پروائی کی داد قدرت نے اس طرح دی کہ وہ مجلد فہرست افسانہ و مضامین بھی

میرے فرخ آباد سے تبادلہ میں اسباب کے انتقال مکانی کی صورت میں گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گئیں۔ اس کے بعد سے گدھے کو اپنے گدھے پن کا احساس ۱۹۳۲ء سے شروع ہونا لازمی تھا۔ بہ حال جس طرح کہ باپ اپنی مردہ اولاد کا مقام پیدائش، عمر وغیرہ وغیرہ بتا سکتا ہے اسی طرح میں بھی اپنے مفقود دفتر علمی کا قریب قریب بہت بڑا حصہ حافظہ میں محفوظ پاتا ہوں اور بتا سکتا ہوں۔ ممکن ہے کہ قدرت مظہر العجائب نے یہ سبق اس لئے دیا ہو کہ میں تحفظ قرآن کے نادر طریقے کی صحیح حقیقت بھی سمجھ سکوں۔ مختصراً سب سے پہلی کاوش یہ ہوگی کہ ان رسائل کو بہم پہنچایا جائے جن میں میرے افسانے اور مضامین وقتاً فوقتاً شائع ہوئے۔ ان رسائل میں مخزن، تمدن، الناظر، نقیب ہمایوں، نیرنگ خیال اور ساقی (رسالہ اردو ہوائے دہلی) کافی ہوں گے۔ خیال ہے کہ ان رسائل کا دفتر مسلم یونیورسٹی لائبریری، آگرہ، لکھنؤ اور دہلی سے مہیا ہو سکے گا۔ دشوار ضرور ہے مگر محال نہیں۔ اب فرمائیے کہ آپ اس پہاڑ کو توڑنے کے لئے کمربستہ ہونا چاہتے ہیں؟

دوسری سہل صورت یہ ہے کہ میں اپنے حافظہ سے اپنے مضامین و افسانوں کا انتخاب طے کر لوں اور اس میں جس قدر بآسانی اور جلد تر یاد ہو سکیں ان کا مجموعہ فی الحال شائع کر دیا جائے۔ آپ کی اس رائے سے مجھے اتفاق ہے کہ افسانوں کی ایک جلد ہو اور مضامین و مقالات کی دوسری۔ ان کے لئے جو مقدمات آپ نے تجویز کئے ہیں وہ بھی مناسب ہیں۔ تجارتی نقطہ نظر کا تصفیہ میرے اور آپ کے درمیان بہت آسانی کے ساتھ صرف چند منٹ کی گفتگو میں طے ہو جائے گا۔ مگر سب سے پہلی کاوش وہ ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا۔ اب فرمائیے کہ جناب کی ہمت پست ہو گئی یا کچھ ارادہ تکمیل ہے۔

آخر میں چلتے چلاتے ایک اور اطلاع گوش گذار کر دوں۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی مجلس منتظمہ کی طرف سے کورٹ کی ممبری کے لئے نامزد کر دیا گیا ہوں اور دلدل میں پھنسا ہوں۔ آپ کے پاس بھی فہرست ممبران برائے نامزدگی پہنچ گئی ہوگی۔ اس وقت نامزدگی اور ۲ فروری کے بعد رائے دہندگی کا زمانہ ہے۔ آپ کی ذاتی رائے کا مجھے اس قدر یقین ہے کہ میں اس کی بابت آپ کو غالباً لکھتا بھی نہیں، مگر اب آپ کی یاد آوری کے بعد آگرہ کے دیگر ممبران، بلکہ بیرون آگرہ کے بھی وہ ممبران جو آپ کے زیر اثر ہوں۔ یا کم از کم آپ کے احباب کی فہرست میں آتے ہوں، آپ کے ذریعہ سے اپنی امداد کے لئے چاہتا ہوں۔ آپ شاید کہیں کہ نگوڑے نماز بخشوانے بہ روزے بھی گلے پڑے۔ مگر میں کہوں گا کہ سلف سے یوں ہی مرے یار ہوتی آئی ہے! ایک فریدی کو دوسرے فریدی کی پوری پوری امداد و اعانت حاصل کر لینے کا یقین ہونا چاہئے اور اس کے حصول کے لئے اور زیادہ طویل تحریر فضول ہے۔

اب اپنے ادارۂ اشاعت اور میری استدعائے اعانت، دونوں کا جواب آپ کے ذمہ ہے۔ خدا کرے آپ معہ تمام متعلقین خوش و خرم ہوں۔

والسلام! احقر سلطان حیدر جوش (حامد منزل، میرس روڈ علی گڈھ ۳۰ جنوری ۱۹۴۴ء)

(۲)

بنام طاہر فاروقی صاحب، اسلامیہ کالج پشاور

محبی! السلام علیکم!

مئی کا مہینہ ایک ہفتہ ہوا گذر گیا۔ آپ یہاں تشریف نہ لا سکے اور میں بھی "یوم صوفی" کی صدارت کے لئے آگرہ نہ پہنچ سکا۔

اب یہ سُنیئے کہ میں نے اپنی تازہ ترین تصنیف ختم کر لی ہے۔ یہ وہی ہے جس کا نام "سسرال" میں نے دہلی سے اپنی تقریر میں نشر کیا تھا۔ اس میں ۲۱ نہایت پھڑکتے ہوئے افسانے ہیں۔ اپنی تیس سالہ ملازمت کے غیر معمولی مشاہدات کا مرقع افسانوں کے لباس میں رکھ دیا ہے۔ کوشش کی ہے کہ افسانوں کے جس قدر نمونے مغرب نے اب تک بنائے ہیں وہ سب آ جائیں بلکہ ایک افسانہ محض ٹیلیفونوں پر بنانا اس وقت تک اچھوتی جدت ہے۔ ضخامت یہ ہے اسکول کی رول دار کاپیوں کے، جن پر ۲۰ سطریں فی صفحہ ہوتی ہیں، پورے ۲۵۰ صفحے ہیں۔ مئی کے ختم پر یہ ایک سالہ کوشش شکر ہے کہ اختتام کو پہنچ گئی۔

اب فرمائیے کیا ارادہ ہے؟ سب سے پہلے آپ کو لکھ رہا ہوں۔ والسلام۔ جواب اگر دینا ہے تو جلد دیجیے۔

احقر: سلطان حیدر جوشؔ۔ علی گڑھ، ۱ اپریل ۱۹۴۴ء

مجھے آپ کے دولت خانہ کا پتہ یاد نہیں اس لئے یونیورسٹی کے پتہ سے بھیجتا ہوں۔

(۳)

بنام طاہر فاروقی صاحب اسلامیہ کالج پشاور

برادر مخلص و محترم! السلام علیکم

گرامی نامہ اس وقت موصول ہوا جب میں کئی روز سے ملیریا کے زیر اثر رہین بستر تھا۔ افسوس ہے کہ پیشتر سے اطلاع نہ ملنے پر ریڈیو نہ سنا جا سکا تاہم اسی روز اس نشر کی اطلاع ایک سننے والے کی زبانی مختصر آ ہو گئی تھی لیکن ان کو ناشر کا نام و نشان معلوم نہ تھا آپ کے گرامی نامے نے اس پہیلی کی توجیہ ظاہر کر دی۔

آپ کے ناقدانہ نشر کا ممنون ہوں اور سب سے زیادہ اس غلطی کا جو آپ نے آیت کریمہ کے متعلق سمجھائی ہے۔ واقعی یہ نہایت بد نما سہو ہے۔ اگر میں بھی عربی میں مولوی کامل ہوتا تو غالباً یہ سہو نہ ہوتا۔ بہرکیف خدائے پاک اس سہو کو معاف فرمائے

"نقش و نقاش" پر اس قدر تنقیدیں نیرنگ خیال، ہمایوں، ادیب، زمانہ اور آجکل میں شائع ہوئیں کہ مجھے لطف آ گیا۔ آپ نے بھی شکر ہے کہ اپنی ہی عینک سے جوشؔ کو سرفراز اور اپنے پسندیدہ مقامات کو اجاگر کر دیا۔ اس کے لئے شکریہ "زحمت ہائے تو" کے سوا اور کیا کہوں۔

ایک شجر ممنوعہ کا خط مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی کا موصول ہوا۔ ان کی عینک سے یہ ناول جو حروف اپنے رنگ کا اچھا خاصہ ہے میں ان کو بعض جگہ فقیہہ نظر آیا مگر چند جگہ ان کی طبیعت منغص بھی ہوئی مثلاً سوزشتہ کی معراج شیطنت "یا انسان کامل کا تشبیہ الوسیلہ عند بعین تک کی پول کھل گیا"۔

مجھے ان کے قلم سے اپنی تعریف کے بجائے اس چیچہرا ہٹ میں اپنی پوری کامیابی کا یقین ہو گیا۔ "بادہ ظرف سنج تک ایک دو جرعے آخر چڑھ کر بولے"۔ کیوں سچ تھا؟

بھائی مجھ فریبی کی تعریف طاہر فاروقی نہ کریں تو اور کون کرے۔

اچھا صاحب، جزاک اللہ فی الدارین خیراً۔

آپ نے DAWN میں ۹ تاریخ کے جلسۂ مسلم یونیورسٹی کورٹ کی اطلاع پڑھی ہو گی۔ کیا ۲۹ ستمبر کو آنے کا ارادہ ہے؟

باقی انشاء اللہ بر وقت ملاقات!

[illegible]

اختر شیرانی

بنام فصیح اللہ خاں صاحب ملیسی (ملتان)

(۱)

کرم فرمائے تسلیم

یاد فرمائی کے لئے ممنون ہوں میری نظموں کا مجموعہ ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے۔ شاید کبھی ہو۔ میرا منیجر اس کے متعلق سوچ رہا ہے۔

آپ کے مضمون کی اشاعت کے باب میں فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بعض مصالح کی بنا پر چند سے انتظار کرنا پڑے گا بصورتِ دیگر آپ کی خواہش کے مطابق درست کر کے بھجوا دوں گا۔

افسوس ہے کہ میرے پاس اپنی کوئی تصویر موجود نہیں۔ ورنہ شاید تعمیل فرمائش میں عذر نہ ہوتا۔

آخر میں آپ کے ان محبت آمیز خیالات کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ جو آپ نے میرے متعلق ظاہر فرمائے ہیں۔ اگرچہ میں ان کا کسی طرح مستحق نہیں ہوں

اپنے "مغرور" ہونے کے متعلق اس کے سوا کچھ نہیں لکھنا چاہتا کہ آپ کے محبت نامے کا فوری جواب اس کا کافی ابطال ہے۔

والسلام صداقت کیش اختر شیرانی ۳۶ - ۴ - ۱۹ء

بنام اعجاز سکندر صاحب نازش

(۲)

جانِ برادر" دعا ہا

میں تمہیں خط لکھنے کی فکر میں تھا کہ تمہارا محبت نامہ پہنچا۔

ہاں! مشکلاتِ زندگی ہی نے "شاہکار" کی ادارت پر مجبور کیا ہے۔ یہ تمہارا خیال صحیح ہے۔ یہ حالت کب تک رہے گی؟ اس کا جواب کیا دوں؟ سرِدست صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ دنیا پر جب تک جنگ کی لعنت مسلط رہے گی۔ کوئی

چاہتے۔ مثلاً کب لکھی؟ کن حالات میں لکھی؟ اس وقت وجہ تحریک کونسی شے تھی وغیرہ۔ تمہاری کیا رائے ہے؟
"شاہکار" نے پہلے سے زیادہ اپنے ادب و تعمیر میں لطافت پائی یا نہیں؟ لکھو۔ والدعا
تمہارا اختر ۲۲-۸-۴۰

(۴)

بنام اعجاز کندہ تاتش (کندیان)

عزیزم سلمہ دعا

تمہارے کسی خط کا تمام و کمال جواب نہ دے سکا۔ "شاہکار" کے اکتوبر نمبر کی طباعت و کتابت سے فرصت ملی اور آج جواب دینے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم غالباً میرے خطوط کو اچھی طرح نہیں پڑھتے۔ میں نے کب کہا کہ تمہاری نظم شائع نہ ہوگی۔ میں نے تو لکھا تھا کہ جیسے جیسے درست کراتا جاؤں گا۔ شائع ہوتی جائیں گی
جن کو نامناسب خیال کروں گا۔ ان کے متعلق اطلاع دوں گا۔

تمہاری خواہش کے مطابق، تمہارے دوست فضل حق صاحب کی نظم "معصوم آرزوئیں" اکتوبر نمبر میں شائع ہو گئی ہے۔ دو تین شعر قلم زد کر دیئے ہیں۔ تمہاری کوئی نظم اس دفعہ نہیں جا سکی تھی اس لئے نومبر نمبر کا انتظار کرو۔ اب اپنے سوالات کا جو میرے لئے امتحانات کے سوالات سے کم نہیں ہیں۔ بالترتیب جواب سنو۔

(۱) شاہکار کے کل ۵۰ خریدار یعنی میرے حساب میں بنتے ہیں۔ جن میں سے ۱۵ نے ابھی چندہ ادا نہیں کیا ہے۔

(۲) گزارہ بدستور ہے۔ لیکن والد اسی ماہ ریٹائر ہو رہے ہیں۔ گو مجھے لڑکوں کے یہاں آنے پر خرچ اخراجات چار گناہ بڑھ جائیں گے

(۳) رومان کے سلسلہ میں غداری کرنے والے (۱) مینیجر شیخ محمد زیب مالک "زیب النساء" (۲) شبیل احمد بی۔ اے میرا اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے۔ جناب "احسان" میں ملازم اور رسالہ "داستان" کا ایڈیٹر ہے۔

(۴) یہ بتانا کہ اپنی نظموں میں کون سب سے زیادہ عزیز ہے بہت مشکل ہے۔ لیکن اگر مجھے یک بیک جواب دینے پر مجبور کیا جائے۔ تو شاید میں "او دیس سے آنے والے بتا" کا نام لوں گا۔

(۵) اسکی شان نزول کیا ہے؟ صرف وہ تاثرات جو ایک دیس سے آنے والے سے برسوں کے بعد مل کر کسی غریب الوطن کے دل میں مرتب ہوتے ہیں۔ اور آنسو یا شعر بنکر چھلک پڑتے ہیں یہ واضح رہے کہ جہاں بچپن گزرا ہو۔ اس مقام کی یاد۔ تو ہر ایک کے گوشۂ دل میں چھپی رہتی ہے۔ لیکن جب شخص کو اس مقام سے جدا ہوئے ۱۵ سال گزر چکے ہوں۔ اسکی تلخی جذبات اور شدت احساس، ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ میرا بھی ایسا ہی حال تھا۔

(۶) "پندرہ شعر اپنے قلم سے" یہ دو مختصر الفاظ، مگر فی الحال اردو کا قلم موجود نہیں ہے۔

(۷) مقدمہ کتاب کے متعلق پہلے لکھ چکا ہوں جیسا مقدمہ لکھنے کا ارادہ تھا۔ وہ درست ناممکن ہے۔ اصل کتاب کا پورا کاغذ موجود نہیں۔ تو مقدمہ کا خرچ کہاں سے لاؤں

(۸) انتساب "س" کے نام ہوگا۔

(۹) تصریحاً ہر حصے میں اس وقت کی ہوگی جب اس حصے کی نظمیں لکھی گئیں۔

(۱۰) غزلیات کا مجموعہ اس سلسلے کا تیسرا حصہ ہوگا۔ مگر تم یہ سن کر افسوس کرو گے کہ میں تاج یہ سارا مجموعہ (جس میں صرف غزلیات تھیں) چوری ہوگیا۔ اب پھر جمع کرنا پڑے گا۔ اور میرے پاس کسی بھی رسالے کا ایک پرچہ تک نہیں۔

(۱۱) "اختر نمبر" کو میں خود نمائی سمجھتا ہوں اور خود نمائی سے مجھے ہمیشہ نفرت رہی

(۱۲) احمد ندیم صاحب "شاہکار" کیلئے مخصوص ہوگا مگر آجکل بہت پریشان ہے۔ اور اس خط کے ساتھ اُسے بھی عرصے کے بعد جواب دے رہا ہوں۔

(۱۳) "سلمیٰ نورجہاں کے مزار پر" کی شان نزول خود نظم بتا رہی ہے۔

(۱۴) شعر کیسے کہتا ہوں؟ فرمائشی یا اخباری۔ ہر وقت ——— اپنی خاص نظمیں زیادہ تر چاندنی رات اور تنہائی میں، کم تر دوسرے اوقات میں جذبات کا غلبہ اور احساسات کا فور۔ بہر حالت میں لازمی ہے۔

(۱۵) مجھے اس کا رنج نہیں ہے کہ اب "شاہکار" میں میری نظمیں شائع نہ ہوں گی ——— ارے بھائی تم سے کس نے کہا۔ کہ اب تمہاری نظمیں شائع نہ ہوں گی۔ اس کے متعلق اوپر کی سطور میں لکھ آیا ہوں۔

(۱۶) منظور صاحب کو ابھی پرچہ نہیں بھجوا سکا۔ کیونکہ جواب طلب خطوط کا فائل آج کھولا ہے۔ اور اس سے آپ کے تین خط نکلے ہیں۔ جو اس وقت سامنے ہیں۔ جس وقت منظور صاحب کے نام والا خط آیا ہے۔ اس وقت میں دفتر میں موجود نہ تھا۔ بہرحال اب بھجوا دوں گا۔ ان سے نظم لے کر بھجوا دو۔

لیجئے اب آپ کے تمام خطوط اور سوالات کا جواب ختم ہو گیا ہے۔ صرف پندرہ اشعار کے تبصرہ کا قرض میرے ذمہ باقی ہے۔ اس سے بھی جلد سبکدوش ہونے کی کوشش کروں گا۔ امید ہے کہ تم مسرور اور بخیر ہوگے۔ والدعا

تمہارا اختر　　۴۶ — ۱۰ — ۱۱

(۵)

بنام اعجاز سکندر نازش

عزیزمن! دعا

تمہارے چار خط پہنچے۔ شرمندہ ہوں کہ اب تک جواب نہ دے سکا۔ علالت اور سیاحت اسکی ذمہ دار ہیں۔ سیاحت خود اختیاری نہیں اور علالت تو بالکل ہی نہ تھی، اب جواب لکھتا ہوں۔

زمین کے عطیے کیلئے شکر گزار ہوں۔ مگر اس کے یہ معنی نہ ہوں گے۔ کہ تم فاقے کرو۔ آخر تمہارا گزرہ کس طرح

ہو گا ؟ معاف کرو۔ میں مفلس سہی، مگر خدا کا شکر ہے۔ کمینہ نہیں اس لئے جب تک تمہارے گزر اوقات کی کوئی صورت نہ ہو یہ تجویز قطعی بے کار ہے۔

تمہاری دوسری تجویز کہ زمین نہیں تو اس کی تمام آمدنی ہر سال سے لیا کرو۔ اس میں بھی تمہارے گزارہ کے لئے کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اگر کوئی ہو تو مجھے بتاؤ!

مسٹر عبدالکریم خالد کی غزل سامنے نہیں۔ یا تو تم بھیجنا بھول گئے۔ یا میری فائل کے ساتھ رہ گئے" دوبارہ بھجواؤ" شاہکار" سے بھی نظر نہیں آتی۔ دوسرے رسالے کی فکر پھر دامنگیر ہے۔ مگر کیونکر —— ؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ بہرکیف اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔

"اے ابرِ رواں" تمہاری خواہش کے مطابق مکمل کروں گا۔

منظور صاحب کو پرچہ بھجوا دیا تھا۔ مگر نہ وہ خریدار بنے اور نہ نظم بھجوائی۔ ملک فتح محمد صاحب سب انسپکٹر کا چندہ ابھی تک نہیں ملا ہے۔ اپنے مختصر حالات پھر کسی فرصت میں لکھوں گا۔

"پرہائی نس" والی نظم ابھی مکمل نہیں ہے۔ اس کے مخاطب کا نام پوچھ کر کیا کروگے "غریب" کی رسوائی ہوگی "بیچاری پر رحم کرو۔

تمہارا خیال بالکل درست ہے "لارڈ بائرن" اور "زراعتکاری" کی نظمیں میری ہی ہیں۔ "مشورہ" کی نظم میری نہیں مگر اصلاح ایسی ہوئی ہے۔ کہ اس کے اصل اشعار بالکل ہی مٹ گئے۔ اور پورے پر ہم ہی ہم باقی رہ گئے ہیں۔

تمہارے خطوں کا جواب ختم ہوتا ہے۔
اپنے متعلق سوائے اس کے کیا لکھوں

سوختیم و سوزشِ ما بر کسے ظاہر نشد
چوں چراغِ غار نے شد، ماہتابِ بے جا شقیم

والدعا
تمہارا اختر

(۶)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ

برادرِ محترم زاد مجدکم

تسلیم مع التکریم۔ ہم لوگ کل ہی یہاں پہنچے ہیں۔ اور آج حضرت قبلہ والد ماجد کی زبانی علم ہوا کہ آپ کی محترم رفیقۂ حیات نے آپ سے دائمی مفارقت اختیار کی۔

یہ کہنا لاحاصل ہے کہ اس جانکاہ اطلاع نے مجھے اور دوسرے متعلقین کو (جن میں حضرت والد ماجد کا خاص حصہ ہے) کس قدر اذیت قلبی سے دوچار کیا۔ علی الخصوص مجھ جیسے بخوبی ... ہے کہ آپ کے دل میں اپنی عزیز بیوی کے لیے کس درجہ محبت، کس حد شیفتگی اور کیسی کچھ فریفتگی موجزن تھی۔ آپ حیران نہ ہوئیے میں نے آپ کے روزنامچے کے چند اوراق پڑھے ہیں اور ان میں آپ کے شریک زندگی کے باب میں ایک ایسے صحیفۂ محبت و جنون کا مطالعہ کیا ہے جو بہت کم افراد کے جذبات میں اپنی نشیمن قائم کرتا ہے — یوں بھی ایک سے زیادہ مرتبہ (اگر مجھے غلط یاد نہیں!) مرحومہ کے تذکرے میں مجھ جیسے نفسیات کے طالب علم کو آپ کے چشم و ابرو کے انداز اور نگاہ و بیان کی روش میں ایک ایسی داستان عشق و شیفتگی عیاں نظر آتی ہے، جو کسی رومان کی تخیلی وسعت میں ہی دیکھی جا سکتی ہے۔

ان حالات کی روشنی میں آپ بھی طرح اندازہ فرما سکتے ہیں کہ مجھے اور والد ماجد کو اس فاجعہ کی اطلاع پر کس درجہ صدمہ ہوا ہوگا، اور جب ہم لوگوں کے رنج و اندوہ کی یہ کیفیت ہے تو آپ کی اذیت قلبی اور صدمہ و رنج کی شدت کا صحیح اندازہ کرنا دشوار نہیں۔

صبر کی تلقین اس دنیا کی پامال رسم ہے اور یہ خاکسار پامال رسوم کا متبع نہیں، البتہ اتنا عرض کرنا ... کی نسبت آپ سے نیاز ... اور عام خیال انسان، مشیت و مصلحت ایزدی کی حکمتوں سے زیادہ آشنا ہیں — لہٰذا سوچیے، غور کیجیے اور اگر خدائے برتر کے الطاف آپ کے قلب مضطرب اور جان بے قرار کو صبر و سکون کی دولت سے آشنا کر سکیں تو اس کے حصول کی ضرور کوشش کیجیے یا کم از کم کوشش ضرور کیجیے! اور کسی کی خاطر نہیں، صرف اپنے کمسن اور معصوم بچوں کی خاطر، آپ کو اپنے ناقابل برداشت صدمے کو فراموش کر دینے کی سعی ضرور کرنی چاہیے — وباللہ التوفیق!

والد ماجد کی حساس مگر خاموش طبیعت کے مجبورانہ سکوت کا حال آپ کو بخوبی معلوم ہے — ازراہ کرم اس عریضے کو، جو انہی کی اطلاع اور بعضاً انہی کے حکم سے لکھا جا رہا ہے، ان کے خط کا قائم مقام تصور فرمائیے — نیز ساتھ ہی ہمارے تمام گھر والوں کی طرف سے دلی اور صمیمی تعزیت قبول فرمائیے۔

خدا سے دعا ہے کہ مانسہرے کے مناظر (جن کا پچھلے سال آپ کی عدم موجودگی میں میں نے خوب مطالعہ کیا ہے) آپ کے غم و اندوہ کو کم کرنے میں مفید حصہ لیں۔

باسط صاحب (جو اس وقت یہاں تشریف فرما ہیں) بھی اس حادثہ کے سلسلے میں اپنی بے زبانی (اور بے زبانی آپ سمجھتے ہیں، صرف شدت اندوہ کی آئینہ دار ہوتی ہے) کا اعتراف پیش کرتے ہیں

والسلام

صداقت کیش

اختر شیرانی

(۷)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ

برادر مکرم تسلیم۔

تعزیت نامہ مل گیا تھا۔ والد مرحوم کے متعلق انقلاب میں مضمون بھی پڑھا تھا۔ وہ مضمون ایک صاحب کو بھجوانا پڑا۔ اس کی نقل مطلوب ہے۔ بعض احباب کی تجویز ہے کہ سوانح عمری لکھی جاتے۔ اس لئے اس مضمون کی سخت ضرورت ہے۔ توجہ کیجئے۔

"پرواز" کے پہلے نمبر کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور لکھ دیجئے۔ مختصر ہی سہی۔ بہتر ہو کہ اس مضمون کا اضافہ کر کے ساتھ لکھ کر بھیج دیجئے۔ غرض فوری توجہ فرمایئے۔

امید ہے آپ مع متعلقین خیریت سے ہوں گے۔

میں آپ کے مضمون اور [illegible] سے اب تک بہت متاثر ہوں۔

والسلام

آپ کا اختر

(۸)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ

ڈیر سید صاحب، سلام شوق۔

آپ کا گرامی نامہ لاہور سے منتقل ہو کر یہاں پہونچا۔ ممنون توجہات فرمایا۔ ہم لوگ تقریباً ڈیڑھ ماہ سے یہاں مقیم ہیں خلاف توقع اور آپ کے لئے "قطعی خلاف توقع"۔ یہاں کا موسم نہایت حسین اور خوشگوار ہے۔ کل ایک ہفتہ کے بعد "ہزاروں" کی دعاؤں سے بارش بند ہوتی ہے۔ ابر کی اس درجہ فیاضیاں۔ اور فطرت کی غلط بخشیاں۔ بلکہ یہاں کے باشندوں کی زبان میں "بے محل بخششیاں" کمال حیرت کا باعث ہیں۔ یہ یقینی ہے کہ اگر ابر کی یہ دریا باریاں "ملک" کے کسی خطے کو "ہدف توجہ" بناتیں تو "زمیندار" میں اس خبر کا عنوان "طوفان نوح" سے کم طوفانی نہ ہوتا۔ بہر کیف بارش کی یہ عنایتیں۔ فصل کے حق میں کتنی ہی صبر آزما اور تباہ کن کیوں نہ ہوں میرے حق میں حد درجہ موثر اور خوشگوار ——— مختصر یہ کہ انتہائی آرزو کے مطابق ہیں۔ رات کو بھی خاصی سردی پڑتی ہے۔ کمیت و کیفیت کا اندازہ اس سے کر لیجئے کہ توبہ! یہ جذبات میں ہلکا ہلکا سا تلاطم پیدا ہو جاتا ہے اور تصور میں بغیر کسی جرأت حریفانہ کے "اک ماہ حسین" دامن" ہاتھ آ جاتا ہے۔ — آپ کی زاہدانہ اور پارسایانہ نگاہیں مجھے اس فقرے پر برہم نظر آ رہی ہیں، مگر میں کیا کروں؟ موسم کا "تقاضا" میرے نزدیک، صرف جذبات کا مد و جزر ہے! خواہ آپ کا تقدس خیال کچھ ہی فتویٰ دے! ہمارے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں کہ ؎

در کوے نیک نامی ما را گذر نہ دادند
گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را!

ممکن ہے، آپ "تصورِ گناہ" کو زیادہ اہمیت نہ دے کر میرے ساتھ کچھ رعایت فرمائیں، مگر میں "انصاف" کو انصاف کی بلند سطح پر دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور آپ کو بتلاتا ہوں کہ گناہ کا تصور گناہ سے زیادہ مستحق ملامت ہوتا ہے۔ کیونکہ گناہ تو صرف عمل اک وقتی شے ہے۔ مگر تصورِ گناہ کی "تکرار" اور پھر "وسعتِ تکرار" ---- اس کی معصیت کوشیوں کا آپ اندازہ نہیں فرما سکتے! لیجیے: ع

می آرم استغفار "گناہ نبودہ" را!

"بہارستان" کا اجرا ابھی کھٹائی میں پڑا ہے۔ "وجوہ" کے اظہار کے لئے ایک "طویل فرصت" درکار ہے۔ اس لئے ملاقات پر انحصار رکھتا ہوں۔ خواجہ صاحب قبلہ کا افسانہ بھی، دوسرے مضامین کے ساتھ میز کی دراز میں "محوِ خواب" ہے۔

قبلہ والد ماجد آج کل مسکرات کی تلاش میں، باہر گئے ہیں۔ آپ کا "سلام" ابھی تک میرے پاس "محفوظ" ہے مطمئن رہیے یہ گراں مایہ "امانت" بحفاظت تمام پہونچا دی جائے گی۔

ڈپٹی صاحب کی لستی (یا لسی؟) ابھی تک "کھٹائی" میں پڑی ہے (تلازمہ ملاحظہ ہو! اور اب عرض کرتا ہوں) اور ڈپٹی صاحب کا انکار ---- وہی مرغی کی ایک ٹانگ! اور یہ "ٹانگ" بھی "اپنی ہڈی" میں ایک "معنوی تلازمے" کا "گودا" رکھتی ہے، کیا سمجھے آپ؟

سیاسیات کی شراب سے آپ کیوں محروم ہیں؟ کیا وہاں اخبارات نظر سے نہیں گزرتے؟

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔

والسلام
آپ کا اختر

(۹)

بنام اعجاز سکندر نازش

عزیزم سلمہٗ۔ دعا!

دونوں خط پہنچے۔ نورجہاں جلد مکمل کر دوں گا۔

اپنی نظموں کی کتاب پر سردست مقدمہ نہیں لکھوں گا۔ کیونکہ وہ بہت بڑھ جائے گا۔ اور ادھر کاغذ جان سے زیادہ مہنگا ہے۔ دوسری اشاعت میں سہی۔ تصویر کے متعلق احباب کی رائے ہے کہ وہی ہونی چاہیئے۔ جو شاعری کے آغاز کے وقت کی ہو۔ یعنی ۳۲ سنہ کی۔ اپنے ہاتھ سے اشعار لکھ کر بھجواؤں گا۔ اس وقت دفتر میں ہوں۔

غزلیات وغیرہ گھر پر ہیں۔
داستانِ حیات بھی آئندہ صحبت میں لکھوں گا۔ شمشیر نے ایک ایک لمحے کو مصروف کر رکھا ہے۔ شاہجہاں کے خرید بن رہے ہیں۔ مگر سردست بیزی کا خرچ پورا ہو رہا ہے۔ جو روپے آتے ہیں صرف ہو جاتے ہیں۔
والد کو مزید ایک سال کی توسیع مل گئی ہے۔ لیکن گھر کے تمام لوگ گرمی کی تعطیلات میں باہر گئے ہوئے ہیں۔ میں ہوٹل سے کھانا کھاتا ہوں۔ یہ خرچ روز بروز بڑھ گیا ہے۔ غداری کرنے والے میرے منیجر اور جائنٹ ایڈیٹر خلیل احمد تھے کہ رومان کے رجسٹر وغیرہ چرا کر لے گئے تھے۔ اور چونکہ "رومان" کا ڈکلریشن منیجر کے نام کا تھا اس لئے قانوناً میں ایک حد تک بے بس تھا۔ یہ صحیح ہے کہ مقدمہ بازی کا نتیجہ میرے حق میں نکلتا۔ مگر مقدمہ بازی کے لئے میری جیب اجازت نہیں دیتی تھی۔ ۱۲۰ روپے پہنچ گئے تھے۔ شکریہ۔
تمہاری نظمیں سب نہیں۔ مگر جوں جوں ٹھیک ہوتی جائیں گی شائع ہوتی رہیں گی۔ فضل ملک صاحب کی ایک نظم تو میں شائع کر دوں گا۔ مگر ان کو ابھی مزید مشق کی ضرورت ہے مثلاً یہ
فضل ہے۔ اب بھی جذبۂ الفت سے جوش ناک
وزن سے خارج ہے۔
چاہیئے یہ کہ جب کوئی شاعر اچھی طرح پختہ ہو جاتے۔ تب میدانِ اشاعت میں آتے۔ اس میں لطف ہے ورنہ شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔
امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ والدعا
آپ کا
اختر

(۱۰)

بنام اعجاز سکندر نازش

عزیزمن سلمۂ دعا
خط اور نظمیں پہنچیں۔ ایک نظم رستی کے بعد گست نمبر میں شائع ہو رہی ہے۔ جولائی سے پرچہ جاری کرا دیا ہے۔ اگر پرچے کو میں نے ہی مرتب کیا ہے۔ سرورق پر نام بھی درج ہے۔
ملاقات کے لئے میری اجازت کی ضرورت ہی نہیں۔ لیکن چونکہ مکان بہت ذلیل ہے۔ اس لئے موجودہ حالات میں تمہارا آنا میری روحی اذیت اور ذہنی شرمندگی کا باعث ہوگا۔ ذرا حالات ٹھیک ہو جائیں۔ تو بلاؤں گا۔
مطلوبہ نظم کی نقل ارسال ہے اس پر بھی کچھ اضافہ کروں گا۔ آج تو بہت خطوط لکھنے ہیں۔ خطوط کا جواب دینے

میں بہت شکست رہا ہوں مگر اب فرصت اور احتیاط نے حسبِ بنا دیا ہے۔

اس وقت صبح کے ۱۱ بجے ہیں۔ مطلع ابر آلود ہی نہیں، طوفانی سماں پیش کر رہا ہے۔ گھنگھور گھٹاؤں کا ہجوم اور ہواؤں کا زور ہے۔ بارش تندی اور تیزی سے ہو رہی ہے ؎

ساقی بیار بادہ کہ بر قلہ ہائے کوہ
ابر بہار خیمہ پریزادمی " " " !

مگر میں صرف خط لکھ رہا ہوں۔ تسکین وہ چیز یہ ہے کہ تمہیں خط لکھنا بھی برسات منانے سے کم نہیں۔

امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔ والدعا

تمہارا
اختر

(۱۱)

<u>بنام اعجاز سکندر نازش</u>

عزیز گرامی قدر، دعا۔

خط پہنچا تھا۔ کمر پر ایک پھنسی نکل آئی تھی، برسات کے سبب سے بڑھ گئی۔ اور بہت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اب بھی پوری طرح مندمل نہیں ہوئی۔ بہر حال اس کی وجہ سے خط نہ لکھ سکا۔

تمہاری خواہش کے مطابق "سلمیٰ نورجہاں کے مزار پر" — نظم کو مکمل کروں گا۔ سرِ دست مصروفیت بہت ہے۔

تمہاری کون سی نظم اس نمبر میں جائے گی۔ آج فیصلہ کر کے کاتب کے حوالے کر دوں گا۔ تمہارے دوست کی نظم پھر کبھی۔ کم و بیش پانسو نظمیں اور غزلیں ذخیرے میں جمع ہیں۔ ان سے بھی رفتہ رفتہ نبٹنا ہے۔

شیون مرحوم کا پورا نام "آغا میرزا شجاع خان مروی ایرانی" تھا۔ یہ میرزا ضیا خان کے چھوٹے بھائی، ورسے نہایت عزیز دوست تھے۔ عین شباب میں خودکشی کر لی تھی۔ تمہیں ان کی "بلند مقدری" پر کیوں رشک ہے؟ تمہارے متعلق ایک نہیں دو شعر لکھوں گا — اب تو خوش ہو نا؟

تم نے یہ بالکل ٹھیک سمجھا کہ میری یہ دونوں غزلیں، میری پریشانی ذہن و حالات کا نتیجہ ہیں۔ یہ دو ہی نہیں اس زمانے کی تمام نظمیں صورت، بہ ہیں عالم میرس، کا آئینہ ہیں۔ "از کاسہ ہماں تا در کہ دردا دست" ؎

میرا ہر شعر ہے اختر مری زندہ تصویر
دیکھنے والے نے ہر لفظ میں دیکھا ہے مجھے!

"نیرِ نشتر" کے لئے نیاز فتح پوری نے بھی لکھا ہے۔ ابھی جواب نہیں دیا۔ مجموعہ کلام کی کتابت کل سے شروع ہو جائے گی
امید ہے تم مع الخیر ہو گے

تمہارا
اختر

---

(۱۲)

بنام اعجاز سکند ، نازش

عزیز من سلمہٗ ۔ دعا۔

تیس روپے کا دوسرا منی آرڈر ملا۔ صمیم قلب سے شکر گزار ہوں ع
ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ایک سو پانچ روپے کا کاغذ خرید لیا ہے۔ یہ کاغذ ۸۰۰ سو کتابوں کے لئے کافی ہوگا۔ کچھ اور روپے کا منتظر ہوں خیال یہ ہے کہ کم از کم پندرہ سو کاپیاں طبع ہوں تو آہستہ آہستہ فروخت ہوتی رہیں گی۔ دوسرا ایڈیشن شائع کرنے میں کتابت کا خرچ بڑھ جائے گا۔ تابش نے ۲۵ روپے کو کہا تھا مگر حضرت ایک ہفتے سے غائب ہیں۔ بہر حال اگر یہ روپیہ اور دو ہزار روپیہ نہ ملا تو ایک ہزار کاپیاں ہی شائع کر دی جائیں گی۔

رسالے کے اجرا کے متعلق آپ نے جو حوصلہ افزا خیالات ظاہر کئے ہیں۔ یہ آپ کے خلوص و محبت کا مزید ثبوت ہے۔ مگر آپ کے نزدیک کس طرح ابتدا کی جائے۔ میرا دماغ "تو افلاس" پریشانی اور بیوی بچوں کے فکر نے مختل کر رکھا ہے۔ ۸۰ روپے کرایہ کا ایک مختصر سا مکان بھی لے لیا ہے۔ دو ماہ بعد والد ریٹائر ہو جائیں گے اور بیوی بچوں کو ساتھ رکھنا پڑے گا۔ اس لئے ان دو ماہ کے اندر معاش کی صورت نکلنی چاہیئے۔ اس نے دیوانہ بنا رکھا ہے۔ اسی فکر نے کچھ بیمار بھی کر دیا ہے کمزوری اور ہاتھ میں رعشہ ہے اسی لئے یہ خط ٹھیک نہیں لکھا گیا ہے۔ آپ کے ذہن میں رسالے کے بارے میں جو اسکیم ہو اس کے متعلق اطلاع دیجئے۔

کتاب کا نام "خواب ہائے گراں" یا "صبح بہار" ہو گا۔ آخری فیصلہ سرورق کی کتابت کے وقت کیا جائے گا۔

خط بہ عنوان مندرجہ بالا پتے پر لکھیے۔ نئے مکان کے جغرافیے سے ابھی اچھی طرح واقف نہیں ہوں۔
امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔ والسلام

آپ کا
اختر
۱۸، فلیمنگ روڈ لاہور

(۱۳)

بنام اعجاز سکندر نازش

عزیز من، تسلیم و دعا۔

روپے پہنچے۔ ممنون ہوں۔ کتاب عنقریب کاتب کے حوالے کی جا رہی ہے۔ کچھ اور روپے کا انتظار ہے۔ جس کے لئے ۳۰ مارچ کی تاریخ مقرر کی گئی ہے۔ ۲۹ کو میرا ریڈیو پر پروگرام ہے۔ وہاں سے بھی ۲۰ روپے ملیں گے۔ اگر اس تاریخ تک تم کچھ اور بھجوا سکو تو ضرور بھجوا دو۔

مجھے شرمندگی بھی ہے اور افسوس بھی کہ تمہاری نظمیں اب تک اصلاح کی منتظر بکس میں پڑی ہیں۔ زیادہ خیال نہ کرنا۔ اپنے وقت پر اصلاح کے بعد شائع ہوتی رہیں گی کیونکہ کتاب کی اشاعت کے معاً بعد نیا رسالہ نکل آئے گا۔

کتاب کی اشاعت کا زیادہ فکر یوں ہے کہ یہ میرے مستقبل کی بنیاد ثابت ہوگی۔ اس کے بعد کتاب پر کتاب نکلتی چلی جائے گی۔ ادھر رسالے سے امداد ملے گی اور میں اپنا گزارہ کر سکوں گا۔ تابش عزیز سے شاید تمہیں معلوم ہو کہ میں ان دنوں نہ صرف بے کار بلکہ بے گھر بھی ہوں۔ بڑی ہی دردناک زندگی ہے۔ میں کہیں ہوں اور بیوی بچے کہیں۔ طعن احباب علیحدہ مکان اور بچوں کا فکر علیحدہ۔ غرض عجیب زندگی ہے۔ ۱۸ فلیمنگ روڈ میں، میں اب نہیں رہتا۔ لیکن یہ پتہ اس لئے لکھا ہے کہ ڈاک مجھے مل جاتی ہے تم اسی پتہ پر خط و کتابت کرنا۔

تمہاری محبت کے شکریے کے طور پر میں اپنی آخری تصویر کی کاپی تمہیں بھجوا رہا ہوں۔

اس خط کو چاک کر دینا۔ والدعا۔

تمہارا

اختر

(۱۴)

بنام اعجاز سکندر نازش

عزیزم سلمہٗ دعا۔

خط پہنچا۔ تمہارا جذبۂ محبت و اخلاص بجا سہی، مگر میں نہیں چاہتا کہ "فقیر" کے لئے دنیا "تنگ" ہو جائے اس لئے تمہاری قربانی کو دلی شکریہ کے ساتھ، قبول کرنے سے انکار کرتا ہوں۔ ع

کرم کردی الٰہی زندہ باشی

مگر یہ کرم صرف اسی حد تک کافی ہے جس حد تک مرزا غالب کے شاگرد اپنے استاد کے لئے روا رکھتے تھے۔ یعنی اکثر امداد و اعانت!

میں تمہیں ایک "فقیر" دیکھنے کی بجائے غالب کے شاگردوں مثلاً مرزا ہرگوپال تفتہ اور نواب علائی کی حیثیت میں دیکھنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ اور بس۔

"والیہ ریاست" کا نام تم سے زیادہ عزیز نہیں۔ مگر خط میں لکھنا نامناسب سمجھتا ہوں۔ زبانی سہی۔

۱۵۔ شعر بھجوا رہا ہوں۔ حالات انشاءاللہ کل بھجواؤں گا۔

دفتر میں تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ فتح محمد صاحب کا چندہ وصول ہو چکا ہے۔ چودھری عبداللہ صاحب کا پتہ دودھیال ضلع اٹک ہے ان کا چندہ بھی وصول ہو چکا ہے۔

امید ہے تم مع الخیر ہو گے۔ والدعا۔

تمہارا

اختر

(۱۵)

بنام اعجاز سکندر ناز ش

عزیزم، دعا۔

خط مل گیا تھا مگر پریشانیوں کی وجہ سے جواب جلد نہ دے سکا۔ گھر کے افراد کچھ سندھ میں ہیں۔ کچھ جودھپور میں اور والدہ اور بڑا بچہ ٹونک میں۔

یہیں قیام کا ارادہ ہے۔ مکان کی تلاش میں ہوں۔ پرچہ نکالنے کا بھی ارادہ ہے۔ غرض آئندہ صورت حال سے مطلع کرتا رہوں گا۔ والد کا کچھ روپیہ بنک میں ہے۔ اس کی وصولی کی کوشش کر رہا ہوں۔ عدالت تک معاملہ جاتے لگا وکیل کر لیا ہے۔ مگر

"ہنوز دلی دور است"

جو کچھ بھیجنا چاہیئے ہمیشہ کے پتے سے بھجوا دو۔ والدعا

تمہارا

اختر

بیرنزل، بیرون مستی دروازہ۔ لاہور

(۱۶)

بنام ڈاکٹر وحید قریشی

برادرم، تسلیم

آپ کو غالباً یہ معلوم کر کے مسرت ہوگی کہ حضرت تاجور مدظلہ، کے حلقۂ ارادت و تلمذ کا ایک رکن میں بھی

ہوں۔ بدقسمتی سے اب تک خط و کتابت کے ذریعے آپ سے نیاز حاصل نہ ہو سکا۔ تاہم غائبانہ طور پر میں آپ کو اپنے جذباتِ خلوص سے اسی قدر قریب دیکھتا ہوں جس قدر دو بھائیوں کو ہونا چاہئے۔ چنانچہ میں نے اسی حیثیت اور قرابت کو ملحوظ رکھتے ہوئے رسالہ "بہارستان" کے پہلے نمبر میں آپ کا ذکر بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "بہارستان" کے "عناصرِ زندگی" ————!

مولانا سے میں نے آپ کے باب میں کافی گفتگو کی ہے۔ اور یہ طے پایا ہے۔ آپ اپنا کلام مجھے ارسال فرمائیں۔ پھر میں مولانا کو دکھا کر اپنے رسالہ "بہارستان" میں نمایاں طور پر شائع کرتا رہوں گا۔ "بہارستان" کا پہلا پرچہ ارسال ہوتا ہے۔ یہ ابھی ابتدائی حالت میں ہے۔ مہربانی فرما کر جس قدر بھی ہو سکے توسیعِ اشاعت میں کوشش فرمائیے۔ اور اگر تکلیف نہ ہو تو خود بھی خریدار بنیے۔ اس لئے کہ اس پرچہ پر جتنا حق میرا ہے۔ اسی قدر آپ کا بھی ہے۔

پرچہ کی رسید اور خط کے جواب سے جلد ممتاز فرمائیے۔

والسلام
آپ کا ——— اختر شیرانی
ایڈیٹر رسالہ "بہارستان" فرنگ لاہور

(۱۷)

بنام ڈاکٹر وحید قریشی

برادرِ محترم۔ سلام شوق۔

آپ کے پیامہائے محبت پیہم پہنچتے رہے۔ مگر مصروفیات اور کچھ کاہلی کے اثرات کے باعث جواب نہ دے سکا۔ معاف کیجئے۔

آپ کی پُراخوت نظموں کا میں شکریہ ادا نہیں کروں گا۔ کیونکہ یہ آپ کی برادرانہ محبت اور دوستانہ لطف و کرم کا فرض تھا۔ تاہم بیجا نہ ہو گا۔ اگر میں اپنے ضمیمی جذباتِ مسرت کا اظہار کروں اور اپنے طور پر آپ کے خلوص کی فیاضانہ مراعات پر فخر!!

"بہارستان" کے "قطع تعلق" پر آپ نے جو نظم ارسال فرمائی تھی۔ وہ کاغذات میں کہیں کھو گئی ہے۔ ازراہِ کرم ایک نقل اور بھجوا دیجئے۔ اور جلد بھجوا دیجئے۔ میرا خیال ہے کہ "گلفروش" کی اشاعت سے پہلے اسے "قوسِ قزح" یا کیف میں شائع کرا دوں۔ اور کچھ نہیں تو اپنی تعریف خود نمائی کا اشتہار ہی سہی!

گلفروش کے بارے میں اس کے سوا کیا لکھوں؟ کہ (.....؟) اماخر جنوری تک شائع ہو گی۔ مالی دقتیں جو عام طور پر ہندوستان کے "قلاش" اہلِ قلم پر مہربان ہوتی ہیں۔ میرے ساتھ بھی تھیں اور میں بامر مجبوری یہ

گوارہ کرنا پڑتا ہے کہ ایک سرمایہ دار کو نصف نصف شریک بنا لیا ہے۔ خیر! اب آپ یہ فرمایئے کہ توسیع اشاعت کے لئے آپ نے کیا سوچا؟ میں آپ سے کیا کچھ امید رکھ سکتا ہوں؟ آپ کی مہربانیوں سے اس قسم کا استفسار آپ کی مہربانیوں سے بدگمانی کا مرادف ہے۔ مگر میرے لئے یہ جاننا بہت ضروری ہے —————— یہ سمجھ لیجئے! پرچہ میرا نہیں آپ کا ہے اور آپ کو اس کے لئے وہی کرنا چاہیئے۔ جو آپ کو اپنے پرچے کیلئے چاہئے تھا!

امید ہے مزاج مع الخیر ہوں گے۔ والسلام

آپ کا

اختر

(۱۸)

بنام ڈاکٹر وحید قریشی

برادرم، تسلیم

خط پہنچا۔ نظمیں ملیں۔ آپ کی پہلی نظم جو "بہارستان" کے بند ہو جانے پر آپ نے لکھی تھی۔ میں نے قوس قزح کو دے دی تھی، مگر اتفاق سے وہ کبھی سے بند ہے۔ اسی طرح دوسری نظم "گلفروش" بھی میرے پاس نہیں ہے۔

پرچے کا نام "بہارستان" رکھنے کا ارادہ ہے۔ احباب اس نام کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ توسیع اشاعت میں ابھی سے کوشش کیجئے۔ تو کام چلے گا۔ میں فی الحال ایک رجسٹر میں ان حضرات کے نام اور پتے لکھ رہا ہوں۔ جن کے نام شروع سے پرچہ وی۔ پی جاسکے گا۔ تقریباً آٹھ سو نام درج کر چکا ہوں۔ احباب ۲۵–۲۵ اور کم از کم ۱۰–۱۰ اپنے ذمے لے سکتے ہیں۔ آپ بھی تحریر فرمادیجئے کہ آپکے ذمے کتنے خریدار لکھوں اور فوراً ایسے احباب کو جن پر آپ کا خاص اثر ہو، لکھکر آمادہ کیجئے۔

امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔ والسلام

آپ کا

اختر

(۱۹)

بنام مولانا تاجور مرحوم نجیب آبادی۔

قبلۂ محترم۔ آداب فرزندانہ۔

گرامی نامہ باعث سرفراز ہوا۔ زیادہ مسرت یوں بھی حاصل ہوتی کہ خط آپ کے مخصوص طرز میں تھا۔ اجازت ہو تو اُسے شائع کردیا جائے۔

"تاجور" نمبر کے لیے اس نمبر میں اعلان کر رہا ہوں۔ ضروری ہدایات جلد بھجوائیے۔
بیدار صاحب بیٹھے ہیں۔ وہ نمبر کے لیے ایک نظم لکھیں گے۔ "احسان" کو کل بلواؤں گا۔ مگر میں یہ نہیں سمجھا کہ اس سے کس قسم کا مشورہ لیا جانا چاہیئے۔
"ٹائیٹل پیج" اس مرتبہ بدلنا ہے۔ میں نے تو جولائی نمبر کے لیے بھی فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر دفتر کی سستی اور پریس کی جلدی نے معاملہ خراب کر دیا یعنی پریس کو اطلاع پہنچنے سے پہلے ہی وہ طبع کر چکے تھے۔
اب آپ کا نام یوں شائع ہوگا۔ "شمس العلماء علامہ تاجور نجیب آبادی" مجھے اندیشہ ہے کہ شائع شدہ نمبر کی طرف لوگوں نے زیادہ توجہ نہ کی ہوگی۔ کیونکہ دور سے سرورق دیکھ کر پرانے رنگ کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔
آپ کی (۱) غزل (۲) شذرات (۳) مبارکباد کے خطوط اور (۴) ہدایات کا سختی سے انتظار ہے۔
دو کاپیاں جو خطوط کے لیے وقف ہیں بہ فیصلہ کیجیئے کہ وہ شروع میں جائیں گی یا آخر میں؟ پریس میں کوئی کاپی نہیں بھیجی جا سکتی۔
امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔ استانی صاحبہ کی خدمت میں آداب۔ بچوں کو دعا اور پیار۔
زیادہ حد آداب: نیازمند
اختر شیرانی

ڈاکٹر تاثیر

(۱)

بنام مہر صاحب

برادر محترم مہر صاحب!

السلام علیکم! محض ایک مختصر سی بات کرنی ہے۔ ایک استفسار ہے آپ کے پاس ٹیپو سلطان کے متعلق بہت سا مواد ہے۔ یہاں انڈیا آفس میں سلطان شہید کی ایک خود نوشت سوانح عمری ہے۔ اگر آپ کے پاس اس کی نقل نہ ہو تو میں یہاں سے نقل کر دوں۔ یہاں بہت سے لوگ اس کا چرچا کر رہے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ کوئی نا اہل سلطان شہید پر لکھ کر اہم مواد کو ضائع نہ کر دے۔ آپ کا کیا ارادہ ہے؟ ضرور لکھ ڈالیے میں ترجمہ کر ڈالوں گا۔ ثواب کا کام ہے۔

یہاں کے مسلمان طلبہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے ہیں کہ آپ ٹیپو سلطان پر کام کر رہے ہیں۔ جن لوگوں سے آپ لندن میں ملے تھے سب کلمہ پڑھتے ہیں لیکن کل ایک صاحب کہہ رہے تھے (مجھ سے پوچھ رہے تھے) کہ "انقلاب" میں کچھ دنوں سے مسٹر گاندھی کی بجائے گاندھی جی چھپ رہا ہے۔ کیا یہ کوئی معنی خیز تبدیلی ہے یا نہیں؟ میں نے اس وقت تو ٹال دیا لیکن چاہتا ہوں کہ آپ سے پوچھ کر مستند جواب دوں۔ یہاں آپ کی ہر سطر ایک خاص عقیدت اور محبت سے پڑھی جاتی ہے اور یہ سوال اس کا زندہ ثبوت ہے۔ امید ہے کہ قریب ترین فرصت میں لکھئے گا اور اس طرح مجھے نصف ملاقات کا حظ حاصل ہو جائے گا۔

بھائی مجھے تو یہ ملک بہت پسند نہیں آیا۔ لندن سے تو وحشت ہوتی ہے۔ ہاں کیمبرج علمی کاموں کے لئے خوب ہے۔ مگر یہ فضا ہمارے ہاں بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ ہمارے ہاں سے ہی یہاں آئی ہے۔ میں آج کل ANGLO SAXON ROMANCES 13-14 CENTURY پر کام کر رہا ہوں۔ اسلامی ادب کا کس قدر اثر ہے! اور غضب یہ ہے کہ پرانے نقاد تو اس بات کو تسلیم کرتے تھے۔ مگر نئے "محقق" بالکل منکر ہیں۔ اور مانتے ہیں تو دبے لفظوں میں! انشاء اللہ اس سلسلے میں کچھ مفید کام کر سکوں گا۔ انشاء اللہ۔ دعا کیجئے بھائی تم مستجاب ہو۔ بھائیوں کی طرح ہو مگر جائے ادب ہو۔ جو کام تم نے کیا ہے قوم کبھی قدر کرے گی۔ ابھی قریب تر ہونے کی وجہ سے صحیح اندازہ مشکل ہے۔ خدا استقلال بخشے!

افسوس کہ یہاں ہوتے ہوئے "غالب" کا وہ رسالہ نہ دے سکا۔[1] حکیم یوسف حسن کے پاس پڑا ہے اس سے لیجیے اور میرے آنے تک امانت رکھیے۔ اگر سند درکار ہو تو میرے خط کو استعمال کیجیے اور کہیے کیا حال ہیں۔ یہاں تین دن سے برف پڑ رہی ہے۔ ادھر ہمارے حکام قوم کے مزدور HUNGER MARCH کر کے پارلیمنٹ کے دروازے پر کھڑے داخلے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ اور مزدور وزیر اعظم ان سے ملاقات کرنے سے بھی انکاری ہے! کل پارلیمنٹ میں خوب پڑخچیں ہوئیں۔ ایک ممبر تو یہ کہہ کر چلا گیا:

TO HELL WITH THIS HOUSE IT IS ALL A FARCE.

آپ کی دلچسپی کے لیے TIMES سے CUTTING بھیجتا ہوں۔ رائٹر کے تاروں میں تفصیل نہ ہو گی — اس معاملے میں سپیکر SPEAKER تو قانوناً سچا تھا لیکن واقعہ یہی تھا کہ بغیر کسی قانون کے پولیس اختیار سے کام لے رہی تھی! -

سالک صاحب کو محبت بھرا سلام - والسلام

۲ مارچ ۱۹۳۴ء

مخلص تاثیر

(۲)

بنام مہر صاحب

PEMBROKE COLL CAMB.

برادر محترم!

السلام علیکم۔ آپ کے مکتوب گرامی کے پہنچنے سے چند دن پہلے میں لندن برٹش میوزیم میں کچھ انگلو سنسکرت مخطوطات دیکھنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ انڈیا آفس میں سلطان شہید کے متعلقہ کاغذات کے متعلق تصدیق کے لیے بھی گیا۔ (مجھے جہانگیر خاں[2] صاحب نے اور مرزا تصدق حسین خالد صاحب کے ایک دوست نے بتایا تھا کہ خاندان کے پاس "سوانح" کی نقل ہے) اور وہاں وہی بات نکلی جس کا ذکر آپ نے اپنے خط میں کیا ہے۔ ان حضرات نے محض شنید ہی پر اکتفا کیا! - میں جون میں لندن پھر جاؤں گا۔ اگر آپ نقل شدہ مخطوطات کی تفصیل بتا دیں تو مطابقت کے متعلق جو کچھ ہو سکے گا کروں گا۔ فرامین وغیرہ کے متعلق! — آپ اطمینان رکھیں میں اسے اپنے کام سے کم نہ سمجھوں گا۔ اگر آپ کی یہ تمام تحقیقات تحریر میں آ جائے تو یہ ایک شاندار کارنامہ ہو گا۔ لندن یونیورسٹی کا پروفیسر ... اپنے طلبہ کو سلطان پر کام کرنے کے لیے کہہ رہا ہے مگر کوئی بروئے کار نہیں آتا۔ مجھے ڈر ہے کہ لوگ کام کو بگاڑ نہ دیں۔ پھر انگریزی یونیورسٹی کی فضا میں سلطان شہید کے متعلق لکھا بھی کیا جا سکتا ہے! ... ایک دوست ابن عربی کے فلسفہ کے متعلق کام کر رہے ہیں ان کا نگران پروفیسر نکلسن اس پہ برہم بھی ہے ... مسلمانوں کے احسانات کا ذکر آتا ہے طرح دے جاتا ہے اور بے تعلق بتا کر نکلوا دینا چاہتا ہے!

بحمد اللہ کہ میرا نگران سر آرنلڈ "ایسے تعصبات سے ناآگاہ ہے" مستشرق ہونے ہوا بھی ...

---

[1] شیخ تیز ولایت سے واپس آ کر غالب کا یہ رسالہ مجھے مرحمت فرمایا۔ (مہر)

[2] ڈاکٹر جہانگیر خاں ڈائرکٹر تعلیمات۔

میں کئی مقالات ایسے ہیں جہاں مغرب کی ناانصافی اور مشرق کی عظمت کی بحث ہے۔۔۔ یہ سب کچھ بطیب خاطر قبول کرتا جاتا ہے۔ ابھی تک تو یہی حال ہے۔ آگے جو خدا کی مرضی! ۔۔۔

میں لنڈن تیسری دفعہ گیا ہوں۔ مگر وہ پہلے تاثرات کم کم اب بھی موجود ہیں۔ شاید پہلا سابقہ غیر معمولی طور پر اثر انداز ہوا ہے۔ میں اٹلی سوئٹزرلینڈ اور فرانس میں چند دن ٹھہرتا ہوا سیدھا لنڈن پہنچا تو انگریزی زبان سن کر کچھ اپنایت سی محسوس ہوئی مگر پہلے تجربات کچھ زیادہ خوشگوار نہ تھے۔ جن احباب کو وینس سے تار دیا تھا وہ ان دنوں اٹلی میں تھے۔ چنانچہ میں سٹیشن سے اکیلا ان کے گھر پہنچا تو وہ غائب تھے۔ اب اس محشر آباد شہر میں میں تنہا پھر رہا تھا۔ اور PICADILLY کی رات کے ہنگاموں میں لاہور کی گلیاں یاد آ رہی تھیں۔ لاہور سے بمبئی اور بمبئی سے وینس اور پیرس اور لنڈن تک تو بھاگم بھاگ چلا آیا تھا۔ اب اس پہلی منزل پہ پہنچ کر اس سفر کی قطعیت اور وطن کی جدائی کا اول مرتبہ احساس ہوا۔ ۔۔۔ جب افسانوں میں پڑھی ہوئی گزرگاہوں میں یونہی گھومتے گھومتے ڈیڑھ بجے کے قریب "گھر" کی طرف لوٹا تو راستہ بھول گیا۔ آخر بصد مشکل دو بجے بستر میں گھسا تو یخ بستر پایا۔ صبح سویرے کیمبرج (آ رہا ہوں) روانہ ہوا تو سٹیشن پر ایک دو احباب موجود تھے۔ اور اب آگ کے پاس بیٹھا ہوا خط لکھ رہا ہوں۔ مجھے لنڈن کی یہ رات بھولتے بھولتے بھولے گی! ۔۔۔ لیکن میں نے کیا واہیات افسانہ شروع کر دیا ہے۔ بھائی! حقیقت یہ ہے کراچی تک میرا دل یہاں لگا نہیں اس لئے جب کسی عزیز دوست کو کچھ لکھنے بیٹھتا ہوں تو جی بھر آتا ہے۔ اور قلم بے قابو ہو جاتا ہے خدا جانے کیا واہی تباہی لکھ جاتا ہوں۔ ہاں۔ لنڈن میں ایک نایاب چیز دستیاب ہوئی۔ سلطان سلیم اول ترک خلیفۃ المسلمین کا فارسی دیوان۔ بہت زوردار کلام ہے اور تصنع سے پاک ہے۔ سلطان سلیم ہی کا کلام معلوم ہوتا ہے:۔ رباعی

من شاخ درخت سایہ پرور دنیم　　من ہیچ حریف بادہ نا خوردنیم

گر بر سر دشمنان نہ در بازو　　مغفور نہ ہم بحور نہ مردنیم

کشور وہر گر فتیم بہمت آساں　　گرچہ دشوار نماید بتو آسانی ما

در حسن گر چہ یار ندارد نظیر خویش　　در ملک عشق نیز نباشد نظیر ما

سلطان محمد فاتح کے خط بھی دیکھے۔ جامیؒ کے نام اور جامیؒ کا جواب۔ فتح قسطنطنیہ پر مسلمان سلاطین کو مبارک باد اور ان کا جواب! ۔

غرض ایک سمندر ہے بے کراں۔ کاش مجھے اور کام نہ ہوتا! ۔۔۔ میں یہاں دو سال کے لئے تو ضرور ہوں۔ آگے جو خدا کی مرضی! آپ کے پر معنی استفسار نے مجھے مضطرب سا کر دیا ہے۔ فرمایئے کیا ارشاد ہے! امید ہے کہ آپ مجھے یاد فرماتے رہیں گے۔ میں آپ کی مصروفیتوں سے بخوبی آگاہ ہوں اور جانتا ہوں کہ آپ کے لئے

۱؎ تاثیر مرحوم کے بیشتر مکاتیب اس زمانے کے ہیں جب وہ بہ سلسلہ تعلیم انگلستان گئے ہوئے تھے۔ ان کی حیثیت یقیناً تبرکات کی ہے۔ البتہ بعض نجی اور ذاتی مطالب کی جگہ نقطے لگا دیئے گئے ہیں۔ (مدیر)

ذاتی خط و کتابت کس قدر مشکل ہے اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ وقت جو قوم کے کام آتا ہے مجھ پر ضائع کیا جائے لیکن اگر آپ یہ بات جان لیں کہ مجھ دور افتادہ کو آپ ایسے محترم بھائی کا محبت بھرا خط کس قدر روحانی راحت پہنچا سکتا ہے تو آپ یقیناً مہینے میں دو بار یاد کر لینا بہت زیادہ ناگوار نہ سمجھیں گے! —— ظہوری کا یہ شعر میرے لئے شاعرانہ مبالغے سے یکسر خالی اور لفظی صداقت کا حامل ہے:

من دانم و دل داند این نامہ چہا دیدم　　صد بار ز بے تابی واکردم و پیچیدم

آج کل ایسٹر کی چھٹیاں ہیں۔ ۱۸ر اپریل کو کالج کھل جائے گا۔ اور ۹ر جون تک عام کاروبار جاری رہے گا۔ پھر چار مہینے کی تعطیلات۔ میں ہوں گا اور برٹش میوزیم۔ اور لنڈن کا شور و غوغا! —— میں ان ایام میں کیمبرج ہی رہتا لیکن ہماری لائبریری ایک نئی عمارت میں تبدیل ہو رہی ہے۔ اس لئے جبراً ہمیں بھی منتقل ہونا پڑے گا۔ اس لئے فرائین کی اطاعت ہی ہو سکے گی۔ گاندھی جی کے متعلق آپ کی تصریحات نہایت مسکت تھیں۔ ہمارے تشنگ صاحب جو پنجاب ہی کے ہیں اور واپس آکر اردو اور انگریزی کے روزنامے جاری کرنے کے خواہاں ہیں اب لب کشائی نہ فرما سکیں گے کیونکہ میں کچھ دیر سے اخبارات سے دور ہوں اور وہ باقاعدہ مطالعہ فرماتے ہیں۔ لہٰذا آپ کی طرف رجوع کرنا پڑا ہے۔ ورنہ شاید میں خود ہی کافی ہوتا۔ احباب کی طرف سے سلام نیاز۔ لنڈن میں ایک عزیز اقبال انور قریشی اقتصادیات کر رہے ہیں۔ بڑے مخلص نوجوان اور ہونہار ہیں۔ پچھلے سال یونیورسٹی نے انہیں اپنے وظیفہ پر آسٹریلیا اور افریقہ بھیجا تھا۔ اب آئرلینڈ اور سکاٹ لینڈ گئے تھے اور امریکہ اور کینیڈا کے لئے وظیفہ حاصل کیا ہے۔ انہوں نے اپنی تحقیقات کا ایک مختصر سا باب بعنوان "FARMER & HIS DEBT" پریس میں بھیجا ہے۔ اس میں ہندوستان کے متعلق بھی لکھا ہے۔ اشاعت پر آپ کی خدمت میں روانہ کروں گا۔ مفید معلومات پر حاوی ہے۔ اور کل جب حکومت نیا قانون بنا رہی ہے یہ کتاب بہت کارآمد ہوگی۔ قریشی صاحب آپ کے اور برادرم سالک کے نیاز مند ہیں۔ انہوں نے سلام کہا ہے۔ مجھے دعاؤں میں شریک رکھیے۔ والسلام

مخلص تاثیر

۵ر اپریل ۱۹۳۳ء

(۳)

بنام سالک صاحب

PEMBROKE COLLEGE.

برادرم سالک!

السلام علیکم۔ بخاری صاحب کے خط اور برخوردار محمود نظامی کی اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے معاملہ صاف کر دیا ہے۔ نوازش۔ مجھے واقعی خلش سی محسوس ہوتی تھی۔ ایک بوجھ سا معلوم ہوتا تھا۔ بقول شخصے دو آبگینوں کا پھوٹ بہنا متحیّر کرتا ہے۔ اور شک کا علاج تو لقمان کے پاس بھی نہیں۔ یہاں ایک صاحب ہیں وہ بھی اسی بیماری کے مریض ہیں۔ بڑے خلیق۔ بڑے دعوت باز۔ بڑے میٹھے۔ مگر شکی۔ وہ جو میں نے تم سے قبلہ سے پوچھا تھا کہ گاندھی جی کو مسٹر نہیں لکھا جاتا یا کیا۔ انہیں کا استفسار تھا۔ غالباً انقلاب میں پاکستان کی تائید نہیں کی گئی۔ لہٰذا شک! —— .... غرض دلچسپی کا سامان ہو جاتا ہے مگر میں کام کے پیچھے

دب گیا ہوں کہ ہم وطن بھائیوں سے سرِ راہ سلام ہو جائے تو ہو جائے۔ زیادہ ملاقات بہت کم میسر آتی ہے۔ یہ صاحب زیادہ چھوٹے تھے مگر اب خدا کا فضل ہے! - میں نے ذکر اس لئے کیا ہے کہ شاید دور کے ڈھول سہانے معلوم ہوں۔ یہ مہتر صاحب کو لندن میں بڑے "ادیب" سے ملے تھے۔ مگر ہیں "سیانے" بزرگ! - آپ سیاسی لوگ ہیں ذرا تماشا دیں۔
—— یا شاید مجھے غلط اندازہ ہوا ہو۔ یونہی "نقد کی صورت" معلوم دیتے ہوں، واللہ اعلم بالصواب۔

گرمی کی آمد آمد ہے۔ راستوں پر ہوا کے جھونکوں سے پھول برف کے گالوں کی طرح بچھا دیتے ہیں مگر شعر ہے کہ ایک نہیں آتا۔ کثرتِ کار کی وجہ سے کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ نہ لفظی شاعری نہ عملی۔ صبح و شام ایسی خرافات کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ کہ الامان۔ از منۂ وسطیٰ کا ادب! - اگر "ادب" یہی ہے تو بیچارا... کے ہر ضلع کی تاریخ ادب کئی جلدوں میں لکھی جا سکتی ہے۔ خدا کرے اس دور سے نجات ہو۔ سولھویں صدی کے بعد کچھ لطف آئے گا —— آپ کہئے۔ ہنر کے قرب کا اثر کیا ہوا؟ اخبار کی بوحت کچھ کم ہوئی؟ ایک غزل کہو۔ ہوا تھی آپ کے دماغ میں۔ کیا ہوا اُسے؟ جلد از جلد لکھ بھیجئے ورنہ مجھے بھول ہو جائے گی... آپ کچھ تانے رہیں گے۔

مہتر صاحب نے پوچھا تھا کہ کب تک کیمبرج رہو گے کچھ کہنا ہے۔ مگر میرے جواب کہ یاد ہو "کچھ کہنے" پر ابھی تک پردہ اسرار پڑا ہے۔ ان سے پوچھئے کیا بات تھی۔ یہ بھی کہئے کہ یہاں کیمبرج میں کنگز کالج پر ایک مسودہ ہے۔
　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　(نامکمل)
۶ رمئی ۱۹۳۰ء

---

(۴)

نام سالک صاحب

PEMBROKE COLLEGE

برادرِ محترم! السلام علیکم

یہ پچھلے ہفتے کچھ عجیب کیفیت میں گزرے ہیں۔ ادھر TERM کا اختتام تھا۔ اور لمبی چھٹیوں کی ابتدا۔ لہٰذا نگران صاحب (۵" قبلہ) ہدایات و نگرانی کے متعلق بہت زبانی فرما رہے تھے۔ ادھر موسم تیار تھا۔ ڈھارا فضا تیر اس پر MAY WEEK (جون کا دوسرا ہفتہ اس نام سے پکارا جاتا ہے) کی ہنگامہ خیز مصروفیات: BOAT RACES ہمارا کالج جیتا ہے۔ لڑکے پہلے ہی امتحان کے ختم ہونے پر "اندھیر" ("BLINDS" کا ترجمہ ہے) مچا رہے تھے۔ اس پر یہ آفت۔ الامان۔ چاروں PROCTOR پھرتے رہتے ہیں مگر بے سود! ... کے ناچ —— آج ہمارا آخری تھا...............

دیوان[1] صاحب سے ٹیلیفون پر لندن میں باتیں ہو چکی ہیں۔ عنقریب یہاں سے چھٹکارا ہو گا تو ملاقات ہو گی۔ بقول ان کے خوب "رولا گولا" ہو گا۔

میں نے PICTURE GOER میں ایک مضمون دے مارا تھا۔ نہیں بھی پتہ چل گیا۔ اب لطف رہے گا۔ اس مضمون کی طفیل اور بھی فائدے ہوئے۔ نقدہ کے علاوہ بھی۔ ایک دو معتبر PRODUCERS نے خط و کتابت کی ہے۔ کسی P. DAWSON نے پارلیمنٹ میں اسی موضوع پر سوال کر دئے۔ لیکن یہ دسط

---

[1] دیوان آنند کمار تھے

مئی کی بات ہے یہ۔ اس آگ کا دھواں بھی نہیں اب دماغ میں ۔ اب یہ سننا ہے کہ لائبریری بند ہو رہی ہے اور مجبوراً برٹش میوزیم میں دم بخت ہونا پڑے گا۔ شعر و ادب سب رفو چکر ہو گئے ہیں۔ البتہ کچھ زبان میں عرض کیا ہے

غالب جام پھر ساقی نے واپس لے لیا مجھ سے ۔۔۔ نہ جانے کیا کہا میں نے نہ جانے کیا ہوا مجھ سے

مری توبہ ۔ مجھے باور ۔ وہ کافر ہے وہ کافر ہے ۔۔۔ خفا تو بھی ہوا جاتا ہے لے میرے خدا مجھ سے

چھپاتا پھرتا ہوں اب تک تیری آنکھوں سے مگر کب تک ۔۔۔ یہ کہہ ڈالیں گی اک دن میرے دل کا راز آ مجھ سے

مجھے معلوم ہے تاثیر سب کچھ ۔ جانتا ہوں میں ۔۔۔ ارے اب پی بھی جا کیوں ہو رہا ہے پارسا مجھ سے

نگاہیں التجائیں کر رہی ہیں لب لرزتے ہیں ۔۔۔ تو پھر اب منہ سے بھی کہہ دیں وہ سب کچھ برملا مجھ سے

اسی طرح کچھ اور بھی ہیں ۔ تغلیب سے خالی ــــــ ذاتی طور پر مجھے آپ سے اتفاق نہیں ہے کہ خیال کی گہرائی شاعری کے منافی نہیں ۔ لیکن آپ کے اشعار پڑھ کر ایک ایسا وجدانی کیف طاری ہوا کہ نظریات وغیرہ سب بھول گئی ـــ میرے خدا کو کیا ہوا .... اللہ اللہ یہ میرا خدا کہاں گیا میرے خدا کو کیا ہوا ۔ عجیب شعر ہے ۔ ساری غزل ہی مرصع ہے ۔ افسوس کہ آپ نے شاعری سے کنارہ کر کے اپنے آپ پر بھی ظلم کیا اور اردو ادب پر بھی ۔ اور ظلم محض جسمانی نہیں ہوتا ۔ روحانی ظلم زیادہ سنگین ہوتا ہے ۔

انقلاب میں ادبی چٹخارہ بڑھائیے (نئی بلڈنگ آپ کو مبارکباد ۔ مگر رفتار ترقی اس سے زیادہ ۔ کہیں زیادہ ہونی چاہئیے ۔ اتنے کروڑ مسلمانوں کا ایک ہی تو پرچہ ہے) اور خبروں کی تازگی پر زور ہو ۔ اب میدان ایک حد تک خالی ہے ۔ غیر معمولی کوشش کیجئے ۔ میں ہر ممکن خدمت کے لئے حاضر ہوں ۔ ضرورت ہو تو مغربی سیاسیات اور معاشیات پر مستقلاً لکھ بھیجا کروں ۔ وقت نکال ہی لوں گا ۔ آج کل سیاسی مطلع غبار آلود ہے ۔ اور یہاں عجیب عجیب افواہیں گھوم رہی ہیں ۔ ہندوستان کیا یہاں کے اخبارات بھی بعض راز کی باتیں نہیں ظاہر کرتے ۔ مگر ایسی انجمنیں موجود ہیں جو محدود حلقوں میں سنسر شدہ خبروں کا انکشاف کرتی رہتی ہیں ۔ ....

اردو داں اور انگریزی داں دونوں قسم کے حضرات کی دلچسپی کے لئے کچھ نہ کچھ لکھا جا سکتا ہے بشرطیکہ یہ سبب ہے کہ آپ کی ضرورت ہو ۔ کیونکہ میں بہ ہزار دقت فرصت پیدا کر سکوں گا ۔

آج کیمبرج پہ عجب جوبن ہے ۔ پرسکون دریا ۔ ہلکی سی کشتیاں ۔ نازک سرو قد ملاح ۔ شفاف پانی اور بدن نہانے والے ۔ پھولوں سے لدی ہوئی لچکدار شاخیں ۔ دھوپ ۔ ٹھنڈی ہوا ۔ اور خاموشی ! تمام شہر خالی ہو گیا ۔ کہیں کہیں صورت آشنا نظر آتی ہیں تو حقیقت سے زیادہ انس کا اظہار کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ۔ میں جون کے اختتام تک یہیں ہوں ۔ پھر لنڈن ! ـــــ

فرانسیسی آہستہ آہستہ چل رہی ہے ۔ شاید آ جائے ۔ مگر آپ کو مجھ سے سیکھنے میں کیا لطف آئے گا ۔ مجھے تو "تغزیب" کا کام دے رہی ہے ۔ اگست میں مجھے جنوبی فرانس سے ایک کانفرنس کے سلسلے میں MODERN INDIAN ART اور BUDIST PAINTING پر لیکچر دینے کی دعوت آئی

لیکچر انگریزی میں ہوں گے۔ مگر کچھ ٭ زبانش دہ دہان من سے زیادہ قرب حاصل ہونا چاہیئے۔ گو شعرا یہی کہتے ہیں کہ
آنکھ سے آنکھ کہے دل سے ہوں دل کی باتیں — وائے وہ عرض تمنا جو زباں تک پہنچے

اگلی ٹرم میں یہاں کی فلسفہ کی بزم میں A NEW DIVINE COMEDY کے عنوان سے حسب وعدہ نامہ پر PAPER پڑھ رہا ہوں۔ سنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب قبلہ دو سو صفحے کا اردو کلام کا مجموعہ شائع کر رہے ہیں۔ (ان کے اپنے خطوط سے معلوم ہوا ہے) اور RHODES LECTURE بھی ہیں۔ اور گلا بیٹھ گیا ہے۔ خدا خیر کرے۔ امید ہے کہ رشید٭ پاس ہو چکا ہوگا۔ ضرور اطلاع دیجئے۔ اور اگر اچھا ڈویژن حاصل کرے تو اسے گورنمنٹ کالج بھجوا دیجئے۔ اس لئے نہیں کہ گورنمنٹ کالج بہتر ہے۔ (گو ہے) اس لئے کہ میں اب اسلامیہ کالج میں نہیں۔ میں ہوتا تو خود نگرانی کرتا۔ وہاں بخاری ہوگا۔

امتیاز واقعی خوش قسمت آدمی ہے۔ لیکن خدا کرے کہ وہ شادی کی وجہ سے دوستوں سے جاتا رہے ہمہ تن محو عبادت ہو جائے۔ مگر ستم تو یہ ہے کہ وہ ایسا کرنے میں حق بجانب ہوگا۔ جب بیوی دوست بننے کی بھی اہل ہو تو پھر فقط اسی کا ہو کر نہ رہنا "شرک" نہیں تو اور کیا ہے میں اسی لئے شادی کے خلاف رہا ہوں۔ صحیح شادی ذریعہ ہونے کی بجائے مقصد حیات بن جاتی ہے اور ہونی چاہیئے۔ اور جو شادی یہ نہیں ہوتی وہ صحیح شادی نہیں ہوتی!
—— بھی بڑے بڑے ادیبوں کی ازدواجی زندگی عموماً ناکامیاب رہی ہے —— مرزا غالب۔ بائرن۔ ملٹن۔ شیلی (پہلی بیوی) کی مثالیں موجود ہیں۔ پوپ اور کیٹس محروم ہی رہے۔ میر تقی کا یقیناً برا حال ہوا ہوگا —— بہرصورت یہ دلچسپ مضمون ہے اور تحقیق طلب ہے۔ (ورڈز ورتھ شادی کے بعد شاعری سے جاتا رہا)۔ اب کے دو کی بجائے تین خط ہیں۔ ایک مہر صاحب کے نام خط ہے اور ایک بخاری کے۔ PERSONAL ECONOMY کے PLAN کے ماتحت۔ والسلام

۱۳ رجون ۳۲ء — مخلص تاثیر

P. S.

کیا یہ ممکن ہو سکے گا۔ کہ مجھے انقلاب باقاعدہ ہر ہفتے بحری ڈاک میں ملتا رہے۔ لیکن BILL واپس آنے سے پہلے ادا نہیں ہو سکتا اور بے قاعدگی سے سخت مضطرب ہوں گا۔ دو مہینے سے ایک پرچہ بھی دیکھنے میں نہیں آیا اس لئے اداس ہو کر لکھ رہا ہوں۔

(۵)

بنام مہر صاحب

برادر محترم! مہر صاحب!

السلام علیکم —— اس ٹرم میں بے حد مصروف رہا ہوں۔ بالخصوص نصف آخر میں۔ چاہتا تھا کہ سلطان التواریخ کے متعلق تحقیقات کر کے جواب لکھتا۔ مگر لندن جولائی سے پہلے جانا ناممکن نظر آتا ہے۔ لہٰذا "ملاقات" کے لئے حاضر ہوں۔

٭ سالک صاحب کا بڑا صاحبزادہ عبدالرشید ارشد

آپ اگلے سال آرہے ہیں! ـــــ بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست ـ لیکن کب! خدا کرے آپ چھٹیوں میں آئیں تاکہ CONTINENT پر اکٹھے پھر سکیں ـ جب تک اگلے سال میرے کام کا معتد بہ حصہ ختم ہو چکا ہوگا اور جی بھر کر آپ کے ساتھ رہ سکوں گا ـ روم کی VATICAN LIBRARY میں عربی کی نایاب کتابیں موجود ہیں ـ اور اٹلی اور فرانس کے نگار خانے قابل دید ہیں ـ سپین میں الحمرا بذات خود زیارت کے قابل ہے ـ اور روس! ـــــ صحافت نگار کے لئے اس ملک کا سفر از بس ضروری ہے ـ اور ترکی اور مصر کا بھی! ـــــ ان میں سے چند ایک ممالک سرسری طور پر دیکھ چکا ہوں اور دوبارہ دیکھنے کا خواہشمند ہوں ـ انشاء اللہ آئندہ سال تک زبان کی تکلیف بھی رفع ہو جائے گی ـ شاید میں فرانسیسی میں آپ کا ترجمان بن سکوں ـ گر ابھی تو یہ حالت ہے کہ انگریزی کے الفاظ غلط ہجوں سے لکھنے شروع کر دیئے ہیں ـ فرانسیسی اور انگریزی کے بین بین ـ اور یہی حال تلفظ کا ہو رہا ہے ـ

اور ہاں "تقویم التاریخ" کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے ـ یہ مختلف کیلنڈروں کی مطابقت ہے جو سلطان شہید کے کہنے پر تالیف ہوئی ہے ـ یہاں KINGS COLLEGE میں اس کا ایک نسخہ ہے ـ میں نے ابھی دیکھا نہیں ـ سلطان محمد اور چند اور ترک سلاطین کی ادب نوازی کے متعلق میں نے "بزم فروغ اردو" کے لئے مضمون لکھ کر بھیجا تھا ـ امید ہے آپ کی نظر سے گزرا ہوگا ـ کاش مجھے فرصت ہوتی ـ مگر میرے اپنے THESIS کا کام بہت زیادہ پھیل گیا ہے اور روز بروز مصروفیت زیادہ ہو رہی ہے بعض اوقات تو سر چکرانے لگتا ہے اور طبیعت میں الجھن پیدا ہونے لگتی ہے، مگر کام نہایت دلچسپ ہے ہمت نہیں ہارتا ـ انشاء اللہ بطریق احسن سرانجام ہوگا ـ دعا کرتے رہئے ـ والسلام

۱۵ر جون سنہ ۳۲ء　　　　مخلص تاثیر

آہواں را نرہ شیراں شکار آموختند　　　　فریاں ہمزادگاں را خوئے نار آموختند

در خزاں از دل چناں بردند یاد او بہار　　　　درس آں عشرت کہ در فصل بہار آموختند

(۶)

بنام قہر صاحب

برادر محترم و مکرم ـ السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

بھائی سالک کا خط مورخہ ۱۷ ش/۳۳ آیا ـ اس میں آپ کی مراجعت لاہور کی خبر کے ساتھ آنکھ کی شکایت کی مراجعت کا بھی ذکر ہے[1] ـ خدا تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھے ـ مگر یہ ایسی بات نہیں کہ اسے آپ سرسری سمجھ کر ٹال دیں اور حسب دستور سابقہ کام میں "جت جائیں" ـ ادھر سالک ہیں کہ آج کل عذر بہ بلائے کز آسمان آید کا مصداق بن رہے ہیں ـ آپ کی علالت، پر ان کا یہ نعرہ: "وہ ہمدم و ہم نفس جو کام میں تفریح میں ہر قسم کے مشاغل میں شریک حال تھا علیل بیٹھا ہے ـ اور میری زندگی نصف ہو رہی ہے!" دیوان آتما نند شرر کی آنکھوں میں آنسو لے آیا ـ دیوان بچارہ بڑا مخلص

[1] میں عارضہ آشوب چشم کے سلسلے میں دو مہینے پہاڑ پر گزار کر واپس آیا تو لاہور پہنچتے ہی عارضہ عود کر آیا ـ اس میں اسی کا ذکر ہے ـ شفاء الملک حکیم فقیر محمد مرحوم کے علاج سے فائدہ ہوا تھا ـ قہر

آدمی ہے۔ اس کی اور ہم سب کی دعائیں آپ کے شریک حال ہیں۔ مگر ہم کہاں کے مستجاب تھے۔ یہاں تو حریف مطلب مشکل نہیں۔ فسونِ نیاز۔ کا مضمون ہے۔

سلطان سلیم کے دیوان کا ایک مطبوعہ نسخہ اور حاصل کیا ہے۔ آپ کی خاطر۔ مگر روبرو ہو کر پیش کروں گا۔ آپ یہاں آئیں گے تو۔ یا خود حاضر ہو کر ——— یوں ڈاک کے ذریعے سے تلف ہونے کا بھی ڈر ہے اور پھر لطف کیا آیا۔

میں نے بزم فروغ اُردو اسلامیہ کالج کے لئے ایک مضمون لکھ کر برخوردار محمود نظامی کو بھیجا تھا اور کہا تھا کہ آپ کو اور سالک صاحب کو ضرور دکھائیے۔ اس میں سلطان سلیم کے کلام پر تبصرہ تھا۔ سلطان محمدؒ فاتح کی فارسی انشا کے نمونے تھے۔ جامیؔ اور ترکی سلاطین کی خط وکتابت کا ذکر تھا۔ نام عنوان شاید" فارسی ادبیات اور ترک سلاطین" تھا۔ مگر اس برخوردار نے سارا معاملہ غت ربود کر دیا ہے۔ سالک صاحب کو فرصت ہو تو اسے ٹیلیفون کر کے بلائیں۔ میں چاہتا ہوں کہ سلطان محمدؒ کے وہ خط آپ ضرور پڑھیں جن میں فتح قسطنطنیہ اور اس کے بعد کی جنگوں کا ذکر ہے۔ میرے پاس نقل موجود نہیں۔

سلطان التواریخ کے متعلق عرض کر چکا ہوں۔ اور ہر طرح خیریت ہے۔ والسلام

۵ ستمبر ۱۹۳۴ء

مخلص تاثیر

---

(۷)

بنام سالک صاحب

میرے THESIS کا پھیلاؤ بے حد بڑھ گیا ہے۔ اس لئے اب دیر تک خطوط نہ لکھ سکوں گا۔ مگر متمنی ہوں کہ آپ گاہے گاہے حالات سے مطلع کرتے رہیں۔ نوازش ہوگی۔

انقلاب کی باقاعدگی کا شکریہ۔ مگر اب سلسلے کو منقطع کر دیجئے تاآنکہ دوبارہ درخواست کروں۔ ٹرم کے ختم ہونے پر شہر بہ شہر قریہ بہ قریہ پھرنے کا ارادہ ہے۔ اس لئے خواہ مخواہ ہوگا۔ اب تک جتنے پرچے آئے ہیں ان کا BILL بھجوا دیجئے تاکہ BUDGET میں شامل کر لوں۔ اور اپنی حیثیت کا جائزہ لے سکوں۔ ادائیگی تو واپسی پر ہی ہوگی۔

اور ہر طرح خیریت ہے۔ جواب کا طالب۔ والسلام

۱۸ نومبر ۱۹۳۴ء

تاثیر

بہ‌یت کو سلام نیاز۔ اور شمیم صاحب کو بھی۔

---

(۸)

بنام سالک صاحب

PEMBROKE COLLEGE, CAMBRIDGE.

سالک بھائی!

السلام علیکم۔ انقلاب کے متعلق "کفران نعمت" کی اہم وجہ تو اقتصادی تھی۔ بجٹ بنا رہا تھا اور نئے سال کے لئے نیک ارادے مرتب کر رہا تھا۔ کتابوں کی اژدری مد سے "LONDON MERCURY" ——— "LIFE AND LETTERS" اور" انقلاب" کاٹا۔ تمام نئے ناول اور ڈرامے کاٹے۔ باقیات کے

رقم متعین کی - مطبوعات سے ٹائیاں اور رومال کاٹے اور ایک آدھ اور اشیاء جو غالباً مطبوعات ہی میں شمار ہوں گی - اسی سلسلے میں سینما اور تھیٹر کی تعداد مقرر کی - سگریٹ پینے تو کافی مدت سے ترک کر چکا ہوں - گو قسم نہیں کھائی - خیال تھا کہ یہ کانٹ چھانٹ، نفع آور ہوگی - مگر ایک ریڈیو گرام اور ایک TOUR. نے سب کچھ برابر کر دیا بلکہ مضاعف المضاعف کر دیا - ہم اصل میں بجٹ سازی کے اہل ہی نہیں - میرا خیال ہے کہ مسلمان شرح سود کے کم ہونے سے بھی کنگال ہی رہیں گے - سود مطلقاً حرام ہے - ہم حساب کتاب کے بیچ میں پھنسے اور گئے - ناخن اڑا اور پنجہ اڑا - بلکہ تمام بازو غائب -

لیکن " انقلاب " کے خلاف میری سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ یہ بے حد خیال افروز واقع ہوا ہے - پڑھنے کا کیا ہے - ایک آنہ افکار ہی سے وصول ہو جاتا ہے - اور مہر بھائی کے اداریئے سود در سود - مگر ستم یہ ہے کہ پڑھنے سے معاملہ ختم نہیں ہو جاتا - یہ سلسلہ پھیلتا ہے - اور THESIS وغیرہ سب دھرے رہ جاتے ہیں

پچھلے ہفتے کا حال سن لیجئے - پنجاب کونسل کی روئداد میں پڑھا کہ وزیر تعلیم نے کسی سوال کے جواب میں فرمایا کہ سرکار کی توجہ جنسی امراض کے پھیلنے کی طرف نہیں دلائی گئی - لہٰذا کوئی دفاعی تدابیر یا قوانین اختیار کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا - اور بتایا کہ فقط ایک میو ہسپتال لاہور میں پچھلے سال تین ہزار سے زیادہ لوگ جنسی امراض کے علاج کے لئے آئے - یہ ایک ہسپتال کا حال ہے - گو یہ ہسپتال بہت بڑا ہے - اس کے علاوہ دیگر سرکاری اور قومی شفاخانے بھی ہیں - ڈاکٹر اور حکیم بھی ہیں - اور اشتہاری کارخانے بھی ہیں - اور بیشتر مریض اندر ہی اندر گھل کر رہ جاتے ہیں - یہ موذی امراض بسرعت پھیلتی ہیں اور نسل بہ نسل چلتی ہیں - مردانگی اور جوانی کو کاٹ کر رکھ دیتی ہیں ——— (شفاخانہ جات ADVERTISEMENT IN DAILY PAPERS AND BILLS OF) جس قوم میں جڑ پکڑ لیں اس کی تباہی لازمی ہے - مگر MAJOR GENERAL, SIR JOHN MEGAW DIRECTOR OF I.M.S. کی رپورٹ چھپ چکی ہے - اس میں لکھا ہے کہ ان امراض کا زہریلا اثر پندرہ فیصدی آبادی تک پہنچ چکا ہے - گویا سات میں سے ایک آدمی ضرور مسموم ہے - اور اگر کم عمر اور زیادہ عمر اور بوڑھوں میں اس کا اثر کم تصور کیا جائے تو جوانوں میں یہ تناسب بہت زیادہ ہوگا! انا للہ وانا الیہ راجعون - یہ حالات ایسے نہیں کہ ان سے چشم پوشی کی جا سکے - اور پھر تپ دق کے متعلق اسی رپورٹ میں لکھا ہے کہ "کثرت سے اور سرعت سے اور استقلال سے پھیل رہی ہے" - اس پر ملیریا کا ندر ہے جو ہر سال پانچ کروڑ سے دس کروڑ کو مرتا ہے اور امراض کو روکنے کی قوت کو کم کر دیتا ہے - مزید برآں فاقہ اور مندھا کر دینے والا افلاس - جس کا اثر اب پنجاب بھی محسوس کرنے لگا ہے -

میجر جنرل بہادر کی اس رپورٹ کا اردو میں ترجمہ ہونا چاہیئے - اور اس کے خاص حصص پر مقالات سے زور دینا چاہیئے جبھی سرکار کی توجہ اس طرف مبذول ہوگی - جمعی کونسل میں ایک آدھ سوال اور سرکاری رپورٹ نا کافی معلوم ہوتی ہے - حالات تو اس قدر خطرناک ہیں کہ کونسل کو اس پر ایک خاص مجلس منعقد کرنی چاہیئے - مگر یہ نہ فرقہ وارانہ

معاملہ ہے نہ جلوسی مسئلہ ہے۔ اور پھر گندی سی بات ہے۔ لوگ چہ میگوئیاں شروع کر دیتے ہیں۔ اور ہنسی مذاق شروع ہو جاتا ہے۔ اور حالت یہ ہے کہ سات میں سے ایک مسموم ہے۔ جوانوں میں غالباً پانچ میں سے ایک، ہر پانچ میں سے ایک۔ اس فضا میں گناہگار اور بے گناہ ہر کوئی خطرے میں ہے۔ کیونکہ یہ چھوت کے امراض ہیں۔ بلکہ گنہگار لوگ تجربہ کار اور محتاط ہونے کی وجہ سے شاید زیادہ محفوظ ہوں۔

تپ دق۔ آتشک سوزاک۔ فاقہ! روم کو آگ لگ رہی ہے اور ہم بیٹھے مرلی بجا رہے ہیں۔

اس ملک میں جنسی امراض کے متعلق نہایت تسلی بخش انتظام ہیں۔ لوگوں کو ہر ممکن طریقے سے تعلیم دی جاتی ہے۔ تصویروں، لیکچروں، مضمونوں اور کتابوں سے اس سے بچنے کے ذرائع بتائے جاتے ہیں۔ اور ڈاکٹر تو کہتے ہیں کہ یہ جہالت کے امراض ہیں۔ گنہگاری کے نہیں۔ کیونکہ اس سے معصوم بچے بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ فاقہ مست مزدور بیکاری سے تنگ آ کر کارخانوں اور شہروں کی طرف بھاگتے ہیں اور وہاں گھروں سے دور اور غربت اور افلاس کے مصائب میں گھرے ہوئے جاہلانہ طور پر کیا کچھ نہیں کر گزرتے اور جب دیہات میں واپس آتے ہیں تو معصوم بیویاں اور گھر کے دوسرے لوگ مسموم ہو جاتے ہیں۔ اور تپ دق تو ہماری ہوا میں ہے۔ پان کی پیک۔ گرد و غبار۔ عام لعاب افشانی جراثیم کو خانہ بخانہ لئے پھرتے ہیں۔

ان سب پر بیک وقت حملہ مشکل ہے۔ مگر جنسی امراض کا تدارک نسبتاً آسان ہے۔ ان کے خلاف عام پرچار ہونا چاہئے۔ ڈاکٹر، معلم۔ جرائد نویس اور لیڈر سب مل کر بلا تفریق مذہب و ملت کام کر سکتے ہیں۔ اور پھر ان سب پر علماء اور پنڈت و دیاوانوں کا اخلاق زدہ ہو تو کیا نہیں ہو سکتا۔ (یہاں حال ہی میں ایک جنسی امراض کے متعلق ایک فلم دکھائی گئی تھی)۔

اس مسئلہ پر مزید خاموشی بے معنی اور مجرمانہ ہے۔ یہ کہنا کہ یہ گناہ کی سزا ہے۔ غلط ہے کیونکہ بے گناہ بھی پھنس جاتے ہیں۔ بیویاں بچے دوست۔ چھوت کی وجہ سے۔ غرض تمام قوم کو خطرہ ہے۔ اور پھر ع

حد چاہئے سزا میں عقوبت کے واسطے

یہ کہنا کہ اس کا ذکر بے حیائی ہے ایک حد تک صحیح ہوگا مگر اب تو آب از سر گذشت کا معاملہ ہے۔

یہ کہنا کہ باہر کی دنیا ہمارے خلاف کیا کہے گی بے معنی ہے کیونکہ یہ واقعات سب کو معلوم ہیں۔ اس وقت ہندوستان میں انگلستان سے زیادہ اس مرض کا زور ہے اور بعض لوگوں کی باتوں سے ڈر کر قوم کو تباہی کی نذر ہونے دینا قاتلانہ حماقت ہے۔

تدارک کی تدابیر کے متعلق ڈاکٹر حضرات کی رائے لینی چاہیئے۔

دیکھا آپ نے یہ تیسرا صفحہ ہے اور میں ہوں کہ بکے جا رہا ہوں۔ یہ سب "انقلاب" کی کارستانی ہے، نہ پڑھتا نہ وزیر تعلیم و طب کے جواب و سوال سے آگاہی ہوتی۔ نہ اس طرح اپنا اور آپ کا وقت ضائع کرتا۔ اور بالخصوص جب یہ تمام گفتگو بے سود ہے۔ "اردو لائبریری" اور کاپی رائٹ کے متعلق بھی میں نے اسی طرح جوش میں آ کر لکھ دیا

بعد میں سوچتا رہا کہ اس کا فائدہ کیا؟ ۔ ۔ اسمبلی میں اس پر کون توجہ دے گا۔ کہیں گے لائبریری کے لئے عمارت موجود نہیں۔ یا کچھ بھی نہیں کہیں گے۔ اسی طرح یہ جنسی امراض کا مسئلہ ہے۔ کہیں گے کیا غیر شریفانہ بات ہے۔ اور پھر کمیٹی بن گئی تو کیا ہوگا۔ روپیہ کہاں سے آئے گا؟ امراء کو اس کی ضرورت نہیں۔ وہ باخبر بھی ہیں اور ذرائع بھی رکھتے ہیں۔ غرباء کو کون پوچھتا ہے۔ اور مرض ہے کہ بڑھ رہا ہے۔ گلی گلی اشتہار اشتہاری کارخانے پھیل رہے ہیں اور نئی نسلوں کو برباد کر رہے ہیں۔

اور ـــ چھاں کر دیکھئے ڈھولک بجائے جاتے ہیں۔

ان بیماریوں کا استیصال تو مدت لے گا۔ مگر ادبی اشتہار بازی کا تدارک نسبتاً آسان ہے۔ آپ مدت سے اس کے در پے ہیں۔ اور بہت کچھ کر چکے ہیں۔ لیکن چراغ تلے اندھیرا مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابھی ابھی ہم دونوں پر حملہ ہوا ہے اور نیرنگ خیال ہر سال اس وبا کی ترویج کرنے کا تہیہ کر رہا ہے۔ میں یوسف حسن کو اس بے ہودگی کے متعلق سختی سے لکھ رہا ہوں۔ اول تو ہر قسم کے خطاب لایعنی ہی نہیں مضر ہوتے ہیں۔ کسی زندہ شخص کو کسی ادارے کی طرف سے بھی کوئی لقب وغیرہ دینا میرے نزدیک غیر مستحسن ہے۔ لیکن کسی رسالے کا اپنے مضمون نگاروں کی "تشہیر" کرنا محض خبط الحرکتی ہے۔

میں ہندوستان میں ہوتا تو اپنی حمایت اور مدافعت کر لیتا۔ مگر اب بے دست و پا ہوں۔ لہٰذا سپردم بتو مایۂ خویش را۔ مجھے ابھی تک سالنامہ نہیں ملا۔ لہٰذا تفصیلات سے ناآگاہ ہوں۔

مہر بھائی کو پچھلے ہفتے ایک خط لکھا تھا۔ یہاں سب طرح خیریت ہے۔ کام ہو رہا ہے۔ پڑا اصلاء رعا کیجئے گا۔ دعاؤں کا محتاج ہوں۔ عید مبارک! (یہاں چھ کو ہوئی تھی) عزیزاں رشید و رؤف کو سلام اور پیار۔

تازہ کلام ؎ مگذر ز شام رفتہ دیا صبحگاہے　　کہ ہنوز یک دو ساغر زمئے شبانہ دارم

۸ر جنوری ۱۹۳۷ء

مخلص تاثیر

---

(۹)

بنام سالک صاحب

THE UNION SOCIETY, CAMBRIDGE.

مجھ کو تنہا رہنے دو تم اپنے حال پہ رہنے دو
خوش رہتا ہوں؟ اچھا ہوں میں؟ ایک کہتا ہوں؟ رہنے دو
مجھ کو تنہا رہنے دو تم اپنے حال پہ رہنے دو
میرے دل کی آگ بجھا دی آہیں بھرنے والوں نے
میری ٹھنڈک کھو ڈالی ہے الفت کرنے والوں نے
مجھ کو تنہا رہنے دو تم اپنے حال پہ رہنے دو
مجھ کو مجھ سے چھین لیا ہے میرے اپنے پیاروں نے

ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے پریم بھری تلواروں نے

مجھ کو تنہا رہنے دو تم اپنے حال پہ رہنے دو

ڈھانپ لیا ہے میرا تن من نازک نازک پردوں میں

چھوڑو مجھ کو۔ دم گھٹتا ہے یہ اتم ہمدردوں میں!

مجھ کو تنہا . . . . . .

قید کیا ہے تم نے مجھ کو الفت کے بت خانے میں

محو ہوا جاتا ہوں اب میں آپ اپنے افسانے میں

مجھ کو تنہا . . . .

چار طرف سے گھیر لیا ہے تم میں کھویا جاتا ہوں

اب میں اپنی آنکھوں سے بھی اوجھل ہوتا جاتا ہوں

مجھ کو تنہا . . . .

میری اک تصویرِ خیالی تم نے آپ بنائی ہے

مجھ سے تم کو پیار نہیں ہے اپنی مورت پیاری ہے

مجھ کو . . . .

۵ مارچ ۳۵ء　　　تاثیر

---

(۱۰)

بنام سالک صاحب

4, St. PETER'S TERRACE, CAMBRIDGE.

برادر محترم!

السلام علیکم۔ مدت کے بعد فرصت ملی۔ ایک عدد نظم اور ایک عدد خط لکھ رہا ہوں۔ نظم اوپر ہے اور خط لکھ رہا ہوں۔

کچھ زکام کی شکایت کچھ کام کی کثرت کچھ تعلقات کا پھیلاؤ۔ یہ ٹرم بہت بے سروپا رہی۔ اب دو کا میزانیہ بنا رہا ہوں (وقت = دولت)۔ لیکن مجھ سے پروگرام کے مطابق کام نہیں ہو سکتا۔ ٹوٹ کر آ کمبخت جدھر آتی ہے۔ قسم کی طبیعت ہے۔

بھائی مہر آ رہے ہیں کیا؟ کب؟ — میں ۱۹۳۶ء میں شاید اپریل میں آؤں (پہلی کو نہیں) جگہ ہے۔ اور کچھ سیر و سیاحت کی۔ یا اپریل کے بعد — اواخر ۳۶ء میں۔ "بال جبریل" پڑھی کیا رائے احباب کی؟ سب کو سلام اور پیار۔ والسلام

تاثیر　　　۵ مارچ ۱۹۳۵ء

---

(۱۱)

بنام سالک صاحب

سالک بھائی۔ السلام علیکم — آپ کا خط کیمبرج سے ہوتا ہوا BRIGHTON پہنچا۔ وہاں

میرے پیچھے پیچھے لنڈن آیا۔ اور اب میں جواب لکھ رہا ہوں۔

خط نہ لکھنے کے متعلق معذرت غیر ضروری ہے۔ میں جواب طلب باتیں کم لکھتا ہوں۔ یا دآئی فرصت ہوئی اور قلم دوات سامنے موجود پائے تو کچھ لکھ ڈالا۔ اور وہ بھی واہی تباہی۔ کہنا کچھ چاہتا ہوں اور کچھ اور کہہ دیتا ہوں

پے بہ پے مصائب کے حالات سے دکھ ہوا۔ قیصر مجھے بھائیوں کی طرح عزیز ہے اور اس جوڑے پر جتنی خوشی ہوئی اسی قدر اب رنج ہوا[1]۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ میاں کی شان مجھ کو کچھ اسی طرح کی ہے۔ اپنوں ہی پر بس چلتا ہے ان کا۔ تسلیم کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ اور پھر جنہیں اگلی دنیا پر ایمان ہے۔ ہمیں یہاں کی آنی جانی صیبتوں کے خلاف آہ و فغاں کرنے کا کیا حق ہے۔ بچارہ حیرت[2] بھی بھجوا گیا۔ انقلاب سے معلوم ہوا۔

میں نے ایک دو بار لکھا تھا کہ انقلاب کا سلسلہ بند کر دیجئے۔ ان کا شاید متحمل نہ ہو سکوں۔ اور یہ کہ آج کل بہت کم فرصت ہے۔ ہفتے کے اخبار گھنٹہ بھر سے کم وقت میں پڑھے جاتے ہیں۔ مگر یادیں ہفتہ بھر نہیں جاتیں۔ لیکن جو راحت ہوتی ہے اس کا میں نے ذکر نہیں کیا۔ خبروں سے نہیں بلکہ مقالات اور افکار سے۔ مجھے دو بھائی گفتگو کرتے نظر آتے ہیں۔ تیر کے صفرے کبرے۔ سالک کے چوچلے۔ ایک گرزانگن ایک نشتر زن۔ ایک باطل کا سر کچلنے والا۔ ایک دکھتی ہوئی رگ دبانے والا۔ خدا تمہارے دست و بازو و سلامت رکھے کہ تم حباب کے دست و بازو ہو۔ معاف رکھنا میں کچھ SENTIMENTAL ہو گیا ہوں اور یہ نئی تہذیب کے خلاف ہے۔ مگر میں ہوں۔ کیا کروں۔ مجھ سے اہلِ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند!—— علامہ کی نئی کتاب سے مجھے مطالعہ پر کچھ مایوسی ہوئی۔ مگر دوبارہ پڑھنے سے سہ بارہ پڑھنے سے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اندر کے امکانات غیر متناہی طور پر وسیع ہو گئے ہیں اور کیا ہو سکتا تھا۔

خودی کی خلوتوں میں مصطفائی
خودی کی جلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و عرش و کرسی
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

اقبال نے فارسی میں بھی اس سے بہتر کیا کہا ہے۔ اور پھر یہ۔ اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرہن۔ اور یہ پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار۔ حفیظ کی اقبال و ٹیگور والی نظم میں "..... مکھیاں قطار اندر قطار" ہیں۔ حفیظ کی خوش قسمتی اس سے زیادہ کیا ہوگی۔ ....

افکار میں کون سے اشعار چھپے ہیں؟ آپ کو پسند آگئے تو اچھے ہی ہوں گے۔ اس داد کی سزا یہ ہے کہ دو نظمیں نقل کرتا ہوں۔ یہاں ایک ہندوستانی بزم بنی ہے (زیر صدارت سر عبدالقادر۔ تاثیر سیکرٹری ہے)

---

[1] ملک لال دین قیصر مرحوم کی اہلیہ کا انتقال۔ مرحومہ سالک صاحب کی قریبی عزیزہ تھیں۔

[2] غلام مصطفیٰ۔

وہاں پڑھی تھیں ۔۔۔ ایک غزل اور ایک پیغامیہ ہے۔

۱۔ میخانۂ افرنگ

تیرے ہر جام کا یکساں ہے مزا اے ساقی
اب پلانی ہے تو کچھ اور پلا اے ساقی

تجھ پہ کیوں مست ہوئے بیٹھے ہیں رندان کہن
وہ ترے پاس نیا نشہ ہے کیا اے ساقی

وہی پیمانہ فروشی وہی تقریروں کا شمار
وہی انداز پرانا ہے ترا اے ساقی

وہی آقائی و محکومی کی زنجیریں ہیں
وہی بندے ہیں وہی ان کے خدا اے ساقی

جاں بلب پیاس سے کوئی کوئی بدمستی سے
کیا یہی مے ہے تری آب بقا اے ساقی

اب نئے رنگ کے میخوار یہاں آئیں گے
اب یہاں سے تو دکاں اپنی اٹھا لے ساقی

—— (۲) ——

اب یہاں [illegible]
غم امروز نہ اندیشۂ فردا ہوگا

عہد سلطانی و جمہور کی ساعت ہے قریب
تو معزز جسے سمجھا ہے وہ رسوا ہوگا

تری تلچھٹ کی گدائی پہ جو اب ہے مجبور
وہی مجبور بھی پیارا ترا آقا ہوگا

یونہی رکھے ہوئے رہ جائیں گے آداب و رسوم
جانے اے پیر مغاں حشر ترا کیا ہوگا

پھر بہار آئی گئی جیب و گریباں کی تمیز
قیس پھر دست کش دامن صحرا ہوگا

کھیل جائے گی نئی رنگ کی ہولی تاثیر
میکشو مژدہ کہ جلدی یہ تماشا ہوگا

یہ اشعار اشاعت کے لئے نہیں۔ ہرگز نہیں۔ محض مہتر صاحب اور آپ کے لئے ہیں۔ اور احباب کے لئے۔

یورپ کا مطلع بہت مکدر ہو رہا ہے۔ ان گرمیوں میں خدا خیر کرے۔ اگر اب کے یہ بلا ٹل گئی تو سردیاں محفوظ رہیں گی۔ میں سردیوں میں آ رہا ہوں۔ جرمنی کی تیاری اکتوبر میں مکمل ہو گی۔ انگلستان کی نومبر میں۔ اسی طرح .. .. ہر ملک اس سال پوری طرح لیس ہو جائے گا۔ مگر ہر ملک یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کی تیاری سے پہلے پل پڑے۔ سنہ ۱۹۱۳ء کی طرح۔ آپ کو یاد ہے سنہ ۱۹۱۰ء میں KIEL CANAL مکمل ہوئی تھی۔ لہذا LORD FISHER سنہ ۱۹۱۱ء میں جرمنی پر حملہ کرنا چاہتا تھا EDWARD KING اس کا حامی تھا۔ مگر وہ مر گیا اور جرمنی نے CANAL بنتے ہی حملہ کر دیا ۔۔۔

آج کل یہاں JUBILEE کا چرچا ہے۔ ایک پر لطف پمفلٹ شائع ہوا ہے "THE JUBILEE — AND HOW" (BY T.A. JACKSON) ابتدا ملاحظہ ہو:-

Trade risks in the king business on may 6th we shall all have a holiday for most of us this will be without pay, but all of us will be (Offically) Expected to rejoice ! why ?

Becavse King George the Fifth has kept his job for twenty five years. To hold a job in a competitive market for a quarter of a century, is Now a days, no small feat. And although the post of a king can hardly be said to fall within the competitive category, there have been in the past years so many cases of kings deposed, dethroned and otherwise placed on the retired list that wecan under stand why

شاید ہندوستان میں ایسی باتیں کشتنی قرار دینے کے قابل ہوں گی - یہاں بھی کوئی اتنی آزادی نہیں - قانوناً سہی - مگر اقتصادی بندشیں کچھ کم نہیں - اقتصادی طور پر ---

افکار میں ایک صاحب، جمال قریشی کی ناک کے بیمے کے متعلق لکھا تھا - یہ صاحب، جالندھری ہیں - بڑے ٹھاٹ مسلمان ہیں - عطریات کا ایک کارخانہ لندن میں کھول رکھا ہے - ناک کا بیمہ عطر شناسی کے لئے کرایا تھا - علیگڑھ کے OLD BOY ہیں - چنانچہ ALIGARH ASSOCIATION کے جلسہ پر ان کا ایجاد کردہ عطر KHER — MARINE — شاہزادی مرینہ کی شادی کی تقریب پر PRESENT کیا گیا ہے - جسے بصد تشکر قبول کیا گیا - آپ B.B.C میں براڈ کاسٹ بھی کر چکے ہیں! —— ان کے عربی لباس میں فوٹو اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں - پلاؤ اچھا پکاتے ہیں۔

"ہندوستانی بزم" پُر لطف چیز ہے - یہاں چائے اور شاعری ہوتی ہے - سر شادی لال بھی ہوتے ہیں - غرض ہر طرح مخلوط جلسہ ہوتا ہے - مرد عورتیں - ہندو مسلم - عیسائی - افرنگی - پارسی - ہندی افراد کا - پچھلے جلسہ میں آئندہ جلسہ کی تاریخ اور دن کا تعین ہو رہا تھا - سر عبدالقادر نے گنتی میں کچھ غلطی کی - سر شادی لال نے ٹوک دیا تو سر عبدالقادر فوراً بول اٹھے "صاحب حساب میں میں ہمیشہ آپ سے ہارا ہوں - ہمیشہ" —— اس پر فرمائشی قہقہہ ہوا - شادی لال غالباً اس مذاق کو سمجھے ہی نہیں - رسید ہی نہیں دی - شاید مصلحتاً - سمجھے ہی نہیں - اس بزم میں میں نے ایک دو بار "بال جبریل" سے بھی کچھ سنایا تھا - ۲ اپریل کو ایک اور جگہ میں نے علامہ پر ایک مضمون بھی پڑھا تھا - اس میں تازہ ترین کلام پر بھی تبصرہ تھا - لوگ "بال جبریل" کی سلاست پہ بہت خوش اور حیران تھے -

اور کیا لکھتا چلا جاؤں - مجھے اب برٹش میوزیم جانا ہے - اور پھر آج ایک دن میں تین دعوتیں ہیں - لنچ، ٹی اور ڈنر - تینوں جا بجا - لندن کے فاصلوں کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مجھے پچیس میل سے زیادہ مسافت - ۔

کرنی ہوگی ۔ ان تینوں کو بھگتانے کے لئے ۔ مہنگا سودا ہے ۔ دو اڑھائی سو روپے کرایہ میں پڑ جاتا ہے ۔
مہر بھائی نہیں آرہے پھر ۔ مالویہ کے   کا جواب منزدی تھا ۔ اچھا ۔ عزیزی سلام ۔ رشید رؤف کو پیار (رؤف کیا کر رہے ہیں ؟) خدا ان کو کامیاب کرے ۔ نتیجے کا منتظر ہوں گا ۔
مہر بھائی کو سلام نیاز ۔ امتیاز ۔ بخاری اور حسرت کو سلام اور جو سامنے آجائے ۔ والسلام

۱۴ اپریل سنہ ۳۵ء — مخلص تاثیر

(۱۲)

بنام سالک صاحب

برادرم ! السلام علیکم ۔
خط لکھ کر پھاڑنے میں تو ادا تھا کہ آپ کے اور میاں امین الدین کے خطوط اکٹھے پہنچے ۔ میاں امین الدین لندن پہنچ گئے ہیں اور یہاں عنقریب آنے والے ہیں ۔ کچھ گھر بار کی باتیں ہو سکیں گی ۔ آپ کا خط حسب خواہش فرحت بخش تھا ۔ میں بخاری اور حسرت کو لکھ چکا ہوں ۔ مجھے اب سوائے خوشگوار یادوں کے اور کچھ یاد نہیں ۔ اور ان کے سوا اور تھا بھی کیا ؟ ہم سب نے ہمیشہ ایک دوسرے کی مسرت کے لئے کوشش کی ہے اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے ۔ زندگی رہی تو واپس آکر کچھ مفید کام کرنے کی نیت ہے ۔ کئی امنگیں ہیں اور ان سارے ہوائی قلعوں کی بنیادیں انہیں چند احباب کے کاندھوں پر قائم ہیں ۔ اگر یہ روٹھیں تو میں منا لوں گا ۔ اور مجھے تو روٹھنا آتا ہی نہیں ۔ ان کی پرانی عادت ہے !۔

امتیاز صاحب کی شادی کی خبر سنی تھی ۔ مگر ان کے خسر کی وفات بہت بے وقت ہوئی ۔ امید ہے کہ میاں بیوی اب بخیر و خوبی لاہور میں سکونت پذیر ہو گئے ہوں گے ۔ انہیں کچھ تحفہ بھیجوں ؟ کیا بھیجوں ؟ MARIE STOPES کی کتابیں تو وہاں بھی بآسانی مل جاتی ہیں ۔

شادی کے سلسلے میں مذاق ہی کیا جا سکتا ہے سو کر دیا ہے ۔ تریاق بھی زہر کھا مرا ۔ چشتی صاحب اب کیا کر رہے ہیں ؟ "ڈھولے" گا رہے ہیں کیا ؟ عراق میں تھے تو انگریز کی حکومت کا ستیاناس کیا ۔ امرت سر گئے تو اخبار کے ساتھ احرار کو بھی نذر دیں سے آئے ۔ زمیندار میں چند دن قیام فرمایا تو اس کی بنیادیں ہلا دیں ۔ اور تریاق کے لئے تو سم قاتل ثابت ہوئے ۔ ساتھ ہی کانگریس کے لئے بھی ! ــــ ان کی یہاں بہت ضرورت ہے ۔ یورپ نے بہت سر اٹھا رکھا ہے ۔ تحقیقات کیجئے قبلہ کبھی یمن میں قیام فرما تو نہیں رہے ؟ مجھے تو یقین سا ہونے لگا ہے ۔

حسرت صاحب قبلہ پر سوءِ ظن کے لئے ان سے معذرت خواہ ہوں اور ہو چکا ہوں ۔ یہیں سے کسی نے لکھا تھا ۔ میں نے نقل کفر کر دیا ۔ گنہگار ہوں ۔ افسوس حسرت کی والدہ فوت ہو گئیں ۔ بے چارہ بے خانماں ہو گیا ۔ خدا اسے تسکین قلب عطا فرمائے ۔ بہت حساس آدمی واقع ہوا ہے !۔

کام اچھا ہو رہا ہے ۔ پچھلی ٹرم اور اس ٹرم کے مقطع میں ایک مضمون لکھ کر "بزم فروغ اردو" کے لئے برخوردار محمود نظامی کو بھیج چکا ہوں ۔ "ترکوں کی ادب نوازی" کے متعلق ۔ چند نئی چیزیں ہیں ۔ نظامی کو لکھ رہا ہوں کہ آپ

کو اصلاح کے لئے دکھائیے (میں نے یونہی گھسیٹ کر بھیج دیا ہے اور نقل کرنے والے خدا جانے کیا کر ڈالیں [illegible]
سے لکھتا تو بھی جائے استاد خالصیت) آپ اسے فرق کر کے خود بھی کہہ دیجئے۔ موجودہ ٹرم ۹ر جون کو ختم ہوگی۔ [illegible]
چار مہینے کی چھٹیاں۔ برائے نام چھٹیاں ہیں۔ THESIS بہت وسیع ہے۔ صبح و شام کا کام ہے۔ دعاؤں کا محتاج
ہوں ـــــ فرانسیسی شروع کر رکھی ہے۔ لہجہ درست کرنے کے لئے کچھ وقت فرانس بھی جانا پڑے گا۔ شاید اگلے سال
یہاں سے فرانسیسی کا ایک وظیفہ مل گیا تھا۔ میں نے کہا یہ بھی سہی۔ مگر اب کثرت کار کی وجہ سے پچھتاتا ہوں کہ یونہی [illegible]
بنا مگر زبان ہے بڑی لذیذ! ـــــ اور میرے THESIS میں ممد ہوگی۔
برخوردار رشید کے نتیجے سے مجھے مزید مطلع کیجئے۔ منتظر رہوں گا۔ یہاں سے دعائیں ہی دے سکتا ہوں۔
دیتا رہتا ہوں۔

فارسی غزل تلاش کے باوجود اس وقت نہیں ملتی۔ اردو بھیج چکا ہوں۔ یہ پھر سہی۔
شہر صاحب کو LLYOD BANK کی معرفت خط لکھا تھا۔ بنک والوں نے "لاپتہ" کہہ کر [illegible]
دیا۔ اب دوسرے پتے پر لکھتا ہوں۔ . . . . . .

والسلام
مخلص تاثیر

۱۰ر مئی ۳۵ء

(۱۳)

بنام سالک صاحب

4 St. PETER'S TERRACE CAMBRIDGE.

برادر مکرم السلام علیکم۔ "انقلاب" گاہے گاہے آتا رہتا ہے لیکن پچھلے چند ماہ سے تو [illegible]
وطن سے نامہ بر اکثر خالی ـــــ خدا آپ پر رحم کرے۔ اتنی ابتلائیں اور یوں پے بہ پے۔ اور اس پر [illegible]
کی مشقت" روزنامہ کا اتنا کام۔ بھائی مہر کی علالت سے بوجہ المضاعف ہو گیا ہوگا۔ اچھا [illegible]
دیے جانے۔ مقصد تو اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ چند حالوں سے آپ اپنا تن من بھول کر اپنے [illegible]
کے لئے جو کچھ بھی کر سکتے ہیں کر رہے ہیں۔ اگر اس کی یہی جزا ہے تو اچھا ـــــ دم مارنے کی جا نہیں۔
میں آج کل کام میں غرق ہوں ـــــ THESIS کے آخری ایام ہیں۔ اور پھر اتنی [illegible]
علاوہ اور کیا کر سکتا ہوں۔ اٹلی کے متعلق آپ کا نوٹ پڑھا۔ تو خیال آیا کہ تھوڑا بہت [illegible]
لئے ایک مختصر سا نوٹ بھیج رہا ہوں۔ مناسب سمجھیں تو کہیں درج کر دیں۔ اس میں غیر [illegible]
غیر اختیاری ہے۔ رشید کا امتحان ہو چکا ہوگا۔ نتائج بھی نکل آئے ہیں۔ کیا ہوا۔ رشید یا [illegible]
کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔

THESIS میں شاید ۱۹۳۶ء کی ابتدا میں آؤں۔ دعاؤں کا طالب ہوں۔
شمیم۔ بخاری۔ امتیاز۔ حسرت۔ عباس۔ حفیظ و دیگر احباب کو جو سامنے آئیں [illegible]

بنام سالک صاحب

(۱۴)

7, KERAN BCVLEVFRO, SR NAGAR.

برادر مکرم السلام علیکم

اس کالج میں [illegible] لڑکے لڑکیاں ہیں۔ [illegible] کی طرح صبح سے شام ہوئی شام سے صبح ہوئی۔ دستور کار بنا ہوا ہے۔ آج کل امتحانات ہیں۔ ذرا فرصت ہوئی ہے تو سر کھجلانے کی بجائے خامہ فرسائی کر رہا ہوں۔

مگر موسم اور منظر قیامت در قیامت! --- خزاں نے [illegible] سب بہار پر ہیں۔ چناروں کے آتشیں پتے جھڑ رہے ہیں۔ اور سبز زمین [illegible] ہو رہی ہے [illegible] برفباری ہوئی۔ قتل اور وقت! ---- آج سورج چمک رہا ہے۔ اور چاروں طرف برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑ جگمگا رہے ہیں۔ جھیل کے سیاہ مست درختوں پر برف کی تہیں ڈال کے [illegible] پانی کی طرح لہرا رہی ہیں۔ جیسے زمین کا عکس آسمان پر پڑ رہا ہو۔ اور جھیل پہاڑیوں پر سنہری روپہلی آفتابی جھلکیاں آنکھ مچولی کھیل رہی ہیں۔ [illegible] --- [illegible] تخت سلیمان کی گود میں ہے۔ سامنے ڈل اور افق پر ہری پربت کا قلعہ ہے! ---- کاش آپ کرسمس میں یا بہار میں آسکتے۔ گرمیوں میں تو محض تبدیل آب و ہوا ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں مکانیت کافی ہے۔ [illegible] رہی۔

ہوا کی مستی کا یہ عالم ہے کہ میرے چہرے پر [illegible] دوڑ رہی ہے۔ ....

آپ لوگ بہت بے ہمت ہیں۔ اخبار ہفتے کے لئے بند کیجیے۔ مہر صاحب اور آپ دونوں یہاں آ جائیے اور کشمیر نمبر نکال ڈالیے۔

عزیزم عظیم حسین نے حسرت صاحب کا بندوبست کرنے کا شملہ میں مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ کہتا ہے ایفا کر دیا ہے! ۔ تو پھر حسرت کہاں ہے؟

....

ہم سب کا محبت بھرا سلام۔

۲۱ر نومبر ۱۹۴۱ء

والسلام

مخلص تاثیر

مولانا عبدالسّلام ندوی

(۱)

بنام نواب سید شمس الحسن صاحب

مکرمی السلام علیکم!

جناب نواب صاحب مرحوم کی وفات کا سانحہ ایک ایسا درد انگیز سانحہ ہے جس کے اظہار کے لیے مجھ کو مناسب الفاظ نہیں ملتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کے سر سے ایک بڑے بزرگ کا سایہ اٹھ گیا ہے۔ خداوند تعالیٰ آپ کو اور آپ کے تمام خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کو نواب صاحب مرحوم کا صحیح قائم مقام کرے۔ والسلام

عبدالسّلام اعظم گڑھ ۲۳ نومبر ۱۹۲۲ء

(۲)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ

مکرمی السلام علیکم

آپ کا جو مضمون "تشریح اقبال" کے عنوان سے آثار اقبال میں شائع ہوا اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے "شعرائے فارسی اور علامہ اقبال" کے عنوان سے ایک مضمون اور دوسرا "اقبال کے محبوب فارسی شعراء" کے عنوان سے لکھا ہے، براہ کرم مطلع فرمائیے کہ یہ دونوں مضمون کہاں شائع ہوئے ہیں، اور اگر آپ کے پاس ہوں تو مستعار بھیج دیجئے، اگرچہ آپ سے مجھ کو تعارف حاصل نہیں ہے تاہم علمی اشتراک کی وجہ سے میں نے آپ کو یہ تکلیف دی ہے

والسلام

عبدالسلام ندوی دارالمصنفین اعظم گڈھ ۲۰ ستمبر ۱۹۴۵ء

(۳)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ

مکرمی السلام علیکم

میں ڈاکٹر اقبال پر جو کتاب لکھ رہا ہوں وہ انشاء اللہ دسمبر ۱۹۴۵ء میں ختم ہو جائے گی، اس لئے آپ کے موعودہ مضمون کا شدت سے انتظار ہے

تکلیف دہی کے لئے خواستگار معافی۔ والسلام

عبدالسلام ندوی　دارالمصنفین، اعظم گڑھ۔ ۸ نومبر ۴۵ء

(۴)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ

گرامی۔ السلام علیکم

اس کتاب کا نام "کمل اقبال" ہوگا اور اس نام سے ظاہر ہے کہ میں نے ان کی زندگی، شاعری، فلسفہ، سیاست، وطنیت اور قومیت ہر چیز کے احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ میں جس چیز کو مکمل سمجھ رہا ہوں وہ درحقیقت مکمل ہو، اس لئے اگر آپ اپنے معلومات، خیالات سے مستفید فرمائیں گے تو یہ اور مزید تکمیل کا ذریعہ ہوں گے۔ اور میں آپ کا غایت شکر گذار ہوں گا۔

عبدالسلام ندوی　دارالمصنفین، اعظم گڑھ　۱۰ دسمبر ۱۹۴۵ء

(۵)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ

مکرمی۔ السلام علیکم

مضمون "اقبال کے سیاسی خیالات" پہنچا، اس کا شکریہ قبول فرمائیے، اگر ایڈیٹر معارف نے پسند کیا تو معارف میں بھی شائع ہو جائے گا، اس وقت ایڈیٹر اور سب ایڈیٹر دونوں سفر میں ہیں۔

اگر موجودہ مضمون آپ نہ لکھ سکتے ہوں تو اس کے عنوانات اور بنیادی خیالات مختصر طور پر لکھ دیجئے اور ایک آدھ اشعارات جو آپ کے ذہن میں محفوظ ہوں ان کی توضیح کر دیجئے، میں انکی روشنی میں خود کلام اقبال سے بہت سے نتائج اخذ کروں گا، میں نے اور لوگوں کے مضامین سے بھی اسی قسم کے اہم خیالات لے کر کلام اقبال سے ان کی مزید توضیح کی ہے محمد اقبال صاحب ایم۔ اے اور مولوی عبداللہ صاحب قریشی کا عندیہ اگر آپ لے سکیں اور وہ ان چیزوں کے دینے کے لئے تیار ہوں تو میں ان سے خط و کتابت کروں لیکن میں آپ کو بہت زیادہ زحمت دینا نہیں چاہتا، آپ آسانی کے ساتھ جو مدد دیں گے اس کو شکریہ کے ساتھ قبول کروں گا۔

تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کا اردو ترجمہ بھی میرے پاس نہیں ہے۔ اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ طبع ہوا ہے یا نہیں!

عبدالسلام ندوی　دارالمصنفین، اعظم گڑھ۔ ۲۶ دسمبر ۴۵ء

(۶)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ

مکرمی۔ السلام علیکم

افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو زحمت برداشت کرنی پڑی اور میں اس کے لئے معافی کا خواستگار بھی اس لئے نہیں ہو سکتا، کہ ممکن ہے کہ مجھے اور بھی زحمت دینے کی ضرورت پڑے۔ مولوی عبداللہ قریشی کے پاس جو ذخیرہ معلومات ہے اسکو بھجوا دیجئے، یا مجھے ان کا پتہ لکھ بھیجئے تاکہ میں خود ان کو لکھوں، میں ڈاکٹر صاحب کے متعلق ہر قسم کی رطب و یابس تحریروں کو پڑھتا ہوں اور بعض اوقات مجھے ان سے فائدہ پہنچتا ہے مجھے سید

نذیر نیازی کا پتہ بھی درکار ہے۔ اگر آپ کو معلوم ہو تو مطلع فرمایئے۔

میں نے پروفیسر اقبال کو حسب ارشاد براہ راست خط لکھ دیا ہے۔ دیکھئے کیا جواب ملتا ہے؟ والسلام

عبدالسلام ندوی دارالمصنفین اعظم گڑھ ۳۰ جنوری ۴۷ء

(۷)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ

مکرمی۔ السلام علیکم

گرامی نامہ ملا، عنایات پیغامات کا شکریہ قبول فرمایئے، اور آئندہ زحمتوں کو معاف کیجئے کہ

کرمہائے تو ما را کرد گستاخ

آپ کا مضمون "اقبال اور سیاسیات" مارچ ۴۶ء کے معارف میں دیدیا گیا اور کیا عجیب ہے کہ اقبال کی فارسی شاعری پر جو مضمون آپ خاکسار کو عنایت کرنے والے ہیں وہ بھی زیب وہ صفحات معارف ہو

اس وقت "کمل اقبال" کے مسودہ پر نظر ثانی کر رہا ہوں اور نئی نئی معلومات کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے آپ سے اعانت کی درخواست کرتا ہوں

(۱) ڈاکٹر صاحب کی لوح مزار پر جو عبارت کندہ ہے اس کی نقل درکار ہے۔ اگر آپ اپنے ایک سمجھدار شاگرد کو اس پر متعین کر دیں تو یہ مشکل بآسانی حل ہو جائے گی۔

(۲) ڈاکٹر صاحب کے فرزند جاوید کا سن اس وقت کیا ہے؟ تعلیم کہاں تک حاصل کی ہے؟ ذریعہ معاش کیا ہے؟ صلاحیت و قابلیت کا کیا حال ہے؟ وغیرہ وغیرہ

(۳) ڈاکٹر صاحب کی صاحبزادی منیرہ کی عمر اس وقت کیا ہے؟ تعلیم ہو رہی ہے یا نہیں؟ شادی ہوئی ہے یا نہیں؟ ہوئی ہے تو کس سے؟ وغیرہ وغیرہ

(۴) ڈاکٹر صاحب کے بڑے صاحبزادے آفتاب اقبال کا کیا مشغلہ ہے؟ ڈاکٹر صاحب سے ان کے تعلقات کیوں منقطع ہوئے؟ وغیرہ وغیرہ

اگر ان سوالات کے متعلق آپ معلومات دے سکیں یا دلوا سکیں تو میں بہت شکرگزار ہوں گا۔ والسلام

عبدالسلام ندوی دارالمصنفین شبلی منزل اعظم گڑھ۔ ۸ فروری ۱۹۴۶ء

(۸)

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ

مکرمی۔ السلام علیکم

مضمون "اقبال کے محبوب فارسی شاعر" پہنچا، اس کا بہت بہت شکریہ لیکن اور معلومات سے محروم رہا، بالخصوص ڈاکٹر صاحب کے لوح مزار کا کتبہ اور اگر تکلیف نہ ہو تو مقبرہ کے کچھ حالات، میں نے اخبارات میں پڑھا تھا کہ حکومت افغانستان پچاس ہزار کے صرف سے مقبرہ بنوانے والی ہے پھر معلوم نہیں کہ اس سلسلے میں کیا ہوا؟

ڈاکٹر اقبال نے میرے خط کا جواب نہیں دیا، میں نے اورینٹل کالج کے پتہ سے خط بھیجا تھا کہیں پتہ غلط تو نہیں تھا؟

چراغ حسن حسرت

بنام عبدالمجید سالک

(۱)

برادر مکرم۔

السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا۔ میں آپ کا خط آنے سے پہلے ہی طے کر چکا تھا۔ کہ اخبار نکالنے کی کوشش کرنا بے سود ہے۔ وزارت امور کشمیر سے بھی میں نے نامہ و پیام ترک کر دیا تھا۔ بلکہ گورمانی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ تو ان سے صاف صاف کہہ دیا تھا۔ کہ مجھے ریڈیو میں ملازمت مل گئی ہے۔ اس لئے میرے لئے کوئی دوسری ملازمت قبول کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ یہ سب کچھ میں نے اس مفروضہ کی بنا پر کیا تھا۔ کہ ن۔ م۔ راشد اور آغا بشیر کی زبانی مجھے جو اطلاع ملی ہے۔ وہ بالکل صحیح ہے۔ اور آغا بشیر صاحب کو تو اصرار تھا۔ کہ فوراً کراچی چلے جاؤ۔ چنانچہ میں نے ٹیلیفون اٹھوا دیا۔ فالتو سامان ٹھکانے لگایا۔ بال بچے کو ایبٹ آباد بھیجوانے کا بندوبست کیا۔ سامان کا ایک حصہ اپنے ایک عزیز کے ہاں بھجوا دیا۔ اور اب چلنے کی تیاریاں کر ہی رہا تھا۔ کہ دفعتہً اطلاع ملی۔ کہ وہ پندرہ سو دفتری کارروائی کے شکنجے میں آکر بارہ سو رہ گئے۔

تعجب ہے۔ کہ اگر ریڈیو والوں کے لئے مجھے پندرہ سو روپے تنخواہ دینا ناممکن تھا۔ تو آغا بشیر کی زبانی مجھے یہ پیغام کیوں بھجوایا گیا کہ "پندرہ سو منظور ہیں۔ فوراً کراچی روانہ ہو جاؤ"۔ ظاہر ہے کہ ریڈیو کی ملازمت کوئی مستقل ملازمت نہیں۔ کنٹریکٹ کی نوکری ہے۔ جس کے لئے غالباً مہینہ بھر کا نوٹس دینا بھی ضروری نہیں۔ جب سٹیشن ڈائرکٹر صاحب مناسب سمجھیں گے۔ ملازمت ختم کر دیں گے۔ پروگرام اسسٹنٹ بھی اپنے آپ کو میرا افسر سمجھیں گے۔ اور معمولی معمولی باتوں میں دخل دیں گے۔ اس کے علاوہ بارہ سو روپے لاہور میں تو معقول رقم ہے۔ لیکن کراچی میں میرا اپنا خرچ ہزار روپے کے قریب ہو گا۔ انکم ٹیکس دفع کرنے کے بعد سو سوا سو روپے باقی رہ جائیں گے۔ جو میرے اہل و عیال کے مصارف کے لئے ناکافی ہیں۔ اس قصے میں سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ ریڈیو والے وعدہ کر کے پھر گئے اس وعدہ شکنی نے ایسا افسردہ خاطر کر دیا ہے۔ کہ جی چاہتا ہے۔ کوئی ملازمت قبول ہی نہ کروں۔ بلکہ لاہور چھوڑ کے کسی دور افتادہ گاؤں میں جا بیٹھوں۔

ذوالفقار صاحب سے پوچھئے۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ پندرہ سو کے چودہ سو ہو جاتے۔ تو بڑی بات نہیں تھی۔ لیکن یہاں تو پورے تین سو روپے ۔۔ ۔۔۔۔ تخفیف میں آگئے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ قدرت کو میرا کراچی آنا منظور نہیں۔

تاریخ اسلام تیشیرل کے بعد فروخت ہوگی۔ شہرت کی رائلٹی آپ کو مل چکی ہوگی۔ تاریخ اسلام میں زیادہ سے زیادہ اس سے دو گنے روپے مل جائیں گے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ پرائمری کی کتابوں خصوصاً پہلی اور دوسری سے دو چار ہزار روپے اور ہاتھ آجائیں۔

ریڈیو کی ملازمت کے سلسلے میں آپ کو کوئی مزید اطلاع ملے۔ تو مجھے جلد خط لکھئے۔ تاکہ میں یکسو ہو کے اپنے لئے کوئی مشغلہ تجویز کر سکوں۔ کرنل مجید ملک صاحب۔ مجید لاہوری صاحب اور دوسرے احباب کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دیجئے۔

لاہور ۴ر اگست ۱۹۵۱ء　　　　نیازمند حسرت

---

(۲)

<u>بنام عبدالمجید سالک</u>

برادر مکرم۔ السلام علیکم

آپ کا خط ملا۔ آج ذوالفقار صاحب کا خط بھی آیا ہے۔ مضمون وہی ہے۔ کہ بارہ سو سے زیادہ ممکن نہیں۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ کہ اس تنخواہ کے ساتھ کچھ الاؤنس بھی ہوگا۔ کیونکہ یہ پکی سرکاری ملازمت نہیں۔ کنٹریکٹ کی نوکری ہے۔ جس کے ساتھ الاؤنس نہیں ہوتا۔ میرا عہدہ سٹاف آرٹسٹ کا ہوگا۔ گویا عہدہ کے لحاظ سے مجھ میں اور طفیلیہ جان میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ اس سے تو اچھا تھا۔ کہ مجید ملک صاحب نے جو ملازمت پیش کی تھی۔ اُسے قبول کر لیتا۔ ہزار روپے کے ساتھ سو سوا سو روپے الاؤنس کے مل جاتے۔ کام تھوڑا کرنا ہوتا۔ کیونکہ ریڈیو کے لئے ہر روز پروگرام بنانا روزانہ اخبار مرتب کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ بہرحال میں پانچ چھ دن میں یہاں کے چند قضیے نمٹا کے کراچی آتا ہوں (انشاءاللہ تعالےٰ)۔

سنا ہے۔ کہ مانی کو بارہ چودہ سو کی مستقل سرکاری ملازمت مل رہی ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوا۔ کہ یہ ملازمت سندھ گورنمنٹ کی ہوگی۔ یا پاکستان کی مرکزی حکومت کی۔ حبیب نے ؟ آفاق کا رپورٹ ہے کراچی سے ٹیلیفون کیا ہے۔ کہ سندھ گورنمنٹ اُنہیں ڈائرکٹر پبلک ریلیشنز کا عہدہ دینے پر آمادہ ہے۔ تاہم وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ سندھ گورنمنٹ میں جا رہے ہیں۔ یا مجید ملک صاحب کے محکمے میں۔ مجھے کراچی آنے اور ریڈیو کی ملازمت قبول کرنے میں اس لئے بھی تامل ہے۔ کہ یہ صورت پیش آئی۔ تو لوگ کیا کہیں گے۔ میں تو نقصان ہمسایہ سے زیادہ شماتت ہمسایہ سے ڈرتا ہوں۔ اتنا ہنگامہ بھی کیا۔ اور پھر بھی پھسڈی ہی رہے۔ زیادہ تنخواہ مل جاتی۔ تو کم از کم لوگوں کے طعنے تو نہ سننے پڑتے۔ بہرحال یہ بات اپنے تک ہی رکھیئے۔ اور کرمانی وغیرہ سے ذکر نہ کیجئے۔ میں انشاءاللہ پانچ چھ دن میں یہاں سے چل پڑوں گا۔ اور چلنے سے پہلے آپ کو تار دے دوں گا۔ تاکہ آپ میرے لئے نگار ہوٹل ہی میں کمرے کا انتظام کر دیں۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ میں ریڈیو کی ملازمت ضرور قبول کروں گا اگر کوئی اور صورت نکل آئی تو بہتر۔ ورنہ مجبوراً ریڈیو کی

ملازمت قبول کرنی پڑے گی۔ اور اس بات کا بھی امکان ہے۔ کہ میں کچھ روز کراچی رہ کے واپس چلا آؤں اور لاہور میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پالوں۔ کیونکہ؎

بہ ست آہک نفتہ کردن خمیر　　　بہ از دست بر سینہ پیش امیر

گورمانی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ کہتے تھے۔ میں نے تمہارے لئے ہزار روپے ماہانہ کی ملازمت تجویز کی ہے تمہیں لاہور ہی میں رہنا ہو گا۔ کاغذات فنانس والوں کے پاس ہیں۔ امید ہے چند دنوں میں منظوری آ جائے گی۔ لیکن معلوم نہیں یہ فنانس والوں کا مرحلہ مہینوں میں طے ہوتا ہے یا برسوں میں۔

اکثر لوگ اخبار نکالنے کے لئے اصرار کر رہے ہیں۔ پچاس ساٹھ ہزار روپے کا انتظام تو مزید ہو جائے گا۔ کیونکہ روپیہ لگانے والوں میں زیادہ تر پبلشر ہیں۔ جن کے پاس روپے کی کمی نہیں۔ عارف صاحب کاغان سے آ گئے۔ حنیف صاحب کراچی سے آج یا کل واپس آ جائیں گے۔ تھوڑی سی دوڑ دھوپ کی جائے۔ تو لاکھ روپیہ کا انتظام بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اشرف۔ نیاز۔ حنیف۔ عارف۔ حمید وغیرہ کے لئے لاکھ روپے فراہم کرنا کچھ ایسا مشکل نہیں۔ باایں ہمہ میرا جی اخبار پر نہیں جمتا۔ سب احباب خصوصاً عبید ملک صاحب۔ مجید لاہوری اور حفیظ ہوشیارپوری کو سلام کہہ دیجئے۔ ذوالفقار صاحب سے کہہ دیجئے کہ خط مل گیا۔ از روئے انتقال امر کراچی آ رہا ہوں۔ باقی باتیں بالمشافہ ہوں گی۔

لاہور ۱۰ اگست ۵۱ء　　　　　　نیازمند حسرت

(۳)

<u>بنام عبدالمجید سالک</u>

مکرمی۔ السلام علیکم

آپ کو شکایت ہو گی۔ کہ میں نے خط نہیں لکھا۔ لیکن آپ ایسے بزرگوار چند سطریں لکھنے کی زحمت گوارا نہ کریں تو مجھ سے جس کی کوتاہ قلمی مسلّم ہے۔ کیا شکایت ہو سکتی ہے؟

مجھے کراچی سخت ناپسند ہے۔ یہاں کی آب و ہوا بہت بری ہے۔ پھر میرے سپرد جو کام کیا گیا ہے۔ وہ بھی مجھے پسند نہیں۔ متعلقہ لوگوں کا انداز سخت غیر ہمدردانہ ہے۔ اب سوچتا ہوں۔ کہ کراچی کیوں آیا؟ اور یہ حماقت کر بیٹھا تھا۔ تو واپس کیوں نہ چلا گیا؟ میں نے زندگی میں بڑی بڑی حماقتیں کی ہیں۔ لیکن یہ حماقت ایسی ہوئی ہے جس کی مجھے خود بھی اپنے آپ سے توقع نہیں تھی۔

گورمانی صاحب سے ایک دو مرتبہ ملاقات ہوئی۔ کچھ لکھ کے دکھایا بھی۔ لیکن یہ نہ کھلا۔ کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ اصل میں جہاں تک وزارت امور کشمیر کا تعلق ہے۔ سارا معاملہ ہی غت ربود نظر آتا ہے۔ اور یہاں کا قصہ یہ ہے۔ کہ عجیب لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔ بدقسمتی سے مجھے درباداری کے ڈھنگ نہیں آتے۔ اپنے کام سے سروکار رکھتا ہوں اور مستعدی سے کام کرتا ہوں۔ لیکن یہاں درباداری مقدم ہے پھر جو لوگ اس معاملہ میں "ہمہ" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ بھی "بے ہمہ" ہیں۔ کام سے رغبت نہیں۔ مطالعہ کرنے اور اپنی معلومات بڑھانے

کو بڑی گھٹیا سی بات سمجھتے ہیں۔ بال بچہ آگیا۔ ایک کمرے میں جو نگار ہوٹل والے کمرے سے کچھ ہی بڑا ہے رہتا ہوں۔ ایک آدمی کا کھانا میس سے آتا ہے۔ باقی کا گھر میں پکتا ہے۔ ایک کمرے اور ایک آدمی کے کھانے کا خرچ پونے تین سو روپے ہے۔ اس سے باقی اخراجات کا اندازہ کر لیجیے۔

انقلاب کے فائلوں کے لئے میں نے فقیر محمد کو لکھا تھا۔ اس نے اگر نہ پہنچائے ہوں، تو خورشید صاحب سے کہئے۔ کہ وہ "امروز" کے دفتر میں فقیر محمد فوزی کو پوچھ لیں۔ میں آج اسے پھر خط لکھتا ہوں۔

اپنے محمدی پریس والوں نے تاریخ اسلام کی رائلٹی ادا کر دی یا نہیں؟ حاجی محمد یہاں ہے۔ اس سے رجوع کیا۔ تو اس نے ٹال دیا۔ اگر آپ رائلٹی وصول کر چکے ہوں تو اُن سے کہہ کے مجھے بھی بھجوا دیجئے۔ قومی کتب خانے والے نہ جانے کب رائلٹی ادا کر سکیں گے۔ مجید لاہوری سے کبھی کبھار ملاقات ہو جاتی ہے۔ لیکن گوشہ گیری ہی اچھی ہے۔ کچھ دنوں میں میرا یہ حال ہو جائے گا۔ کہ "زبان بریدہ بکنجے نشستہ صم بکم"۔ مجید سے آخر میرے وہ معاملات تو نہیں جو آپ کے ہیں۔

امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

۱۰ر نومبر ۱۹۵۰ء　　نیازمند حسرت

---

(۴)

بنام محمد ایوب اولیا

مکرمی! السلام علیکم　　(لاہور)

آپ کی رائے صحیح ہے۔ جدول بفتح اول ہی درست ہے۔ تنزیل میں جدول کی بجائے جدول اور جدول کی بجائے جدول لکھا گیا ہے۔ میں مدت سے عارضہ قلب میں مبتلا ہوں اس لئے گھر سے بہت کم باہر نکلتا ہوں جو کچھ لکھتا ہوں اس میں کچھ میری غلطیاں ہوتی ہیں کچھ کتابت کی۔ کاپیاں اور پروف خود نہیں پڑھتا۔ اس لئے اکثر غلطیاں جوں کی توں رہتی ہیں۔

آپ نے اپنے اعتراض کو جسارت سے کیوں تعبیر کیا۔ میں شاعر ہوں نہ ادیب۔ معاش کا کوئی ذریعہ ہاتھ نہ آیا تو اخبار نویسی کی جانب جھک پڑا۔ چنانچہ تیس بتیس برس سے استخوان بندی کر رہا ہوں۔ علم و فضل کا دعوے نہیں۔ دوسروں سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اور اس زمانے میں بھی کہ زندگی کے دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ بہت کچھ سیکھ رہا ہوں۔

جواب دینے میں اس لئے تاخیر ہوئی کہ میں ہسپتال میں تھا۔

۵ر مئی ۵۵ء　　نیازمند حسرت

اختر جوناگڑھی

(۱)

بنام مالک رام

مکرم و محترم!

آداب۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحق صاحب قبلہ کے نام آپ کا گرامی نامہ مع مضمون مل گیا تھا۔ حضرت موصوف آپ کی تکلیف فرمائی کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی آپ اپنی فرصت کے اوقات میں کبھی کبھی علمی و ادبی مضامین ارسال فرماتے رہیں گے۔

غالباً جناب کو معلوم نہ ہوگا کہ "مکالماتِ افلاطون" کے نام سے ایک مستقل کتاب انجمن نے ترجمہ کرا کر شائع کر دی ہے جس میں سقراط اور یوتھی فرو کا مکالمہ بھی شامل ہے۔ اس صورت میں آپ کا مضمون رسالہ اردو میں شائع نہیں ہو سکے گا جس کا ہمیں بے حد افسوس ہے۔ آپ نے خاص تکلیف گوارا کر کے اردو کے لئے یہ مضمون تحریر فرمایا ہے اور ہر اعتبار سے بہت خوب ہے اور اگر یہ مضمون پہلے ہی ترجمہ ہو کر انجمن کی طرف سے شائع نہ ہو چکا ہوتا تو وہ اس قابل تھا کہ اسے رسالۂ اردو میں خاص جگہ دی جائے۔

آپ کا مضمون آپ چاہیں تو آپ کو واپس کیا جائے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص: قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی نائب معتمد انجمن ترقی اردو پاکستان

کراچی ۶ دسمبر ۱۹۴۹ء

(۲)

بنام مالک رام

شفیق محترم!

آداب و تسلیمات۔ کرم نامہ مورخہ ۱۱ دسمبر پہنچا، شکریہ۔ مکالماتِ افلاطون کے آٹھ مقالوں کا ترجمہ ڈاکٹر عابد حسین صاحب (جامعہ ملیہ) نے کیا ہے جس کو انجمن نے مکالماتِ افلاطون کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ وہ آٹھ مقالے یہ ہیں ا) لاتیس۔

(۴) یوتھافی فرو (۳) صفائی کا بیان (۴) اکرشیدو (۵) پروٹاگورس (۶) فیڈو (۷) فیڈرس (۸) بزم طرب -
اس کتاب کے نسخے انجمن کے پاس نہیں ہے۔ صرف ایک نسخہ اس کے کتب خانے میں ہے۔ اگر کہیں سے مل گیا تو لے کر بھیج دوں گا۔ غالباً "صفائی کا بیان" وہی ہے جس کو آپ نے "عذر داری" کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔
آپ کا ترجمہ مضمون بذریعہ رجسٹری علیحدہ ارسال خدمت ہے۔ رسید سے مطلع فرمائیں۔
جناب ڈاکٹر عبدالحق صاحب آپ کو سلام کہتے ہیں۔
مخلص: قاضی احمد میاں اختر کراچی ۲۰ر دسمبر ۱۹۴۹ء

---

(۲)

بنام مالک رام

شفیق مکرم!

آداب و تسلیمات۔ کرم نامہ مورخہ ۱۵ر جنوری پہنچا۔ ممنون و مسرور فرمایا۔ مولوی صاحب قبلہ کو اور مجھے بھی افسوس ہے کہ مکالمات افلاطون کے ترجمہ پر آپ کی محنت رائگاں گئی۔

اگر آپ کوئی مستقل کام کرنا چاہتے ہیں جس سے اردو کی خدمت بھی ہو سکے اور کام بھی پائیدار قسم کا ہو تو میں اس کے متعلق مولوی صاحب قبلہ سے مشورہ کر کے بعد میں مفصل عرض کروں گا۔ میں نے غالب پر آپ کا مضمون علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر میں پڑھا۔ واقعی بڑے اچھوتے انداز میں لکھا ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ آپ تاریخ ادب اردو کے سلسلہ میں کوئی مفصل مقالہ یا کتاب تحریر فرمائیں۔ مثلاً گذشتہ سو سال کا اردو ادب، اردو کے مشہور ہندو ادیب، نثر اردو کی تاریخ۔ ان موضوعات پر آپ سے بہتر کون لکھ سکتا ہے۔ آپ کی معلومات وسیع ہیں اور قلم میں روانی ہے۔ کم از کم اردو ادب کی تنقید پر کچھ تحریر فرمائیں کہ آجکل تنقیدی لٹریچر میں ناتجربہ کاری کے علاوہ بے راہ روی پائی جاتی ہے۔

رسالہ اردو کا جنوری نمبر ارسال خدمت کیا گیا ہے۔ رسید سے مطلع فرمائیں۔ انجمن کی مطبوعات اکثر گلاب سنگھ کی تحویل میں ہیں۔ کچھ کتابیں یہاں بھی مل جاتی ہیں۔

اپنے لئے آپ کو ایک تکلیف دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ آپ براہ کرم مصر کے بڑے بڑے تاجران کتب کی فہرستیں ارسال فرما دیں یا ان سے کہہ دیں وہ براہ راست بھیج دیں گے۔ عیسیٰ البابی اور مصطفیٰ البابی الحلبی کے علاوہ الیان سرکیس وغیرہ کتب فروش قاہرہ کے شارع الصحالہ پر ہیں۔

ہاشمی صاحب لاہور میں ہیں اور آجکل انجمن کے لئے تاریخ ہند لکھ رہے ہیں۔

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

مخلص: قاضی احمد میاں اختر

۲۳ر جنوری ۱۹۵۰ء

(۴)

بنام مالک رام

شفیق محترم!

تسلیم۔ کرم نامہ پہنچا۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔ مطلوبہ کتابیں روانہ کی گئی ہیں۔ رسید سے مطلع فرمائیں۔ انجمن کی دیگر مطبوعات شاید گلاب سنگھ کے ہاں سے مل جائیں ورنہ آپ انجمن ترقی اردو علی گڑھ کو لکھیں۔ ممکن ہے وہاں سے مل جائیں۔

وہاں بیٹھ کر آپ لکھنا چاہیں تو میرے خیال میں آپ اردو کے معاصر ادیبوں پر الگ الگ یا مجموعی حیثیت سے لکھ سکتے ہیں۔ جدید اردو ادب یا گذشتہ سو سال کے اردو ادب پر آپ تحریر فرمائیں تو آپ کو اپنے حافظے سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ آپ کے قلم سے ایک سرسری جائزہ بھی بہت قابلِ قدر ہوگا۔ رسالۂ اردو کے لئے یہ ایک اچھا تحفہ ہو سکتا ہے۔

مولانا خیریت سے ہیں اور سلام کہتے ہیں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

عربی فہرستیں اب تک نہیں چھپیں۔ آپ نے غالباً عربی سیکھ لی ہوگی۔ مجھے ایک عربی ناول کی ضرورت ہے۔ اس کا نام حسب ذیل ہے: الشیخ سیّد عبیط و اقاصیص أخریٰ از محمود تیمور پاشا۔

براہ کرم اس کو تلاش کرا کر ضرور ارسال فرمائیں۔ بہت ممنون ہوں گا۔ پہلے یہ کتاب علی گڑھ میں نصابِ عربی میں داخل تھی۔

خدمات لائقہ سے یاد فرمائیں۔

مخلص: قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی۔ کراچی ۲۲ فروری سنہ ۱۹۵۰ء

(۵)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

عزیز مکرم!

السلام علیکم۔ مؤدت نامہ مورخہ ۱۷ فروری آج صبح کی ڈاک سے پہنچا۔ حسن کا شکریہ قبول فرمائیے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں غالب نمبر کی رسید نہیں دے سکا۔ یہ نمبر گذشتہ ماہ آیا۔ اس کے دو روز بعد غالباً بذریعہ پارسل بی لے گئے اور یہ شیخ محمد اکرام صاحب کے پاس پہنچا۔ ان کے پاس سے ایک اور دوست لے گئے۔ خدا خدا کر کے چند روز ہوئے واپس آیا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ اردو میں اس پر تبصرہ کر دیا جائے گا۔ غالباً اب تک اردو کے اسم سخنورِ اعظم پر جتنے خاص نمبر نکل چکے ہیں ان سب میں آپ کا ترتیب دیا نمبر سب سے بہتر نکلا ہے۔ حیات و کلام غالب۔ ایک مستقل کتاب کا حکم رکھتا ہے۔ مولانا نے بھی اسے بہت پسند فرمایا ہے۔

رسالۂ اردو آپ کو بھیجا جاتا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ڈاک والوں نے اڑا لیا۔ میں نے آج ہی دفتر کو ہدایت کر دی ہے کہ اس کے تینوں نمبر آپ کو بذریعہ رجسٹری آپ کے ذاتی پتے پر بھیج دیئے جائیں۔ رسید سے مطلع فرمائیں۔

اردو کے اپریل نمبر میں سرسید مرحوم کی آثار الصنادید کا چوتھا باب یعنی اہل دہلی کتابی صورت میں شائع ہوگا اس

نمبر میں مولانا کا ایک مفصل مقالہ سر سید پر نکل رہا ہے۔ یہ مقالہ ان کی تصنیف چند معصر میں بھی شائع ہوگا۔ کتاب کا دوسرا ایڈیشن پریس میں جا چکا ہے۔

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ علامہ نیں صاحب کو میری طرف سے سلام عرض کریں۔ کئی روز ہوئے ان کا کرم نامہ ملا تھا جس کا جواب اب تک نہیں دے سکا۔ آج کل ان کو لکھوں گا۔

مخلص : اختر جوناگڈھی۔ انجمن ترقی اردو ہسپتال روڈ کراچی ۲۲ فروری ۱۹۵۰ء

(۶)

مکرمی !

السلام علیکم۔ آپ کے مکتوب گرامی مورخہ ۹ اپریل کے جواب میں گزارش ہے کہ اس وقت انجمن کے پاس ایک درجن سے زائد مسودے طباعت کے لئے پڑے ہوئے ہیں اور کوئی چھ سات کتابیں زیر طبع ہیں۔ ایسی صورت میں آپ کی مرسلہ کتابوں یادگار غالب اور حیات حالی کی طبع ثانی کا انتظام کرنا مشکل ہے۔ اگر ان کتابوں کو انجمن کی آئندہ مطبوعات کے سلسلہ میں رکھا جائے تو کم از کم تین سال تک تو ان کی طباعت کا انجام پانا مشکل ہے۔ اس وقت زیر طبع کتابوں کا پروگرام ۱۹۵۳ء تک بن چکا ہے۔ لہٰذا اگر پسند فرمائیں تو آپ کی مرسلہ کتابیں اس کے بعد رکھی جا سکتی ہیں یا پھر یہ کہ وہ آپ کو واپس کر دی جائیں۔

تذکرۂ حالی کے متعلق مولوی صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں آپ کے کئی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ لہٰذا آپ اپنے طور پر اس میں مناسب ترمیم و اضافہ فرما دیں۔ اس کے بعد اس کی طبع و اشاعت کے مسئلہ پر غور کیا جائے گا۔

قاضی احمد میاں اختر : نائب معتمد انجمن ترقی اردو۔ ۱۸ اپریل ۱۹۵۰ء

(۷)

بنام مالک رام

شفیق مکرم و محترم زاد کرمہ !

تسلیم۔ کرم نامہ ۲ اگست پہنچا۔ اس سے پیشتر آپ کا نوازش نامہ پہنچا تھا جس کے جواب میں تاخیر کا سبب میری اور بچوں کی علالت ہے۔ پندرہ روز ہوئے کہ میں نے آپ کے اس خط کا جواب لکھا اور نہ معلوم کہاں رکھ دیا اور یہ خیال رہا کہ میں آپ کو جواب لکھ چکا ہوں لیکن بعد میں وہ جواب مل گیا تو معلوم ہوا کہ وہ ڈاک میں نہیں ڈالا گیا۔ بہرحال تاخیر جواب کی عذرخواہی کے ساتھ اس بات کا بھی یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے آپ کے خط کا جواب دینے میں دانستہ تساہل سے کام نہیں لیا۔

عرصہ ہوا کہ آپ کی مطلوبہ کتابیں ہمارے سول ایجنٹ کی طرف سے آپ کو مصر بھیجی گئی تھیں لیکن تعجب ہے کہ وہ اب تک آپ کو نہیں ملیں۔

رسالہ اردو بابت اپریل بھی آپ کو مصر کے پتہ سے گیا تھا وہ نہیں ملا۔ اس لئے اب اپریل اور جولائی کے دو پرچے ارسال خدمت ہیں۔ آپ کا تبدیل شدہ پتہ دفتر میں لکھوا دیا ہے۔

مولوی صاحب قبلہ تبدیلِ آب و ہوا کی غرض سے کوئٹہ تشریف لے گئے ہیں۔

آپ نے حمورابی کے قوانین پر کچھ لکھا ہو تو ضرور بھیجئے۔ ہم جنوری ۱۹۵۸ء سے رسالہ تاریخ جاری کر رہے ہیں۔ اس میں تاریخ اور آئین اور قانون پر مضامین شائع کئے جائیں گے۔

براہِ کرم بغداد کے کتب فروشوں کی فہرستیں بھیج کر ممنون فرمائیں۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

مخلص: قاضی احمد میاں اختر کراچی ۹ اگست ۱۹۵۷ء

---

(۸)

بنام مالک رام

شفیق مکرم!

تسلیم نیاز۔ کرم نامہ مورخہ ۱۱ رجون (از بغداد) کا جواب ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ ایجنٹ نے غلط اطلاع دی تھی کہ انہوں نے کتابیں مصر کے پتے پر بھیج دی ہیں۔ خود مالک مکتبہ سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کے تحریر فرمانے پر وہ کتابیں نہیں بھیجی گئیں کیونکہ آپ نے بعد میں ہدایات بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اب چونکہ آپ نے تحریر فرمایا ہے اس لئے میں نے مکتبہ والوں سے کہہ دیا ہے کہ وہ کتابیں آپ کو بغداد کے پتہ پر روانہ کر دیں۔ انجمن کی طرف سے چند اور کتابیں شائع ہو رہی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ داستانِ طبیعیات از نصیر الدین عثمانی۔

۲۔ مقدمہ سائنس (ترجمہ از سارٹن)، ترجمہ سید نذیر نیازی۔

۳۔ نوادر الالفاظ (اردو، فارسی لغت) از سراج الدین علی خاں آرزو

۴۔ عربی، اردو لغت مرتبہ مولوی محمود سورتی

رسالہ اُردو بابت جولائی آپ کو بھیجا گیا ہے۔ اس کے ساتھ اپریل کا پرچہ بھی روانہ کیا گیا ہے۔ رسید سے مطلع فرمائیں۔ آپ کا نیا پتہ دفتر میں نوٹ کروا دیا ہے۔

حمورابی کے قوانین کے متعلق اگر تحریر فرمائیں تو رسالہ تاریخ کے لئے بھیج دیں جو یکم جنوری ۱۹۵۸ء سے شائع ہونے والا ہے۔ میں نے ایک کتاب کے متعلق آپ کو لکھا تھا جو نہیں مل سکی۔ مجھے صرف اس کے مقدمہ کی ضرورت تھی جس میں مصنف نے عربی کے افسانوی ادب کا جائزہ لیا۔ اگر آپ کو وہاں کوئی ایسی کتاب مل سکے جس میں عربی کے افسانوی ادب کے متعلق معلومات درج ہوں تو ضرور ارسال فرمائیں۔ بغداد کے کتب فروشوں سے فہرستیں بھجوانے کے متعلق پہلے عرض کر چکا ہوں۔

امید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔ خدمات سے یاد فرماتے رہیں۔

مولانا اس وقت کوئٹہ تبدیلِ آب و ہوا کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔

مخلص قاضی احمد میاں اختر۔ کراچی ۲۳ راگست ۱۹۵۷ء

---

(۹)

بنام مالک رام

شفیق مکرم!

کرم نامہ مورخہ ۱۱ رمارچ دستیاب ہو کر باعثِ مسرت ہوا۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ اس طویل عرصہ میں اپنی پریشانیوں اور مصروفیتوں کی وجہ سے نہیں لکھ سکا جس کی وجہ سے آپ کو مجھ پر ناراضگی کا شبہ ہو گیا۔ استغفراللہ آپ ایسے کرم فرماؤں سے بلا وجہ ناراض ہونا میرے نزدیک کفر ہے۔ آپ اس قدر یاد فرماتے ہیں اور میں جواب تک نہیں لکھ سکا۔ اس کے لیے بہت شرمندہ اور محجوب ہوں۔ برائے خدا آپ اپنے دل سے یہ شبہ نکال دیجئے اور مجھے پہلے کی طرح اپنا ہی خواہ اور مخلص تصور فرمائیے۔

رسالہ تاریخ چھپ گیا ہے اور عنقریب حاضرِ خدمت ہوگا۔ آپ کے مضمون محمود رابی کی شریعت کا انتظار رہا۔ فوائد اطلاعات چھپ گئی ہے۔ اس کا مقدمہ چھپ رہا ہے وہ تیار ہو جائے تو آپ کو بھجواؤں۔

دیوانِ سخن کے آخر میں محمد خلیل ناتیِ مونگیری کا کوئی قطعۂ تاریخ موجود نہیں ہے۔ میں نے اسے بار بار دیکھا لیکن اس میں موجود نہیں ہے۔ سروشِ سخن میں بھی دیکھا۔ اس میں بھی نہیں۔ اگر آپ اس کا کوئی حوالہ دے سکیں تو میں تلاش کروں۔

میں بہمہ وجوہ خیریت سے ہوں امید کہ مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوگا۔ خدمات لائقہ سے یاد فرماتے رہیں۔

آپ کا مخلص: اختر جوناگڑھی۔ کراچی، ۲ رمارچ ۱۹۵۱ء

(۱۰)

بنام مالک رام

شفیق محترم! سلام و رحمت

آخری نوازش نامہ مورخہ ۷ راپریل بغداد سے چل کر یہاں ۱۴ رکو مل گیا تھا۔ اردو کانفرنس کی مصروفیتوں میں اس کا جواب نہیں لکھ سکا۔ ۶ رجون کو میرے عزیز دوست سید حسام الدین راشدی مصر اور لندن کی سیاحت سے واپس آ گئے۔ ان کی زبانی آپ کا پیغامِ محبت پہنچا۔ وہ آپ سے مل کر جس قدر خوش ہوئے اس سے زیادہ آپ کے متعلق ان سے بہت کچھ سن کر مجھے دلی مسرت ہوئی۔ خدا کرے کسی دن آپ سے روبرو ملنا نصیب ہو۔ آپ ایسے محبت کرنے والے لوگ اب کہاں ملتے ہیں ؎

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ　　　افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

سوائے اس دعا کے اور کیا عرض کروں کہ:

زندہ باشی و شادماں باشی

ذکرِ غالب طبع جدید مل گیا۔ خوب چیز ہے۔ آپ نے اردو ادب میں ایک نئی طرح ڈالی ہے جو اس کی تاریخ میں یادگار رہے گی۔ افسوس ہے کہ ہم نے اپنے بہترین اہلِ قلم اور ان کی دماغی صلاحیتوں کو نہیں پہچانا اور نہ ان کی داد دی۔ بہرحال میں اپنی طرف سے آپ کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔ قبول فرمائیے۔ ذرا فرصت ملے تو ایک آدھ تبصرہ بھی لکھوں گا۔ آپ کے قلم سے اُردو ادب کی بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ آپ کو کردار نگاری میں کافی مہارت ہے۔ کیوں نہ آپ اردو کے مشہور ادیبوں پر ایک کتاب لکھ دیں۔

کم از کم ایک سلسلۂ مضامین کی توقع بے جا نہ ہوگی۔ حمور آبی کی شریعت پر آپ نے اب تک کافی لکھ لیا ہے۔ اگر بھیج دیں تو سلطان تاریخ میں شائع کیا جائے۔

رسالۂ تاریخ اُردو ٹائپ میں چھپا۔ چونکہ پروف دوسروں نے دیکھے اس لئے کافی غلطیاں رہ گئیں۔ چھاپنے والے بھی بالکل ناتجربہ کار اور نئے تھے۔ اب انجمن نے اپنا پریس قائم کر لیا ہے۔ اس میں چھپا ہوا دوسرا نمبر بابت اپریل آپ کو بھیجتا ہوں۔ رسالۂ تاریخ حسام الدین صاحب نے آپ کو پہنچایا ہوگا۔ دیوانِ تحسین سے آپ کا مطلوبہ قطعۂ تاریخ نقل کرتا ہوں:-

جنابِ خواجہ فخر الدین بہادر　　　　کہ زندہ باز ازو نامِ سخن شد

بطرزِ عاشقانہ گفت دیوان　　　　کہ مطبوعِ دلِ ہر اہلِ فن شد

زمینِ شعرِ اُو ہم اوجِ گردوں　　　　نقاطش رشکِ پروین و پرن شد

بفکرِ تازہ داد طلسم وادہ　　　　کہ زو متروک مضمونِ کہن شد

بگل بندیِ الفاظِ نگارین　　　　بیاضِ صفحہ صد رشکِ چمن شد

برین سحر سلاسل بہر حاسد　　　　کہ وردِ ہمعنش زبان قفلِ دہن شد

سرِ احد از رہِ تاریخ گفتم

زدِل مقبول دیوانِ تحسین شد

پاکستان میں اس وقت جو پرچے چوٹی کے شمار کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) مخزن، لاہور (۲) ہمایوں، لاہور (۳) عالمگیر، لاہور (۴) نیرنگِ خیال، لاہور (۵) ماہِ نو، کراچی (۶) فاران، کراچی۔

انجمن کی جدید مطبوعات کی فہرست ارسالِ خدمت ہے۔

اپنی خیریت سے کبھی کبھی مطلع فرماتے رہیں۔ سید حسام الدین صاحب سلام عرض کرتے ہیں

مخلص: اختر جوناگڑھی۔ کراچی ۱۳؍جون ۱۹۵۱ء

(۱۱)

بنام مالک رام

شفیق مکرم!

سلام و رحمت۔ ۱۸؍جون کے محبت نامہ کا جواب آج پورے ایک ماہ کے بعد دے رہا ہوں۔ اس تاخیر کی معذرت قبول فرمائیے۔

عزیز مصر ڈاکٹر ترمذی مرحوم کی بیماری اور آپریشن کی کچھ تفصیل آپ کے کرم نامہ سے معلوم ہوئی جسے پڑھ کر بے حد افسوس ہوا اس پیارے بچے کی جوانا مرگی کا سخت صدمہ ہے۔

ذکرِ غالب ایک دوست پڑھنے کے لئے لے گئے ہیں۔ آ جائے تو اس پر تبصرہ لکھوں گا۔ جولائی کا "اُردو" اگست کے وسط تک شائع ہوگا۔

غالب کے تلامذہ کا مفصل تذکرہ اب تک نہیں دیکھا۔ اردو ادب آئے تو دیکھوں گا۔ یہ بہت ضروری چیز ہے جس پر کسی نے توجہ نہیں کی۔

پرچے آپ کو باقاعدہ ملتے رہیں گے۔ اپریل کا اردو خود دفتر سے اسی وقت بھیجا گیا تھا۔ میں نے ہدایت کر دی ہے کہ دوبارہ بھیجا جائے۔ جو رابی مرا مضمون تیار ہو تو بھیج دیجئے۔

یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ اگلے جاڑوں تک تشریف لائیں گے۔ ملاقات کی مسرت قبل از وقت محسوس کر رہا ہوں۔

راشدی صاحب انگلستان سے واپس آتے ہی اپنے گاؤں چلے گئے اور غالباً وسط اگست تک واپس ہوں گے۔ میرے عزیز دوست ممتاز حسن صاحب سکریٹری فنانس لندن گئے ہوئے ہیں۔ میں نے ان سے بھی کہا ہے کہ وہ ضرور آپ سے ملاقات کریں۔ ان سے بھی اکثر آپ کا ذکر خیر آتا رہا ہے۔ وہ بھی اردو کے اچھے ادیب اور شاعر ہیں اور آپ ان سے مل کر بہت محظوظ ہوں گے۔

آپ کی خیریت مزاج چاہتا ہوں۔

آپ کا مخلص: اختر جوناگڈھی کراچی ۱۸ جولائی ۱۹۵۱ء

(۱۲)

بنام مالک رام

شفیق محترم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

اس سے پیشتر آپ کے کرم نامہ کا جواب لکھ چکا ہوں۔ تعجب ہے کہ وہ آپ کو نہیں پہنچا۔ وہ خط یہاں سے ۲۶ جون کو بھیجا گیا تھا بذریعہ ایرمیل۔ اس سے پہلے ۱۳ جون کو ایک خط روانہ کیا تھا۔

رسالہ "اردو" کے دونوں نمبر (اپریل اور جولائی) آج کی ڈاک سے رجسٹری ارسال خدمت ہیں۔ رسید سے مطلع فرمائیں۔

آپ کی پریشانیوں کا حال پڑھ کر افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ان پریشانیوں کو جلد دور کرے اور والدہ محترمہ کو صحت عاجل عطا فرمائے۔

آپ کی جدید تالیف پڑھ کر آپ کے گہرے مطالعے اور بصیرت کا قائل ہو گیا۔ اس موضوع پر اب تک صرف دو تحریریں میں نے دیکھی ہیں۔ ایک مولوی عبدالرحمٰن نگرامی مرحوم کی جو پندرہ بیس برس ہوئے جوان عمری میں انتقال کر گئے۔ ان کا مفصل مضمون "اسلام میں عورت کا درجہ" غالباً ۱۹۲۱ء میں معارف (اعظم گڈھ) کے تین نمبروں میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد آپ کی تحریر دیکھی۔ ایسی متین، گہری اور مخلصانہ تحریریں بہت کم نظر آتی ہیں۔ کتاب کے سرسری مطالعے کے بعد ایک دوست اسے پڑھنے کے لئے مانگ کر لے گئے۔ انہوں نے اپنے کسی دوسرے دوست کو دے دی اور وہ اب تک میرے پاس نہیں پہنچی۔ واپس آنے کے بعد اس پر کچھ لکھنے کا ارادہ ہے انشاء اللہ۔

ذکر غالب پر میں تبصرہ کرنا چاہتا تھا کہ ہاشمی صاحب نے اس پر ایک مختصر تبصرہ کر ڈالا اور کوئی تین ماہ ہوئے مولانا نے ریڈیو میں اس پر تبصرہ کر دیا۔ یہ دونوں تبصرے بھی زیادہ تر توصیفی تھے۔ کتاب کے محاسن پر ابھی لکھنے کی گنجائش ہے۔ میں ادھر دو ماہ سے علیل رہا۔ وجع الصدر (Angina Poctoris) کی شکایت ہے، دو سال سے مبتلا ہوں۔ دفتر کی مصروفیتیں بہت بڑھ

گئی ہیں۔ تاہم کوشش کروں گا کہ اس پر کچھ لکھوں۔
پیر سید حسام الدین صاحب آپ کو بہت یاد کرتے اور سلام عرض کرتے ہیں۔ اپنی خیریت اور حالات سے مطلع فرمائیں گیلانی آجکل کوئٹہ تشریف لے گئے ہیں۔

آپ کا: اختر۔ کراچی ۸ ار ستمبر ۱۹۵۱ء

(۱۳)

بنام مالک رام

بندہ نواز!
تسلیم و نیاز۔ آپ کے تین تین کرم نامے پہنچے اور مجھے ان میں سے ایک کا بھی جواب لکھنے کی توفیق نہ ہوئی شومئی قسمت سے آپ کے جانے کے بعد میں تقریباً تین ماہ تک بستر علالت پر رہا۔ پتی URTECARIA بخار اور درد گردہ کے پے در پے حملے ہوتے رہے۔ مرض وجع صدر (ANGINA) نے بھی کافی پریشان کیا۔ اِدھر انجمن کے حالات روز بروز بگڑنے لگے جس سے میری پریشانیوں میں کافی اضافہ ہو گیا بہر حال خدا کا شکر ہے کہ ایک مدت کے بعد میری صحت عود کر آئی اور انجمن کے حالات نے بھی کروٹ لی ہے اور کچھ کچھ اس کی مالی حالت درست ہو رہی ہے۔ تمام رسالے برابر جاری ہیں۔
اس اثنا میں ایک خط آپ کو دہلی کے پتے پر روانہ کیا تھا اور مضمون کی کاپیاں بھی بھیجی تھیں جو واپس آ گئیں۔ اس کے بعد آپ کے ۳ عنایت نامے ۲۱ اپریل، ۱۹ جون اور ۵ ار ستمبر کے یکے بعد دیگرے ملتے رہے۔ میں آپ سے سخت نادم ہوں کہ اپنے تساہل کے جوابات نہیں لکھ سکا۔ اس کو خواہ میری سستی اور کاہلی پر محمول کریں یا معاشی پریشانیوں اور تفکرات پر، بہر حال عفو و کرم کی التجا کے سوا اور کوئی طریقہ عذر خواہی کا میرے پاس نہیں۔ دالعذر عند کرام الناس مقبول۔ میری مسلسل خاموشی پر بھی آپ کا فیضان مراسلت برابر جاری رہا۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ آپ کی شرافت نفس آپ کو انتقام لینے پر آمادہ نہیں کر سکی۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ کی اس مروت و وفا سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے بلکہ میری ہر کوشش ہو گی کہ حتی الامکان آپ کی "نعمت ملاقات" سے مشرف اور مستفید ہوتا رہوں۔ آپ کی محبت اور عنایت میرے حال پر فراموش کر دینے کی چیز نہیں۔

دور دستاں را بہ ہمت یاد کردن مشکل است
ورنہ ہر نخلے بہ پائے خود ثمر می افگند

اگر اس نیاز نامہ کے ذریعہ میں اپنی پچھلی خاموشی کی کچھ تلافی کر سکا تو میرے لئے یقیناً اطمینان قلب کا باعث ہو گا۔
سب سے پہلے مجھے یہ بتلائیے کہ صاحبزادے سلمٰہ کا کیا حال ہے۔ آپ نے ۱۹ جون کے مکتوب میں یہ مژدہ سنایا تھا کہ بحمد للہ پہلے سے بہت بہتر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے صحت کامل عطا فرمائے۔
آپ یہاں دوبارہ تشریف نہ لا سکے، اس کا بہت افسوس رہا۔ دو دنوں میں ملاقات نصیب ہوئی اور وہ بھی ادھوری۔ دل کی دل ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی۔ خیر یار زندہ صحبت باقی۔
افسوس ہے کہ جمور آبی اور غالب والے مضامین کے دس دس نسخے نہیں نکل سکا جس کے متعلق آپ نے بہت دیر میں

تحریر فرمایا تھا۔ آپ کے دونوں مضامین یہاں بہت دلچسپی سے پڑھے گئے "جمہوریت کون تھا" اس کو جاننے کے لئے "تاریخ و سیاست" کے قارئین منتظر ہوں گے۔ لہٰذا یہ تیار شدہ مضمون فوراً عنایت فرمادیجئے تاکہ نومبر، دسمبر میں شائع ہوسکے۔

پیر حسام الدین صاحب سے جب جب ملاقات ہوتی ہے کسی نہ کسی طرح آپ کا ذکر ضرور آتا ہے۔ خط لکھنے میں وہ بھی میری طرح، بلکہ مجھ سے کچھ زیادہ ہی سست ہیں۔ آپ کا سلام ان کو برابر پہنچاتا رہتا ہوں۔ ان کو بھی آپ کے خطوط برابر مل رہے ہیں۔ آج کل وہ کسی دوست کی معیت میں مشرق وسطیٰ (بغداد، بیروت وغیرہ) کے سفر پر آمادہ ہیں۔ ممکن ہے اس سلسلہ میں آتے جاتے کبھی آپ کی طرف بھی آجائیں۔

میری تینوں بچیوں اور ان کی والدہ نے آپ کی کتاب "عورت اور اسلامی تعلیم" بالاستیعاب پڑھ ڈالی ہے اور اس سے کافی استفادہ کیا ہے۔ میں نے اسے اب تک جستہ جستہ ادھر اُدھر سے دیکھا تھا لیکن اب مستقل دیکھ رہا ہوں اور تنقیدی نظر سے شاید اس پر ایک تبصرہ بھی آئندہ "تاریخ و سیاست" کے لئے لکھ سکوں۔

میں ایک عرصے سے ایک کتاب کی تلاش میں ہوں۔ بہت معمولی کتاب ہے لیکن نہیں مل رہی ہے "الشیخ عبیط و اقاصیص اخری" از محمود تیمور بک (ڈاکٹر الامیر احمد تیمور مرحوم) یہ ان کے افسانچوں کا مجموعہ ہے جس کے مقدمہ میں انہوں نے عربی افسانہ کی مفصل تاریخ بیان کی ہے۔ غالباً یہ مقدمہ "فن القصص" کے نام سے علیحدہ بھی چھپ گیا ہے۔ دونوں کتابوں میں سے جو بھی مل جائے غنیمت ہے۔

مشہور مصری مصنف حسین ہیکل پاشا نے حضرت عمرؓ پر دو جلدوں میں ایک کتاب سیرۃ الفاروق یا عمر الفاروق کے نام سے لکھی ہے۔ مجھے اس کی ضرورت ہے۔ اگر کسی کتب فروش کو تحریر فرمادیں تو وہ بینک کے ذریعہ بھیج دے گا۔

مولوی صاحب قبلہ ایک ماہ سے کوئٹہ میں مقیم ہیں۔ پیر صاحب سلام عرض کرتے ہیں۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بلا تکلف تحریر فرمائیں۔ اپنی اور متعلقین کی خیر و عافیت سے وقتاً فوقتاً مطلع فرماتے رہیں۔ گھر میں اور بچوں کو سلام و دعا۔

نیازمند کیش: اختر۔ کراچی ۸ اکتوبر ۱۹۵۲ء

(۱۴)

بنام مالک رام

شفیقی و مکرمی!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ نوازش نامہ مورخہ ۲۶ اکتوبر مل گیا تھا۔ چند روز ہوئے سیرۃ الفاروق کی دو جلدیں بھی وصول ہوئیں۔ ان پیہم نوازشوں کا شکریہ کس طرح ادا کروں

مجھ سے یہ بار لطف کیونکر اٹھایا جائے گا؟

ہیکل کی کتاب بروقت پہنچ گئی اور آج میں نے اپنا مقالہ ختم کر کے (اردو انسائیکلوپیڈیا کے لئے) پروفیسر محمد شفیع صاحب کو لاہور بھیج دیا ہے۔ کتاب بہت خوب ہے اور محققانہ انداز میں لکھی گئی ہے اگرچہ زیادہ تر ماخذ کے حوالے نہیں دئے گئے۔

آپ کا مضمون "عمورانی" پر آجکل رسالہ تاریخ میں چھپ رہا ہے۔ وہ ایک دو روز میں پورا چھپ جائے گا۔ باوجود موضوع خشک ہونے کے بہت دلچسپ ہے۔ پروف میں خود دیکھ رہا ہوں۔ اس سلسلہ کی اور کڑیاں بھی بھیجتے رہیں۔ آئندہ اشاعت فروری میں نکلے گی۔ اگر جنوری کے وسط تک بھیج دیں تو وقت پر چھپ سکے گا۔ آپ کے مضمون کے دو نسخے حسب دستور بھیجے جائیں گے۔

حسام الدین صاحب کو آپ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ غالباً انہوں نے آپ کو لکھا ہوگا ـــ

دوستاں را بہ ہمت یاد کردن مشکل است
ورنہ ہر نخلے بپائے خود ثمر می افگند!

آپ کی کتاب پر تبصرہ ضرور ہوگا انشاء اللہ!

خدا کے فضل سے اب میری طبیعت بہتر ین صحت ہے۔ صاحبزادے کی صحت اچھی ہوگی اور آپ مع اہل و عیال بخیر و عافیت ہوں گے۔ میرے سب بچے جو اب آپ سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں آپ کو آداب عرض کرتے ہیں۔ میری طرف سے گھر میں اور بچوں کو دعا۔

آپ کا مخلص: اختر جوناگڑھی۔ کراچی ۶ دسمبر ۱۹۵۲ء

(۱۵)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مکرمی شفیقی و مکرمی!

السلام علیکم۔ میں سرسید کے علمی کارناموں پر ایک مفصل مضمون لکھ رہا ہوں۔ اس سلسلے میں مجھے تصانیف احمدیہ جلد اوّل میں سرسید کے مختلف رسائل پر ان کے لکھے ہوئے دیباچوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ان کو نقل کرا کر بھیج سکیں تو بڑی نوازش ہوگی۔ نقل و کتابت کے مصارف میرے ذمہ ہوں گے۔

امید ہے آپ بہر وجوہ خیریت سے ہوں گے۔

مخلص: اختر۔ انجمن ترقی اردو پاکستان اردو روڈ کراچی ۱، ۴ جولائی ۱۹۵۳ء

(۱۶)

بنام مالک رام

عزیزی و صدیقی المحترم سلمہ اللہ تعالےٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پیشتر آپ کے پے در پے تین کرم نامے ملے تھے جن کا جواب ۱۰ جون کو لکھ چکا ہوں۔ اس کے بعد آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲۴ جولائی اور دوسرا حال ہی میں پہنچا ہے ان میں اپنے خط کی رسید نہ پا کر متعجب ہوا کہ وہ خط آپ کیسے نہیں پہنچا۔ حالانکہ ایک علیحدہ لفافے میں ہوائی ڈاک سے بھیجا تھا۔

میں بفضلہ تعالیٰ خیر و عافیت سے ہوں۔ بھلا آپ جیسے کرم فرما سے کیوں ناراض ہونے لگا، اس کا کبھی خیال ہی نہ فرمایئے۔ کچھ تو مری مصروفیات اور کچھ تساہل اور کوتاہ قلمی جلد آپ کے خطوط کا جواب نہ دینے کا ذمہ دار ہے۔

ریڈیو پاکستان کراچی سے میں ہر ماہ عالم اسلام پر ایک تقریر نشر کرتا ہوں۔ اس کے لئے مجھے مڈل ایسٹ نیوز ایجنسی کے ہفتہ وار MENA کی ضرورت ہے۔ ان کا پتہ یہ ہے:

43, MALIKA STREET CAIRO

اس کے منیجنگ ایڈیٹر ڈاکٹر حسن خلیفہ ہیں۔ اگر آپ زحمت فرما کر میرے نام یہ پرچہ جاری کرا دیں تو عنایت ہوگی۔ اس کی جو قیمت ہوگی وہ میں آپ کی زیر ہدایت ادا کر دوں گا

پیر حسام الدین راشدی صاحب ۱۳ ماہ سے اپنے گاؤں پر تشریف رکھتے تھے۔ اب وہ وہاں سے واپس آگئے ہیں۔ میں نے ان کو توجہ دلائی ہے کہ وہ آپ کے خطوط کا جواب دیں۔ وہ خطوں کے معاملے میں نہ صرف سست بلکہ بہت بے پروا ہیں۔

امید ہے آپ مع اہل و عیال بخیریت ہوں گے۔ بچے کی صحت اب بالکل اچھی ہوگی۔

جولائی کا رسالہ "تاریخ" تیار ہو رہا ہے۔ ایک آدھ ہفتہ میں روانہ ہوگا۔ اُردو کے دو نمبر جوبلی کے موقع پر جو ۱۵ تا ۱۹ اکتوبر ہو رہی ہے، ایک ساتھ شائع ہوں گے۔ یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ آپ کا رسالوں کا ذخیرہ نذر آتش ہو گیا۔ اُردو کے کون سے پرچے آپ کے پاس نہیں رہے۔ وہ اگر آپ بتا دیں تو میں ان کی تلافی کی کوشش کروں۔

احقر: اختر۔ کراچی ۳۰ ستمبر ۱۹۵۲ء

(۱۷)

بنام مالک رام

برادر عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ و بارک اللہ فیکم!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ کیا بتاؤں کہ میں آپ سے کس قدر نادم ہوں۔ آپ کے پے در پے نوازش نامے ملتے رہے اور میں ہجوم افکار کے سبب ان کا جواب نہ لکھ سکا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل ایک خط کراچی سے لکھا تھا جس میں آپ کے پچھلے عنایت ناموں کا جواب تھا۔ امید ہے کہ وہ ضرور مل گیا ہوگا۔

میں نے انجمن کی ملازمت ترک کر دی ہے اور یکم نومبر سے بحیثیت صدر شعبۂ تاریخ اسلام یہاں آگیا ہوں اگرچہ بال بچے [illegible] سب کراچی میں ہیں۔ کچھ اہل و عیال میرے ساتھ ہیں۔ نیا مکان، نیا ماحول، نیا پانی اور فرائض منصبی کی تکمیل، گذشتہ دو ماہ اسی کی نذر ہو گئے۔ اب کہیں جا کر سانس لینے کا موقع ملا ہے۔ لیکن یقین مانیے کہ اب تک فراغ خاطر نصیب نہیں ہوا ع

زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

آپ کی شکایت بسر و چشم۔ سوائے معذرت کے اور کیا عرض کر سکتا ہوں۔ گر قبول افتد... الخ۔ بایں ہمہ یہ توقع بے جا نہ ہوگی کہ آپ کی عنایات و توجہات اسی انداز سے بحال رہیں گی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

خواجہ خود روش بندہ پروری داند

آپ کا مضمون [illegible] پہنچ گیا۔ میں نے ایک خط کے ساتھ سید ہاشمی صاحب کو بھیج دیا ہے کہ وہ فروری نمبر میں شائع کر دیں۔ نام کے متعلق ہدایات لکھ دی ہیں۔

براہ کرم مصری نیوز ایجنسی (۳۴۔ شارع الملکہ۔ قاہرہ) کو مطلع کر دیجئے کہ وہ آئندہ NA کے تمام نمبر موجودہ پتہ پر بھیجا کرے۔
میں بحمد اللہ مع اہل و عیال خیریت سے ہوں اور آپ کی صحت و عافیت کے لئے ہمیشہ دست بدعا ہوں۔ والسلام مع الاکرام!

احقر: اختر۔ سندھ یونیورسٹی حیدر آباد (سندھ) ۹ فروری ۱۹۵۴ء

---

(۱۸)

بنام مالک رام

شفیق محترم! السلام علیکم۔

افسوس ہے کہ زندہ ہوں لکھنا پڑا ہے حال
کیا مختصر جواب یہ ہوتا کہ ——— مر گیا

انتہائی حزن و ملال کے ساتھ اطلاع دیتا ہوں کہ میری رفیقۂ حیات نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور مجھے اور اپنے سات بچوں کو ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

مرحومہ نہ صرف دنیاوی معاملات میں میری دستِ راست تھیں بلکہ میری دماغی کاوشوں میں بھی برابر شریک رہیں۔ یہاں آنے پر مجھے اپنی بربادی اور خانہ ویرانی کا کچھ غم نہ تھا کہ میرے لئے ان کی ذات سرمایۂ صد حیات تھی لیکن اب مجھے صحیح طور پر اپنی بربادی کا احساس ہوا۔

چار دن کی بچی ان کی آخری یادگار ہے جس کو سینے سے لگائے ہوئے ہوں۔

دل ریش اختر از کراچی ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۴ء

(۳)

مکتوب سید نذیر حسین محدث دہلوی (۱) بنام شاہ سلیمان پھلواروی

"نوازش نامہ حضرت شیخ الاسلام استاذنا العلام نائب رسول الثقلین مولانا واستاذنا سید نذیر حسین لازالت نمارق افاداته مصفوفة وزرابی فیوضاته مبثوثة کہ بنام فقیر ملفوف بہ خط حبیبی مولوی تلطف حسین صاحب مدظلہ العالی بود: فاللّٰھم اھدنا الی الصراط المستقیم"۔

ھو الولی الھادی الی الصراط المستقیم

اے عزیز از محاسبۂ ذرہ، تُبْدُوا مَا فِي اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰه اندیشہ کن و ہموارہ مثل کالانعام بحظوظ نفسانی مباش، و سر در مراقبہ فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ فرو بردہ، دیدۂ دل در مشاہدۂ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ بکشائے و نظارہ کن، و سکہ طلب استقامت خود در بوتۂ فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ، وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا منہ، در آتش مجاہدہ سکرہ اللّٰہ نفسہ بگداز، خالص کن، تا شایان لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا گردد، و در بازار اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ادا از شے باشد، و بدل سرمایہ توانی کہ بضاعت دین خالص اَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ حاصل کنی شاید رمزے از اسرار وَاَنْتُمْ تَمُوتُونَ علی خطر عظیم بر تو کشایند، و از لوامع انوار فَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُورٍ مِنْ رَبِّهِ شعاعے بر تو تابد تا از حضیض قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ پائے ہمت بیرون نہی و بر اوج وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَاَبْقٰى عروج کنی و مشیر اقبال ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ بشارت چنیں در ساند اَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ۔ در رضوان جنات النعیم رضی اللّٰہ عنہم ندا در دہد كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ، زیادہ والسلام

محمد نذیر حسین

مکتوب نواب سر مزمل اللّٰہ خاں (۲) بنام مولانا حالی

جناب مخدوم و مکرم۔ خطاب شمس العلماء مبارک! ہرچند کہ آپ کی ذات ان تکلفات سے مستغنی ہے اور

یہ حرمت آپ کی شان میں ایک شمہ کم و بیش نہیں کر سکتے۔ تاہم اس امر کی خوشی ہے کہ فہرست طبقہ شمس العلماء میں جو کمی تھی وہ پوری ہو گئی۔ بلکہ ایک غلطی کی اصلاح ہو گئی۔ قطع نظر ازیں ایک وفا شعار۔ ایماندار اور راستباز اور ذی عزت قوم کا یہ فرض ہے کہ اپنی گورنمنٹ اور اُس کے احکام کو عزت اور ادب کی نگاہ سے دیکھے۔ فلہذا ہم پر لازم ہے کہ جو اعزاز جائز طور پر گورنمنٹ سے عطا ہو اس کو وقار اور ادب کی نظر سے دیکھیں۔

اب میں بحیثیت ایک دیرینہ خادم اور قدیمی معتقد کے صدق دل کے ساتھ حضور جناب کو مبارک باد کہہ کر یہ عریضہ ادب ختم کرتا ہوں۔ والسلام

جناب کا ایک کمترین خادم مزمل اللہ

مکتوب نواب مزمل اللہ خاں (۳)

ظفر منزل۔ بھیکم پور۔

مخدومی و مکرمی۔ سلامت۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والانامہ پہنچا۔ عید مبارک ہو یا نہ ہو۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جو اندوہ رسیدہ دلوں کے جواب کا محتاج ہے۔ میری حالت پوچھیئے کہ مجھ پر ایسی ایسی عیدیں گزری ہیں کہ جو ہزار دل غم سے زیادہ اندوہناک تھیں۔ اب اس عید کا حال سن لیجئے۔ باوجود علاوہ چار ماہ علالت کے عید سے ایک روز قبل مجھ کو اسہال کا دورہ ہو گیا۔ حتٰی کہ نماز عید سے بھی محروم رہا۔ اور سب سے بڑی حسرت اور سخت تکلیف وہ مایوسی ہے کہ اپنی اور دوستوں کی ہزاروں آرزوؤں کا خون ہوا۔ یعنی میرٹھ جانا موقوف ہے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کی نہایت اہم میٹنگ جو کل ہونے والی تھی ملتوی۔ سول سرجن صاحب میرے معالجہ کے لئے تشریف لائے۔ اُن کا حکم ہے کہ ایک ہفتہ تک نہ بات کروں۔ اور نہ کوئی دماغی کام۔ لیکن باوجود اس کے اِس وقت جناب کی تحریر پڑھ کر دل میں ایک اور گھونسہ لگا اور دماغ میں چکر آیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب بتلایئے کہ میری عید مبارک ہوئی یا نامبارک تر۔ اِس سے زیادہ لکھنے کی طاقت نہیں۔ نواب محسن الملک مرحوم کے اور میرے تعلقات کچھ تو اُن کے دل میں تھے جو زیر زمین دفن ہیں۔ کچھ میرے دل میں ہیں جو سربمہر ہیں۔ کچھ پراگندہ اوراق میں منتشر ہیں۔ غرضیکہ۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اِس معاملہ میں آپ کا بالکل ہم خیال ہوں اور خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ خدائے تعالٰی آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ بے زبان کی مدد کرنے کا خیال رکھتے ہیں۔ جزاک اللہ فی الدارین خیراً۔

آپ زمانۂ جاہلیت کے جو کارنامہ شائع فرما رہے ہیں۔ وہ آیندہ زمانہ میں قومی لٹریچر کے سنہرے اوراق ہوں گے۔ چونکہ یہ سب باتیں میری آنکھوں کے سامنے گزری ہیں لہٰذا مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تصویر میری نظر کے سامنے ہے جو منہ سے بھی بول رہی ہے۔ اگر ذرا اچھا ہو لوں اور تھوڑی سی زیست اور مہلت ملے تو دل کھول کر باتیں۔

خاکسار۔ خیر خواہ مزمل اللہ

(۴)

نواب مزمل اللہ خاں

بنام نواب سید علی حسن

گرامی نامہ را چوں برکشادم گہے بر دیدہ گہ برسر نہادم

مخدومی و مکرمی و محترمی سلامت۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ جناب کے ہدیۂ تبریک کو میں صرف اپنے حق میں مبارک ہی نہیں سمجھتا بلکہ موجبِ عزت و فخر و مباہات خیال کرتا ہوں۔ خدائے تعالیٰ آپ کو بادہ نوازی درگاہِ سلامت باکرامت رکھے۔ آمین۔

آپ کی ناسازیٔ مزاج کا خیال کر کے مجھے ہمیشہ تردد رہتا ہے۔ اور آپ کی خیر و عافیت کی دعا کرتا ہوں۔ اگرچہ بظاہر اسباب کوئی توقع نہیں۔ لیکن اگر کبھی لکھنؤ آنا ہوا تو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور شرفِ نیاز حاصل کروں گا۔

خطاب اور عتاب ہم وزن بھی ہیں اور قریب الخاصیت بھی یعنی "گاہے بسلامے برنجند و گاہے بدشنامے خلعت دہند" تقریباً پچاس سالہ عملی زندگی میں مجھے دونوں تجربے ہو چکے ہیں۔ خدائے تعالیٰ طریق استغناء و صراطِ مستقیم پر قائم رکھے اور انجام بخیر کرے۔ آمین۔ وَ آخِرُ دعوانا عن الحمد للہ۔

خاکسار خیر خواہ۔ مزمل اللہ

(۵)

محمد سمیع اللہ

مخدومی و مکرمی۔

تسلیم۔ اس وقت تلاش کرتے کرتے ایک روایت نکلی ہے اور وہ یہ ہے۔ الا و لایۃ لصغیر و لا مجنون و لا لکافر علیٰ مسلم و مسلمۃ ۔ اگر دختر مسلمہ ہے تو عیسائی ماں ولیہ نہیں ہو سکتی ہے۔ اور جب ولیہ نہیں ہو سکتی تو اوس کو استحقاق بھی نہیں ہے۔ لیکن ابھی میں اور تلاش میں ہوں۔ میں آپ کو ایک یہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ شرعی ولی دختر کے ہیں۔ آپ اوس کا نکاح کسی اچھے لڑکے سے کر دیجئے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو پھر تمام پریشانی رفع ہو جاوے گی۔ اور ان کی اختیار کے روایت صاف ہے۔ لولی الصغر و الصغیرۃ ان یکحان۔ و ان لم ترضیا۔ دوسرے ورق پر روایتیں دیکھ لیجئے معہ نشان کتاب۔

۱۳ر فروری

محمد سمیع اللہ

(۶)

محمد سمیع اللہ

مکرمی و مخدومی۔

براہ عنایت اس قدر مجھ کو بتا دیجئے کہ مولوی مہدی علی صاحب لندن میں کب تک مقیم ہوں گے۔ اور اون کے نام تار یا خط کس پتہ سے پہنچتے ہیں۔ اس سفر میں آپ سے نہ ملنے کا افسوس ہے۔

۲۶ر جولائی

خاکسار محمد سمیع اللہ

(۷)

ابو محمد عبد الحق

بنام نواب عماد جنگ بہادر

السلام علیکم ما وجب کے بعد التماس ہے کہ فقیر کی دائمی رخصت کی بابت عالیجناب نواب مدار المہام صاحب

بہادر کا حکم دفتر رانہ سے آپ کے دفتر پہنچ گیا ہے،

آپ کے اخلاق کریمانہ سے مجھے کامل امید ہے کہ حضرت اس کاشتی عنایت فرمادیں گے۔ اور وہ مجھے بہت جلد مل جائے گا۔ حضرت کے ذرا اشارہ سے یہ مشکل کام سرانجام پاسکتا ہے۔ حق سبحانہ حضرت کی ذات بابرکات کو سلامت رکھے۔ آپ اہل علم و اہل کمال کے مربی و قدر دان ہیں۔ والسلام مع الاکرام والانعام۔ [1]

۲۹ ر مارچ ۱۸۹۹ء

خاکسار ابو محمد عبدالحق مصنف تفسیر حقانی

مکتوب سر آسمان جاہ (۸) بنام میر محبوب علیخان نظام دکن

مناسب۔ موافق آپ کی رائے کے دو سو روپیہ حالی تاحین حیات مقرر کردینا۔ یا محبوب ۱۹/۱/۷

بعرض ——— اعلیٰ ——— میرساند

مولوی فضل حق خیرآبادی ہندوستان کے مشہور اور نامور عالم تھے بلکہ ان کے علم و کمال کا شہرہ عرب و عجم تک تھا، ان کے فرزند مولوی عبدالحق صاحب جن کو سرکار انگریزی سے شمس العلماء کا خطاب اور تمغہ ملا ہے، حیدرآباد آئے ہوئے ہیں وہ بھی بڑے عالم اور صاحب تصانیف ہیں، ایسے نامور و عالی خاندان اور مشہور لوگوں کے ساتھ اس سرکار سے سلوک ہونا گویا تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو شرق سے لے کر غرب تک حضرت پیر و مرشد کا ممنون اور دعاگو بنانا ہے اور ایسے باکمال لوگوں کے لئے اب سوائے اس دروازہ کے دوسرا نہیں ہے، نواب محسن الملک بہادر و نواب عماد الدولہ بہادر و نواب فتح نواز جنگ بہادر و نواب انتصار جنگ بہادر ان سب لوگوں نے بالاتفاق خانہ زاد سے ان کے فضائل و کمالات کی تصدیق اور ان کی سفارش کی ہے اور اس سرکار کی شاہانہ فیاضیوں سے ایسے باکمال لوگوں کی اعانت ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے لہذا خانہ زاد کے نزدیک دو سو روپیہ ماہوار کلدار ان کے واسطے حین حیات مقرر کردینا مناسب ہے تاکہ وہ آزادی کے ساتھ جہاں چاہیں رہیں اور اپنی تصانیف اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھیں

عرضی خانہ زاد آسمان جاہ ۴ ر محرم ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۱ر ستمبر ۱۸۸۹ء

مکتوب سر آسمان جاہ بہادر (۹) بنام میر محبوب علیخان نظام دکن

مناسب ہے۔ دو سو روپیہ مولوی دلیل الدین مرحوم کی بیوہ کے نام وظیفہ کے طور حیات تک جاری کیا جاوے

یا محبوب ۱۲/۱۲/۴ مطابق یکم ستمبر ۱۸۸۷ء

بعرض ——— اقدس و اعلیٰ ——— میرساند

مولوی دلیل الدین صوبہ دار اورنگ آباد کی وفات کی اطلاع خانہ زاد کرچکا ہے ان کا بھتیجا جسے انہوں نے متبنیٰ کیا تھا۔ ولایت میں تعلیم پا رہا ہے۔ وہ اس کا خرچ خود دیتے تھے اور اب معلوم ہوتا ہے کہ اتنا خرچ ان کی

---

[1] مولانا عبدالحق کو حیدرآباد دکن سے ماہوار تنخواہ مقرر تھی۔ جو یہاں کے صدر محاسب نے اس وجہ سے روک رکھی تھی کہ وہ حیدرآباد سے یوپی چلے گئے تھے۔ اس رکاوٹ کی اطلاع انہوں نے مدارالمہام بہادر کو دی تو انہوں نے حکم جاری کیا کہ مولانا جہاں کہیں بھی ہوں تنخواہ جاری رکھی جائے۔ اسی کی نقل یا اس کا مثنیٰ مولانا نے عماد جنگ معتمد فنانس سے مانگا ہے۔ (اصل محفوظ در ذخیرہ ثقلین کاظمی)

بیوہ نہیں کر سکتیں اور ابھی ڈیڑھ برس تعلیم کے باقی ہیں اس لئے اگر سرکار منظور فرمائیں تو تعلیم کا خرچ اس مدت کا جو باقی ہے سرکار عالی کی طرف سے دیا جاوے اور ان کی بیوہ کو دو سو روپیہ ماہانہ وظیفہ تاحیات عطا کیا جاوے کہ مدارالمہام مرحوم کے وقت میں بھی بنظر پرورش بعض لوگوں کے ساتھ ایسی رعایت کی گئی ہے۔ چنانچہ جیونجی اور جمشید جی معتمد کے ساتھ اسی قسم کی رعایت مدارالمہام مرحوم نے کی تھی فقط [1]

۲۵ ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ عرضی۔ خانہ زاد قدیم آسمان جاہ

مکتوب سید شوکت حسن شوکت فہمی (۱۰) بنام منشی محمد الدین فوق

برادرم سلام علیکم والدعوات

برخوردار نور چشم فیروز الدینؒ نے اصلاح کے لئے میری ہدایت کے موافق نظم یا نثر صاف کر کے کیوں نہیں بھیجی؟ میں نے تو فیس میں بھی رعایت کر دی برخوردار کی طبیعت موزوں ہے۔ اور ترقی پر آمادہ۔ غالباً نظم سے بھی اچھی مناسبت ہو گی۔ وہ چند روز میں خود اپنے کو تمام مشہور اساتذہ سے ہر طرح بہتر سمجھنے لگیں گے۔ کیونکہ "مجدد" کے فیض ہی یہی کرشمہ ہے۔ البتہ استقلال اور محنت درکار ہے۔

مضمون ملفوف جون کے طریقت میں شائع فرمائیے۔ اس کے بعد شاعری اور وحدت الوجود پر تیسرا نمبر دوں گا

۱۳ جون ۱۹۱۵ء سید احمد حسن شوکت (مجدد السنہ شرقیہ شوکت میرٹھی)

مکتوب مولانا ظہر علی آزاد (۱۱) بنام منشی محمد الدین فوق

برادر مکرم!

کارڈ مورخہ ۵ ارفروری کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کی ہمت مردانہ کی داد دیتا ہوں۔ مجھے پہلے ہی آپ کی حق پسندی۔ حق گوئی۔ ایثار اور سچے قومی جوش اور خلوص سے ایسی ہی امید تھی۔ جب تک ہم اپنی صلاحیت موجود نہ ہو کہ قومی اغراض و مقاصد پر ذاتی اغراض بے تکلف قربان کر دیا کریں۔ ہم کسی طرح قومی خدمت کے اہل نہیں ہو سکتے۔ اخبار اور رسالے ملک کو انہی باتوں کے تیار کرنے کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور جب ایڈیٹران اخبارات خود ہی اتنے تنگ نظر ہوں کہ ہر بات کے ہر پہلو میں ذاتی فائدہ ڈھونڈھیں تو وہ قوم اور ملک کو کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

---

[1] یہ ایک نادر تحریر کی نقل ہے۔ سر آسمان جاہ مرحوم حیدر آباد کے وزیر اعظم یا دیوان تھے۔ انہوں نے ایک معروضہ اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں آصف جاہ کی خدمت میں پیش کیا کہ دلیل الدین متوفی ملازم سرکار کی وفات پر اس کے متبنیٰ کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں رہا۔ دو سو روپے وظیفہ مرحوم کی بیوہ کو تاحیات دیا جائے۔ اعلیٰحضرت نے یہ معروضہ منظور فرمایا۔ وہ دستخط کی جگہ "یا محبوب" لکھا کرتے تھے۔ ایک بڑے فرمانروا اور اس کے وزیر اعظم کے انداز تحریر کے علاوہ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دولت آصفیہ کے کارفرما اپنے ملازمین کے حقوق کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔ اصل تحریر جناب تمکین کاظمی کے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔ اس سلسلے کی بقیہ تحریات آگے آتی ہیں: (مہر)

[2] آپ منشی محمد الدین فوقؔ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ بڑے ذہین۔ خود کار۔ خود ساز۔ جہانیاں جہاں گشت۔

(محمد عبد اللہ قریشی)

ہمیں ایسے ہی زبردست ایڈیٹروں کی ضرورت ہے جو ہوا کے رُخ پر نہ چلیں بلکہ طوفان سے مقابلہ کرنے کے لئے ہمیشہ مرد میدان بن کر سامنے آ جانے پر تیار رہیں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ کا قابل فخر وجود . . . ملک میں موجود ہے

کل کی ڈاک سے میں نے وطن لاہور۔ پیسہ اخبار اور وکیل امرتسر میں بھی تحریک کی ہے۔ مجھے ان معزز ایڈیٹروں سے پوری امید ہے کہ وہ ایک روزانہ اخبار کی مروّت پر قوم کو قربان نہ کر دیں گے۔

۱۸ر فروری ۱۹۱۷ء   فقیر اظہر علی آزاد رسالہ پیام امید آگرہ۔

مکتوب رضا بلگرامی آرزو

(۱۲)

جناب صفیر۔ تسلیم مزاج شریف۔ بندگی حضرت بندگی۔ آپ کی دعا سے۔ اس جملہ مہملہ کو یوں معنی پہنانا تاہمل کہ آپ تو اس عریضہ اور اس تسلیم کا اور مزاج شریف کا جواب دیں گے نہیں۔ لہٰذا بمصداق:

از من بمن سلام و ہم از من بمن پیام   رنج دلی مباد پیام و سلام را

خود ہی سلام کہا اور خود ہی جواب بھی دے لیا۔ خود ہی مزاج پوچھا خود ہی دعا کہہ لی۔ آج دوپہر کا وقت، دھوپ کی شدت گرمی کا تراق، لون کا زور شور] بیٹھے بیٹھے جی گھبرایا رشحات صفیر دیکھنے لگا۔ اس کتاب کا کیا کہنا۔ اگرچہ کلیتاً تانیث تذکیر کے قواعد کا انضباط بہت دشوار ہے تاہم آپ نے خوب ہی قواعد منضبط فرمائے۔ مگر ساتھ ہی اس کے ایک بہت رستخیز یہ کر دیا ہے کہ دہلی اور لکھنؤ کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا ہے۔

اوسی طرح یہ کہ طپش میرٹھی کو بھی مستند ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ خود آپ اختلاف دہلی اور لکھنؤ کے قائل ہوئے ہیں دیکھئے صفحہ ۱۲۵ رشحات صفیر۔ درحالیکہ اختلاف مابین دہلی و لکھنؤ مسلم ٹھہرا تو مقلدین لکھنؤ کو مجرد دلّی والوں کی تانیث و تذکیر پر بھروسا کرنا کب ٹھہرا۔ مگر کیا کیجئے حب الشئی . . . . آپ کو اور جناب تدر کو مرزا غالبؔ صاحب کی محبت نے ایسا مجبور کر رکھا ہے جیسا قوم نصیری کو حب علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے۔ حالانکہ میرا بھی اعتقاد ہے کہ مرزا غالب صاحب فارسی میں اکثر اہل ہند سے بہتر ہیں مگر اردو میں تو ایک مبتدی لکھنوی کے مقابل نہیں ؎

کاو کاو سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ

ملاحظہ و انصاف طلب ہے۔ اگر نقص اس کتاب میں ہے تو یہی ہے۔ مجکو یہ بھی آپ کے اور جناب قدر کی طرف سے احتمال ہے۔ عجب نہیں کہ مرزا صاحب مرحوم تاریخ بلگرام میں بھی کسی نہ کسی پیرایہ سے داخل کر دئے جائیں۔ میری اس رائے ناقص سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں مرزا غالبؔ صاحب کا غیر معتقد ہوں۔ مگر بمقابلہ لکھنؤ، دلّی والوں کو میں ضرور ناقص سمجھتا ہوں۔ اس میں کوئی ہوں۔

دوسرے یہ کہ اسیرؔ کی نسبت جو آپ نے اپنا اعتقاد بہت کچھ ظاہر کیا ہے۔ میاں بحر صاحب سے کچھ اچھے تھے؟

حاشیہ از سید مرتضیٰ حسین بلگرامی:

۱۔ جناب سید غلام حسنین قدر بلگرامی اور جناب سید فرزند احمد بلگرامی صفیر دونوں کو حضرت غالب سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

۲۔ رشحات صفیر۔ جناب صفیر بلگرامی کا تذکیر و تانیث پر وہ معرکۃ الآرا مضمون ہے جو دو بار طبع ہوا اور مقبول عام ہوا۔

ابھی میں نہیں۔ بنتے تھے؟ بڑے غضب کی بات ہے کہ ناسخ طبقہ سوم میں معلوم ثالث کہنا ہیں۔ اور آتش جو طرز عاشقانہ میں فرد تھے۔ صرف ناسخ کے شریک مشاعرہ لکھے جائیں۔ اور اس پر آپ اعتقاد لائیں۔

۱۸ر مئی ۱۸۹۳ء   آرزو عفی عنہ

مکتوب نواب صدر الدین حسین   (۱۳)   بنام نواب سید علی حسن خان

مخدومی و مکرمی جناب نواب صاحب عنایت فرمائے مستمندان سلامت!

بعد ابلاغ مراسم سلام نیاز مندانہ واضح و لائح عالی باد۔ الحمد للہ کہ تا دم تحریر بفضل رب قدیر یہاں خیریت ہے اور خیرو عافیت مزاج گرامی ہر دم نیک مطلوب!

دیگر التماس یہ کہ بوجہ تفکرات دنیاوی چند روز سے بندہ سخت پریشانی کے عالم میں ہے۔ اپنا وقت نہایت بدمزگی و بے لطفی سے گزر رہا ہے اور اس پر خشک سالی اور مخلوق کی پریشانی دیکھ کر ہوش و حواس ٹھکانے نہیں۔ لیکن ہزار ہزار شکر اس کریم کارساز کا کہ شہر پٹنہ سے یکایک یہ مژدۂ جاں بخش گوش زد ہوا کہ اعلیٰ حضرت سرکار نظام خلد اللہ ملکہٗ نے آپ کو طلب فرمانے اور ایک منصب جلیلہ عنایت کرنے کا قصد کیا ہے اور یہ خبر معتبر ذریعہ سے ملی ہے۔ بلتد الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید۔ واللہ ثم باللہ اس نوید جانفزا کو سن کر اس قدر خوشی حاصل ہوئی کہ گویا مجھی کو منصب ملا ہے۔

اس لئے کہ آپ کے متوسلین اور وابستگان سے اور آپ کے فرزندان سید فخر الدین اور معز الدین سلمہٗ بھی ہیں اور تا حیات مہاراجہ سیاجی راؤ گائیکواڑ یہاں کس مپرسی کا عالم ہے۔ ممکن ہے کہ کسی وقت ان کے لئے بھی کوئی جگہ نکل آئے اور سرکار نظام کی مرحمت خسروانہ سے مدتوں کے بچھڑے ہوئے اور نمک خوران قدیم بہ برکت آپ کے قدوم میمنت لزوم کے پھر یکجا جمع ہو جائیں تو کچھ عجب نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ خوشی مبارک کرے۔ اور اس سے زیادہ آپ کو مراتب و درجات عالیہ پر پہنچائے ؎ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

۸ر اگست ۱۹۱۸ء   مرسلہ خاکسار خیر طلب میر صدر الدین حسین از بڑودہ

مکتوب منیر شکوہ آبادی   (۱۴)   بنام سید محمد نوح شبیر مچھلی شہری

سرمایۂ نازش نیرہ روز منیر برخوردار سید الجلیل الشبیر سلمہ اللہ القدیر۔

بعد از اسلمۂ شائقہ و ادعیہ متکاثرہ لائقہ واضح خاطر سعادت مآثر عزیز ہو۔ الحمد للہ والمنتہ کہ میری دعاؤں کا اثر ظاہر ہوا۔ درحضرت تقدس تعالیٰ شانہٗ نے مژدہ ولادت[1] باسعادت فرزند ارجمند بخانہ آں عزیز سعادت پیوند و طالع مند سنایا۔ سال گزشتہ میں فوت صبیہ سے جو گرد ملال عارض چہرۂ حال ہوئی تھی وہ اس آبیاری رحمت و فضل ایزدی سے زائل و برطرف ہو گئی۔ قطعۂ تاریخ ولادت عن قریب انشاء اللہ پہنچے گا۔ ان دنوں باوجود آلام و اسقام پیری و تکلیف حضوری دربار در بار حضور ولی نعمی ادام اللہ اقبالہ العالی جس قدر وقت ملتا ہے آپ کی تعمیل فرمائش میں صرف ہوتا ہے

---

[1] سید محمد مجتبیٰ المتخلص بہ مشہور خلف اکبر حضرت شبیر کی طرف اشارہ ہے

باختر و بالا باختر کی جلدیں کتب خانہ سرکاری میں داخل ہو گئی ہیں۔ اب اُن میں سے کسی داستان کی نقل حاصل کرنا دشوار ہے جلد طلسم گوہر بار محض آپ کی پاس داری خاطر سے پھر کہہ کر ایک کاتب کو تبئیض کے لئے دے دی ہے وہ لکھ کر آ جائے تو بھیج دوں لائق دید و سیر نظر ہے شفیقی لالہ مادھو رام جوہر کی تحریر سے تمہارا فرخ آباد کے مشاعرے میں شریک ہونا اور بے اصلاحی غزل پڑھ کر شہرت و عزت حاصل کرنا معلوم کر کے شکریہ باری تعالیٰ ادا کیا۔ ماشاء اللہ تم موئید من اللہ ہو۔ ہر معرکہ سخن میں مرزخ رو دوبارہ آور رہو گے۔ لیکن ابھی سے کہ زمانۂ مشق ابتدائی ہے ایسی جرأت یعنی بے اصلاحی کلام کا مجمع شعرائے نامی و کہنہ مشق میں پڑھنا آئندہ سے قابل احتیاط ہے۔ اگرچہ آپ کی خداداد ذہانت و علمی قابلیت سے اطمینان ہے۔ تم نے اب تک وہ غزل نہیں بھیجی دو چار شعر جن کی خاص کر زیادہ شہرت و قبولیت ہوئی جوہر نے لکھے ہیں تمہارا یہ شعر خاص میرے رنگ کا ہے میرے سامنے سے بڑھی گرمی مزاج یار میں

جادۂ صحرا کی نبض اے دستِ وحشت دیکھنا

ماشاء اللہ چشم بددور میرے خیال میں اتنا بلند شعر کوئی مبتدی یا اس عمر والا ہرگز ہرگز نہیں کہہ سکتا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ طرح فرمائشی پر مطبوعہ غزل نامہ بھیجتا ہوں والدعا۔ یہاں تک لکھوا چکا تھا کہ آپ کے ماموں صاحب قبلہ جو میرے قدیمی عنایت فرما اور محسن زادے ہیں تشریف لائے اور آپ کا دستی خط دیا۔ جس کے پڑھنے سے بے حد مسرور ہوا۔ دیر تک تمہارا ذکر رہا اور تفصیل سے حالات دریافت ہوئے۔ میں تم کو اس خط میں اور ہمیشہ کبھی آپ اور کبھی تم ضمیر مخاطب حاضر سے مخاطب کرتا ہوں تم سمجھتے ہو گے۔ یہ شتر گربہ کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا لفظ تعظیمی باعتبار خیال سیادت و قابلیت لکھتا ہوں اور اقتضائے جوشِ محبت یا شفقت استادانہ سے جو بمنزلہ رافت پدرانہ ہے تکلف برطرف کر کے تم بھی لکھوا جاتا ہوں۔ ایطا کی بحث تم نے ماشاء اللہ نہایت قابلیت سے لکھی ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ فارسی گویوں اور اردو والوں کے قواعد میں اتفاق نہیں ہے۔ لگانا۔ اُٹھانا کی تقفیہ کرنے میں آپ کی احتیاط مناسب اور میرے قواعد و اصول کے موافق ہے مگر اُردو میں فحول شعرا نے کہا ہے تو اسے ناجائز نہ سمجھو۔ اس بحث کو چھپوانے کی ضرورت اور شاہ مدار کی ریوڑیاں بانٹنے کی کیا حاجت ہے۔ مکرمی جناب حافظ صاحب قبلہ (تمہارے ماموں صاحب) بخیر و عافیت پہنچ گئے۔ ابو محمد عبد تسلیم رساں ہے۔

۱۸ ذی الحجۃ الحرام ۱۲۹۷ھ

سید اعمال منیر از رام پور

(۱۵)

مکتوب مولوی خدا بخش خاں

مکتوب الیہ سید افتخار عالم صاحب

مخدومی زاد لطفہٗ۔ بعد دعا و سلام این کہ۔ آپ کا عنایت نامہ آیا۔ کتابوں کے لئے دیدہ براہ ہوں۔ آپ کو جو جو تفصیلیں درکار ہوں گی نسبت بی بی ساہ جمیلہ صاحبہ کے میں لکھ دوں گا۔ اُنہوں نے علی گڈھ کی طرح میں بھی غزل لکھی ہے کاتب آ جائے تو میں اُن کو بھیج دوں گا۔ یہاں سب خیریت ہے۔ خبر ہے کہ گورنر جنرل کتاب خانہ ملاحظہ کرنے کو ۱۰ جنوری تشریف لائیں گے۔ دیکھئے اس ملاحظے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے زیادہ نیاز

۱۲ دسمبر ۱۹۰۲ء

خدا بخش عفی عنہ

(پٹنہ)

مکتوب مولوی سید عبدالحی صاحب — (۱۶) — مکتوب الیہ سید عبدالعلی لکھنوی

نورِ چشم و سرورِ دل ناتوانم مولوی سید عبدالعلی سلمہ

بعد دعائے ترقی عمر و اقبال کے واضح ہو کہ تم نے ہنسوہ کے خطوں سے سانحہ ہوش ربا روح فرسا انتقال برادرم و باعث تاب و توانم مولوی سید ابوالقاسم صاحب کا معلوم کیا ہوگا۔ میں اور تم جب ہنسوہ گئے ہیں تو وہ اچھے تھے اونکو میں اچھا چھوڑ کر آیا یکایک تار آیا کہ وہ بستر مرگ پر ہیں دوسرا آیا کہ انتقال ہو گیا۔ میں اوسی دن گیا مگر تجہیز و تکفین میں شریک نہیں ہو سکا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ زبیر و محمد کو ساتھ لے گیا تھا اور وہیں چھوڑ آیا۔ پھر ارادہ جانے کا ہے تاکہ غور کروں کہ اونکے خانہ داری کا انتظام کیونکر بغیر کسی پریشانی کے جاری رہ سکتا ہے۔ مرنا ناگزیر ہے مگر اونکی موت میرے لئے اپنی موت سے بدتر ہے۔ تمہاری ہوش سے پہلے کا واقعہ ہے کہ میرے اور اونکے درمیان میں اس قدر گہرے تعلقات تھے کہ ہم دونوں یک جان و دو قالب تھے، وہ تعلقات اب باقی نہ تھے مگر اونکو مجھ پر بھروسہ تھا اور مجھے اون پر اعتماد کلی تھا اور ہم دونوں یہ سمجھتے تھے کہ دنیا میں اون کا مجھ سے زیادہ اور میرا اون سے زیادہ کوئی ہمدرد اور قدردان نہیں ہے۔ اس دردمندی کا خاتمہ ہوا۔ ذالک تقدیر العزیز العلیم۔ تم صبر کرو۔ دنیا میں اس طرح کی مصیبتیں انسان کو پیش آتی رہتی ہیں مگر مردانہ وار اون کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ فقط صابر سلمہ کو دعا۔

عبدالحی

کتاب جو تم نے بھیجی تھی پریشانی کی وجہ سے رسید نہیں لکھ سکا۔

مکتوب سید عباس حسن فصاحت لکھنوی مرحوم — (۱۷) — مکتوب الیہ ریاض خیرآبادی مرحوم

مکرمی جناب سید ریاض احمد صاحب ریاض دام لطفہٗ

بعد ہدیہ تسلیم۔ واضح خاطر شریف ہو کہ میں بحمد اللہ زندہ تو ہوں۔ مگر مبتلائے امراض چند در چند و افکار روزگار ہفتہ بھر میری طبیعت اعتدال پر نہیں رہتی۔ بقول کہ یک پیری و صد عیب۔ آپ کی صحت و عافیت کا درگاہ ایزدی سے خواستگار ہوں۔ درحقیقت میری اور آپ کی ملاقات کو ایک عرصہ مدید ہوا۔ ہمارے اور آپ کے جاننے والے اور شناسا اب کہاں؟ سب راہی ملک بقا ہوئے۔ آپ کا محبت نامہ یعنی کارڈ مورخہ ۱۸ اگست مجھ کو ملا۔ اور پہلا کارڈ جو آپ لکھتے ہیں وہ مجھ کو نہیں پہونچا۔ جب سے اب تک مجھ کو شدید امراض تھے۔ آپ کی تعمیل ارشاد نہ کر سکا۔ بخدا اب میرے دل و دماغ میں اتنی قوت نہیں کہ فی ماہ ایک غزل بھی کہہ سکوں۔ میرا کہنا تو بہت کم ہو گیا ہے۔ گاہے ماہے بوجہ اصرار احباب کچھ کہہ لیتا ہوں۔ ہاں بہ مجبوری اصلاح کلام تلامذہ لکھنؤ اور بیرونجات کا اتفاق ہوتا ہے نہایت جبر کرکے طبیعت پر بناتا ہوں یا کہ عذر کرتا ہوں مگر حضرات تلامذہ نہیں مانتے۔ میں نے تو جناب وسیم صاحب سے حیدرآباد دکن سے آنے کے بعد عذر کر دیا تھا کہ مجھے معاف کیجئے۔ میں ماہوار طرح گلچیں میں غزل دینے سے قاصر ہوں۔ ہاں سال بھر میں دو چار دفعہ دوں گا۔ انہوں نے واقعی میرے عذر کو پسند کیا اور دونوں طرحیں دکن کے مشاعرے کی مجھ سے اسی بنا پر لی تھیں کہ ان میں آپ کی غزلیں موجود ہیں فکر کرنے کی تکلیف نہ ہوگی۔ چنانچہ ایک طرح انہوں نے

گلچیں میں شائع کی اور وہ غزلیں طبع بھی ہوئیں۔ اور دوسری طرح نہ معلوم کس مصلحت سے شائع نہ کی۔ ورنہ میں اپنی غزل بھیج دیتا۔ المختصر میں آپ سے اور جناب وسیم سے عذر کرتا ہوں صحیح سمجھ کر مسموع ہو لہٰذا آپ کے اصرار کے بموجب کل ذرا مزاج بحال ہوا تو یہ چند شعر قلم برداشتہ کہہ کر ارسالِ خدمت ہیں۔ عزیزی اچھے صاحب شہرت سلمہ آج کل باہر ہیں اور سید ماجد حسین صاحب سے جبلپور ہو گئے کہ ملاقات نہیں ہوئی۔ نہ معلوم کہاں ہیں۔ فقط ... زیادہ زیادہ۔ جناب وسیم صاحب کو سلام شوق۔ ان کو بھی یہ تحریر دکھا دیجئے گا۔ تصنع نہ سمجھئے گا، نہ مبالغہ شاعری۔ آپ کے دیکھنے کو بہت جی چاہتا ہے، دیکھئے کب ملاقات ہوتی ہے، راقم الآثم۔

سید عباس حسن فصاحت عفی عنہ

غزل

سونے سے چونک کر یہ کہا شب کو یار نے
نالہ کیا کسی نہ کسی بے قرار نے

مارا نہیں غم و الم روزگار نے
لی جان میری حسرتِ دیدار یار نے

دہلا دیا ناتواں مرے دل کو غضب کیا
دکھلا کے منہ بلائے شبِ انتظار نے

ہمسر جو گل ہوا ترے رخسار سے باغ میں
دُرّے لگائے موجِ نسیمِ بہار نے

تربت پہ میری اور گلوں کو ہنسا دیا
افسوس اُن کے خندۂ بے اختیار نے

اشک کے اضطراب کو اظہار کر دیا
شق ہو کے دو جگہ سے ہمارے مزار نے

رونے کو تھے یہ زخمِ بدن اپنے حال پر
لیکن ہنسا دیا ترے اوچھے سے وار نے

جامے گلوں کو باغ نے پہنا کے سرخ سرخ
کانٹوں کو سبز کر دیا فصلِ بہار نے

جھانکے نہ ان کو روزنِ دیوار سے رقیب
اٹّا کیا ہے بند ہمارے غبار نے

سیماب و برق و موج نے جب کی برابری
دے دی شکست میرے دلِ بیقرار نے

مژگاں کے ساتھ لشکرِ غم نے چڑھائی کی
بڑھ کر نشان سرمۂ دنبالہ دار نے

موسیٰ نبی کا حفظ کیا جل شانہٗ
دشمن کے گھر میں بھیج کے پروردگار نے

،، ،،
کیا کیا ہوائے دامنِ ابرِ بہار نے

آئے وہ نزع میں تو اشارے سے یہ کہا
میرا کیا یہ حال ترے انتظار نے

واعظ کے گرد کیوں ہے تماشائیوں کی بھیڑ
کیا لی خبر کسی نہ کسی بادہ خوار نے

گلشن میں مردِ بہر حفاظت کھڑے ہیں خاک
گل کی شمیم اڑا لی نسیمِ بہار نے

ہم جلنے والے عاشقوں کے دل ازل کے روز
کیا آگ سے بنا دیئے پروردگار نے

روکا اندھیری رات میں آتے ہوئے نہیں
افسوس جھلملا کے چراغِ مزار نے

آواز ایک نے بھی فصاحت نہ دی نہیں
قبروں پہ دوستوں کی گئے جب پکارنے

تحریر تاریخ
۴ر ستمبر ۱۹۱۷ء

(۱۸)

مکتوب سید عباس حسن فصاحت لکھنوی — مکتوب الیہ سید محمد شاکری وسیم خیرآبادی

مصدر محبت و مودت جناب وسیم صاحب زاد محبتہ۔

بعد سلام شوق التیام واضح خاطر الفت مآثر ہو کہ میں بحمد اللہ زندہ تو ہوں مگر مبتلائے انکسار و تردّدات دنیوی اور ضعف پیرانہ سالی و امراض . . . نہایت ضعیف و ناتواں ہو گیا ہوں۔ شاید زمانۂ حیات میرا اب کم باقی ہے۔ خیر بہر حال شکر الٰہی لازم و واجب ہے۔ اب میرا دل نہ دماغ شعر کہنے کے قابل نہ رہا۔ طبیعت پر جبر کر کے کبھی کبھی کچھ کہہ لیتا ہوں۔ جگر صاحب کے مراسم محبت قدیمانہ ہیں، وجہ تہذیب و مروت مجبور ہوں۔ کئی سال سے بوجہ ان کے اصرار کے سالانہ اس ایک مشاعرے میں ضرور جاتا ہوں اور غزل بھی کہتا ہوں۔ چنانچہ اب کے بھی علاوہ خط کے خود جناب جگر صاحب بھی برائے دعوت ہفتہ بھر ہوا کہ میرے پاس اور قاری یعقوب علی صاحب نصرت کے پاس آئے تھے۔ بشرط صحت و حیات انشاء اللہ ضرور جاؤں گا مع . . . صاحب سلمہ اور ایک پوتے کے۔ غزل حتی الامکان کہوں گا۔ آپ بھی ضرور آئیے۔ عرصے سے آپ سے ملاقات نہیں ہوئی ہے اور آپ کا کلام نہیں سنا ہے۔ بلکہ آپ جگر صاحب کو لکھئے کہ جناب فانی صاحب کو بھی خط لکھ کر بلائیں بہتر ہو گا۔ یقین ہے کہ آپ کے کہنے سے جگر صاحب فانی صاحب کو بھی ضرور بلائیں۔ مشاعرہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ جگر صاحب بہت اہتمام کرتے ہیں۔ مہمانوں کی راحت رسانی اور خاطرداری کا۔ اور شہروں سے بھی شعرا آتے ہیں اور کرایہ آمد و رفت ریل سب کو بہ اصرار دے دیتے ہیں جن کو بلاتے ہیں۔ اور کھانا وغیرہ بھی موافق اپنی استطاعت ضیافت میں کھلاتے ہیں۔ جگر صاحب کو آپ فانی صاحب کے بلانے کو ضرور میرا خط پہنچتے ہی لکھیں اور ضرور فانی صاحب کو ترغیب دلائیں مشاعرے میں جانے کی۔ میری دلی خواہش یہ ہے کہ فانی صاحب اس مشاعرے میں ضرور ہوا۔

حسب الطلب آپ کے غزل بھیجتا ہوں۔ میری چالیس برس کی کہی ہوئی ہے۔ اور دیوان میرا انشاء اللہ مطبع منشی نولکشور میں چھپے گا۔ باقی حالت دیوان چھپنے کی میں آپ سے بوقت ملاقات اسوان میں کہوں گا۔ میری جانب سے جناب ذکی صاحب اور ریاض صاحب کو بہت بہت سلام شوق کہئے گا۔ فقط

باقی خیریت۔ اور آپ کی صحت نیک مطلوب۔

۵ رجولائی ۱۹۳۴ء

راقم آثم سید عباس حسن فصاحت عفی عنہ

(۱۹)

مکتوب امیر علی رضوی — مکتوب الیہ نواب وقار الملک

THE LAMBDENS, BEENHAM NR READING.

مخدوم مکرم زاد مجدکم۔

بعد تسلیم و نیاز کے التماس یہ ہے کہ آپ کا والا صحیفہ مورخہ ۲۸ راگست مجھے . . . . . . میں موصول ہوا اور اس باعث سے جواب میں تاخیر ہوئی معاف فرمائیے۔ مجھے از حد خوشی ہوئی اور میں خدا کا شکر بجالایا۔ کہ آپ کے صاحبزادے سلمہ اللہ تعالیٰ کو خداوند جل شانہٗ نے صحت عطا فرمائی۔ دعا کرتا ہوں کہ باری تعالیٰ ان کو بزودی تمام قوت عطا کرے اور ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

جناب والا نے جو میموریل گورنمنٹ آف انڈیا میں بھیجی ہے کہ امپیریل گورنمنٹ سے کالج کی کچھ امانت ہو اگر

اس باب میں اس لیگ سے کچھ مدد ممکن ہو اور قائم فرمائیں گے میں اس میں کما حقہ کوشش کروں گا۔

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج ایسوسی ایشن کا لندن میں قائم رہنا از حد ضروری ہے۔ اس کی نسبت میں عنقریب حسب الحکم جناب والا کے ایک یادداشت آپ کی خدمت میں روانہ کروں گا۔ مجھے تو اس قدر ہجوم کام کا ہے کہ عرض نہیں کر سکتا تاہم انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ہفتہ میں ضرور یادداشت مطلوبہ ارسال کرونگا۔

اس ایسوسی ایشن سے جو فائدہ مسلمان طلبا کو پہنچتا ہے اس کو کمال و تمام جناب ڈاکٹر ضیاءالدین صاحب سے آپ کو معلوم ہوگا۔ ہر چند سال گزشتہ میں بوجہ آمد ایک دوست کے بعض طلبا سرکشی شروع کر دیتے تھے۔ تاہم بہرحال سب کے سب اب سعادت مند ہیں اور ہدایت و رہنمائی سے گریز نہیں کرتے، جو عنقریب آنے والے ہیں اور اکثر جو آئے ہوئے ہیں خوشحال معلوم ہوتے ہیں۔ میری رائے ہے کہ نومبر اور دسمبر میں کچھ لکچر کا انتظام کیا جائے۔ اس کی نسبت میں مرزا ندل اور سر تھیوڈور ماریسن اور دیگر احباب کو لکھتا ہوں۔ ان لکچروں سے نوجوانوں کو نہایت فائدہ پہنچنے کا احتمال ہے، اور میں پھر انشاء اللہ تعالیٰ اخلاق احمدی پر ایک لکچر عنقریب دینے والا ہوں۔

مسجد کی نسبت ہز ہائنس آغا خان صاحب سے اور مجھ سے بالکل اتفاق ہے اور امید تو ہے کہ خدا کے فضل و مدد سے قیصر ہند کا پاٹرنج PATRONAGE اس امر میں عطا ہو۔ مگر اس امر کو محض محرمانہ سمجھتے۔ کیونکہ اس کی شہرت سے فائدہ متصور نہیں ہے۔ باقی التسلیم

۱۲ راکتوبر ۱۹۱۰ء اخلاص کیش امیر علی رضوی عفی عنہ

مکرر عرض یہ ہے کہ اس سال بھی دعوت مجھے بہت دیر سے ملی۔ جیوڈیشل کمیشن کے سامنے جو مقدمات درپیش ہونے والے ہیں اس کا پورا لسٹ LIST مقرر ہو گیا۔ اب میں اس کو چھوڑ کر چلا جانا دشوار سمجھتا ہوں۔ اس واسطے میں جناب مولوی عزیز مرزا صاحب کی خدمت میں لکھتا ہوں کہ اگر آئندہ سال میری صدارت چاہتے ہوں تو مجھے ماہ جولائی میں ضرور خبر دیں تاکہ میں لارڈ چانسلر سے اس کے لئے انتظام اول سے کروں۔ اب پھر ان کو اس باب میں فرما دیویں۔

مکتوب الیہ سید خورشید علی (۲۰) از جسٹس امیر علی رضوی

To. Mr. Syed Khurshed Ally,
Khurshed Cottage,
Hyderabad-Deccan.
(Deccan) India.

The Lambdens
Beenham,
No. Reading.

عنایت فرمائے من۔

سلام و نیاز قبول ہو۔ . . . . آپ کا الطاف نامہ مورخہ ۲ رمئی موصول ہو کر باعث مسرت خاطر ہوا۔ میں بخوشی تمام اپنا فوٹو آپ کی خدمت میں ارسال کرتا۔ مگر افسوس ہے میرے پاس کوئی موجود نہیں، مگر آپ بآسانی تمام ایک کاپی JOHNSTON AND HOFFINAM, PHOTOGRAPHERS CALCUTTA, 13th CHOWRANGI ROAD کے یہاں سے منگا سکتے ہیں۔ شاید جو فوٹو جج کے لباس میں لیا گیا تھا وہ آپ کو زیادہ

منظورِ خاطر ہوگا۔

میرے تصنیفات کا نام میں تفصیل وار لکھتا ہوں۔

1. ARTISTICAL EXAMINATION OF THE LIFE AND TEACHINGS OF MOHAMMAMED.

جس کا ترجمہ لکھنؤ میں چھپا ہے تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام۔

2. PERSONAL LAW OF THE MOHAMMEDANS, — شرع محمدی
3. LAW LECTURES. — شرع محمدی
4. MOHAMMEDAN LAW, VOLS. 1 AND 2.
5. STUDENTS HAND BOOK MOHAMMEDAN LAWS.
6. HISTORY OF THE SARACENS. — تاریخ اسلام
7. THE SPIRIT OF ISLAM. — جوہر اسلام
8. THE LAW AND EVIDENCE APPLICANTS IN BRITISH INDIA. (AMIR ALI & WOODFORE)
9. COMMENTARY ON THE BENGAL TENANCY ACT (AMIR ALI & FINUCANCE.)
10. ISLAM.

میں اس وقت چند کتابوں کی تصنیف میں مشغول ہوں اور ایسا قلیل الفرصت ہوں کہ جس کا بیان نہیں ورنہ آپ نے جو مضمون مجھ سے طلب کیا ہے۔ وہ ضرور میں بھیج دیتا مگر آپ کو دو تین مضمون سے میرے جو NINETEENTH CENTUARY میں چھپے ہیں فائدہ مل سکتا ہے۔

(1) THE STATES OF WOMEN IN ISLAM MAY 1893.

(2) THE INFREANCE OF WOMEN IN ISLAM.

اور پتہ آپ کو HISTORY OF THE SARACENS یہی ملے گا۔
یہاں ایک اخبار ہے WOMEN AND PROGRESS. اس کو کبھی کبھی دیکھ سکتے ہیں۔ باقی والتسلیم[1]

۳ر جون ۱۹۰۲ء — امیر علی رضوی عفی عنہ

(۲۱)

مکتوب سید علی بلگرامی

مکرمی و مخدومی ۔ سواران علاقہ ہمت خاں در ضلع انگلندل نزد این جانب بودند و کار خود را بدرستی انجام دادند

---

[1] مولانا محمد رشید علی نے یہ خط میرے ذخیرے کے لئے عنایت فرمایا ہے اور میرے یہاں محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

لہٰذا اگر سواران مذکور کہ پنج نفر اند در تحصیل باغات کہ علاقہ دیوانی است متعین نمودہ شوند بسیار ممنون خواہم شد فقط

۱۹ محرم ۱۳۰۳ھ (مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۸۸۵ء) سید علی[1]

مکتوب سید علی بلگرامی (۲۲)[2] مکتوب الیہ وقار الملک مشتاق حسین

جناب مخدومی

معلوم نہیں ڈاکٹر سعید الظفر خاں صاحب کی جگہ پر آپ نے کیا انتظام فرمایا ہے، کیا آپ میر حسن کو آمادہ نہیں کر سکتے کہ اپنی خدمات کالج کو دیں۔ میری رائے میں تو وہ لندن میں وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اور شاید اگر وہ کوئی قومی خدمت اپنے لائق سمجھتے تو ضرور کرتے۔ انشاء اللہ ناگپور میں ملازمت حاصل ہوگی۔ والسلام

۲۰ ردسمبر ۱۹۱۰ء نیاز مند سید علی بلگرامی

مکتوب سید میر حسن (۲۳) مکتوب الیہ منشی محمد الدین فوق

مخدوم و مکرم و عنایت فرمائے حال بندہ بعافیت باشید

پس از سلام مسنون عرض خدمت والا یہ ہے کہ جناب کا فرمان عالیشان باعث افتخار خاکسار ہوا۔ افسوس ہے کہ مجھے علامۂ زماں فخر دوراں جناب مولانا مولوی عبد الحکیم صاحب کے حالات سے آگاہی نہیں ہے جیسی کہ آپ کو ہے[3]۔ واقعی زمانہ کے انقلاب سے وہ حالات ایسی تاریکی میں ہیں کہ ان کو روشنی میں لانے کے لئے سامان کا بہم پہنچنا بہت دشوار ہے۔

"مآثر الکرام" کے حصہ اول صفحہ ۲۰۴ پر حضرت کا مختصر سا تذکرہ ہے۔ مگر جس شرح و بسط سے آپ لکھ رہے ہیں اور چاہتے ہیں وہ اس میں بھی نہیں ہے۔

سکھوں کے زمانہ میں سیالکوٹ لوٹا گیا۔ شہر میں آگ لگائی گئی۔ اکثر کتب خانے جل گئے۔ بزرگوں کی اولاد آوارہ ہو گئی۔ اب جو لوگ ان کی اولاد سے ہیں علم سے بے بہرہ ہیں۔ چند باتیں اگر کسی کو بطور نقل در نقل یاد بھی ہوں تو محل وثوق نہیں۔ امید ہے آپ مجھے معاف رکھیں گے۔ فقط زیادہ سلام

۲۹ رمارچ ۱۹۱۹ء نیاز مند کہن میر حسن

---

[1] ڈاکٹر سید علی بلگرامی مترجم تمدن ہند و تمدن عرب وغیرہ۔ حیدر آباد میں معتمد تعمیرات عامہ (سیکرٹری پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ وغیرہ) کی حیثیت سے مدتوں رہ چکے ہیں۔ ان کی یہ چٹھی غالباً یہاں کے ملٹری سیکرٹری کے نام ہے جو ۱۳۰۳ھ کی لکھی ہوئی ہے۔ اُن دنوں حیدر آباد میں عام طور پر سرکاری کاروبار فارسی میں رائج تھے"

[2] عطیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد

[3] شاہ جہانی عہد کے مشہور فاضل ملا عبد الحکیم سیالکوٹی۔ فوق صاحب نے ان کے سوانح لکھے تھے۔ غالباً فراہمی احوال کے سلسلے میں مولانا سید میر حسن کو بھی لکھا تھا جس کا یہ جواب ہے۔

(مہر)

مکتوب مولانا میر حسن (۲۴) مکتوب الیہ منشی محمد الدین فوق

مخدوم و مکرم بندہ جناب منشی محمد الدین صاحب فوق

پس از سلام مسنون عرض خدمت والا یہ ہے کہ جناب کا گرامی نامہ جو میرے افتخار کا باعث ہے ملا۔ نہایت نادم اور شرمسار ہوں کہ جواب بہت دیر میں عرض کر رہا ہوں۔

آپ نہایت نیک اور مفید کام کر رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں گویا مُردوں کو زندہ کر رہے ہیں۔ اور موجودہ گم ناموں کے سروں کو ناموری اور شہرت کے تاج سے زینت دے رہے ہیں۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ اس شہر کے شاعروں میں ایک شاعر عشق تخلص تھے۔ نام بھی یہی تھا جو کشمیری الاصل تھے۔ اردو فارسی میں شعر کہا کرتے تھے۔ میں بچہ تھا۔ وہ جوان تھے لیکن بسبب قرب و جوار اور ہم محلہ ہونے کے میں انہیں جانتا تھا۔ شاید مئی ۱۸۹۵ء میں وہ فوت ہو گئے ان کا ایک شعر اس وقت یاد ہے ؎

کسی کے ترکی و تازی ہمارے ٹٹو ہیں   کسی کے شال دوشالے ہمارے پٹو ہیں

ایک مخمس کریلوں کے بارے میں بھی انہوں نے لکھا تھا جس کا نام کریلے نامہ تھا۔ یہ مصرع "سچ پوچھو تو ہوتے ہیں مزیدار کریلے" مخمس کے آخر میں آتا تھا۔ اس سے زیادہ مجھے آگاہی نہیں۔

میری طفولیت کے زمانہ میں یہاں دو درس گاہیں تھیں۔ ایک مسجد کبوتراں والی میں، جس میں مولوی غلام مرتضیٰ صاحب، جو نہایت پارسا، قانع، صابر، فرشتہ سیرت و صورت بزرگ تھے۔ درس دیا کرتے تھے۔ ایسے بزرگانہ اخلاق کا آدمی میں نے نہیں دیکھا۔

دوسرے چوک بازار کی مسجد میں مولوی شیر محمد صاحب جو مولوی غلام مرتضیٰ صاحب سے عمر میں بڑے تھے درس فرمایا کرتے تھے۔ مولوی عبد الحکیم صاحب مرحوم و مغفور کی اولاد سے میانہ پورہ میں مولوی غلام مصطفیٰ صاحب تھے۔ مگر ان کے یہاں درس تدریس کا کام نہ تھا۔ مولوی محبوب عالم صاحب تھے جو پہلے سرکاری مدرسہ میں ملازم تھے پھر نوکری چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ ان کی فارسی دانی کی بہت شہرت تھی۔ صدر بازار چھاؤنی میں مولوی فضل احمد امام جامع مسجد تھے۔ صورت پاکیزہ سیرت پسندیدہ رکھتے تھے۔ ایک ندی کے پار شہر کے جنوب کی طرف موضع پورہ نیکا میں ایک قاری صاحب تھے جو قرآن شریف، علم قرأت اور تجوید کے موافق پڑھاتے تھے۔ نہایت پرہیزگار اور بے تکلف آدمی تھے۔ افسوس کہ یہ سب دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔

سر محمد اقبال صاحب کے حالات طفولیت و صغر سنی ان کے والد ماجد اور ان کے برادر معظم اور وہ خود بھی جانتے ہیں۔ وہ خود بتا سکتے ہیں۔ رہا خود یہ "برعکس نہند نام زنگی کافور" کا مصداق وہ اس قابل نہیں کہ اس کا کچھ حال لکھا جائے۔ امید کہ آپ معاف فرمائیں گے۔ فقط

یکم مارچ ۱۹۲۳ء   آپ کا ادنیٰ نیاز مند کہن میر حسن

(سیالکوٹ)

مکتوب مولوی عبدالرزاق کانپوری (۲۵) مکتوب الیہ منشی محمدالدین فوق

برادر محترم فوق! السلام علیکم فلک منزل شاہجہان آباد (ریاست بھوپال)

یاد فرمائی کا دلی شکریہ! ۱۹ر جنوری ۱۹۲۹ء کا خط سامنے ہے۔ لیکن عدیم الفرصتی کی وجہ سے جواب نہ دے سکا۔ معاف فرمایئے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ زندہ ہوں اور باوجود رعشہ کے قلم چل رہا ہے ۱۹۱۷ء لغایت ۱۹۲۷ء اس مدت میں حسب حکم سرکار عالیہ مرحومہ فرمانروائے بھوپال میں نے تاریخ اسلام کے پانچ ہزار صفحے لکھے۔ از عہد جاہلیت عرب تا خلافت فاروق اعظم۔ عہد جاہلیت کی دو جلدیں رئیسہ کے محل سے گم ہو گئیں جس کا انتہائی صدمہ ہے اور دوبارہ لکھنا غیر ممکن ہے۔ اب ریاست اس کو طبع نہیں کرے گی۔ روپیہ کا انتظام ہو گیا تو خود شائع کروں گا۔

البرامکہ بعد نظر ثانی زیر طبع ہے۔ تقریباً تین سو صفحات کا اضافہ ہو کر سات سو صفحات پر کتاب ختم ہوئی ہے اب کتاب مکمل ہو گئی ہے اور صدہا نئے مضامین بڑھ گئے ہیں۔ انشاء اللہ اس ششماہی میں شائع ہو گی کانپور میں زیر طبع ہے میں فی الحال اعلیٰ حضرت نواب صاحب بھوپال کی سوانح عمری لکھ رہا ہوں۔ از ولادت تا صدارت ۲۶ سال کے واقعات لکھ چکا ہوں۔ اور ایک جلد بانیٔ ریاست بھوپال کی تاریخ مکمل ہو گئی ہے۔ یہ سرکاری پریس میں طبع ہو گی۔

جب تک آپ زندہ ہیں ادبی خدمات انجام دیجئے اور آئندہ نسلوں کے لئے کارنامے چھوڑ جایئے صحافت کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اس کا چارج تعلیم یافتہ طبقہ کے سپرد فرمایئے۔ کبھی کبھی خیریت سے اطلاع دیا کیجئے۔

۲ر مئی ۱۹۲۹ء (مولوی) عبدالرزاق (کانپوری) مصنف البرامکہ و نظام الملک طوسی

مکتوب مولوی عبدالرزاق (۲۶) مکتوب الیہ مولوی محمدالدین زبیری

میرے اور مولانا شبلی کے تعلقات کانفرنس کے پہلے جلسہ منعقدہ ۱۸۹۶ء لکھنؤ سے شروع ہوئے جو کہ تکمیل ندوۃ العلماء کے قیام پر ہوئی مولانا محمد علی جو ناظم اول تھے وہ میرے بھی استاد تھے۔ اور انہیں کی وجہ سے مجھے ندوہ میں شرکت عمل کرنے کا موقع ملا۔ میں نے "یاد ایام" میں اپنے ان تعلقات کو تفصیل سے لکھا ہے لیکن اس بیان میں زمانہ شباب کی رنگین صحبتوں کو نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ مولوی سید سلیمان صاحب ندوی کا بے انتہا اصرار تھا کہ ان واقعات کو نہ لکھا جائے وہ میرا مسودہ دیکھ چکے تھے اور چھاپنے کے لئے بھی لے گئے تھے لیکن نہیں معلوم کیا سبب ہوا کہ مسودہ واپس کر دیا اور اس حصہ کے خارج کر دینے پر زور دیا۔ کوئی شک نہیں کہ مولانا شبلی رنگین مزاج تھے۔ اور رنگین صحبتوں کے شائق ممکن ہے کہ یہ مذاق شاعرانہ طبیعت کا باعث ہوا ہو۔

وہ حادثہ گزند پا کے بعد بھی لکھنؤ میں ایک عقد کرنا چاہتے تھے اور ایک مہذب اور شائستہ بیگم بھی انتخاب ہو چکی تھی مجھ سے جب مشورہ ہوا تو میں نے کہا تیمور کا اقبال گر چکا ہے۔ لکھنؤ کی بیگم سے نکاح کر کے آفت میں پڑ جاؤ گے۔ تجویز عقد سے پہلے یہ بھی ایک شرط تھی کہ جس سے عقد ہو وہ سخن سنج اور خوش مذاق اور شاعر بھی ہو اور حسن صورت اور حسن سیرت بھی ضروری ہے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ ایسی عورت آپ کو پسند نہ کرے گی۔ چنانچہ دوسرے ہفتہ میں جب ملاقات ہوئی تو مولانا نے کہا کہ میں نے غور کر کے تمہاری رائے سے اتفاق کر لیا ہے مگر معلوم ہوتا ہے

کہ یہ خیال عرصہ تک ان کے دل سے نہیں نکلا تھا۔

۳۰ جولائی ۱۹۴۹ء

عبدالماجد

مکتوب شاہ سلیمان پھلواری	(۴۷)	مکتوب الیہ محمد جعفر شاہ پھلواری

نور چشم من سلمکم اللہ تعالیٰ

از فقیر محمد سلیمان قادری چشتی ہدیہ سلام و دعا سے پذیرا نمایند۔ امابعد:

لقد طفنا کما طفتم سنینا — بھذا البیت طرا اجمعینا

اے عزیز! ۱۲۹۹ھ ہجری سے میں نے درود دلائل الخیرات شروع کیا اور اول اجازت اس کی مجھے حضرت استاذ المعلمین والاکرام قدوتنا مولانا الشیخ عبدالحی الانصاری رحمۃ اللہ علیہ نے عطا فرمائی اور میری کتاب دلائل الخیرات پر اجازت لکھ دی اور بہت خوش ہو کر فرمایا۔ ماشاء اللہ تم پڑھتے ہو ــــ پھر ۱۳۰۳ھ اور ۱۳۰۴ھ میں حرمین شریفین زادھما اللہ عزاً و شرفاً میں شیخ الدلائل فی الحرم النبوی حضرت شیخنا سید محمد رضوان اور سید محمد امین رضوان اور دیگر محدثین حرمین سے حاصل ہوئی، اور حضرت شیخ شیوخ العالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ نے خاص کر اس کی اجازت عطا فرمائی۔ یہ اجازت بحضور باطنی تھی۔ اور سید امین و محمد رحمھما اللہ تعالیٰ کی اجازت گویا بحضور ظاہری تھی کیونکہ کانت تجاہ الروضۃ النبویہ نکانی حضرت لدیہ وصلیت وسلمت علیہ۔ اللّٰھم صل وسلم وبارک علیہ۔

ابتدائے زمانہ میں میری بھی یہی حالت تھی جو آج تمہاری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں علمی زمین و آسمان بے حد مختصر تھے، صرف و نحو کو کافیہ و شرح ملا میں منحصر سمجھتے تھے پس ہر نحوی و صرفی قاعدہ کو قاعدۂ کلیہ سمجھتے تھے۔ نہ سیبویہ و فرا کے اختلافات سے آگہی تھی، اور نہ نحاۃ کوفہ و بصرہ کے مسالکِ متنوعہ سے خبر۔ آیات قرآنیہ میں بھی تلجان پیدا ہوتا تھا۔

آیۂ پاک ”اِنَّ ھٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ“ میں متحیر ہوتا تھا کہ تثنیہ کا الف بحالتِ نصب کیونکر قائم ہے ــــ مگر جب کتب تفاسیر کی طرف رجوع کیا تو یہ کھٹک جاتی رہی، بالخصوص کتاب اتقان جلال الدین سیوطیؒ کو ایسے شبہات کے دفعیہ میں بہت زیادہ مفید پایا ــــ پھر اعراب القرآن علامہ عکبری کا خوب مطالعہ کیا، تمام تراکیب اس سے حل ہو جاتی ہیں ــــ اور اب تو نادائے نحویہ مثل الکتاب سیبویہ ــــ اور مفصل زمخشری اور اس کی شروح اور اقتراح اور اشباہ نظائر سیوطی و مغنی اللبیب مع الشروح وغیرہا سب چھپ کر شائع و ذائع ہیں، ان کو دیکھنے کے بعد اپنی سب نحوی قابلیت ہوا ہو جاتی ہے ــــ مگر افسوس تم ایسی جگہ ہو جہاں کتب خانہ نہیں اور تم کو چنداں کتب بینی کا شوق بھی نہیں ولعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امراً۔

اب اپنے شبہات کے تجزیہ کی طرف متوجہ ہو۔

ذاکو دنک :- یہ درود شریف جس میں یہ لفظ ہے، یہ امام ابو طالب مکی کی قوت القلوب میں بھی ہے، اس میں بحذف نون ہے ــــ لیکن دلائل الخیرات کے عموماً نسخ میں باثباتِ نون ہے سیبویہ کے

نزدیک جن اور تثنیہ کا نون بحالت اضافت وجرًا باقی رکھنا جائز ہے ۔۔۔ علامہ فاسی محدث شرح دلائل میں اس مقام میں مباحث علمیہ کے بعد فرماتے ہیں۔ فان ذهبت الی ان الضمیر منصوب فی المثنی والمجموع علی حدتہ اثبت النون کما ھنا وان ذهبت الی انہ مخفوض علی حدتہ حذفتھا انتہی ص ۱۴۷

مجریه و مرسیه:۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو مختلف طور سے پڑھے جاتے ہیں اور سب کے لئے فی الجملہ وجوات ہیں علامہ فاسی مطالع المسرات میں فرماتے ہیں۔ وا لبحار مجریہ بضم المیم وکسر الراء وتشدید الیاء فی النسخۃ السہلیۃ علی نقل بعضہم۔ والظاہر ما عند غیرہ انہ فیہا بضم المیم وکسر الراء وتخفیف الیاء۔ وفی بعض النسخ المعتبرۃ بضم المیم وفتح الراء، وفی بعضہا بفتح المیم وکسر الراء وتشدید الیاء۔۔۔۔
پھر سب کی وجوہات بیان کرنے کے بعد تمہاری موجودہ قرأت کے متعلق فرماتے ہیں۔ من اقامۃ مفعولٍ مقام مَفعَلٍ لمجریۃ المذکور بمعنی مجراۃ بالالف ص ۱۷۹

فَاَمْ سَتْ:۔ باب افعال نے اپنی تعدی کی قسم نہیں کھائی ہے قد افلح وغیرہ کو مدنظر رکھو معہذا اکثر صحیح نسخوں میں فَرَسَتْ بحذف الالف ہے اور میں فَرَسَتْ ہی پڑھا کرتا ہوں تم بھی ایسا ہی پڑھو۔

عَظَمْتکَ:۔ تحریکات صحیح ہے اور بالسکون کاتبوں کی تصحیف ہے، پھر اس کی تقلید استخواں فروشی ہے۔

الاحیاء والاموات:۔ یہاں بھی طباعت کی غلطی ہے صحیح فقرہ ہے۔

اجمعین:۔ بعض نسخوں میں اجمعون ہے۔ علامہ فاسی اجمعین کی وجہ میں فرماتے ہیں یحتمل انہ منصوب علی الحال من ؛ ھل او علی التاکید لضمیر مقدر کانہ قال اَعنیہم اجمعین او مخفوض علی الجوار لطاعتک او للتناسب مع اجمعین قبلہ او علی لغۃ من یلتزم فی جمع المذکر السالم وما حمل علیہ الیاء فی جمیع الاحوال ص ۱۸۹ یہ پانچ وجہ علامہ فاسی نے بیان کی ہیں اور مجھے یاد آتا ہے دسوقی شرح مغنی اللبیب میں بھی یہ بحث ہے، میرے یہاں سے ایک جلد گم ہے اور ایک مولوی تمنا کے پاس ہے۔

حزب جمعه والجبال مَرساۃ والبحار مجراۃ:۔ یہاں بھی اختلاف قرأت ہے۔ اور دفع شبہ یوں ہے کہ مادہ و مصدر اس کا ثلاثی و رباعی دونوں ہی ہے۔ قاموس، مختصر صحاح جوہری و صراح و منتہی الارب، المصباح المنیر سبھی میں رسو رسو رسوّ بالتشدید یعنی رباعی بھی لکھا ہے۔ اب اختلاف قرأت سنو مطالع المسرات میں ہے۔
مُرسیۃ بضم المیم وسکون الراء۔ ثم اختلف النسخ المعتمدۃ ففی بعضہا مع فتح السین والف وفی بعضہا بکسرہا و یاء مفتوحۃ (مُرسِیَۃ) وکلاہما من ارسی الرباعی الا ان مرسیہ بالیاء اسم فاعل من رسا اللازم و مُرساۃ بالالف اسم مفعول من ارسی المتعدی ص ۱۸۱ اور المصباح

المصباح المنیر میں ہے رسا الشیٔ یرسو رسوّاً و رسُوّاً ثبت فہو راس وجبال راسیۃ وراسیات ورواس وارسیتہ بالالف للتعدیۃ ۔ ورست اقدامہم فی الحرب ۔ ورسوت بین القوم اَصْلَحْتُ ، وکذا فی القاموس والصحاح ومنتہی الارب والصراح ۔ اب اس تفصیل کے بعد لزوم و تعدّی کا شبہ کچھ نہیں رہتا خوب غور کرو ۔

سلیمان

مکتوب محمد علی ردولوی — (۲۸) — مکتوب الیہ تمکین کاظمی

مکرمی! تسلیم ۔

حضرت آپ نے میری ناچیز کوششوں کی داد دی مرے دل کو مسرور کیا ۔ اس کا اجر آپ کو وہاں سے ملے جہاں کسی کا احسان ضائع نہیں ہوتا ۔ کتاب کی طرف سے میں بڑا بدقسمت ہوں ۔ یہ رسالہ دو برس سے لکھا پڑا ہے دو مرتبہ کاپیاں لکھی گئیں ، تیسری بار چھپی بھی تو صفحے کے صفحے غائب ۔ مضامین خبط ۔ یعنی کچھ کے کچھ ہو کر رہ گئے ۔ اور میں کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گیا ۔ میرے عنایت فرما ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے ۔ پی ایچ ڈی ۔ جامعہ ملیہ میں دوبارہ چھپوا رہے ہیں ۔ دیکھئے کب تک تیار ہو ——
تا تو بمن میرسی من بخدا میرسم ۔

جناب نے مری ہمت بڑھائی آپ کی جگہ مرے دل میں ہے ، گو نوبت یکجہتی اور ہمکلامی کی نہیں آئی لیکن بیگانہ اگر وفا کند خویش منست ۔ آپ کا دعاگو ہوں اور اسی وجہ سے دل چاہتا ہے کہ ہمدرد پا کر تھوڑا سا دکھڑا بھی رو لوں ۔ میں نے چار کتابیں چھوٹی چھوٹی لکھی ہیں ۔ ایک ان میں کی تیسری طبع میں ہے ۔ ایک اب ملتی نہیں لیکن کبھی ایسا نہ ہوا کہ کتاب کسی کو دے کر اس مطبع والے سے شکایت نہ ہوتی ۔ ایک صاحب علیہ ما علیہ نے پہلی طبع عمدہ کرائی دوسری طبع میں صرف یہی نہیں کہ کاغذ بودا کر دیا ہو لکھائی سستے داموں والی کر دی ہو بلکہ اصلاحیں بھی دے دیں ، سہو کاتب نہیں بلکہ قتل عمد صرف اسی پر اکتفا نہیں بلکہ میرا دیباچہ جو مجھ کو بہت عزیز تھا معہ متن تخفیف میں آگیا ۔ یہ کیوں یہ اس لئے کہ کاغذ کا ترکسہ بچتا تھا اور اگر دیباچہ بھی رکھا جاتا تو دو چار دستے کاغذ اور کھپ جاتے ۔

فی الحال ایک کتاب جوتا بنانے پر لکھنے کا سامان کر رہا ہوں ۔ دیکھئے کب پورا ہو ۔ آپ کے مشورے پر کاربند ہونے کا ارادہ مصمم رکھتا ہوں میرا دل خود یہی چاہتا ہے اور ضرورت بھی ثابت ہے ۔ اب خط ختم کرتا ہوں ۔ تعریف کس کو بری لگتی ہے اوچھاپن کس میں نہیں ، کتاب کے کثیر نقائص میری نظر میں ہیں ۔ لیکن اس وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی ۔

۲۳؍ مئی سنہ ۲۸ء — محمد علی عفی عنہ (ردولی اودھ) الحال مقیم لکھنؤ

۱؎ چودھری محمد علی کی کتاب "صلاح کار" پڑھ کر میں نے ایک خط انہیں لکھا تھا چونکہ جنسیات پر پہلی اردو کتاب یہی تھی ۔ اس لئے میں نے اس کی بہت داد دی تھی اور واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب ایسی ہی ہے ۔ اس خط کا یہ جواب چودھری صاحب نے دیا تھا ۔ جو میرے نام ہے ۔
(تمکین کاظمی)

مکتوب مولانا عبدالباری فرنگی محلی (۲۹) مکتوب الیہ شاہ حسین میاں پھلواری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداً و مصلیاً و مسلماً۔

برادرم حسین میاں صاحب دام مجدہٗ

السلام علیکم ۔ وائسرائے کی جس تحریر کا آپ نے تذکرہ فرمایا تھا جس اخبار میں وہ شائع ہوئی ہے اگر وہ اخبار موجود ہو تو بھیج دیجئے ، اور اگر اخبار نہ ہو تو تاریخ اور نام اخبار سے اطلاع دیجئے ۔ ضرورت ہے ، انشاء اللہ بعد عصر حاضر ہوں گا فقط

فقیر محمد عبدالباری عفا اللہ عنہ

مکتوب مولانا عبدالباری (۳۰) مکتوب الیہ مولانا شوکت علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ حامداً مصلیاً و مسلماً ۔

برادرم دام مجدکم السلام علیکم ۔ (فرنگی محل ، لکھنؤ)

اللہ کے فضل سے سب خیریت ہے ۔ خدا سے امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے ۔ عزیزم عابد سلمہ ماشاء اللہ خوب پڑھ رہے ہیں ۔ پانچ چھ روز میں ختم کریں گے ۔ اس وقت آپ کو یہ خط محض اس ضرورت سے لکھ رہا ہوں کہ مجھے احساس تھا کہ آپ کو آج کل خلافت کمیٹی کے مصارف میں زحمت ہوگی بعض صورتوں سے میں نے کوشش کی کہ کچھ لوگ امداد کردیں اور کام چلے مگر افسوس ہے کہ اس وجہ لوگ اس نام سے بدظن ہو گئے ہیں کہ کسی طرح کامیابی نہ ہوئی۔

مجھے خیال ہے کہ آپ کو زحمت ہوگی اس لئے میری رائے ہے کہ آپ خدام کعبہ کا روپیہ وصول کرلیں اور اس سے کام چلائیں ۔ میرے نزدیک جس قدر مجلسیں مسلمانوں کی ہیں ان کی روح رواں آپ ہی ہیں ، خلافت کمیٹی اور خدام کعبہ جو ہو وہ آپ ہی سے عبارت ہے ۔ میں نے جو آپ کے نام روپیہ منتقل کردیا تھا اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ضرورت کے وقت آپ وصول کرکے کام چلاویں لہٰذا میری قطعی رائے ہے کہ آپ اس وقت اس روپیہ کو وصول کریں ، اگر اس طرح صرف کرنے میں تامل ہو تو بطور قرض سہی جب موقع ہوگا ادا ہو جاوے گا ۔ اور سب خیریت ہے ۔ فقط

جمال میاں سلمہ تسلیم کہتے ہیں ۔

۲۸ اپریل ۲۵ء محمد عبدالباری

مکتوب جلیل مانکپوری (۳۱) مکتوب الیہ حسرت موہانی

مکرما ۔

میں وطن گیا تھا ۔ واپس آیا تو آپ کا کارڈ پایا ۔ اردوئے معلی کا اشتہار دبدبۂ آصفی کے ایک پرچے میں چھپ چکا ہے دو مرتبہ اور چھپے گا ۔ ۶ ربیع الاوّل کے پرچے میں یہ لکھا گیا ہے کہ "وہ شخص روک لیا جائے" کی جگہ "اس شخص کو روک لیا جائے" ۔ بھی کثرت سے مستعمل ہو رہا ہے ۔ گو یہ قاعدے کے خلاف ہو مگر روزمرہ کو کیا کیجئے ۔ روک لیا جاتے مصدر ...

؎ یہ خط زمانۂ ترک موالات کا ہے ، اور حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواری کے صاحبزادے مولانا شاہ حسین میاں کو لکھا گیا ... تمام لوگ اس وقت اجمیر شریف میں تھے ، اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے ۔

مجہول ہے۔ میری رائے میں اس استعمال کو مضارع کے ساتھ مخصوص سمجھنا چاہئے اور لیا جائے ہو لازم ہے۔ مثلاً اس بات کو کوشش لیا جائے۔ خط کو دیکھ لیا جائے وغیرہ۔ اب رہا اس کی سند دینا کلام اساتذہ سے۔ یہ دشواری سے خالی نہیں مگر میں تلاش کروں گا۔ اور انشاءاللہ آپ کو بھیجوں گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس کو روکا گیا یا ردی کو کھایا گیا کہنا غلط ہے اس سے مجھے اتفاق ہے۔ اس لئے کہ ماضی کے ساتھ اچھا نہیں معلوم ہوتا اور نہ ایسا سنا گیا ہے۔ پھر بھی یہ مسئلہ غور طلب رہا۔ میں مثال تلاش کرنے کے بعد لکھوں گا۔ والسلام۔

جلیل حسن جلیل کان اللہ

مکتوب مہندی حسن **(۳۲)** مکتوب الیہ نواب سید علی حسن خاں

مکرمی نواب صاحب تسلیم۔

آپ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ حیدرآباد سے میں کیونکر جدا ہوا۔ یہ جواب اس کے عرض پرداز ہوں کہ حضور عالی نے کسی الزام میں مجھے جدا نہیں کیا۔ اگرچونکہ گورنمنٹ وہاں کی بدل گئی تو نواب مہدی علی اور مشتاق حسین اور میں سب بلا کسی الزام کے ایک کے بعد ایک جدا کر دیئے گئے اور خود نواب سر آسمان جاہ بہادر وزیر حیدرآباد کی . . . جو حضور عالی کے بہنوئی بھی تھے استعفا دے دیا اور اس امر کی تصدیق خود حضور پر نور اور نواب سر آسمان جاہ بہادر سے ہو سکتی ہے۔ اور جس تحریر کے ذریعے سے میں وہاں سے جدا ہوا ہوں اس سے معلوم ہوتا ہے اگر آپ فرماتے تو سرکار عالیہ کے ملاحظہ کے لئے وہ تحریریں آپ کے پاس بھیج دوں۔

یہ بھی فرمایئے کہ اس معاملہ میں کیا طے ہوا۔ مجھے اس لئے کوئی عذر نہیں ہے کہ سرکار عالیہ اولاً مجھے صرف بطور پرائیویٹ سیکرٹری کے رکھ کر مجھ سے کام لیں۔ تاکہ سرکار عالیہ کو بھی معلوم ہو جائے کہ میں سرکار کے لئے مفید ہوں گا۔ یا نہ ہوں گا۔ والتسلیم

۹ ر جنوری ۱۸۹۷ء نیاز مند مہندی حسن از دی ای حیدرآباد دکن

مکتوب ہوش بلگرامی **(۳۳)** مکتوب الیہ مہاراجہ کشن پرشاد

سرکار والا۔

مولانا تاجور وہاں تشریف لا رہے ہیں جہاں کے لئے میں تڑپتا ہوں۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ مولانا تاجور اس آستانہ پر حاضر نہ ہوں جو دکن میں اہل علم کا آخری سہارا ہے۔ مولانا تاجور دیوبند کے فاضل اور پنجاب یونیورسٹی کے فاضلین میں۔ انشا پرداز ہونے کی حیثیت سے اور مشہور شاعر ہونے کے لحاظ سے ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ پھر علوم مشرقیہ کے فاضل اور عربی ادب کے متبحر عالم ہونے کی حیثیت سے ان کے جوان دماغ پر مجھے رشک آتا ہے۔ ان کی علمی خوش ذوقی کی داد میں کیا دوں، لاہور کا بچہ بچہ دے رہا ہے اور ہندوستان کا گوشہ گوشہ مولانا تاجور کے علمی خدمات سے واقف۔ پھر مولانا تاجور صرف تاجور ہی نہیں ہیں۔ "بلیغ الملک" بھی۔ "ہمایوں" پنجاب کا خوبصورت رسالہ انہیں کے سامنے میں سرسبز ہو رہا ہے۔ سرکار گو صورتاً تو ان سے واقف نہ ہوں گے مگر ان کو شاعر و انشا پرداز ہونے کی حیثیت

سے مزید جانتے ہوں گے۔ مجھے امید ہے کہ سرکار ان سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔ امیر اللہ نواب نجیب الدولہ کے خاندان سے ان کا خوش قسمتی سے تعلق ہے۔ میں ان سے بہت جل رہا ہوں اور ان پر رشک اس لئے کرتا ہوں کہ یہ سرکار کی بارگاہ میں ہوں گے۔ جہاں میں بھی حاضر رہا کرتا تھا۔ آہ یاد ایام!

مولانا لاہور (جو سرکار کا پیارا وطن ہے) کے ایک بڑے کالج کے پروفیسر ہیں اور ارادہ کر رہے ہیں کہ اپنی علمی پیاس مصر میں جا کر بجھائیں۔ زیادہ حد ادب۔

۲۰ر جولائی ۲۴ء　　　　خادم دیرینہ ہوش بلگرامی (رامپور اسٹیٹ)

مکتوب پنڈت کشن پرشاد کول　(۳۴)　مکتوب الیہ سید مسعود حسن رضوی ادیب

بندہ نواز تسلیم۔

واجد علی شاہ کے خطوط جو انہوں نے اپنی بیگموں کو لکھے تھے، انہیں کے پریس میں ایک ضخیم جلد میں شائع ہوئے تھے۔ یہ خطوط اور یہ جلد سنتا ہوں کہ اب نایاب یا کمیاب ہے۔ اس کی ایک جلد ایک صاحب نے لائبریری کو نذر کی ہے۔ خیال آتا ہے کہ آپ کو واجد علی شاہ اور ان کے زمانے کے حالات سے دلچسپی ہے اگر ایسا ہے اور یہ چیز آپ کے کام یا دلچسپی کی ہو تو کسی روز یونیورسٹی سے واپسی پر لائبریری تشریف لائیے اور دیکھ لیجئے میں اس وقت ملوں گا۔ البتہ ہولی کے دوسرے روز میرا ارادہ دو تین ہفتے کے لئے باہر جانے کا ہے۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

۲ر مارچ　　　　احقر کشن پرشاد کول۔ گنگا پرشاد ورما لائبریری۔ لکھنؤ۔

(۳۵)

مہربانم۔

بہت دنوں کے بعد آپکا نامہ پہنچا۔ قبل ازینکہ میں آپ کا شکریہ ادا کروں مرزا نذیر بیگ صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی وجہ سے آپ نے مجھے یاد کیا۔

یہ بھی کیا مہر نہیں لطف نہیں ہے اے شاؔد　　　　کہ کسی بھولنے والے نے کیا یاد مجھے

انشاء اللہ تعالےٰ میں برموقع مزور مرزائے مذکور کے لئے خیال رکھونگا۔ اور یہ میرا کہنا غلط ہوگا کہ اب تک میں ان کو وقتاً فوقتاً چانس دیتا رہا۔

میں آپ سے ایک چھوٹی سی چیز چاہتا ہوں وہ کیا؟ آپ کے اسپیچز کا مجموعہ جو میں نے سنا ہے کہ حال میں طبع ہوا ہے۔ میں ایک کیا دنیا اس بات کو مانتی ہے کہ ہندوستان میں اعلیٰ درجہ کے اسپیکر اب دو رہ گئے ہیں یا ہمارے ہندوستان کے گلیڈسٹون[1] یعنی آپ۔ اور دوسرے مولوی نذیر احمد صاحب۔ آپ کے طرطی تقریر کے مقابل

---

[1] یہ مکتوب یقیناً نواب محسن الملک کے نام ہے۔ مرزا نذیر بیگ ان کے عزیزوں میں سے تھے۔ مکتوب مہاراجہ کشن پرشاد شاد کا ہے انہیں نے نواب مرحوم کو ہندوستان کا گلیڈسٹون قرار دیا۔

دوسروں کے زبان لال ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سحر بیانی آپ جیسا جوں پر ختم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے اسپیچوں سے گویائی کا سبق حاصل کروں۔ اسے وقت آرزو کہ وقت ما خوش کردے۔ فقط

۳۰ اپریل ۱۹۰۶ء
کشن پرشاد کول، شاد عفی عنہ[1]

مکتوب: جیدی، نادی الاقتصادی (۳۶) مکتوب الیہ سید افتخار عالم

پیارے جناب۔

میں نے نہایت خوشی کے ساتھ مقدمہ حیات اسٹیر دیکھا لیکن اس سے یہ نہ معلوم ہو سکا کتاب شائع ہو گی یا نہیں۔ میں نے احتیاطاً علی گڑھ لکھا تھا لیکن وہاں سے صرف اس قدر معلوم ہوا کہ کتاب بک ڈپو میں نہیں آئی اب براہ راست آپ کو لکھنے کی عزت حاصل کرتا ہوں۔ اگر آپ نے کتاب باختلاف کاغذ چھپوائی ہو تو ایک جلد قسم اول بحفاظت پیک کر کے وی پی عنایت فرمایئے نہایت ممنون ہوں گا قبل اس کے کہ میں آپ کے قلم کے سائے میں آپ کے افادات سے فائدہ اٹھاؤں میں آپ کی شریفانہ پیش قدمی کے لحاظ سے آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میری بہترین خواہشات آپ کے ساتھ ہیں۔ آپکا نیاز مند

۲۷ مارچ ۱۹۱۳ء
ایم مہدی حسن تحصیل ہنڈیا ضلع الہ آباد

مکتوب: نسیم بھرت پوری (۳۷) مکتوب الیہ احسن مارہروی

مکرم بندہ۔ تسلیم۔

خط سامی کے جواب میں اس وجہ سے دیر ہو گئی کہ میرے مرض نے ترقی کر کے خطرناک صورت پیدا کر دی تھی میں معذور اور تیمار دار پریشان تھے۔ پرسوں زخم کا اپریشن ہو جانے سے مرض میں افاقہ اور طبیعت رو باصلاح ہے۔ تازیانے کے واسطے ابن حسین تپاں کو لکھا ہے اس لئے کہ جس مطبع میں دیا گیا ہے انہیں کے ذریعے سے دیا گیا ہے کیا عجب ہے کہ وہ براہ راست آپ کے پاس بھیج دیں۔ تاریخ ہائے وفات استاد مرحوم حسب تحریر روانہ کی جاتی ہیں۔ طبیعت صاف ہو جانے پر مرثیہ کی بھی فکر کی جائے گی زیادہ والسلام آپ کا ہوا خواہ

۲۴ جولائی ۱۹۰۵ء
شبیر حسین نسیم از بھرت پور

مکتوب: میر نثار علی شہرت دہلوی (۳۸) مکتوب الیہ منشی محمد الدین فوق

مکرم بندہ۔ السلام علیکم۔

آپ کا خط مجھے سید حفیظ الدین صاحب سب جج نکودر نے برائے تعمیل دیا تھا۔ میں سید محمد لطیف[2] صاحب کے حالات اس مہینے کے آخر تک دوں گا۔ آپ مطمئن رہیں میں جج صاحب کے پردادا کے پاس رہا۔ پھر ان کے دادا کے پاس۔ پھر ان کے والد کے پاس۔ اب ان کے پاس ہوں۔ میرا ان کا تعلق یگانوں کے مطابق ہے۔ میرا خیال ہے محمد عظیم صاحب کے حالات اور بھی دوں۔ آپ کا دوست

۲۵ اپریل ۱۹۲۷ء
میر نثار علی شہرت از نکودر ضلع جالندھر بمکان جج صاحب

[1] نقل نویس نے اس خط کو کشن پرشاد کول کے نام سے منسوب کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ خط مہاراجہ کشن پرشاد شاد کا ہے [2] مصنف تاریخ لاہور و تاریخ پنجاب و تاریخ آگرہ

(۳۹)

مکتوب خوشی محمد ناظر

مکتوب الیہ منشی محمد الدین فوق

ڈیمی آفیشل از محکمہ گورنری کشمیر (سری نگر)

کرمی منشی صاحب السلام علیکم۔

آپ کشمیر تشریف لائے ہوئے ہیں اور اپنے وطن علاقہ زنگیر میں مقیم ہیں۔ امید ہے آپ سری نگر بھی ضرور آئیں گے۔ جب تشریف لائیں تو مجھ سے ضرور ملیں۔ مجھے آپ کی ملاقات سے کمال خوشی ہوگی۔

۲۴ر جولائی ۱۹۱۱ء

خوشی محمد ناظر گورنر کشمیر

(۴۰)

مکتوب غلام احمد مہجور کاشمیری

مکتوب الیہ منشی محمد الدین فوق

مخدومی و مکرمی۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔

میرے پاس شیخ نورالدین ولیؒ کی سوانح عمری موسومہ "نورالدین نامہ" قلمی موجود ہے جو ۱۲۳۵ھ کی تصنیف ہے۔ اس میں ۱۲۶۷۲ ابیات ہیں۔ اس کتاب کی زیادہ خوبی یہ ہے کہ مصنف نے شیخ صاحب کے اس کشمیری منظوم کلام کا ترجمہ بھی کیا ہے اور اس کی شرح بھی لکھی ہے۔ اور فی الحقیقت شرح کے بغیر شیخ کے عارفانہ اور حکیمانہ کلام کو سمجھنے کی آج کل کسی کو اہلیت بھی نہیں ہے۔ شیخ کے شلوک (اشعار) فارسی رسم الخط میں ہیں اور ترجمہ فارسی نظم میں ہے۔ ضمناً مصنف نے تین سو سے زیادہ ابیات میں للہ عارفہ کے حالات زندگی بھی لکھے ہیں۔ اور یہ مضمون بجائے خود ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔

"تاریخ ادیبان کشمیر" کے حصہ اول میں ۱۷، حصہ دوم میں ۱۴۰۔ حصہ سوم میں ۳۶۔ کل ۱۹۳ شعرا کے حالات اور ان کا کلام کم و بیش فراہم ہوا ہے۔ ان سب میں ۲۱ شاعر کشمیری پنڈت ہیں۔

بیماری ہیضہ کی شکایت کشمیر میں بدستور ترقی پر ہے۔ خداوند کریم اپنا فضل کرے۔

۲۹ر مئی ۱۹۲۵ء

غلام احمد مہجور پٹواری جوالاپورہ بڈگام کشمیر

(۴۱)

مکتوب مہجور کاشمیری

مکتوب الیہ منشی محمد الدین فوق

مخدومی مکرمی جناب فوق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔ شاید آپ کو یاد ہو یا نہ ہو۔ ۷ر اپریل ۱۹۲۸ء کے کشمیری اخبار میں پہرو کے پوسٹ مین کی شکایت چھپی تھی کہ چونکہ وہ اسی قصبہ کا باشندہ ہے اس لئے ڈاک وقت پر نہیں پہنچاتا۔ علاوہ لوگوں کو عدم رسیدی خطوط کی شکایت ہے۔ افسران ڈاک نے اس پر توجہ کی۔ لیکن پوسٹ مین بہ سرعت [illegible] بچ گیا بلکہ اسی حیلہ سے وہ انفرادی شکایتوں کی تحقیقات سے بھی بچ جاتا رہا۔

اب شامت اعمال سے میری ڈاک بھی اسی ڈاک خانہ کی معرفت آتی ہے اور مجھے بھی اس سے وہی شکایات ہیں جو اور لوگوں کو ہیں۔ اخبارات کا تو سخت دشمن ہے ایک دو پیسے لے کر اخبار کسی نہ کسی کو دے دیتا ہے۔ میں نے جو شکایت کی۔ لیکن اس شیطان سیرت کو ایسے گر یاد ہیں کہ ان کے مقابلہ میں ؏ "کون سنتا ہے فغان مہجور"۔ ادھر تو شکایات بے نتیجہ ثابت ہوئیں اور ادھر جو تیر اس نے مارا اور نہ لے نشانہ وہ پھر بھی ایسا نشانہ پر بیٹھا کہ مرغ بے خبر تڑپ اٹھا

بظاہر تو نہ تھا تیر و تفنگ کچھ پاس قاتل کے الٰہی پھر جو دل پر تاک کر مارا تو کیا مارا۔ یعنی اس خبیث نے ایک گمنام رجسٹری اس مضمون کی محکمہ پولیس میں بھیج دی کہ

"مہجور علاقہ انگریزی کے ایڈیٹران اخبار خصوصاً فوق صاحب کے ساتھ خط کتابت کرتا رہتا ہے۔ اور حکومت کشمیر کے خلاف ان کو مسالہ بہم پہنچا کر حکومت کے خلاف نفرت پھیلا رہا ہے۔ فوق صاحب اخبار کشمیری کے مالک و ایڈیٹر ہیں اور یہی وہ اخبار ہے جو حکومت کے خلاف ہمیشہ نکتہ چینی کرتا رہتا ہے اور اس ملک میں کثرت سے آتا ہے۔"

خط و کتابت کے ثبوت میں اس نے میرے لڑکے محمد امین کا ایک خط جو ڈاک خانہ چرار شریف کے ذریعہ نام سری نگر سے آیا تھا اس گمنام عرضی کے ساتھ پیش کیا ہے جس میں اس نے لکھا ہے کہ "جناب فوق صاحب وارد سری نگر پر آئے تھے آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اس لئے آپ کسی وقت سری نگر ضرور آئیں۔"

پولیس نے یہ گمنام عرضی سی۔ آئی۔ ڈی میں بھیج دی۔ سی آئی ڈی نے مثل مرتب کر کے گورنر کشمیر کے پاس کر دی۔ وہاں سے وزیر بارہ مولا اور وہاں سے تحصیل دار کے پاس آئی۔ تحصیل دار نے خفیہ طور پر علاقہ کے گرداور، قانونگو، ذیلدار، نمبردار سب کے بیان قلم بند فرمائے۔ سب نے کہا کہ حکومت کے خلاف مضامین بھیجنے کا جو الزام لگایا گیا ہے وہ غلط ہے۔ مہجور تو ہمیشہ ہمارے ساتھ حکومت کے حق میں باتیں کرتا رہتا ہے۔ یہ محض کسی کی شرارت ہے۔ البتہ اخبار وہ ضرور منگواتا ہے اور اخبار منگوانا یا کسی ایڈیٹر اخبار سے ملاقات کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ تحصیل دار نے ان بیانات کے بعد میرے حق میں زبردست رپٹ لکھا۔ لیکن کسی نے کچھ نہیں سنا۔ آخر مجھے مظفر آباد بدل دیا۔ وزیر صاحب نے کہا ہے کہ میں خود موقع پر جا کر رپورٹ لکھوں گا۔ میں نے درخواست دی ہے کہ میری حاضری میں باضابطہ تحقیقات فرمائی جائے۔ اگر الزام صحیح ثابت ہو تو سخت سے سخت سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ اب معلوم نہیں وزیر صاحب بارہ مولا کب میری پھیلائی ہوئی مفروضہ بغاوت کی تحقیقات فرمائیں گے۔ اور کب اس اسلحہ اور میگزین کا ملاحظہ فرمائیں گے جو مجھ ناچیز نے حکومت کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے فراہم کر رکھا ہے۔ کیا تعجب ہے کہ اس پوسٹ مین کے خلاف لوگ اپنے نام لکھ کر شکایتیں کریں اور کوئی شنوائی نہ ہو اور وہ ایک گمنام اور جھوٹی رجسٹری بھیج دے تو اس پر ایک ناکردہ گناہ کو ملک بدر کر دیا جائے۔

میں سر دست رخصت پر سری نگر میں ہوں۔

غلام احمد مہجور پٹنگی کدل (سری نگر)

۳۱ / مارچ ۱۹۲۹ء

---

(۴۲)

مکتوب مہجور کاشمیری

مکتوب الیہ منشی محمد الدین فوق (یاراں کشمیر)

مکرمی حضرت فوق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم۔ میرا اور آپ کا تعلق بے لوث اور مخلصانہ ہے۔ اس زندگی میں کبھی منقطع نہ ہوگا۔ ثبوت یہ ہے کہ میرا عزیز فرزند مجھ سے زیادہ اس سلسلۂ مودت کی قدر و قیمت سمجھتا ہے۔

آپ نے اس کے سفر پنجاب اور قیام لاہور کے طویل ایام میں جو ہمدردانہ و مشفقانہ سلوک میرے اس عزیز کے ساتھ کیا ہے اور جو ایں پیرانہ سالی میری توقعات سے زیادہ جو تکالیف اس کی آسائش کے لئے برداشت کی ہیں۔ اس کے لئے عزیز مذکور کا بال بال تو مشکور ہی ہے مگر اس سے زیادہ میں خود شکر گزار ہوں اور اس امر کے لئے بارگاہ خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کے سلسلہ میں میری نگاہ انتخاب نے کوئی غلطی نہیں کی تھی جس صاحب کو میں نے اپنے ایام خوردسالی و طفلی میں اپنا رفیق تصور کیا تھا وہ ایک صدی کی تہائی گزرنے پر بھی حقیقی رفیق اور دوست و ہمدرد ثابت ہوا ہے۔

۹، مارچ ۱۹۳۷ء

مہجور کاشمیری ڈاکخانہ بڈگام (کشمیر)

(۴۳)

مکتوب مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ[ہ]

بعد سلام مسنون مطالب فرمایند۔ بندہ بحمد اللہ تعالیٰ بخیریت ہے۔ مژدۂ عافیت آپ کا باعث مسرت ہوا۔ لڑکی کا مدرسہ ندوہ میں داخل کرنا فقیر کے نزدیک مناسب نہیں ہے آپ ہرگز نہ بھیجیں۔ مقدمہ کی بابت میں دعا کرتا ہوں

۲۹ ذوالقعدہ ۱۳۱۰ھ فقط والسلام بندہ رشید احمد عفی عنہ

(۴۴)

مکتوب مولوی بشیر الدین البشیر اٹاوہ

مکتوب الیہ شاہ سلیمان پھلواری

جناب مولانا صاحب مخدوم و معظم بندہ سلامت۔

آپ کے گرامی نامہ اور ہمدردی کا صدق دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس بات کا افسوس کہ شکریہ ادا کرنے میں کسی قدر دیر ہوئی۔ میں پھر کئی سال سے مختلف آزمائشوں میں مبتلا ہوں۔ گھر میں کا انتقال ہوا اور ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری جوان بیاہی لڑکیوں کا حالت دردزہ میں انتقال ہوا۔ بڑا لڑکا بشیر احمد جو پریس کا کام کرتا تھا اس کو تصوف کا شوق ہوا خدا معلوم کہ کوئی عمل خراب ہوا یا مایوسیوں اور ناکامیوں کا اثر ہوا۔ یا بہنوں کی موت کا صدمہ، غرض کہ اس کا دماغ خراب ہوا، جو ہر وقت ایک روحی صدمہ ہے۔ پریس کا حال خراب ہونے کی وجہ سے مالی مشکلات ہیں، اب چھوٹے لڑکے نے جس سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں اس حالت میں انتقال کیا۔ بہرحال خدا کی مصلحتیں خود وہ بہتر جانتا ہے۔ اس کا شکر ہے کہ متواتر صدمات میں اس نے مجھے غیر معمولی توفیق صبر عطا فرمائی، اس کی مرضی پر صابر و شاکر ہوں، دعا فرمایئے کہ خدا سبھوں کے گناہوں کی مغفرت کرے امدت سے بیاز ہو کر نہیں مہاجس کی تمنا ہے۔ والسلام۔

۱۷ جولائی ۱۹۴۳ء

محمد بشیر الدین (اٹاوہ)

(۴۵)

مکتوب مولانا عبد الباری آسی لکھنوی

مکتوب الیہا زاہدہ بیگم

سالی کے نام ایک خط

نیک اطوار زاہدہ بیگم تم ہمیشہ رہو خوش و خرم

ہ عطیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد۔ محفوظہ لٹن لائبریری۔ مکتوب الیہ کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

عیش سارے زمانے کے ہیں نصیب
غم تمہارے کبھی نہ آئے قریب

دوست ہوں سب خوشی سے مالامال
اور دشمن سدا رہیں پامال

تم نے دو خط لکھے وہ دونوں آئے
ساتھ اپنے خوشی کے دفتر لائے

آنے کی پہلے خط میں تھی جو خبر
اُس سے دل میں تھا اک خوشی کا اثر

دل کو اس سے قرار رہتا تھا
رات دن انتظار رہتا تھا

آنکھوں میں روشنی نرالی تھی
جیسے ہر جانب اک دوالی تھی

دوسرے خط سے یہ ہوا معلوم
کہ تھی بے کار آنے کی سب دھوم

ابھی وہاں گئے ہیں خول صاحب
پھر نہ آئیں گے چند روز ہم اب

خیر ڈر کیا ہے کچھ نہ آئیں سہی
ہے وہی ٹھیک جو ہو ان کی خوشی

خیریت خط سے ہو گئی معلوم
اور یہ بات ہو گئی [illegible]

پہلے بیمار تھیں تمہاری بہن
اُس کا سب حال تم پہ ہے روشن

ہلکا ہلکا بخار رہتا تھا
اور دل بے قرار رہتا تھا

اُس مرض کا کیا ڈاکٹر نے علاج
تندرستی پہ آگیا ان کا مزاج

ہو گئی تھیں شکایتیں کافور
اور رہنے لگی تھیں وہ مسرور

اب کے اتوار کا سنو قصہ
اچھا خاصا تھا حال سب اُن کا

دو بجے دن کو میں گیا تھا پاس
پھر جب آیا تو پایا ان کو اداس

تھی حرارت بھی اور چہرا زرد
ہاتھ اور پاؤں میں نہایت درد

میں نے پوچھا ملال کیسا ہے
سچ بتاؤ یہ حال کیسا ہے

آج پھر کیوں تمہیں بخار آیا
سبب اس کا کہو ہوا ہے کیا

تو وہ بولیں کہ بات اتنی ہے
ہم نہائے تھے ٹھنڈے پانی سے

بس اُسی وقت سے یہ حال ہوا
نہیں معلوم کیسا وبال ہوا

بعد اس کے جو اور درد بڑھا
اور بہت تیز پھر بخار چڑھا

رات بھر سخت بے قراری تھی
کرب تھا غم تھا آہ وزاری تھی

رات میں کوئی بن نہ آئی بات
یوں ہی گزری غرض وہ ساری رات

خوب جس وقت دن نکل آیا
ڈاکٹر سے میں پھر دوا لایا

الغرض پھر دوا پلائی انہیں
کل نہ لیکن ذرا بھی آئی انہیں

کچھ نہ کھایا رہیں وہ دن بھر صاف
اور پڑی ہی رہیں بس اوڑھے لحاف

رات کو کچھ بخار ہلکا یا — اور ذرا اُن کو ہوش سا آیا
چونکہ دو دن سے کچھ نہ کھایا تھا — پیا اُس وقت دودھ تھوڑا سا
شدتِ درد بھی ہوئی کچھ کم — اور کم ہوگیا بخار کا غم
رفتہ رفتہ بخار پھر اُترا — اور جو بگڑا تھا حال وہ سدھرا
ہوئیں اچھی خدا خدا کر کے — سوئیں پھر دودھ سے غذا کر کے
دو بجے رات تک وہ بستر پر — سوئیں خراٹے خوب لے لے کر
چین سے میں بھی خوب سوتا تھا — اور کسی بات کا نہ تھا کھٹکا
سوتے سوتے جگا دیا مجھ کو — اور یہ مژدہ سنا دیا مجھ کو
کہا اس وقت خواب دیکھا ہے — جیسے پانی بہت برستا ہے
صحن میں جا کے تم ذرا دیکھو — کہیں سچ مچ نہ مینہ برستا ہو
چارپائی پڑی ہے جو باہر — ہے اُسی پر رضائی اور بستر
بھیگ جائیں نہ سب وہ پانی میں — سرگرانی ہو سرگرانی میں
آسماں پر نظر جو کی بارے — دیکھتا کیا ہوں نکلے ہیں تارے
پھر بھی میں صحن میں چلا آیا — کیا بتاؤں کہ آ کے کیا دیکھا
ننھی ننھی سی پڑ رہی تھی پھوار — گرچہ بارش کے تھے نہ کچھ آثار
اک پلنگ لا بچھایا پھر اندر — پھر اُٹھایا لحاف اور بستر
نہ کہوں گا اب آدمی اُن کو — سمجھوں گا آج سے ولی اُن کو
سو گئیں اُس کے بعد وہ یونہی — اور پھر نیند اُچٹ گئی میری
کروٹیں بدلیں گرچہ بستر پر — نیند آئی مگر نہ ذرہ بھر
جی میں آیا کتاب ہی لکھوں — صبح تک اپنے وقت کو کاٹوں
لے کے بیٹھا کتاب لکھنے کو — لکھوں جب جبکہ مجھکو ہوش تو ہو
ایک بھی حرف کر سکا نہ رقم — دیکھتا تھا کتاب لے کے قلم
لئے بیٹھا تھا میں یونہی خامہ — کہ نظر آیا آپ کا نامہ
سوچا اس کا جواب لکھنا ہے — اور نہایت شتاب لکھنا ہے
یونہی لکھنے لگا ہیں اس کا جواب — بند آنکھیں تھیں اور حال خراب
یوں تو لکھنے کو کچھ نہ تھا مضموں — کچھ طبیعت جو ہو گئی موزوں
بیٹھے بیٹھے یہ میں نے کام کیا — چار بجتے ہی خط تمام کیا

تم ہنسو گی کہ خبط یہ کیا تھا / خط جو یوں آدھی رات کو لکھا

ہنسنے کی بات کچھ نہیں نہ ہنسو / میں کہوں تم سے ایک بات سنو

ہوتے ہیں شاعر اور بڑے بکّی / ہیں عجب طرح کے یہ سب انساں

ہوتے ہیں سب کے سب یہ دیوانے / ایسے ہی ہیں سب اُن کے افسانے

اور ان کے سوا لکھوں اب کیا / صرف باقی ہے ذکر جگنی کا

خط لکھا تھا بنام حال صاحب / ایک ہفتہ جسے ہوا ہے اب

اُس کا اب تک نہیں جواب آیا / نہیں معلوم اس کا باعث کیا

تھے جو اُس وقت واجب الارقام / اُس میں لکھے تھے وہ ضروری کام

ایک تکلیف تم کو دیتا ہوں / کام تھوڑا سا تم سے لیتا ہوں

پتہ ان کا بس کی مجھے بھیجو / جس طرح بھی ہو اُن جیسے ہو

اس سے کو فائدہ ہے مجھ کو کیا

کیا ہے ایک دوست سے وعدا

آسی

(۴۶)

مکتوب عبدالباری آسی

مکرم و محترم۔ السلام علیکم۔

مزاج شریف۔ آپ کا ۲ر فروری ۳۹ء کا لکھا ہوا عنایت نامہ جو آپ نے نگار کے توسط سے مجھے بھیجا تھا۔ بوصول ملا۔ اس لئے کہ درمیان میں مولانا نیاز صاحب سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ میں وہاں پہنچا تو انہوں نے عنایت فرماکر والا نامہ دیا۔ جواب میں مضمون مثنویات مصحفی پر نظر ڈالنے اور نقد کا شکریہ۔ امور مستفسرہ کا جواب جو کچھ معلوم ہے وہ عرض ہے۔ (۱) شاہ مبارک آبرو کی مثنوی میری نگاہ سے نہیں گزری ورنہ میں ذکر کرتا آپ نے اس کو ملاحظہ کیا ہے تو اب شوق ہوا کہ دیکھوں (۲) مولوی سید احمد صاحب کا نقادان سخن نے ذکر کیا ہے۔ اور غالباً یہ ذکر شعر الہند میں بھی ہے۔ ان کے تفصیلی حالات معلوم نہیں۔ نہ اپنے مضمون میں اس کاوش کی ضرورت سمجھی بہرحال تلاش میں کامیابی ہوئی تو مطلع کردوں گا۔ (۳) محمدی خانہ کا تعلق سلیمان شکوہ سے تھا اور میں نے بھی یہی لکھا تھا۔ نہ معلوم کیوں تحریف ہوئی۔ (۴) محمدی خانے کی مثنوی میں ۵۱ شعر ہیں نگار میں ایک شعر درج ہونے سے رہ گیا۔ یہ چوتھا شعر ہے سے ہے کسی کے ہاتھ میں اک بادیا ُ لگھی کی خاطر کوئی ڈئی دیکھا۔ (۵) یہ مثنوی نسخہ ندوہ سے ماخوذ ہے میرے نسخے میں نہیں۔ (۶) دیوان پنجم کہیں میری نگاہ سے ضرور گزرا ہے گو غالباً اس میں مثنویاں نہیں تھیں۔ مگر چونکہ عام طور سے ہر جگہ دواوین کی ترتیب بدلی ہوئی ہے اس لئے مجھے اس تحقیق پر وثوق نہیں (۷) میرے پاس اور کوئی مثنوی نہیں ہے البتہ مولانا عبدالحق صاحب نے ایک مرتبہ اپنے ایک عنایت نامے میں مجھے لکھا تھا کہ (میرے پاس بھی ان کی بہت سی مثنویاں ہیں) آپ میرے حوالے سے یا از خود مولانا کو اس پتہ سے خط تحریر فرما کر دریافت فرما سکتے ہیں۔ ڈاکٹر مولانا

عبدالحق صاحب سیکرٹری انجمن ترقی ہند ۲۴۔ ایونیو ہارڈنگ نئی دہلی۔ یہیں سے دوسری مثنویوں مرغ نامہ وغیرہ کا پتہ چل سکے گا۔ (۸) میرے دیوان دوم میں علاوہ موری خانہ اور سب مثنویاں موجود ہیں۔ آپ مقابلہ کی جو بہتر صورت ہو تجویز فرمائیں۔ (۹) میرے پاس ایک اور دیوان مصحفی قلمی ہے جو لکھنؤ کا لکھا ہوا ہے اور ۶۲ سال کی عمر کا ہے۔ لیکن ناتمام ہے اس لئے نہیں معلوم ہو سکا کہ کونسا دیوان ہے اتنا معلوم ہے کہ مصحفی کی سنگلاخ زمینوں کی تمام غزلیں اسی میں ہیں۔ امید ہے کہ مزاج بخیریت ہو گا۔ جو خدمات میرے قابل ہوں میں اُسے ضرور بجا لاؤں گا۔

۱۰ / مارچ ۳۹ء نولکشور بکڈپو۔ لکھنؤ عبدالباری آسی

مکتوب مولانا آزاد سبحانی (۴۷) ؎ مکتوب الیہ شاہ سلیمان پھلواری

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ جناب شاہ سلیمان صاحب مدظلہم العالی۔

سلام مسنون۔ شاید حضرت کو معلوم ہو کہ آج کل ایک نئی تجویز طبقۂ علماء میں گشت لگا رہی ہے اور اس کی تکمیل کا پختہ عزم ان میں نظر آ رہا ہے یہ 'شیخ الاسلام فی الہند' کی تجویز ہے، اس کی قریب العہد تاریخ یہ ہے کہ فرنگی محل کے جلسۂ علماء میں بصورت تجویز پیش ہوئی، وہاں کثرت آراء اس کی تائید میں تھی۔ لیکن بعض مصلحتوں کی بنا پر واپس لے لی گئی اس کے متصل ہی کچھ دن بعد علماء دیوبند کی جماعت کی طرف سے، جناب وزیر ہند کی خدمت میں بصورت مطالبہ پیش کی گئی۔ اس کے بعد، جماعت علماء میں فرداً فرداً حصول تائید کے لئے وہ پیش کی جا رہی ہے اور جس قدر تائیدیں حاصل ہوتی جاتی ہیں بعض اخباروں میں شائع ہوتی جاتی ہیں، انجمن علماء بہار کی تقریب پر بھی وہ، جماعت علماء میں پیش کی گئی اور تائیدوں کا ایک بڑا حصہ حاصل کیا گیا۔

حضرت قبلہ ایک مشہور عالم، اور صائب الرّائے و مقدس مقتدائے قوم ہیں، ضرورت ہے کہ اس اہم مسئلہ میں حضرت قبلہ کی بھی رائے زرّیں دریافت کی جائے اور اس سے نفع اٹھانے کی کوشش کی جائے۔

اس حقیر استفسار کے جواب باصواب کا انتظار ہے، امید ہے کہ خدمت اقدس سے محرومی نہ ہوگی۔ اور جلد سے جلد رائے اقدس سے اطلاع حاصل ہوگی۔

خادم آزاد سبحانی جامعہ الہیہ کانپور

مکتوب پنڈت شیو نرائن شمیم (۴۸) مکتوب الیہ منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق۔ تسلیم

آپ کی نظم میں نے بڑے شوق سے پڑھی۔ آپ کی کوئی نظم ہو وہ کشمیر کا ذکر کئے بغیر مکمل نہیں سمجھی جا سکتی۔ یہی حال میری طبیعت کا ہے۔ ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کو الٰہ آباد میں آپ کے اخبار کی خریداری کے لئے لکھ رہا ہوں۔ وہ ملنے کے لائق شخص ہیں۔ شاید عنقریب وہ لاہور میں اپنی صاحبزادی کو ملنے آئیں گے۔ ان کا تعارف آپ سے کراؤں گا آپ مل کر محظوظ ہوں گے۔ کسی دن تشریف تو لائیے۔ (رائے بہادر پنڈت) شیو نرائن شمیم ایڈووکیٹ ۹ / مارچ ۱۹۳۴ء

؎ یہ خط اس زمانے کا ہے جب ہندوستان میں "شیخ الاسلام فی الہند" کا منصب وضع کرنے کی تحریک علماء نے چلائی تھی۔

(۴۹)

مکتوب پنڈت شیو نرائن شمیم — مکتوب الیہ منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق۔ تسلیم۔

آپ کا خط ۵ ستمبر کا مجھے یہاں ملا۔ افسوس آپ کوہ مری میں رہے اور بیمار ہو کر واپس چلے گئے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ اب آپ کشمیر نہ آ سکیں گے۔

میں آج کل راج ترنگنی کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ آپ مجھے مدد دیں تاکہ راج ترنگنی کے بعد اسلامی حکومت کے حالات پڑھ سکوں۔ انگریزی تاریخوں میں تو کشمیر کا کہیں مفصل حال نہیں ملتا۔ شاید کوئی اسلامی تاریخ ہو جس سے مسلمان بادشاہوں کے حالات معلوم ہو سکیں۔ تاریخ حسن اگر مل سکے تو وہ مفید ثابت ہوگی۔ کیا فرشتہ میں سلاطین کشمیر کا حال درج ہے؟ سیر المتاخرین میں بھی شاید ہو۔ آپ کی مصنفہ تاریخ کا وہ حصہ جو اسلامی حکومت کے متعلق ہے بہت مفصل ہے۔ مگر وہ یہاں میرے پاس نہیں۔ وہ تو لاہور آ کر پڑھ لوں گا۔

وقت اچھا کٹ رہا ہے۔ شکر ہے۔ اگر یہاں آنے کا ارادہ ہو تو میں اپنے پاس آپ کے رہنے کا انتظام کر سکتا ہوں۔

شمیم از سری نگر کشمیر

(تاریخ ندارد)

(۵۰)

مکتوب شیو نرائن شمیم — مکتوب الیہ منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق۔ تسلیم۔

کشمیر میں جو بنگلہ بنوا رہا ہوں دو سال ہوئے ہنوز قابل رہائش نہیں ہوا۔ ٹھیکہ دار اور مہتمم عمارت تساہل کر رہے ہیں۔ خیر دیدہ باید۔ یہ تو معمولی بات ہے۔ میں نے اور کئی باتوں میں دیکھا ہے کہ ہمارے وطنی بھائی جن کی فلاح و ترقی کے تردد و غم میں ہم لوگ دبلے ہوئے جاتے ہیں ہمیں اپنا نہیں سمجھتے۔

بہر حال اب کی سردیوں میں تیار ہو جائے گا۔ انشاء اللہ میں اور آپ سال آئندہ اس میں قیام کریں گے۔ کشمیری کھانے کھائیں گے۔ تاریخ کا شغل متفقہ کریں گے۔ ایک کمرہ آپ کے لئے علیحدہ مخصوص کر دوں گا۔

میں کسولی میں بیٹھ کر "ہند و فلاسفی" کا مطالعہ کرتا رہا۔ معلومات بہت وسیع ہوئے۔ ہندو مسلمانوں کے تنازعات اخباروں میں آپ پڑھتے ہوں گے۔ کوئی ستارہ ایسا عمل کر رہا ہے جس نے دماغوں میں فتور پیدا کر دیا ہے۔ سنکھ بجا فساد ہو گیا۔ آرتی ہوئی فساد ہو گیا۔ نماز کی اذان ملی فساد ہو گیا۔ محرّم کا علم چند فٹ اونچا ہو گیا رستے میں پیپل کے درخت نے فساد پیدا کر دیا۔ غرض کسی دیوتا کی سواری نکلے تو فساد۔ رستہ میں کوئی مسجد آ جائے اور باجہ ساتھ ہو تو فساد۔ دراصل طبیعتیں بھری ہوئی ہیں۔ بہانہ ڈھونڈتی ہیں۔ آج کل کسی فلاسفر کی ضرورت ہے جو دلوں کی حالتوں کا موازنہ کر سکے۔ اور اسباب دریافت کرے۔ مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے ہندو اور مسلمان

بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کئے ہوئے

کا مصداق ہیں۔ لطف یہ ہے کہ ہندوؤں کے دھرم اور مسلمانوں کے دین کے محافظ و کفیل غنڈے لوگ ہیں۔ اور وہ فخرِ ملک کہلا رہے ہیں۔ مذہب بدنام ہو رہا ہے۔ اور یہی لوگ ہیں جو مذہب کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہیں۔

سمجھئے مذہب گیا۔ آج نہیں تو کل۔ یہ آثار ہندوستان کے لئے اچھے نہیں ہیں۔ دیکھئے گاندھی جی کا بت ان کی موت کا باعث ہوتا ہے یا معاملہ رُو بہ اصلاح ہوتا ہے۔ "ہم الٹے بات اُلٹی یار اُلٹا" کا معاملہ ہو رہا ہے۔

۲۵ ستمبر ۱۹۲۶ء شیو نرائن شمیم۔ (کوہ کسولی)

مکتوب میرزا ثاقب لکھنوی (۵۱) مکتوب الیہ طاہر فاروقی

ذوالمناقب دامت معالیکم۔ پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور

بعد تحیات زاکیات آنکہ معاوضہ کرمیہ باعث امتنان ہوا۔ حیران ہوں کہ جناب کے اس محبت آمیز عنایت نامہ کا کیا جواب لکھوں اور کس صورت سے آپ کے دل پُر نور کو اپنی سقیم حالت کا آئینہ دار بناؤں۔ میں اپنی خرابی صحت کے باعث تقریباً بارہ سال سے مشاعروں کی شرکت یک قلم ترک کر چکا ہوں اس قابل نہیں ہوں کہ بزم مشاعرہ میں رات بھر جاگ سکوں یا دو چار گھنٹے بیٹھ سکوں۔ دماغ کے از کار رفتہ ہو جانے سے شعر کہنے پر بھی قادر نہیں رہا۔ غزل سرائی کی طاقت بھی لکھنے میں باقی نہیں رہی۔ ستر برس کا بوڑھا ہو گیا ہوں۔ دانت بھی ٹوٹ گئے ہیں بینائی میں بھی فرق پیدا ہو گیا ہے۔

سوائے رحمت رب کچھ نہیں ہے بہت کچھ تھا مگر اب کچھ نہیں ہے

مزید برآں موسم میرے لئے سخت اذیت دہ ہوا کرتا ہے بالخصوص دسمبر اور جنوری کے مہینوں میں تو بیرون خانہ کیا معنی گھر کی چار دیواری کے اندر بھی پانچ بجے شام سے صبح کے ۹ بجے تک خوابگاہ سے باہر قدم نکالنا میرے لئے سخت مصیبت کا باعث ہوتا ہے فوراً تحریک نوازل میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ اس صورت میں جو اجمالاً عرض کیا گیا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں کر امتثال امر بجا لاؤں اور کن الفاظ میں اپنی معذوری اور مجبوری کا اظہار کروں۔ ہاں اگر فروری یا مارچ کا زمانہ ہوتا تو میں ضرور سر آنکھوں سے جناب کا ارشاد بجا لاتا۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ماہ دسمبر اور ماہ جنوری میں، میں قطعاً سفر کے قابل نہیں ہوتا اور نہ شب کے اوقات میں گھر سے باہر نکل سکتا ہوں۔ آپ کے اخلاق کریمانہ سے امید واثق ہے کہ اس عذر معقول کو قبول فرما کر جناب مجھ کو شکر گزاری کا موقع دیں گے اس سے زیادہ بجز شوق قدمبوسی اور اظہار نیاز کیا عرض کروں۔ والسلام

۹ ماہ نومبر ۳۸ء۔ لکھنؤ کوٹھی حیدر حسین خاں نیاز کیش میرزا ثاقب

مکتوب میرزا ثاقب لکھنوی (۵۲) مکتوب الیہ طاہر فاروقی

ذوالمجد والکرم دامت معالیکم۔ عید مبارک

بعد تحیات زاکیات آنکہ صحیفۂ گرامی باعث امتنان ہوا۔ ماہ جنوری میں میرا شریک مشاعرہ ہونا بالیقین محال ہے۔ ہاں آخر ماہ فروری یا ابتدائے ماہ مارچ میں اگر موقع ملا تو بلا طلب حاضر خدمت ہونے کی کوشش کروں گا اور اپنی یاوہ گوئی سے آپ کی اور آپ کے احباب خاص کی سامعہ خراشی کروں گا۔ یہ صحبت مختصر اُس مشاعرے سے جس کے لئے آپ مجھے ماہ جنوری میں بلانا چاہتے ہیں کہیں زیادہ اچھی ہو گی۔ یقین ہے کہ مزاج مبارک بہترین صحت

وعافیت ہوگا۔ والسلام مع الاکرام

نیازکیش میرزا ثاقب

۲۵ رنومبر ۱۹۳۵ء ۔ لکھنؤ کٹرہ حیدرحسین

مکتوب الیہ ولی آسیؔ شاہجہانپوری

(۵۳)

مکتوب سید بیخودؔ موہانی

محبی و مخلصی مکرمی جناب ولی زاد لطفہٗ سلام وفا انگیز

میں زندہ ہوں اور طالب خیریت۔ دیکھئے خدا کب ملائے۔ بندہ پرورد "یوسفستان سخن" نام ایک کتاب پریس میں دی جاچکی ہے اس میں جہاں، و دیست ہے وہاں اردو کے آدم حضرت شاہ ولی مرحوم سے لے کر آج تک مشاہیر شعراء کا صرف وہ کلام جمع کیا گیا ہے جس میں خدائے سخن حضرت میرؔ کے سوز و گداز کا مرقع نظر آتا ہو۔ آپ بھی دس شعر عنایت فرمائیں۔ معیار انتخاب یہ ہے۔

میرؔ — آئی بہار گلشن گل سے بھرا ہے لیکن — ہر گوشۂ چمن میں خالی ہے جائے بلبل

غالبؔ — آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی — اب کسی بات پر نہیں آتی

اس کے علاوہ اپنی ایک مطبوعہ یا غیر مطبوعہ غزل مگر ایسی کہ آپ کی شاعرانہ زندگی کا کارنامہ ہو عنایت فرمائیں۔ غیر مطبوعہ کلام کو ترجیح ہوگی۔ جواب ایک ہفتہ کے اندر آجانا چاہیئے ورنہ اہل تمنا کی آرزو اور بیخودؔ ناشاد کی حسرت کا خون جناب کی گردن پر ہوگا۔ والسلام مع الاکرام

سید محمد احمد بیخودؔ موہانی بتوسط سید محمد آصف صاحب

۲ راگست ۱۹۳۶ء ۔ لکھنؤ

مکتوب الیہ میاں محمد صادق مسلم ٹاؤن لاہور

(۵۴)

مکتوب آزادؔ انصاری

مخدومی و مکرمی۔ السلام علیکم۔

آپ کی دہلی سے روانگی کے بعد میں بھی حیدرآباد روانہ ہوگیا تھا۔ اس وقت سے حیدرآباد ہی میں مقیم ہوں۔ مگر سخت پریشان ہوں، میرے چھوٹے بھائی سخت بیمار ہیں، رات دن اُن کی تیمارداری اور تلاش چارہ و چارہ گر سے سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں، دعا کا طالب ہوں۔ دعا فرمایئے کہ خدا رحم فرمائے۔

معارف جمیل کی ایک جلد جو اس وقت دہلی میں میرے پاس تھی میں نے جناب کی خدمت میں پیش کردی تھی۔ وہ یقیناً اس وقت تک بخوبی ملاحظہ و مطالعہ سے گزر چکی ہوگی۔ متوقع ہوں کہ اُس کی نسبت سے مجھ کو اپنی رائے عالی سے مطلع فرمایئے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ براہ ادب نوازی معارف جمیل کی کچھ جلدیں اپنے ادب دوست حلقۂ احباب میں فروخت کرا کے میری مدد فرمایئے۔

تیسری گزارش یہ ہے کہ لاہور میں کسی ادبی فرم سے معارف جمیل کی یکشت فروخت یا بتدریج فروختگی کا معاملہ طے کرا دیجیئے گا تو میں ممنون احسان ہوں گا۔ اگرچہ یہ میری مذکورہ بالا گزارشیں کچھ ناروا سی گزارشیں ہیں مگر آپ کی ادب دوستی سے امید ہے کہ آپ اس معاملے میں میری امداد و اعانت سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ امید کہ مزاج والا بخیر ہوگا۔ اور

متعلقین بھی بعافیت ہوں گے۔ سب کو دعا و سلام۔

۸ر اکتوبر ۱۹۳۹ء نیازمند آزاد انصاری۔ احسان منزل ڈاکخانہ عنبر پیٹ۔ موضع رامنتاپور حیدرآباد دکن

(۵۵)

مکتوب آزاد انصاری — مکتوب الیہ میاں محمد صادق

مکرمی و محترمی۔ السلام علیکم۔

معاف فرمائیے گا۔ جواب نوازش نامہ ذرا دیر میں دے رہا ہوں۔ کیونکہ اس عرصے میں میری طبیعت بھی خراب ہو گئی تھی اور اک حد تک اب بھی خراب ہے۔

جناب کی علالت طبع کا حال معلوم ہو کر سخت رنج ہوا، اول تو بفضلہ آپ اب تک شفایاب ہو چکے ہوں گے اور خدا کرے ایسا ہی ہوا ہو، اگر خدانخواستہ ہنوز تکلیف باقی ہو تو علاج اگزیما کی بابت میں اپنا تجربہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس مرض میں سب سے بہتر تو انجکشن ہے، اس انجکشن کا مجھے نام یاد نہیں رہا، اس کو ہر ڈاکٹر جانتا ہے۔ انجکشن لے لیجئے، انشاء اللہ آپ بہت جلد شفایاب ہو جائیں گے۔ انجکشن کے بعد میرا اک بہترین مجرب نسخہ ہے جو میں ارسال خدمت عالی کر رہا ہوں۔

اکتھیال ایمونیا — ایک ڈرام
زنک اوکسائڈ — ۲ ڈرام } ان سب دواؤں کو خوب پھینٹ کے اچھی طرح ملا لینا چاہیئے۔
ویسلین — ایک اونس

اس حساب سے جتنا چاہے بنا لیجئے اور دن میں دو مرتبہ اعضا کو کاربولک صابن سے خوب دھونے کے بعد استعمال کیجئے۔ انشاء اللہ پانچ چھ ہی دن میں اگزیما گرد کی طرح اڑ جائے گا۔ مگر یہ موذی مرض بار بار عود کرتا ہے، اچھے ہو جانے پر بھی اس دوا کا استعمال روزانہ ایک مرتبہ ماہ ڈیڑھ ماہ تک جاری رکھیئے اور ڈیڑھ ماہ بعد کڑوا تیل کی مقامات ماؤف پر روزانہ ایک مرتبہ مالش کرتے رہیئے۔ انشاء اللہ پھر عود نہیں کرے گا۔ آخر میں دعا ہے کہ خدا کرے اب آپ بالکل تندرست ہوں اور میرے مرسلہ نسخے کی ضرورت نہ پڑے۔

خداوند عالم جب آپ کو شفا عنایت فرمائے تو میری گزشتہ معروضات کا خیال رکھیئے۔ والسلام۔ بچوں کو دعا۔

۵ر نومبر ۱۹۳۹ء نیازمند آزاد انصاری۔ احسان منزل۔ ڈاکخانہ عنبر پیٹ موضع رامنتاپور حیدرآباد دکن

(۵۶)

مکتوب مولوی عنایت اللہ دہلوی — مکتوب الیہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

مکرمی شیخ صاحب۔ تسلیم!

کالیداس کی جائے پیدائش کے متعلق مضمون ترجمہ کر کے آپ کو بھیج رہا ہوں۔ دیر اس وجہ سے ہوئی کہ مجھے اس مضمون سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس لئے ترجمہ کرنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ مگر آپ کے بار بار اصرار سے مجبور ہو گیا۔ میرے کئے ہوئے شیکسپیئر کے ڈراموں کے تراجم اگر آپ مجموعی طور پر کتابی شکل میں شائع کرنا چاہتے ہیں تو میری طرف سے یہ بڑی خوشی سے اجازت ہے۔ میں نے شاہد احمد کو بھی لکھا تھا وہ کہتے ہیں کہ جب شیخ صاحب، یہ

مجموعہ شائع کریں گے تو ساقی میں میرے جتنے تراجم شائع ہوئے ہیں وہ اُن کی بھی اجازت آپ کو دے دیں گے۔
اس سلسلہ میں میں نے شیکسپیئر کا جو ڈراما "طوفان" ترجمہ کیا ہے۔ اس کی اصل کاپی آپ کو بھیج رہا ہوں۔ یہ بہت کٹا پھٹا اور شکستہ لکھا ہوا ہے۔ آپ اسے صاف کر کے رہنمائے تعلیم کو اشاعت کے لئے بھیج دیں جسے آپ پہلے بھی میرے دو ڈرامے بھیج چکے ہیں۔ مگر وہاں بھیجنے سے پہلے صاف شدہ مسودہ مجھے دیکھنے کو ضرور بھیج دیں۔
جب آپ سارے ڈرامے مجموعی طور پر شائع کریں گے تو اُس کی تمہید میں لکھ دوں گا۔ حضرت خواجہ سجاد حسین صاحب (فرزند مولانا حالی) کی خدمت میں میرا بہت بہت سلام پہنچا دیں۔

خاکسار محمد عنایت اللہ

مضمون "کالیداس کی جائے پیدائش" مترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی جس کا ذکر مولانا نے اپنے خط کے شروع میں کیا ہے۔ ذیل میں ناظرین کرام کی ازدیادِ معلومات کے لئے درج کیا جاتا ہے۔ یہ مضمون اب تک کہیں چھپا نہیں۔ مولانا مرحوم کی علمی یادگار کے طور پر میں اسے پہلی مرتبہ پبلک کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔
شیکسپیئر کے ڈرامے "طوفان" کے متعلق مولانا عنایت اللہ نے جو ہدایت مجھے لکھی تھی اُس کی تعمیل میں میں نے مسودہ کو صاف کر کے مولانا عنایت اللہ کے پاس ڈیرہ دون بھیج دیا تھا۔ اور انہوں نے دیکھ کر واپس بھی کر دیا تھا۔ لیکن میں اُسے اشاعت کے لئے رسالہ رہنمائے تعلیم کو لاہور نہ بھیج سکا۔ یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء کی قیامت خیز آندھی آئی اور میرے تمام مسودات اور کتابوں کے ساتھ "طوفان" کو بھی اڑا کر لے گئی۔ اور اس طرح یہ قیمتی ترجمہ برباد ہو گیا۔
خاکسار محمد اسماعیل پانی پتی

سنسکرت کے شاعر کالیداس کا مقام ولادت

گزشتہ صدی (یعنی انیسویں صدی) نے سائنس و فنون کی دنیا میں بڑی بڑی ترقیاں دیکھیں۔ گزشتہ صدی ایسے ایسے واقعات اور اکتشافات سے پُر ہے۔ جنہوں نے دنیا کے مسائل میں بڑا انقلاب پیدا کیا۔ اور اس صدی میں مغرب میں سنسکرت کے علم و ادب کی بڑی زبردست اشاعت ہوئی۔ اور بڑے بڑے اکتشافات اس ضمن میں ہوئے۔ لیکن اس اکتشاف کی اصل بنیادیں ہندوستان میں ملتی ہیں۔ کیونکہ یہی ملک سنسکرت علوم و فنون کا گہوارہ او۔ وطن ہے۔ سنسکرت کے علم ادب کا مطالعہ جو رفتہ رفتہ معدوم ہوتا جاتا تھا۔ اُس میں انگریزوں کے زمانے میں پھر جان پڑ گئی۔ تاریخی اور ادبی دلچسپی نے علمائے یورپ کو سنسکرت جیسے عجیب مضمون کی طرف متوجہ کر دیا اور مشرق میں ایک نئے سکول کی بنیاد پڑ گئی اس طرح ہمارے جس قدر معروف شاعر تھے وہ انتقاد کی بھٹی میں پڑ کر پہلے سے بھی زیادہ صاف اور چمکتے ہوئے نظر آنے لگے۔ اور روشنی کا ایک مینار اُن کے گرد دکھائی دینے لگا۔
ان شاعروں میں سے ایک مشہور شاعر کالیداس ہے جس کے مولد کی نسبت ہم یہاں بحث کرتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ کالیداس نے اپنی تعریفیں اپنے ہی اہل وطن سے بہت کچھ سنی ہیں۔ مگر اس زمانہ میں ہندوستان میں کالیداس کی تصانیف کے ساتھ دلچسپی کم ہونے لگی ہے۔ مگر جونہی کالیداس ہم میں سے غائب ہونے لگا تو مغرب کے عالموں نے

اس شاعر کی پاسداری اور اس کی حمایت اس زور سے کی جس کا وہ واقعی مستحق تھا۔ مغرب کے نقادوں نے اس کی تعریفوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ کاول نے اُسے "ہندوستان کا ورجل" لکھا۔ اور شاعر گیٹے کالیداس کی مشہور تصنیف (شکنتلا) کی تعریف میں کہتا ہے۔

"آسمان و زمین دونوں ایک ہی نام میں شامل ہو جائیں تو پھر اے شکنتلا میں تیرا نام لوں گا اور جو کچھ کہنا تھا وہ ختم ہو جاتا ہے۔"

سر ولیم جونز نے کالیداس کو "ہندوستان کا شیکسپیئر" لکھا۔ لیکن آج کل کے نقاد اس سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر شیکسپیئر تخیل کی قوت میں بڑھا ہوا ہے یعنی انسانی خصائص کے بیان میں ید طولیٰ رکھتا ہے تو کالیداس ترکیب کلام میں اور اس فن میں کہ انسانیت کی خصوصیات کیا ہونی چاہئیں بڑھا ہوا ہے۔ شیکسپیئر کا مقصد انسان کے خصائص کو بیان کرنا ہے اور کالیداس کا مقصد کمال کو پہنچنا ہے۔ شیکسپیئر کی شاعری اس دنیا کی طبعی اور ذہنی زندگی سے آگے نہیں بڑھتی۔ لیکن کالیداس کے شاعرانہ خیالات زیادہ بلندی تک پرواز کرتے ہیں یعنی وہ ہمیں روحانی عالم میں پہنچا دیتے ہیں۔ اس طرح کالیداس دنیا کے شاعروں میں سب سے بڑھ جاتا ہے۔

جب زمانۂ حال کے بہترین نقادوں نے کالیداس کی اتنی تعریفیں کی ہیں اور اُس کو اتنا سراہا ہے تو یہ بات قدرتی ہے کہ ہم دریافت کریں کہ دنیا کے کس زمانہ میں شاعری کا یہ چمکتا ہوا ستارہ ہندوستان کے آسمان پر چمکا اور ملک کا وہ کون سا حصہ ہے جو اس کی جائے ولادت تھا۔

پس اس غرض سے کہ ہم اُس شاعر کی پوری قدر کر سکیں اُس زمانہ کے معلوم کرنے کی ضرورت ہے جبکہ وہ اس ملک میں رہتا تھا اور جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ اس مضمون میں ہم کالیداس کے مولد یا جنم بھوم کی نسبت تحقیق کرتے ہیں۔

کالیداس کے مولد کا تحقیق کرنا آسان بات نہیں ہے۔ شاعر نے خود اپنے کلام میں اپنا تذکرہ نہیں کیا۔ اُس کی طبیعت شرمیلی تھی۔ دیگر شعراء کی طرح اُس نے فخر کے ساتھ اپنا شجرۂ نسب سامعین کے سامنے پیش نہیں کیا۔ آسمان کے تاروں کی طرح وہ چمکتا رہا۔ مگر خود اپنا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس کی تصانیف کو پڑھ کر یہ لگانا آسان نہیں کہ وہ ملک کے کس حصہ کا باشندہ تھا۔ یا یہ کہ وہ کہاں پیدا ہوا تھا اور کہاں اُس نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ گزارا؟ کالیداس فی الواقع ہندوستان کا قومی شاعر تھا۔ اور وہ ہمیشہ ہندوستانی قوم کی شان و شوکت کے گیت گاتا رہا۔ وہ ہندوستان کے باشندوں کا سب سے زیادہ عزیز شاعر ہے۔ ہندوستان کی تہذیب کا اُس نے نہایت عمدہ نقشہ ہمارے سامنے کھینچا ہے۔ طبیعت کے اعتبار سے وہ اول و آخر ہندوستانی تھا۔ اس کی حب الوطنی تنگ و محدود نہ تھی۔ اُس حب الوطنی میں عالمگیر انسانی ہمدردی کا جوش موجود تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کالیداس نے اپنے مولد کی بحث کو نہیں چھیڑا۔ یہ مشکل اس طرح رفع ہو سکتی ہے کہ ہم کالیداس کے کلام کا نہایت استقلال کے ساتھ اور کثرت سے مطالعہ کریں۔ حالات اس قدر تاریکی میں ہیں کہ نہ ہم کو اس کی پیدائش کا زمانہ معلوم ہے۔ نہ پیدائش کا مقام۔ نہ صرف یہ بلکہ ہم اُس پیغام سے بھی آشنا نہیں جو یہ شاعرِ اعظم ہمارے لئے لایا تھا۔

کالیداس کی جائے ولادت کے متعلق جو ہمارے مفروضات ہیں اُن پر بحث کرنے سے پیشتر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال کے متعلق جو مختلف نظریئے رائج ہیں اُنہیں بیان کر دیا جائے اس کے متعلق ہندوستانی روایات میں بہت اختلاف ہے۔ کسی نے دھارا کو کسی نے مالوہ دیس میں اجین کو کالیداس کا مولد بتایا ہے۔ لیکن دھارا یا اجین کو کالیداس کی جائے ولادت قرار دینا ایسا ہی ناقابل اعتبار ہے جیساکہ ۵ قبل مسیح کو اس کا سال ولادت بتانا تاوقتیکہ کوئی بیّن اور قطعی شہادت موجود نہ ہو اسے صحیح نہیں مانا جا سکتا۔ روایات میں ہر طرح کے بیہودہ قصّے کالیداس کی نسبت مشہور ہیں لیکن اس شاعر کے اعلیٰ درجہ کے اخلاقی مقولے اور اس کے اعلیٰ اخلاقی مقاصد پر جب غور کیا جاتا ہے تو کوئی اس بیہودہ مضمون کو باور نہیں کر سکتا۔ بلکہ جیساکہ ایم۔ ایم ہر پرشاد شاستری نے لکھا ہے کہ یہ قصّے واقعی ہمارے قومی تنزل کے زمانہ کی ذلیل طبیعتوں کی گھڑت ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ کالیداس اجین سے بہت واقفیت ظاہر کرتا ہے، اور یہی حال اُس کا اجین سے متصل مالوہ دیس کا ہے۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اجین شاعر کا وطن اور مولد بھی ہو۔ مگر ہر پرشاد شاستری نے مالوہ کو کالیداس کا مولد ہونے کی تائید کی ہے اور اس تائید کی بنیاد اُنہوں نے دو باتوں پر رکھی ہے۔ ایک یہ کہ ملک مالوہ کے حالات شاعر تفصیل سے لکھتا ہے۔ خاص کر اسکندا کے مندر کا ذکر۔ جو مالوہ دیس میں داساپور کے قریب ہے کیونکہ جو بادل الاکا کی طرف بڑھ رہا تھا اُس کے ٹھیرنے کی جگہ اس مندر کو قرار دیا ہے۔ دوسری بات جو بنیاد قرار دی ہے وہ داساپور کی عورتوں کی شوخ اور مانوس نگاہیں ہیں ان دو باتوں سے شاستری صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کالیداس ملک مالوہ میں داساپور میں پیدا ہوا تھا۔

لیکن اس کا یقین آنا مشکل ہے کیونکہ اسکندا کا مندر اور اسکندا ایک دوسری شکل شیو کی ہے۔ اور یہ دیوتا کالیداس کے لئے ایک خاص اہمیت رکھتا تھا۔ اور وہ اس کے نہایت عقیدت مند پرستاروں میں سے تھا۔ کالیداس یہ نہ کر سکتا تھا کہ مندر پر سے اسکندا کو بغیر تعظیم دیئے آگے بڑھے۔ کیونکہ اسکندا شیو کی ایک دوسری شکل تھا اور کالیداس اس کی پرستش کرتا تھا۔

اسکندا کی پوجا تو مالوہ دیس کے ساتھ مخصوص نہ تھی کہ کالیداس کو اسکندا سے واقفیت ہوتی۔ ہمیں علم ہے کہ اسکندا کی پوجا کشمیر میں بھی ہوتی تھی جو ممکن ہے کہ کالیداس کا وطن ہو۔ اور اس بات کی توقع نہ ہو سکتی تھی کہ وہ اپنے اس عزیز دیوتا کی طرف سے تغافل کرے جبکہ وہ وطن سے دور مالوہ دیس میں تھا۔

اب رہا داساپور کی عورتوں کی شوخ چشمی سے مانوس ہونا تو اگر . . . . کے یہی معنی لئے جا سکتے ہوں تو خیر۔ ورنہ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ داساپور کے شہر میں کالیداس مدت تک رہا تھا۔ اس لئے وہاں کی عورتیں اُس سے مانوس ہو گئی تھیں اور اُس سے بے تکلفی کے ساتھ بات چیت کرتی تھیں۔ محض اس بات سے وہ اُس کا وطن قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اگر اس بنا پر کہ ملک کے اس حصہ کے حالات کالیداس نے تفصیل سے بیان کئے ہیں اس لئے وہ اس کا مولد تھا

تو اس صورت میں ملک کا کوئی حصہ مثلاً ابہ دھیا۔ متھرا۔ وندھیا دیس۔ مدراس۔ برار۔ بہار اور بنگال جن کے حالات کم و بیش تفصیل سے کالیداس نے اپنی تصنیفات میں تحریر کئے ہیں۔ یہ سب اُس کا مولد اور وطن ہو سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ برمانی کے ایک مضمون نگار نے یہ سوال اُٹھایا ہے کہ کیا کالیداس بنگالی نہ تھے؟ کالیداس کی نسبت یہ غلط فہمی اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ کالیداس نے جیرسی میں اپنا سال اشد کے مہینے سے شروع کیا ہے۔ اس نامہ نگار نے یقین کر لیا ہے کہ بنگال کی تقویم اسی ماہ اشد سے کچھ زمانہ ہوا شروع ہوا کرتی تھی لیکن اس کی وجہ کہ کالیداس نے اپنا ناٹک میگھ دوتا کیونکہ اشد مہینے کی پہلی تاریخ سے شروع کیا۔ مل ناتھ نے بخوبی بیان کر دی ہیں جو لوگ چاہتے ہیں کہ کالیداس انہی تاریخوں میں اور زیادہ صحت سے کام لیتا۔ وہ اس خیال سے اپنا اطمینان کر لیتے ہیں کہ کالیداس نے کم سے کم گیارہ دن بادل کے گذرنے کے ہیں کہ وہ ہمالیہ تک یعنی رام گری کی پہاڑیوں سے بالکل شمال میں پہنچ جائے چنانچہ جب بادل یکشا کی بیوی سے اشد کی گیارھویں کو ملاقات کرتا ہے تو اشد کی اکادشی سے کرتیک کی اکادشی تک پورے چار مہینے ہو جاتے ہیں اور یہی زمانہ ہے جس میں یکشا نے دعا مانگی ہے کہ اُس کی بیوی خوش رہے اور شوہر کی عدم موجودگی کا خیال نہ کرے۔ علاوہ اس کے نامہ نگار یہ بات بھول گیا کہ ریتو سمہار جیٹھ کے مہینے سے شروع ہوتا ہے نہ کہ اشد کے مہینے سے۔

جو لوگ بنگال کو کالیداس کا مولد بتاتے ہیں وہ گرم جوشی سے کام لے کر یہ لکھتے ہیں کہ کالیداس بنگال سے باہر کہیں کا باشندہ نہ تھا۔ کیونکہ اُس نے املی کے درخت کا حال لکھا ہے جو بنگال کا درخت ہے۔ اس خیال کی بنا پر ایک کشمیری کو کشمیری نہیں کہہ سکتے اگر اُس نے اپنی تصانیف میں کہیں نمک کا ذکر کر دیا ہے۔ کیونکہ نمک کشمیر کی پیداوار نہیں ہے۔ اور اسی طرح ایک بنگالی بنگالی نہیں رہ سکتا اگر اُس نے اپنی تصانیف میں کہیں زعفران کا ذکر کر دیا ہے۔ جو خاص کر صرف کشمیر کی پیداوار ہے۔ سچ یہ ہے کہ جو چند سے قلیل وجوہ کالیداس بنگال کا باشندہ ہونے کی پیش کر سکتا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ وہ بنگال میں گیا تھا۔ چاول جو خصوصیت کے ساتھ بنگال میں پیدا ہوتا ہے۔ اُس کا ذکر کالیداس نے کیا ہے کیونکہ وہ خود ایک ایسے ملک میں پیدا ہوا تھا جو علاوہ بنگال کے چاول پیدا کرنے والا ملک تھا۔ علاوہ اس کے بنگال کے پنڈتوں میں یہ روایت چلی آتی ہے کہ جب کالیداس بنگال میں آیا ہے تو سرسوتی اُس کے استقبال کے لئے گئی تھی۔ اس واقعہ سے تائید نہیں ہوتی کہ کالیداس کا مولد بنگال تھا۔

(۵۷)

مکتوب مولوی نور الحسن نیّر — مکتوب الیہ سید مسعود حسن رضوی ادیب

سراپا لطف و کرم زاد لطفہٗ۔

تسلیم۔ عنایت نامہ صادر ہوا۔ آپ کی ہمدردی کا شکریہ زبانِ قلم سے ادا نہیں ہو سکتا۔

مجھ کو آپ کی رائے سے بالکل اتفاق ہے۔ صرف یہ انتظار ہے کہ ابھی تک صرف ب و پ دو حرف لکھے گئے ہیں۔ تین چار حرف اور مرتب ہو جائیں تو لغت کے اجزا نصف صفحوں پر چھپوا کر ہندوستان کے اُن اہل علم کی خدمت میں روانہ کر دوں جو علاوہ زبان داں ہونے کے لغت کا مذاق رکھتے ہوں۔ اور اُن کی رائیں لینے کے بعد لغت میں جہاں

کہیں مزید ترمیم کرکے شائع کروں۔

میں نے لغت کی تکمیل کی دھن میں پیشۂ وکالت ترک کرکے قیامِ وطن اختیار کیا ہے۔

اگر آپ ارشاد فرمائیں تو لغت کا مسودہ بغرضِ ملاحظہ ارسالِ خدمت کیا جائے۔

جناب سے یہ بھی استدعا ہے کہ اُن حضرات کے اسمائے گرامی سے مطلع فرمائیں۔ جو لغت میں امداد فرمائیں۔ تاکہ اُن سے خط و کتابت کی جائے۔

میں آپ کی دلی ہمدردی کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ لغت کے کام کو ملک اور زبان کا کام سمجھ کے اعانت سے دریغ نہیں فرمائیں گے۔

۲ رمارچ ۱۹۱۹ء کاکوری ضلع لکھنؤ

خاکسار نورالحسن

(۵۸)

مکتوب مولوی نورالحسن نیر

مکتوب الیہ سید مسعود حسن رضوی ادیب

سراپا لطف و کرم زاد لطفہٗ

تسلیم۔ میرا ارادہ ہے کہ نوراللغات کا ایک ضمیمہ شائع کروں جس میں امورِ ذیل ہوں:۔

۱۔ فروگزاشتیں جو نوراللغات میں لکھنے سے رہ گئی ہیں۔ اُن کی تصحیح کی جائے۔

۲۔ وہ الفاظ و مرکبات جو شاہی زمانوں میں مستعمل تھے اور اب جن کی کہیں شرح نہیں ملتی اُن کی توضیح کی جائے۔

۳۔ مترادف الفاظ کا فرق دکھایا جائے۔

۴۔ جن اربابِ علم کے کلام سے نثر و نظم میں پہلو نئے استعمال دکھایا گیا ہے اُن کے مختصر حالات لکھ دئے جائیں۔

۵۔ انگریزی الفاظ جو اردو میں مستعمل ہو گئے ہیں اُن کے ہجے انگریزی میں لکھے جائیں۔

چونکہ آپ کی عنایت میرے حال پر بہت زیادہ رہی ہے اور یہ ایک قومی اور زبان کی خدمت ہے لہذا آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ براہِ کرم ہر ایک مضمون مندرجۂ بالا پر قلمی امداد دیجئے۔ عین بندہ نوازی ہوگی۔

۶ رجنوری ۱۹۳۴ء

نیازمند نورالحسن نیر دفتر نوراللغات کاکوری

(۵۹)

مکتوب مولوی نورالحسن نیر

مکتوب الیہ سید مسعود حسن رضوی ادیب

سراپا لطف و کرم زاد لطفہٗ

تسلیم۔ آپ کا عنایت نامہ آیا۔ دل نہایت خوش ہوا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ مجھے ہر قسم کی امداد دے سکتے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ براہِ عنایت مجھے وہ فروگزاشتیں تحریر فرمائیں جو نوراللغات میں رہ گئی ہیں اور الفاظ جو زمانوں میں اکثر ہوتے ہیں، اُن کی فہرست مع معانی کے دیں۔ امید ہے کہ جناب مزید اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

۱۲ رجنوری ۱۹۳۴ء

خاکسار نورالحسن نیر

دفتر نوراللغات کاکوری

(۶۰)

مکتوب مولانا حمید الدین فراہی مرحوم

مخدومی و مکرمی زاد لطفہ،

تسلیم۔ آپ کے خط کی تعمیل کچھ کچھ کر رہا تھا کہ بیمار ہو گیا اور سخت بخار اور دردِ سر اور نزلہ کام میں مبتلا ہوا۔ دو ہفتہ ہو گئے اور ہنوز طاقت نہ آئی اور کبھی کبھی دردِ سر عود کرتا ہے خیال تھا کہ عید اضحیٰ کی تعطیل میں اُس کا کام سرانجام ہو جائے گا۔ مگر تعطیل تمام بیماری کی نذر ہو گئی اور اب بھی بے کار ہوں۔

حجاب کے مسئلہ میں تفاسیر اور فقہ میں پوری توضیح موجود ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھ اور چہرہ کھلا رکھنا جائز ہے میری رائے میں نظم قرآن پر توجہ نہ کرنے سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ ایسی قدیم غلطیوں کا کیا علاج کیا جائے۔ کون سنتا ہے کہانی میری، اور پھر وہ بھی زبانی میری۔ فقہا اور مفسرین کا گروہ ہمزبان ہے مگر صحابہ اور تابعین زیادہ واقف تھے انہوں نے ٹھیک سمجھا ہے مگر متاخرین حضرات نے ان کا کلام بھی نہیں سمجھا۔ بہرحال اَلْحَقُّ اَحَقُّ بِاَنْ یُّتَّبَعَ۔ میں اس مسئلہ پر مطمئن ہوں اور میرے نزدیک اجنبی سے پورا پردہ کرنا واجب ہے۔ اور قرآن نے بھی حجاب واجب کیا ہے جو شرفا میں مروج ہے بلکہ اس سے قدرے زائد۔

ذرا مجھے طاقت آئے تو مفصل مضمون آپ کی خدمت میں بھیجوں والسلام

۱۰ راکتوبر ۱۹۱۵ء

حمید الدین

(۶۱)

مکتوب میر ناصر علی دہلی

مکتوب الیہ ڈاکٹر غلام یزدانی

جناب بندہ۔

نوازش نامہ اور نوازش نامہ کے ساتھ مذاکرۂ علمیہ کی روئداد پہنچی۔ دونوں سے جی بہت خوش ہوا۔ خط میں آپ نے جہاں میری اردو کی تعریف کی، میں آپ کی تحریر اردو کی تعریف کرتا ہوں کہ آپ کی ادائے بیاں مجھے زیادہ پسند ہے۔ روئداد میں نے جی لگا کر پڑھی۔ اس کا ذکر میں صلائے عام میں کروں گا۔ آپ کی تحریر کی نسبت بھی میں کچھ لکھوں گا۔ مجھے زمانہ سے شکایت ہے کہ اب میری زندگی کے دن تھوڑے رہ گئے۔ میں بے کار سا ہو گیا۔ اس وقت کے نوجوان آپ جیسے اپنی زبان کی طرف توجہ کریں۔

۱۵ رمئی ۱۹۲۶ء

نیاز مند ناصر علی

(۶۲)

مکتوب میر ناصر علی دہلی

مکتوب الیہ ڈاکٹر غلام یزدانی

جناب بندہ۔

آپ کی اسپیچ پہونچی۔ اسپیچ بہت پاکیزہ ہے۔ میں نے جی لگا کر پڑھی۔ بہت لطف آیا۔ علماء ولایت کے علم میں محویت کی مثالیں آپ نے بہت عمدہ دیں۔ مسٹر براؤن صاحب کا شاعر کی سفارش میں یہ لکھنا کہ اس کو ضرور چھوڑ دو، ورنہ یہ سمجھ لو کہ براؤن کا بیٹا سزا پا گیا۔ خوب لکھا۔ ہندوستان میں بھی علم میں محو ہونے کی مثالیں آ گئے نہیں۔

؎ عطیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ۔

ٹیک چند (بہار) کی نسبت لکھا ہے کہ نادرشاہ تو سنہری مسجد میں دلّی والوں کے قتل کا حکم دے رہا ہے اور لالہ صاحب اُس کے لشکر کے مغلوں سے فارسی محاوروں کی تحقیق قتل عام میں کرتے پھرتے تھے۔

یورپ میں علماء کی قدر اس لئے ہے کہ پبلک کی قدردانی سے اُن کی زندگی فارغ البالی سے بسر ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے یہاں علمی تبحر بیکار سمجھا جاتا ہے۔ رعایا کی زبان اور گورنمنٹ کی اور۔ اہل کمال کو روٹیوں کے سوا اور کچھ نہیں سوجھتا۔ یہ بحث بڑی ہے۔ روزمرہ کی خط و کتابت کے بس کی نہیں۔ اس پر علٰحدہ مضمون لکھنے کا ارادہ ہے۔

صلائے عام کی واہ واہ تو اس قدر ہو رہی ہے کہ اس کی تعریف سنتے سنتے میں تنگ آگیا مگر خریداروں کی زیادتی سے تکلیف ہے۔ مسلمانوں میں زبان کی خوبیوں سے بیگانگی ہے۔ اہل ہنود اردو سے خفا ہیں کہ مسلمانوں کی زبان ہے۔ بہرحال مجھ سے جس قدر ہو سکتا ہے اردو کی خدمت کر رہا ہوں۔ یہ صلائے عام جو علٰحدہ پہونچے گا اس میں حضرت بیاضؔ کا کلام دیکھئے گا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ رسالہ کی روانگی میں کچھ نہ کچھ غفلت ہو جاتی ہے۔ سبب یہ کہ زیادہ ضعیفی کی وجہ سے میں سارے کام دیکھ نہیں سکتا۔

۲۴ر فروری نیازمند ناصر علی

مکتوب مرزا ہادی رسوؔا (۶۳) مکتوب الیہ ڈاکٹر زورؔ

روح تنقید مصنفہ سید محی الدین صاحب المتخلص بہ زورؔ میں نے اکثر مقامات سے دیکھی ہے یہ کتاب فن نقد شعر میں ہے۔ خوب لکھی ہے۔ اور اکثر شعرائے یورپ و ایشیا کے اقوال اس میں بڑے سلیقہ سے جمع کئے ہیں اور اردو اور فارسی کے اشعار بطور شواہد کے نقل کئے۔ جن سے کتاب کی دلچسپی بہت بڑھ جاتی ہے۔ اگرچہ جو زبان ان مطالب کے ادا کرنے کے لئے استعمال کی گئی ہے وہ زمانۂ حال کی وہ زبان ہے جو عبارت آرائی کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ بہرطور یہ کوشش نوجوان مصنف کی قابل ستائش ہے۔ فقط

۳۰۔ اور سنہ ۱۳۳۵ف بقلم ہادی

مکتوب مرزا محمد ہادی رسوؔا (۶۴) مکتوب الیہ سید مسعود حسن رضوی ادیب

مکرم بندہ دام فیوضکم۔

تسلیم۔ آپ کا مرحمت نامہ تکرر گریبان وصول ہوا۔ میں آپ کی اس دردسری کا جو اس قدر بے مقدار کے لئے فرمائی گئی ہے، دل سے ممنون ہوں۔ واقعی آپ کے الطاف سے ایسی اچھی ہی امید تھی۔ خدا کرے وہ کتاب جلد درست ہو جائے اور مجھ کو پہونچے تاکہ مزید شکرگزاری کا موقع ملے۔ اس قسم کی اور کتابیں یا علم ہیئت قدیم مثل زیچ محمد شاہی و زیچ قدیم خاقانی جو محقق کی تصنیف ہے، یا زیچ الغ بیگی کا کوئی نسخہ یا بیرجندی کا آلاتِ رصدیہ کا رسالہ

---

[1] میں نے اپنی پہلی کتاب روح تنقید ۱۹۲۵ء میں مرزا رسوا کے یہاں بھیج کر استدعا کی تھی کہ اپنی رائے مرحمت فرمائیں اس کے جواب میں یہ تحریر بطور خط انہوں نے ارسال فرمائی تھی۔

یا علم ارشماطیقی کا کوئی رسالہ دستیاب ہو تو مرحمت فرمائیے گا۔ زیادہ اِس وقت کوئی حال قابلِ گزارش نہ تھا۔ لہٰذا تحریراً مکالمے کا باب بالفعل بند کیا۔ یار زندہ انشاء اللہ وصحبت باقی۔ زیادہ شوق فقط

محررہ ہادی بقلمہ

مکتوب سید سے نظیر شاہ وارثی (۶۵) مکتوب الیہ سرامین جنگ بہادر[1]

بملاحظہ عالی جناب نواب امین جنگ امین الدولہ امین الملک والسلطنتہ دامت برکاتہٗ

چیف سیکرٹری دربار ابد قرار دولت آصفیہ حفظہا اللہ عن شر النوائب۔

السلام علیکم وقلبی لدیکم۔ کانپور کے واقعات جان خراش یعنی مسلمانوں کا ایک منظم گروہ کے ہاتھوں سے بیدردی سے قصداً قتل کیا جانا اونکی مستورات کی چھاتیاں اور ناک کان ہاتھ پاؤں کاٹ کر ہلاک کیا جانا اون کے معصوم بچوں کا اونکے سامنے ٹانگیں چیر کر پھینک دیا جانا ان پر پانی اور بازار کا سب سامان بند کر دیا جانا تو آپ نے صرف اخبار ہی میں پڑھا ہوگا۔ باوجود گورنمنٹ کی فوج اور مسلح پولس کی موجودگی کے حکام وقت کا کسی مسلمان کی فریاد پر کان نہ دھرنا اور کم سے کم پانچ اور چھ ہزار کے درمیان نفوس کا پامال ہو جانا واقعات کربلا کی بہیمیت سے زیادہ درد انگیز تھا۔ جو مسلمان یہاں موجود نہیں وہ اس ہولناک منظر کا جو چار پانچ روز برابر قائم رہا پورا تصور نہیں کر سکتے۔ فرضی امن قائم کر دیا گیا ہے مگر ہر طرف دیہاتوں میں جہاں مسلمان معدودے چند آباد ہیں یہی حشر ہو رہا ہے۔

ان سب کا اصلی سبب مسلمانوں کا منظم نہ ہونا اور ایک مرکز پر نہ جمع ہونا ہے۔ جس کا سبب علماء کا اختلافِ آرا اور مشیخت مآبی اور اپنی دنیا طلبی کے لئے الگ الگ ٹکڑیوں کا قائم رکھنا ہے۔ رہ گئے عام فقرا باستثناء چند خواص انہیں اپنے مریدوں کی تعداد بڑھانے اور نذر و نیاز اور عرسوں کے بہانے چندے وصول کرنے سے فرصت ..... اس لئے ہمیں ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو قوم کا من حیث القوم دلدادہ ہو اس کو شیعہ سنّی وغیرہ کے اختلاف سے کچھ واسطہ نہ ہو اور باوجود قابلیت تامہ ایسی وجاہت ظاہری بھی رکھتا ہو جو گورنمنٹ کے اعلیٰ عہدہ دار مثل وائسرائے و گورنر وغیرہ کی نگاہ میں باوقعت ہو اور ہر موقع پر گورنمنٹ اور نیز مخالفوں کو کلّہ بکلّہ جواب منا دے سکے۔

ہمارے کالج اور یونیورسٹی سے اس وقت تک کم سے کم پچیس ہزار ایسے تعلیم یافتہ نکل چکے ہیں جو ہر موقع و محل کے مصالح کو بخوبی سمجھ کر قوم کا نظام اپنی اپنی جگہ پر حلقہ وار ایک ہی اصول پر قائم کر سکتے ہیں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا محرک اور عامل خود صدر دار العلوم یعنی وائس چانسلر ہو جو ساری جماعت کو ایک نقطے پر جمع کرکے اس تنظیم کا رکن بنا دے اور مخالفوں کے ہندو راج کے منصوبوں کو خاک میں ملا دے اور خوش قسمتی سے اس وقت ایسا ہی وائس چانسلر یہاں موجود ہے جو دولت آصفیہ کا بھی نمک خوار قدیم اور خادم خاص ہے۔ اس بات پر خدا شاہد ہے وکفیٰ باللہ شہیدا کہ بجز میرے نفس کے یا آپ کی نگاہوں کے جو اس تحریر کو پڑھ رہی ہیں اور

---

[1] سرامین جنگ حضور نظام کے پرائیویٹ سیکرٹری اور بعد میں وزیر عدالت وغیرہ تھے۔

کوئی محرم نہیں اور میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ خالصتاً لوجہ اللہ خدا کو گواہ کر کے لکھ رہا ہوں۔ کہ ہمارے قلوب ماتم کدے ہو رہے ہیں۔ لہٰذا للّٰہ ہمارے آقائے ولی نعمت کی خدمت میں یہ ہماری درخواست پہنچا دیجئے۔ کہ بفرمان و آتینہ الحکمہ والنبوۃ۔ نعمت نبوت پر نعمت حکمت مقدم رکھی گئی ہے اس کے بغیر سعی کامیاب مشکل سے ہوتی ہے۔

یہ امر بعید ہے کہ مسٹر سید راس مسعود یونیورسٹی سے پندرہ سو ماہوار الاؤنس لیتے ہیں بغیر اس کے ترک کے قوم پر پورا اثر نہیں پڑ سکتا اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ حضور اقدس اپنے بیت المال اسلامی سے کوئی حیلہ پرورش یا خوشنودی لگا کر انکے دو ہزار روپیہ منصب مقرر کر دیں اور وہ بہ اطمینان قلب اس رقم سے اپنا سفر خرچ و دیگر مصارف پورا کرتے رہیں۔ اور تمام کالج کے اولڈ بائز اور جملہ اکابر قوم سے مل کر ایک مستحکم تنظیم قومی قائم رکھیں تاکہ آئندہ آفات سے بچنے کا سہارا ہو اور مسلمان تباہی سے بچیں۔ فقط والسلام

۳۰ مئی ۱۹۳۰ء علیگڈھ

سید بے نظیر شاہ

مکتوب سید بینظیر شاہ وارثی (۶۶) مکتوب الیہ سر راس مسعود (نواب مسعود جنگ بہادر)

مخدوم و مطاع مخلصان۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عرصے سے میں علیل ہوں۔ اختلاف آب و ہوا کا بفضلہ اب اثر زائل ہو رہا ہے۔ دو چپاتیاں صبح کو اور دو شام کو کھا لیتا ہوں۔ امور مذہبی سے اطلاع پر اطلاع آ رہی ہے کہ آپ فوراً یہاں آ جائیے ورنہ آپ کا وظیفہ بند۔ وظیفے کے بند اور نہ بند ہونے کی تو کوئی بات نہیں۔ کیا یوں وہ بلاتے اور میں وہاں نہ جاتا۔ مدینے شریف کا بہر جینے قصد تھا اور بشرط صحت اب بھی ہے۔ کیونکہ صحت تمام عبادات پر مقدم ہے۔ جب میرا ضعف اس سفر کا مانع ہو رہا ہے تو اور سفر دور دراز کیا ہو سکے۔ بہر حال میں مخلص دعا گو ہوں اور انشاء اللہ تعالیٰ رہوں گا۔

مخدومی پروفیسر برنی[1] کا خط آیا ہے مثنوی الکلام جو ان سے عاریتاً لے کر میں نے آنجناب کی خدمت مبارک میں پیش کی تھی وہ ان کو واپس شاید نہیں ملی۔

میں نے مسودہ غزلیات آپ کی کتاب کی صحت کے لئے مولوی عظمت اللہ خان صاحب[2] مددگار کو خود دے دیا تھا کہ اس کتاب مذکور کو ملا کر میرے پاس بھیج دیجئے گا۔ مگر جب تعطیل کلاں میں نیچے وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ جناب مولوی محی الدین صاحب کے پاس اصل اور مسودہ دونوں ہیں۔ وہ دورے سے واپس نہیں آئے تھے کہ نیچے میری عیادت کو بمبئی چلے آئے۔ اور پھر کالج آ گئے۔ وہ مسودہ بھی بذریعہ بک پوسٹ رجسٹرڈ مجھے ارسال فرمائیے۔ کہ بفضلہ تعالیٰ بقیہ ردیفیں پوری کر کے دیوان مرتب کر دوں۔ جملہ احباب کو سلام مسنون۔

۱۵ مارچ ۳۳ء

سید بینظیر شاہ
مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

---

[1] محمد الیاس برنی سابق پروفیسر معاشیات و رجسٹرار جامعہ عثمانیہ جنہوں نے قادیانی مذہب پر بھی متعدد کتابیں شائع کی ہیں۔

[2] عظمت اللہ خاں مرحوم محکمہ نظامت تعلیمات کے مددگار اور جدید طرز کی اردو شاعری کے بانیوں میں سے تھے۔

(۶۷)

مکتوب شفق عماد پوری — مکتوب الیہ کیفی چریاکوٹی

از دل نزدیک از نظر دور۔ معززکرم فرمائے شفیق مہجور۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ پرتاب گڈھ کے مشاعرے میں تشریف لانے کی تقریب اور عزیزی نشتر سلمہٗ کی ملاقات سے جناب کا نشانِ قیام معلوم ہوا۔ امید ہے گاہے ماہے دو کلمۂ خیریت سے مطلع فرمایا کریں۔

آپ نے رباعیوں کے چارسو والے مجموعے پر جو مقدمہ لکھا تھا وہ صائقہ اس کے طبع ہوگا جب کہ رباعیات زیرِ طبع ہیں۔ حوادثِ زمانہ سے موقع نہیں ملتا کہ دیوان طبع ہو لیکن چار مہینے کے بعد ممکن ہے خداوندکریم کوئی راہ نکال دے۔ اُس کا مقدمہ بھی خدا راس لائے تو آپ ہی کو لکھنا ہوگا۔

علی گڈھ میں آپ کیوں ہیں؟ کب تک وہاں قیام رہے گا۔ میں تو علی گڈھ آتا اگر کوئی موقع ایسا نکلتا ایک ہفتہ رہ کر ذرا وہاں کی تعلیمی و ادبی صورت حال کو دیکھتا لیکن کل امر مربوں با وفا تھا۔ میں یہاں فقط دو یا تین دن ہوں کم سے کم ایک مہینے کے لئے ضلع گیا جا رہا ہوں۔ نیاز نامہ کا جواب وہیں عنایت ہو۔

سیرۃ الاسلامیہ کا قصیدہ لامیہ بطور تحفہ ربیع الاوّل ارسال ہے۔ اگر وہاں ضرورت دیکھیں تو اور کاپیاں وہیں سے بھیج دوں۔ جہاں جا رہا ہوں وہیں زیادہ تعداد میں نسخہ پڑے ہوئے ہیں۔ مرقع حامزہ مثنوی تو چھپ گئی تھی۔ آپ تک پہنچی یا نہیں یہ بھی معلوم نہیں اس کی کاپیاں زیادہ نہیں پڑی ہوئی ہیں۔ لکھئے تو اس کی بھی ایک کاپی اور اشتہارات تصانیف مطبوعہ بھی آئندہ بھیجوں پہلے یہ معلوم ہو لے کہ آپ کا قیام وہاں کب تک رہے گا؟

۸ر جولائی ۱۹۳۹ء تحاس کہنہ الٰہ آباد — زیادہ نیاز شفق عماد پوری

نشانِ جواب آخر اپریل تک یہ ہے حسن مرتضیٰ شفق۔ حاجی پور۔ رفیع گنج۔ ضلع گیا۔

(۶۸)

مکتوب ڈاکٹر ضیاءالدین — مکتوب الیہ مولوی محمود احمد

مخدوم مکرم۔

چند خطوط و کتاب کے تین باب آپ کی خدمت میں بھیج چکا ہوں۔ جواب نہیں آیا۔ یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ آپ اُسے ترجمہ کریں گے یا نہیں اور کب تک امید ہے اور ترجمہ کے بعد آیا آپ [1] یا کانفرنس کے ذمہ کی جاوے آپ کے جواب کا انتظار ہے۔ کانفرنس اس کتاب کو اپنے خرچ سے طبع کرانے کے لئے اور ترجمہ کرانے کے لئے تیار ہے۔

۹ر مئی ۲۹ء — نیازمند ضیاءالدین احمد

(۶۹)

مکتوب ڈاکٹر ضیاءالدین — مکتوب الیہ مولوی بشیرالدین مرحوم

جناب من۔

خط پہنچا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بحث بہت گرم ہے اور اب مناسب ہے کہ اس کا تصفیہ ہو جائے اور دوسری بحث متعلقہ دینیات جس پر ایک مضمون آپ کے پاس پہنچ بھی گیا ہے چھیڑی جائے۔ یہ مسئلہ اس وقت بہت

[1] یہ عبارتیں پڑھی نہ جا سکیں

ضروری ہے اور اگر ندوۃ العلماء کے اجلاس سے پہلے چند مضامین اس پر نکل جائیں تو بہت منفعت کی امید ہے۔
غالباً میں بھی امسال ندوہ میں شریک ہوں گا۔ یہ امر قطعی فیصلہ شدہ نہیں ہے۔

یہ مسئلہ کیونکر فیصل ہو یقیناً غور کے قابل بات ہے چونکہ میں نے تمام مضامین کو اچھی طرح سے نہیں پڑھا اور نصف سے زیادہ میری نظر سے بھی نہیں گزرے نیز اس وجہ سے بھی کہ مجھ کو اپنی دینیات سے واقفیت بہت کم ہے میں فیصلہ کرنے کی قابلیت اپنے آپ میں نہیں پاتا۔

مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک مضمون ایڈیٹوریل لکھئے اور اس بحث کا فیصلہ کیجئے۔ اسی اخبار میں میں ایک دوسرا مضمون علم ہیئت پر لکھ دوں گا۔ اور ایک سرسری نظر دس پانچ سطروں میں ان مضامین پر بھی کروں گا ایڈیٹوریل اور میرا مضمون ایک ہی پرچے میں شائع ہو جائے۔ تو آئندہ کے لئے بحث بالکل بند ہو سکتی ہے۔

بڑی دقت جو کہ مضمون کی نسبت مجھے اٹھانی پڑتی ہے یہ ہے کہ میں اکثر مضمون نصف لکھے ہوئے چھوڑ دیتا ہوں۔ کئی ایک مضمون اس قسم کے لکھے ادھورے میرے پاس پڑے ہیں۔

مجھے خود افسوس ہے کہ میں البشیر کی اشاعت کے لئے کچھ کوشش نہ کر سکا۔ اب میں چند لوگوں کو خطوط لکھتا ہوں کہ وہ خود پرچہ خریدیں اور اپنے دوسروں کو مجبور کریں۔

ضیاء الدین

مکتوب مولانا اکبر شاہ خاں — (۷۰) — مکتوب الیہ منشی محمد الدین فوق

مخدومی محترمی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ کے ارشاد و ہدایت کے مطابق میں نے خلاصۃ التواریخ مصنفہ سبحان رائے کے لئے مراد آباد اور شملہ دونوں مقامات کو خطوط لکھے۔ شملہ سے ظفر حسن صاحب نے تو کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ خدا جانے ان کے پاس خط بھی پہنچا یا نہیں۔ مراد آباد سے نیر اعظم وغیرہ کے جوابات آئے۔ وہ اس کتاب کے مراد آباد چھپنے یا مراد آباد میں موجود ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ براہ کرم اس کتاب کے ملنے کا صحیح پتہ معلوم ہو تو بتائیں۔ آپ کی اس تکلیف فرمائی کا بے حد ممنون ہوں گا۔

۶ راگست ۱۹۲۵ء

(مولانا) اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

مکتوب مولانا اکبر شاہ خاں — (۷۱) — مکتوب الیہ سید الطاف علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی

مخدومی سیدی محترمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

کل شام آپ کی کتاب حیات حافظ رحمت خاں معہ اشتہارات پہنچی۔ چھوٹے پرچے تقسیم اور پوسٹر مناسب مواقع پر چسپاں کراتا ہوں۔ کتاب کو پڑھ لینے کے بعد ریویو لکھوں گا۔ اور مدینہ میں بھجواؤں گا مطمئن رہیں۔ میں آپ کو اس حسن عمل کے لئے مبارک باد دیتا ہوں۔ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوا کہ کسی جگہ آپ نے میرے

ئے سپرنٹنڈنٹ محکمہ آثار قدیمہ۔

کسی مضمون کا حوالہ دیا ہے۔ تاریخ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے نام سے عہد طالب علمی میں ایک نہایت ذلیل مضمون لکھا تھا جو آپ کی کتاب میں نام دیکھ کر یاد آیا۔ آپ نے ایسی چیز کا حوالہ دے کر ناحق اپنی کتاب کے مرتبہ کو گھٹایا۔ یہ کارڈ کتاب کی رسید کے طور پر بھیج رہا ہوں۔ برادرم عبدالمجید خاں صاحب نواب سے اب تک ملاقات نہیں ہوئی۔ مفصل عریضہ بعد میں بھیج سکوں گا۔ والسلام مع الاکرام

۴ر مارچ ۱۹۳۴ء

اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

(۷۲)

مکتوب اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

مکتوب الیہ غلام رسول مہر صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حامداً و مصلیاً

مخدومی محترمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'۔

آج صبح کی ٹرین سے عزیزم محمد ایوب خاں بجنور گئے ہیں۔ شام کو واپس آئیں گے۔ صبح کی ڈاک میرے پاس پہنچی۔ میری غیر موجودگی میں وہ میرے نام کے خطوط میری اجازت کے موافق کھول لیتے ہیں۔ اور ہر حالت میں اکثر خطوط کے جوابات وہی لکھتے ہیں۔ میں عموماً کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا رہتا ہوں۔ اُن کی غیر موجودگی میں اُن کے نام کے خطوط میں کھول لیتا ہوں اور مجھے اس کی اجازت ہے۔ چنانچہ میں نے آج آپ کا خط جو ایوب خاں کے نام تھا پڑھا اور معلوم ہوا کہ آپ پر "معیار العلماء" کے ریویو کا تقاضا کیا گیا تھا۔

آپ نے اپنے اس دور افتادہ خادم کی نسبت جو الفاظ لکھے ہیں وہ آپ کی سچی محبت کے عطر میں بسائے ہوئے ہیں جن سے آپ کی شرافت و للّٰہیت کی نہایت تیز اور بے حد خوش گوار خوشبو آتی ہے۔ میرے دل سے آپ کے لئے دعائیں نکل رہی ہیں۔ اس سے زیادہ تکلف و تصنع کی راہ سے جواباً اظہارِ محبت کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

میں بیحد شرمسار ہوں کہ میں نے اب تک آپ کی شائع فرمودہ حیاتِ غالبؔ کو مطالعہ کئے بغیر کیوں صبر کیا۔ اس عریضہ کو ملاحظہ فرماتے ہی ایک جلد میرے نام بذریعہ وی پی پیکٹ بھجوا دیجئے۔ میں کتاب کا وی پی وصول کرنے کے لئے ہمہ تن انتظار ہوں۔ مجھ کو بحیثیت ایک اردو خواں طالب علم کے غالبؔ کے ساتھ حصہ رسی تعلق ہے لیکن آپ کی ایک تحریر پڑھنے اور اس سے مستفیض ہونے کا شوق سب سے زیادہ ہے اور اس لئے میں اس کو شوق و ذوق کے ساتھ مطالعہ کروں گا۔ اور اس کتاب کے متعلق اپنے جذبات و خیالات انشاء اللہ تعالیٰ ایسے ۔ ۔ ۔ کو بے کم و کاست کہا جا سکے لکھ کر ضرور آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔

اخبار کا ایڈیٹر عالم اور قارئین اخبار اُس کے معمول یا یوں کہئے کہ ایڈیٹر سیاسی پیر اور اس کے ناظرین کے مرید ہوتے ہیں۔ میں "انقلاب" کے مدیری مقالات کو لازماً بغور پڑھتا ہوں اور اس سیاسی افراتفری اور ہڑبونگ کے عالم میں کہ سب بولائے ہوئے نظر آتے ہیں آپ کے نسبتاً سکون و وقار کو بخوبی محسوس کرتا ہوں۔

---

[1] کتاب بطور ہدیہ ان کی خدمت میں بھیج دی گئی تھی۔

اس بات سے واقف ہوں کہ میدانِ جنگ میں مستقل مزاج سپہ سالار ہی کچھ کام کر سکتا ہے۔

اس وقت آپ کی بے ریا محبت نے مجھ سے یہ عریضہ لکھوایا ہے ورنہ آپ کا خط نہ جواب طلب تھا نہ میرے نام تھا۔ خط میں اطناب طوالت بھی محبت ہی کی وجہ سے ہوئی ورنہ ایک کارڈ کی دو سطروں میں بھی یہ تمام مطالب ادا ہو سکتے تھے اب آپ کو میرے لئے دعا کرنے میں تامل نہ ہونا چاہیے۔ خدائے تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ آمین والسلام مع الاکرام

۲۷ رجنوری ۳۷ء آپ کا نیاز مند بھائی اکبر شاہ نجیب آباد (یو پی)

ایوب خاں اگر آپ کا خط پڑھیں گے۔

مکتوب مولانا سید طفیل احمد منگلوری (۷۳) مکتوب الیہ سید الطاف علی بریلوی

ڈیر سید صاحب السلام علیکم

اس وقت آپ کا انگریزی پمفلٹ ختم ہوا ہے۔ اُسے جگہ جگہ سے پڑھا ہے اور کل سے ایک طرف سے پڑھوں گا۔ اس قدر زیادہ خوشی ہوئی ہے بیان سے باہر ہے۔ آپ کو اس بات کا اندازہ نہیں کہ میں اور نظامی صاحب آپ کے بارے میں کس قدر پریشان رہا کرتے تھے۔ کیونکہ ہم بنیاد مضبوط نہ سمجھتے تھے اور طرح طرح کے خیالات دل میں گزرا کرتے تھے۔ آپ کے اس رسالے نے آپ کا مسئلہ بھی مثل "واحد کے مسئلہ کے" حل کر دیا۔ اب کامل امید ہے کہ آپ کانفرنس کے علمی، تعلیمی، دفتری ہر قسم کے کام پر حاوی ہو جائیں گے۔ بہرحال خدا کا شکر ہے کہ آپ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ حیرت یہ ہے کہ اس قدر تنگ وقت میں اس قدر کثیر معلومات فراہم کر کے اُسے انگریزی زبان میں کیسے مرتب کر دیا۔

میں اب مستقل طور پر مریض ہو گیا ہوں اور اب میری طرف سے آپ تردد نہ کریں۔ جو ہونا ہے وہ ہو رہے گا میں اگرچہ صاحب فراش ہوں مگر اب پڑے رہنے کو محسوس نہیں کرتا اور اسے مستقل حالت سمجھ لیا ہے اس لئے کوئی تردد نہیں ہے۔ جب وقت آ جائے گا تو اچھا ہو جاؤں گا۔ والسلام

طفیل احمد

مکتوب مولانا ظہور احمد وحشیؔ شاہجہانپوری (۷۴)

مرشدی قبلہ سلام ادب

میں لاہور پہونچا، مگر ابھی تعلیم کا کوئی بندوبست نہیں ہوا۔ میں نے ایک عریضہ مکان سے روانہ کیا تھا پہنچ تو گیا ہو گا۔ اب میں اس عریضے کے ذریعے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ حضور لاہور تشریف لائیں گے اور کب تک ؟ یا نہیں ؟

میرے لئے یہ کچھ کم فخر کی بات نہ ہو گی کہ آپ مجھے میرے خط (عریضہ) کا جواب دیں۔

؎ یہ خط کوئی تریپن سال پہلے کا ہے۔ جس زمانے میں مسٹر برکت علی ڈپٹی تھے، انہیں کی کوٹھی سے یہ خط لکھا گیا تھا۔ یہ خط اس وقت کا ہے جب مولانا وحشی، وحشی نہ ہوئے تھے اور اپنے تخلص سے مشہور نہ ہوئے تھے۔

عزیز القدر مولوی حسن میاں صاحب بعد سلام مسنون، میں آپ کو بھی جواب لکھنے کی تکلیف دیتا ہوں، اور آپ کی اگلی محبت سے مجھے امید ہے کہ آپ مجھے ضرور خط لکھیں گے۔ اور خط کا جواب لکھنا تو آپ فرض ہی سمجھتے ہیں۔

۷ رفروری ۱۹۳۸ء
ناچیز ظہور احمد شاہجہان پوری

---

(۷۵)

مکتوب مولانا عبد الماجد قادری بدایونی — **مکتوب الیہ شاہ حسین میاں پھلواری**

اعزی الفاضل المحترم زید مجدہٗ۔ سلام و رحمت۔

مدت کے بعد خط ملا۔ مشکور یاد آوری فرمایا، حیاک اللّٰہ، " اب بھی پوچھا تو مہربانی کی "[1] صلح و اتفاق کی دلی رغبت ہے۔ اصلاح نامہ مطبوعہ حاضر ہے۔ سال بھر ہونے کو آیا، صدائے برنخاست، رجسٹری سے بھیجا تھا۔ دست بدست دیا تھا۔ اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ کاش توجہ ہو چکی ہوتی تو اب تک صلح و اجتماع کب کا ہو چکا تھا۔ پھر بھی دروازہ بند نہیں، اور ہماری طرف سے اعراض نہ ہو۔ جب ہم نے ابتدا کی تھی تو ہمیں ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔

باقی رہا یہ امر کہ شرائط قابل اخذ و لائق ترک جس کی ہو سکتی ہیں اس کو مطبوعہ کاپی پڑھ کر آپ خود غور کر سکتے ہیں۔ یہ صلحنامہ مجلس عاملہ کا بلفظہٖ منظور کردہ ہے۔ اور ناقابل ترمیم بنایا گیا تھا۔ آپ غور کریں۔

مولانا قطب میاں، یقین ہے اس معاملے میں ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ واللّٰہ اعلم

آپ کے پاس جو جدید، وقتی، مذہبیہ مصالحت کا ہو اس کو متحرک کیجئے۔ باوقار صلح سے گریز نہ ہونا چاہیئے۔ مگر تحریر لے لیجئے یا ان کی منتظمہ و عاملہ سے باضابطہ مصالحت منظور کرا لیجئے۔ بے ضابطہ زبانی و انفرادی نقرے بہت ہو چکے ہمارا صلحنامہ مطبوعہ و شائع و مجلس عاملہ کا ہے ان کی بھی اسی قسم کی تحریر آنی چاہیے۔

میں تو اب دل سرد ہو رہا ہوں، یگانے بیگانے، سب وقتی قومی، مسلسل عمل اور انہاک و حسن کے ساتھ کام کرنے والے ناپید" اللّٰہ ہم پر رحم کرے۔ مجھے خط اس پتہ پر بھیجئے ملتا رہے گا۔ مدرسہ شمس العلوم معرفت منشی معشوق علیخاں بدایوں۔

حضرت الجلیل شیخ الصوفیہ مدظلہٗ کی خدمت میں سلام مسنون و طلب دعا،

بھابی صاحبہ سلمہا اور بچوں کو دعا۔

برادر مکرم جناب شاہ مسعود صاحب پہونچ گئے ہوں تو سلام کہہ دیجئے یا وہ خط لکھیں گے۔

آپ نے شاید اخبارات میں پڑھا نہیں ہے تو دو ماہ قبل ایک تحریر و مضمون عام شائع کر چکا ہوں کہ سب

---

[1] یہ خط اس واقعے کے بعد کا ہے جب نہرو رپورٹ شائع ہوئی اور جمعیۃ علمائے ہند نے کانگرس کا ساتھ دیا تو علماء کی بہت بڑی تعداد اس سے الگ ہو گئی، جس میں مولانا محمد علی شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی بھی تھے، مولانا عبد الماجد، مولانا قطب میاں، مولانا مظہر الدین، مولانا عنایت اللّٰہ علمائے بریلی و فرنگی محل بھی تھے۔ اور ان سب نے مل کر سارے ملک کے علماء کو منظم کیا۔ اور تو سیع نظام علماء کے نام سے کانپور میں نمائندہ جلسہ کیا تھا۔

مسلم جمعیتیں و جماعتیں طاری جائیں۔ خدا آپ کے ذریعے سے اس کام کو مکمل کرا دے۔ اہل جمعیۃ دہلی کی نیت بخیر نہیں ہے شاید آپ درست کرلیں۔ فقط۔

(۷۹)

مکتوب مولوی سید ممتاز علی

مکرم و محترم! تسلیم۔

افسوس عنایت نامہ کا جواب اس قدر دیر میں دے رہا ہوں۔ پہلا نیاز نامہ شاید میں نے اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا تھا۔ اس مرتبہ میں نے خود لکھنا چاہا۔ مجھے دماغی عارضہ ہے جسے ڈاکٹر SCLEROSIS OF ARTERIES یعنی صلابت شرائین کہتے ہیں اس سے ایسے عوارض لاحق ہو رہے ہیں جن کی وجہ سے معالجین کو بہت خطرہ ہے کہ شاید فالج گرے یا سکتہ ہو۔ دو سال سے ہر قسم کا گوشت اور ہر قسم کی دال ممنوع ہے۔ بقولات میں سے بھی مٹر اور بعض دیگر چیزیں منع ہیں۔ اس پرہیز سے اتنا ہوا ہے کہ مرض نے بہت ترقی نہیں کی۔ اس پرہیز میں نوشت و خواند کا کام اور کسی امر خاص پر لگاتار توجہ قائم رکھنا منع ہے۔ میں کسی دوست کو لکھتا ہوں تو صرف خیریت کا تین چار سطور کا کارڈ۔ میں نے یہ دیکھ کر کہ آپ نے تہذیب کی طرف اس قدر توجہ فرمائی، اس کے شکریہ میں یہ عریضہ اپنے قلم سے لکھنا مناسب جانا۔

آپ کے مضمون کو چند بہنوں کے سوا عموماً سب خواتین نے ناپسند کیا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض فقرے ضرورت سے زیادہ تیز تھے۔ اور ابھی چند تحریریں اس کے متعلق اور بھی چھپنے والی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے نہایت نیک نیتی اور ہمدردی سے مضمون لکھا تھا۔ اگر چند فقرے طنز اور مذاق نما نہ ہوتے تو اچھا ہوتا۔ اگر آپ اپنی کسی اور تحریر سے اس کی تلافی کر دیں تو آپ کی ہمدردی مشتبہ متصور ہونے سے محفوظ ہو جائے۔ میں خود آپ کی تحریر کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا تھا۔ مگر دماغ میں اتنی ہمت نہیں۔ اور ایسا غیر معمولی قوۃ صرف کرنے سے کیا۔ تو BLOOD PRESSURE بڑھ جانے کا بہت خطرہ ہے۔ میں جو کچھ کہنا چاہتا تھا اس کا ماحصل یہ ہوتا۔ کہ مستورات کا اخبار میں واویلا بے فائدہ نہیں۔ دوم جو تحریریں اخبار میں شائع ہوتی ہیں ان سے یہ پتہ نہیں لگتا کہ یہ کس شہر اور کس خاندان کے متعلق ہے۔ سوم ایسی شکایات مستورات قرون اولیٰ میں علما دین کے روبرو کرتیں اور خلع کی ڈگری حاصل کرتی تھیں۔

میں ابھی کچھ لکھنا چاہتا تھا مگر میرے دماغ پر بار بڑھتا جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ بیچاری عورتوں کی کچھ مدد کریں اور وہ یہ ہے کہ جن ائمہ کے مذاہب سے عورتوں کے حقوق کی حفاظت ہوتی اُن کے مذاہب کو جمع کیا جائے خلع کے مسئلہ کو احادیث کی مدد سے زیادہ وسیع کیا جائے اور عورتوں کے متعلق ان مسائل کو جمع کیا جائے جن میں حنفی مذہب ان کی پوری حفاظت نہیں کرتا ——— وغیرہ کے مسائل سے مدد لے کر ایک قانون کا مجموعہ تیار کر کے گورنمنٹ سے پاس کرانا چاہیئے۔ مجھ سے اپنی موجودہ حالت میں کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ لکھنا تو کجا میں پڑھ بھی نہ سکوں گا۔ کوئی صاحب دل اس کام کو لیں۔ کتب دینیہ سے کس کس مسئلہ کو کہاں کہاں سے مدد ملے گی یہ میں بتا دوں گا۔

میں نے اتنا خط بہت مشکل سے لکھا ہے۔ میرے دل میں کوئی خیال آتا ہے تو وہ لڑکوں کو ظاہر کر دیتا ہوں۔ وہ لکھ کر مجھے سنا دیتے ہیں جسے میں بہت ہی بے فکری سے سنتا ہوں۔

مکتوب سر سید رضا علی

(۷۷)

جناب والا - حضور کا مضمون صاف کرا دیا گیا ہے جس کی ایک نقل ملفوف ہے - جن فقرات میں ترمیم کی گئی ہے وہ محض معمولی ہے البتہ ایک فقرہ جو اضافہ کیا گیا ہے اوس کی طرف میں خاص طور سے حضور کی توجہ دلاتا ہوں وہ فقرہ یہ ہے "اور میری رائے میں یہ تصفیہ بحالات موجودہ گورنمنٹ اور مسلمان دونوں کے لئے تسلی بخش ہے"۔ غالباً اس فقرہ سے حضور کا اصلی مفہوم ادا ہوتا ہے اور جو حالات اس وقت تک اخبارات میں شائع ہوئے ہیں۔ اون کے اعتبار سے حقیقت حال بھی یہ ہی ہے - مولانا ابو الکلام آزاد نے کلکتہ سے ضرور صدائے اختلاف بلند کی تھی مگر ۱۹ - اکتوبر کو مسلمانان کلکتہ کا جو عظیم الشان جلسہ زیر صدارت پرنس غلام محمد صاحب کے ہوا ہے اوس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانان کلکتہ بھی اس فیصلہ سے ناراض نہیں ہیں - ان تمام باتوں کے لحاظ سے جو فقرہ حضور کے مضمون میں اضافہ کیا گیا ہے اوس سے نہ صرف حضور کی ذاتی رائے بلکہ مسلمانوں کے اصلی و حقیقی خیال کا اظہار ہوتا ہے اور میری ناچیز رائے میں و نیز میرے معزز دوست جناب مولوی فضل حسین صاحب کے خیال میں اس فقرہ کا اضافہ ہونا مناسب ہے۔

امید ہے کہ حضور مضمون پر دستخط کر کے واپس فرما دیں گے اتنا وقت نہ تھا کہ میں اس کی ایک نقل حضور کے لئے کرا لیتا - میرے قابل دوست جناب صبغت اللہ صاحب چند منٹ میں ایک نقل حضور کے لئے تیار کر دیں گے میں نے حامل کو ہدایت کر دی ہے کہ دو بجے دن کے ٹرین سے ضرور واپس آ جائے کیونکہ اوس کی واپسی پر مضمون کی نقل "زمیندار" و "ہمدرد" و "وکیل" و "مساوات" و "علیگڈھ انسٹی ٹیوٹ" کو بھیجی جائیں گی۔ "المشیر" و "نیر اعظم" کی کاپیاں تیار ہیں۔ مگر مضمون چھپنا اوس وقت تک شروع نہ ہوگا جب تک حضور اجازت نہ مرحمت فرمائیں گے۔

کل کے عریضہ میں جن پانچویں صاحب کا نام مجھے یاد نہ رہا تھا وہ ذیل میں درج ہے اگر حضور مناسب سمجھیں تو امروہہ کے جلسہ کا ایک اعلان اون کے پاس بھی بھیج دیں۔

۵ - جناب حاجی محمد اسماعیل صاحب - سوداگر بازار چوک مراد آباد

۲۳ اکتوبر ۱۹۱۳ء — خاکسار رضا علی[1]

مکتوب سر سید رضا علی — (۷۸) — مکتوب الیہ سید الطاف علی بریلوی

محبی و عزیزی - جون کے "معصف" میں جو ریویو "اعمال نامہ" پر نکلا ہے وہ میں نے پڑھا اور بے ساختہ میر حسن کا یہ شعر یاد آیا۔

ترا رنگ غیرت سے اوڑتا نہیں — تجھے کیا بری ذاد جوڑتا نہیں

ہائے ہندوستان کی ادبی اور علمی ناداری ! - شیخ ہندوستانی کی لکھی ہوئی کتاب (مراد آباد سے دہلی ٹھیک سو میل اور لکھنؤ سے پورے دو سو میل ہے) اور اس پر تبصرہ کریں - حیدر آباد دکن کے ایک اخبار کے نائب مدیر - اگر "معصف" کے بجائے "سلطنت" میں تبصرہ چھپتا تو میں خود حیران ہو کر دریافت کرتا کہ شعر مرا بہ مدرسہ کہ برد ؟ حیدر آباد اور پنجاب

---

[1] غالباً یہ تحریر حاجی صاحب محمود آباد کے نام ہے - اس میں نظر بہ ظاہر مسجد مچھلی بازار کانپور کے بارے میں مصالحت کا ذکر ہے۔

والے اردو زبان کی جو خدمت کر رہے ہیں اس سے انکار کرنے والا کافر۔ مگر یاد رہے کہ شعر نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند
نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند (حافظ)

سید اطہر حسین رضوی صحافت نگاری کا غالباً کافی تجربہ رکھتے ہیں لیکن بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ہندوستان (یو پی) کے رہنے والے نہیں ہیں یا عرصہ سے حیدرآباد میں مقیم ہیں۔ چند باتیں برسبیل تذکرہ لکھتا ہوں اُن کے مطبوعہ ریویو کے صفحہ کا نمبر بھی درج ہے۔

۱۔ یہ "اعمال نامہ" ہے . . . . . . فرشتوں کے نہیں بلکہ ایک انسان کے قلم سے لکھا ہوا۔ قلم سے لکھا ہوا کے بجائے قلم کا لکھا ہوا ہونا چاہیئے۔ صفحہ ۱۵۷۔ دوسری سطر۔

۲۔ "بپتا میں مصیبت کی شرمندہ ہوتی ہے اور بپتا کے گلے ہیں"۔ اس موقعہ پر بپتا کے بجائے "آپ بیتی" لکھنا چاہئے تھا۔ بپتا کے معنی ہیں دُکھ، درد، مصیبت، ناگہانی آفت۔ مولوی حالی کا مصرعہ ہے خدا کی مسند ہیں۔ مصرعہ۔ بپتا میں کام آنے والا۔ صفحہ ۱۵۹ سطر ۵۔

۳۔ "خود ساختہ" (SELF MADE)۔ انگریزی الفاظ کے معنی ہیں۔ ذاتی جدوجہد سے ترقی کرنے والا جس نے خود ترقی کی ہو۔ خود ساختہ میں تعریض کا پہلو ہے مثلاً خود ساختہ لیڈر، نام نہاد لیڈر۔ ساختن فعل بے ڈھب مصدر ہے۔ میں نے کتاب میں PROPAGANDA کا ترجمہ رائے سازی کیا ہے۔ دیکھو تبصرہ کا صفحہ ۱۵۷ سطر ۱۶۔

۴۔ "سید صاحب نے اس گناہ کبیرہ سے نہ صرف اجتناب کیا ہے بلکہ اکثر جگہ نہایت معقول اضافے کئے ہیں۔" سرسری نظر سے پڑھنے والے نہایت معقول اضافوں کا تعلق شاید گناہ کبیرہ سے سمجھیں گے۔ ریویو نگار کا مقصد یہ نہیں معلوم ہوتا۔ ان کا مقصد غالباً یہ ہے کہ مصنف نے غیر ضروری انگریزی الفاظ کے ترک کرنے کی تجاویز میں معقول اضافہ کیا ہے۔ اگر ریویو نگار کا مطلب میں نے صحیح سمجھا ہے تو ان کے الفاظ سے بلیغ معنی نہیں ہوتے۔ صفحہ ۱۲۶ سطر سترہ اور اٹھارہ۔

۵۔ "عشق کی پارینہ داستانیں جو بالکل فرسودہ کہانیوں کے انداز میں بیان کی گئی ہیں" دعوائے بے دلیل اسی کو کہتے ہیں یا تو اعمال نامے سے کچھ جملے نقل کئے ہوتے یا داستانوں کا مختصر خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کیا ہوتا مغربی ریویو نگاری کے فنی اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ ریویو لکھنے والا اپنی جدت یا جودت طبع کی تائید میں کتاب کے جملے یا فقرے نقل کرے۔ صفحہ ۱۴۷ سطر ۸

۶۔ "بڑا پتھر تھا صرف چوم کر چھوڑ دیا"۔ یہ فقرہ میرا نہیں ہے بلکہ ریویو نگار کی تعریف ہے۔ کتاب کا فقرہ یہ ہے۔ "بھاری پتھر جو دیکھا چوم کر چھوڑ دیا"۔ اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ریویو نگار اہل زبان نہیں ہیں بلکہ اردو کا کتابی علم رکھتے ہیں۔ اہل زبان ہوتے تو انہیں شہور مثل سے مزید واقفیت ہوتی صفحہ ۱۴۷ سطر ۱۔

۷۔ "کتاب میں متعدد جگہ غیر ضروری طوالت سے کام لیا گیا ہے اور اکثر باتیں بہت ہی بڑھا چڑھا کر لکھی گئی ہیں"۔ طوالت کے سلسلہ میں کسی ایک مضمون کا بھی حوالہ نہیں ہے نہ کسی ایسی بات کا اشارتاً یا کنایتاً تذکرہ ہے جو بڑھا چڑھا کر بیان

کی گئی ہو۔ کیا غیر طرفدارانہ تنقید اسی کا نام ہے؟ صفحہ ۱۴۷ سطر ۲۳ و ۲۴

۸۔ "اس باب کی افادی حیثیت سے انکار نہیں بلکہ سید صاحب کے اعمال نامہ سے اس کا کوئی جوڑ نہیں۔" اعمال نامہ کا تعلق میرے سوانح حیات سے ہے نہ کہ اظہر حسین صاحب کے واقعات زندگی سے۔ جن مضامین یا مسائل سے مجھے دلچسپی رہی ہے وہ کتاب میں درج ہیں پھر شکایت کیسی؟ لطف یہ ہے کہ بارھویں باب کی افادی حیثیت کا تبصرہ نویس کو اقرار ہے۔ انمل بے جوڑ ہونے کی ایک ہی ہوئی کاش ریویو نگار یورپ کے نامور حضرات کے خود نوشت سوانح حیات سے واقف ہوتے صفحہ ۱۴۸ سطر ۲ و ۳۔

۹۔ "شبلی جیسے جید عالم کے لئے بد ذوقی کا لفظ کانوں کو کچھ بھلا نہیں لگتا۔" ادبی تنقید کے سلسلہ میں مفلق کا لفظ نہ بیہودہ ہے نہ ثقیل۔ نہ غریب ہے نہ عامیانہ۔ یہ ایک ادبی لفظ ہے جس کے معنی فن تنقید نے معین کر دیئے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس لفظ کے اصطلاحی معنی اور مفہوم سے ریویو نگار ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا یہی فرض تھا کہ مولوی شبلی کی عظمت اور جامعیت کے بارے میں جو رائے میں نے ظاہر کی ہے اور جس مصنف کے ساتھ موازنہ انیس و دبیر پر اپنی تنقید کو پیش کیا ہے اس کا بھی ذکر کر دیتے۔ صفحہ ۱۴۸ سطر گیارہ اور بارہ۔

۱۰۔ "ہو سکتا ہے کہ علامہ شبلی نے انیس و دبیر کے موازنہ میں انصاف سے اسی طرح کام نہ لیا ہو جس طرح خود سید صاحب نہ لے سکے۔" میں نے جو رائے ظاہر کی ہے اس کے وجوہ بالتصریح اعمال نامہ میں درج کر دیئے ہیں۔ لیکن اظہر حسین صاحب نے انصاف سے کام نہ لینے کا جو الزام مجھ پر لگایا ہے اس کی تائید میں انہوں نے ایک جملہ بھی نہیں لکھا صفحہ ۱۴۸ سطر ۱۲ و ۱۳۔ مجھے یہ شکایت نہیں ہے کہ اظہر حسین صاحب نے میرے ساتھ قصداً ناانصافی کی ہے۔ انہوں نے اپنی پہونچ کے مطابق آزادانہ تنقید کی ہے لیکن حالت یہ معلوم ہوتی ہے کہ مصرعہ سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست۔ اگر کتاب کا دوسرا حصہ میں نے ریڈیو کے لئے آپ کے پاس بھیجا تو اس کی شرط یہ ہوگی کہ ریڈیو پشاور (چھنگا یا پورٹ بلیر (کالے پانی کے دار الحکومت) کے کسی صاحب سے نہ لکھایا جائے۔

میں نکتہ چینی اور تنقید کی دل سے قدر کرتا ہوں بشرطیکہ نکتہ چیں اور نقاد اس کام کے اہل ہوں۔

۹ رجولائی ۱۹۴۲ء رضا لاج ۔ مراد آباد   دعاگو رضا علی

مکتوب منشی نوبت رائے نظر لکھنوی   (۷۹)   مکتوب الیہ سید مسعود حسن رضوی ادیب

مکرمی تسلیم۔

بجواب نوازش نامہ گزارش ہے کہ اردو زبان کی ترقی کے لئے جناب کا خیال نہایت مبارک ہے لکھنؤ اس کے لئے ایک موزوں مقام ہے اور یہاں اردو زبان و ادب کی خدمت کے لئے بہتر لوگ مل سکتے ہیں۔ البتہ اس کے لئے ایک وسیع پیمانے پر کوئی انجمن قائم کی جائے جس کے اصول مستحکم بنیاد پر قائم کئے جائیں اور جس کی مالی حالت غیر معمولی قابل اطمینان ہو تو کامیابی میں شک کی بہت کم گنجائش ہے۔ جناب کی کوشش سے اگر کوئی ایسی انجمن قائم ہو سکے تو ملک کی ایک بے پایاں خدمت ہوگی۔ سرمایہ مقتدر اصحاب فراہم کر سکتے ہیں۔

سرمائے کا مسئلہ حل ہو جانے پر اتحادِ عمل کا بھی ایک بڑا مرحلہ باقی رہے گا۔ میرے خیال میں اس مشکل کا حل آسان نہیں ہے۔ اس لئے کہ اردو کی طوائف الملوکی نے اب جڑ پکڑ لی ہے اور ہر شخص اپنے کو اردو زبان کا بہترین استاد سمجھتا ہے۔ اس حالت میں ایک مرکزی انجمن کے تحت میں مختلف دکنوں کا کام کرنا ذرا وقت طلب معلوم ہوتا ہے بہتر ہو کہ اردو زبان کی مجوزہ انجمن قائم کرنے سے پہلے ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کر کے اہم امور کا تصفیہ کر لیا جائے میں اس کوشش میں حتی الامکان حصہ لینے کو حاضر ہوں۔

۲۳ فروری ۱۹۲۳ء نیازمند نوبت رائے نظر

مکتوب عبداللہ یوسف علی (۸۰) مکتوب الیہا صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ

مکرمہ جناب بہن صاحبہ۔

آداب آپ کا عنایت نامہ مع دو نمبر النساء موصول ہوئے۔ مشکور ہوں کہ آپ نے یاد فرمایا۔ ماشاء اللہ حضرت حلیفہ کی ملاقات کا کیا عمدہ اور دلچسپ بیان آپ نے لکھا ہے جزاکم اللہ بالخیر۔

مجھ کو اور معصومہ بیگم کو سخت افسوس رہا کہ جس زمانہ میں آپ لندن آئیں ہمارا مکان تیار نہ تھا۔ یہاں اس سال کیا اچھا نظارہ ہے۔ باغ کی سبزی پرندوں کی خوش آواز۔ موسم بہار کی بادِ صبا۔ ایسے ہی موقعوں پر زندگی کا لطف آتا ہے۔ نواب اور بیگم صاحبہ ساداؤد بھی یہاں تشریف لائی تھیں۔ النساء کے لئے مضمون کا جو ارشاد ہے اس کے لئے کچھ مہلت چاہتا ہوں۔ میری کتاب تاریخ ہند (THE MAKING OF INDIA) عنقریب تیار ہو جائے گی۔ رشیدہ اور معصومہ بیگم آپ کو سلام کہتے ہیں یٰسین صاحب ابھی یہاں ہی بدستور ہائی کمشنر کے دفتر میں کام کرتے ہیں۔ حیدرآباد کی حالت پر خدا رحم کرے یہی بندہ کی دعا ہے۔ والسلام

۲ جون ۱۹۲۵ء "ماراش" ۱۳۔ گرینج پارک ایلنگ لندن۔ ڈبلیو ۵ خاکسار۔ عبداللہ یوسف علی

مکتوب بہادر یار جنگ بہادر (۸۱) مکتوب الیہ نواب سید شمس الحسن

نواب صاحب مکرم و محترم!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ یقین ہے کہ آپ لکھنؤ واپس آگئے ہوں گے۔ اپنی ایک درخواست کو دہرانا چاہتا ہوں جو بمبئی میں آپ سے کی تھی۔ کہ لکھنؤ کے مسلم اخبارات کو چاہیے وہ اردو انگریزی میں نکلتے ہوں پابندی میں حیدرآباد اور مسلمانان حیدرآباد کی خدمت پر آمادہ کر دیجئے۔ یقین ہے کہ میری یہ گزارش نظرانداز نہ ہوئی ہوگی آج ڈاکٹر عبدالعلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کو بھی اس طرف متوجہ کیا ہے اور بعجلت ممکنہ جناب کی توجہ فرمائی کے نتائج کا منتظر ہوں۔

نواب امیر حسن خاں صاحب بہادر کی خدمت میں میری طرف سے سلامِ عقیدت و محبت پہنچا دیجئے فقط

آپ کا مخلص

محمد بہادر خاں

۳ جولائی ۱۹۳۸ء۔ حیدرآباد دکن

مکتوب نواب بہادر یار جنگ (۸۲) مکتوب الیہ مولانا شاہ حسین پھلواری شریف

حضرت مخدوم و محترم دامت الطافکم۔

السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔ مزاج اقدس۔ ایک عریضہ اس سے قبل فتوے کی رسید کے طور پر روانہ کر چکا ہوں۔ آج پہلی مرتبہ فرصت ملی اور "شانِ اُسوہ" کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ اس ضروری اور اہم موضوع پر جس تعمق اور دقتِ نظر سے بحث کی ہے وہ ہر طرح قابلِ تحسین ہے۔ چار پانچ نسخے روانہ فرمایئے۔ حضرت جلالۃ الملک خلد اللہ ملکہٗ کی بارگاہ میں ضرور پیش کر دوں گا۔

لفظ میلاد کا قضیہ زیادہ تشویش ناک نہیں ہے۔ بعض اصحاب نے بعض بزرگانِ دین کے ایّام ولادت کے لئے میلاد کا لفظ استعمال کیا اور بعض علماء نے اس پر اعتراض کیا۔ اور بات طول پکڑ گئی۔ منصوری سے آیا تو دیکھا کہ سب ضروری کام چھوڑ کر اسی کے پیچھے پڑے ہیں۔ خود درمیان میں آنے سے قبل چاہتا تھا کہ آپ جیسے بزرگوں سے استفادہ کروں اور صحیح معلومات کے ساتھ معاملہ میں دخل دوں اسی لئے زحمت دی تھی۔ الحمدللہ اب حالات معتدل ہیں اور فتنہ فرو ہو چکا ہے۔

۳۰ رجون

دعا کا طالب محمد بہادر خاں غفرلہٗ

مکتوب نواب بہادر یار جنگ بہادر (۸۳) مکتوب الیہ سید الطاف علی بریلوی

مکرمی۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔

صدارت عظمیٰ کی تبدیلی سے متعلق آپ کا اور شمالی ہند کے حضرات کا خیال صحیح ہے۔ میں آپ کی مبارک باد کو دل سے قبول کرتا ہوں۔ اور شکر گزار ہوں۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے معاملے میں مجھے نواب[1] صاحب سے سخت شکایت ہے۔ انہوں نے گزشتہ چار مہینے سے میرے دو تین خطوط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ صدارت مجلس استقبالیہ کے قبول کرنے میں نہ مجھے پہلے عذر تھا نہ اب ہوتا۔ میں تو صرف مصلحتاً یہ چاہتا تھا کہ اگر نواب صاحب حکومت کا تعاون چاہتے ہی ہیں تو میری بجائے کسی اور کو صدر منتخب کر لیا جائے۔ مجھے ڈاکٹر سر ضیاءالدین احمد صاحب کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ آئندہ اجلاس حیدرآباد میں نہ ہوگا۔ اس کے بعد بھی میں نے نواب صاحب کو ایک تفصیلی خط لکھا اور متاسف ہوں کہ ذرا سخت لکھا۔ لیکن اس کا بھی انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں جب عزم کر لیتا ہوں تو میرے عزائم میں کوئی چیز حارج نہیں ہوا کرتی۔ لہٰذا میں جس وقت میں نے آپ کے کہنے پر کانفرنس کو حیدرآباد آنے کی دعوت دی اُس وقت بھی یہاں کے حالات میری ذات کے لئے موافق نہیں تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ کی ایک گفتگو میں جو نواب کمال یار جنگ بہادر کے سیاؤں میں ہوئی تھی نواب صاحب اور ڈاکٹر حلیم صاحب موجود تھے۔ اگر نواب صاحب کو عقلمندی ہی سے کام لینا تھا تو انہوں نے مجھ دیوانے کی دعوت قبول کیوں کی۔ چاہے سرکار ساتھ دیتے یا نہ دیتے حکومت ان کی ہوتی یا کسی اور کی، دعوت میری

---

[1] نواب صدر یار جنگ مولینا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی۔

تھی۔ اجلاس کو کامیاب بنانے کی ذمہ داری مجھ پر تھی اور آپ کے نزدیک میں جواب دہ تھا۔ مجھ سے اس بے توجہی اور استفسار کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ بجز اس کے کہ آپ صرف حکومت کا تعاون چاہتے ہیں مسلمانوں کا یا میرا نہیں۔

اس لئے میں نے اب اپنے آپ کو اس سے بالکل بے تعلق کر لیا ہے۔ آپ نواب صاحب سے عرض کر دیجئے کہ وہ اب کسی اور کو اس کام کے لئے منتخب فرمائیں۔ آپ نے میری دعوت کو اپنے اعراض سے ذلیل کیا اور میں اب اس میں کوئی حصہ نہیں لے سکتا۔ یہ خط کے فارم پر صرف اس لئے لکھ رہا ہوں کہ وہ بے کار پڑے تھے اور آپ کے سوا کسی اور کو ان پر خط نہیں لکھ سکتا تھا۔

آپ ضرور تشریف لائیں اور کانفرنس کے دوسرے ارکان اور صدر اعظم بہادر اور حکومت کے تعاون سے جلسہ کا انتظام فرمائیں۔ والسلام

مجلس استقبالیہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس حیدر آباد دکن احقر العباد محمد بہادر جنگ

مکتوب سید ضمیر الدین احمد عرش رحمانی　　　(۸۴)　　　مکتوب الیہ مولوی ضیاء احمد بدایونی

محترم قوم۔ بعد دعائے دوام دولت و اقبال التماس آرا ہوں کہ میں بواسطہ شیخ امیر اللہ تسلیم و تسنیم دہلوی مومن خاں صاحب کا غلام ہوں۔ مجھ کو مرحوم کے کلام و بیان کے ساتھ عشق ہے۔ تقریباً بیس سال کی تفتیش کے بعد میں بذریعہ حضرت ذاقی دہلوی ان کے مزار تک پہنچا اور میں بالکل آمادہ تھا کہ ان کا مزار بنوا دوں اور لوح مزار بھی لگا دیا جائے مگر یکایک میں چند حادثوں میں مبتلا ہو گیا اور میری حالت بگڑ گئی۔ تصویر مومن کے متعلق مجھ سے حسرت موہانی نے کہا تھا کہ رامپور کے کتب خانے میں ہے میں وہاں گیا اور آج تک سلسلہ جنبانی کر رہا ہوں۔ مگر تصویر کا پتہ نہیں چلتا۔ آج یکایک میرے ایک کرم فرما نے رسالہ اردو حیدر آباد دکن دکھلایا اس میں مومن خاں صاحب کی تصویر دیکھی مجھ کو گویا دولت لازوال مل گئی۔ میں ایک عرصہ سے حیات مومن لکھنے والا ہوں۔ بڑی مدد ہو گئی۔ مزید براں کلام مومن پر ریویو میں نے جناب کے قلم سے دیکھا۔ بارک اللہ حق یہ ہے کہ یہ مومن خاں صاحب کی نیک روح کی برکت ہے کہ آپ سا صاحب قلم عالم وجود میں آیا اور آبحیات کی دل شکن لغو بیانی کی تردید ہی نہیں کی بلکہ ملک پر مومن کا سکہ دوبارہ بٹھلا دیا۔ خداوند عالم آپ کو اس کی جزا دے۔ حق یہ ہے کہ اب میں حیاتِ مومن لکھ کر کیا کروں گا۔ البتہ آپ کی رائے سے اتفاق کر تا جاؤں اور بس۔ بہر حال اگر یہ کام آپ کریں تو بارک اللہ ورنہ مجھ کو اجازت دیں۔ اس کے علاوہ چونکہ آپ صاحب بصیرت ہیں میں چاہتا ہوں کہ دیوان اپنا ریویو کے لئے بھیج دوں کہ آپ سا منصف، سخن دان و سخن شناس میری محنت کی داد ہی نہ دے بلکہ رسالہ "اردو" کے ذریعے یہ ظاہر کر دے کہ مومن کا ایک گمنام خادم صوبہ بہار میں موجود ہے۔ آنجناب میری اس تکلیف دہی کو معاف فرمائیں گے۔ میرے ——— اور میں تارک شعر و سخن ہو چکا ہوں۔ کس کو تکلیف دوں۔ اس کے علاوہ ایک اور تکلیف دیتا ہوں وہ یہ کہ جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی۔ اے دہلوی۔ جو سبب اشاعت تصویر مومن ہیں کہاں تشریف رکھتے ہیں۔ اور ان کا نشان کیا ہے تاکہ میں ان سے خط و کتابت کروں یا ملوں۔ آہ مومن۔ میں خود خدا کے گھر سے اک

در دمند دل لایا ہوں۔ مجھے خود عشق نے جلا کر خاک کر دیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم کیا کہہ گئے ؎
کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو

محض توکل پر بغیر نشان صحیح یہ عریضہ ارسال کرتا ہوں، خدا اس کو آنجناب تک پہونچائے اور رسید سے شاد کام کریں۔
۱۱ رنومبر ۲۸ء ۔ شہر گیا۔ ضلع گیا۔ خاکپا مرشش

مکتوب مرزا محمد عسکری (۸۵) مکتوب الیہ مہر صاحب

مخدومی و مکرمی زاد الطافکم، تسلیم۔

عنایت نامہ مورخہ ۲۹ رجون موصول ہوا اور اس کے دو تین دن بعد کتاب "غالب" مصنفہ جناب لاہور سے پہنچی۔ آپ کی عنایت کا نہایت شکرگزار ہوں۔ کتاب کو جستہ جستہ دیکھا۔ فی الحقیقت آپ نے کمال محنت و کاوش اور عرق ریزی سے یہ سب مواد بہم پہنچایا اور ان کو ایک نہایت دلچسپ صورت میں ایک بیاگرافی کی حیثیت سے پیش کیا۔ خدا آپ کو اس کی جزائے خیر دے۔

حضرت! خودستائی بہت بری چیز ہے مگر اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ "ادبی خطوط غالب" (مطبوعہ ۱۹۲۹ء) مولفہ خاکسار نے وہ کام کیا جو ہوا آگ کے ساتھ کرتی ہے یعنی ان لوگوں کے دلوں میں جن میں غالب پر ریسرچ کرنے کا مادہ گویا دبا دبا ہوا تھا۔ اس کو بہت زور سے ابھار دیا۔ میں خود چاہتا تھا (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰۔ ادبی خطوط غالب مطبوعہ نظامی پریس ۲۹ء) کہ یہ کام جو آپ نے اب کیا ہے میں کسی نہ کسی طرح انجام دوں۔ مگر اپنی صحت سے مجبور ہو گیا۔ اس کا سہرا آپ کے سر رہا، خدا مبارک کرے! واقعی آپ نے ایسی دلچسپ اور پُر از معلومات کتاب لکھی ہے کہ اس کے سبب سے زبان اردو کا مرتبہ بڑھ گیا۔ آپ نے خط میں جو "ایک فروگذاشت" کا ذکر کیا ہے اس کو میں نے ڈھونڈھ نکالا۔ غالباً یہ غلطی اس وجہ سے ہوئی کہ جو دیباچہ چودھری عبدالغفور سرور نے "عودِ ہندی" کے واسطے لکھا تھا اور اس میں جو تاریخ اس کی طباعت کی "مہر غالب" ۱۲۸۵ھ انہوں نے نکالی ہے اسی سے میں نے سن طباعت بھی یہی سن خیال کیا۔ آپ نے تحقیق چار پانچ برس ۱۲۸۵ھ کے بعد اس کی اشاعت نکالی ہے مگر جہاں تک میں دیکھ سکا کوئی سن طباعت آپ نے بالیقین تجویز نہیں فرمایا۔

آپ نے جو خاندانی حالات ڈپٹی مرزا عباس بیگ مرحوم کے تفصیل وار لکھے ان میں سے بعض مجھ کو بھی نہیں معلوم تھے۔ آپ کی تحقیق کی داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ ڈپٹی عباس بیگ کے باپ اور دادا کا نام مجھ کو نہیں معلوم تھا۔ یہ اب معلوم ہوا۔ مگر یہ غالباً آپ کو نہیں معلوم کہ ڈپٹی صاحب موصوف نے اپنے ایک بھتیجے کو جن کا نام فیاض بیگ تھا متبنیٰ کیا تھا، غالباً اس وجہ سے کہ جو علاقہ اُن کا ضلع سیتا پور (اودھ) میں ہے۔ اس کے وہ وارث و جانشین قرار پائیں۔ ان کا انتقال غالباً ڈپٹی صاحب کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ ڈپٹی صاحب کی ایک بیٹی بھی تھیں جن کی شادی انہوں نے اپنے دوسرے بھتیجے مرزا محمد بیگ سے کی تھی مگر اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی البتہ مرزا خداداد بیگ (برادر مرزا محمود بیگ) کی بہت سی اولادیں اب بھی ہیں، اور ان میں سے اکثر حیدرآباد میں ہیں۔

سخن دہلوی[1] کے متعلق جو معلومات آپ دریافت کرنا چاہتے ہیں افسوس ہے کہ اُن سے کوئی واقف نہیں، البتہ ایک مختلف البطن بھائی سخن دہلوی کے یہاں ہیں۔ میں اُن سے یہ تمام امور خاص کر "مکاتیب سخن" کے متعلق دریافت کروں گا اور جو کچھ وہ کہیں گے، آپ کو مطلع کروں گا۔ اگر اُن سے خدانخواستہ پتہ نہ چلا تو پھر انا للہ و انا الیہ راجعون۔ سخن دہلوی کے دو لڑکے اور متعدد لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے اب کوئی بھی نہیں ہے۔ صرف اللہ کا نام باقی ہے۔ بتائیے کس سے پوچھا جائے۔ سخن دہلوی جن کا نام خواجہ فخرالدین حسین تھا ان کی ایک مختلف البطن بہن نواب علی حسن خاں مرحوم[2] کو بیاہی ہوئی تھیں اور انہی بہن کے سگے بھائی اب لکھنؤ میں ہیں۔ انہی سے پوچھوں گا۔

خواجہ صاحب مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اُن کی شکل و شباہت اور صفات و خصائل سب مجھ کو خوب یاد ہیں۔ ایک لطیفہ ان کا سُن لیجئے۔ خواجہ صاحب جوانی اور بڑھاپے میں آرہ اور پٹنہ میں رہتے تھے ۱۸۸۸ء میں میں والد مرحوم کے ساتھ آرہ گیا۔ خواجہ صاحب وہیں تھے اور صفیر بلگرامی جن کا تذکرہ "گلشن صفیر" ہے وہ بھی زندہ تھے اور والد سے ملنے آئے تھے۔ خواجہ صاحب سے اُن سے چشمک تھی۔ صفیر ہکلاتے تھے۔ خواجہ صاحب اُن کو بہت بنایا کرتے تھے۔ ایک دن صفیر نے کہا کہ میں اپنے والد کے ساتھ بچپن میں دلّی گیا تھا۔ غالب زندہ تھے میرے والد اُن کے واسطے بہت سے آم بطور تحفہ لے گئے تھے۔ جن کی زیادہ تعداد غالب کو بھیجی گئی اور کچھ اور دوسروں کو بھی بانٹی گئی۔ غالب کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو انہوں نے ایک رباعی آموں کے شکریہ میں لکھ بھیجی۔ اس کا ایک مصرعہ مجھے یاد رہ گیا ہے جو کہا تا نہ انہیں کہ یہ پرائے ہیں آم۔ خواجہ صاحب نے جب یہ قصہ سُنا تو صفیر سے کہا کہ کیوں جھوٹ بکتے ہو غالب سے تم سے کیا تعلق؟ اپنی بڑائی ثابت کرنے کے واسطے یہ قصہ گھڑ لیا ہے۔ اس پر صفیر بہت شرمندہ ہوئے۔ جس پرچے میں آپ "نوادر"[3] پر ریویو لکھیں وہ مجھ کو مزید عنایت فرمائیے گا۔

۵ر جولائی ۱۹۳۹ء

نیازمند محمد عسکری

مکتوب مولوی اکرام خاں ندوی ۱۸۶ مکتوب الیہ سید الطاف علی بریلوی

محترمی جناب سید صاحب زاد لطفہٗ السلام علیکم۔

گرامی نامہ مورخہ ۱۲ ستمبر ملا۔ دن میں کئی بار پڑھا، دل بے حد متاثر ہوا، اور مختلف خیالات کا ایک طوفان اُٹھتا رہا مگر اپنی کمزوری و ناتوانی کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ علی گڑھ میں جو ٹھہر ٹھہر کر طوفان برپا رہتے ہیں، میں اُن سے بخوبی واقف ہوں، مجھے ہمیشہ اس پر حیرت ہوتی ہے کہ علی گڑھ ہمیشہ اپنوں ہی کو نشانہ بناتا ہے۔ ایسے اپنے کو جو درحقیقت اس کے سچے دل سے خیر خواہ ہیں اور جن کے دلوں میں علی گڑھ کے لئے لگن ہے، مزید حیرت یہ ہے کہ یہ سب کچھ بغیر کسی وجہ و سبب کے کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب شروع میں کوئی شخص جوش خدمت اور ولولہ

---

[1] خواجہ فخرالدین حسین سخن صاحب "سروش سخن" وغیرہ

[2] صفی الدولہ حسام الملک نواب علی حسن خاں ابن نواب صدیق حسن مرحوم۔

[3] میرزا محمد عسکری مرحوم کی ایک تصنیف

لے کر چلی گڈھ آتا ہے، تو چند روز بعد اس کو مایوس و شکستہ دل ہو کر سب چیزوں سے دست بردار ہونا پڑتا ہے اور کوئی حوصلہ و ولولہ اس کے دل میں باقی نہیں رہتا۔ ایسے بہت سے لوگوں کو میں نے دیکھا ہے۔ مولوی سید ظہور احمد صاحب وحشی مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

ہمیں یاد آ گئے تیرے وہ فریب دلربائی کسی نو اسیر الفت کو جو کامیاب دیکھا

شاعر کہتا ہے کہ کسی "نو اسیر" نئے پھنسے ہوئے کو دیکھ کر ہمیں یاد آ جاتا ہے کہ جب ہم نو اسیر تھے تو ہماری بھی یہی آؤ بھگت تھی، مگر انجام مایوسی اور دل شکستگی، اسی مضمون کو ایک فارسی شاعر نے بھی خوب کہا ہے ؎

چو می بینم کسے از کوئے تو دل شاد می آید فریبے از تو او دل خوردہ بودم یادم می آید

غرض یہ چیزیں وہاں کی روایات میں داخل ہیں۔ آپ پہلے شخص نہیں ہیں جس کے ساتھ یہ بے مہری و بے گانگی کا سلوک کیا گیا۔ اس لئے صبر کرنا چاہیئے اور ابھی کوئی مزید قدم نہیں اٹھانا چاہیئے۔ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ کارکنان قدرت خود انتظام میں مصروف ہیں۔ جو انقلاب ہوا یہ آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں، اور ہم اس سے کوئی عبرت و بصیرت حاصل نہ کر سکے اس لئے میرا خیال ہے کہ تقدیر پس پردہ ہمارے لئے کسی اور عبرت انگیز کھیل کی تیاری میں مصروف ہے۔

؎ لذت سیر اگر چشم تماشا لے گی ایک بار اور بھی دنیا ابھی پلٹا لے گی

آپ مایوس نہ ہوں، یہی وقت ہمت و امتحان کا ہے انشاءاللہ مستقبل اچھا ہوگا۔ البتہ اپنے مفاد کی فکر سے غافل نہ رہنا چاہیئے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں ایک ضروری کام یہ ہے کہ آپ پریس سے حسن تدبیر سے اپنا روپیہ نکال کر آزاد اور ہلکے پھلکے ہو جائیں۔ جب پریس بک رہا تھا تو اسی وقت میری یہ رائے تھی کہ معاملہ کر لینا چاہیئے۔ مگر نرخ بڑھ جانے کی وجہ سے آپ کے حصہ داروں کو نفع کی مزید توقعات پیدا ہو گئی تھیں۔

پریس کے معاملہ میں ایک بنیادی مصیبت یہ ہے کہ اس کے عملہ میں مختلف قسم کے کام کرنے والے بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، جو اکثر حریص، خود غرض، بے مروت، ناقابل اعتماد اور غیر ذمہ دار ہوتے ہیں۔ غریب مالک یا منیجر ہر شخص سے کس طرح نبٹے اور کس طرح خوش رکھے۔ بہر حال یہ ایک ضروری کام کرنے کا ہے آپ نے "مصنف" بند کرنے کی جو مصلحت لکھی ہے، وہ میرے بھی ذہن نشین ہو گئی۔ ہمیشہ وقت کے تقاضہ اور حالات کے مطابق کام کرنا چاہیئے۔ بے شبہ حالات ناسازگار ہیں۔ اور مستقبل دھندلا۔ ملک میں گزشتہ سال جو انقلاب ہوا وہ ابھی ختم نہیں ہو گیا بلکہ جاری ہے اور یکے بعد دیگرے بہت سے واقعات پیش آ رہے ہیں۔ یعنی ہم ابھی تک انقلابی دور سے گزر رہے ہیں، اس لئے کسی دلدل میں، قدم نہیں پھنسانا چاہیئے۔ معلوم نہیں مستقبل قریب میں کیا واقعات پیش آئیں۔ لیکن اسی کے ساتھ مجھے یقین ہے کہ سال دو سال میں انشاءاللہ حالات سنبھل جائیں گے اور جو شور اور جنون سروں میں ہے، یہ باقی نہیں رہے گا۔ آپ نے بعض بڑے لوگوں کے ساتھ اپنی ناخوشگوار گفتگو کا جو حال لکھا ہے، وہ خلاف توقع نہیں، میں ان لوگوں کی ذہنیت، پرواز فکر اور گرگٹی سیاست سے بخوبی واقف ہوں۔ ان کے سامنے زندگی کا یا قومی ترقی کا کوئی خاص مقصد و نصب العین نہیں ہے۔ ماحول کا رنگ دیکھ کر مرغ بادنما کی طرح اپنا رخ بدلتے رہتے ہیں،

ان پر کبھی اعتماد نہ کرنا چاہیئے۔ افسوس کہ کمزوری کی وجہ سے میں زیادہ نہیں لکھ سکتا، مگر اتنا تو لکھ ہی دوں کہ بدنصیبی سے مسلمانوں میں طبقاتی امتیاز بہت زیادہ موجود ہے۔ اونچے طبقے والے ہم لوگوں کو عزت واحترام کی نظر سے نہیں دیکھتے، خواہ ہم اُن کے لئے اپنے کو ہلاک کر دیں اور قومی خدمت میں اپنے کو خستہ وتباہ کر کے اپنا مستقبل بگاڑ دیں۔ یہ لوگ جب جھکتے ہیں اپنے ہی طبقے کی طرف جھکتے ہیں اور جب ان کا کام نکل جاتا ہے تو ہم لوگوں کو حرفِ غلط کی طرح درمیان سے مٹا دیتے ہیں، اس لئے احتیاط کرنا چاہئے اور کبھی یہ توقع نہ رکھنا چاہئے کہ وہ کسی مصیبت کے وقت ہماری دستگیری کریں گے لہٰذا ہمیں صرف اپنے طبقہ میں مخلصین کی تلاش کرنا چاہیئے۔ میں بجز چند جانے بوجھے آزمودہ لوگوں کے اس طبقے کے کسی فرد پر اعتماد نہیں کرتا، اسی پر ہمیشہ سے میرا عمل ہے۔ آپ کے اس فقرہ نے میرا دل نہایت متاثر ہوا کہ "روزانہ شام ہوتی ہے تو گھر سے نکل کر سوچتا ہوں کہ کہاں جاؤں" الخ ایک انسان کے لئے یہ حالت کس قدر مایوس کن ہے۔

اعجاز میاں کے لئے آپ پریشان نہ ہوں، اول تو وہ خود بہت ہوش مند ہیں۔ اس کے علاوہ جب آندھی آتی ہے تو بڑے بڑے تناور درختوں کو گراتی ہے وہاں جو انقلاب ہوگا وہ بڑے بڑے انتظامی وکلیدی صیغوں میں ہوگا، اس لئے پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

ایک فقرہ آپ نے یہ لکھا ہے "میں خوش ہوں گا اگر میں تخفیف الخ" ابھی اس خوشی کی تیاری نہ کیجئے، بلکہ نہایت مضبوطی سے قدم ...... میرا خیال ہے اور خدا جانے کیوں کہ عنقریب ان لوگوں کو ایسی مشکلات میں مبتلا ہونا پڑے گا، جس کا حل کرنا اُن کے لئے دشوار ہوگا۔ اور وہ اپنے کاموں میں اس طرح پھنس جائیں گے کہ دوسروں کے معاملات کی طرف آنکھ بھی نہ اُٹھا سکیں گے۔

آپ نے خود دیکھا ہوگا کہ جب سے آپ آئے ہیں یہاں کیسے کیسے انقلاب ہوئے، کس کس کا عروج اور پھر زوال ہوا۔ بنے بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں، یہ چند روز کا تماشہ ہے، ہمت نہ ہاریئے۔ افسوس کہ میں اپنی بیماری کی وجہ سے اس وقت کچھ نہیں کر سکتا۔ اخبار کے متعلق جیسا کہ آپ نے لکھا ہے بے شک لکھنے میں احتیاط کیجئے۔ سرکاری اور غیر سرکاری حریف اپنے اپنے مقصد کے لئے آج کل کڑی نگرانی رکھتے ہیں۔ ۱۴ ستمبر کا لکھا ہوا مولوی حاجی ابوالحسن صاحب کا ایک خط کوٹھی سے آیا تھا۔ جس میں میری علالت کا حال دریافت کیا تھا اور یہ بھی لکھا تھا کہ آپ کی رخصت نواب صاحب نے منظور کر کے بھیج دی" غالباً دفتر ہی میں بھیجی ہوگی۔ میرا مرض ابھی باقی ہے ۳۰ ستمبر تک پوری صحت کی کوئی امید نہیں نہ یہ مناسب ہے کہ مرض موجود ہوتے ہوئے لکھنؤ چھوڑ دوں اس لئے میں امروز وفردا میں ایک اور درخواست عید تک چھٹی کے لئے بھیجوں گا۔ ابھی میرا حق ہے اس لئے مہربانی کر کے منظور کرا دیجئے گا۔ اب جگہ بھی نہیں اور زیادہ لکھا بھی نہیں جاتا۔

۲۴ ستمبر کو مولوی حاجی ابوالحسن صاحب سے ملاقات ہوئی، وہ کسی کمیٹی میں یہاں آئے تھے اُس سے فارغ ہو کر میرے دیکھنے کو بھی آ گئے۔

مکرمی جب یہ خط لکھنے کا ارادہ کیا تو یہ خیال تھا کہ ایک صفحہ لکھوں گا، مگر چار تک پہنچ گیا، اور پھر بھی مسل میں بہت کچھ رہ گیا۔ آپ اس وقت پوری ہمت اور ہر ممکن تدبیر سے کام لیں، انشاء اللہ نتیجہ اچھا ہوگا۔

محمد اکرام
۲۷ ستمبر ۱۹۵۰ء ۔ لکھنؤ

مکتوب سعید انصاری (۸۷) مکتوب الیہ سید مبارک علی شاہ جیلانی

جناب من تسلیم

پیشہ معلوم نہیں، انصار عموماً زراعت پیشہ تھے حضرت انسؓ کے پاس بھی زمین ہوگی۔ اس کی تصریح ہے کہ دعاء نبوی کی برکت سے ان کے برابر انصار میں ایک شخص بھی متمول نہ تھا، واقعات بھی تصدیق کرتے ہیں۔ کہ وہ نہایت شان و شوکت سے رہتے تھے۔ بصرہ سے باہر طف میں ایک محل بنوایا تھا، اور اس میں بود و باش رکھتے تھے۔ خز کے کپڑے پہنتے اور دسترخوان وسیع رکھتے، وغیرہ وغیرہ۔

اولاد کی تفصیل مشکل ہے۔ خاص ان کے ۸۰ بیٹے اور ۲ بیٹیاں تھیں، وفات کے وقت تک بہت سے فوت ہو چکے تھے، تاہم سو، سوا سو کا پورا کنبہ تھا نزہتہ الابرار میں جو وجیہ الدین کی تصنیف ہے اور بھیکم پور کے کتب خانہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ حسب ذیل نام تحریر ہیں۔

۱ ۔ ابو حمزۃ انس بن مالک الانصاری المتوفی ۹۳ھ

۲ ۔ عبداللہ، عبیداللہ، زید، یحییٰ، خالد، موسیٰ، نضر، ابوبکر، براء، علاء، عمر، +، رملہ، امیمہ، ام حرام

(عبیداللہ ← عبداللہ)

۳ مثنیٰ، ثمامہ قاضی بصرہ

۴ ابوالمثنیٰ عبداللہ

۵ مثنیٰ، ابو عبداللہ محمد الفقیہ قاضی البصرہ و البغداد المتوفی ۲۱۵ھ

۶ سلمہ، عبدالکبیر

اسد الغابہ میں حضرت انس کی لڑکیوں کے نام یہ ہیں۔ حفصہ، ام عمرو، طبقات کا وہ حصہ جس میں بصریوں کے حالات ہیں، شاید اس میں کچھ مل سکے، لیکن وہ یہاں موجود نہیں۔ والسلام

سعید انصاری[1]
۳ جنوری ۱۹۱۷ء

مکتوب مولانا مسعود علی ندوی (۸۸) مکتوب الیہ نواب سید شمس الحسن

جناب مکرم! سلام مسنون!!!

کل اچانک نواب صاحب مرحوم و مغفور کی وفات کا تار ملا۔ جس نے ہم لوگوں کو بے چین کر دیا۔ اگر ...عنان

---

[1] مصنف سیر الصحابہؓ

نہ ہوتے تو ہم دونوں لکھنؤ حاضر ہو کر آپ حضرات کے ساتھ شریکِ غم ہوتے۔ نوابصاحب مرحوم کے تعلقات کی نوعیت اب خاندانی ہو گئی تھی۔ اس لئے ہم لوگوں کے تمام گھر پر اس اندوہناک حادثہ کا اثر ہے۔ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔ اپنے زمانہ کی حق یادگار تھے۔ اب مولانا شروانی صاحب اور دو ایک اسی قسم کے اور بزرگ باقی رہ گئے ہیں یہ لوگ اب اپنا دور ختم کر رہے ہیں اس مقدس مہینہ میں وفات نے نوابصاحب مرحوم کی مذہبی و مقدس زندگی کی تکمیل کر دی۔ اللہ کے مقبول بندے تھے اس لئے ان کی وفات بھی اسی ماہ میں ہوئی اللہ مغفرت کرے۔ یہ اتفاق ملاحظہ فرمائیے۔ علامہ شبلی مرحوم کے آخر وقت تک قائم رہے۔ پرسوں ۸ ارنومبر کو مولینا مرحوم کی برسی کی تعطیل تھی۔ اور ۹ کی صبح نوابصاحب کی خبرِ وفات نے دل و دماغ معطل کر دیا۔ دنیا میں ساتھ رہا اور دنیا سے روانگی بھی اسی شان سے ہوئی۔ اس مرتبہ لکھنؤ میں آخری زیارت نہ کر لی ہوتی تو اور بھی زیادہ قلق ہوتا۔ اس وقت تو یہ خیال ہوا تھا کہ اب خدا صحت دے دیں لیکن بعد کو معلوم ہوتا ہے کہ بیماری نے دوسری شکل اختیار کر لی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کرے آمین۔ تمام ممبرانِ خاندان کی خدمت میں میری دلی تعزیت پہنچا دیجئے۔ انشاء اللہ عید کے بعد حاضر ہونگا

۴ رمضان والسلام مسعود علی ندوی

مکتوب مولانا مسعود علی ندوی (۸۹) مکتوب الیہ نواب سید علی حسن

جناب محترم زاد مجدہم!

سلام مسنون!! حیدرآباد سے اجراء وظیفہ پر مبارکباد قبول فرمائیے۔ گو ۳۰۰ کی رقم امید کے خلاف ہوئی لیکن خدا کا شکر ہے کہ کم از کم ہم لوگوں کے جدید تعلق کے ساتھ ایک ایسی جگہ سے امداد ملی تو جہاں کے لئے ابتدائی قیامِ ندوہ سے برابر کوشش ہوتی رہی اب پیر رکھنے کی گنجائش ہو گئی۔ اس میں اضافہ انشاء اللہ آسانی سے ہو سکے گا۔ کیونکہ حیدرآباد میں ابتدائی زحمتیں بہت سخت ہوتی ہیں۔ کل جناب مولینا حبیب الرحمٰن خاں صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ حضور نے ۳۰۰ روپیہ ماہوار کی رقم منظور کی ہے۔

اس کے قبل ایک عریضہ روانہ کر چکا ہوں غالباً جناب کو مل گیا ہوگا۔ فتنۂ ارتداد کی — کیفیت از جناب ہمدم و دکیل میں روزانہ پڑھتے ہوں گے۔ تو میں نے اگلے خط میں جو گزارش کی ہے اس کی پوری تصدیق ہوتی ہوگی لوگ ان مبلغین و انجمنوں سے بدظن ہو رہے ہیں اور غالباً بہت جلد یہ لوگ شکریہ کے ساتھ واپس کئے جائیں گے! اس وقت انشاء اللہ ندوہ کا یہ طرزِ عمل زیادہ پسندیدہ رہے گا۔

اب ضرورت یہ ہے کہ تعمیرات کے لئے روپیہ کی فکر کی جائے۔ حیدرآباد سے کچھ نقد نہ ملنے کا مجھ کو افسوس ہوا۔ میں نے ایک خط بھوپال لکھا ہے۔ اگر وہاں کچھ امید ہوئی تو انشاء اللہ ایک حملہ فوراً کیا جائے۔ رنگون بھی انشاء اللہ آج یا کل تک خطوط لکھوں گا۔ ندوہ میں ایک مرض بہت قدیم ہے کہ یہاں کے لوگ اپنے ذاتی رنج و نا ندوہ کے لئے ندوہ کے ذمہ دار ارکان و معاونین میں سخت اختلاف پیدا کر دیتے ہیں اور ایسی حالت پیدا کر دیتے ہیں جو کچھ دنوں کے بعد ناقابلِ علاج ہو جاتی ہے اس لئے اس کو پیشِ نظر رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ والسلام خاکسار مسعود علی ندوی۔

مکتوب مولانا مسعود علی ندوی (۹۰) مکتوب الیہ نواب سید علی حسن مرحوم

جناب محترم و معظم زاد مجدکم، وعلیکم السلام

سرفراز نامہ ملا: حالات معلوم ہوئے۔ کل جناب سید صاحب کے پاس خط آیا تھا! مجھے پہلے ہی سے خیال تھا کہ اس طرف سے رکاوٹ ہوگی۔ لیکن اس پر مطلق خیال نہ فرمائیے۔ کام جس طرح ہو رہا ہے اس کو برابر جاری رہنا چاہیئے۔ افسوس ہے کہ گاڈر اب تک نہیں ملے۔ جس وقت گاڈر مل جائیں فوراً چھت کا کام شروع کر دیا جائے اس وقت تک مرمت کا کام ہوتا رہے۔ یہ کام بھی تو بہت زائد ہے، چونکہ ہیرا خانصاحب اب آپ کو مل گئے ہیں اس لئے چھتوں وغیرہ کے معاملہ میں ان سے مشورہ ضرور لے لیا جایا کرے تاکہ کوئی تعمیری غلطی نہ ہو۔ چونکہ شروانی صاحب تشریف لانے والے ہیں اس واسطے اس وقت تک جناب منشی صاحب کی دلچسپی اور زائد رہے گی۔ بہر حال اب میں کسی ترمیم کو منظور نہیں کر سکتا۔ میں نے اس کے لئے اپنا کافی وقت ضائع کیا اور اگر کوئی مداخلت ہوئی تو صاف اپنا استعفےٰ پیش کر دوں گا۔ اگر منشی صاحب نے مجھے خط لکھا تو میں ان کو معقول جواب دوں گا۔

خدا کرے اس مرتبہ شروانی صاحب وغیرہ کی تشریف آوری ندوہ کے لئے مفید ثابت ہو۔ گو مجھ کو توقع بہت کم ہے۔ جناب سید صاحب انشاء اللہ ۸ تک ضرور لکھنؤ پہنچ جائیں گے۔ ۶ تاریخ کو اتفاقی ایک اشد ضروری کام پیش آگیا جس کی وجہ سے جناب موصوف کو مجبوراً ٹھہر جانا پڑا حالانکہ جناب سید صاحب خود عجلت کر رہے تھے۔ چونکہ اہلیہ صاحبہ مظفر پور میں تشریف رکھتی ہیں اس لئے اس وقت کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے اور نہ یہاں کے قیام میں کوئی خاص دلچسپی، شمسی صاحب نے لکھا تھا کہ میں نے وظائف کی کسر لکھنؤ ہی سے پوری کر دی ہے۔ جناب کے خط سے اصل واقعہ معلوم کر کے بہت زیادہ مسرت ہوئی۔ لکھنؤ میں چونکہ کام شروع کر دیا گیا ہے اس لئے اس کو مکمل کر دینا چاہیئے۔ تمام حضرات کی خدمت میں سلام۔ والسلام

۴ راگست سنہ ۲۳ء خاکسار مسعود علی ندوی

مکتوب مولانا مسعود عالم ندوی (۹۱)

برادر عزیز۔ سلام شوق

پرسوں آپ کا محبت نامہ ملا۔ جواب فوراً دیتا، مگر ان دنوں میری صحت اس درجہ خراب ہے، کہ کسی کام کو جی نہیں چاہتا۔ اسی لئے دو روز انتظار کرتا رہا، بات یہ ہے کہ نواب شروانی صاحب بالقابہ کی خدمت میں ادھر ایک عرصے سے کوئی عریضہ گزارنے کا شرف حاصل نہیں ہوا، اب لکھا جائے، تو کیا اور کس تقریب سے؟

مگر یہ انتظار کی مدت کب تک؟ اس لئے آج، کتاب خانہ آتے ہی پہلا کام یہ کر رہا ہوں۔ اللہ آپ کو کامیاب کرے۔ آپ نے پٹنہ چھوڑا، یہ بڑا اچھا کام کیا، آپ اس کا فائدہ دو تین برس کے بعد محسوس کریں گے، بہار کے رہنے والے اپنی کوتاہیاں نہیں محسوس کرتے۔

محبی سید الطاف علی صاحب کی عنایات کا شکریہ کہاں تک ادا کر سکتا ہوں؟ مصنف کا چوتھا نمبر واقعی بہت

بلند اور معتبر! اور اس نے اردو رسالوں کی صف میں اپنی خاص جگہ پیدا کر لی ہے۔ میں اسے اپنی سعادت خیال کروں گا، اگر اس کی کوئی خدمت کر سکا ——— مگر ہماری لائبریری کا حال آپ کو معلوم ہے، آج تک اسلامک کلچر یہاں نہیں آسکا۔ حالانکہ قاسم صاحب مجھ سے بارہا وعدہ کر چکے ہیں۔ یہ تو اللہ بھلا کرے ،معارف، ترجمان اور میگزین کے اداکاروں کا کہ ان کی عنایت سے ہم غریب بھی کچھ پڑھ لیتے ہیں۔

میں ان دنوں امام شافعیؒ کی کتاب الرحلۃ میں لگا ہوا ہوں۔ محب الدین خطیب نے ۱۳۵۰ھ میں قاہرہ سے طبع کیا تھا۔ مگر بیت غلط۔ اس کے دو نسخوں کا بروکلمن نے حوالہ دیا ہے، مگر وہ بیرون ہند ہیں۔ ازراہ کرم آپ مولانا سلیمان صاحب مدظلہ سے دریافت فرمائیے۔ اس نیاز مند کا سلام عرض کر کے اور اسی کی طرف سے ———

(i) آپ کے علم میں اس کا کوئی صحیح نسخہ موجود ہے؟

(ii) کیا یہ کتاب 'رحلہ یا رحلۃ الامام الشافعی الی المدینۃ المنورۃ' واقعی انہیں کی املاکرائی ہوئی ہے؟

(iii) کتاب الرحلۃ اور عام تذکرہ نگاروں کے بیان میں تعارض ہو، تو کسے ترجیح دی جائے گی؟ اگر 'رحلۃ' ——— GINNINE ہے۔ تب تو اسی کے بیان کو ترجیح ہوگی۔

نیز مسلم یونی ورسٹی اور حبیب گنج میں بھی دریافت کیجئے، امید کہ یہ "علمی خدمت" آپ بخوشی انجام دیں گے۔ میں اسے اڈٹ کرنا چاہتا ہوں۔ اردو اور عربی دونوں میں۔ حواشی اور مقدمہ، میں تو بہت کم فرق ہوگا، باقی سفرنامے کا اردو ترجمہ کر لیا جائے گا۔ اردو ترجمہ مع حواشی و مقدمہ (در اردو) تو جلد طبع کرانے کا قصد ہے۔ البتہ عربی اڈیشن جب تک کوئی اچھا نسخہ نہ ملے، ملتوی رہے گا۔ اگر الطاف صاحب پسند کریں گے، تو یہ اردو اڈیشن 'معنف' کے لئے حاضر کر سکتا ہوں، بشرطیکہ اس کے الگ طبع کرانے کا حق "مکتبہ اسلامی، لہریا سرائے دربھنگہ" کے لئے محفوظ ہو۔ میں ان سے وعدہ کر چکا ہوں۔ وہ بھی ندوتی ہیں۔

ہاں، معاصر میں تبصرہ! تو بھائی وہ تو بہت آسان تھا۔ مگر اب! آپ تو سب جانتے ہیں۔ تبصروں کے انچارج قاضی صاحب ہیں۔ اور میرا آنا جانا اُن کے ہاں نہیں۔ خود دخیل کرنا مناسب نہیں۔ رہے عسکری صاحب! وہ اخترادیبوی والے مضمون کے سلسلے میں الگ شرمندہ ہیں۔ انہوں نے مجھ سے پختہ وعدہ کیا، کہ جوابی مضمون چھپ کر رہے گا۔ "I WILL SEE IT PUBLISHED" ان کے الفاظ تھے۔ مگر وہ نہ چھپوا سکے۔ آخر وہ ندیم میں چھپا۔ اب دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ آپ قاضی صاحب کو معنف بھیجیں اور آپ کی تحریر کے مطابق وہ معنف میرے پاس تبصرہ کے لئے بھیج دیں۔ ۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ خود تبصرہ کر کے قاضی صاحب کو بھیج دیں۔ وہ معاصر میں چھاپ دیں گے۔ یہ آسان ہوگا۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ اپنے علیگڈھ کے تاثرات سے مزید محظوظ کیجئے۔ والسلام

مسعود عالم ندوی عفی عنہ

۲۶ اگست ۴۳ء (پٹنہ)

مکتوب مولوی مسعود عالم صاحب ندوی (۹۲) مکتوب الیہ سید الطاف علی بریلوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محب مخلص۔ سلام و تحیات

ایک دور افتادہ مریض و بدحال یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ مسلسل علالت نے کمر توڑ دی۔ ادھر بہت شدت اٹھی، کل سے کچھ افاقہ ہے۔ دعا کیجئے کہ جان آفریں اس تن خاکی میں بھی کچھ جان بخشے۔

معصف کا چوتھا نمبر ملا تھا۔ شکریہ کب تک اور کس زبان سے ادا کرتا رہوں۔ بہرحال بلا کسی تکلف اور تصنع کے کہتا ہوں کہ رسالہ خوب ہے اور اپنے اردو رسالوں کی صف میں اچھا اونانہ ہے۔ اور مضامین کے تنوع کے لحاظ سے تو شاید فرد ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔ کاغذ کی پرسش رہا گرانی میں زندگی قائم رہ جائے تو یہ آپ کی کرامات میں شمار ہوگا۔

امام شافعی کا سفرنامہ: مسودہ بے ترتیب رکھا ہے، مقدمہ باقی ہے اور اس کے لئے کچھ سامان نہیں۔ صحت کا یہ عالم، کتاب خانہ کا خونتہ کام بھی مشکل ہی سے انجام پاتا ہے۔ حسب وعدہ سفرنامہ نذر معصف ہی ہوگا مگر کب؟ نہیں کہہ سکتا۔

امید کہ مزاج عالی بخیر ہو۔ پرسان حال کی خدمت میں بہت بہت سلام۔

محترمی مولانا اکرام اللہ خاں صاحب اور مولانا کیفی اور مولانا انتظام احمد صاحبان کی یاد آوری کا دلی شکریہ۔

اور سلام شوق۔ والسلام

۱۹ ذی قعدہ سنہ ۶۳ھ (مہندرو، پٹنہ) مسعود عالم ندوی

سیّد فرزند احمد صفیر بلگرامی

(۱)

<u>بنام عبدالرحمان خاں صاحب</u>

بخدمت مکرمی عبدالرحمان خاں صاحب مالک مطبع نظامی کانپور۔

تسلیم ۔ آپ کا خط میاں نبی بخش نے لا کر دیا اور مجھے ممنون کیا ۔ مبلغ پندرہ کا حساب بابت اجرت اخبار مجھے پہنچا ۔ اس وقت مبلغ پانچ روپیہ موجود تھے دست دے گئے اور مبلغ دو روپیہ ۲ مستمی ظہور الحق صاحب کاتب مطبع نورالانوار کے حساب کا آپ کے مطبع کے ذمہ ہے وہ بھی مجرا کر کے مبلغ سات روپیہ ۷ گویا آپ کو پہنچے اور مبلغ آٹھ روپیہ ۸ اب باقی ہے ۔ انشاء اللہ عنقریب پہنچاتا ہوں ۔ خاطر جمع رکھیے ۔

حررہ ۲۰ ستمبر سنہ ۱۸۸۱ء   سید فرزند احمد صفیر

(۲)

<u>بنام سردار سندر سنگھ صاحب</u>

بخدمت سراپا محبت سردار سندر سنگھ صاحب

تسلیم ۔ آپ کا پوسٹ کارڈ بطلب گلدستہ بزم آرا کے پہنچا ۔ دو جلدیں اس کی بھیجی جاتی ہیں اور تذکرے جاتے ہیں قیمت کی ضرورت نہیں اگر اور کوئی صاحب طالب ہوں تو ٹکٹ محصول بھیج دیں ۔ میں روانہ کروں گا ۔ یہ گلدستہ ہمیشہ نہیں چھپتا ہے ۔ یہ گلدستہ جب مشاعرہ رنگین ہوتا ہے تب چھپتا ہے ۔ چنانچہ یہ تیسرا گلدستہ ہے جو دو تین برس کے عرصہ میں مشاعرہ ہوئے ہیں ان میں سے تیسرا مشاعرہ یہ تھا ۔ اب اگر اتفاق ہوگا تو آپ کو بھی بھیجا جائے گا ۔

۲۸ ستمبر سنہ ۱۸۸۱ء   نیاز مند سید فرزند احمد صفیر بلگرامی مالک مطبع نورالانوار کانپور

(۳)

<u>بنام سید رجب علی شاہ صاحب مطبع وکٹوریا پریس لاہور</u>

بخدمت سید رجب علی شاہ صاحب مطبع موصوف

تسلیم ۔ تذکرہ آب حیات مصنفہ مولوی محمد حسین صاحب آزاد پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور جو آپ کے مطبع میں ۱۸۸۱ء میں چھپا ہے اور اس کی قیمت مبلغ ایک روپیہ اور محصول ۳ ٹائٹل پیج پر چھاپا ہوا ہے مجھے اس تذکرہ کی بہت ضرورت ہے ۔ اس لئے ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیجا ہے ۔ آپ بہت جلد تذکرہ مذکور روانہ کیجئے اس نشان

بمقام آرہ ضلع شاہ آباد پھاٹک مطبع نورالانوار منشی سید فرزند احمد صفیر بلگرامی رسد۔
اگر آپ کے مطبع میں نہ ہو تو مصنف سے لے کر بھیج دیجئے۔

۲۸ ستمبر ۱۸۸۸ء — سید فرزند احمد صفیر بلگرامی

(۴)

بنام نواب مرزا داغ دہلوی مرحوم (رام پور)

رُوئے تو ندیدہ دوست داریم ترا — وصف تو شنیدہ دوست داریم ترا
مردم ہمہ دیدہ دوست دارند و ما — چوں جاں نادیدہ دوست داریم ترا

والا مراتب عالی مدارج جناب نواب مرزا خاں صاحب داغ دامت الطافکم۔

صفیر بلگرامی آرہ مقامی بعد تسلیم کے عرض کرتا ہے یوں تو میں مدت سے آپ کا غائبانہ مداح اور مشتاق ہوں مگر عظیم آباد کی صحبت میں اپنے شریک نہ ہونے کی ایسی حسرت ہے کہ کیا لکھوں۔ یہ اتفاق کہ مدتوں میرا مسکن عظیم آباد رہے اور آپ کے تشریف لانے کے وقت میں نہ رہوں۔ یہ عجیب اتفاق ہے۔ افسوس عظیم آباد والوں نے آپ کی قدر نہ کی۔ آپ ایسے تھے کہ آپ سے مستفیض اور مستفید ہوتے۔ آج میرے عزیز سید محمد ہاشم صاحب کا خط رام پور سے آیا۔ اس میں آپ کے اخلاق و اشفاق کی صفات اس قدر لکھی ہیں کہ مجھے اور بھی آپ کا اشتیاق ہوا مگر کیا کہوں کہ دو برس سے اختلاج قلب و دوران سر کے عارضے میں ایسا مبتلا ہوں کہ عظیم آباد جہاں میں ہر مہینے ضرور جاتا تھا۔ دو برس سے نہیں گیا۔ اتنے زمانے میں بہت سے احباب مر کھپ گئے۔ سید حامد حسین عرف میرن صاحب نکہت بہ تخلص کہ میرے بڑے دوست تھے۔ سوم محرم سنہ ۱۳۰۳ھ کو راہی ملک بقا ہوئے جناب شاہ بخش صاحب کہ منتخب زمانہ اور اپنی وضع میں یگانہ تھے ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ کو مر گئے، اور اسمٰعیل علی خاں نکہت شاگرد صفیر فرخ آبادی بھی چل بسے اور ان کے ساتھ بخشی انت رام بھی۔ افسوس کس کس کا افسوس کروں، نہ رہے جو ہیں ان کا کیا ٹھکانہ۔ میں ان لوگوں کی ماتم پرسی کو بھی جا نہ سکا، ایسا مجبور ہوں، ورنہ آپ کی ملاقات کو ضرور عظیم آباد پہنچتا۔ بہرکیف المکتوب نصف الملاقات۔ اگر کبھی کبھی یاد فرمائی ہوا کرے گی، یہ آپ کے اخلاق ذاتی سے بعید نہ ہوگا —— میں ایک بے چارہ ناآشنائے بحر سخن ہوں۔ اور نابلد کوچۂ فن، خالی فیض بخش . . . . سے طبیعت میں ذوق سخن پیدا کر دیا ہے اور اس کے ساتھ تحقیق کا شوق دیا ہے، اپنی عمر کہ پچاس سے زیادہ اور ساٹھ سے کم ہے اس اُدھیڑ پن میں گزری، جس شخص کا کلام دیکھنا استفادہ کی نظر سے دیکھتا، اس میں حسن و قبیح جو کچھ نظر آیا دل کے صفحہ پر ٹانک لیا، نہ کسی پر آج تک اعتراض کیا اور نہ میں نے اعتراض کا جواب دیا۔

میرا خاندان کہ سات سو برس سے بلگرام میں آیا یعنی شمس الدین التمش کے وقت سے جس میں چھ سو برس سے علم و فن کا چرچا اور تین چار سو برس سے ناموروں کا مجمع رہا ہے، اس چھوٹی سی بستی میں اگر نگاہ تحقیق سے دیکھا جائے تو ہر علم و فن کے جاننے والے اس کثرت سے ہوئے ہیں کہ تمام ہندوستان میں دہلی و لکھنؤ چھوڑ کر کم کسی جگہ ہوئے ہوں گے۔ ان کے . . . . نے بہت سا مسالہ علم و فن مخصوص شعر و سخن کا جمع کر رکھا تھا جو

اس کساد بازاری کے وقت میں مجھ ہیچمداں کے حصہ میں آیا۔ میں کہ اس معاملہ کے رکھنے کے قابل نہ تھا اور نہ اس کے سمجھنے کے لائق۔ مگر مفضال حقیقی نے بمصداق اس مصرع کے کہ

ندہد خدائے کس را بغلط

ایک شوق تحقیق میرے .... داخل کر دیا تھا۔ اُس کے سبب سے اس معاملہ کو میں نے سب سمجھ بوجھ اپنے مصرف کا سمجھا اور ناواقفانہ صرف کرنے لگا۔ اس سے جو کچھ فائدہ حاصل ہوا بہت سی تحریروں کے ذریعے سے اس کو شائع کیا۔ مگر بالفعل جو ایک تذکرہ موسوم بہ "جلوۂ خضر" لکھا ہے اس میں اس معاملہ نے بہت کچھ مددی اور مدد دے رہا ہے۔ جلد اول (جلوۂ خضر) زبانِ دہلی کے باب میں تمام اور جلد دوم زبان لکھنؤ کے بیان میں خیریت اختتام ہے اور جلد سوم متعلق بحث زبان اردوئے حال جو انگریزی اصلاح سے جلوہ پذیر ہوئی ہے۔ اور جلد چہارم میں تذکرہ شعرائے تمام ہندوستان ضلع ضلع، صوبہ صوبہ، شہر شہر، قریہ قریہ علیحدہ کر کے اور ان سب جلدوں میں ....
.... یہ تذکرہ ایک کشکول ہے۔ مگر میں نے ابھی تک اس تذکرے کو شائع نہیں کیا ہے بایں نظر کہ جب سب جلدیں چھپ چکیں تو بینا کاروں کی نظر سے گذرے۔ اگر سب جلدیں نہ ہوں تو دہلی اور لکھنؤ کی جلد ساتھ ملنا چاہئے۔ جب لطف ہے۔ یہی سبب ہے آپ لوگوں تک یہ تذکرہ نہیں پہنچا صرف اپنے دو ایک عزیزوں کو دیا گیا ہے....
.... بہت جلد تیار ہوتی ہے۔ تو میں دونوں جلدیں روانہ خدمت کرتا ہوں۔ ع

حیف بر جان سخن گر بسخنداں نرسد

افسوس جو آپ کی نظر سے نہ گزرے، پھول وہی جو ہمیشہ چڑھیں، بخدا میں اپنی تحقیق پر قسم کھاتا ہوں کہ جو مذاق مجھے خدا نے عطا کیا ہے، اُس رو سے اس وقت جناب داغؔ دہلی میں اور جناب امیرؔ لکھنؤ میں اس پایہ کے ہیں جس پایہ کے میرؔ و میرزاؔ، ذوقؔ و غالبؔ، نصیرؔ و مومنؔ، ناسخؔ و آتشؔ، انیسؔ و میرانیسؔ، رشکؔ و برقؔ، بحر و رندؔ ہو گئے ہیں۔ اس وقت اگر استاد مسلم الثبوت، مجتہد سخن دہلی میں پوچھا جائے تو داغؔ ہیں اور لکھنؤ میں امیرؔ۔ ان کے سوا جو ہیں وہ شاعر ہیں۔ میں تو اپنی یہ کہتا ہوں دوسروں کی تحقیق کا حال میں نہیں جانتا۔ اور بعد میرؔ و میرزاؔ کے دہلی و لکھنؤ میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ ایک ایک .... ہوا کیا ہے۔ خدا کے فضل سے میرے وقت میں بھی یہ دونوں صاحب موجود ہیں۔ اب آئندہ کی خدا جانے۔

میرا دیوان جو آپ تک نہیں پہنچا اور اس کی شکایت آپ نے عزیزی محمد ہاشم سے کی میرے سر آنکھوں پر مگر وہ کسی قابل بھی تو ہو۔ اور اگر آفتاب داغؔ کو ذرہ نوازی منظور ہے تو بہت بہتر۔ میرے دو دیوان چھپے ہیں ایک صفیرِ بلبل جس کو چھپے ہوئے قریب بیس برس کے ہوئے اور دوسرا صرف مشاعروں کی غزلوں کا دیوان موسومہ بہ "خمخانۂ جاوید" پانچ برس ہوئے لکھنؤ کے زمانے میں چھپا ہے پہلا دیوان تو میرے پاس نہیں ہے مگر دوسرا دیوان مرسل خدمت ہے۔ اور سوا اس کے اور دیوان جو ہیں ان میں کی چند غزلیں لکھ کر بھیجتا ہوں۔ ان کے حسن و قبح سے مطلع کیا جاؤں اور ایک مثنوی موسومہ بہ "خوان یغما" فارسی میں جاتی ہے۔

سید محمد ہاشم میرا عزیز اور مجھے بہت عزیز ہے، یہ اتفاقاً آپ کی خدمت عالی میں پہنچ گیا ہے، اس کو بھی میری طرح ذوق سخن بے انتہا ہے، اور اس میں اس نے اپنی عمر صرف کی ہے مگر زمانے کی ناقدردانی نے نہ مجھے کہیں پہنچایا نہ اس کو۔ اب کہ آپ کے دامن عاطفت سے جا لگا ہے۔ مجھے توی امید ہے کہ اس کا بھلا ہوگا؛ دریت اچھا بھلا ہوگا کہ آپ سا قدردان سرپرست موجود ہے۔ زیادہ لکھنے کی مجھے حاجت نہیں، آپ خود مردم شناس ہیں۔ اُس کے وہاں رہنے میں دو فائدے ہیں۔ ایک تو ان کو آپ کی صحبت سے فیض کامل حاصل ہوگا۔ دوسرے مجھ سے اور آپ سے تعارف زیادہ ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ان کی فکر سے پہلوتہی نہ کریں گے اور . . . . نہ فرمائیں گے، کیونکہ اس وقت . . . . سخن رامپوری ہے اور ہندوستانیوں کے آنسو اگر پوچھے تو رامپور ہی نے پوچھے۔ زیادہ اس باب میں لکھنا فضول ہے کہ ؎

آہن کہ بہ پارس آشنا شد　　　فی الفور بصورت طلا شد

آپ کا پلہ ہے تو کیا پرواہ ہے۔

مشاعرہ کی طرح مجھے پہنچی کیا خوب مصرع لگایا ہے، ماشاء اللہ۔ آپ کا دیوان میری نظر میں رہتا ہے اور "پیام یار" میں آپ کی غزلیں نظر افروز ہوتی ہیں۔ سوائے غزلوں کے، اور کوئی کلام آپ کا میں نے نہیں دیکھا مگر ہو تو عنایت ہو کہ استفادہ حاصل کروں۔

ب جو کوئی طرح ہو تو تاریخ مشاعرہ سے مجھے اطلاع دی جائے، شاید میں بھی کچھ کہہ کر بھیجوں۔ زیادہ تصدیع والتسلیم۔ سید فرزند احمد صفیر بلگرامی آرہ مقامی ۱۷ ربیع الاوّل ۱۳۰۰ھ جمعہ

(۵)

[1] سر سید احمد خاں مرحوم

خط بنام سید احمد خاں صاحب بہادر، بتحقیق لفظ تنگہ

محقق زمان و مدقق دوراں جناب نجم الہند سید احمد خاں صاحب سی۔ ایس۔ آئی دام مجدہٗ

بعد اہدائے تسلیم کے عرض کرتا ہے میں ایک سوال حضور سے پوچھا چاہتا ہوں، اور تھوڑے وقت کو حضور کے اس کام میں حسبتہً للہ صرف میں لایا چاہتا ہوں۔ حضور ازراہ عنایت بزرگانہ اس کی تحقیق میں مدد فرمائیں۔ آج کل ایک ضرورت سے کتاب "آئین اکبری" آپ کی صحیح کی ہوئی دیکھ رہا ہوں اور وہ ضرورت تحقیق لفظ تنگہ ہے کہ نقود اور سکوں کے مدارج میں سے ایک نقد کا نام ہے مگر میری نظر سے سوائے ایک مقام کے دوسری جگہ اس لفظ کا پتا نہ ملا۔ یعنی [آئین سود بازرگان در کلا و نقرہ و جز آن] میں ایک جگہ لکھا ہے کہ [واز . . . . خلاص دوم تولچہ و یازدہ ماشہ و چہار سرخ کلاد یازدہ تولچہ . . . . . ویازدہ و نیم ماشہ و نیم سرخ نقرہ بدست افتد . . . . هر ده سی و پنج روپیہ و دوازدہ و نیم تنگہ ہمگی حاصل کلای مذکور صد و پنج مہر و سی و ہشت روپیہ و بست و پنج دام [؟] حالانکہ عہد اکبر میں رواج دام کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ تنگہ کس درجہ کا نقد ہے اور حال کے زمانے کے حساب سے تنگہ کا کس قدر روپیہ یا پیسہ ہوتا ہے اور عنوان تحریر سے یہ تنگہ دام سے بڑھا ہوا اور روپیہ سے گھٹا ہوا معلوم

ہوتا ہے۔ کیونکہ تمام دام کا حساب لکھا ہے مگر ایسے مقام پر تنگہ کا حساب لکھا ہے۔ اور روپیہ سے کم اس حصہ ہے کہ اگر روپیہ کو تنگہ کہتے ہوتے تو سی و پنج روپیہ میں ملا دیتے نہ کہ روپیہ کے بعد کا درجہ جدا رکھا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ روپیہ سے کم ہے اور دام سے کہ ایک پیسہ کو کہتے ہیں زیادہ کو نہیں۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں نقود کے اسما میں سے یہ لفظ داخل نہیں کیا۔ اور نہ کبھی حساب میں یہ لفظ دیکھا گیا۔ سوائے اس جگہ کے جہاں پر لکھی گئی۔ اور حضور نے بھی اس کا حاشیہ نہ چڑھایا۔ شاید یہ لفظ عام نہ ہو اور اس ملک کے مزاولت میں نہ ہو اس لحاظ سے حاشیہ کی ضرورت نہ ہو سکی۔ بہر حال مجھے اس وقت اشد ضرورت کی لاحق ہے اور وہ یہ کہ اہل بلگرام کا "مہر معیّن" ایک فقرہ ہے جو سلف سے چلا آتا ہے یعنی بست و پنجم ہزار تنگہ راجگانے یا رائج گانے' اور ایک دینار زر سرخ سلطانی یعنی اشرفی اکبری۔ اکبری اشرفی تو مبلغ معہ (سات روپے) تھی جس کا حساب حضور نے آئین اکبری میں لکھ دیا ہے۔ مگر تنگہ کا حساب معلوم نہیں ہوتا ہے۔ اس کی تحقیق کے لئے حضور کو تکلیف دیتا ہوں کہ ازراہ بندگانہ بہت جلد اس سے اطلاع دی جائے اور راجگانے یا رائج گانے کی بھی تحقیق سے مطلع کیا جائے۔ کہ کس لفظ کا استعمال درست اور مناسب ہوگا۔ اور لغت میں تنگہ کے معنی روپیہ پیسہ دونوں کے ہیں۔ غیاث اور برہان سے معلوم ہوتا ہے۔ مگر آئین اکبری میں درجہ تنگہ کا روپیہ کے بعد اور پیسہ یعنی دام کے پہلے معلوم ہوتا ہے۔ اب حضور کی تحقیق پر اس کا فیصلہ ہے۔

اور اسی فقرہ مہر کے لئے بست و پنج ہزار تنگہ راجگانے یا رائج گانے۔ یک دینار زر سرخ سلطانی کے تطبیق بزرگان سلف نے صدی آخری ہجری میں نقود حال سے کر کے لکھا ہے۔ کہ ایک ہزار و بست و چہار روپیہ بایہ یا بست و پنج روپیہ ہوتا ہے۔ اگر توجہ کر کے اس کا حساب بھی ٹھیک کر دیا جائے تو ہم مسلمانوں کی رفاہ کے واسطے بڑا ذریعہ ہو۔ اور حضور کو اس کا ثواب ملے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

جواب اس عریضہ کا بیرنگ بھیجا جائے' محصول یہاں دیا جائے گا۔ نشان یہ ہے کہ آرہ شاہ آباد مطبع نور اللہ پھاٹک سادات بلگرام نزدیک سید فرزند احمد صفیر بلگرامی کو پہنچے۔

۲ر جون ۱۸۸۳ء۔ رجب ۱۳۰۰ھ از آرہ — صفیر بلگرامی

مولوی غلام حسنین کنتوری

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی

(۱)

مکرم محتشم ملاذ الاکارم زید مجدہ۔

بعد سلام و تحیۃ آج نامۂ نامی مع پمفلٹ کے پہنچا شکریہ یاد آوری کے بعد ہزار افسوس کہ آپ کو فرصت اشغال ریاست سے اس قدر کم ہے کہ ۴۵ دن میں بھی پورا مسودہ نظر انور سے نہ گزرا۔ دو بزرگ اپنے معین خاکسار نے تجویز کئے تھے ایک جناب مولوی ابو ابراہیم صاحب بانی مدرسہ احمدیہ آرہ اُن کی علالت اس قدر ہے کہ خط پڑھنا اُن سے دشوار ہے۔ دوسرے حضور جن کی کم فرصتی کا یہ حال ہے دالے برس۔ اور حضرات علما چہ سنی و چہ شیعہ اُن کے وہی خیالات اور وہی طرز جس کی بو آنے سے باب چہاردہم حضور کو ناپسند ہوا۔ اب فرمائیے کہ میں کیا کروں۔ آج اس خط کے آنے سے میرا خیال جو دیر رسی جواب خطوط میں تھا پختہ ہو گیا۔ ۲ر دسمبر کو ۴ جزو انتصار الاسلام کے جو چھپ گئے تھے روانہ خدمت کر چکا آج کے خط میں بھی اُس کی رسید ندارد ہے اور تردد ہے کہ پہنچی یا نہیں۔ مجھے ہزار زبان سے شکریہ آپ کی اصلاح اور ہدایات کا کرنا ضرور ہے جن پر عملدرآمد کرنے سے میں بہت سی برائیوں سے بچوں گا۔ الہلال کے لفظ مجھ سے پڑھے نہ گئے امید ہے کہ پورا پتا مفصل تحریر فرمائیں۔ میرے پاس ایک تاریخ الفلاسفہ مطبوعہ مطبع الجوائب قسطنطنیہ سال ۱۳۰۱ھ جو زبان فرنچ سے ترجمہ ہوئی ہے اُس کے صفحہ (۱۳۵) میں حکیم بیرحون کی لائف میں درج ہے

وکذلک یکون الشیٔ فضیلۃ عند اصحر رذیلۃ عند اخرین فان العجم یتزوج الرجل منھم بنتہ بلا نکیر و ذلک مرتبۃ عند الیونان۔ اور اپنی مذہبی تاریخ اور حدیث میں بھی مثل تفسیر کبیر وغیرہ کے اس کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی۔ اسی وجہ سے مجھے شواہد منقولہ کی زیادہ ضرورت ہے۔ آپ کی رائے نہایت قوی ہے کہ اس مسئلے کا ذکر انتصار میں چنداں ضروری نہیں ہے مگر سبب ہم تحریم محرمات نسبیہ کو عقلی دلائل سے بھی ثابت کرنا چاہیں۔ آخر پھر ہم کو کیا کرنا ضرور ہو گا۔ آج نہیں تو کل ہی مرحلہ پیش آئے گا کہاں تک گریز کریں گے۔ انگریزی عبارت کا حاشیے پر ہونا بلکہ ساری کتاب کا ایک کالم انگریزی ایک اردو میں ہونا ضرور ہے۔ مگر مجھے تو یہ بھی امید نہیں کہ جس قدر چھپ رہی ہے اُسی کا بار مصارف مجھ سے اٹھ سکے۔ اگر خریداری بھی کتاب کی اہل اسلام ایک ہزار جلد کر لیں جب بھی میں سب کچھ کر دوں سے

کریماں را بدست اندر درم نیست — خداوندانِ نعمت را کرم نیست

چار جزو انتصار کے اور بھی قریب طیاری کے ہیں۔ ۱۳ر دسمبر تک امید ہے کہ ملاحظہ حضور میں پہنچا دوں گا۔ ضروری گزارش یہ ہے کہ جو مسئلہ ڈاکٹروں نے خواہ کیمسٹ یا علمائے جیالوجی اور فسیولوجی زاولوجی اور جی اک تاسی وغیرہ وغیرہ اب طے کر چکے اور اصلی دلائل کی خواہ ہماری شریعت کے خلاف ہو چنانچہ یہ مسئلہ (شادی قریب کے رشتہ داروں سے) ڈاکٹروں نے جو اس کو طے کر دیا ہے ہماری شریعت پر اس تحقیق جدیدہ سے بھی پورا حملہ ہوتا ہے اور یہ مسئلہ بھی اہم مسائل سے ہے جس کو ہم تحقیق تتبع سے لکھنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹروں کا طے کرنا ہمارے واسطے کوئی وحی آسمانی نہیں ہے کیا اب سب سے ہم قطع کر دیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ حضور۔ اُن دلائل کو جو ڈاکٹروں نے لکھی ہیں مجھے تحریر فرمائیں خواہ کوئی کتاب مجھے مرحمت ہو تاکہ اس پر غور کروں۔ انتصار الاسلام کا موضوع بحث تو یہی ہے۔ مکرر۔ اگرچہ گستاخی ہے مگر اسلام کے جوش میں پھر مجھے لکھنا ضرور ہے اگر میری کتاب میں اغلاط رہی تو کیا آپ پر اس کا الزام بنظر و صرت اسلام نہ ہوگا۔

۲۰ر اکتوبر ۱۸۹۹ء — المذنب غلام حسنین

(۲)

ام مولوی حبیب الرحمٰن خاں

الصدر الکبیر و الجرالتحریر ادام اللہ مجدہٗ۔

بعد تادیہ تسلیم و تحیۃ آج انتظار نامہ بجواب عریضہ خراجت کے آیا اور دی یوم جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب مہتمم مدرسہ احمدیہ آرہ کا خط متضمن اصلاح بعض فروگزاشت کے جو مجھ سے مسئلہ حقوق والدین میں ہوئی ہیں جو باب سیزدہم انتصار الاسلام کا ہے پہنچ کر میرے زخم ہائے جگر کا مرہم سیاہ بن گیا۔ چودھواں باب نکاح با خواہران و دختران حضور کی خدمت میں بغرض اصلاح روانہ کر چکا ہوں امید ہے کہ مشرف بملاحظہ ہوا ہو۔ اب مجھے ضرورت ہے کہ چند امور ضروری کی گزارش کروں۔ میرے علم اور کمال کا شہرہ جو کچھ ہو مگر میں ہمیشہ محتاج مشورت اور اصلاح کا رہتا ہوں۔ اور کبھی اپنی لیاقت پہ مجھے ناز نہیں ہے (۱) اس کا فخر ضرور ہے کہ میں اکابر علما سے اپنے خیالات کی خواہش اصلاح کرتا ہوں (۲) انتصار الاسلام ایسی کتاب نہیں ہے کہ تنہا میں خراد کرئی اور بڑا متبحر عالم اسلامی اس کو لکھ سکے۔ لہذا مجھے واجب ہے کہ جو کچھ میں لکھوں اس کو اہل علم بنظر اصلاح دیکھیں اور میری اغلاط کو محض ہمدردی اسلام سے رفع کریں تب وہ کتاب مشتہر کی جائے ورنہ ہرگز مشتہر نہ ہو۔ چنانچہ جس قدر مسودہ طیار ہے اس کے اجزا پہلے ملاحظہ میں نواب سید علی خاں بہادر رئیس کانپور جو کہ بحمد اللہ علوم اسلامی اور علوم جدیدہ سے بھی کسی قدر آگاہ ہیں پہنچایا اور ان کے پسند کے بعد اب جا بجا دیگر علما کی خدمت میں بھی روانہ کر رہا ہوں۔ آپ کی اسپیچ مطبوعہ سود او ندوۃ العلما سے مجھے پوری امید ہوئی کہ آپ ضرور میرے مسودات کو ملاحظہ کریں گے۔ اور فروگزاشت پر مجھے متنبہ بھی کریں گے۔ چنانچہ آج وہ امید میری پوری ہوئی ضرور مجھے آپ سے تعارف ظاہری نہ تھا مگر یہ کام اسلام کا ہے اس میں ظاہری تعارف کی کچھ حاجت نہیں۔ علمائے اسلام چہ شیعہ اور چہ اہلسنت خدا سب کو توفیق دے۔ میری ناقص رائے میں کمتر ایسے بزرگوار ہوں گے جن کی مغربی اصول جدیدہ سے اطلاع بھی ہو۔ مجھ سے اکثر بحث ہو چکی ہے فرماتے ہیں کہ ہمارا علم کلام قدیم کافی ہے کل شبہات

کے رفع کرنے میں۔ ہزار افسوس اب کیا کہوں جس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اصول جدیدہ کس چڑیا کا نام ہے اور اپنے خیالی علم کلام سے سب کو رد بھی کر رہے ہیں۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ اگر کوئی عالم کسی شبہ کا جواب لکھے گا پھر اس کو وحی سماوی کے برابر سچا خیال کرے گا گو فی نفسہٖ کیسا ہی غلط جواب فرمایئے ان علما سے کیا امید ہم کر سکتی ہے۔ جن اصول پر لاکھوں فلاسفر کیٹیاں کر کے اور آپس میں بحث فحص کر کے اُن کو قائم کر رہے ہیں اُن کو ایک عالم صدر اخوان کا رد کرنا کیا شاید سمجھ بھی نہ سکے گا۔ اسی نظر سے خاکسار کم مایہ اور ہیچمداں بحث آپ ایسے حضرات سے بہزار عجز و انکسار گزارش کر رہا ہے کہ میرے مسودات کو بنظر اصلاح ملاحظہ فرمالیجئے تب جاکر اُن کو مشتہر کروں اور میں ہرگز مدعی اس کا نہ ہوں گا کہ مجھے قابلیت انتصار الاسلام کی تصنیف کی بلا امداد اکابر فحول کے ہے۔ اغنیا روپیہ دیں یا نہ دیں مگر آپ ایسے علما جن کو میرے نزدیک اصول قدیمہ اور جدیدہ سے استیناس ہے میرے اصلاح مفاسد پر ضرور توجہ فرمایئے اور نیز اور حضرات جن کو آپ قابل اس کے جانتے ہوں اُن کی بھی اصلاح سے مجھے قوت قلبی دیجئے۔ میری تحریک سے ۱۲ نومبر کو ایک جلسہ علما اور امرا لکھنؤ میں اسی غرض سے ہوگا۔ جو غرض انتصار کی ہے۔ اُس کی روداد سے آپ کو اطلاع دوں گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ تاریخ یورپ سے مجوسیوں کے افعال جو باب چہاردہم انتصار میں حدیث امام جعفر صادقؑ سے درج کر چکا ہوں اُن کا ثبوت پورا دیا جائے ورنہ وہ مضمون خارج کر دیا جائے۔ نور چشم مولوی کرامت حسین صاحب بیرسٹرایٹ لا سے بھی یہی درخواست کی ہے۔ مکرر یہ ہے کہ آج ایک اسلامی ہمدرد کا نکتہ چیں ہونا اچھا ہے یا فردا کسی دشمن اسلام کا۔ والسلام مع الاکرام۔

غلام حسنین

۳۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء — خاکسار

---

(۳)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خان شروانی

جناب معین الاسلام والمسلمین ادام اللہ وجودہٗ

بعد تحیۃ بسلام۔ آج میں نے جو جلد ارجسٹری شدہ روانہ کیا ہے اُس میں نیچر شکن جو نظائر درج ہیں اور ان سے زیادہ فراہم ہو سکتے ہیں۔ مگر بڑی خرابی متکلمین قوم نے یہ ڈالی ہے کہ خرق عادت بدون معجزہ نما کے محال کہتے ہیں۔ ایضاً اگر کثرت سے خوارق عادات کا ظہور ہو۔ معجزے کی وقعت باقی نہ رہے۔ اسی وجہ سے میں نے عجائب واقعات کو داخل نہیں کیا ہے اور مضطر ہوں۔ اگرچہ میں نے تحدی کی شرط کی ہے یعنی دعوائے نبوت یا دعوائے تصدیق نبی کر کے خارق عادت معجزہ ہے۔ اور بدون تحدی کے معجزہ نہیں ہے اور یہ قید معجزے کی تعریف میں اجماعی متکلمین اہل اسلام ہے۔ اگر یہ قید ملحوظ رہی تو شاید متکلمین کی مخالفت میری تقریر سے لازم نہ آئے اور روزانہ خوارق عادت بلا تحدی ہونے سے فقط اظہار قدرت اور اختیار باری تعالیٰ شانہ کا ثابت رہے۔ آپ بھی پورا غور فرمائیں ایسا نہ ہو کہ الٹی پڑے اور معجزہ ہاتھ سے جاتا رہے۔ مثلاً مباہلہ زمانہ موجودہ میں جس کی اجازت ہم کو اثبات حقیقت دین محمدی میں ہے وہ بھی تحدی میں داخل ہوگا یا نہ۔ جناب مولوی حیدر علی صاحب مصنف منتہی الکلام نے دہلی میں ایک رسالہ چھپوایا تھا کہ مباہلہ اہل اسلام کو حرام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نیچر شکن امور جس قدر ہم ثابت کریں گے۔ خوارق عادت کی کثرت

مزید ثابت ہوگی۔ ریاضت نفسانی کے اعمال جن میں مسمریزم بھی داخل ہے اور بنظر وجوب کفائی میں نے کچھ کیا تھا مزید ثابت کرتے ہیں کہ ہمارا نفس بعد ارتیاض بھی وہ اثر نہیں پیدا کر سکتا ہے جو بلا ریاضت انبیاؑ اور اوصیائے کرام کرتے تھے۔ مگر یہ مسئلہ اسی پر واضح ہے جس کو ریاضت نفسانی کچھ ہوتی ہے عام بلکہ خاص لوگوں پر اس کا ثبوت برہانی دشوار ہے۔ آج پھر میں خوشامد کی باتیں کرتا ہوں کہ مجھے آپ کی لیاقت عقلیہ پر پورا بھروسا ہے ورنہ علمائے موجودین ہر فرقہ جن سے مجھے کچھ بھی تعارف ہے ان سے مجھے امید انتصار الاسلام کی اصلاح کی نہیں ہے۔ وہی فلسفہ یمانیہ شروح سلم کا جس کو میں خلط مبحث جانتا ہوں جدل اور سفسطہ کے سوا دیگر ہیچ برہانی علوم بالکل ہم سے چھوٹ گئے تمام عمر میں دو طالب علم نے مجھ سے سماع طبعی شفا کے اور مناظر اقلیدس سے پڑھی ہے۔ آپ کا وقت عزیز بہت ضائع ہوگا مگر مجبوری ہے کیا کروں ؎

کس کو دکھلاؤں آبلے دل کے　　داغ پڑ پڑ گئے ہیں چھل چھل کے

یہ طوفان اور حملہ اسلام پر اور یہ غفلت علمائے اسلام کی یا اللہ۔ والسلام

۲ر نومبر ۱۸۹۹ء　　بنارس　　غلام حسنین

(۴)

مولوی حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی

ملاذ مکرم ذوالمجد الاتم زید مجدہ۔

السلام علیکم وعلیٰ لدیکم۔ مسئلہ نکاح دختران فقہ مجوس میں تاریخ الفلاسفہ جس کو ادیب اریب السید عبداللہ آفندی مصری نے زبان فرنچ سے ترجمہ کیا اور مطبع الجوائب قسطنطنیہ میں سنہ ۱۳۰۲ھ میں چھپی ہے برآمد ہوا صفحہ ۱۳۵ تاریخ بیرھون فیلسوف۔ قال فان العجم یتزوج الرجل منھم بنتہ بلا نکیر وذلک مربقۃ عند الیونان۔ اور ظاہر ہے کہ مراد عجم سے وہی مجوس ہند و زرتشت پرست لوگ ہیں اب اور تواریخ میں بھی مزید مل جائے گا۔ آپ بھی تلاش کریں۔ بعض افاضل احباب نے حیدر آباد سے لکھا تھا کہ اس کو یعنی مضمون حدیث کو تاریخ سے ثابت کرنا اہل اسلام پر فرض ہے۔ دوسرا اعتراض ان کا اقسام محبت پر تھا کہ محبت کے اقسام ثلاثہ (جس پر بنائے استدلال سبب سیوم باب ۱۲ کے ہے) بھی عقلاً ثابت کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ امر بدیہی ہے عقل معمولی بھی اس کو مانتی ہے۔ تاہم معلم اول ارسطو نے اقسام اولیہ محبت کے تین قرار دیں۔ احدھا شفقۃ القرابۃ وثانیھا المیل للالف وثالثھا محبۃ الاحسان۔ اب ہم ان انواع سے اصناف بنا سکتے ہیں۔ چونکہ صفحہ ۴۲ تک مسودہ حضور نے آج تک واپس نہیں فرمایا اگرچہ میں نے گزارش کی تھی کہ اب کاپی لکھنی شروع ہو چکی لہٰذا میں نے پہلا باب ارادی اور مطلق انسانی کا قرار دے کر کاپی لکھوالی۔ آج سے انشاءاللہ چھپنا شروع ہوگا۔ میری رائے یہ تھی کہ اگر یہ کتاب مدارس اسلامیہ میں لڑکوں کو سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی یا کہ اسکول اور کالج کے طلبا کو بطور اسپیچ کے سنائی جاتی شاید آپ کا مطلوب بہت زیادہ تر کرسی نشین شہود ہوتا۔ مثلاً ریاست بھوپال کے مدارس خواہ رام پور حیدر آباد وغیرہ۔ ایضاً اور جس قدر مدارس اہل اسلام کے جاری ہیں ان کے مہتمم اور مدرسین کو اس کی ترویج پر آمادگی ضرور تھی۔ مگر یہ امر بدون اس کے کہ علمائے

فریقین آمادہ نہ ہوں دونوں فرقے مسلمین میں ہرگز نہ چلے گا۔ خدا نہ کرے نفاق باہمی کو جب مجھے آپ سے اور آپ کو مجھ سے
شک ہے۔ اب فرمائیے اسلام کے اتفاق کی گردن پر ہماری چھری چل رہی ہے۔ دشمن بیرونی کے حربے کی حاجت کیا ہے
علاوہ بریں علمائے اسلام مقلدان درس نظامی کا جب یہ عقیدہ ہے کہ ہماری یہی تحصیل زادہ اللہ شرفہ و شروح سلم تا قیامت
ہم کو جمیع شبہات کے رد کرنے میں کافی ہیں چنانچہ مجھے ایک بڑے مجتہد صاحب لکھنوی نے بڑے دعوے سے ارشاد
فرمایا اور تقریر مولوی حافظ شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی ص۴۲ روداد ندوۃ العلما ۱۳۱۱ھ میں بھی ایسا ہی درج ہے
پھر ہم کو عوام سے زیادہ علم نئے اعلام کے خیالات کا درست کرنا مقدم ہوگا۔ مجتہد صاحب کے جواب میں معراج جسمانی
کا مسئلہ جو پہلے استحالہ خرق والتیام سے ناممکن کہا جاتا تھا اور اب بسبب نہ ہونے ہوائے قابل تنفس کے بموجب
تحقیق جدید اس کے جواب میں شرح عقائد نسفی اور تجرید موشیجی خواہ علامہ حلی خواہ ملا صدرا خواہ عماد الاسلام کوئی بکار آمد نہیں
ہے۔ افق المبین منتساب ایماضات بھی پڑھ دیکھئے۔ بہرحال آپ کو خدائے عزوجل کے بھروسے پر آپ نے اپنا معین
اور زور بازو تجویز کیا ہے۔ امید ہے کہ میرے خیالات کو آپ بھی محبت اسلامی سے جانچ کر تدریج انتصار الاسلام اور
رفع نقائص و اغلاط بشری پر توجہ کریں۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ بنائے مباحث انتصار دلائل ظنی پر ہے کہ مخاطب کا مدار
اصول تصحیح اور استقراء ناقص پر ہے نہ یقینیات پر۔ زیادہ والسلام

۸ نومبر ۱۸۹۹ء　　بنارس　　　　غلام حسنین

(۵)

سید افتخار عالم

دامت الطافکم۔

بعد سلام خط آیا۔ اعجاز خسروی کے پانچ رسالے میں سے رسالہ اولیٰ کی شرح میں نے لکھی اور ہر فقرے کے دو
خواہ چار معنی محض اپنے فہم ناقص سے درج کئے۔ مگر اصل مسودہ نولکشور کو دیا کہ انہوں نے معاوضہ دیا تھا مگر اے
روشنی طبع تو برمن بلا شدی۔ حسد حساد نے اس شرح کو بھی طبع سے روکا اور آئندہ دیگر رسالوں کی شرح نہ بھی۔ مگر
رسالہ اولیٰ جو چھپا ہے اس کے حاشیے پر شاید کچھ میری شرح کا اقتباس ہو لہٰذا اگر آپ نول کشور کے بھانجے سے سلسلہ
اٹھائیں دفتر مطبع میں میرا مسودہ ضرور پائیے گا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کی فرمائش کو پورا نہ کر سکا۔ امیر خسرو کے حالات
جس قدر آپ کو ملیں گے خیر مگر مجھے آپ کی ذاتی عقیدت سے خوف ہے کہ کچھ لکھوں۔ ہاں علمی دستگاہ میں البتہ اس
قدر کہتا ہوں کہ براعت استہلال (جگت بازی) کے واسطے فقط چند علوم کی اصطلاحات فراہم کر لینا شاعر کا فرض ہے
ضرور نہیں کہ وہ ان علوم کو بھی جانتا ہو۔ میرے خیال میں امیر خسرو اور فیضی اور مصنف طاہر وحید یہ لوگ منشی ضرور
تھے عالم نہ تھے۔ معاف کیجئے گا۔ مکرر۔ میں نے امیر خسرو کی ایک کتاب مسمی بہ تحفۃ الہندیہ دیکھی ہے اس میں
سنسکرت اصول اور موسیقی ہند کا باب راگ مالا بھی ہے مگر کوئی جدت نہیں۔ فقط

۴ اگست ۱۹۱۵ء　　کنتور　　　　غلام حسنین

مولوی عبدالغفور شہباز

(۱)

بنام سید افتخار عالم صاحب مارہروی

مکرمی تسلیم

۲۸ ستمبر کے خط کا جواب آج۔ اس مستعدی کی داد چاہتا ہوں۔ خدا جانے اب آپ کہاں ہیں۔ حیدرآباد ہی یا پھر دلکش یعنی ندر گھر ہی۔ گمان یہی ہوتا ہے کہ ابھی تک آپ دکن ہی میں ہیں۔ یہاں اس لیے کہ ایک تو دکن کی سرزمین مناسب زیادہ دامن گیر ہے دوسرے آپ نے مجھ سے تحریری طور وعدہ فرمایا ہے کہ چلتے چلتے ملاقات فرمائیں گے اور تلافی مافات فرمائیں گے۔ انگریزی تاریخ آپ کی ایجاد خاص قابل داد ہے موجودہ کاپی ضرور عنایت فرمائیں تاکہ پوری طرح مستفید ہوں سابق تاریخ پر تو بے شک آپ کو انعام ملنا چاہیے۔ محمدن کالج ہسٹری کیا چھپ گئی اگر چھپ گئی ہو ضرور ایک کتاب عنایت فرمائیں۔ حیدرآباد نہیں آئی تو کیا ہوا مارہرے لکھ بھیجیے تاکہ کوئی صاحب جس کے چارج میں وہ کتاب ہو بھیج دیں۔ سرالمعاصرین کے حق میں آپ کا تخلص ہم قافیہ ہے کے ہزار دفعہ آپ الامر فوق الادب فرمائیں گے۔ ایشیائی تکلفات نے تصنیفی دنیا کا بھی ستیاناس کر دیا ہے۔ میرے ایک مخدوم منشی سید احمد صاحب دہلوی کل یہاں سے تشریف لے گئے ہیں آپ ان کی قابلیت سے ضرور واقف ہوں گے۔ میں تو انہیں ہندوستان کا ڈاکٹر جانسن کہتا ہوں مضائقہ نہ ہو تو آپ اُن سے ضرور ملیے اور موقع ہو تو کبھی کچھ لیکچر کا بھی بندوبست کیجیے تاکہ ان کی شہرت ہو اور ان کے مقاصد کے حصول میں موجب سہولت۔ میرے خاص کرمفرما ہیں۔ سردست اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔ پھر جواب آنے پر عرض کروں گا۔ والسلام

خاکسار سراپا نیاز محمد عبدالغفور شہباز

گلشن دبستان اورنگ آباد دکن ۸ نومبر ۱۹۰۰ء

(۲)

بنام سید افتخار عالم صاحب مارہروی

مکرمی تسلیم

آپ کا خط آپ کی بھابی کو دے دیا گیا۔ انھوں نے اس کے جواب میں ایک مشہور ہولی کے یہ الفاظ گا کر سنا دیئے: "اپنے بالم کو میں جانوں گی۔ پھاگن کے دن چار رکسی ہوری اپنے بالم الخ"۔ آپ کے نام کے وزن سے انھوں نے ایک یہ لطیفہ بھی اختراع کیا کہ میاں افتخار کو کہہ دو کہ ابھی استخارہ نہیں آیا جب آئے گا اجازت دوں گی۔ غرض میں آنے سے مجبور رہوں۔ امید ہے اب آپ اور آپ کے بھائی دونوں ہر طرح صحیح ہوں گے۔ والسلام

آپ کا نیاز مند سراپا گنہگار عبدالغفور دہلی ۲۴ مئی ۱۹۱۱ء

[1] مرتب کلیات نظیر

(۳)

سید افتخار عالم صاحب مارہروی

بھائی افتخار۔ السلام علیک

تعجب ہے کہ آپ کو ایسی ناواجب طلب پر اصرار ہو۔ بھئی گرمی نے باؤلا بنا رکھا ہے۔ گھر میں رہا نہیں، سفر کر کون کیجے۔ وہ فرصت کی گنجائش بھی
کی کانی سزا گھر بیٹھے مل رہی ہے۔ سفر میں سفر سے بچونگا کی کیا ضرورت ہے سالک صاحب اس وقت تو معاف رکھو جو اس وقت درست نہیں ہیں کبھی جاؤں گا۔ مدت تک کو
کسی احباب ما ہم ہو کی گرم جوشیوں سے کبھی فائدہ اٹھاؤں گا۔ میرا کلام آپ سن چکے ہیں۔ اخباروں میں شائع ہو جانے کی وجہ سے آپ کے احباب میں دیکھ چکے ہیں
بات یہ دیکھ چکے ہوں پھر مجھے خاص میں خواہ اس سے بلانا تو کچھ شک نہیں۔ تعریف و مصنف نگر گند بیان کا سامنا ہو گیا۔ اگر بعض وہ خیال نہیں ہوا تو بھی
ہاں تو یقیناً نہیں ہے جہاں تک۔ مجھے یاد ہے میں نے وعدہ وثیقی نہیں کیا تھا۔ پہلے میں نے ٹال دیا۔ اب مجھے ذرہ سے کہیں سے جاتے ہو کہ میں بچے سن ہوں بچے
شنوائی نہ ہوئی تو آپ کی وقتی تسلی کے طور پر بالکل بیتابی نہ ہو ایک بے یقین نوعی ناوعدہ کر دیا۔ آپ کو تو غالب کا وہ شعر۔
ترے وعدہ پہ جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا۔ کہ خوشی سے مرنہ جاتے اگر اعتبار ہوتا۔ مجھے آپ کی سخن فہمی سے یقین تھا کہ آپ نے جس
وعدے کو اسی رنگ میں خیال کیا ہوگا۔ لیکن اب جب آپ نے خواہ مخواہ وعدہ خلافی کا خطاب دیتے نظر آتے ہیں تو میں بھی کسی دن سخن فہمی کو حلت آپ سے
بے چھپے نہیں رہ سکتا۔ میرے پاس سے ہر جوان کو بروا اندازہ ہوگا بخیال تقدیر اجمیر کی راہ سے جانے کا ارادہ تھا، جو تک وہی رائے
معصوم تا نہیں ہوئی۔ وطن سے چھوٹی لڑکی کو بھی بلوایا ہے۔ ساتھ جائے گی۔ آپ کو اگر منظور ہو تو علی گڑھ میں مل سکتے ہیں۔ میں ٹھیک تاریخ روانگی
سے بشرط قصد اطلاع دے سکتا ہوں   آپ کا بندہ گنہگار مگر سراسر۔ عبدالغفور

دہلی ۱۳ رجب ۱۹۰۲ء

(۴)

سید افتخار عالم صاحب مارہروی

نامی تسلیم

دونوں خط پہنچے۔ پہلا جواب طلب نہ تھا اس سے جواب میں تاخیر ہوئی۔ دوسرے کا جواب فوراً بلکہ فوراً سے بھی پیشتر عرض کیا جاتا ہے۔ میں
ہرگز نہیں چاہتا کہ دربارہ دہلی کے مزے بغیر دوستوں کے تنہا لوٹوں۔ آپ شوق سے تشریف لائیے اور اپنے دونوں عزیزوں کو بھی لائیے مگر آنے سے پیشتر
کم از کم دو چار روز قبل مجھے مطلع کیجیے تاکہ میں آپ کی راحت و آرام کا سامان پہلے سے کر رکھوں۔ یہاں مکان ایک کرائے کا میں نے لے لیا ہے۔ اس میں
وسعت تو کافی ہے مگر وہ سامان جو ایک گھر کو کافی آرام کا ذریعہ بنا سکے ابھی تک بہم نہیں پہنچا۔ آپ اور آپ کے عزیز آئیں تو کافی سے زیادہ سامان
لے کر آئیں۔ مکان کا میرا ذمہ۔ اور آئیں تو وقت روانگی ہی مجھے تار دیں کہ میں اسٹیشن پر حاضر ہوں۔ میاں احسن کا آنا بھی احسن ہے۔ میں شاید ان سے زیادہ
ان کا مشتاق ہوں۔ آئیے اور دل پر آنکھوں پہ احسان کریں۔ والسلام۔ خاکسار سراپا نیاز شہباز

دہلی۔ ۱۸، ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء

(۵)

بنام سید افتخار عالم صاحب مارہروی

مکرمی تسلیم

۲۰ جون۔ نوازش نامہ دہلی کا چکر لگا کر میرے پاس اورنگ آباد پہنچا۔ آپ اس خط میں مجھ سے بیزار ہیں مگر اظہار رنجش میرے لحاظ سے کچھ لفظوں میں نہیں فرماتے ہیں اس کا جہاں تک شکریہ ادا کروں بجا ہے۔ بے شک وقت رخصت دلی میں غضب کا کہرام مچا ہوا تھا۔ ماں بیٹی سے چھوٹ رہی تھیں۔ بہن بہن سے جدا ہو رہی تھی۔ بیٹی ماں سے، باپ سے۔ لونڈیاں الگ سے۔ اس پر مستزاد یہ تھا کہ بنارس سے میری چھوٹی صاحبزادی بھی تشریف لائی تھیں انھیں دوہرا صدمہ تھا ایک تو اپنے وطن سے چھوٹنے کا، دوسرے دلی کے چھوٹنے کا کہ یہاں بھی اگرچہ تھوڑے دنوں میں اپنے حسن اخلاق سے انھیں مسخر کر لیا تھا جن کا یہ عالم تھا یہ دلہن رخصت ہوئی تھی کہ حقیقت میں کئی دلہنوں کی رخصتی کا سا سماں تھا۔ چھوٹی دلہن یعنی مولوی شبیر الدین احمد صاحب کی اہل ثانی کو اپنے والد صاحب یاد آ کر رخصتی سے بھی ایک زیادہ دردناک سماں دکھا رہے تھے۔ بے شک بار بار معصوم چلتے ہیں اپنی رحمت جان کو اب لخت جگر کے ساتھ دے کر رخصت ہوا۔ علیگڑھ آپ کو بلانا خلاف مروت سمجھا خود باوجود وعدہ کے نہ آنا اور آپ کو بار بار تکلیف دینا یہ کرنا ہی تو بہت تھی۔ آپ اس سے خوش ہوں گے کہ سفر بہت عافیت سے طے ہوا۔ ہمیں تین آدمی دہلی سے اورنگ آباد تک ایک پورے ریزرو کمپارٹمنٹ کے مالک تھے صرف دو چار گھنٹے کے لئے ایک [illegible] اپنے ایک صاحب [illegible] سے تشریف لے آئی تھیں ان کا آنا بھی خالی از لطف نہ تھا۔ دلہن بیگم ان کی مذہب باتوں سے بہت خوش ہوئیں دونوں میں خوب [illegible] خیالات [illegible] خیالات۔ انگریزی روشنی پڑی اور انگریزی خیالات پر پیشانی۔ آپ خواہ مخواہ اپنی بات کی پچ کر رہی ہیں [illegible] اور [illegible] کو منتے ہیں قصور میرا ہے کہ میں نہ آیا اعتماد ہو دونوں کا اس میں کیا قصور ہے۔ جب ایک دفعہ دیکھے اور ایک دفعہ کلام سنے کی آنکھ کان کو [illegible] ملتی ہے نہیں معلوم کہ دو دیکھے اور کہہ سنے پر [illegible] آپ کی دل شکنی میں نے کی دلہن بیگم جو آپ کا کیا حق ہے ان کے تو رشتوں کو بھی خبر نہیں کہ آپ کون ہیں اور آپ سے میرے کیسے مراسم ہیں۔ یہ نہیں کہ میں نے آپ کا حال بیان نہیں کیا مگر تمام خصوصیتوں کا ان پر عیاں ہونا اس فرصت قلیل میں ممکن نہ تھا۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ آپ کا دل ایسا نازک ہے کہ اس قدر جلد شکستہ ہو جاتا ہے معلوم ہوتا ہے ابتدائی کارخانے کا بنا ہوا ہے۔ جلد جا کر کسی عمدہ فرم میں مرمت کرا لیجئے۔ ورنہ ایسے نازک دل سے آپ اس دنیا میں آرام سے بسر نہیں کر سکتے۔ آپ کے بھائی کی ناسازی مزاج اور خطرناک ناسازی مزاج سے سخت تردد ہوا خدا سے چاہتا ہوں کہ جلد شفائے کلی عطا فرمائے۔ میری طرف سے بعد سلام بہت بہت اظہار ہمدردی فرمائیے۔ وفا غالباً معلوم فرما چکے ہیں۔ تصویر کی کو کتاب کے لئے ضرورت ہو مگر میرے لئے تو چنداں ضرورت نہیں اس لئے کہ میں آپ کو دیکھ چکا کتاب کی ضرورت بھی رفع ہو گئی کہ میرے خیال میں اب کتاب ہی کی ضرورت نہیں۔ نولکشور [illegible] کاغذ پر جسے اہتمام تعلیم ہندوستان کے اکابر کے حالات با تصویر چھاپ رہا ہے۔ حافظ ساجد علی صاحب سے ملنے پر سوال گیا تھا آپ کا بھی ذکر آیا تھا۔ پھر ملوں گا تو آپ کا سلام معذرت شکایت بھی عرض کروں گا۔ [illegible] کالج کی سوانح عمری حسب وعدہ میں بھی دوں گا مگر ناتمام ہے اور غیر مرتب آپ درست کر لیجئے گا۔ آپ کی بھابی بھی بندگی عرض کرتی ہیں۔ والسلام

خاکسار شہباز

اورنگ آباد دکن ۲۰ جون ۱۹۱۰ء

(۶)

بنام سید افتخار عالم صاحب مارہروی

السلام علیکم

تو کام روانی کو آگے چلایا جائے۔ جب کافی رقم جمع ہو تو پہلے قبروں کی درستی اور لوحوں کی تجدید عمل میں آئے پھر کٹہرا بنوایا جائے پھر اگر فنڈ مساعدت کرے تو متصل مزار ایک ہال بنام نظیر ہال تعمیر کیا جائے۔ تاکہ عاشقانِ نظیر اور پیروانِ نظیر مختلف عید اور تیوہار کے موقعوں پر جس طرح پہلے جمع ہوتے تھے جمع ہوں اور جس طرح پہلے حسنِ عقیدت کا اظہار کرتے تھے اظہار کریں۔ رفتہ رفتہ نظیر ہال کے ساتھ نظیر کلب گھر بھی قائم ہو سکتا ہے۔ جس سے نئی اردو زبان یا السنہ مشرقیہ کی لائبریری بھی متعلق کر دی جا سکتی ہے۔ اگرچہ یہ خیال سردست بالکل شیخ چلی کا سا خیال ہے مگر ہمت والے لوگ وابستہ ہوں تو کچھ مشکل نہیں ہے ؎ مشکلے نیست کہ آساں نشود + مرد باید کہ ہراساں نشود۔ میں مالی تائید کس قدر کر سکتا ہوں اس کا فیصلہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ باضابطہ کمیٹی یادگار قائم ہو اور باضابطہ چندے کی فرد گردش میں آئے۔ لیکن سردست اجمالاً اتنا کہہ سکتا ہوں۔ کہ اپنی توفیق کے موافق چبوترے کے لئے الگ چندہ دوں گا۔ لوحِ مزار کے لئے الگ۔ کٹہرے کے لئے الگ۔ نظیر ہال کے لئے۔ نظیر کلب گھر کیلئے الگ نظیر لائبریری کے لئے الگ۔ لائبریری کے لئے میں کچھ کتابیں بھی دے سکتا ہوں اور آئندہ جو تصنیف کروں گا اس کا حق تصنیف بھی کمیٹی یادگار نظیر کو ہبہ کر دے سکتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں میری اتنی مدد۔ دہی اس معاملے میں کافی خیال کی جائے گی۔ والسلام

خاکسار سراپا نیاز محمد عبدالغفور شہباز اورنگ آباد دکن ۔ ۱۹؍ جولائی ۱۹۰۴ء

(۸)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی

مکرمی مخدومی۔ وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

ادھر کئی عنایت نامے آپ کے پہنچے۔ سادہ خلوص و اخلاص سے الامال تھا۔ آپ علی گڑھ آئیں اور میں نہ آؤں۔ مگر میرا آنا وقت پر موقوف ہے۔ میں ارادہ ہی کر رہا تھا کہ کلکتے سے تار آیا۔ جلد چلے آؤ۔ ایک نواب جلیل القدر تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ کوئی اچھا عہدہ تمہیں عنایت کرنے والے ہیں۔ سگے را گر کلوخے بر سر آید ۔ ز شادی بر جہد کایں استخوانے است ۔ نہیں معلوم وہ عہدہ کیا ہے اور وہ نواب صاحب کون ہیں مگر اپنی حاجت مندی کی وجہ سے وہاں جا رہا ہوں۔ پرسوں جمعرات کو قصد روانگی ہے لہٰذا کچھ دنوں کے لئے میری حاضری معرض تعویق میں جا پڑی۔ بہرحال یار باقی صحبت باقی۔ میں ان پانچ ورقوں کا بہت شکر گزار ہوں جو آپ نے براہِ کرم محمد صاحب کے کتب خانے سے لکھوا کر بھیجے ہیں۔ اب میرا دیباچہ غرۃ الکمال مکمل ہو گیا۔ مگر دیوان ابھی تک ناکمل ہے۔ آخیر رباعی میری کتاب میں یہ ہے ؎

من تخم سخائے تو بدل کارم و بس   جوش دو دل جان رابتو بگذارم و بس
گفتم بجہاں دوست گرامی داری   من در دو جہاں دوست ہمیں دارم و بس

آپ اپنی کتاب کو دیکھ کر کچھ اندازہ بتا سکتے ہیں کہ میری کتاب کے کتنے ورق ضائع ہو گئے ہیں۔ کلیات ہی کون کون سا کلیات ہے۔ کیا نہایۃ الکمال کا نسخہ بھی ہے۔ یہ پانچواں دیوان ہے یا انہیں چاروں سے منتخب کیا۔ اس میں حضرت سلطان سید الاولیا کا مرثیہ یا کوئی اور ایسی نظم بھی جس سے اس کے بقیہ زندگی کے بعد لکھے جانے کا گمان ہو۔ مثنویاں آپ کے پاس کون کون سی ہیں خمسہ تو میرے پاس بھی موجود ہے۔ قران السعدین چھپ گئی ہے۔ ہر جگہ ملتی ہے۔ نہ سپہر کا نسخہ میں نے نواب احمد سعید خاں کے کتب خانے میں دیکھا تھا۔ بقدر ضرورت نقل لے لی ہے پوری کتاب میرے پاس نہیں۔ تغلق نامے کی صورت نہیں دیکھی۔ جستہ جستہ تذکروں تاریخوں میں اشعار دیکھے ہیں۔ خضر خانی دول رانی (جس کو عشقیہ بھی کہتے ہیں) خدا بخش خاں کی لائبریری میں دیکھی تھی۔ غرض سب سے زیادہ اشتیاق تغلق نامہ کا ہے۔ اگر آپ کے پاس ہو تو مطلع فرمایئے

کارلائل کی اصل کتاب انگریزی بذریعہ بک پوسٹ آج اسی طریقہ کے ساتھ روانہ ہوئی ہے کمیٹی حسب فیصلہ کرلے ورنہ شاید پھر مجھے فرصت کہیں رہنے کی .. . اگر کہیں نوکری ہوگئی تو ترجمہ کے لیے شاید ہی میں بمشکل وقت نکال سکوں گا۔ مکرر۔ آپ کے شعروں نے بہت مزہ دیا دو پرچگی تو کہاں مگر اظہار شکریہ ضرور ضرور تھا۔ لہٰذا دو شعر میں بھی عرض کرتا ہوں۔

بہتر از برگ شریف بیت حبیب   قدرِ خس پر روز نوروز سے ہیں
ہر طرف بزمِ نگہ روز عقل او   حق آراستہ افروز سے ہیں

خاکسار سراپا نیاز شہباز   دہلی ۱۰ مئی [illegible]

سیّد علی حسن خاں

(۱)

بنام مولانا ابوالکلام آزاد

مخدومنا المکرم!

تحیہ و تسلیم۔ پہلا پرچہ الہلال کا جب میرے پاس پہنچا تو بے اختیار دل چاہا کہ سب سے پہلے میں اس کا خیر مقدم کروں اور اس کے متعلق کچھ لکھوں لیکن عرفت ربی بفسخ العزائم بعض مکروہات لاحقہ کی وجہ سے میری یہ آرزو پوری نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ خود الہلال میں طلب رائے کے متعلق مضمون شائع ہوا اور ہندوستان کے اطراف و جوانب سے خطوط پہنچنا شروع ہوئے اور اکثر الہلال میں شائع ہوئے مگر بدقسمتی سے میں اس وقت بھی اپنے ارادہ میں ناکام رہا اور یہ سمجھ لیا کہ کل امر مرہون۔

خدا کا شکر ہے کہ خوش قسمتی سے اب مجھ کو اتنا موقع ملا کہ میں اپنی دیرینہ رفیق آرزو کو پورا کروں واللہ ولی التوفیق۔ اس امر کے اظہار کی تو چنداں ضرورت نہیں کہ آپ کے مشن الہلال کے اور مقاصد عظمیٰ کے ساتھ مجھ سے بڑھ کر کون متفق اور متحد الخیال ہو سکتا ہے۔ میری ناچیز تالیفات اور خصوصاً المدینۃ فی الاسلام کا مسودہ جو اب چھپ کر شائع ہو گئی ہے اور جس کی ایک جلد بطور ہدیہ حقیر ارسال خدمت ہے آپ باہ رمضان شریف جس کو تقریباً دو برس کا عرصہ ہوا جستہ جستہ ملاحظہ فرما چکے ہیں اس میں میں نے کتاب و سنت ہی کے ذریعہ تمام ترقیوں کو دکھانے کی کوشش کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ کتاب و سنت کے عمل یا ترک عمل پر مسلمانوں کی ترقی و تنزل اور زندگی و قوت کا انحصار ہے۔

میرا قدیم سے یہ سچا مستحکم یقین ہے کہ مسلمانوں کی قومیت کا مدار صرف اسلام پر ہے۔ مسلمان جب تک کتاب و سنت کو نہ صرف ذریعہ نجات آخرت سمجھ کر بلکہ ایک مکمل قانون ربانی اور دستور العمل زندگی سمجھ کر مضبوط نہ پکڑیں گے نہ ان کی آخرت درست ہو سکتی ہے نہ دنیا میں ان کو ذرہ بھر کامیابی ہو سکتی ہے۔ افسوس ہے کہ یورپ کی دورنگی تہذیب اور عقل فریب مادی ترقی نے مسلمانوں کو ایسا مبہوت کیا یتخبطہ الشیطان من المس کر دیا کہ نہ صرف وہ اپنے قومی محور و اعلاء کلمۃ اللہ ہی سے دور جا پڑے اور اپنی قومی خصوصیات، اسلامی شعائر اور قانون مقدس ربانی کے حکیمانہ طریقہ عمل سے بے خبر ہو گئے بلکہ یورپین تہذیب اور تمدنی ترقیوں کی چمک دمک دیکھ کر ان کی آنکھیں ایسے چندھیا گئیں کہ وہ صرف ظاہری ٹیم ٹام میں پھنس کر یورپین تہذیب اور ترقی کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ گئے ؎

نہ منفعت ز دنیا نہ ز دیں نصیب مظہر — تو بہ فن بے کمالی چہ قدر کمال داری

کاش اس سے تو دخالکم بدہن، وہ مسلمان ہی نہ رہتے کہ شاید ان کی چند روزہ زندگی کچھ سنور جاتی اور کچھ کام کے آدمی بن جاتے۔ غضب تو یہ تھا کہ

مذہبیات راہنمائی . . . کریں سنیمان زمانہ ہدایت کی بھی کوئی رسالہ اسلامی شان کی جھلک سے جو بہت کم نظر آتی تھی۔ ان کی تمام تحریریں تقریریں اور اقوال و امثال میں سوا اسے مدنی اور فضول یورپ کی داستانوں کی ترغیبوں کے ذکر کے کتاب و سنت کا نام تک نہیں آتا تھا۔ جو ارشاد ذکاء اللہ مرحوم میں داخل ہے اس کا نتیجہ جو ہونا چاہئے تھا وہ ہوا۔ عام مسلمان جو ایک ربانی قانون کو جو ازلی و ابدی ہے، صرف ایک مقدس قابل ادب مذہبی کتاب سمجھ کر اپنے روزانہ اعمال زندگی میں اس سے بے پروا ہوگئے اور دنیاوی معاملات میں اس سے کچھ سروکار نہ رکھا۔

جو خاندان علوم مذہبی سے بالکل کورے تھے ان کے نونہالوں نے جب آنکھ کھول کر یہ کارخانہ دیکھا تو انہوں نے اسلام کو ایک پرانا فلسفہ یا زیادہ سے زیادہ ایک پولیٹیکل یا نسبی جان کر اور شعائر مذہبی کو ایک کہنہ رواج سمجھ کر ابی کتابیں . . . .
. . . . اپنے مذہبی جہل و ضلالت کے تاریک زمانہ میں اور ایسے پرآشوب وقت میں جبکہ راستی و کذب، اخلاقی جرأت و بدلگامی، حق و باطل اور ترقی و تنزل کے اسباب میں تمیز کرنا مشکل اور بہت مشکل ہو گیا ہے۔ زبانیں دراز اور دست عمل کوتاہ ہو گئے ہیں۔ قحط الرجال نے قومی ترقی کے لہلہاتے ہرے بھرے کھیتوں کو مار کر تباہ و برباد کر دیا ہے، الہلال جیسے سراپا اسلامی میگزین کا قومی افق پر ابر رحمت بن کر نمودار ہونا عجائبات قدرت کا ایک عظیم کرشمہ نہیں تو کیا ہے۔ بارش کے ساتھ ہوا کا زور، بجلی کی چمک اور بادل کی گرج لازمہ ہے کوئی غیر متوقع امر نہیں ہے۔ نازک مزاجوں، کمزور طبیعتوں، مظلوم نما آنکھوں کو رعد کی آواز اور بجلی کی چمک کیسی ہی ناگوار ہو لیکن اس کی قدر و قیمت ایک فلاکت زدہ خشک لب کسان کے دل سے پوچھنا چاہئے جس کی کھیتی پڑی سوکھ رہی ہو اور راتوں کو وہ بار بار اپنی جھونپڑی کے روزنوں سے آسمان کی طرف حسرت و امید سے نظر ڈال رہا ہو کہ اتنے میں دفعتہً اس کو کنارۂ آسمان کے ایک جانب بجلی چمکتی ہوئی دکھائی دے۔ یا ایک تشنہ جگر آرزومند وصال سے پوچھنا چاہئے جبکہ ایک پرجوش اور سراپا اشتیاق بھرے دل سے ہاتھ اٹھا اٹھا کر اور آسمان کی طرف دیکھ کر یہ دعا کرتا ہے ؎

الٰہی یہ گھٹا کچھ دن تو برسے ــــ پلٹ جاتے ہیں وہ بجلی کے ڈر سے

خدا کرے کہ اسی بجلی کی طرح یہ رعد و برق یعنی الہلال کا لب و لہجہ بھی بجائے ناخوشگوار ہونے کے قوم کے بچھڑے ہوئے دلوں کو آپس میں ملانے اور روحانی وصال کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو جائے۔ قوم کی سوکھتی ہوئی کھیتی لہلہا اٹھے اور ہماری قومی خزاں کا موسم فصل بہار سے تبدیل ہو جائے ؎

بہار رفتہ پھر آئی تری تماشہ کو ــــ چمن کو یمن قدم نے ترے نہال کیا

وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز ۔

اب اخیر میں اس مضمون کو اس استدعا پر ختم کرتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو الہلال کے اوراق میں اضافہ کیجئے اور تشنہ لبان آب حیات کو سیراب کیجئے۔ ایک پرچہ آنے کے بعد دوسرے پرچہ کا ہفتہ بھر ویسا ہی انتظار رہتا ہے جیسا کہ ایک روزہ دار کو وقت افطار کا۔ سلام مع الاکرام!

خاکسار علی حسن - ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۲ء

سیّد حسین بلگرامی

<u>نقل</u>

۲۱ محرم الحرام ۱۳۰۷ھ
مطابق ۱۸ ستمبر ۱۸۸۹ء

ایک سو روپیہ نمبر یہ ٹکٹ کے لیے دیئے جائیں
آسماں جاہ

بعرض حالی ———————— میرساند

ایک روبکار بنام آغا محمد حسین ملفوف ہے۔ ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ اب تک سرکار کے حکم کی تعمیل نہیں ہوئی اور ایک چٹھی کرنل ہنڈرسن صاحب کی جو بندہ کے نام آئی تھی، ملفوف ہے۔ امید ہے کہ ہر دو بعد ملاحظہ واپس فرمایا جائے اور کوئی حکم اس بارہ میں صادر ہو۔

دوسری عرض یہ ہے کہ چادر گھاٹ میں ایک مجلس مذکرہ علمی ہے اون کی طرف سے یہ درخواست ہوئی ہے کہ ہم اپنے کتاب خانہ کی کمک کے واسطے ایک کانسرٹ کرنے والے ہیں اس میں سرکار کا نام بطور پیٹرن لکھنے کی اجازت دی جائے۔ کچھ ٹکٹ خرید فرمائے جائیں۔ یہ کار خیر ہے۔ امید ہے کہ سرکار منظور فرمائیں گے۔ بندہ کی حاضری کے واسطے اب تک کچھ ارشاد نہیں ہوا۔

مورخہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ
مطابق ۱۸ اگست ۱۸۸۹ء

عریضہ بندہ
عماد الدولہ[1]

---

[1] یہ عرضی مولوی سیّد حسین بلگرامی کی ہے جو ان دنوں عماد الملک کے خطاب سے مفتخر اور ناظم تعلیمات تھے۔ یہ پیش ہوئی تھی نواب سر آسماں جاہ بہادر، مدار المہام کے ملاحظہ میں، چنانچہ (ناصیہ پیشانی) پر مدار المہام کی قلمی تجویز ہے جس کی نقل کی گئی ہے۔ اس میں جس مجلس مذکرہ کا ذکر ہے وہ ریذیڈنسی کے انگریزی داں ملازمین اور حیدر آباد کے انگریزی خواں شرفا نے مل کر قائم کی تھی اور حکومت حیدر آباد ان معاملات میں بڑی فراخ دلی سے حصہ لیا کرتی تھی۔

(۱)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

عالی جناب مہاراجہ سر کشن پرشاد یمین السلطنت بہادر زیدت معالیہ و ادامت ایام دولتہا العلیا

عالی کے الطاف نامے نے نہایت مشرف و خوش وقت فرمایا۔ جن کلمات عنایت و محبت آمیز سے جناب عالی نے بندہ کو یاد فرمایا ہے وہ محض جناب عالی کے دیرینہ التفات و عنایات کی دلیل ہیں ورنہ کہاں بندہ ناچیز اور کہاں یہ صفات۔ مگر اس میں شک نہیں کہ جناب عالی کے ارشاد کا بندہ بھی ہم زبان ہے کہ دنیا میں فقط ایک ہی روپیہ ہے جو آدمی کو سرل منسوڈ تک پہنچا سکتا ہے اور وہ بقول جناب ان دو جملوں میں محدود ہے (TO BE GOOD AND TO DO GOOD) اگر اس پر عمل ہو سکے تو کیا کہنا۔

جناب عالی نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ حضرت خداوند نعمت نے غریب پیارے لعل شاکر کے حق میں کس قدر فیاضی فرمائی ہے۔ بندہ نے تو ڈرتے ڈرتے پانسو روپیہ کی سفارش کی تھی مگر وسعت فیض ظل اللہی سے ہزار روپیہ کلدار عنایت ہوئے۔ اسی طرح سے ایک مرتبہ ایک بڑے عالم و فاضل شخص کی جو خود مع اہل و عیال فاقہ پر فاقہ کر رہے تھے اور جس کا دارومدار اوسی قلیل امداد پر تھا جو مجھ جیسے مفلس و لاچار لوگ پہنچا سکتے تھے؛ بندہ نے پچیس روپیہ ماہوار از مد خیرات و مبرات کی سفارش کرنے کی جرأت کی تھی مگر حضرت خداوند نعمت نے مراحم خسروانہ سے پچاس روپیہ ماہوار مقرر فرما دی۔ اس قسم کے اور بھی واقعات گذر چکے ہیں۔ در اصل خداوند عالم و عالمیان نے ہمارے بادشاہ کے دل میں BE GOOD کا اصول مخزون و مکنون فرما دیا ہے۔ خدا ان کو سلامت رکھے اور عمر طویل عنایت فرمائے۔ مجھے مدت سے واقفیت ہے کہ جناب عالی میں بھی وہی مادہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ قرض دار رہے اور رہیں گے۔ مگر مدعا بالضرور اس کا اجرا کر رہیں گے۔ زیادہ کیا عرض کیا جائے۔

آپ کا قدیم بہی خواہ: سید حسین بلگرامی عماد الملک۔ جنوری سنہ ۱۹۱۶ء

(۲)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

عالی جناب مہاراجہ سر کشن پرشاد یمین السلطنت بہادر!

جناب عالی کے عنایتی سو روپیہ کی رسید ملفوف ہے۔ رسید کے ساتھ جو خط بندہ کے نام آیا ہے اوس میں نہایت مشکوریت اور احسان مندی جناب عالی کی درج ہے۔ اس سو روپے سے ایک مہینے کے عرصہ تک سو آدمیوں کی جانیں بچ جائیں گی۔

یہاں کسی امیر کے پاس اون کی اپیل بھیجنا محض بے سود ہے۔ کوئی کچھ دینے والا نظر نہیں آتا اور ہم جیسے لوگوں سے دو دو چار چار روپیہ جمع کرنا بڑی دقت کا کام ہے جس کی نہ بندہ کو فرصت ہے اور نہ طاقت۔ خداوند عالم ان بیچاروں پر رحم کرے جو ہزارہا کی تعداد میں فاقہ کر رہے ہیں اور فاقوں سے مر رہے ہیں۔ زیادہ کیا عرض کیا جائے۔

بندہ، سید حسین بلگرامی عماد الملک ۲ر جنوری سنہ ۱۹۱۶ء

نوٹ: یہ رقم دی سوشیل سروس لیگ بنگال کے ڈسٹریس فنڈ کے لئے نواب عماد الملک نے جمع کر کے حیدرآباد سے روانہ کی تھی۔

(۳)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

عالی جناب مہاراجہ بہادر یمین السلطنت زیدت معالیہ ولبراکت ایامہ ولیالیہ!

تمباکو عنایتی جناب عالی پہنچا۔ نہایت مشکور ہوا۔ انشاء اللہ بعد استعمال کے عرض کر دوں گا۔ جناب والا ہمیشہ اس غریب نواز کو اپنا دلی دوست اور بہی خواہ سمجھتے رہیں اور تکیہ ہمیشہ اپنے پروردگار پر رکھیں۔ لوگوں کو جو کچھ امید ہے اسی سے ہے۔ باقی ہیچ ہیں۔

بندۂ درگاہ: سید حسین بلگرامی۔ تاج محل ہوٹل بمبئی۔ ۲۵ صفر ۱۳۳۴ھ ۲ دسمبر ۱۹۱۵ء

(۴)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

عالی جناب مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر زیدت معالیہ وبرکت ایامہ ولیالیہ!

جناب والا کے مرحمت نامہ نے مشرف کیا۔ غزل واقعی نہایت پر مغز ہے۔ خدا کرے مقطع کا شعر فال نیک ثابت ہو۔ جشنے دل خوش کن شاہانہ کی واقعات کا آپ نے ذکر فرمایا ہے اس پر مبارکباد عرض کرتا ہوں۔ شکر کا مقام ہے کہ خدا کا فضل شامل حال ہے اور نہ فقط مریضوں کو صحت کامل حاصل ہوگئی بلکہ خانہ ان والا میں لائق شکرانہ کی اضافہ ہوا۔

اعلیٰحضرت خلد اللہ ملکہ کی بمبئی یا مدراس یا ولایت تشریف لیجانے کی مختلف خبریں مدت سے مشہور ہیں مگر ابھی یقینی طور پر ارادۂ اقدس و اعلیٰ کسی کو معلوم نہیں ہوا۔ جناب والا کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ بمبئی کا قصہ ختم ہوگیا ہے۔ اگر سواری مبارک بمبئی تشریف افروز ہوتی اور بندہ کو بھی حکم ملتا تو ضرور حاضر ہوتا۔

بندۂ درگاہ: سید حسین بلگرامی عمادالملک۔ ۲۳ جنوری ۱۹۱۶ء

(۵)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

عالی جناب مہاراجہ بہادر زیدت معالیکم و برکت ایامکم ولیالیکم!

جناب والا کے تار اور اس کے دوسرے روز رحمت نامہ شکیں ختام نے شرف ورود فرمایا۔ جس محبت و عنایت کے الفاظ میں جناب والا نے اس آفت رسیدہ کی تشفی فرمائی ہے وہ فی الواقع ایسے ہیں کہ ان سے خود بخود تسلی ہوتی ہے اور صبر و تحمل کو تقویت ملتی ہے۔

میرے فرزند دلبند مرحوم سے جناب والا خوب واقف تھے۔ یہاں سارا شہر ان کی وفات کا افسوس کرتا ہے۔ علاوہ اعلیٰ علمی لیاقت کے شرافت و انسانیت کی ساری صفات اس لڑکے میں موجود تھیں۔ فقط ایک نقص یہ تھا کہ ابتدا سے صحت کی حالت خراب تھی اور باوجود اس کے خود کبھی اصلاح کی طرف اپنے طور سے متوجہ نہیں ہوا۔

جناب والا بمبئی کب تشریف لیجائیں گے۔ شاید وہاں مکان کا بندوبست اس وقت تک نہیں ہوا۔ یہاں تو آج صبح سے لگاتار بارش ہو رہی ہے۔ کل بھی کچھ بارش ہوئی اور چہارشنبہ کے روز بھی۔ آب و ہوا یہاں کی آجکل کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ گو طاعون میں پرسوں تک کمی تھی مگر عجب نہیں کہ پھر زیادتی ہو جائے۔

خدا سے امید ہے کہ جناب والا مع متعلقین مع الخیر ہوں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ ایام شادمانی بکام باد۔

بندۂ درگاہ: سید حسین بلگرامی عمادالملک۔ ۲۰ فروری ۱۹۱۶ء

(۶)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

عالیجناب معلی القاب مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت زیدت معالیہ و بودکت ایام و لیالیہ!

جناب عالی کے مرحمت نامہ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں اور اس کے ساتھ [illegible] کا عطا ہونا اس احسان و نوازش کو زیادہ تر باعث فخر و مباہات بنا دیتی ہیں۔

اس بندۂ ناچیز کی حالت ایسی خراب ہے کہ ابھی تک نشست و برخاست دشوار ہے۔ لکھنا پڑھنا بھی آسان نہیں ہے۔ دیکھیے کب آفت سے نجات ملتی ہے۔ لکھنا اس قدر دشوار ہے کہ جناب والا کی عنایات [illegible] شیرینی اور تمباکو کا شکریہ ادا نہ کر سکا۔ امید ہے کہ معاف فرمایا جائے گا۔

اس عریضہ میں اگر کچھ غلطی ہو یا صاف نہ پڑھا جائے تو وہ بھی قابل معافی ہے۔ بندہ مجبور ہے کیا کرے۔ ایام شادمانی بکام باد۔

بندۂ درگاہ: عماد الملک - ۵ / نومبر ۱۹۲۱ء

(۷)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

عالیجناب معلی القاب مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت زیدت معالیہ و لوکت ایام و لیالیہ

مرحمت نامہ مشتمل بر قطعہ تاریخ پرسوں شرف ورود فرمایا۔ شکریۂ عنایات بے غایات قبول ہو۔ قطعہ تاریخ نہایت برجستہ و فصیح ہے۔ جناب والا تو کہنہ مشق ہیں۔ جناب والا کے قلم سے نظم یا نثر جو کچھ حوالہ کاغذ ہوتا ہے وہ عمدہ ہوتا ہے۔

بندہ کا حال بدستور ہے۔ پاؤں میں سخت درد ہے۔ کبھی کم ہو جاتا ہے کبھی زیادہ، آج کل زیادہ درد ہے۔ کوئی علاج فائدہ مند نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ کچھ تمباکو عنایت ہوا تھا اس کا شکریہ ادا کرنا فروگذاشت ہو گیا تھا۔ تمباکو نہایت اچھا تھا۔ یہاں اب خالص خوشگوار تمباکو ناپید ہے۔

سایۂ جناب عالی کم مباد

بندۂ درگاہ: عماد الملک - ۱۲ / فروری ۱۹۲۲ء

(۸)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

عالیجناب معلی القاب مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت زیدت معالیہ و لوکت ایام و لیالیہ!

عنایت نامہ مشکیں ختامہ نے مشرف کیا اور کتاب کے دو نسخے بھی پہنچے۔ کلمات طیبات کا ترجمہ کس قدر عمدہ اور لاجواب ہے۔ مسز عماد الملک اور بندہ حقیر جناب والا کے از حد ممنون و مشکور ہیں۔

بندۂ درگاہ پاؤں کے درد سے اس قدر معذور ہے کہ کہیں جانا نہیں ہو سکتا۔ بلا سخت اذیت و تکلیف کے [illegible] ۔

کوئی دوا کارگر نہ ہوئی اور نہ ہوتی ہے اگرچہ ہر قسم کا علاج کیا۔ کرسی پر بیٹھے ہوئے یا پلنگ پر لیٹے ہوئے دن کٹتا ہے مہینوں سے اعلیٰحضرت خداوند نعمت کو سلام کرنے کی یا نذر گذراننے کی بھی نوبت نہیں آئی اور یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔ نیم مرضی مولیٰ الہم ادوا لے سوائے صبر کے کیا چارہ ہے۔

کلمات طیبات جناب امیر علیہ السلام کثرت سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اگر جناب والا چند اور کلمات کو اس کتاب میں شامل کر کے دوبارہ طبع فرما دیں تو ملک پر بڑا احسان ہوگا۔ ایک صاحب نے حال میں چند کلمات طیبات کا اردو اور انگریزی میں ترجمہ کر کے چھپوایا ہے۔ شاید ملاحظہ سے گذرا ہوگا مگر اس کو جناب والا کے ترجمے سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ زیادہ کیا عرض کیا جائے بجز ایں کہ —— سایہ جناب عالی کم مباد!

بندۂ درگاہ: عماد الملک سید حسین بلگرامی ۱۸ ر جولائی ۱۹۲۲ء

---

(۹)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

عالیجناب مستطاب معلی القاب مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت زیدت معالیہ و بارکت ایام دولتہ!

عنایت نامہ مورخہ ۲ ر اپریل نے نوبہت بہت سرفراز کیا۔ چونکہ عنایت نامہ انگریزی میں تحریر ہوا تھا میں نے بھی اس کا جواب انگریزی میں لکھا ہے اور وہ اب اس کے ساتھ پیش ہو رہا ہے۔

جناب والا کوئی دن اب نہیں گذرتا کہ جناب کی یاد دل میں جاگزین نہ ہوتی ہو۔ سخت حسرت و افسوس ہوتا ہے کہ ایک مدت مدید سے جناب کی ملاقات سے مشرف نہیں ہوا۔ پاؤں کے درد نے بندہ کو اس قدر مجبور کر رکھا ہے کہ خود حاضر نہیں ہو سکتا۔

جناب والا خوب جانتے ہیں کہ جس قدر وسیع و عمیق تعلق میرے دل کو جناب والا کے ساتھ ہے وہ کسی اور کے ساتھ نہیں ہے۔ بندہ کی بینائی اس قدر ضعیف ہو گئی ہے، اگر اس عریضہ کے پڑھنے میں کوئی تکلیف ہو تو مجھے معاف فرمائیں گے۔ زیادہ کیا عرض کیا جائے، بجز دعا و نیاز!

بندۂ درگاہ: عماد الملک سید حسین بلگرامی
(راک لینڈز، سیف آباد۔ حیدرآباد دکن)

نوٹ: یہ خط ۱۹۲۳ء میں لکھا ہے۔

سر آفتاب احمد

(۱)

بنام نواب وقار الملک صاحب بہادر مرحوم

جناب والا!

تسلیم - مولوی ادریس احمد صاحب کے نام جو جناب کا خط آیا اس سے خیریت معلوم ہو کر اطمینان ہوا۔

ہز ہائی نس کے دو خطوط آئے۔ ایک کل اور ایک آج۔ کل جو آیا اس کا ترجمہ کل ادریس احمد صاحب سے جناب کی خدمت میں بھجوا چکا ہوں۔ کل اور آج دونوں میں انہوں نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں لاہور جا کر جو کچھ ہو سکے کوشش کروں۔ گو آجکل میں چند پریشانیوں میں ہوں لیکن اس کی تعمیل انشاء اللہ کروں گا اور اگر خدا کو منظور ہے تو ۲۴ ماہ حال کی شب کو ڈاک گاڑی سے میرا روانہ ہونے کا ارادہ ہے۔ مسٹر احسان الحق صاحب کا خط میرے پاس کل آیا ہے وہ دریافت کرتے ہیں کہ ان کو یہاں آنا چاہیے یا لاہور جا کر اس معاملے میں کوشش کرنا چاہیے۔ میں نے کل اپنی رائے ان کو لکھ دی ہے کہ بجائے یہاں آنے کے یہ بہتر ہوگا کہ وہ میرے ہمراہ لاہور چلیں۔ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کی اور شیخ عبداللہ صاحب کی بھی یہی رائے ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ جناب کی بھی یہی رائے ہوگی۔ جناب والا اپنی رائے سے بواپسی ڈاک مطلع فرما دیں۔ جناب کے کل کے خط سے معلوم کیا ہوگا کہ ہز ہائی نس جناب کو لکھنؤ بلانا چاہتے ہیں یعنی ۴ فروری کو جناب کو لکھنؤ ہونا چاہیے اور ۷ فروری کو حاذق الملک کو وہ رامپور بلانا چاہتے ہیں۔ مجھ کو امید ہے کہ جناب حاذق الملک کو جلد اس کے متعلق تحریر فرما دیں گے۔

لاہور کے لئے میں شمس العلماء مولانا حالی کو لکھ چکا ہوں جناب بھی ان کو لکھیں۔ میری رائے میں مولانا شبلی صاحب کو لاہور کے ڈیپوٹیشن کے لئے لینا چاہیے کیونکہ وہاں کے لئے ہز ہائی نس معقول تعداد چاہتے ہیں۔ کراچی کے لئے شاہ سلیمان صاحب کو لینا چاہیے اس کے متعلق بعد کو عرض کروں گا۔

امید ہے کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ میں آج شام کو بریلی جا رہا ہوں۔ کل شب کو پرسوں واپس ہوں گا انشاء اللہ۔ خدا حافظ!

آفتاب[۱] احمد۔ آفتاب منزل علی گڑھ ۲۲ جنوری ۱۹۱۱ء

۱؎ وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی

(۵)

بنام علامہ کیفی چریاکوٹی مرحوم

مکرمی!

تسلیم۔ عنایت نامہ مع آپ کے رسالے کے دو پرچوں کے پہنچا۔ دلی شکریہ قبول فرمائیے۔

آپ کے خاندان کے متعلق اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ مولوی عنایت رسول صاحب مرحوم سر سید علیہ الرحمۃ کے استاد تھے۔ آپ کے خاندان کا علم و فضل دور دور مشہور ہے اور آپ کی ذات گرامی کسی اعتراف یا ذکر کی محتاج نہیں۔ رہا آپ کا رسالہ اور اس کی نسبت رائے دینا مجھ سے زیادہ قابل اشخاص کا کام ہے۔ جھوٹا انکسار نہیں بلکہ امر واقعہ یہ ہے۔ میں تو ایک مزدور ہوں اور اس قسم کی عالمانہ تحریر کی نسبت رائے دینے کے لیے جس قابلیت کی ضرورت ہے وہ مجھ میں نہیں ہے۔ ہاں میں صرف اس قدر عرض کر سکتا ہوں کہ اس کے مضامین نہایت سبق آموز اور خیالات میں تحریک پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔

خاکسار: آفتاب احمد۔ وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۱ر جون ۱۹۲۳ء

حکیم حبیب الرحمان خاں

شفاء الملک حکیم حبیب الرحمان خاں اپنے زمانے کے بلند پایہ ادیب اور باکمال شاعر تھے۔ آبا و اجداد کا وطن پشاور تھا۔ آپ کے والد نے دیوبند میں تعلیم حاصل کی مولانا اشرف علی تھانوی ان کے ہم سبق تھے۔ اس کے بعد ڈھاکہ پہنچے اور وہیں مقیم ہو گئے۔

حکیم حبیب الرحمان ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ احسن تخلص اختیار کیا۔ لکھنؤ، دہلی، آگرہ، کانپور کی خوب سیر کی۔ وہیں دینیات اور طب کے درس سے سبکدوش ہوئے۔ بڑے بڑے مشاعروں میں شرکت کی۔ شعر بہت کم کہتے تھے مگر جب کہتے تھے تو ایسا کہتے تھے ؎

زاہد خستہ بتانے کے نہیں ہم تجھ کو — کعبہ یا دیر غرض ہم نے کہیں دیکھ لیا
جھک پڑا سجدۂ بت کے لئے توبہ توبہ — ہم نے احسن ترا ایمان ترا دیں دیکھ لیا

نوابان ڈھاکہ کے مشیر طبی کی خدمات انجام دینے کے علاوہ وہ ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ سے "المشرق" اخبار ان کی ادارت میں جاری ہوا۔ ۱۹۲۳ء میں ماہنامہ "جادو" جاری کیا۔ ۱۹۳۳ء میں طبیہ حبیبیہ کالج کی بنیاد رکھی جس نے بنگال میں علم طب کو فروغ دیا اور غریبوں کی طبی امداد میں بڑا کام کیا۔ یہ کالج آج تک قائم ہے۔ اس کے علاوہ "حیات سقراط"، "ثلاثہ غسالہ"، "آسودگان ڈھاکہ"، "مساجد ڈھاکہ"، "ڈھاکہ اب سے پچاس برس پہلے"، "کچھ اپنی باتیں"، "ڈھاکہ کی تاریخی عمارتیں" وغیرہ تصانیف بھی ان کی یادگار ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں بمقام ڈھاکہ ان کا انتقال ہوا۔

منشی محمد الدین فوق سے ان کے بڑے اچھے تعلقات تھے جن کا اندازہ ان خطوں سے ہو سکتا ہے جو حکیم صاحب نے وقتاً فوقتاً منشی صاحب کے نام لکھے۔

(محمد عبداللہ قریشی)

---

(۱)

بنام منشی محمد الدین فوق

مکرمی!

تسلیم۔ میں مدت سے بیمار رہا۔ اس لئے باوجود خواہش کے بھی آپ کو کچھ نہ لکھ سکا۔ میں اس وقت آنجناب کو ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں۔ کشمیر کے غریب بیکاروں میں کتنے لوگ ضرورت مند بھی ہوں گے اور بہت ممکن ہے کہ آپ کے ذاتی احباب بھی وہاں موجود ہوں۔ میری خواہش ہے کہ ملتان میں جو برتنوں پر چینی کا روغن پھیرا جاتا ہے اس کا ایک ماہر ڈھاکہ میں منگواؤں۔ وہ شخص صرف رنگ و روغن کے کام سے واقف کار ہو۔ یعنی ہر رنگ کا خمیر بنا سکتا ہو اور اس فن کے جزئیات سے واقف ہو۔ کمہار کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ کمہاروں کی یہاں کمی نہیں ہے۔ مجھے آپ کے تلطف سے امید کرنی چاہیئے کہ آپ میری اس خواہش کو پورا کرنے میں مدد سے دریغ نہ فرمائیں گے۔

اگر کوئی ماہر شخص یہاں مستقل آ سکے اور یہاں کچھ دن رہ سکے تو خرچ آمد و رفت کے علاوہ مشاہرہ بذریعہ خط و کتابت ٹھیک ہو سکتا ہے۔

حضرت خادم کہاں ہیں۔ نواب احمد صوفی جو کشمیر میں سیٹلمنٹ افیسر تھے یہاں ڈپٹی سیکرٹری کمشنر ہیں۔ آپ کا تذکرہ اکثر ہوتا رہتا ہے۔

حکیم حبیب الرحمان۔ ڈھاکہ (بنگال) اپریل ۱۹۱۵ء

(۲)

بنام منشی محمد الدین فوق

مکرمی!

تسلیم۔ تین پرچے کشمیری کے دیدہ افروز ہوئے میں کیا جانتا تھا کہ آپ معمولی سفر کو اتنا طول دیجئے گا ورنہ بہت کچھ سرمایہ دے دیتا۔ افسوس ہے کہ بہت سے پہلوؤں پر میں نے آپ کی توجہ مبذول نہ کرائی اور بدقسمتی سے آپ کا اور نواب ڈھاکہ کا جانا ایسا توام ہوا کہ اخیر ہفتہ میں آپ سے مل بھی نہ سکا۔ مسٹر گپتا (مصنف ڈرامہ انارکلی و ایڈیٹر رسالہ بنگالی میگزین) کی رائے ہے کہ آپ کا سفرنامہ ترجمہ کر کے میگزین میں بالاقساط چھاپا جائے۔ ہم اور وہ مل کر ترجمہ کر لیں گے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ اگر سفرنامہ کا سلسلہ لمبا ہو اور آپ کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور لمبا ہوگا تو میری تجویز ہے کہ سفرنامہ ڈھاکہ بعد میں کتابی صورت میں چھاپ دیا جائے ہم لوگ اس کے مصارف ادا کرنے کو تیار ہیں۔

چینی کے برتنوں کے ٹکڑوں کے متعلق آپ نے مسجدوں کے سلسلہ میں ان کا جو ذکر کیا ہے اس میں اتنا اور اضافہ کر دیجئے کہ اس صنعت کی ایجاد کا سہرا ڈھاکہ کے سر ہے اور یہیں سے یہ صنعت اور جگہوں میں گئی ہے۔

افسوس ہے میں جی کھول کر آپ کو کشتی کی سیر نہ کرا سکا بلکہ کئی قابل دید مقامات تک آپ میرے ساتھ نہ چلے اور کیونکر چلتے کہ مجھے فرصت ہی نہ مل سکی۔

مسٹر گپتا آپ کی تصنیف انارکلی کا ایک نسخہ طلب کرتے ہیں۔ تصویر نام ایک ڈرامہ ان کا آئندہ سنیچر کو پہلی بار سٹیج پر آئے گا۔ ڈھاکہ کے متعلق آپ نے جو تاریخی کہانیاں لکھی ہیں وہ کب اور کہاں چھپوائیے گا؟

میں خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔ خدا کرے آپ بھی اچھے ہوں اور ایک بار پھر ڈھاکہ میں آپ سے ملاقات ہو۔

آپ کا: حبیب الرحمان از ڈھاکہ۔ ۲۴ مئی ۱۹۱۷ء

(۳)

بنام منشی محمد الدین فوق

مکرمی!

تسلیم - یاد آوری کا شکریہ قبول فرمائیے کشمیری کے نوٹ پر دلی شکریہ - سارے پنجاب بھر میں آپ ہیں جو بہت وفا پاتا ہوں ورنہ کسی میں نہیں - بہتر ہے اپریل میں آپ کچھ کشمیر کے قومی مجمع میں شرکت کیجئے - التزام کا دعا کیجئے اور پورا کچھ کے دورہ افتادہ بھائیوں کی تعارف بن جائیے - امید ہے مئی کے بعد جون کے وسط تک ڈھاکہ ضرور پہنچ جائیے - وادی کشمیر کی فضا، مرغزار و گلزار یہاں کہاں - لیکن ہاں تو آپ یہاں کے برسات کا نظارہ، سبزہ فراواں موجود پائیے گا اور جون میں چونکہ طوفانی موسم بھی نہیں رہتا ہے اس لئے فصل عجیب خوشگوار ہو جاتی ہے۔

آپ گذشتہ سال بھی مضافات بالکل نہ دیکھ سکے اب کے ہر طرح تیار ہوں کہ آپ کو مضافات اور قابل دید مقامات کی سیر کراؤں۔

طریقت کیا آپ نے پڑھ لیا؟ آپ کا یہ رسالہ میں نے دیکھا - اچھا نکلا ہے - میں دیکھتا ہوں کہ ادب و تاریخ کے علاوہ بھی اس میں بہت کچھ ہوتا ہے - فرشتہ[1] پر آپ جو کچھ لکھ رہے ہیں شوق تحقیق اور کاوش کا نتیجہ ہے - بس مجھ کو اس قسم کے مضامین پسند ہیں - مرزا صاحب یعنی مرزا فقیر محمد آغا پرائیویٹ سیکرٹری نواب ڈھاکہ سے مضمون بعنوان المشرق مرحوم کے لئے تو لکھنا ممکن نہ ہوا - یاد کیجئے چند روز ایسے صاحب - مجھے فرصت ہے! شاید ہو - لیکن مضمون نویسی کے لئے دماغی فرصت کی ضرورت ہے اور وہ مجھے کہاں نصیب؟

آپ کا حبیب الرحمان از ڈھاکہ - ۲۰ اپریل ۱۹۱۶ء

(۴)

بنام منشی محمد الدین فوق

مکرمی! تسلیم - مزاج گرامی!

گرامی نامہ نے سرفراز کیا اور ساتھ ہی بے حد خوش ہوا - امید ہے کہ وعدہ عمل کی صورت بہت جلد اختیار کرے گا - آپ کو شاید معلوم نہیں کہ میں خود بھی مکروہات دنیوی سے بہت پریشان رہا - اس لئے شرمندہ ہوں کہ مدت تک سلسلہ خط و کتابت نہ کر سکا۔

اب "سخن شعرا"[2] کی تلاش نہ کیجئے - مل گیا ہے - والحمد للہ علیٰ ذالک۔

ممکن ہے کہ اب کی گرمیوں میں سیر کشمیر کا قدیم ارادہ صورت عملی اختیار کرے۔

بہت جلد کچھ نوادر ارسال فرمائیے کہ اپریل نمبر میں شائع ہو سکے - جا آوہ (رسالہ) نیز چاروں میں حاضر خدمت ہوتا ہے۔

مختصر نویسی کو معاف فرمائیے کہ بے حد عدیم الفرصت ہوں اور ساتھ ہی درد سر میں اتفاقاً مبتلا - والسلام!

آپ کا: حبیب الرحمان از ڈھاکہ - ۲۴ فروری ۱۹۲۳ء

---

[1] محمد قاسم فرشتہ مصنف تاریخ فرشتہ [2] عبدالغفور خاں نساخ کا تذکرہ شعراء۔

(۵)

بنام منشی محمدالدین فوق

مکرمی محترم!

آپ کا پیام خان بہادر تک پہنچا دیا گیا۔ جلد انتظام ہو جائے گا۔ گھبرائیے نہیں۔
آپ کا مضمون احباب کو بہت پسند آیا۔ سب نے تعریف کی۔ بزن کے پرچہ کے لئے مضمون کا انتظار ہے۔ اب کے آپ کی کشمیری برادری ہی جادو میں جلوہ گر ہے۔ نور ایڈیٹر، خواجہ معظم، میرزا جعفر، خواجہ اسحاق، سید بیا یا، سیہ نشان، حضرت فوق یعنی آپ اور سب دوسرے کشمیری ہیں۔ اس کے بعد فدا علی خاں، مرلوی ثاقب اور پردہ میاں حبیب الرحمن یہ سارے پٹھان ہیں۔ معلوم نہیں کوئی کمبوہ بھی ہے یا نہیں۔

آپ کا حبیب الرحمان - ۱۴ رجون ۱۹۲۲ء

(۶)

بنام منشی محمدالدین فوق

مکرمی حضرت فوق! سلامت۔ باد

تسلیم۔ مزاج گرامی۔ مشترک تحریر نے سرفراز کیا۔ اس وقت رسالہ جادو آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ یہ عذر صحیح نہیں کہ آپ نے طریقت میں اور طریقت کے لئے یہاں کا سرمایہ (علمی) بہت استعمال فرمایا ہے اور اب تک ذخیرہ میں ہے۔ اچھا آپ کی یاد دلاؤں۔ آپ نے مقیم کے لڑکے اور لڑکی کا جو قصہ لکھا تھا (ماخوذ از تاریخ ڈھاکہ) مہربانی کر کے اس کو ایک بار اچھی طرح دیکھ جائیے اور حک و ترمیم کے بعد بھیج دیجئے۔ آپ کی مصروفیت سے اس قدر بھی بہت ہے۔ خوشی بات یہ ہے کہ آپ دوستانہ برتاؤ سے گذر کر ہم لوگوں سے محبت کرتے ہیں، ورنہ رات کے تین بجے کون کسی کو خط لکھتا ہے۔
سخت شرائط کی پابندی کی وجہ ہ آپ خود جادو میں دیکھئے۔ نظربندی کی خوب کہی۔ شباب اردو (لاہور) لکھتا ہے ؎

گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو اِدھر بھی

تاریخ آثار جلد چھپوا دیجئے تاکہ اب کے جو لاہور آؤں تو اس سے کام لے کر جی بھر کر دیکھ سکوں۔ والسلام!

آپ کا: حکیم حبیب الرحمان۔ (تاریخ ندارد) ۱۹۲۳ء

(۷)

بنام منشی محمدالدین فوق

برادرم!

علامہ سیالکوٹی کی سوانح عمری لکھ کر آپ ایک بڑا حق ادا کر رہے ہیں۔ لیکن علامہ ممدوح کی یہی تعریف کافی نہیں ہے کہ

ان کی کتابیں ہندوستان سے گذر کر مصر، شام، قسطنطنیہ میں زیر درس ہیں یا علمائے بیرون ہند نے ان پر حواشی تحریر کئے ہیں۔ بلکہ اصل تعریف یہ ہے کہ علامۂ ممدوح کئی مسائل علمیہ میں منفرد ہیں اور پھر نہایت شگفتہ بیان ہیں۔ میر زاہد ہروی کے ساتھ ان کا جو مباحثہ ہوا ہے وہ بھی ضرور نقل ہونا چاہئے۔ مہربانی کر کے شیخ چلپی کی کشف الظنون اور علامہ آزاد (بلگرامی) کی سبحۃ المرجان کو ضرور سامنے رکھئے۔ اول الذکر سے علامہ کی تصنیف کا پتہ لگے گا اور ثانی الذکر سے مباحثہ مذکور کا۔ آپ یہ سن کر تعجب کریں گے کہ ہندوستان کے صرف دو عالم ہیں جن کی بعض تصانیف علمائے بیرون ہند کے زیر درس ہیں۔ ایک علامۂ موصوف اور دوسرے ملا شیخ احمد جیون استاد اورنگ زیب۔

افسوس فرصت نہیں ورنہ اور بھی لکھتا۔

عادل میاں آپ کی تکلیف فرمائیوں کے لئے شکر گذار ہیں۔ والسلام!

حبیب الرحمان۔ ڈھاکہ ۱۹۲۳ء

(۸)

<u>بنام منشی محمد الدین فوق</u>

مکرم محترم!

کل چار پرچے "کشمیر جدید" کے مجموعۃً موصول ہوئے۔ شکریہ! الجھ کر حیرت تھی کہ "کشمیری" سے آپ کی غیبوبیت اور علیحدگی آپ سے کس طرح برداشت ہوگئی۔ یہ تو ایک قومی نقصان تھا اور آپ کی تقریباً تیس سالہ اخباری خدمات آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھیں۔ حضرت فوق! دعوید اران خدمات کشمیر شاید بہت ہیں مگر آپ نے سارے ہندوستان کو کشمیر کی طرف متوجہ کر کے کشمیر کی وہ خدمت کی ہے کہ جب تک کشمیریوں میں احسان شناسی ہے وہ اس کو فراموش نہیں کرتے۔ آپ نے اردو زبان میں کشمیر کے متعلق اتنا کثیر لٹریچر جمع کر دیا ہے اور مشاہیر کشمیر کو اس طرح ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا ہے کہ لفظ کشمیری کل کی بات ہے لوگوں کی نظروں میں برا لفظ تھا اور کشمیری خود کشمیری کہلانے سے احتراز کرتے تھے اور آج فخریہ کشمیری کہلاتے ہیں۔ والسلام!

نیازمند: خادم الاطبا حکیم حبیب الرحمان خاں
ڈھاکہ (بنگال) ۱۰/ اکتوبر ۱۹۲۳ء

(۹)

<u>بنام منشی محمد الدین فوق</u>

مخدومی مکرمی!

تسلیم۔ جب خط کا جواب نہیں آیا تو میں سمجھا کہ آپ گرمی سے گھبرا کر کشمیر چلے گئے۔ لیکن ابھی معلوم ہوا کہ بسبب اعدا مزاج خراب تھا۔ بھائی اب ہم آپ چراغ سحری ہیں۔ ہندوستان کی اوسط عمر ۲۳ سال ہے۔ اس حساب سے دگنے سے زیادہ بیچے اور یہ باعث شکر ہے۔

اب آپ اچھے ہیں یہ پڑھ کر خوش ہوا۔ آپ جب تک زندہ رہیں اچھے رہیں۔ پنجاب نے لکھنے والے تربیت

پیدا کیئے لیکن آپ کا رنگ سب سے جُدا ہے۔ مذاق الگ ہے، راستہ علیحدہ ہے۔ لاہور اور پنجاب کے لئے بتایئے تو کسی نے کیا کیا؟ کشمیر کا سوال تو علیحدہ چیز ہے اور اس میں تو آپ منفرد ہیں۔

یہاں تو جمود طاری ہے۔ سر ناظم[1] بڑھ رہے ہیں۔ یہ لوگ اُردو کی دنیا سے نابلد محض ہیں، اس لئے مسلمانوں کی خاص تحریکوں سے ناواقف اور یہی وجہ ہے کہ اثر نہیں ہوتا۔ نواب بہادر سر سلیم اللہ نواب آف ڈھاکہ مرحوم بھی اُردو کم جانتے تھے مگر ان پر اُردو دانوں کا کچھ نہ کچھ اثر تھا۔

اپنی تازہ تصنیف ضرور بھیجئے کہ میرے پاس آپ کی ساری یادگاریں محفوظ ہیں۔

آپ کا : حکیم حبیب الرحمان چھوٹا کٹرہ ڈھاکہ ۲۲ رجب ۱۳۵۴ھ ۱۹۳۵ء

(۱۰)

بنام منشی محمد الدین فوق

میرے مکرم فوق!

تسلیم نیاز قبول فرمائیں۔ خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔ پریس میں آپ کا حلیہ دے دیا گیا۔ آٹھویں دن انشاء اللہ جادو آپ کی گود میں ہوگا۔ ہاں محکمہ تعلیم میں سلسلہ جنبانی کر رہا ہوں۔ امید کامیابی ہے۔

کیا کوئی بات جواب طلب رہ گئی؟ میرا آنا ستمبر تک ہوگا۔ صرف لاہور تک، آگے کا قصد نہیں۔

برسات شروع ہوگئی ہے۔ ایک بار پھر آیئے اور پوری برسات میں آیئے۔ والسلام!

آپ کا : حبیب الرحمان۔ ڈھاکہ (بنگال)

(تاریخ ندارد)

(۱۱)

بنام منشی محمد الدین فوق

مشفقی!

تسلیم۔ آپ کا خط میں نے اپنے نسخہ کے اندر رکھا تھا۔ کلیاتِ فوق کے اندر۔ ایک صاحب لے گئے اور امور مستفسرہ اب میرے ذہن میں نہیں۔ براہِ کرم پھر لکھ بھیجئے۔ میں اسی وقت جواب لکھوں گا۔

کلیات دیکھا۔ بہت بہت مزا آیا۔ تاریخ ہے نظریات کی، ہنگاموں کی، واقعات کی اور فوق کی شاعری کی تاریخ ارتقا بھی تصویریں دیکھیں۔ ۲۰ء سے فوق سے میں خود واقف تھا اور ہاں ابتدائی فوق کو اب دیکھا ہے اور ۳۲ء کے بعد یعنی آج کے فوق کو بھی دیکھا۔ آنکھ اپنی جگہ قائم ہے یعنی تاثرات باقی۔

کسی کتب فروش سے کہہ دیجئے کہ میرے نام ۲ جلد مشہور عالم جنتری مطبوعہ لاہور بھیج دے۔

آپ کا : حبیب الرحمان (تاریخ ندارد)

---

[1] سر ناظم الدین وزیر بنگال، گورنر جنرل پاکستان، پھر وزیر اعظم۔

(۱۲)

بنام منشی محمد الدین فوق

مکرمی!

تسلیم - یاد فرمائی کا شکریہ قبول کیجیے - "الشرق" آہ الشرق مرحوم کا ذکر کیا کیا جائے - اس کی ہفتہ وار صورت نہیں رہی - پھر ماہوار کر دیا جاتا ہے اور امید ہوتی ہے کہ دو دن بعد رہے کہ وہ آپ کے احباب کی خدمت میں حاضر ہو سکے -
بہت شوق تھا اور تیاری بھی سب کچھ تھی کہ نیاز حاصل کروں مگر مشیت ایزدی کچھ عجیب چیز ہے - کچھ ایسے موانع پیش آگئے کہ آپ جیسے مہربانوں سے نیاز حاصل کرنے کا موقع ہی نصیب نہیں ہوا - خیر یار زندہ صحبت باقی -
میں کئی دن سے ہیبت نگر کے رئیس کے علاج کی غرض سے بلایا گیا ہوں - مسلمانوں میں عام افسردگی ایسی طاری ہے کہ اس سے کوئی فرد مشکل سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے - اہالیٔ احسن منزل کی حالت سب سے زیادہ خراب ہے - باوجود ثروت کے پست ہمتی اور روبخیاں نہایت ہی دل شکن مناظر ہیں - والسلام!

آپ کا صادق: حبیب الرحمان
ہیبت نگر کشور گنج ضلع میمن سنگھ (مشرقی بنگال) (تاریخ ندارد)

وجاہت جھنجھانوی

(۱)

بنام احسن مارہروی

برادر مکرم۔ تسلیم

میں نے وہ کارڈ منشی فتدی خانصاحب کے فصیح الملک کو دیکھ کر روانہ کیا تھا کہ ان کے پاس رسالہ بھیجا یا میرے پاس نہیں بھیجا اس صورت میں میری شکایت غلط تھی یا صحیح اس کا اندازہ آپ خود ہی کر لیجئے۔ میں کسی معاملہ کی وجہ سے ناخوش نہیں ہوسکتا بلکہ آپ کے طرز عمل میں کچھ مغائرت پائی گئی تھی اس لئے اس کا اظہار کر دیا۔ تہذیب نسواں آئندہ ہفتہ سے حاضر کیا جائے گا۔ انجمن کا جلسہ ختم ہو گیا اچھی رونق رہی۔ نظم کے لحاظ سے بالکل پھیکا تھا لیکچر اچھے ہوئے۔ پیارے صاحب کو دعا فقط

وجاہت جھنجھانوی

از لاہور ۱۶ر اپریل سنہ ۱۹۰۶ء

(۲)

بنام احسن مارہروی

برادر مکرم۔ تسلیم

میں دو چار روز سے آشوب چشم میں مبتلا ہوں جمعہ اور ہفتہ کو مطبع بھی نہیں گیا آج کچھ آرام ہے تھوڑی سی سیاہی بیرنگ بھیجی ہے، پہنچی ہوگی۔ بیرنگ بھیجنے کی وجہ یہ ہے کہ اتوار تھا اور میرے پاس ٹکٹ نہ تھے۔ میں بازار سے ٹکٹ مول لے آتا مگر آنکھوں کی وجہ سے معذور رہا۔ کسی آدمی کے ہاتھ منگاتا تو ایک دن کی دیر ہو جاتی امید ہے آپ اس عذر کو قبول فرمائیں گے۔ اگست کا اردوئے معلیٰ دیکھا ہوگا معلوم نہیں منشی امیر احمد کی نثر میں کیا خصوصیت ہے مجھے تو کوئی بات معلوم نہیں ہوتی۔ شمیر کے نام جو خط چھپا ہے وہ اکثر جگہ سے ازروئے قواعد غلط ہے اگر اس پر مضمون لکھا جائے تو لوگ برا مانیں گے۔ اردو نہ فارسی۔ فقط

از قاضی خانہ لاہور ۱۹ر اگست سنہ

بنام احسن مارہروی

(۳)

برادر مکرم۔ تسلیم

آپ کا عنایت نامہ ۱۸ نومبر کی شام کو مجھے ملا تھا۔ جواب میں اس وجہ سے توقف ہوا کہ زکام کی وجہ سے طبیعت غیر معمولی طور پر علیل ہو گئی تھی۔ خدا۔ خدا کرکے آج کچھ آرام ہے۔ یہ مجھ سے کبھی نہیں ہو سکتا کہ مضمون دیر سے بھیج کر کوئی رقم آپ سے وصول کروں۔ اگر میرا جبر کر کے تعمیل ارشاد کر بھی دیتا تو اس شرط نے ایسا کرنے سے باز رکھنا بہر حال نمبر شائع کر دیجئے۔ اسلامی ڈیپریشن پر حال میں ایک نظم لکھی ہے جو ابھی کہیں نہیں چھپی ۴۴۔ ۴۵ شعر ہیں اگر گنجائش ہو تو وہ بھیجدی جائے۔

میں بقرعید گھر جا کر کروں گا اور وہیں سے سفر کا تہیہ کرکے آپ کو اطلاع دوں گا۔ مشاعرہ کی شہرت ہے۔ مگر طرح کا مصرع میرے پاس بھی لکھ بھیجئے۔ کارڈ آپ کی خدمت میں ضرور بھیجے جائیں گے مگر قیمتاً نہیں۔ آپ روپیہ بذریعہ منی آرڈر مطبع ہی کے پتہ پر بھیجدیں کیونکہ ڈاک کے وقت گھر پر رہنا نہیں ہوتا۔ ضرور بھیجدیجئے بڑی مہربانی ہوگی۔ کچھ کارڈ کل کی ڈاک سے روانہ ہونگے اور کچھ پرسوں۔ فقط

از لاہور۔ ۲۸ نومبر سنہ

(۴)

بنام احسن مارہروی

برادرم۔ تسلیم

قافیے کے متعلق گفتگو بے فائدہ ہے۔ میں ان قافیوں کے جواز کا اقرار پہلے ہی خط میں کر چکا تھا۔ مگر خود ان کا استعمال مکروہ سمجھتا ہوں۔ اس کے لئے اطمینان کرانے کی ضرورت نہیں یہ اپنی اپنی سمجھ پر موقوف ہے۔

جواب میں ذرا تاخیر ہوئی اس کی معافی چاہتا ہوں۔ فصیح الملک کے لئے مضمون اتوار تک بھیج سکوں گا۔ آپ غالباً آگرہ ہونگے۔ فقط

از قاضی خانہ لاہور۔ خاکسار وجاہت حسین
۹ جنوری سنہ

(۵)

بنام احسن مارہروی

برادر مکرم۔ تسلیم

واللہ کوئی کتاب نہیں سب فروخت ہو گئیں۔ اگر ہوتی تو فوراً بھیجدیتا۔ کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ میرے پاس کتاب ہو اور آپ کی خدمت میں نہ بھیجوں۔ سابقہ کارڈ روانہ کرنے کی ضرورت ہے انشاء اللہ کل بھیج دوں گا۔ کتابیں آئیں گی ضرور مگر کوئی وقت مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ ستمبر کی طرح پر غزل ضرور روانہ فرمائیے۔ یہ نمبر نظم کے لحاظ سے نہایت دلچسپ ہوگا۔ آپ نے غزل نہ بھیجی تو مجھے افسوس رہے گا۔ آپ نے فقیر کی غزل پسند فرمائی اس قدر دانی کا شکر گزار ہوں۔ ابھی وطن کی روانگی کا کوئی ارادہ نہیں۔ استاد کی تاریخیں جلد چھپوا دیئے اس کا اشتہار اصلاح سخن بڑی خوشی سے شائع کرے گا مگر جلد روانہ فرمائیے۔ والسلام فقط یادگار داغ کی کس مپرسی کا بہت افسوس ہے۔

از قاضی خانہ لاہور۔ ۱۰ ستمبر سنہ

بنام احسن مارہروی

۶

برادر مکرم۔ تسلیم

میری نال دواقعی لاہور میں گرمی ہے لیونڈر میں بیمار پیدا ہو گیا تھا۔ میں نے معالجہ سے انگریزی شروع کر رکھی ہے۔ ایک سال کے بعد انشاء اللہ خوب چل نکلوں گا۔ اس عرصہ میں آپ اپنی لغت پیف مرتب کر کے چھپوا لیجئے۔ پھر خدا نے چاہا تو آپ کے مشورہ پر عمل کیا جائے گا۔ انگریزی بیا بھی دوسرے کی محتاجی نہ رہے گی۔ فصیح الملک کے پہلے یا بعد یہ نمبر میں اصلاح سخن کا۔ بہ لیو عبری کا مضمون سمجھا جائے۔ دوسرے تیسرے سے پہچے میں ہو تو اچھا ہے۔ طرح خراب ہوتی ہے تو آپ نے کبھی کوئی شگفتہ مصرع مرمت کیا ہے۔ جانشینی کا لطف آ رہا ہے۔ سنا ہے دلی میں بیخود کے علاوہ دو اور استادوں کے سر پر بھی رسوائی کا چھپر رکھ گیا۔ خدا رحم کرے۔ مارچ نمبر میں ایک شخص نے آپ پر بھی جانشینی کے متعلق چوٹ کی ہے۔ انجم کا مضمون رجسٹری آیا تھا چھاپنے کی سخت تاکید تھی۔ میں نے اس وجہ سے کچھ نہیں لکھا کہ شاید وہی لکھنؤ کا جھگڑا تازہ ہو جائے۔

از لاہور - ۹ مارچ ۱۹۱۶ء

(۷)

بنام احسن مارہروی

برادر مکرم۔ تسلیم

فصیح الملک کے تازہ نمبر نے آپ کی یاد تازہ کی۔ صوبجات متحدہ کے محکمہ تعلیم سے اردو ہندی کا مسئلہ ناگوار طریقے پر چھڑا ہے۔ فصیح الملک میں اس کے متعلق مضمون پڑھ کر مجھے بہت افسوس ہوا۔ کیا مسلم لیگ سو رہی ہے۔ اس نے اس باب میں کچھ کوشش کی یا نہیں۔ ہمارے صوبے میں مسلمانوں کی اخباری قوت کمزور ہے آپ فصیح الملک کا متذکرہ بالا پرچہ لفٹنٹ گورنر کے پرائیویٹ سیکرٹری کے نام ضرور روانہ فرمائیں۔ بلکہ اگر اخبار بھی بھیجدیا جائے۔ آج دگیر کو لکھوں گا۔ نومبر کے اصلاح سخن میں آپ کی تصویر ہو گی۔ اس لئے نومبر کے مصرع پر غزل ضرور روانہ فرمائیے گھر چلا سامنے اور ہم سے بچایا نہ گیا ٭ اکتوبر نمبر ۱۵ تک شائع ہو جائے گا۔ میری بیماری کی وجہ سے تاخیر ہوئی۔

از لاہور - ۱۰ نومبر ۱۹۱۶ء

(۸)

بنام منشی محمد الدین فوق

مکرمی و معظمی۔ السلام علیکم

حامل ہذا رام پور راجوری سے آئے ہیں پیروی مقدمہ کے لئے ضرورت سرمایہ کا اظہار کرتے ہیں۔ چونکہ آپ ریاستی مسلمانوں کے حالات و معاملات سے بخوبی آگاہ ہیں اس لئے اس باب میں آپ جو رائے قائم کریں گے وہ زیادہ صائب و مستحسن ہو گی۔ میرے خیال میں اگر آپ اراکین کشمیری کانفرنس کے مشورہ سے اس کام کے لئے اپنے اخبار میں ایک سرمایہ کا افتتاح کر دیں تو گمان غالب ہے کہ نہ صرف کشمیری بلکہ عام مسلمان بھی اس میں بطیب خاطر چندہ دیں گے۔ زمیندار آپ کو ہر قسم کی مدد دینے کے لئے آمادہ ہے۔[۱]

خاکسار وجاہت حسین اسسٹنٹ ایڈیٹر زمیندار

لاہور۔ یکم جولائی ۱۹۱۶ء

---

[۱] منشی وجاہت حسین صاحب وجاہت صدیقی جھنجھانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ نہایت عالی دماغ اور خود دار صاحب فکر تھے۔ پہلے اخبار م

(۹)

بنام منشی محمد الدین فوق

مکرمی و معظمی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ اخبار سیاست میں آپ کے والد ماجد کی رحلت اور آپ کی علالت کا حال پڑھ کر سخت افسوس ہوا ۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ کو توفیق صبر کے ساتھ صحت کامل عطا کرے ۔

پیام عاشق کی جلد تیار ہے ۔ کسی روز اپنے منشی صاحب کو بھیج کر منگا لیجئے ۔ میری کمزوری ابھی زیادہ چلنے پھرنے کی اجازت نہیں دیتی ۔ انشاء اللہ کبھی حاضر ہوں گا ۔ والسلام

خاکسار وجاہت حسین

از لاہور گوالمنڈی، ۷ ؍ نومبر سنہ ۱۹۲۲ء

۹۔ تہذیب نسواں میں لکھتے ۔ پھر اپنا رسالہ اصلاح سخن جاری کیا ۔ بعد میں ایک روزنامہ آفتاب شائع کرنا شروع کیا ۔ اخبار زمیندار میں برسوں ایڈیٹر رہے ۔ ایک کتاب اختلاف اللسان کے بھی مصنف تھے ۔ آپ کے کلام کا مجموعہ "نظم وجاہت" جنگ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء میں ضبط ہو گیا ۔ یہاں سے کلکتہ گئے ۔ بیمار ہو کر وطن واپس آئے ۔ اور وہیں انتقال کیا ۔ (محمد عبداللہ قریشی)

حکیم ناطق گلاوٹھی

(۱)

بنام حضرت آسی مرحوم لکھنوی

(از جوتابیل روڈ ناگپور سٹی)

برادرمن السلام علیکم۔

زندہ ہوں اور دعا کرتا ہوں۔ اچھا ہوا کہ حسن اتفاق سے حسام صاحب کاکوری لکھنؤ پہنچ گئے تھے۔ جناب ممدوح سے آپ کو میری مسلسل پریشانیوں کی داستان معلوم ہوگئی ہوگی۔ واپسی پر مجھ سے اور ان سے کپتان صاحب کے گارڈن میں اک رواروی کی ملاقات ہوئی جس میں انہوں نے مختصراً بتایا کہ آپ میرے شاکی ہیں اور بے حد شاکی کہ عرصے سے میں نے آپ کو خط نہیں لکھا اور کچھ بات نہیں کہی۔ وہ اس کے بعد ایک مرتبہ میری غیر موجودگی میں گھر آکر چلے گئے اور میں ان تک نہیں پہنچ سکا۔ ناگپور کی گرمی معاذ اللہ ایک سو سترہ ڈگری کے خط پر نیچے اوپر پارہ کھیل رہا ہے۔ حسام صاحب تین میل کے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ بہت ہمت کی کہ جاؤں اور ملوں اور آپ کے تفصیلی حالات پوچھوں مگر کچھ بڑھاپے نے اور کچھ صحت نے مزاحمت کی۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب تک ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ یہ لکھوں تو کیوں کر لکھوں کہ عدیم الفرصت رہا اس لئے خط نہ لکھ سکا اس طرح تو آپ کو حق ہو جائے گا کہ مجھے جھوٹا کہہ دیں کیونکہ عدیم الفرصتی کا سلسلہ مہینوں نہیں آسکتا البتہ اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ مختصر خط لکھ دینے کا تو ہر وقت موقع تھا لیکن میں یہ چاہتا تھا کہ فرصت سے بیٹھوں اور اطمینان کے ساتھ سب کچھ لکھوں ایسا وقت نہ ملا۔ اور آج کل آج کل کرتے ہوئے اتنی دیر ہو گئی کہ میں آپ سے معذرت کرنے کے قابل بھی نہیں رہا۔ اب آپ خود ہی معاف کر دیں گے تو عنایت ہوگی۔ ورنہ قصور وار تو ہوں ہی۔ بھائی خدا جانتا ہے کہ نہ مجھے نام و نمود کی تمنا ہے اور نہ مشاعروں میں شریک ہونے کا شوق اور شوق ہوتا بھی تو ایسی حالت میں کیا شرکت گوارا کرتا۔ جب کہ فرقہ بندی کی داد ملتی ہے۔ اور غلط شعر پسند کئے جاتے ہیں۔ میں جو چھبیس گھنٹے کا سفر اور وہ بھی ان گرمیوں میں کر کے سیجے پور گیا تھا تو آپ کے اور محض آپ کے لئے کیونکہ آپ نے بھی لکھا تھا اور میاں اطہر نے بھی یقین دلایا تھا کہ آپ ضرور شریک ہوں گے۔ بڑی مایوسی ہوئی اور بہت پچھتایا۔ جب میں وہاں پہنچا اور آپ کو نہ پایا۔ قسمت نے دوسرا ظلم مجھ پر یہ کیا کہ جب میں یہاں سے روانہ ہوا تو میری اطلاع کے بغیر مولوی عبدالکریم شاہ نے جن کا گھر میں تاج الدین رحم دلی کے جانشین اور سیجے پور میں بڑے پیر مانے جاتے ہیں نواب انوار الرحمٰن صاحب بسمل کے نام ایک تار چھٹکا دیا۔

یہ صاحب ریل پر تشریف لائے اور اسٹیشن ہی سے پکڑ باندھ کر ایک گاڑی میں ڈالا اور مجھے اپنی کوٹھی پر لے گئے حق تو یہ ہے کہ جناب ممدوح نے بڑی خاطر مدارات کی لیکن میرے خیال کے مطابق ان بزرگ نے ناحق مجھے شعراء کی قیام گاہ سے علیحدہ کر دیا کہ کسی سے مل کر تھوڑی دیر اطمینان سے باتیں بھی نہ کر پایا کہ جب جاتا تھا نواب صاحب تشریف لے جاتے تھے اور انہیں ہر وقت ٹی، ٹفن، لنچ، بریک فاسٹ، ڈنر اور سپر کی فکر بنی رہتی تھی یعنی ہر وقت یہی تقاضا رہتا تھا کہ جلدی چلو اور کھاؤ۔ حاصل یہ کہ یہی کھانا مجھے کھا گیا اور ملنے والوں سے بھی نہ مل سکا۔ نئی راہ و رسم تو کسی سے کیا پیدا کرتا۔ معلوم ہوا کہ وصل مقبول بھی تشریف لائے ہیں، آپ کے لئے ان سے ڈھونڈ کر ملا۔ مگر وہ جیسے انسان ہیں آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی۔ اول تو انہوں نے پہچانا ہی نہیں اور جب زبردستی کی یاد دلائی تو ملے بڑی محبت سے مگر کوئی پتے ٹھکانے کی بات نہ ہوئی بلکہ اس ملاقات کا ایک برا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے قدیر، سراج سے بھی ملنا پڑا اور مشاعرے میں سراج کے اس شعر پر

کچھ اور مانگنا مرے مشرب میں کفر ہے　　　　لا اپنا ہاتھ دے مرے دستِ سوال میں

جو میں نے کڑک کر داد دی تو مشاعرہ الٹ گیا اور سراج الدولہ ملک الشعراء بن گئے۔ حالانکہ شعر کی لغویت خود شعر سے عیاں ہے۔ مگر مشاعروں میں ایسی باتیں کون دیکھتا ہے۔ میں نے بھی اپنی غزل پڑھی لیکن اطہر۔ یگانہ۔ عطا بدایونی۔ بزم اکبر آبادی اور چند دہلی والوں کے علاوہ کسی نے داد نہ دی۔ لکھنؤ کے شعراء تو اس وقت خصوصاً خوش گپی میں مشغول تھے۔ جس سے مجھے معلوم ہوا کہ سراج اور قدیر میں کس قدر شکر گزاری کا مادہ ہے۔ آپ کے نا شاگرد شاگرد وصل بلا فصل تو قابل ذکر ہی نہیں مگر مجھے ان باتوں کی کوئی پروا ہی نہیں کہ میں تو مشاعرے کے لئے گیا ہی نہیں تھا۔ اور زمین ایسی تھی کہ ہندوستان کا شاعر اعظم بھی تقطیع سے پھسل پڑا۔ فانی بدایونی کوئی کام کا شعر نہ نکال سکے اور یگانہ صرف دو شعر پڑھ کر مع باقیات صالحات کے معافی مانگ کر منبر سے اتر آئے۔ باقی رہے جگر و جوش سو انہوں نے طرح میں راہ نہ پائی اور بے طرح سنائی۔ ساغر کس گنتی میں ہیں۔ یہ بیچارہ بھی منبر پر آیا اور بے طرح گا گیا۔ میری غزل مشاعرہ و نیز میاں قمر کی غزل اس کے ہمراہ بھیجتا ہوں۔ خدا جانے ان میں کیا کیا لکھا ہے۔ میاں قمر جو اس وقت کاتب الحروف بھی ہیں۔ ناطق

۴ رجون ۳۵ء　　　　ناطق

بنام حضرت آسی مرحوم لکھنوی

A.H. NATIQE　　　　(۲)

JUNA JAIL ROAD, NAGPUR CITY, C.P.

برادرم۔

السلام علیکم۔ محبت نامہ ملا۔ جواب میں پورے ایک ہفتہ کی دیر ہو گئی۔ وجہ یہ ہے کہ آپ نے تحریر کیا ہے کہ کل کی میٹنگ میں تیرے نام دعوت نامہ مشاعرہ نمائش لکھا گیا ہے اور اس امید کے ساتھ پہنچا ہو گا یا ایک دو روز میں پہنچے گا۔ یہ خط ہنوز نہیں آیا اور میں اس خیال میں رہا کہ وہ آئے تو جواب بھی لکھوں اور آپ کو اطلاع بھی دے دوں مگر پورا ہفتہ گزر گیا وہ نہ آیا اور اب میں اس کے انتظار میں جواب کو روکنا پسند نہیں کرتا۔ آپ کا عندیہ انہماک یکہ تازی پذیرائی بھی ہے مگر مصیبت یہ آپڑی کہ میں اگر احباب فراموش نہیں تو خود فراموش ضرور ہوں۔ احباب اپنی مصروفیتوں

میں ہی سہی مجھے خط نہیں لکھتے اور میں اس خیال میں رہ جاتا ہوں کہ جواب میرے ذمہ نہیں اُن کے ذمہ ہے مگر جب
زیادہ عرصہ گزر جاتا ہے تو پھر مجھے خیال نہیں۔ بتا اُلٹی شکایت ہو جاتی ہے اور معافی مانگنا پڑ جاتا ہے۔ میرے دوشش
کے لفظ والے شعر سے آپ مطمئن ہو گئے۔ تو مجھے بھی اطمینان ہو گیا ورنہ غزل سے نکالنا پڑتا۔ مینا میں میرا جو خط شائع
ہو گیا وہ میری اطلاع کے بغیر چھپ گیا اگر مجھے معلوم ہو جاتا تو روک دیتا یا کم از کم کچھ رد و بدل ضرور کر دیتا ایک
وصل ہی کیا۔ میرا اخیال یہ ہے کہ اُس سے کئی اشخاص کو ناگواری پیش آئے گی۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ خط میں نے بوجہ
علالت لیٹے لیٹے قمر سے لکھوایا تھا اور اُنہی سے پوسٹ کر دینے کو بھی کہہ دیا تھا یہ کس کو خبر تھی کہ وہ نقل رکھ لیں گے
اور یہ کریں گے۔ شاکر غریب سمجھے کہ میرے ایما سے بھیجا گیا ہے اِس لئے داخل کر لیا اور بعد میں جب میں نے انہیں
لکھا تو یہی جواب بھی دیا۔ خیر رفت و گذشت اب تو چھپ گیا۔ میری غزل جو آپ نے مینا میں دیکھی اور پسند کی یہ بھی
کوئی نئی نہیں قمر کے پاس رکھی تھی۔ اُنہوں نے بھیج دی۔ یہ غزل آپ کے پاس بھی ضرور موجود ہے۔ لیکن آپ کو خیال نہیں
رہا۔ امید ہے کہ آپ نے حسب تحریر کچھ نہ کچھ ضرور اب تک اس پرچہ کے لئے بھیج دیا ہوگا۔ مشاعرہ کا دعوت نامہ
اگر آئے گا۔ تو آپ کی تحریر کے مطابق جواب دے دیا جائے گا۔ اطمینان رکھئے۔ کائنات کا بھی حال معلوم ہوا۔ آپ
کیوں شوکت سے ناراض ہوں یہ کیوں نہ سمجھ لیں کہ کائنات میں ایسا بھی ہوتا ہے اور پھر مجھ غریب کی کائنات کیا جس
کا انہیں خیال ہوتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ لکھنؤ آنے کے وقت سنترے ضرور لائے جائیں آپ کی ایسی اشتیاق آمیز تحریر
آنے کے بعد ساتھ کا انتظار دیکھنے کی کیا ضرورت تھی میں ابھی بھیج دیتا مگر بھائی سنترے اور اس موسم کے اللہ جانتا ہے
ناگپور والے تو ہاتھ بھی نہیں لگاتے خدا جانے ان سنتروں کو بیرو نجات کے لوگ کیونکر کھاتے ہیں۔ میں نے آپ کا خط
آنے پہ اس خیال سے کہ دیکھوں کیا حالت ہے۔ دس بہترین سنترے مارکیٹ سے (منڈی) منگائے اور کئی روز رکھنے
کے بعد بھی کھول کر دیکھے تو وہی ترش۔ سب پھینک دیئے گئے بہر حال کچھ ضرور لاؤں گا۔ اور اچھے سنترے آپ کو اپریل
میں بھیجے جائیں گے۔ مشاعرہ کی غزل کے جو پانچ شعر آپ نے ارسال کئے ہیں بہت خوب ہیں۔ میں نے اخیر کے دو اشعار
کو خصوصیت سے پسند کیا۔ بھلا آپ نے مطلع کیوں نہیں بھیجا۔ میری غزل بھی اس زمین میں ہے مگر بس ہے یاد اب ایک
شعر بھی نہیں۔ بچوں کو پیار اور دعائیں۔ والسلام

ناطق

۲۰ نومبر ۱۹۳۶ء

(۳)

بنام حضرت آسی مرحوم لکھنوی

A.H. NATIQUE
JUNA JAIL or NATIQUE ROAD, NAGPUR CITY, C.P.

مولوی صاحب۔

ابھی ابھی ڈاکیہ نے آپ کا محبت نامہ لا کر دیا۔ اوّل تو لفافہ ہی دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی کھول کر پڑھا تو اور
خوش ہوا کہ اس میں آپ کے فرزند ارجمند کے تولد کا مژدہ جانفزا بھی موجود تھا خدا اُس کی اور اس کی ہمشیرہ کی عمر دراز
کرے اور آپ کو ان کی خوشیاں دکھائے۔ آپ کی خیریت وجہ مسرت مزید ہے۔ میں مردہ دل بھی بظاہر تندرست

ہوں۔ لیکن صدمہ جاتا نہیں اور اس کے اثر سے وہ سب عوارض بھی لاحق ہو گئے ہیں جنہیں لوازم پیری کہا جاتا ہے۔
ابراہیم خاں صاحب کی جو آپ نے شکایت کی وہ میں ان تک پہنچا دوں گا۔ بات اصل یہ ہے کہ یہ صاحب جس کام کے
لئے لکھنؤ گئے تھے وہ نہایت مصروفیت کا تھا۔ کچھ تو اصل مدعا کی مشغولیت ہیں اور کچھ اہل لکھنؤ کی ضیافتوں میں
انہیں اتنی فرصت تو ضرور نہیں ملی کہ آپ کو بار بار تلاش کرتے مگر وہ کہتے تھے کہ روانگی کے روز ایک وقت مزید
آپ کے وہاں گئے تھے اور آپ کو موجود نہ پاکر مایوس ہوئے۔ ان کا خلوص میرے ساتھ ایسا ہے کہ میں اس بیان پر
یقین کرتا ہوں۔ خیر رفت وگذشت۔ اب آپ کا خط آگیا اور سب ہرا ہو گیا۔ یقیناً خربوزے وہاں سے یہاں تک
لاری کا مسافر نہیں لا سکتا چنانچہ وہ خود بھی جو میرے لئے لائے تھے اُن میں سے صرف چار صحیح سالم پہنچا سکے
لیکن ریل میں کل ۲۴ گھنٹے کا معاملہ ہے ساری سال کاکوری کے ایک دوست نے مجھے بھیجے تھے اور نصف سے
زیادہ اچھی حالت میں مل گئے تھے مگر میں نے یہ کیا تھا کہ پیشگی اطلاع آنے پر ٹرین ڈیوٹی کے وارد غہ کو اطلاع کر دی تھی جس
نے اسٹیشن پر آنے سے ایک گھنٹہ کے اندر پارسل مجھے پہنچا دیا تھا۔ اور بلٹی بعد میں گئی۔ تاہم خربوزوں کا ذکر ایک
موسم کی بات تھی اور خط میں کچھ لکھنا تھا۔ ورنہ اُس سے میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ آپ خربوزے بھیج دیں کیونکہ مجھے
خربوزوں کی طرف کوئی خاص رغبت نہیں ہے میں تو صرف آم کا دلدادہ ہوں اور بدقسمتی سے یہ پھل ناگپور کیا پورے علاقہ
ممالک متوسطہ میں خاطر خواہ نہیں ملتا۔ امسال آم یہاں بالکل نہیں ہوا اور چونکہ لکھنؤ کی فصل کا حال بھی مجھے معلوم ہو چکا تھا۔
اس لئے آپ کو تکلیف نہیں دی ورنہ جس طرح گزشتہ بے تکلف آپ کو لکھ کر منگا لیا تھا۔ اب کے بھی منگا لیتا آئندہ
سال زندگی ہے تو دسہری یا لکھجری جو کچھ آپ مرحمت فرمائیں گے کھاؤں گا۔ مگر اب میری زندگی ایسی نہیں جس
سے کم از کم مجھے اطمینان ہو۔ امسال ناگپور گلا وٹی اور لکھنؤ کے آموں کی کمی کو ارکاٹ نے پورا کر دیا کہ شاکر نائطی
نے آم بھیجے الفانسو بھیجے بہت بھیجے اور مسلسل فصل بھر بھیجے۔ یہ شاکر شاکر کانپوری نہیں بلکہ نائطی ہیں خواجہ بوالکلی
سے انہیں کوئی واسطہ نہیں تقریباً عرصہ دس سال سے میں انہیں مشورہ دے رہا ہوں۔ غضنفر حسین ان کا نام
ہے اور علوم عربیہ کے فارغ التحصیل ہیں۔ چنانچہ عمر آباد ضلع شمالی ارکاٹ کے مدرسہ عربیہ میں مدرسی کے فرائض انجام
دے رہے ہیں اور وہیں سے رسالہ بھی بنام مصلحت عرصہ ڈیڑھ سال سے نکالتے ہیں جو میرے اور آپ کے
نقطۂ نگاہ سے بھی برا نہیں ہو سکتا میں انہیں لکھ دوں گا۔ اور رسالہ انشاءاللہ آپ کے پاس آنے لگے گا۔ شرح
دیوان غالب کے متعلق انشاءاللہ منجر سے خط و کتابت کروں گا۔ مگر آپ کے وہاں سے اس خط کا جواب آ جانے
کے بعد۔ کیا آپ خود اُن سے اس کا سلسلہ چھیڑنا مناسب نہیں سمجھتے۔ بے شک اپنا آرگن ہونا بہت ضروری
ہے مگر اگر آپ پھر سے ایسا اقدام کریں تو پورے انتظام کے ساتھ کیجئے کہ ایک عدم پابندی وقت پرچہ کی ساری
خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔ میں انشاءاللہ پوری کوشش کروں گا اطمینان رکھئے۔ اپنے رسالہ تذکیر و تانیث کے لئے
آپ جتنے اشعار مجھ سے لکھانا چاہتے ہیں میں بخوشی لکھ دوں گا۔ اور جہاں تک ممکن ہوگا جلدی تعمیل کر دی جائے گی آپ وہ
تمام الفاظ مجھے بھیج دیجئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ میں اطہر ہاپوڑی اور احسن مارہروی بھی ضرور آپ کی امداد کریں گے

اور اگر آپ چاہیں گے تو میں ہی ان دونوں حضرات کو لکھ دوں گا۔ آپ نے جو غالب کے کچھ کلام کی بعد میں شرح کر کے چھپوائی ہے وہ اب تک نہیں ملی۔ بار بار میں نے لکھا اور آپ نے بھیجنے کا وعدہ کیا مگر بھیجی اب تک نہیں۔ آپ کی رباعیات کا مجموعہ شائع ہو کر ادب اردو میں ایک بیش بہا اضافہ ہوگا۔ میں آج کل کسی رسالہ کو اپنا کلام دیتا ہی نہیں تو آپ کی نظر سے کیونکر گزرتا۔ حسب طلب دو غزلیں ارسال کرتا ہوں۔ دیکھئے یہ وہی رنگ ہے تاجس کی آپ کو مجھ سے ضرورت ہے۔ اب آگے مجھے جو ایک لفظ کے متعلق تحقیق کی ضرورت پڑ گئی۔ بات یہ ہے کہ میں عرصہ ۲۵ سال سے وطن سے دور رہوں اور اس درمیان میں زبان نے جو جو پلٹے کھائے اس سے تقریباً لاعلم، اس لئے کسی ایسی بات کے متعلق جو ایک اہل ادب کی زبان سے نکلے اور میرا علم اس کے خلاف ہو تصحیح کر لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ میں نے اہل وطن سے ہمیشہ تعین سال میں گزشتہ اور آئندہ کے ساتھ لفظ امسال سال موجودہ اور پرسال یا پار سال سال گذشتہ کے لئے سُنا ہے اور اب بعض رسالہ جات میں یہ لفظ سال آئندہ کے لئے بھی نظر آتا ہے۔ جسے میں درست نہیں سمجھتا تھا لیکن اس خط میں آپ نے بھی آموں کا وعدہ کرتے ہوئے لفظ پار سال، سال آئندہ کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس لئے تحریر کیجئے کہ موجودہ (شرفا کا) کیا استعمال ہے اور آپ کی تحقیق کیا ہے۔ والسلام۔ آپ کے بچوں کو پیار

ناطق

مولوی سیّد محمد حسین محویؔ

نوٹ: مولوی محوی صاحب لکھنوی کے مضامین سے میں واقف تھا۔ رسالہ اُردو میں کئی مضامین اور رسالہ ساقی جامعہ وغیرہ میں نظمیں شائع ہوتی تھیں۔ انہی مضامین کی بنا پر سلسلہ خط و کتابت جاری ہوا۔ مولانا سے اب تک ملاقات نہیں ہوئی مگر خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے۔

مخفی نہ رہے مولانا سے مجھ سے لکھنؤ میں مراسلت کا سلسلہ شروع نہیں ہوا بلکہ مولانا کسے مدراس کی ملازمت کے زمانہ میں سلسلہ جاری ہوا ہے۔ مولانا کے بھی خطوط کا ذخیرہ تھا مگر زیادہ خطوط تلف کر دیئے گئے۔

(نصیر الدین ہاشمی)

(۱)

<u>بنام نصیر الدین ہاشمی</u>

مکرمی و محترمی!

سلام مسنون۔ نوازش نامہ پایا۔ معاف فرمائیے گا کہ جواب بہت دیر سے حوالۂ قلم کر رہا ہوں۔ اول تو یہ کہ میں یہاں موجود نہ تھا۔ موسم گرما کی طویل تعطیلات میں چند روز کے لئے باہر ایک پہاڑی مقام پر چلا گیا تھا۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ پتہ صحیح نہ تھا۔ اب میں آیا ہوں اور احباب کے کرم ناموں کے جواب لکھ رہا ہوں۔ بلا تعارف خط لکھنے میں کیا حرج ہے اور معافی کی کیا ضرورت ہے۔ ظاہری نہ سہی مگر معنوی تعارف اور ملاقات تو کافی ہے۔ میں جناب کے مضامین معارف اور دیگر بعض رسائل میں بہت شوق اور دلچسپی سے پڑھتا رہتا ہوں۔ آپ کے علمی اور تاریخی ذوق سے پورا آگاہ ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ آپ مجھ سے زیادہ واقف نہ ہوں۔ بہر حال مجھے یہ عنایت نامہ پا کر نہایت ہی مسرت ہوئی اور جناب کی اس بے تکلفی یاد فرمائی کا نہایت درجہ شکر گذار و مرہون کرم ہوں۔

نہتر اولیا کا مزار ترچناپلی میں ہے۔ میں خود دو بار زیارت کی سعادت حاصل کر چکا ہوں۔ ان کی تاریخ وفات اور دیگر حالات کے متعلق میرا خیال ہے کہ مولوی عبد الجبار صاحب صوفی ملکاپوری کی کتاب تذکرۂ اولیاء دکن[1] وغیرہ میں مفصل ملیں گے۔ یہ کتاب

---

[1] اس کتاب کو میں اوّل ہی دیکھ چکا تھا کوئی مدد نہیں ملی۔

حیدر آباد ہی میں چھپی ہے۔ بآسانی مل سکتی ہے اور غالباً نظر سے گذری ہوگی۔ اور جو کام میرے لائق ہو اس سے ارشاد فرماتے رہیں۔

یہاں سے بہ دشواری ایک ماہانہ رسالہ بشریٰ جاری کیا گیا ہے جو غالباً نظر سے گذرا ہوگا۔ بھیجوا دیا گیا ہے۔ یہ رسالہ میری اور میرے چند خاص احباب کی بے پایاں کوششوں سے نکل رہا ہے۔ مدراس میں اور دشواریوں کے علاوہ طباعت و کتابت بہت گراں ہے اور یہ کام کرنے والے بہت بدمعاملہ اور وعدہ خلاف ہیں۔ ان مشکلات کی وجہ سے پرچہ ٹھیک وقت پر نہیں نکلتا۔ تاہم کوششیں جاری ہیں اور کامیابی کی امید ہے۔ یہاں کے حالات اور زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے مذہبی مضامین بھی رکھے جاتے ہیں اور علمی و ادبی بھی۔ حقیر بھی اس کا ایک خادم ہوں۔ نہایت شکر گذار ہوں گا اگر جناب اسے بھی اپنے رشحات قلم سے سیراب فرماتے رہیں۔ والسلام!

آپ کا محمد حسین محوی۔ مدراس ۸ / جولائی ۱۹۳۳ء

مختصر حالات نہتر ولی

ان کا پورا نام بابا سلطان الدین سرمست طبل عالم ہے۔ دارالخلافہ روم استنبول کے رہنے والے تھے۔ مشہور ہے کہ سرزمین دکن میں جب انھوں نے قدم رکھا ہے تو ساتھ سو پالکی نشین اولیاء ان کے ہمراہ آئے تھے۔ ان کا مزار جنوبی ہند کے مشہور شہر ترچنا پلی میں واقع اور عام و خاص کی زیارت گاہ ہے۔ انہی کے پائیں نواب والاجاہ اول محمد علی حسب وصیت مدفون ہیں۔ ان کی کرامات بے حد مشہور ہیں۔ پندرہ ماہ رمضان المبارک سنہ ۶۲۳ھ میں انتقال کیا۔

(یہ حالات کتاب بہار اعظم جاہی سے ماخوذ ہیں جو سنہ ۱۲۳۳ھ میں تالیف ہوئی ہے۔
مصنف کا نام غلام عبدالقادر اور تخلص ناظر ہے۔ خطاب قادر عظیم خان بہادر۔ کتاب
ہنوز طبع نہیں ہوئی ہے)

---

(۲)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مکرمی و محترمی!

سلام مسنون۔ معاف فرمائیے گا کہ آپ کے نوازش نامے کے جواب میں پھر بہت دیر ہوگئی اور اب پھر آپ نے وہی رائے قائم کی ہوگی جو پہلے کر چکے ہیں۔ مگر میں اپنی مصروفیتوں اور کثرت کار کی وجہ سے مجبور رہا۔ اب انشاء اللہ ایسا نہ ہوگا کہ آپ کے یا کسی اور صاحب کے کرم نامہ کا جواب حوالۂ قلم نہ کیا جائے۔ آپ نے جن مدراسی ارباب علم کی کوتاہ قلمیوں کا شکوہ کیا ہے بجا ہے مگر میں ان میں شامل نہیں۔ نہ اتنا بڑا آدمی اور نہ میرا یہ وطن ہے۔ البتہ آب و ہوا کا اثر ممکن ہے جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تاہم اس حد تک ابھی اثر پذیر نہیں ہوا ہوں۔ آپ کے مضامین پڑھ کر اس وجہ سے بہت زیادہ مسرت ہوتی ہے کہ یہ چیزیں میرے خاص ذوق کی ہیں۔ اور آپ نے ان کی جانب اپنی توجہ فرمائی ہے۔ وہ تمام حامیانِ اردو کے شکریہ کی مستحق ہے۔ آپ بہت مفید کام کر رہے ہیں

اور آپ کے ہر مضمون سے کاوش خاص کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کا شوق اور دلچسپی قابلِ مبارکباد اور لائقِ قدر ہے۔ خالی علم و فضل سے کیا ہوتا ہے۔ ملک میں ہزاروں لاکھوں عالم فاضل موجود ہوں گے مگر کون ادھر متوجہ ہوتا ہے۔ اصل چیز شوق اور دلچسپی ہی ہے۔

نوہتر اولیاء کے انتقال کی نسبت میں نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے وہ بہت معتبر ہے اور سرکاری طور پر تالیف ہوئی ہے۔ خاص اہمیت رکھتی اور کوئی کتاب پیش نظر نہیں ورنہ مزید تحقیق سے کام لیتا اور آپ کی خدمت میں مزید تفصیل و تحقیق پیش کرتا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ نوہتر اولیائے قدیم میں سے ہیں۔ ممکن ہے کہ جو نظم آپ کو ملی ہے ان کی نہ ہو بلکہ کسی اور کی ہو۔ چونکہ میرے پیش نظر نہیں اس لئے کچھ عرض نہیں کیا جا سکتا۔ آئندہ آپ کچھ اور لکھیں تو میں بھی ناچیز خیال ظاہر کر سکوں گا۔

تعجب ہے کہ بشریٰ ہنوز نظر عالی سے نہیں گذرا۔ بھیجا گیا تھا شاید ڈاک میں تلف ہوا۔ تازہ نمبر اب روانہ ہے خدا کرے کہ آپ پسند فرمائیں اور کچھ اس پر بھی نظر نوازش مبذول رکھیں۔ تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ میری نسبت آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے از راہِ نوازش فرمایا ہے۔ میں بیحد شکر گذار ہوں۔ وعدۂ مضمون کا مزید شکریہ قبول فرمائیے۔

یہ معلوم کر کے بہت زیادہ مسرت ہوئی کہ آپ کے خاندانی تعلقات مدراس کے نامور مشاہیر سے ہیں۔ ان سب حضرات سے میں بھی کسی قدر واقف ہو چکا ہوں اور مزید واقفیت کی کوشش میں ہوں۔ رائے پیٹھ میں ہمارا دفتر ہے۔ باغ دیوان صاحب کے بعض علماء سے شرفِ نیاز بھی حاصل ہے۔ کیا آپ ادھر کبھی نہیں آتے۔ آئیں تو اچھا ہے۔ الحمد للہ کہ میں بخیریت ہوں اور آپ کے لئے دعائے خیریت کا خواہاں۔ والسلام!

آپ کا: محوی - مدراس ۱۹ ر اگست ۱۹۳۲ء
۳۱ کفایت خاں اسٹریٹ ماؤنٹ روڈ

(۳)

نصیر الدین ہاشمی

مکرمی و مشفقی!

سلام مسنون۔ حضرت امجد حیدر آبادی زاد کرمہ کے کلام پر آپ نے جو تبصرہ فرمایا ہے اور از راہِ نوازش اس کا ایک نسخہ مجھے بھی عنایت کیا ہے وہ پہنچا اور اس کا بہت سا حصہ نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھ ڈالا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے مولانائے موصوف کے کلام پر بہت اچھا تبصرہ کیا ہے اور ان کے کلام کے محاسن کو بہت خوبی سے اُجاگر کر کے دکھایا ہے۔ حضرت امجد کا کلام میں بہت زمانے سے بشوق و ذوق دیکھتا ہوں۔ جب سے یاد بخیر "دکن ریویو" زندہ تھا۔ موسیٰ ندی کی طغیانی کے بعد موصوف کی جو نظمیں چھپیں وہ بہت دلگداز اور اثر انداز تھیں۔ مخزن قدیم میں بھی پڑھتا رہا ہوں اور معارف میں بھی دیکھتا ہوں اور موصوف کی دو تین کتابیں ریاض امجد، ہر دو حصہ، نذرِ امجد بھی میرے پاس موجود ہیں۔ حضرت امجد سے افسوس ہے کہ ہنوز ملاقات نہیں ہوئی لیکن میں ان کا دیرینہ غائبانہ مداح ہوں اور جب سے مدراس آیا ہوں اپنے ایک عزیز مدراسی دوست سے اکثر مولانا کا ذکر خیر اور اوصاف سنتا رہتا ہوں۔ اس نے اور زیادہ مشتاقِ ملاقات بنا دیا ہے۔ خیر زندگی ہے تو کبھی یہ شرف بھی حاصل ہو رہے گا۔ مد : ہو تو میرا سلام نیاز بھی پہنچا دیجئے۔

آپ نے بہت تفصیل سے اور جامع تبصرہ لکھا ہے۔ پڑھ کر بہت خوش ہوا اور آپ کے اس علمی تحفہ کا تہہ

شکر گزار ہوں۔

حال میں میری ایک ناچیز کتاب کے دو حصے دہلی جامعہ ملیہ سے شائع ہوئے مگر یہ کوئی ادبی کتاب نہیں۔ بچوں کے لئے ایک اخلاقی تعلیمی کتاب ہے۔ البتہ اس کے لئے کافی کاوش کرنا پڑی ہے میں یہی ہدیہ پیش کرتا ہوں قبول کیجئے۔ مدت ہے آپ نے خط نہیں لکھا۔ میرے گذشتہ خط کا جواب بھی ہنوز آپ کے ذمے ہے۔ شاید علمی مشاغل نے موقع نہیں دیا۔ خیر امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے اور اس ناچیز ہدیہ حقیر کی رسید سے اطلاع دیں گے کہ فکر نہ رہے۔ والسلام!

آپ کا: محوی ۱۳ را گست ۱۹۳۴ء

(۴)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مکرمی و مشفقی!

سلام مسنون۔ دونوں نوازش نامے پائے معذرت خواہ ہوں کہ جواب میں بہت دیر ہوگئی اور کوئی بات جواب طلب تھی بھی نہیں۔ دیر میں خط لکھنے کا سبب میری پریشانیاں ہیں۔ دو تین ماہ سے یہاں کی آب و ہوا خراب ہے لڑکے اور گھر کے سب ایک ایک بار بیمار ہو چکے ہیں اور ایک بھتیجے دو تین ماہ سے علیل ہیں۔ حرارت رہتی ہے۔ اس کی وجہ سے بہت فکر رہتی ہے خدا جلد صحت دے۔ ان سب سے بڑھ کر ایک سخت حادثہ یہ گذرا کہ گذشتہ ماہ اکتوبر کی ۲۰ تاریخ کو جناب والدہ محترمہ مرحومہ نے انتقال فرمایا۔ گذشتہ سال بچوں کے ساتھ یہاں تشریف لے آئی تھیں۔ یہاں کی آب و ہوا موافق نہ آئی ضعیفی اور کبر سنی پھر مسلسل علالت اسہال کا سلسلہ آخر وقت تک رہا اور یہی مہلک ثابت ہوا۔ مجبوراً اگست (گذشتہ) میں نے اپنے چھوٹے بھائی اصغر حسین سلمہٗ کے پاس بھوپال بھیج دیا۔ دو تین مہینے وہاں علاج رہا۔ صحت نہ ہوئی۔ اکدم خبر آئی کہ وفات پائی۔ اس حادثے نے بہت دنوں دل و دماغ کو بیکار رکھا۔ اللہ مرحومہ کو جنت نصیب کرے اور گناہوں کو معاف فرمائے۔ عجیب جنتی خاتون تھیں، ان کی محبتیں اور شفقتیں یاد آ آ کر دل کو برما دیتی ہیں۔ زیادہ کیا لکھوں۔

جناب مولانا امجد کی نسبت آپ نے خط اور اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے بجا ہے۔ مجھے موصوف کی شاعری سے نہایت دلچسپی ہے اور ان کا کلام شوق سے پڑھتا ہوں۔

تاریخی کہانیوں کی نسبت آپ نے جو کچھ لکھا ہے آپ کی محبت و نوازش ہے جو میرے حال پر مبذول رہتی ہے۔ نہایت شکر گزار ہوں۔

مدرسہ محمدیہ والوں سے میرے تعلقات بہت اچھے ہیں کبھی کبھی جاتا ہوں۔ جناب قاضی صاحب سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ میرے حال پر نوازش فرماتے ہیں۔ تیسرا چہارشنبہ ہے کہ عزیزی مولوی محمد صادق صاحب سلمہٗ (قاضی صاحب کے ہمشیرزادے) تین کتابیں گلزار سعادت، یادگار سلف، قصیدہ بانت سعاد کی مختصر شرح و ترجمہ دے گئے ہیں اور اپنے بھائی کا ایک خط جو حیدرآباد میں رہتے ہیں مولانا مرتضیٰ مرحوم کے داماد ہیں۔ مولوی عزیز الدین نام ہے۔ یہ نہایت نوجوان صالح ہیں، مدراس آئے تھے تو ملے بھی تھے۔ آپ تو ضرور جانتے ہوں گے۔

احسن القصص کے متعلق صادق صاحب سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ بہت مختصر کتاب ہے۔ میں حاضر کروں گا۔
بہرحال شکر گذار ہوں کہ آپ نے اس کا پتہ دیا۔ حاصل ہو گئی تو اس سے بھی استفادہ کروں گا۔

آپ کے پہلے خط سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ نصیب دشمناں آپ کچھ خانگی فکروں اور پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اللہ آپ کو جلد ان سے نجات دے۔ اہل علم و ادب کے لئے یہ فکریں بڑی بلا ہیں، سوہان روح ہیں مگر دنیا میں ان سے نجات کہاں۔ اہل ہمت و استقلال اس قسم کے موانع پر بھی خدمت کئے ہی جاتے ہیں۔ زندگی کے چند روزہ اوقات کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ میری دلی دعا ہے کہ خدا اسے بہتر جلد آپ کو ان سے چھٹکارا دے اور ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھے۔ آئندہ مجھے امید ہے کہ آپ ہمت سے کام لے کر پورا مقابلہ کریں گے اور ان سب پر غالب آئیں گے۔ اس کا کوئی اثر آپ کے علمی و ادبی اشغال پر نہ پڑے گا۔

دوسرے کرم نامے کا جواب ملاحظہ ہو۔ شاعروں کی تو شاید مدراس میں کمی نہیں مگر مشہور لوگ یہ ہیں:-

(۱) نواب محمد منور خاں گوہر نجم الفضل و امیر الشعراء (شاطر صاحب کے بڑے بھائی)
(۲) نواب افضل الدین صاحب بیخود افسر الشعراء۔
(۳) نواب مولانا محمد حسین خاں صاحب ایآن سراج العلماء (خسر نواب صاحب ارکاٹ) گوپاموی۔
(۴) مولانا نور صاحب (حکیم سید شاہ صبغۃ اللہ مرحوم)
(۵) مولوی محمد عباس مدرس مدرسہ اعظم۔
(۶) جناب عبدالقادر صاحب اختر (برادر شاطر صاحب)

اور لوگ نوجوان ہیں مگر وہ ابھی نو آموز ہیں۔
بہتر ہوگا کہ آپ براہ راست ان لوگوں کو خط لکھ کر کلام طلب کریں۔ میرا واسطہ ٹھیک نہیں۔ یہاں اور شعرا اگر ہوں گے تو ان لوگوں سے پتہ چلے گا۔
یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ اپنے ذاتی مکان میں منتقل ہو گئے۔ مبارک ہو۔ خدا سازگار کرے۔
الحمد للہ ہم سب خیریت و آرام سے ہیں۔ آپ بھی مع الخیر ہوں گے۔
ہاں ایک بات یاد آئی۔ مدراس کے علاوہ آمبور، وانمباڑی، ترپاتور وغیرہ میں بھی شعر ہیں اور مشاعرے ہوتے ہیں۔ وہ ایک میں شرکت کا بھی اتفاق ہوا۔ ان کا ذکر بھی کرنا چاہیئے اور وہاں کے لوگوں کا کلام بھی ہو سکے تو منگوا لیجئے۔ وہ لوگ اردو کے بڑے خیر خواہ خدمت گذار معلوم ہوتے۔ آگے خدا جانے۔ والسلام!

دعا کا طالب: محمد حسین محوی۔ مدراس ۳ / دسمبر ۱۹۳۴ء

(۵)

نام نصیر الدین ہاشمی

جناب مشفقی و مکرمی!

سلام مسنون۔ عرصے کے بعد کرم نامہ پایا۔ یاد فرمائی کا شکریہ قبول کیجئے۔ میں بھی مدت سے خط نہ لکھ سکا۔ کچھ ایسے فکر و ہات میں

مبتلا رہا کہ اس کی تفصیل بیکار اور تکلیف دہ ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میرا بڑا بچہ برخوردار محمد حسین سلمہٗ علیل ہو گیا تھا۔ بہت فکر تھی۔ اللہ نے فضل فرمایا اور اب بالکل تندرست ہے۔ الحمد للہ۔

آپ شاید مجھ سے زیادہ مدراس کی حالت سے واقف ہوں گے۔ یہاں کام کرنا بہت دشوار بات ہے۔ میں کہہ ہی کیا سکتا ہوں۔ آپ نے میری ناچیز خدمات پر جو عطا فرائی کی ہے اس نے میرے دل پر بہت اثر کیا اور بہت ممنون و شکر گزار ہوا۔ انشیہ دہی ہے جو آپ نے ظاہر کیا۔ لیکن نہ کوئی کرتا اور نہ کرنے دیتا۔ میں تو بہت زیادہ ناامید ہوں۔ اگرچہ ہمت نہیں ہارتا انشاء اللہ۔

آپ نے ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد میں جانے اور ایک مقالہ سنانے کا ارادہ اپنے کرم نامے میں ظاہر فرمایا تھا۔ جانا ہوا کہ نہیں۔ اگر گئے ہوں تو وہاں کے مفصل حالات سے اطلاع دے کر ممنون کیجئے اور مقالہ چھپا ہو تو ایک نسخہ عنایت فرمائیے۔

نہایت درجہ دلی مسرت ہے کہ ایک دیرینہ آرزو بر آئی۔ مصحف اور کوثر جاری ہوئے۔ میں تو مدراس میں ناکام رہا۔ خدا ان دونوں کو جاری رکھے اور خوب ترقی دے۔ آمین! میں بھی کچھ نہ کچھ خدمت کرتا رہتا ہوں مگر فکروں اور پریشان خیالیوں کی وجہ سے دلی تمنا کے موافق کسی کام کا موقع نہیں ملتا۔ جو کچھ ہو جائے غنیمت ہے یہی سمجھ کر مصحف اور کوثر کے لئے کچھ نہ کچھ لکھ دیتا ہوں۔

دونوں علمی تحفے "مکتوبات امجد" اور "سیرۃ نبوی" کا رسالہ پہنچے۔ اس نوازش کا بھی ممنون ہوں۔ بہت مسرت ہے کہ آپ برابر زبان اور علم کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ مبارک ہے یہ زندگی اور مبارک ہیں یہ ہستیاں۔

مولانا امجد کی خدمت میں ہدیہ سلام مسنون پیش ہے۔

آپ کے بچوں کو بہت بہت دعائیں۔ کبھی ادھر آ نکلئے۔ آئندہ خط آپ کے دفتر ہی کے پتے پر روانہ کرتا رہوں گا۔ والسلام

بندہ محبت۔ محمد حسین محوی۔ مدراس یکم فروری ۱۹۳۶ء

---

(۶)

<u>بنام نصیر الدین ہاشمی</u>

مکرمی و مشفقی!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ مدتوں کے بعد نوازش نامہ پایا۔ شکر گزار و رہین کرم ہوں۔ اس سے پہلے مجھے جناب کا کوئی محبت نامہ نہیں ملا۔ ورنہ ضرور جواب حاضر خدمت کرتا۔ کچھ اپنی مصروفیتوں اور پریشانیوں کی وجہ سے خود ہی نہ لکھ سکا۔

الحمد للہ میں معہ متعلقین خیریت اور آرام سے ہوں لیکن اس قدر مصروف کہ خدا کی پناہ۔ میرے مضامین جو آپ مصحف وغیرہ میں ملاحظہ فرماتے ہیں وہ بھی سکونِ خاطر کا نتیجہ نہیں۔ تاہم اڈیٹر صاحبان کے اصرار سے مجبور ہو کر کچھ نہ کچھ لکھنا پڑتا ہے۔

آپ کے علمی کارناموں کا حال پڑھ کر بہت جی خوش ہوا۔ رسائل میں بھی دیکھتا رہتا ہوں اور مسرور ہوتا ہوں۔ خدا آپ کو مطمئن رکھے۔ آپ اردو کی بہت عمدہ ادبی و علمی خدمت کر رہے ہیں۔ یہ کتابیں چھپنے کے بعد۔ بہ قیمت یا ہدیۃً جس طرح مناسب ہو ضرور بھیجئے گا۔ میں بھی کچھ کرتا رہتا ہوں۔ ایک تو دیوان بیدار دہلوی مرتب کیا ہے جو ایک دو ماہ کے اندر شائع ہوگا۔ چھپ چکا ہے۔ جلد بندی ہو رہی ہے۔ مدراس یونیورسٹی شائع کر رہی ہے اور یہاں کے ایف۔ اے یا بی۔ اے کے کورس میں لے لیا گیا ہے۔

دوسری کتاب واقعات اظفری کا ترجمہ چھپ رہا ہے اور کئی کتابیں تیار ہیں مگر جلد چھپنے اور شائع ہونے کی امید نہیں ۔ ان کا ابھی آپ تذکرہ نہ کریں جب تک شائع نہ ہو جائیں ۔ علمی خدمت تو یونیورسٹی کے ذریعے جاری ہے ۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ اس صوبے میں اردو کی عملی خدمت کی شدید ضرورت ہے ۔ نہ یہاں کے مسلمان کرتے ہیں اور نہ کرنے دیتے ہیں ۔ آپ تو خوب واقف ہوں گے ۔ بہر حال جو کچھ مجھ سے ممکن ہے اور جو سمجھ میں آتا ہے انفرادی صورت سے کر رہا ہوں ۔ ایک رسالہ بنگلور سے کوثر اور ایک لیڈنگ سبیٹ سے شعر و شاعری کا ماہانہ جاری کرایا ہے ۔ ایک روپیہ سالانہ قیمت اور حجم کم ہے کہ آسانی سے ہر غریب آدمی بھی خرید اور پڑھ سکے ۔ جگہ جگہ اردو کی انجمنیں قائم کر رہا ہوں ۔ خواہ اس وقت برائے نام ہی ہوں ۔ آپ کی کیا رائے ہے ۔ کاش کوئی ہاتھ بٹانے والا ہوتا ۔ ایک بڑا پریس قائم کرایا ہے ۔ حقانی پریس نام ہے ۔ بڑی مشین ہے جو برقی طاقت سے چلتی ہے ۔ کام عمدہ اور نفیس و ارزاں ہوتا ہے ۔ ہندوستان سے بہترین کاتب اور نقاش بلائے ہیں ۔

دونوں بچوں کو تعلیم کے لئے جامعہ ملیہ دہلی کو روانہ کر رہا ہوں ۔ کل یا پرسوں چلے جائیں گے اور سب خیریت ہے ۔

خط لکھتے رہئے ۔ والسلام !

دعا کا طالب ۔ آپ کا محوی ۔ جنرل پیٹرسن روڈ مدراس ۳ ؍ اگست ۱۹۳۶ء

(۷)

بنام نصیر الدین ہاشمی

محبی و مشفقی !

سلام مسنون ۔ محبت نامہ درکارڈ پایا ۔ اپنی مصروفیت اور پریشانیوں کی وجہ سے جواب میں دیر ہو گئی ۔ معذرت خواہ ہوں ۔ میری نسبت از راہِ اخلاص و محبت جو الفاظ آپ نے تحریر کئے ہیں ان کا شکریہ قبول فرمائیے ۔ خدا آپ کو خدمتِ ادب کی اس سے زیادہ توفیق دے ۔ آمین !

خواتینِ عہدِ عثمانی کے نام سے آپ نے جو جدید کتاب چھاپی ہے اس کا اشتیاق ہے اور قبل از حصول شکریہ ۔

دکن میں اردو ، ہمارے دفتر کے کتب خانہ میں آگئی ہے ۔ اب اس کی ضرورت نہ رہی ۔ رسالہ ہندوستانی بھی ہمارے یہاں دفتر میں آتا ہے ۔ اس میں جو آپ کے مضامین چھپے ہیں اگر وہ بھیج سکیں تو بہتر کہ میرے پاس رہیں گے ، ورنہ میں یہاں کی لائبریری سے لے کر دیکھ لوں گا ۔ آپ کی جو مرضی ہو ۔

میری تصنیف یا تالیف سے ہنوز کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی ہے ۔ جب شائع ہوگی میرے امکان میں ہوا تو ہدیۃً پیش کروں گا ۔

کتابیں کئی تیار ہیں مگر خدا ہی جانے کہ کب طباعت کی نوبت آتی ہے ۔ یہاں مدراس میں تو جہاں تک مجھے علم ہے اردو کی کوئی انجمن نہیں ۔ باہر جو ہیں ان کے مختصر حالات منگوا کر روانہ کر سکوں گا ۔

ترویجِ ہندی کی بہت کوششیں ہیں اور باقاعدہ ہیں ۔ مالی حالت بھی اچھی ہے لیکن ہم غافل ہیں ۔ باہمی جھگڑوں سے ہنوز فرصت نہیں ہے ۔ آئندہ دیکھا جائے گا ۔ یہ مشغلہ زیادہ دلچسپ ہے ۔ میرے خیال میں یہاں دولت مند تین مسلمان ہیں جو ہمیشہ اس قسم کے نیک اور

مفید عام کاموں میں حصہ لیتے ہیں۔

حقانی پریس میں کتابت اور طباعت کا بہت عمدہ انتظام ہے۔ ایسی مدراس کے کسی اور دوسری پریس میں نہیں ہوتی
آپ کو ضرور مسرت ہوگی۔ کیونکہ آپ اردو کے سچے بہی خواہ ہیں۔ والسلام!

آپ کا محوی ۔ مدراس ۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

---

(۸)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مکرمی و معظمی!

سلام مسنون۔ محبت نامہ ملا۔ "خواتین عہد عثمانی" اور دو مطبوعہ مضامین مل گئے۔ اس مجمی عنایات اور تحفوں کا بیش از پیش شکریہ قبول کیجئے۔ "دکن میں اردو" انشاءاللہ اپنے دفتر کے کتب خانے میں منگوالوں گا۔ بے شک ضمیمہ تسلیم زیادہ کارآمد ہو گئی ہوگی۔

مولوی عبدالحق صاحب ڈاکٹری کی ڈگری لے گئے تھے ۱۱ ماہ رواں کو یورپ جا رہے ہیں۔ خدا کامیاب فرمائے۔ آمین!

میرا سنہ پیدائش تقریباً [illegible] ۔ غالباً پچاس سال کی عمر ہوگی۔ ۲۰ رمضان کو پیدا ہوا۔ مدراس میں آئے ہوئے چھ سال ہوتے ہیں۔

تصانیف کی کیا فہرست دوں۔ اکثر غیر مطبوعہ ہیں۔ شاید ہی نوبت طباعت آئے۔ بہرحال چند کے نام پیش ہیں۔

(۱) ازدواج الانبیاء۔ بیگم صاحبہ مرحومہ بھوپال نے ۱۹۱۷ء میں چھپوائی اور تصنیف پر پیش قرار صلہ دیا۔ مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ۔

(۲) انسانی قربانیاں۔ (عربی کے افسانوں کا ترجمہ جن کا مجموعہ ضحایا البشریہ کے نام سے مصر میں چھپا تھا) [illegible] لکھنؤ نے شائع کیا۔ (نایاب)

(۳) روحی فداک۔ (ایک عربی سے فرنگی ناول کا ترجمہ) غالباً جامعہ ملیہ سے ملتا ہے۔

(۴) اسلامی تاریخی کہانیاں۔ ۲ حصہ مطبوعہ جامعہ ملیہ دہلی۔

غیر مطبوعہ: (۱) عارفات (اولیاء اللہ خواتین کا تذکرہ)

(۲) ملکہ قور۔ (ایک عربی ناول کا ترجمہ)

(۳) عورت کا دل۔ ایضاً

(۴) دیگر از افسانے۔ عربی کے چند افسانوں کا ترجمہ جو مختلف رسائل بالخصوص عالمگیر لاہور میں شائع ہوتے رہے۔

(۵) ترجمہ دروس التاریخ الاسلامیہ۔ ۴ جلد۔

(۶) سوانح مریم علیہا السلام (بحکم بیگم صاحبہ بھوپال مرحومہ)

(۷) ترجمہ طبقات ناصری
(۸) ترجمہ تاریخ شمس سراج عفیف
} جامعہ ملیہ کی ملازمت کے زمانہ میں وہاں کے شعبہ تصنیف و تالیف کی جانب سے ترجمہ کیا۔ ہنوز نہیں چھپا۔

انجمن ترقی اردو میں کئی سال تک اردو لغت کا کام کیا اور ردیف "ت" تک تیار کر کے دیا۔ وہ شاید بیکار کر دیا گیا خبر نہیں۔ اور بھی بہت سے مسودے ہیں، مکمل و نامکمل جن کی طباعت میری مصروفیت اور بے زری کی وجہ سے ہنوز نہ ہو سکی۔

مدراس یونیورسٹی کے ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے شعبۂ اسلامیات نے بہت سی کتابوں کو ایڈٹ کیا جن کا اظہار قبل از وقت ہے۔ ان میں سے دیوان بیدار شائع ہو گیا ہے۔

مولانا ابو الجلال ندوی ایڈیٹر مجلہ اعظم گڈھ کے رہنے والے ہیں اور مولانا عبد الرزاق صاحب ایڈیٹر [illegible] افضل گڈھ بجنور کے۔ ورنہ تو شمالی ہند کے اہل علم یہاں کوئی نہیں۔ یہ سب پریشان اور جانے کی فکر میں ہیں۔ تقدم لازمی نہیں ہے۔ والسلام!

آپ کا: محوی - مدراس ۱۱ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۹)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مکرمی و مشفقی!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ نصیحت نامہ پایا۔ نہایت درجہ مسرت ہوئی کہ آپ بخیریت ہیں لیکن خانگی تکالیف معلوم کر کے افسوس ہوا۔ دنیا میں کون ایسا ہے جسے یہ فکریں دامنگیر نہیں۔ تاہم بہت [illegible] کہ نو تعمیر مکان فروخت کرنا پڑا۔ خدا کرے جلد آپ اس سے بہتر اور بنوا سکیں یا خرید لیں۔

میں بھی شرمندہ ہوں کہ عرصے سے خط نہیں لکھ سکا۔ یہاں بھی وہی فکریں اور پریشانیاں لاحق حال تھیں۔

مئی میں [illegible] کی جگہ جانا ہوا۔ جون میں واپس آنے کے بعد بھی مصروفیتیں رہیں۔

بے شک [illegible] صاحب کی کتاب ناقص اور نامکمل ہے۔ مگر مجبوری ہے۔ یہ لوگ مشورہ کرتے اور نہ مانتے۔ مدراس میں [illegible] ضرور چھپوا دیجئے۔ اس کی اشاعت میں کیوں تاخیر ہے اور حجم کتنا ہے۔ کہاں چھپوانا چاہتے ہیں۔ شاید ایک بار مجھ سے بھی آپ نے تخمینہ پوچھا تھا۔

"دکن میں اردو" کا تیسرا اڈیشن مجھے نہیں ملا۔ شاید نہیں بھیجا گیا۔ دیوان بیدار شائع ہو گیا۔ تقریباً ایک سال ہوا۔ آج ایک جلد ہدیۃً ارسال ہے قبول فرمائیے اور [illegible] سے اطلاع دے کر ممنون کیجئے۔

"مرقع ادب" تو بہت پرانی کتاب ہو گئی۔ بیس پچیس سال پہلے اس کا پہلا اڈیشن نکلا تھا۔ دوسرا [illegible] چھپ گیا ہے۔ لیکن اتنا اچھا نہیں ہے۔ [illegible] اس میں میرے خطوط بھی ہیں بلکہ ترتیب و تالیف میں میرا بڑا حصہ تھا۔ افسوس کہ حضرت صفدر کا انتقال ہو گیا کوئی چھ سات سال ہوئے۔ میرے نہایت عزیز دوست اور لکھنؤ میں مقیم تھے۔

الحمد للہ میں مع متعلقین خیریت اور آرام سے ہوں۔ میرا پتہ اردو میں نوٹ کیجئے۔ والسلام!

آپ کا: محوی - مدراس یکم ستمبر ۱۹۳۷ء

جس کا نام ہے مسٹر جسٹس لال چند MR JUSTIC LAL CHAND وہ بھی پلیڈر تھا، ۱۸۹۶ء سے وہ پیشہ وکالت کرتا تھا۔ اس لئے مجھ سے وہ قریباً ۱۱ سال سینئر ہے۔ گورنمنٹ نے سینئر ہونے کے لحاظ سے اس کا حق فائق سمجھ کر اس کو جج مقرر کیا۔ لیکن اصل وجہ یہ ہے کہ مستقل بنگالی جج مسٹر جسٹس چیٹرجی کا بہت بھاری اثر یہاں کے چیف جج پر ہے اور ان کی کوشش سے چیف جج نے لالہ لال چند کی زیادہ زور سے سفارش کی تھی اور اس لئے گورنمنٹ نے بلا سوچے سمجھے اس سفارش کی بنا پر ان کو جج مقرر کر دیا۔

اب ایک اور موقعہ نکلا ہے جس کے متعلق ہمیں اپنے حقوق پیش کرنے چاہئیں۔ وہ یہ ہے کہ منجملہ چار عارضی ججوں کے ایک انگریز بیرسٹر جج مسٹر جسٹس چیٹی ہے جو کہ بمبئی کا بیرسٹر ہے۔ اور جو برہما چیف کورٹ کا کچھ عرصہ تک جج رہ چکا ہے۔ وہ یہاں سے تبدیل ہو کر پھر برہما چیف کورٹ میں بطور جج کے جاتا ہے۔ چنانچہ فیصلہ ہو گیا ہے کہ وہ جنوری ۱۹۰۸ء میں برہما میں جا کر چارج لے گا۔ اب مسٹر جسٹس چیٹی کی جگہ ایک عارضی جج مقرر ہوگا۔ پس اس موقعہ پر آپ کو کوشش کرنا چاہیئے کہ ایک مسلمان جج اس کی جگہ مقرر ہو۔ سب سے عمدہ تجویز یہ ہے کہ آپ بہت جلدی کریں کہ تھوڑی سی تاخیر سے نقصان کا اندیشہ ہے کہ متعلقہ ذیل افسران کو پرائیویٹ خطوط لکھیں۔

۱۔ کرنل ڈنلاپ سمتھ صاحب پرائیویٹ سکرٹری حضور وائسرائے۔

۲۔ مسٹر ارل رچرڈس لیگل ممبر کونسل وائسرائے۔ MR. EARL RICHARDS

۳۔ مسٹر رزلے RISLEY سیکرٹری ہوم ڈیپارٹمنٹ۔

۴۔ سر ڈینزل ایبٹسن صاحب آئندہ لفٹنٹ گورنر پنجاب۔

ان میں سے ۱۔ و ۴۔ مجھ کو بخوبی جانتے ہیں اور میرے حقوق سے واقف ہیں۔ اور بالخصوص ۱۔ جہاں تک ان سے ہو سکا میرے مدد کرنے میں دریغ نہ کریں گے۔

آپ ان سب افسران کو لکھ سکتے ہیں کہ پنجاب چیف کورٹ میں مسٹر جسٹس چیٹی عارضی جج کی جگہ جلد خالی ہوگی اور چونکہ ہندوستان بھر میں کوئی مسلمان جج نہیں ہے۔ جیسا کہ ہمارے میمو۔ بل میں ذکر کیا گیا تھا اور چونکہ وعدہ فرمایا گیا تھا کہ گورنمنٹ ہمارے حقوق کو پورا کرنے کی کوشش کرے گی وغیرہ وغیرہ اس لئے یہ عہدہ جو خالی ہونے والا ہے ایک مسلمان کو دیا جانا چاہیئے۔ پنجاب چیف کورٹ کے BAR میں اس قسم کے مسلمان موجود ہیں۔ جو اس عہدہ کے ہر طرح سے لائق ہیں اور اس لئے گورنمنٹ کو یہ موقع ان کے حقوق کو پورا کرنے کا نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔ میں خود بھی یہاں کوشش کر رہا ہوں کہ میرے حقوق کا اس موقع پر خیال رکھا جائے۔ اور اگر آپ ان افسران بالادست کے روبرو بذریعہ خط و کتابت میرے حقوق کی تائید میں کوشش کریں تو تعجب نہیں ہمیں کامیابی ہو۔

بہر حال یہ پہلا موقع ہے کہ گورنمنٹ ہم کو عملی طور سے ایفائے وعدہ کا ثبوت دے سکتی ہے۔ محض زبانی باتوں سے ہم خوش نہیں ہو سکتے، جہاں تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ گورنمنٹ تیار ہے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کرے۔ چونکہ یہ تقرر صرف عارضی طور سے ہوگا۔ اس لئے یہ اعتراض قابل وقعت نہیں کہ دو دیسی جج پہلے سے

موجود ہیں۔ اس لئے تیسرے دیسی جج کا ہونا انگریزوں کے حقوق پر برا اثر پیدا کرے گا۔
علاوہ اس کے موجودہ دو دیسی جج ہندو ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ ایک مسلمان جج مقرر نہ کیا جاوے۔ آپ نے جو تعزیت کا تار مجھے بھیجا ہے اس کے لئے آپ کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ آپ کی بزرگانہ ہمدردی قابل قدر ہے اور اس سے میرے غمگین دل کو بہت تسکین ہوئی ہے۔

۳ رنومبر ۱۹۰۶ء   محمد شاہدین (دستخط اردو اور انگریزی دونوں میں کئے ہیں)

(۳)

بنام نواب محسن الملک

مخدومی مکرمی جناب نواب صاحب

آپ نے جو خط پرائیویٹ سیکرٹری حضور وائسرائے کے نام چیف کورٹ کی ججی کے متعلق لکھا تھا اس کی نقل کسی ذریعہ سے یہاں کے ایک ہندو اخبار انگریزی THE PUNJABEE کے پاس پہنچی ہے اور خود اخبار مذکور نے آج کے پرچے میں چھاپ دیا ہے اور اس پر ایک سخت نوٹ لکھا ہے جو کہ میں آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳)

میں یہ پرچہ دیکھ کر سخت حیران ہوا ہوں کہ آپ کے خط کی نقل کس طرح سے پنجابی اخبار کے ہاتھ لگی ہے۔
یہ معاملہ نہایت اہم اور نازک ہے اور اس کے متعلق آپکو پوری تحقیقات کرنی چاہئے۔ یہاں لاہور میں بڑی شورش پھیل رہی ہے اور مسلمان یہ اخبار پڑھ کر دم بخود ہیں، براہ مہربانی بواپسی ڈاک بذریعہ رجسٹری اس کا جواب عنایت کریں۔
آپ نے اپنے خط مورخہ ۲۰ رنومبر میں لکھا تھا کہ پرائیویٹ سیکرٹری کا جواب آپ میرے ملاحظہ کے لئے بھیجتے ہیں۔
میں نے آپ کو ۲۲ رنومبر کو جو خط لکھا تھا اس میں میں نے تحریر کیا تھا کہ وہ جواب ابھی تک میرے پاس نہیں پہنچا میں اب تک انتظار میں ہوں۔ مگر وہ جواب مجھے نہیں ملا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لفافہ جس میں آپ نے وہ جواب ملفوف کیا تھا کسی ایسے شخص کے ہاتھ لگ گیا جس نے مجھ تک پہنچنے نہیں دیا۔ یہ کیا راز ہے آپ مزید مفصل لکھیں کہ آیا وہ جواب آپ نے علٰحدہ لفافہ میں بند کیا تھا۔ یا اسی خط کے ساتھ بھیجا تھا جو ۲۰ رنومبر کو لکھا گیا تھا۔ اس خط کے الفاظ یہ ہیں کہ پرائیویٹ سیکرٹری کا جواب آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیج دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے بھیجا گیا تھا لیکن وہ اب تک مجھے نہیں ملا۔ یہ خط میں آپ کو بصیغۂ رجسٹری بھیجتا ہوں آپ بھی جواب رجسٹری شدہ لفافہ میں بھیجیں اور آئندہ احتیاط رکھیں کہ جو ضروری اور کانفیڈنشل خط ہو وہ بذریعہ رجسٹری روانہ کریں۔

لاہور ۲۴ رنومبر ۱۹۰۶ء   شاہدین

P.S. کیا آپ نے اس لفافہ میں جس میں پرائیویٹ سیکرٹری کا جواب بھیجا تھا۔ اس خط کی نقل بھی میرے ملاحظہ کے لئے بھیجی تھی جو کہ پرائیویٹ سیکرٹری کو لکھا گیا تھا۔ اگر نقل بھیجی تھی تو اخبار پنجابی کو میرے نام کا لفافہ مل گیا ہے اور اس میں سے وہ نقل لے کر اس نے شائع کر دی ہے۔   شاہدین

۱؎ عطیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد

بنام نواب محسن الملک

(۴)

مخدومی مکرمی جناب نواب صاحب　　　　(لاہور)

آپ کا رجسٹری شدہ خط مجھے ابھی پہنچا ہے، اس خط سے معلوم ہوا کہ مجھے آپ کے خطوط نہیں پہنچے۔

(۱) خط مورخہ ۹ ر نومبر جس میں خط موسومہ پرائیویٹ سیکرٹری کی نقل میرے ملاحظہ کے لئے ملفوف تھی ملا

(۲) خط مورخہ ۲۰ ر نومبر جس میں جناب پرائیویٹ سیکرٹری کی نقل ملفوف تھی۔

خط مورخہ ۲۴ ر نومبر جس میں آپ نے دوبارہ پرائیویٹ سیکرٹری کے خط کی نقل بھیجی ہے مجھے پہنچ گیا ہے (اصل میں یہ خط مورخہ ۲۳ ر نومبر کا ہے نہ کہ ۲۴ نومبر) علاوہ ازیں رچرڈس صاحب کے خط کی نقل آپ کے خط مورخہ ۲۳ ر نومبر کے ساتھ مجھے پہنچ گئی ہے۔

تعجب یہ ہے کہ باقی خطوط مجھے پہنچتے رہے ہیں صرف دو خطوط مورخہ ۹ ر نومبر و ۲۰ ر نومبر نہیں ملے۔ اور انہیں دو خطوط میں ضروری نقول ملفوف تھیں۔

آپ نے پنجابی کے نوٹ میں دیکھا ہوگا۔ کہ اس نے یہ نہیں لکھا ہے کہ آپ نے ایک ہی خط چار افسران کے نام بھیجا ہے .... یہ بات کہ ان سب افسران کے پاس آپ نے خطوط لکھے ہیں پنجابیؔ کو صرف اس صورت سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اگر آپ نے خط مورخہ ۹ ر نومبر میں خط موسومہ پرائیویٹ سیکرٹری کی نقل بھیجتے وقت مجھے بھی یہ لکھا ہو کہ ان افسران کے نام اس مضمون کے خطوط روانہ کئے گئے ہیں۔ کیا آپ نے اس خط میں ایسا لکھا تھا۔ میں نے آپکا خط مورخہ ۶ ر نومبر پھر پڑھا ہے (جو میرے پاس موجود ہے) اس میں آپ نے لکھا تھا کہ میری تحریک کے مطابق آپ ان سب افسران کو خطوط لکھیں گے پس خط مورخہ ۹ ر نومبر میں اس امر کے دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اگر آپ نے اس خط میں دوبارہ مجھے یہ لکھا تھا تو اس میں شک نہیں رہتا کہ پنجابیؔ کو اسی خط سے یہ اطلاع ملی ہے۔ اس امر کے متعلق آپ مجھے بواپسی ڈاک اطلاع بخشیں کیونکہ میں پوسٹ ماسٹر جنرل کے پاس اس معاملہ کے متعلق جو کہ نہایت سنگین اور اہم ہے ان واقعات کی بنا پر شکایت کرنا چاہتا ہوں تاکہ وہ اس کی نسبت انتظامیہ طور سے تحقیقات کریں

اخبار پنجابیؔ نے پھر ایک پرچے میں اس مضمون پر دوبارہ ایک نوٹ لکھا ہے۔ اس پرچے کی ایک کاپی میں آپ کو کل بھیجوں گا۔

کیا آپ کے دفتر میں کوئی ایسا شخص نہیں جو پنجابی کو ایسے خطوط کی نقل بھیج سکتا ہے۔

۲۸ ر نومبر ۱۹۰۶ء　　　　شاہدین

بنام منشی محمد الدین فوقؔ

(۵)

جناب من!

آپ کا خط ملا۔ میں نے آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں[۲] کی تحریر پر اپنے کشمیری مسلمان بھائیوں کے فائدہ

---

[۱] عطیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد　[۲] آنریری سیکرٹری علی گڑھ کالج۔

کی نظر سے (مسلم ایجوکیشنل) کانفرنس کا پریذیڈنٹ ہونا منظور کیا ہے اور میں حتی الامکان ان کی مدد کر کے نہایت خوش ہونگا۔

(خان بہادر میاں) شاہدین[1]

۳ر جون ۱۹۱۳ء (بی اے - بیرسٹر ایٹ لاء جج چیف کورٹ پنجاب)

(۶)

بنام منشی محمد الدین فوقؔ

جناب من!

آپ کے دو خط پہنچے۔ پہلے خط کے ساتھ اخبار کشمیری کے چند پرچے جو آپ نے بھیجے تھے وہ میں نے ملاحظہ کئے پرچہ اور رسالہ کشمیر کے لئے میں اس اخبار کو آپ بیات مقصود کرتا ہوں۔ گو پرچہ اور کشمیر کے حالات پڑھکر مجھے افسوس ہوا میں کشمیر پہنچکر جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا ان معاملات میں ان کی مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔

افسوس ہے کہ مہاراجہ صاحب نے سری نگر میں کانفرنس (مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ) کے انعقاد کو نامناسب سمجھا ہے اس کے متعلق میں صاحبزادہ صاحب (آفتاب احمد خان) سے خط و کتابت کر رہا ہوں اور مناسب کارروائی کی جائے گی۔ میرا ارادہ ہے ۸ ماہ اگست کو لاہور سے سری نگر روانہ ہونے کا ہے۔ اس تاریخ کے بعد اگر ضرورت پڑے تو آپ مجھے بوسٹ ماسٹر سری نگر کی معرفت خط لکھ سکتے ہیں۔

(خان بہادر میاں) شاہدین

۲۴ر جولائی ۱۹۱۳ء (بی اے - بیرسٹر ایٹ لاء - جج چیف کورٹ پنجاب)

---

[1] آپ باغبانپورہ لاہور کے مشہور میاں خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ۲ اپریل ۱۸۶۸ء کو پیدا ہوئے۔ بی اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۱۸۸۹ء میں انگلستان روانہ ہوئے ۱۸۹۱ء میں بیرسٹری کر کے واپس آئے۔ اور اپنے انگریزی لکچروں اور مدلل تقریروں سے اپنی علمیت اور جودت طبع کی دھاک بٹھائی۔ ولایت سے آنے کے تین سال بعد انہوں نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں مسلمانان پنجاب کی تعلیمی حالت پر ایک پرمغز اور مدلل لکچر دیا۔ سرسید احمد خاں اس لکچر کی عمدگی اور مقرر کی سنجیدگی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے آئندہ سال ان کو محمڈن کانفرنس کی صدارت پیش کی۔ اس وقت ان کی عمر ۲۶ سال تھی۔ ۱۹۱۳ء میں وہ دوبارہ کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے اور ان کا خطبۂ صدارت فصاحت اور نوعیت تجاویز کے لحاظ سے بہت پسند کیا گیا۔ یہاں تک کہ قوم نے انہیں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی دوسری نشست منعقدہ مارچ ۱۹۱۰ء کا صدر منتخب کیا۔

حکومت نے انہیں یکے بعد دیگرے امتیازات عطا کئے۔ پہلے وہ پنجاب یونیورسٹی کی مجلس انتظامیہ کے رکن تھے۔ اب وہ پنجاب کی مجلس وضع قوانین کے رکن نامزد کئے گئے۔ پھر عدالت عالیہ میں جج مقرر ہوئے۔ جہاں وہ عارضی طور پر چیف جج کے عہدۂ جلیلہ تک پہنچ گئے۔ ۲ جولائی ۱۹۱۸ء کو انتقال کیا۔ ہمایوں اردو کے بہت اچھے شاعر تھے۔ اقبال نے قطعہ تاریخ وفات میں انہیں "علامہ ضیغم" کہا ہے۔ ایک اور نظم میں فرمایا ہے:

اے ہمایوں! زندگی تیری سراپا سوز تھی — تیری چنگاری چراغ انجمن افروز تھی

گرچہ تھا تیرا تن خاکی نزار و دردمند — تھی ستارے کی طرح روشن تری طبع بلند

کس قدر بیباک دل اس ناتواں پیکر میں تھا — شعلۂ گردوں نورد اک مشت خاکستر میں تھا

موت کی لیکن دل دانا کو کچھ پروا نہیں — شب کی خاموشی میں جز ہنگامۂ فردا نہیں

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی — ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

رسالہ ہمایوں لاہور جنوری ۱۹۲۲ء میں ان کی یادگار کے طور پر جاری کیا گیا آج تک ان کا نام زندہ رکھے ہوئے ہے۔ (محمد عبداللہ قریشی)

حکیم فقیر محمد چشتی نظامی

بنام محمد الدین فوق

(۱)

فقیر نواز! اسلام علیکم - مزاج شریف -

کثرت مشاغل - مریضوں کی الجھنیں بعض مرتبہ اپنے خاص عنایت فرماؤں سے بھی مجھے محجوب بنا کے چھوڑتی ہیں - پچھلی مرتبہ جناب نے طبی مضامین کے لئے یاد فرمایا - مگر کچھ اس قسم کا کوتاہ قلم ہوں کہ اعتذار تک کا خط نہ لکھ سکا آپ نے کتاب کیا عنایت فرمائی - گویا میرے سکوت غیر طبعی کے چراغ پر ایک دیا سلائی کھینچی ہے - اچھا جلائیے اور خوب جلائیے - کبھی نہ کبھی تو اس ایک آنچ کی کسر آخر نکلے گی -

فقیر نظامی[۱]

تاریخ ندارد - غالباً ۱۹۱۵ء کا ہے -

بنام زبدۃ الحکماء حکیم نور احمد نعمانی

(۲)

عزیزم حکیم نور احمد صاحب - السلام علیکم

بیاض نور الدین بھیج رہا ہوں - یہ تو میرے پاس بھی ہے - ایک پہلی بیاض نور الدین قادیان سے شائع ہوئی تھی جو میرے پاس موجود تھی - اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا - میں یہ سمجھا تھا کہ شاید وہ بیاض میں نے تمہیں دے رکھی ہے - پرسوں جب آپ آئیں گے - تو زبانی کہوں گا - کیونکہ آج سر شام مجھے شیخ محمد نقی صاحب کے ہاں کا بلاوا ہے اور سر شام وہاں چلا جاؤں گا -

---

[۱] مجگاؤں ضلع لدھیانہ وطن، حکیم فقیر محمد صاحب بڑے بامذاق اور زندہ دل بزرگ تھے - طبیعت نہایت سلجھی ہوئی پائی تھی - برسوں دہلی میں رہے - حکیم عبد المجید خاں کے قابل شاگردوں میں سے تھے - لاہور میں طبابت کرتے تھے اور وقت کے ممتاز ترین طبیبوں میں گنے جاتے تھے - یہیں اکتوبر ۱۹۳۷ء میں وفات پائی اور میانی میں مدفون ہیں - ان کی مجلس ہر وقت گرم رہتی تھی - شاعر، اخبار نویس، علمی مذاق کے لوگ ان کی صحبت سے بہت مستفیض ہوتے تھے - وہ خود اعلیٰ درجے کے زباندان، شاعر، ادیب، خوش نویس اور مصور تھے - عبد المجید بعد میں رقم حکیم صاحب ہی کے شاگرد تھے -

(محمد عبد اللہ قریشی)

[۲] حکیم فقیر محمد چشتی بعد میں خطاب شفاء الملک -

کو رنگے والوں میں سے ابھی تک کوئی نہیں آیا۔ ورنہ آئندہ امید ہے۔ ہاں اگر مریضہ کی طبیعت خراب ہوتی تو ان کے آنے کی امید تھی۔ والسلام

فقیر نظامی　　۸ر فروری ۱۹۳۳ء

(۴)

بنام زبدۃ الحکماء حکیم نور احمد نعمانی

(سری نگر کشمیر۔ رام منشی باغ۔ کوٹھی لمبار صاحب شکاری)

عزیز مکرم حکیم نور احمد صاحب!

السلام علیکم دونوں خط ایک ہی ڈاک سے پہنچے۔ میاں صاحب نے تو اسی وقت جواب لکھوا دیا تھا میں دو روز کے لئے پیچھے پڑ گیا۔ کیونکہ ہم لوگ گلمرگ چلے گئے تھے۔ میاں صاحب نے واپسی کے وقت گھوڑا چھوڑ کے خوب لوکرے لگائے۔ جب تھک گئے تو سوار ہوئے۔ پھر رات کو ایسے گھوڑے بیچ کے سوئے کہ صبح کی خبر لائے طبیعت میں کسمساہٹ اور تھکاوٹ تھی۔ لیکن صبح کی چہل قدمی اور ہوا خوری مزہ سکی۔ اب اس وقت نمائش میں تشریف لے گئے ہیں اس مہینے کی ۱۵ تاریخ تک بھیڑ چھٹ گئی۔ اب پنجاب کے اکا دکا لوگ نظر آتے ہیں۔ گلمرگ میں بھی وہ ہجوم نہیں۔ اکتوبر کی پندرہ تاریخ تک ڈاکخانہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ الغرض رواروی کا عالم ہے ؎

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں　　بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

اللہ کو منظور ہوا تو اگلے مہینے کے پہلے ہفتہ تک ہم بھی لاہور کی گہما گہمی آ دیکھیں گے۔ کشمیر بیشک دیکھنے کی جگہ ہے۔ یہاں کی زمین میں وہ قوت نامیہ موجود ہے کہ سوکھی چیز ہری ہو جاتی ہے ؎

ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر در آید الخ

اس شعر کا مصداق بے شک یہ خطہ جنت نظیر ہے۔ پہنچیں گے تو زبانی بیان کریں گے۔ خط میں اس داستان کو کہاں تک لکھا جائے۔

بچی کا علاج بالکل صحیح طریق پر ہو رہا ہے۔ اوزان کے بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ فنا تولید دم ہوئی ورم وغیرہ سب تحلیل ہو جائے گا۔ اطمینان سے کام کئے جایئے۔ عجلت کی ضرورت نہیں۔ حالات اچھے ہیں۔ سب کی خدمت میں ما وجب کہہ دیجئے گا۔ والسلام

فقیر نظامی　　۲۵ر جولائی ۱۹۳۶ء

(نوٹ) یہ خط اس زمانے کی یادگار ہے۔ جب صوبہ بہار کی ریاست تکاری کے ولی عہد کمار صاحب شکاری کی رانی بیمار ہو کر حکیم صاحب کے زیر علاج تھی اسے حکیم صاحب کے علاج سے فائدہ تو ہوا۔ مگر وہ لاہور کی گرمی برداشت نہ کر سکی۔ رانی نے حکیم صاحب کو مجبور کیا کہ وہ اس کے ساتھ کشمیر چلیں۔ حکیم صاحب نے اکیلے جانا پسند نہ کیا۔ اپنے دوست میاں جلال الدین برادر میاں احمد دین بی اے۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ لاہور کو بھی ہمراہ لے لیا۔ اور اپنے مطب کی نگرانی حکیم فدا احمد نعمانی کے سپرد کر دی۔

(محمد عبداللہ قریشی)

بیخود دہلوی

(۱)

بنام سید دل محمد قضا

مکرم بندہ!

سلام علیکم۔ آپ کا پوسٹ کارڈ ملا۔ میں عرصہ سے بیمار اور صاحب فراش ہوں۔ میرے دو دیوان چھپ چکے ہیں۔ ایک دیوان میں میری تصویر بھی ہے اور مقدمہ میں میری سوانح عمری بھی درج ہے۔ میری سوانح عمری میں زیادہ تر شاعری ہے۔

گھوڑے کی سواری اور شکار کا شوق ہے۔ اگر آپ چاہیں تو دونوں دیوان بذریعہ وی۔پی بھیج دوں جن کی قیمت پانچ روپیہ ہے۔

بیخود دہلوی۔ دلی (مٹیا محل) ۲۶ فروری ۱۹۴۹ء

---

(۲)

بنام سید دل محمد قضا

مکرمی!

وعلیکم السلام۔ میری ۹۱ برس کی عمر ہے۔ حافظہ جواب دے چکا۔ رعشہ کے سبب سے اپنے قلم سے اپنا نام بھی نہیں لکھ سکتا، آپ لکھتے ہیں بواپسی جواب دیجئے۔ میں نے دس گیارہ برس کی عمر میں سب سے پہلا شعر یہ کہا تھا ؎

دل سے نکل گیا کہ جگر سے نکل گیا

تیر نگاہ یار کدھر سے نکل گیا

اس عمر میں یہ بھی نہ سمجھ سکتا تھا کہ میں نے شعر کہا ہے۔ جس کو سناتا تھا اس سے کہتا تھا کہ مجھے شعر یاد آگیا ہے۔ امانت کی غزل اس زمین میں تھی اسے دیکھ کر کہہ لیا تھا۔ بیماریوں سے پہلے میرا دماغ بہت صحیح تھا۔ مجھ پہ تخلص کا اثر کیا ہو!!۔

دو دیوان میں نے چھپوائے ہیں۔ ایک شروع کا دیوان قلمی میرے پاس ہے۔ اس سے پہلے کا کلام ایک دیوان کے قریب تھا اس کو ابتدائے عمر کا کلام سمجھ کر جلا دیا۔ میرے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ مقطع ـــ

زباں استاد کی بیخود تو ہو مضمون مومن کا
بیاں غالب کا ہو اشعار کی یہ شان پیدا کر

تمام عمر کسی قسم کا کوئی نشہ نہیں کیا البتہ حقہ پیتا ہوں۔ ایک رباعی عرض کرتا ہوں ـــ

بوڑھا ہوں مگر طبع جواں رکھتا ہوں — صورت پہ نہ جا حسن بیاں رکھتا ہوں
ملتی ہے مجھے داد فصاحت بیخود — میں قلعۂ دہلی کی زباں رکھتا ہوں

نیاز مند: بیخود دہلوی۔ دلی (مٹیا محل)، ۳۰ راپریل ۱۹۵۱ء

مولانا محمد عرفان

بنام مہر صاحب

(۱)

جناب محترم و صدیقی الاکرم غلام رسول خاں صاحب "مہر" دام فضلہم ۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔ میں اس سے قبل ایک عریضہ لکھ چکا ہوں مگر نہ معلوم اس کا کیا حشر ہوا، آج دوسرا عریضہ لکھتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ کم از کم فوراً جواب تو آپ لکھ دیں گے۔

مولانا محمد علی صاحب ایڈیٹر "کامریڈ" "ہمدرد" کے لئے آپ کی خدمات حاصل کرنا چاہتے ہیں، مجھے متعدد دفعہ مولانا نے فرمایا کہ میں آپ کو خط لکھوں مگر بعض وجوہ کی بنا پر میں نے اسے مناسب نہیں سمجھا تھا۔ لیکن کل مولانا نے "ہمدرد" کی بہت ہی نازک حالت بتلا کر مجھ سے ٹیلیفون پر یہ فرمایا کہ "مہر" صاحب کو تار دے دو، وہ صرف ایک دن کے لئے دہلی تشریف لے آئیں، چند باتیں کرنے کے بعد پھر وہ لاہور تشریف لے جائیں اور جب معاملہ طے ہو جائے تو مطمئن ہو کر دہلی تشریف لے آئیں۔

ہم لوگوں کی ایک عرصہ سے یہ خواہش ہے کہ کسی طرح آپ کو دہلی میں بلایا جائے اور پھر یہیں کوئی قیام کی صورت پیدا کی جائے۔ اگر "الجمعیت" کی حالت اس قابل ہوتی تو اب تک میں یہ .... کام کر چکا ہوتا کہ آپ کو دہلی تشریف لانے کی دعوت دیتا مگر "الجمعیت" غریب اگر اسی رفتار کے ساتھ زندہ رہ سکے تو اسے بھی غنیمت سمجھنا چاہئے، اس لئے کہ بغیر کسی سرمایہ اور بہترین عملہ ادارت کے جس طرح بھی اپنے وقت پر نکلتا رہے غنیمت ہے۔ والوجود اعز من العدم وان کان وجود الہیولیٰ۔

اب اللہ تعالیٰ نے ایک صورت پیدا کی ہے کہ آپ دہلی تشریف لا سکیں، مولانا محمد علی صاحب کے پاس کوئی شخص نہیں جو اخبار کی شان کو قائم رکھ سکے۔ وہ سخت پریشان ہیں، واقعی اگر آپ تشریف نہیں لائیں گے تو تعجب نہیں کہ "ہمدرد" ختم ہو جائے۔

اگر آپ دہلی قیام فرمانا قرین مصلحت نہ خیال کریں تو بھی صرف دو روز کے لئے تشریف لے آئیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ مولانا محمد علی صاحب کو یہ معلوم ہو جائے کہ اخبار نویسی کسے کہتے ہیں اور "ہمدرد" کی کیا شان ہونی چاہئے تھی

صرف دو روز کے قیام کے بعد آپ چلے جائیے گا۔
آمد و رفت کا کرایہ میرے ذمہ ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو بذریعہ تار کرایہ بھیجا جائے۔
اگر آپ نے دہلی کا قیام منظور فرمالیا تو جس طرح آپ چاہیں معاملہ طے ہو جائے گا۔ بہر کیف آپ کی مرضی کے موافق تمام معاملات ہوں گے[1]

۳۱ مارچ ۱۹۲۵ء		جواب کا طالب محمد عرفان[2]

---

(۲)

بنام مہر صاحب

جناب محترم مولانا غلام رسول خاں صاحب دام علاہم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ میرا خیال کراچی سے لاہور جانے کا تھا مگر رفقائے کار کا یہ مشورہ ہوا کہ اس وقت تمام ارکان کو پہلے دہلی چلنا چاہیے اور فوراً مشورہ کرکے پھر کہیں جانا چاہیے۔ دہلی میں آکر پھنسیوں کی وجہ سے نقل و حرکت سے معذور رہا۔ ذرا حالت سنبھلی تھی کہ پانی پت ایک دن کے لئے چلا گیا۔ گر وہاں مولانا ظفر علیخاں صاحب کی وجہ سے چار دن صرف ہو گئے اور کام کرنے کی وجہ سے پھر تکلیف بڑھ گئی۔ اب میں بحمداللہ بالکل صحیح و سالم ہوں۔ پھنسیاں اچھی ہو گئی ہیں۔ اسی ہفتہ میں خدا نے چاہا تو حاضر خدمت ہوتا ہوں۔ اگر آپ اس ہفتہ مکان جانے کا ارادہ نہ کریں تو میں لاہور پہنچوں ورنہ جب آپ واپس آجائیں اس وقت حاضر ہوں۔
پیر یا منگل کے دن یہاں سے چلنے کی کوشش کروں گا۔
آپ گھر ہو آئیں ہم انشاءاللہ ستمبر کے پہلے ہفتہ میں آئیں گے۔ سالک صاحب سے سلام فرمائیے۔ مولانا عبدالحلیم صاحب آپ کو اور سالک صاحب کو سلام فرماتے ہیں۔

محمد عرفان

---

(۳)

بنام مہر صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔
صدیقی العزیز جناب محترم مولانا غلام رسول صاحب، مہر ایڈیٹر "انقلاب" دام مجدہم
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ عید کے بعد انشاءاللہ ملاقات ہوگی۔ میں چند روز کے لئے بہاولپور جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ڈاکٹر علامہ اقبالؔ کا کل ایک خط موصول ہوا ہے۔ حسب ارشاد ڈاکٹر صاحب جناب کو اطلاع دے رہا ہوں کہ ان کا پہلا پروگرام منسوخ ہو چکا ہے۔ اب وہ ۱۰ر فروری کو وینس سے کانٹے ورڈی اٹالین جہاز پر سوار ہوں گے۔ اور ۲۲ر فروری کی صبح کو بمبئی پہنچیں گے۔ ڈاکٹر صاحب کے مکان پر بھی اطلاع دے دیجئے گا نیز اخبار میں اعلان فرمادیں۔ سالک صاحب سے سلام فرمائیے۔

آپ کا قدیم نیاز مند محمد عرفان

---

[1] میں نے معذرت کر دی تھی، اس لئے کہ خاص حالات و مقاصد کے پیش نظر اس وقت زمیندار چھوڑ کر نہ جا سکتا تھا۔ [2] سیکرٹری خلافت کمیٹی۔

مہدی بیگم

(۱)

بنام سید دل محمد فضا

جناب محترم!

آداب۔ آپ کا عنایت نامہ ملا۔ خوشی ہوئی کہ آپ مکاتیب مہدی کے بارے میں میری امداد کی پوری کوشش فرما رہے ہیں۔
افادات مہدی کی اشاعت جب ہونے کی تھی تو اس کی مانگ اس کثرت سے ہوئی کہ شائع شدہ جلدیں اتنی جلد ختم ہو گئیں کہ تعجب ہوا۔ پھر
کے بعد برسوں لوگوں کے خطوط کتاب کے لئے میرے پاس آتے رہے۔ بعد کو میں نے خطوط کے جواب دینے بند کر دئے۔ آخر کہاں تک ہر ایک کو جواب دیتی آخر کو
جب لاہور یونیورسٹی کے کسی امتحان کے کورس میں داخل ہوئی جس کی اطلاع مجھے پروفیسر صاحب یعنی محمد شفیع صاحب نے دی۔ آپ نے لکھا کہ تب ان کو
چاہئے تھا کہ اس کی کافی اشاعت کرا دیتے۔ اس وقت میں نے سید سلیمان صاحب ندوی کے ذریعہ اس کا انتظام کیا اور میں نے خود افادات کو کورس
میں داخل کرنے کی کوئی تحریک نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ اس کے کورس میں داخل ہونے کے اسباب کیا ہوئے۔
اب عرصہ سے مکاتیب کی اشاعت کے لئے بھی اکثر اصحاب کے خطوط میرے پاس آتے رہے میرا خیال تھا کہ افادات کی طرح اس کی بھی مانگ ہوگی اس
خیال سے میں نے اس کی اشاعت کافی کرائی تھی ... مگر علمی مذاق کی آج کل سرد بازاری ہو رہی ہے کہ افسوس ہوتا ہے کہ کتابیں الماریوں کی چھاتی کا بوجھ ہو رہی ہیں۔ اس
چاہتی ہوں کہ کم سے کم جس قدر کتابیں چھپ چکی ہیں وہ نکل جائیں۔ غرض اس کے لئے آپ اپنی پوری سعی سے کام لیکر میری امداد فرمائیں اور آپ کے حلقہ احباب میں بھی
جو اصحاب ایسے ہوں جن کی کوشش سے میں کامیاب ہو سکے ان کے ذریعہ سے مدد لیجئے۔ اس کے لئے میں آپ کی بہت ممنون ہوں گی۔ امید ہے اب
فضا بیگم صاحبہ کی صحت سنبھل گئی ہوگی اور آپ بھی اچھے ہوں گے ـــــ ہاں مکاتیب کی قیمت [illegible] صاحب نے بھیج دی۔ والسلام!

مہدی بیگم۔ بسنت پور ۱۸/اگست ۱۹۳۲ء

---

(۲)

بنام سید دل محمد فضا

جناب محترم!

آداب۔ آپ کی تحریر کے مطابق ۵، ۶ خطوں کی نقل آپ کو بھیج رہی ہوں۔ لیکن آپ اپنے مضمون کے ساتھ ان میں) [illegible] خطوط

سے زیادہ رسالہ میں نہ چھپا سکے گا کیونکہ میرا ارادہ انشاءاللہ ان کا بھی مجموعہ شائع کرانے کا ہے۔

مرحوم اپنے سے الگ ہو کر میرا وطن جانا گوارا نہیں کرتے تھے۔ ایسی ہی سخت مجبوریوں کی حالت میں تنہا وطن جاتی تھی، ایک آدھ مہینے کے لئے تو ایسی حالت میں ہم لوگوں کی ڈاک کا سلسلہ روزانہ جاری رہتا تھا یا جب میں ان کے پاس رہتی تھی اور ان کا دورہ کا زمانہ ہوتا تھا تو دورہ سے بھی روزانہ چپراسیوں کے ذریعہ دو طرفہ ڈاک کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور روزانہ خطوط کے سلسلہ کے ساتھ بھی ان کے خطوط ۴، ۶ صفحے سے کم کے نہیں ہوتے تھے اور کبھی کبھی ۸، ۱۰ صفحے کے ہوتے تھے۔

ان کی دائمی جدائی نے مجھے مدتوں قریب قریب پاگل بنا دیا تھا۔ تندرستی اتنی خراب ہوگئی تھی کہ زندگی کی امید نہیں تھی اس روح فرسا صدمہ نے میرے دل و دماغ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بالکل بیکار کر دیا۔ جو کچھ کمی تھی وہ شاہد کی وفات نے پوری کر دی۔ نہایت ہی محبتی، فرمانبردار اور جفاکش بچہ تھا۔ اپنے مقدور بھر ۲۴ گھنٹے میرا غم بٹانے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔

ہاں تو اسی زمانے میں میں نے ان کی وفات کے بعد اس خیال سے کہ میرے بعد یہ خطوط بچوں کے کھلونوں میں جائیں گے اس لئے میں نے ہر خط میں صفحے کے صفحے قلمزد کر کے ان پر سادے کاغذ چپکا دئے۔ کیونکہ اس وقت مجھے ان کی اشاعت کا خیال بھی نہیں تھا لیکن اب بڑی لڑکی جمیلہ کے اصرار سے اور دو مرحوم کے دوستوں کے اصرار سے ان کے شائع کرنے کا ارادہ ہوا لیکن اس کا انتظار ہے کہ موجودہ مکاتیب کی کچھ جلدیں نکل جائیں تو اس کا سلسلہ شروع کر دوں۔

افادات جب میں نے شائع کی تھی تو پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر صاحب نے اپنے ہاں بی۔ اے کے کورس میں داخل کر لی۔ اس کے بعد مولوی فاضل اور منشی فاضل کے نصاب میں بھی داخل کر لی گئی لیکن نہ تو میں نے کوئی کتاب پروفیسر صاحب کو بھیجی نہ ان سے اس کی درخواست کی۔ نہیں معلوم کہاں سے انہوں نے کتاب دیکھی۔ جب یہ نصاب میں داخل ہوگئی تو پروفیسر صاحب نے مجھے لکھا کہ افادات فلاں فلاں کورس میں داخل کر دی گئی ہے لہٰذا جہاں تک جلد ممکن ہو آپ اس کی کافی اشاعت کرائیے اس وقت میرے پاس جتنی جلدیں چھپی تھیں وہ قریب قریب ختم تھیں اس لئے میں نے سید سلیمان صاحب ایڈیٹر معارف کو اشاعت کی اجازت دے دی۔ اسی زمانے سے ان کے ہاں چھپ کر فروخت ہو رہی ہیں۔ لیکن مکاتیب کے لئے کوئی دو تین ہفتے ہوئے پنجاب سے خط مع چھپے ہوئے قوانین کے آیا تھا اور اس میں بہت سی شرائط ہیں۔ ۸ جلدیں مانگی ہیں تاکہ جن جن کے متعلق نصاب بنانا ہے وہ لوگ دیکھیں اور سانسے پاس کریں وغیرہ وغیرہ۔ غرض مجھے اس میں بڑی طوالت معلوم ہوتی ہے۔ کون یہ دردسری مول لے۔ میں نے ایک کتاب بھیج دی تھی۔ پھر وہاں سے اسی مضمون کا خط آیا لیکن میں نے اس کا جواب نہیں دیا۔ فقط!

مہدی بیگم جگت نرائن روڈ ۲۵ لکھنؤ ۱۲ نومبر ۱۹۳۵ء

مشاہیر ادب

محمد عبد اللہ قریشی

غالب

غالب ۸ رجب ۱۲۱۲ھ یعنی ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء کو اکبر آباد میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو دہلی میں وفات پا گئے۔ ان کا نام اسد اللہ خاں عرف مرزا نوشہ تھا۔ نجم الدولہ دبیر الملک، نظام جنگ خطابات تھے۔ وہ ترک نسل سے تھے۔ ان کی شخصیت میں مغلوں کے تجمل اور شکوہ کی رُوح سمائی ہوئی تھی۔ غالب کا زمانہ انحطاط و زوال کا زمانہ تھا۔ لیکن یہ انحطاط و زوال سیاسی، سماجی اور معاشی تھا، علمی اور ادبی لحاظ سے تو وہ زمانہ بقول حالی عہد شاہجہانی کی یاد دلاتا تھا ــــــ غالب کی ساری زندگی کشمکش میں گزری۔ زندگی نے انہیں ہر قدم پر آنکھیں دکھائیں لیکن یہ زخم خوردہ و دل شکستہ کبھی بھی زندگی کی دوڑ میں پیچھے نہ رہے وہ ہر حال میں زندگی بسر کرنا جانتے تھے ــــــ بچپن کی یتیمی زمانے کی ناسازگاری، پنشن اور جائداد کی ضبطی، مسلسل بیماری، گھریلو ناآسودگی، یہ تھے وہ وجوہات جن کی وجہ سے زندگی کا مسکراتا ہوا پھول کانٹا بن کر ان کے دل میں چبھ گیا تھا اور ہر لحظہ ایک نئی کسک ایک نئی تڑپ کے ساتھ اپنے وجود کا احساس دلاتا رہتا ــــــ ان حالات کے زیر سایہ غالب کی ذہنی نشو و نما ہوئی۔ ان کی شخصیت اس ہیرے کے مانند ہو گئی جو کئی پہلو رکھتا ہو اور ہر پہلو اپنے اندر ایک نئی اور انوکھی دنیا رکھتا ہو ــــــ یہ دنیا ان کی شاعری میں بھی ملتی ہے اور خطوط میں بھی۔ اگرچہ اُن کا نام شاعری کی وجہ سے سربلند ہے لیکن ان کے خطوط بھی کسی طرح شاعری سے کم نہیں۔ ان میں اُن کی فطری شگفتگی اور بذلہ سنجی بھی ہے۔ ان کا درد، انسانیت اور غم دوراں بھی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس زمانے کے سیاسی، سماجی اور معاشی ماحول کی جھلکیاں بھی مل جاتی ہیں ویسے یہ خط ان کی دوستانہ محبت، شفقت اور خلوص سے مملو ہیں۔ ان کا انداز سادگی اور بے تکلفی کا پہلو لئے ہوئے ہے۔

سید نذیر حسین محدث دہلوی

شمس العلما سید نذیر حسین عرف میاں صاحب محدث دہلوی، سورج گڑھ ضلع مونگیر کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد کا نام سید جواد علی تھا۔ آپ کے بزرگ اورنگ زیب کے عہد میں عہدۂ قضاۃ پر مامور تھے۔ ۱۲۳۶ھ میں جب سید احمد شہید بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی پٹنہ گئے تو آپ وہاں موجود تھے۔ کچھ دنوں الہ آباد میں رہ کر علم حاصل کیا۔ پھر دہلی تشریف لائے اور مولوی عبد الخالق، مولانا شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد تیرہ برس مولانا شاہ محمد اسحٰق کی خدمت میں رہ کر حدیث اور تفسیر پڑھی۔ چنانچہ ۱۲۵۸ھ میں انہوں نے آپ کو اجازت علوم حدیث دے کر سند الوقت کر دیا۔ آپ نے دہلی میں قرآن و حدیث کا درس شروع کیا تو سینکڑوں شاگرد فیض یاب ہوئے۔ اگرچہ کثرت اشغال اور جواب استفتا سے آپ کو فرصت کم ملی، پھر بھی معیار الحق، واقعۃ الفتویٰ، ثبوت الحق الحقیق، فلاح الولی باتباع النبی، ابطال عمل المولد وغیرہ چند رسالے آپ نے لکھے۔ ایک رسالہ

عورتوں کے زیوروں کے بیان میں تحریر فرمایا۔ ۱۳۱۰ھ میں آپ حج کو تشریف لے گئے اور ۱۰ رجب ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو سفرِ آخرت اختیار کیا۔ آپ کا مزار شیدی پورہ (دہلی) کے قبرستان میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

سر سید احمد خاں سر سید ۱۸۱۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۸۳۹ء میں دہلی میں سر رشتہ داری کے عہدے پر مقرر ہوئے۔ ۱۸۴۱ء میں منصفی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۴ء تک دہلی کے عہدہ امین رہے۔ اسی زمانے میں انہوں نے مشہور کتاب "آثار الصنادید" لکھی۔ ان کی بہت سی کتابیں اور بھی ہیں۔ ۱۸۶۶ء میں انہوں نے ایک انجمن قائم کی جس کا نام "برٹش انڈین ایسوسی ایشن" تھا۔ اور سائنٹیفک سوسائٹی کا ایک ماہوار رسالہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے نام سے نکالا۔ ۱۸۶۹ء میں انگلستان گئے، واپس آکر اپنا مشہور رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا۔ اس رسالے نے بہت بڑے بڑے کام کئے۔ مہدی افادی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "ساری نئی نسل تہذیب الاخلاق کی پروردہ ہے"۔ سر سید کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک نئی تحریک پیدا کی جس میں اور بہت سے لوگ بھی شامل ہوئے اور اس طرح انہوں نے اردو ادب کی بیش بہا خدمت کی ——— ۱۸۷۰ء میں یہ سرکاری ملازمت سے کنارہ کش ہو گئے اور بقیہ عمر تعلیمی اور سیاسی مشاغل میں گزار دی۔ بالآخر ۱۸۹۸ء میں وفات پا گئے۔

مولوی محمد حسین آزاد محمد حسین مولوی باقر علی کے فرزندِ ارجمند تھے۔ ابتدائی تعلیم ذوق کے سایۂ عاطفت میں ہوئی۔ باقی تعلیم دہلی کالج سے حاصل کی۔ استاد ذوق کی صحبت کی وجہ سے ان کی ملاقات بڑے بڑے شعراء سے ہوتی رہی جس نے ان کے ذوقِ ادب کو اور بھی جلا دی۔ غدر کی صعوبتوں کی وجہ سے مارے مارے پھرتے رہے، مگر علم و ادب سے کنارہ کشی کبھی نہیں کی، بلکہ علمی و ادبی کاموں میں زندگی بھر پیش پیش رہے۔ ۱۸۶۴ء میں انجمنِ پنجاب قائم ہوئی۔ وہ اس کے بھی ممتاز رکن تھے۔ انجمن کے رسالہ کے ایڈیٹر بھی رہے ——— ان کو سیر و سیاحت کا بے حد شوق تھا لیکن ان کی سیر و سیاحت کی نوعیت بھی علمی و ادبی ہوا کرتی تھی۔ ۱۸۶۵ء میں حکومتِ ہند نے ایک مشن سنٹرل ایشیا کی سیاسی حالت کا جائزہ لینے کے لئے روانہ کیا، وہ بھی اس کے ایک رکن تھے۔ افغانستان کا سفر کرنے کے لئے انہوں نے پشتو سیکھی۔ ۱۸۸۵ء میں وہ سیاحتِ ایران کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں انہوں نے بہت استفادہ کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے کئی طویل سفر کئے ——— ان کا سلسلۂ تصانیف ۱۸۶۱ء میں شروع ہوا۔ تیس سال کے عرصہ میں انہوں نے لاتعداد کتابیں لکھیں جن میں سے سخندانِ فارس، دربارِ اکبری اور آبِ حیات کو شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔ انہوں نے بچوں کے لئے جو ریڈریں لکھیں وہ بھی بہت مقبول ہوئیں۔ وہ جدید اردو نظم کے اولین معماروں میں ہیں ——— ۱۹۱۰ء میں وفات پائی۔

امیر مینائی امیر احمد نام، امیر تخلص تھا۔ ایک بزرگ حضرت شاہ مینا کی اولاد سے تھے، اس لئے امیر مینائی کہلاتے تھے۔ ۱۸۲۸ء / ۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی کرم احمد کی نگرانی میں حاصل کی جو شرافت نسبی کے علاوہ جوہرِ ذاتی سے بھی بہرہ مند تھے۔ تعلیم کی بعض منزلیں فرنگی محل میں طے ہوئیں۔ وہیں سے شعر و شاعری کی ابتدا ہوئی۔ منشی مظفر علی اسیر کی شاگردی اختیار کرکے اس فن میں کمال حاصل کیا۔ اسی کی بدولت واجد شاہ کے دربار میں پہنچے اور دو کتابیں ارشاد السلطان اور ہدایت السلطان تصنیف کیں جو اب نایاب ہیں۔ لکھنؤ کے مشاعروں کی طرحی غزلوں کا ایک مجموعہ "غیرتِ بہارستان" بھی مرتب کیا تھا لیکن وہ طباعت و اشاعت سے پہلے ہی ہنگامۂ غدر میں تلف ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء میں نواب یوسف علی خاں والیٔ رام پور نے بلایا اور نہایت تعظیم و تکریم کی۔ بعد میں نواب کلب علی خاں نے ان کو اپنا استاد بنایا اور عدالتِ دیوانی کا حاکم مقرر کیا۔ ۴۲ سال رام پور میں رہے۔ میر نظام کے ایما سے داغ نے انہیں حیدر آباد بلایا۔ مگر جاتے ہی بیمار ہو گئے اور ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو انتقال کیا۔ بڑے متقی، پرہیزگار اور نیک نفس بزرگ تھے۔ مراۃ الغیب (نعتیہ دیوان)، صنم خانۂ عشق (دیوان)، محامدِ خاتم النبیین، مینائے سخن وغیرہ نظم میں، خیابانِ آفرینش

خانہ کے اسرار، زاد الامیر، شعرا کا ایک تذکرہ انتخاب یادگار نثر میں یادگار ہیں۔ امیر اللغات لکھنی شروع کی تھی مگر الف کی تقطیع کی دو جلدوں سے زیادہ نہ چھپ سکی۔ خطوط کا مجموعہ مکتوبات امیر مینائی کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

داغ دہلوی

نواب مرزا خاں داغ، نواب شمس الدین والی ریاست فیروز پور جھرکہ کے فرزند تھے۔ ۱۸۳۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کے انتقال کے بعد ان کی ماں نے مرزا محمد سلطان سے شادی کر لی۔ جس کی وجہ سے ان کی تعلیم و تربیت لال قلعہ میں ہوئی۔ استاد ذوق کے شاگرد ہوئے۔ مرزا محمد سلطان کی وفات اور غدر کے ہنگامے کی وجہ سے دہلی چھوڑ کر ریاست رام پور میں نواب کلب علی خاں کے مصاحب مقرر ہوئے۔ داغ نے ۲۴ سال نواب کی مصاحبت میں بڑے عیش و آرام سے گزارے۔ اور نواب کی ہمراہی میں حج بھی کیا۔ ۱۸۸۷ء میں نواب کی وفات کے بعد واپس دہلی گئے ۱۸۹۰ء میں سر آسمان جاہ کی طلبی پر حیدرآباد آ گئے اور باقی عمر وہیں بسر کی۔ داغ کی ساری زندگی بڑی فارغ البالی اور عیش و آرام سے بسر ہوئی۔ آخر بعارضۂ فالج ۱۹۰۵ء میں انتقال فرمایا۔

مولوی ذکاء اللہ دہلوی

شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ ۱۸۳۲ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام حافظ ثناء اللہ تھا۔ جو بہادر شاہ کے سب سے چھوٹے بیٹے مرزا کوچک سلطان کے اتالیق تھے۔ آپ نے قدیم دہلی کالج سے فارغ التحصیل ہو کر مدت تک سررشتہ تعلیم میں مختلف حیثیتوں سے درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔ ۱۸۶۲ء میں اورینٹل کالج لاہور کی پروفیسری کے واسطے نامزد ہوئے مگر اس عہدے کا چارج لینے سے پہلے میور سنٹرل کالج الہ آباد میں عربی و فارسی کے پروفیسر ہو گئے۔ جہاں سے ۲۶ برس کی ملازمت کے بعد پنشن پائی اور تقریباً چوبیس پچیس برس پنشن سے بہرہ یاب ہو کر ۱۹۱۰ء میں انتقال کیا۔ انہیں اردو زبان کی خدمت کا خصوصیت کے ساتھ زیادہ شوق رہا۔ متفرق مضامین کے علاوہ مستقل تصانیف بہ تعداد کثیر یادگار چھوڑیں۔ طبیعات، جغرافیہ، ادب، تاریخ، اخلاق، اقلیدس اور مساحت وغیرہ علوم و فنون پر اچھی اچھی کتابیں لکھیں۔ کم و بیش سوا سو کتابیں ان کے تصنیفی مشاغل کی شاہد ہیں۔ صرف تاریخ ہند نو جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔ سادگی سلاست، روزمرہ اور محاورہ ان کی تصانیف کی نمایاں خصوصیات ہیں مگر ادبی حیثیت سے ان کا پایہ اتنا بلند نہیں جتنا اس دور کے دوسرے کلاسیکی مصنفین کا ہے۔ ان کے فضل و کمال کے اعتراف کے لئے ان کی تصانیف کو ادبی معیار کی بجائے اہمیت اور افادہ کے اعتبار سے جانچنا چاہئے۔

مولوی نذیر احمد

مولوی نذیر احمد بمقام ریڑ (ضلع بجنور) ۱۸۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولوی عبد الخالق سے حاصل کی اور پھر دہلی کالج میں رہ کر اس تعلیم کی تکمیل کی۔ زندگی کی ابتدا میں پچیس روپے کی ملازمت سے ہوئی اور انتہا میں افسر بندوبست کے عہدے پر بمشاہرہ آٹھ سو تک پہنچ گئے ——— ان کا ترجمہ مجموعہ تعزیرات ہند بہت مقبول ہوا ——— اس کے علاوہ ان کے اخلاقی اور معاشرتی ناول بھی بڑے مقبول ہوئے۔ مولانا کثیر التصنیف بھی تھے اور سریع التصنیف بھی ——— وہ بڑے سادہ مزاج اور ظریف الطبع انسان تھے۔ تحریر میں بھی بڑی شوخی ہے۔ ان کا انداز بیان صاف اور سادہ ہے، مگر محاورے کا استعمال بافراط کرتے ہیں۔ وہ علی گڑھ کالج کے پرانے سرپرست اور معاون تھے۔ انہیں ۱۸۹۷ء میں شمس العلماء کا خطاب اور ۱۹۰۲ء میں یونیورسٹی آف ایڈنبرا کی طرف سے ایل ایل ڈی کی اعزازی ڈگری ملی۔ ۱۹۱۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف اورینٹل لرننگ کی ڈگری حاصل کی۔

اردو میں اولین ناول نگار انہی کو مانا جاتا ہے۔ مراۃ العروس، توبۃ النصوح، ابن الوقت، فسانۂ مبتلا وغیرہ بہت مقبول ہوئے۔ قانون کی کتابوں کے عمدہ ترجمے کئے۔ قرآن مجید کا بھی بامحاورہ اردو ترجمہ کیا۔ وہ اعلیٰ درجے کے مقرر تھے، اور اس حیثیت سے بھی ان کو ملک میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ آخر فالج میں مبتلا ہو کر ۳ مئی ۱۹۱۲ء کو جمعہ کے روز دہلی میں انتقال فرمایا

حالی

الطاف حسین حالی ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ انصاریوں کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ علم و ادب کا شوق فطری تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۸۵۵ء میں گھربار چھوڑ کر دلی چلے گئے اور مولانا نوازش علی سے تعلیم حاصل کرتے رہے ۔۔۔ غدر کے ہنگامہ کی وجہ سے پھر اپنے وطن واپس آگئے۔ انہیں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کی مصاحبت میں رہنے کا موقع ملا جس کی وجہ سے ان کے علمی و ادبی ذوق کو اور بھی جلا ہوئی ۔۔۔۔ سرسید کی فرمائش پر انہوں نے "مسدس حالی" لکھی جو ان کی مایۂ ناز تصنیف ہے ۔۔ حیاتِ سعدی، یادگارِ غالب اور حیاتِ جاوید کے علاوہ "مقدمہ شعر و شاعری" کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ حالی مصنف بھی تھے، نقاد بھی اور شاعر بھی۔ ان کی شخصیت کی سادگی، خلوص اور شرافت ہر جگہ اور ہر صنف میں ملتی ہے۔ حالی بڑے نیک دل انسان تھے۔ ان کے خطوں میں بھی یہی نیکی، شرافت اور دھیما پن ملتا ہے۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کو اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

مولوی سمیع اللہ خاں

دہلی کے علوی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۸۳۴ء میں پیدا ہوئے۔ مفتی صدر الدین آزردہ سے معقول کی انتہائی کتابیں پڑھیں۔ عالم ہونے کے علاوہ خوش نویس بھی تھے اور اس فن میں میر پنجہ کش کے شاگرد تھے۔ ۱۷-۱۸ برس کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد طلبا کو درس دینا شروع کیا۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ تصنیف و تالیف کا شوق ابتدا ہی سے تھا۔ تخلیص پر حاشیہ لکھا جو چھپ چکا ہے۔ فلسفے کی اکثر کتابوں پر حاشیے لکھے جن کے مسودے غدر میں برباد ہو گئے۔ فارسی کے مشہور قصہ ممتاز کا اردو ترجمہ بھی سب سے پہلے آپ ہی نے کیا تھا۔ قانون کا امتحان دے کر وکالت کی سند حاصل کی۔ ۱۸۵۵ء میں منصف مقرر ہوئے۔ ۱۸۷۳ء میں صدر الصدور کے عہدے پر ممتاز ہو کر علی گڑھ، الہ آباد، مراد آباد اور فتح گڑھ میں رہے۔ علی گڑھ کالج کے قیام میں سرسید کا ہاتھ بٹایا۔ ۱۸۸۶ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۸۸۰ء میں یورپ کا سفر کیا اور ایک بسیط سفرنامہ لکھا جس کا انگریزی ترجمہ کنور جوالا پرشاد نے کیا ہے۔ نومبر ۱۸۹۲ء میں جج کے عہدے سے پنشن لی۔ ملازمت کے دوران میں ایک دفعہ مصر بھی بھیجے گئے، جہاں سے واپس آنے کے بعد سی۔ ایم۔ جی کا خطاب ملا۔ ۱۹۰۱ء میں سفرِ حج اختیار کیا۔ مکہ معظمہ کے قیام میں شیخ الدلائل مولانا عبد الحق سے دلائل الخیرات کی سند حاصل کی۔ ہندوستان واپس آکر دلائل الخیرات کا صحیح نسخہ مع مفید حواشی کے چھپوایا۔۔۔ ۷ اپریل ۱۹۰۸ء مطابق ۵ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ کو علی گڑھ میں انتقال ہوا۔ لاش وصیت کے مطابق دہلی پہنچائی گئی۔ جہاں دہلی دروازہ کے باہر آبائی قبرستان میں دفن کی گئی۔

مولانا عبدالحق حقانی دہلوی

مولانا ابو محمد عبدالحق بن خواجہ محمد امیر شیخ علوی کے بزرگ خواجہ شمس الدین تبریزی عالمگیر کے عہد میں ہندوستان آکر دہلی میں آباد ہوئے۔ مولانا عبدالحق ۲۷ رجب ۱۲۶۵ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے اور ۱۲۸۸ھ میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ آج سے نصف صدی قبل دہلی کے مشہور علماء میں آپ کا شمار تھا۔ آپ کی تفسیر حقانی کلام مجید کی پہلی مفصل اور جامع تفسیر اردو زبان میں ہے۔ قرآن پاک کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا، مگر اس کی زیادہ شہرت نہیں ہوئی۔ آپ کی کتاب البیان کا ترجمہ انگریزی زبان میں بھی ہو چکا ہے۔ اس میں اسلام کی حقانیت بیان کی گئی ہے۔ عقائد اسلام بھی معتبر کتابوں میں ہے۔ مولانا بڑے ذی علم نہایت اعلیٰ درجہ کے ادیب تھے۔ ساری عمر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ بہت سادہ مزاج اور دوست پرور بزرگ تھے۔ حیدرآباد سے آپ کو وظیفہ ملتا تھا۔ آخری عمر میں کلکتہ مدرسہ میں عربی کے پروفیسر ہو گئے تھے۔ سرکار نے آپ کی علمی قابلیت کے اعتراف میں شمس العلما کا خطاب عطا کیا تھا۔ ۱۹۱۶ء میں انتقال فرمایا اور دہلی میں دفن کیے گئے۔

احمد علی شوق قدوائی

احمد علی نام شوق تخلص تھا۔ ۱۸۵۲ء میں لکھنؤ کے قریب قصبہ جگور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد

کاظم علی قیس خود شاعر تھے مگر وہ کم سنی میں داغ یتیمی دے گئے۔ اس لئے شوق کا بچپن مصیبت میں گزرا۔ اعزا کی مہربانی سے عربی، فارسی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی اور فیض آباد میں تحصیلدار ہو گئے۔ لیکن جلد استعفیٰ دے کر ۱۸۸۲ء سے ۱۸۹۰ء تک اخبار "آزاد" نکالتے رہے۔ اس وقت شاعری اور مضمون نویسی کا شوق زوروں پر تھا۔ اس فن میں مظفر علی اسیر کے شاگرد تھے۔ آپ کے مضامین نثر و نظم "اودھ پنچ" اور دوسرے مشہور جرائد میں بھی شائع ہوتے تھے۔ لکھنؤ سے بھوپال گئے اور یہاں ۲۵ سال ملازمت کی۔ آخری عمر میں ریاست رام پور سے تعلق ہو گیا تھا۔ ضعیف العمری کی وجہ سے اپنی بیٹی کے پاس اناؤ چلے گئے۔ ۲۰ اپریل ۱۹۲۵ء کو گونڈہ میں انتقال کیا۔

منشی احمد علی شوق غزل اور مثنوی خوب کہتے تھے۔ چند ناٹک بھی لکھے جن میں قاسم و زہرہ، میکفرسن ولومی بہت مشہور ہیں۔ مثنوی عالم خیال اور ترانۂ شوق کی زبان خاص طور پر لطیف اور شیریں ہے۔ دیوان شائع ہو چکا ہے اور نہایت اعلیٰ پایہ کا ہے۔

نواب محسن الملک

محسن الملک نواب سید مہدی علی خاں بہادر ۱۸۳۷ء میں بمقام اٹاوہ پیدا ہوئے۔ معمولی درسیات سے فارغ ہو کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں دس روپے ماہوار پر کلرک مقرر ہوئے۔ رفتہ رفتہ ترقی کر کے ۱۸۶۱ء میں تحصیلدار مقرر ہوئے۔ اس اثنا میں انہوں نے دو کتابیں قانون مال اور قانون فوجداری لکھیں جو بہت مشہور ہوئیں۔ ۱۸۶۳ء میں ڈپٹی کلکٹری کا امتحان پاس کیا۔ اور مرزا پور کے ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے۔ ان کی شہرت اور قابلیت کی وجہ سے سرسالار جنگ اول نے ان کو حیدر آباد میں طلب کیا۔ اور ۱۸۷۴ء میں مالیات کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ انگلستان کا سفر بھی کیا۔ وہاں گلیڈسٹون سے ملاقات بھی ہوئی۔ ان کے مضامین تہذیب الاخلاق میں بھی شائع ہوتے رہے۔ یہ سرسید کے رفقا میں سے تھے۔ اور تحریر و تقریر دونوں میں لوگ ان کا لوہا مانتے تھے۔ ۱۹۰۷ء میں انتقال کیا۔

نواب وقار الملک

وقار الملک (نواب مشتاق حسین) ۱۸۲۹ء میں امروہہ میں پیدا ہوئے۔ شروع میں کسی اسکول میں پڑھاتے تھے۔ امروہہ میں کچھ سرکاری خدمات انجام دیں جن کی وجہ سے پہلے سررشتہ دار اور پھر منصرم صدر الصدور ہو گئے۔ کافی عرصہ سرسید کے ساتھ کام کیا۔ سرکاری خدمتوں کی وجہ سے سرکار آصفیہ کی طرف سے وقار الدولہ، وقار الملک کا معزز خطاب حاصل کیا۔ ۱۸۹۱ء میں سرکاری ملازمت سے کنارہ کش ہو کر بقیہ عمر قومی کاموں اور علی گڑھ کالج کی اصلاح و ترقی میں صرف کی۔ آپ سائنٹیفک سوسائٹی کے ممبر اور تہذیب الاخلاق کے مہتمم بھی رہے۔ انہیں سرگرمیوں میں زندگی بسر ہوئی۔ آخر ۱۹۱۷ء میں وفات پائی۔

مولانا احمد حسن شوکت میرٹھی

سید احمد حسن نام، شوکت تخلص تھا۔ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ جون ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد پولیس میں ملازمت کی۔ پھر ملازمت چھوڑ کر مولانا عبدالحق سہارنپوری سے فارسی کی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی سے عربی کی تکمیل کی۔ شاعر تو واجبی ہی سے تھے۔ عربی کے فاضل اور فارسی کے ماہر ہونے کی وجہ سے مجدد والسنۂ مشرقیہ کہلاتے تھے۔ ابتدا میں فیلن صاحب کی ڈکشنری میں کام کیا۔ پھر کوہ نور کے ایڈیٹر ہو کر لاہور آ گئے۔ یہاں سے اودھ اخبار لکھنؤ میں گئے کچھ عرصہ بعد میرٹھ سے اخبار تحفۂ ہند جاری کیا۔ ایک ماہوار رسالہ پروانہ بھی نکالا۔ مخزن اور دوسرے رسالوں میں سیکڑوں ادبی، علمی، تنقیدی اور تحقیقی مضامین لکھے متنبی، حماسہ، خاقانی، بیدل، عرفی کی شرحیں لکھیں۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۲۳ء کو میرٹھ میں انتقال کیا۔

جلال لکھنوی

حکیم سید ضامن علی جلال کے والد کا نام حکیم اصغر علی تھا۔ خاندانی پیشہ طبابت تھا۔ لیکن اصغر علی نے داستان گوئی میں نام پیدا کیا اور اسی سلسلہ میں نواب یوسف علی خاں والئ رام پور کی خدمت میں پہنچے۔ جلال کی پیدائش ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ء) میں بمقام لکھنؤ ہوئی۔ فارسی کی درسی کتابیں مکمل پڑھیں اور عربی میں بقدر ضرورت استعداد پیدا کی۔

اپنا آبائی پیشہ طبابت بھی نظرانداز نہیں کیا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے نے جب لکھنؤ کی بساطِ سخن اُلٹ دی اور شعر و شاعری کی محفل درہم برہم ہوگئی تو جلال نے لکھنؤ میں ایک دواخانہ کھول کر کسبِ معاش کے لیئے اس سے کام لیا۔ نواب یوسف علی خاں کو خبر ہوئی تو انہوں نے رام پور بلالیا۔ بیس سال تک دربار سے تعلق رہا۔ نواب کلب علی خاں کی وفات کے بعد رئیس متکروں کی تلخی پر وہاں چلے گئے، مگر آب و ہوا راس نہ آئی لکھنؤ واپس چلے آئے۔ جہاں ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۹ء (۱۳۲۵ھ) کو انتقال کیا۔ مشہور تصانیف یہ ہیں:۔

(۱) چار دیوان اردو (اول، شاہد شوخ طبع ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء (دوم)۔ کرشمۂ گاہ سخن طبع ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء (سوم) مضمون ہائے دلکش ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء (چہارم)، نظم نگاریں ۱۳۲۰ھ (۲) سرمایہ زبانِ اردو (۳) افادۂ تاریخ۔ (۴) منتخب القواعد۔ (۵) تنقیح اللغات۔ (۶) گلشنِ فیض۔ (۷) دستور الفصحاء (۸) مفید الشعراء وغیرہ۔

شاگردوں میں میرزا اکرحسین یاس۔ آرزو لکھنوی۔ احسان شاہجہانپوری بہت مشہور ہیں۔

مولانا شبلی نعمانیؒ

شبلی مئی ۱۸۵۷ء میں ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں بندول میں پیدا ہوئے۔ چونکہ آپ حنفی عقیدے کے پابند تھے اسی مناسبت سے ان کے استاد مولانا فاروق چڑیاکوٹی نے آپ کا نام نعمانی رکھ دیا ——— انہوں نے اپنے دور کے تمام بڑے بڑے علماء و فضلا سے تعلیم حاصل کی جن میں مولانا فاروق چڑیاکوٹی، مولانا فیض الحسن اور محدث مولانا احمد علی کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۹ سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ سفرِ حج کیا۔ حج سے واپسی کے بعد ۱۸۷۶ء سے ۱۸۸۲ء تک اعظم گڑھ کے اطراف میں رہے۔ جہاں وکالت کا امتحان دیا، ملازمت بھی کی۔ تجارت اور زمینداری کا کام بھی کیا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اپنے علمی و ادبی مشاغل کو برابر جاری رکھا ——— کافی عرصہ سر سید احمد خاں کی صحبت میں بھی رہے۔ علم و ادب کا شوق انہیں ہندوستان سے باہر بھی لے گیا۔ چنانچہ "الفاروق" کے سلسلے میں انہوں نے مصر، شام اور ترکی کے کتب خانوں سے بھی استفادہ کیا ——— جنوری ۱۸۹۲ء میں ہندوستان کی برطانوی حکومت نے ان کو شمس العلماء کا خطاب دیا۔ مدتوں علی گڑھ تحریک سے وابستہ رہے۔ بڑی معرکۃ الآراء تصانیف لکھیں جن میں شعر العجم، المامون، الغزالی، موازنہ انیس و دبیر، علم الکلام اور سیرت النبی بڑی اہمیت کی مالک ہیں۔ اس کے علاوہ شاعری بھی کی۔ وہ خطوط نگاری میں بھی ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان کے خطوط اپنی رنگینی، خلوص اور اختصار کی وجہ سے بڑے اہم ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں انتقال ہوا۔

نواب میر صدرالدین حسین خاں

آپ بڑودہ کے رئیس ابن رئیس سنی المذہب، حنفی المشرب حسینی سید تھے۔ ان کے بزرگوں میں سے سید محمد علی ہرت سے دہلی میں وارد ہوئے اور اپنے علم و فضل کی وجہ سے شاہ دہلی کے اتالیق اور وزیر نظام الملک بہادر آصف جاہ اول کے استاد مقرر ہوئے۔ دہلی سے سرکار نظام کے ہمراہ دکن تشریف لے گئے۔ گائیکواڑ بڑودہ میں لاکھوں روپے کی جاگیر ملی۔ ان کی چوتھی پشت میں نواب میر صدرالدین حسین خاں بن نواب وجیہہ الدین حسین خاں ۲۹ محرم ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے۔ تین سال کی عمر میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ نے پرورش کر کے گھر ہی میں اعلیٰ تعلیم دلائی۔ بیس برس کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہو کر تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کیا اور اسلامی تعلیمات پر بے شمار کتابیں لکھ کر سارے ہندوستان میں مفت تقسیم کیں۔ ان کتابوں میں سے اسلام کے عقائد، اسلام کی خوبیاں، گلدستۂ منیز، دانائی کا سبق، گنجینۂ آرام، گلدستۂ فلاح اور اسلام کی صداقت وغیرہ بعض کتابیں گجراتی، مرہٹی، انگریزی اور روسی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ ۱۹۰۱ء میں آپ نے کتب خانہ اسلام کے نام سے ایک لائبریری قائم کی جس میں ہر علم و فن کی اردو کتابیں جمع کیں۔ یہ اپنی قسم کا واحد کتب خانہ ہے جسے دیکھ کر اردو کی رفتارِ ترقی اور وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ نثر کے علاوہ

نظم پر بھی قادر تھے۔ ان کی سوانح عمری غنچۂ مراد السلام کے نام سے ۱۳۲۹ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

مولوی عزیز مرزا

مولوی محمد عزیز مرزا بی، اے یو پی کے باشندے تھے اور اپنے زمانے کے نہایت قابل اور مشہور نثر نگاروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ انہوں نے ۱۸۸۵ء میں علی گڑھ کالج سے بی اے پاس کرکے حیدرآباد میں ملازمت اختیار کی اور یہاں مختلف جگہوں پر رہنے کے بعد ترقی کرکے ہوم سیکرٹری کا عہدۂ جلیلہ حاصل کیا۔ وہ بڑے محنتی تھے۔ اپنے فرائضِ منصبی کی بجاآوری کے بعد اتنا وقت نکال لیتے تھے کہ تصنیف و تالیف کا شغل جاری رکھ سکیں۔ انہوں نے نواب فتح نواز جنگ، مولوی مہدی حسن کے انگریزی سفرنامہ انگلستان کا ترجمہ "گلگشتِ فرنگ" کے نام سے کیا۔ شاہانِ بہمنی کے مشہور وزیر خواجہ عماد الدین محمود گاواں کے حالاتِ زندگی "سیرۃ المحمود" کے نام سے لکھے۔ کالی داس کے مشہور ڈرامہ "وکرم اروسی" کا ترجمہ کیا۔ جس کے فاضلانہ مقدمہ میں سنسکرت ڈراما کی اصل اور نوعیت کے متعلق بہت سی مفید باتیں لکھیں۔ ان کو پرانے سکے جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ مختلف رسائل و جرائد میں جو مضامین نکلتے تھے وہ "خیالاتِ عزیز" کے نام سے شائع ہو گئے ہیں۔ ۱۹۰۹ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوکر آل انڈیا مسلم لیگ کے سیکرٹری ہو گئے تھے۔ ان کا انتقال ۲۶ فروری ۱۹۱۲ء کو ہوا۔

شاد عظیم آبادی

سید علی محمد نام۔ شاد تخلص تھا۔ آپ کے والد سید عباس مرزا کا سلسلۂ نسب اکتیسویں پشت میں امام زین العابدین سے ملتا ہے۔ ۹ محرم ۱۲۶۲ھ مطابق ۸ جنوری ۱۸۴۶ء کو پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ عربی، فارسی اور اردو کی کتابیں قابل اساتذہ سے تحصیل کیں۔ پندرہ برس کی عمر میں شاعری شروع کی۔ شاہ الفت حسین فریاد سے مشورۂ سخن کیا۔ پھر ساری زندگی علم و ادب و زبان کی خدمت میں گزار دی۔ میر اور انیس کے مقلد اور متبع تھے۔ لاکھوں شعر ان کے نتائجِ فکر ہیں۔ حکومت نے خان بہادر کا خطاب عطا کیا۔ نیز ایک ہزار سالانہ کا وظیفہ بھی ملتا تھا۔ ۳۲ سال تک آنریری مجسٹریٹ رہے۔ ۸ جنوری ۱۹۲۷ء کو پٹنہ میں انتقال کیا۔ اعلیٰ پایہ کے ادیب، شاعر اور مصنف تھے۔ بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے کچھ چھپ چکی ہیں اور کچھ نہیں چھپیں۔ بعض مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں:- تذکرۃ الاسلاف۔ تاریخ صوبہ بہار، مردم دیدہ، فکرِ بلیغ، حیاتِ فریاد، مادرِ ہند، میخانۂ الہام، مکتوباتِ شاد، نوائے وطن، کلامِ شاد وغیرہ۔ ان کی سوانح عمری گلشنِ حیات (۱۳۴۲ھ) کے تاریخی نام سے شائع ہو چکی ہے۔ مولوی عبدالمالک آروی نے اپنی کتاب "الہاماتِ شاد" میں ان کے محاسنِ شعر پر تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ قطعات کا مجموعہ سروشِ ہستی کے نام سے حال ہی میں پٹنہ سے شائع ہوا ہے۔

اکبر الہ آبادی

اصل نام سید اکبر حسین رضوی ہے بتاریخ ۱۶ نومبر ۱۸۴۶ء پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سرکاری سکولوں میں پائی۔ ۱۸۶۶ء میں نائب تحصیلدار کے عہدے پر مقرر ہوئے اور آہستہ آہستہ ترقی کرکے ۱۸۸۴ء میں جج کے عہدے پر پہنچ گئے۔ الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو بھی تھے۔ آخر گورنمنٹ سے خان بہادر کا خطاب حاصل کرکے ملازمت سے کنارہ کش ہو گئے۔ —— بڑے خلیق اور منکسر المزاج تھے۔ شوخی و ظرافت ان کی سرشت میں شامل تھی۔ ان کے خطوط جو خواجہ حسن نظامی، عزیز لکھنوی، منشی دیا نرائن نگم وغیرہ کے نام ہیں ان سے ان کی راست بازی اور صداقت شعاری کا پتہ چلتا ہے۔ شاعری کا بچپن سے شوق تھا۔ شروع میں اپنا کلام وحید کو دکھایا کرتے تھے جو آتش کے شاگرد تھے۔ ان کی شاعری تہذیب جدید کے خلاف ایک مؤثر احتجاج کا درجہ رکھتی ہے۔ ستمبر ۱۹۲۱ء میں انتقال فرمایا۔

مولانا عبدالحلیم شرر

شرر ۱۸۶۰ء میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کلکتہ میں ہوئی پھر لکھنؤ میں سکونت اختیار کی۔ دہلی جاکر انہوں نے میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث کی تعلیم کی تکمیل کی۔ دہلی کے دورانِ قیام ہی میں انہوں نے انگریزی تعلیم بھی حاصل کی۔ ۱۸۸۰ء کے اواخر میں پھر لکھنؤ واپس چلے آئے۔ شرر کو کلکتہ کے دورانِ قیام ہی میں اخبارات

کا ذوق پیدا ہوگیا تھا۔ ۱۸۸۴ء تک اودھ اخبار کے ادارے میں شامل رہے ـــــ جنوری ۱۸۸۷ء میں انہوں نے اپنا مشہور ماہنامہ دلگداز جاری کیا۔ جس میں انہوں نے ناول نویسی کا سلسلہ شروع کر دیا جو بہت مقبول ہوا ـــــ ان کی ناول نگاری پر مغربی ادب کا اثر بھی ہے۔ انہوں نے معاشرتی اور اصلاحی ناول بھی لکھے لیکن زیادہ تر انہیں تاریخی ناول نگاری کا شوق تھا۔ ان کے بعض تاریخی ناول اپنی فنی خوبیوں کی وجہ سے بہت مقبول ہوئے۔ مثلاً فردوس بریں، ملک العزیز ورجنا وغیرہ۔ دسمبر ۱۹۲۶ء میں انتقال ہوا۔

سیّد محمود سر سیّد احمد خاں کے چھوٹے بیٹے تھے۔ ۲۴ مئی ۱۸۵۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ اپریل ۱۸۶۹ء میں ولایت بھیجے گئے۔ جہاں سے بیرسٹری پاس کر کے ۱۸۷۲ء میں واپس آئے۔ علی گڑھ کالج کے اصول و قواعد اور مسلم یونیورسٹی کی مشہور اسکیم انہیں کے دماغ سے نکلی تھی۔ ۱۸۸۰ء میں سر سالار جنگ بہادر نے دو ہزار روپیہ ماہوار مشاہرہ پر انہیں حیدر آباد بلایا۔ چند ماہ رہ کر وہاں سے چلے آئے اور صوبہ متحدہ میں رائے بریلی کے جج مقرر ہوگئے۔ اس کے بعد ہائی کورٹ الٰہ آباد کی ججی پر ممتاز ہوئے۔ یہ پہلے ہندوستانی تھے جو اس صوبہ میں ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ انہوں نے اپنے زمانۂ ججی میں وہ وہ قانونی نکتے حل کیے جو نظائر کی جان سمجھے جاتے ہیں۔ آخر ۱۸۹۳ء میں مستعفی ہوگئے اور پنشن پا کر کالج کی خدمت میں مصروف ہوگئے۔ آخری زمانہ میں سیتاپور میں بیرسٹری کرتے تھے۔ وہیں ۸ مئی ۱۹۰۱ء کو انتقال ہوا۔ فنِ شعر سے مناسبت تھی۔ فارسی اساتذہ کا بہت سا کلام زبانی یاد تھا۔ ان کی قانونِ شہادت کی شرح بہت مقبول ہے۔

منیر شکوہ آبادی سیّد اسمٰعیل حسین نام، منیر تخلص، والد کا نام سید احمد حسین شاد اور وطن شکوہ آباد ضلع مین پوری تھا۔ زیادہ عرصہ لکھنؤ میں رہے۔ وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ پہلے ناسخ سے اصلاحِ سخن لیتے تھے۔ پھر ان کی ہدایت کے بموجب رشک سے مشورہ کرنے لگے۔ کلکتہ، مرشد آباد، الٰہ آباد، کا نپور اور فرخ آباد میں بھی رہے۔ مگر لکھنؤ کے عاشقوں میں تھے۔ یہاں کچھ عرصہ ظفر الدولہ نواب علی اصغر خاں اور نواب سید محمد ذکی کے مصاحب بھی رہے۔ مہاراجگان وعولیہ را ور الور نے بھی ان کو اپنے دربار میں طلب کیا مگر انہوں نے باندے کو ترجیح دی جہاں نواب علی بہادر والیٔ ریاست کے استاد مقرر ہوگئے۔ غدر کے بعد ایک رنڈی نواب جان کے قتل کی سازش میں ان پر مقدمہ قائم ہوا جس کی پاداش میں کالے پانی کی سزا ہوئی۔ مگر ۱۸۶۰ء میں قید سے رہائی مل گئی۔ نواب کلب علی خاں کے عہد میں رام پور میں قیام تھا کہ حکمِ قضا آپہنچا اور ۱۸۸۱ء میں وہیں کی خاک میں آرام کیا۔ منتخباتِ عالم، تنویر الاشعار اور نظم منیر تین دیوان یادگار چھوڑے۔ مثنوی معراج المضامین بھی انہیں کی تصنیف ہے۔ بہت پُرگو شاعر تھے اور مرثیہ بھی کہتے تھے۔ مرثیے میں مرزا دبیر کے شاگرد تھے۔

خان بہادر مولوی خدا بخش شمالی بہار میں چھپرہ کے مقام پر ایک علمی خاندان آباد تھا، جس کے ایک فرد قاضی عصمت اللہ نے فتاویٰ عالمگیری مرتب کرنے میں اورنگ زیب کی مدد کی تھی۔ خان بہادر مولوی خدا بخش اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد دربہانی درجہ کے وکیل تھے مگر کتابوں کے دلدادہ۔ انہیں تین سو قلمی نسخے میراث میں ملے لیکن جب وہ فوت ہوئے تو یہ تعداد پندرہ سو تک پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے بسترِ مرگ پر بیٹے کو وصیت کی کہ وہ اس ذخیرے کو ترقی دے۔ بیٹے نے ساری عمر کتابیں جمع کیں، چنانچہ ۱۸۹۱ء میں ان کتابوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ اور ان کی قیمت کا اندازہ اڑھائی لاکھ روپیہ لگایا گیا۔

مولوی خدا بخش ۲ اگست ۱۸۴۲ء کو پیدا ہوئے اور ۶۶ برس ایک دن کی عمر پا کر ۳ اگست ۱۹۰۸ء کو فوت ہوئے۔ انہوں نے کلکتہ میں تعلیم حاصل کر کے پٹنہ میں وکالت شروع کی۔ ۱۸۹۴ء سے ۱۸۹۸ء تک حیدر آباد ہائی کورٹ کے چیف جج رہے۔ تی ہنا کے

صرف سے بانکی پور پٹنہ میں ایک عظیم الشان عمارت کتب خانے کے لئے تعمیر کرائی۔ تقریباً ایک لاکھ روپے میں ایک انگریز سے اس کی جمع کی ہوئی کتابیں خریدیں اور اپنے تین ہزار قلمی نسخوں کے ساتھ ملا کر ۲۹ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو پبلک کے لئے وقف کر دیں۔ یہ اورینٹل پبلک لائبریری اپنے قلمی نوادر کی وجہ سے مشرق کی بہترین لائبریریوں میں شمار ہوتی ہے۔

مولانا سیّد میر حسن شاہ سیالکوٹی

شمس العلماء مولانا حافظ سید میر حسن شاہ سیالکوٹی ۱۸ اپریل ۱۸۴۴ء کو پیدا ہوئے اور ۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء کو اپنے پیدا کرنے والے کے دربار میں حاضر ہو گئے۔ علامہ اقبالؒ نے قرآن مجید کی اس آیت سے مادہ تاریخ نکالا "مَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ" (۱۳۴۸ھ) ایسے شفیق، فاضل، محسن، خوش اخلاق اور سخی دوست بزرگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

مولانا ساری عمر سکاچ مشن سکول اور اس کے بعد کالج میں پڑھاتے رہے۔ بڑے بڑے قابل اور ممتاز شاگرد پیدا کئے۔ اقبالؒ نے بھی انہیں سے فیض حاصل کیا تھا۔ لاہور آنے سے قبل سالہا سال تک ان سے عربی، فارسی، علم و حکمت، ادبیات اور تصوف وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور اس کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ؎

مجھے اقبالؔ اس سید کے گھر سے فیض پہنچا ہے
پلے جو اس کے دامن میں وہی کچھ بن کے نکلے ہیں

مولانا عبدالحیؒ

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام حسنؓ کے ذریعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے اجداد فتنۂ تاتار میں بغداد سے غزنی آئے، پھر وہاں سے ہندوستان میں آکر آباد ہوئے۔ مولانا ۱۸ رمضان ۱۲۸۶ھ کو رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا فخر الدین بن عبد العلی بڑے پایہ کے عالم اور عارف تھے۔ آپ نے مروجہ علوم فرنگی محل کے مشہور عالم مولانا محمد نعیم سے حاصل کئے۔ پھر بھوپال جا کر ریاضی کی تحصیل سید احمد دیوبندی سے کی۔ باقی کسر قاضی عبد الحق سے پوری کی۔ حکیم عبد العلی سے طب اور ایک یمنی عالم سے حدیث پڑھی۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے مشہور علمائے ہند سے ملنے کے لئے مختلف شہروں کا سفر کیا۔ چنانچہ دیوبند میں مولانا رشید احمد گنگوہی سے، دہلی میں مولانا نذیر حسین محدث دہلوی سے اور پانی پت میں شیخ عبد الرحمٰن سے ملے اور ان حضرات سے اجازت حدیث حاصل کی۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی سے بیعت ہوئے اور مولانا ضیاء النبی اور حضرت حاجی امداد اللہؒ سے اجازت بیعت حاصل کی۔ ندوۃ العلماء نے آپ کے خلوص اور جذبۂ خدمت کو دیکھتے ہوئے انہیں ناظم منتخب کیا۔ اور وہ آخر عمر تک اس کی خدمت کرتے رہے۔ ۱۵ جمادی الآخر ۱۳۴۱ھ مطابق ۲ فروری ۱۹۲۳ء کو مولانا کا انتقال ہوا۔ رائے بریلی کے باہر آپ کا مزار ہے۔ جنۃ المشرق و مطلع النور المشرق، معارف العوارف فی انواع العلوم والمعارف۔ نزہۃ الخواطر اور تلخیص الاخبار۔ وغیرہ عربی تصانیف کے علاوہ گلِ رعنا ان کی مشہور اردو تصنیف ہے جو اردو شعراء کے حالات میں ہے۔ یادِ ایام۔ طبیب العائلہ، ارمغانِ احباب اور تذکرۃ الابرار وغیرہ کتب بھی آپ نے اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔

جسٹس سیّد امیر علی

سیّد امیر علی تمام تر جدید تعلیم کی پیداوار تھے۔ مگر انہوں نے بزرگوں کے سنے سنائے معلومات اور ذاتی کد و کاوش سے یورپ میں اسلام کی بڑی خدمت کی۔ وہ یورپ میں تمام اسلامی کاموں اور تحریکوں کے رکنِ رکین سمجھے جاتے تھے۔ ان کے مذہبی اور ذاتی خیالات سے گو ہم موافقت نہ کر سکیں۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کے قلم کی ضو افشانی سے اسلام کے متعلق یورپ کے بہت سے خیالاتِ باطلہ کے بادل چھٹ گئے۔ ان کی دو کتابیں اسپرٹ آف اسلام

اور بشری ذات سارا سینس ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ ان دونوں کتابوں کے ترجمے اکثر اسلامی زبانوں میں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ عربی میں بھی ہو چکے ہیں۔ اگست ۱۹۲۹ء میں ۹۰ سال کی عمر میں اس جہانِ فانی کو الوداع کہا۔ (یاد رفتگاں)

سید علی بلگرامی

شمس العلماء ڈاکٹر سید علی بلگرام کے مردم خیز خطہ کے رہنے والے اور مشہور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد زین الدین ڈپٹی کلکٹری سے پنشن لے کر حیدر آباد میں ایک معزز عہدے پر تھے۔ سید علی ہندوستان میں عربی اور فارسی کی تعلیم ختم کرنے کے بعد سر سالار جنگ کے خرچ پر انگلستان گئے جہاں ہندوستان سے بھی زیادہ شہرت حاصل کی۔ سنسکرت، مارٹی، انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، لاطینی اور عربی کے علاوہ بنگالی، مرہٹی، گجراتی، ہندی اور تلنگی زبانیں بھی خوب جانتے تھے۔ علی گڈھ کالج کے زبردست مربی تھے۔ تمدنِ عرب اور تمدنِ ہند ان کی بے حد مشہور کتابیں ہیں جو نظامِ دکن کے ایما سے لکھی گئی تھیں تمدنِ عرب فرانسیسی ڈاکٹر موسیو لیبان کی مشہور کتاب کا ترجمہ ہے۔ ان کے علاوہ ڈاکٹری کی ایک کتاب کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ مگر یہ ترجمے کسی تصنیف سے کم نہیں۔ مولوی صاحب کو اردو زبان پر عبور حاصل تھا سلاست اور روانی ان کے خاص جوہر ہیں۔ محاورات با موقع ہوتے ہیں۔ اور اصطلاحات کا ترجمہ کرنے میں بھی کمال ہے۔

یہ فاضل اجل ۳ مئی ۱۹۱۱ء کو عالمِ جاودانی کی طرف رحلت کر گیا۔

حکیم برہم

حکیم برہم گورکھپور کے رہنے والے تھے۔ اپنے زمانے کے باکمال ادیبوں صحافیوں اور نقادوں میں ان کا شمار تھا۔ انیسویں صدی کے آخری عشرہ میں انہوں نے گورکھپور سے ہفتہ وار اخبار مشرق جاری کیا تھا۔ جو نہایت سنجیدہ، باوقار اور مہذب پرچہ تھا۔ زبان کے متعلق ان کی سوجھ بوجھ اور بے لاگ ادبی تنقیدوں سے متاثر ہو کر مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے ایک دفعہ کہا تھا ع

سلجھا ہوا کوئی نہیں برہم سے زیادہ

وہ کتاب "کرشن کنور" کے مصنف بھی تھے جو ایک دلچسپ تاریخی ناول ہے۔

سید عبد الغفور شہباز عظیم آبادی

ضلع پٹنہ میں ایک چھوٹی سی بستی مرمیرا ہے۔ شہباز یہیں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کے علاوہ بی۔ اے تک انگریزی بھی پڑھی۔ کچھ دنوں کلکتہ کے اردو اخبار "دار السلطنت" کی ادارت کرنے کے بعد اخبار جریدۂ نمائش جاری کیا۔ ۱۸۸۵ء میں نواب عبد اللطیف خاں وزیر بھوپال کے پرسنل اسسٹنٹ مقرر ہوئے۔ پھر حیدر آباد پہنچے اور مولوی عزیز مرزا کی ماتحتی میں ترجمہ کی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد اورنگ آباد میں پروفیسر ہو گئے۔ علامہ جمال الدین افغانی سے استفادہ کیا اور ان کے خطبات، ومضامین کا ایک مجموعہ "مقالات جمالیہ" کے نام سے شائع کیا۔ شہباز ادبی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کے مضامین اودھ پنچ لکھنؤ اور اولینج کی زینت ہوتے تھے۔ وہ انگریزی نظموں کے ترجمہ پر بھی قادر تھے۔ انہوں نے کلیات نظیر اکبر آبادی کو بڑے اہتمام سے مرتب کیا۔ اور نظیر کی سوانح عمری "زندگانی بے نظیر" کے نام سے شائع کی۔ نواب سید محمد آزاد انسپکٹر جنرل رجسٹریشن بنگال و بہار کے ظریفانہ مضامین کا مجموعہ "خیالاتِ آزاد" کے نام سے شائع کیا اور ان کی سوانح عمری بھی لکھی۔ "رباعیاتِ شہباز" اور "خیالات شہباز" وغیرہ کچھ اور کتابیں بھی ان کی یادگار ہیں۔

۲۰ نومبر ۱۹۰۸ء کو انتقال ہوا۔

رسا رام پوری

منشی حیات بخش نام، رسا تخلص تھا۔ رام پور کے رہنے والے تھے۔ وہیں ان کی شاعری پھلی پھولی۔ مرزا داغ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ زبان اور فن سے خوب واقف تھے۔ شمس العلماء مولانا نجوب آبادی اور مولانا عبدالمجید خاں سالک کو فنِ شعر میں آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔

ریاض خیرآبادی

سید ریاض احمد نام، ریاض تخلص تھا۔ ان کے اجداد کرمان شاہ (ایران) سے ہندوستان آکر سیتاپور بارہ بنکی اور خیرآباد وغیرہ علاقوں میں آباد ہوئے۔ ریاض ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۵ء) میں بمقام خیرآباد پیدا ہوئے لیکن ان کا بچپن گورکھپور میں گزرا جہاں ان کے والد سید طفیل احمد سرکاری ملازم تھے۔ ریاض بھی پولیس میں ملازم ہوئے لیکن جلد ترک ملازمت کر کے ریاض الاخبار نکال لیا۔ اودھ پنچ کے ایڈیٹر منشی سجاد حسین اور اخبار طوطیٔ ہند میرٹھ سے زبردست معرکے ہوئے ریاض کے قلم نے اس سلسلے میں بڑی جولانیاں دکھائیں۔ ان معرکوں ہی کی بدولت ریاض کی انشا پردازی کی شہرت ہوئی۔ صلح کل، فتنہ، عطرِ فتنہ، گلدستۂ ریاض اور گلچیں وغیرہ پرچے بھی وقتاً فوقتاً نکالے۔ عقیل احمد جعفری نے مختلف مضامین جمع کر کے "نثرِ ریاض" کے نام سے شائع کئے ہیں۔ حرم سرا، ناشاد اور نظارہ تین ناول بھی یادگار ہیں۔ شعر و شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ پہلے اسیر کے شاگرد تھے، ان کے انتقال کے بعد امیر مینائی کو کلام دکھانے لگے۔ غزل میں خاص رنگ کے مالک ہیں۔ شوخی اور خمریات ان کے دو محبوب موضوع ہیں۔ انہی دو محوروں پہ ان کی شاعری گردش کرتی ہے۔ ان کا دیوان ریاضِ رضواں کے نام سے اور اشعار کا انتخاب میخانۂ ریاض کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۹۳۴ء کو انتقال ہوا۔

مولانا گرامی

منشی غلام قادر نام، گرامی تخلص تھا۔ پنجاب کے مردم خیز ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اورینٹل کالج لاہور میں منشی فاضل اور قاضی فاضل کے امتحانات بڑے امتیاز سے پاس کئے۔ فارسی شاعری سے انہیں فطری لگاؤ تھا۔ کچھ عرصہ امرتسر کے ایک اسلامی مدرسہ میں اور پھر گورنمنٹ ہائی سکول لدھیانہ میں معلم رہے۔ بعد ازاں پولیس میں سارجنٹ بھرتی ہو گئے۔ مگر دل برداشتہ ہو کر قسمت آزمائی کے لئے رامپور پٹیالہ اور حیدرآباد گئے۔ نصیب کی بلندی سے نظامِ دکن میر محبوب علی خاں کی جوہر شناس نگاہ نے ان کو اپنے دربار کے فارسی شاعر کی حیثیت سے چن لیا۔ بہت عرصہ وہاں رہے۔ ۱۹۱۵ء سے اپنے وطن واپس آکر ہوشیارپور میں قیام کیا۔ اور متعدد نوجوان شاعروں نے آپ کی صحبت سے فیض حاصل کیا جن میں ابوالاثر حفیظ جالندھری کا نام بہت روشن ہے۔ اقبال بھی اپنے فارسی کلام میں بوقتِ ضرورت ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ اس کہنہ مشق اور فارسی کے مسلم الثبوت شاعر نے ۲۶ مئی ۱۹۲۷ء کو اس دنیائے فانی کو الوداع کہا۔ بے حد ملنسار اور متواضع بزرگ تھے۔ رباعیات کا مجموعہ اور مطبوعہ دیوان جو غزلیات، احباب کے مراثی، قصائد اور ناتمام مثنویوں پر مشتمل ہے۔ ان کی جودتِ طبع کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے۔

سید امداد امام اثر

شمس العلماء نواب امداد امام اثر صوبہ بہار کے ایک ممتاز اور معتبر خاندان سے تھے۔ ۱۷ اگست ۱۸۴۹ء کو پیدا ہوئے۔ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ موضع نیورہ ضلع پٹنہ میں گزارا۔ گیا مرادپور کو بھی آپ کے نام سے شہرت حاصل ہے۔

نواب صاحب کو ریاضی، معدنیات، حیوانات، مناظرہ، فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ میں خاص دلچسپی تھی۔ اردو فارسی کے مسلم عالم اور انگریزی پر خاص قدرت رکھتے تھے۔ آپ کی فنی اور عالمانہ تصانیف میں مراۃ الحکماء، معیار الحق، کتاب الاثمار اور کاشف الحقائق بہت مشہور ہیں۔ کتاب الاثمار سویڈن زبان میں ترجمہ ہو کر وہاں کے نصاب میں شامل رہی ہے۔ کاشف الحقائق معروف بہ بہارستانِ سخن متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔ اس میں مصری، یونانی، لاطینی، جرمن، انگریزی، عربی، فارسی، اردو، چینی، جاپانی، سنسکرت اور بھاشا کی شاعری پر عالمانہ بحث کی گئی ہے۔

آپ نہ صرف اردو فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے بلکہ انگریزی میں بھی نظمیں لکھتے تھے۔ شاہ شرف الدین بہاری مخدوم الملک کے حالات انگریزی میں لکھے ہیں۔ آپ کا اردو دیوان بھی شائع ہو چکا ہے

علی حیدر نظم طباطبائی

علی حیدر نام، نظم تخلص تھا لیکن اکثر غزلوں میں نام ہی کو تخلص قرار دیا ہے۔ والد کا نام میر مصطفیٰ حسین طباطبائی تھا۔ ولادت ۱۲۶۹ھ یا ۱۲۷۰ھ میں لکھنؤ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم و تربیت وہیں پائی۔ ملا طاہر نحوی سے عربی فارسی علوم کی تکمیل کی۔ پنڈت لالہ زار سے مشورۂ سخن کرتے رہے۔ آخری تاجدار اودھ نواب واجد علی شاہ نے انہیں شاہزادوں کا اتالیق مقرر کر کے مٹیا برج بلا لیا۔ واجد علی شاہ کے انتقال کے بعد نظام کالج حیدرآباد میں پروفیسر مقرر ہوئے اور تقریباً تیس سال اس خدمت پر فائز رہے۔ بعد میں حسن خدمات کے صلہ میں حکومتِ نظام سے وظیفہ ملا۔ اور ولی عہد بہادر کی تعلیم کے لئے مقرر ہوئے۔ اسی زمانہ میں نواب حیدر یار جنگ کا خطاب عطا ہوا۔ جامعہ عثمانیہ کے قیام کے بعد ناظرِ ادبی کی حیثیت سے دار الترجمہ سے وابستہ ہو گئے۔ ۲۳ مئی ۱۹۲۳ء کو انتقال ہوا۔

شاگردوں میں مولانا عبدالحلیم شرر، اقبال تنہا، مہاراجہ سرکشن پرشاد زیادہ مشہور ہیں۔ کلام میں غزلوں کا دیوان ان کی زندگی میں مرتب ہو گیا تھا لیکن اشاعت ان کی وفات کے بعد ہوئی۔ نظم طباطبائی، شرح دیوانِ غالب، شرح دیوانِ امرالقیس، تشریح الافلاک اور تاریخ یورپ بھی آپ کی مشہور تصنیفات ہیں۔

مولوی عبدالرزاق کانپوری

آپ کے اجداد فرخ آباد کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد پروفیسر الٰہی بخش منجم و رمال نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد کانپور کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ مولوی صاحب ۱۱ رمضان المبارک بروز جمعہ ۱۲۹۱ھ (اکتوبر ۱۸۷۴ء) کو انبالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اکثر عزیز لاہور، سیالکوٹ اور انبالہ میں سکونت پذیر تھے۔ پانچ سال کی عمر میں بمقام فتح پور ہسوہ (متصل الٰہ آباد) آپ کی مکتب نشینی اور بسم اللہ خوانی ہوئی۔ کامل سترہ سال کے بعد عربی فارسی کی تعلیم ختم ہوئی اور آپ نے ملازمت کی ضرورت سے مڈل پاس کیا۔ کئی جگہ مدرس اور سررشتہ دار رہنے کے بعد ۱۹۰۷ء میں بھوپال جا کر تحصیلدار ہو گئے۔ بیس ۱۹۱۷ء میں آپ کو منتظم تاریخِ اسلام مقرر کیا گیا۔ چنانچہ آخر عمر تک آپ اس عہدہ پر فائز رہے۔ منشی رحمت اللہ رعد مالک نامی پریس کانپور کی بڑی جنتری میں آپ نے تاریخ ایران، تاریخ آل عثمان اور تاریخ بھوپال پر مسلسل مضامین لکھے۔ اسی پریس سے آپ کی پہلی تصنیف البرامکہ شائع ہوئی۔ پھر اسی سلسلہ میں وزرائے اسلام کی دوسری جلد نظام الملک طوسی شائع ہوئی۔ ان کے علاوہ آپ نے حسب ذیل کتابیں تصنیف و تالیف کیں جن میں زیادہ تر غیر مطبوعہ ہیں: (۱) تاریخ مآثر جلالی۔ (۲) تاریخ اسلام (۳) عہد جاہلیتِ عرب۔ (۴) عہد رسالت۔ (۵) خلافتِ راشدہ۔ (۶) سفرنامہ حکیم ناصر خسرو علوی بلخی۔ (۷) یاد ایام وغیرہ۔

مولوی صاحب بالکل سادہ طبیعت۔ نہایت زندہ دل اور بے تکلف آدمی تھے۔ انکی ذات اور گھر کے در و دیوار سے مصنف کی شان نظر آتی تھی۔ ۲ فروری ۱۹۴۲ء کو انتقال کیا۔

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی رئیس بھیکم پور ۲۸ شعبان ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے۔ فارسی و عربی کی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ عربی کی مشکل کتابیں مفتی محمد لطف اللہ علی گڈھی کے درس میں پڑھیں۔ انگریزی تعلیم میٹرک تک آگرہ اسکول میں پائی۔ پھر جوانی تک علم و فن اور دین و تقویٰ کے باکمالوں سے کسب فیض کیا۔ شیخ حسین یمنی مقیم بھوپال سے سند حدیث حاصل کی۔ قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے فیض پایا۔ بیعت حضرت مولانا شاہ فضل رحمان صاحب گنج مراد آبادی سے کی۔ رسالہ حسن حیدر آباد میں ان کا پہلا مضمون بابر پر چھپا جو بڑا پسند کیا گیا۔ اس کا ایک شرقی انعام ملی۔ مولانا شبلی کی المامون پر ان کا تبصرہ پہلا تنقیدی کارنامہ ہے جو ۱۸۸۶ء میں شوق قدوائی کے اخبار آزاد میں چھپا تھا۔ علمائے سلف اور نابینا علماء ان کے دو بہترین رسالے ہیں۔ مخزن لاہور سے نکلا تو اس میں خسرو کی غزلیات پر ان کا مضمون چھپا۔ ۱۹۰۴ء میں الندوہ کے شریک اڈیٹر ہوئے تو اخلاق پر ان کے مضامین نکلے۔ علی گڈھ کی مجلسوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حالات میں الصدیق لکھ کر پیش کی۔ شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا۔ حسرت تخلص کرتے تھے۔ تیرہ برس حیدر آباد میں امور مذہبی کے صدر رہے۔ چھیاسی برس کی عمر میں تاریخ ۱۱ اگست ۱۹۵۰ء اس دنیائے رنگ و بو کو خیرباد کہا۔

سر شیخ عبدالقادر

شیخ عبدالقادر ۱۸۷۴ء میں بمقام لدھیانہ پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۴ء میں بی اے کیا۔ ۱۸۹۵ء میں انگریزی اخبار پنجاب آبزرور کے اسسٹنٹ ایڈیٹر اور تین سال بعد چیف ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں مخزن نکالا۔ ۱۹۰۴ء میں بیرسٹری کے لیے لندن گئے۔ واپس آکر دلی میں بیرسٹری شروع کی۔ ۱۹۰۹ء میں لاہور چلے آئے۔ ۱۹۱۱ء میں لائل پور میں سرکاری وکیل ہوئے اور دس سال تک یہ کام کرتے رہے۔ ۱۹۲۱ء میں لاہور ہائی کورٹ کے جج اور ۱۹۲۲ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے صدر بنے۔ ۱۹۲۵ء میں وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۶ء میں ہندوستان کے نمائندہ ہو کر جنیوا گئے۔ ۱۹۲۶ء میں مسلم لیگ کے اجلاس کی کی اور اس سے اگلے سال مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس مدراس کی صدارت کی۔ ۱۹۲۸ء میں پنجاب ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بنے اور سر کا خطاب پایا۔ ۱۹۲۹ء میں پبلک سروس کمیشن کے رکن اور ۱۹۳۰ء میں لاہور ہائی کورٹ کے ایڈیشنل جج نامزد ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں انڈیا کونسل کے ممبر ہوئے اور پانچ سال تک لندن میں رہے۔ جہاں سے واپس آکر ۱۹۳۲ء میں بہاول پور ہائی کورٹ کے چیف جج ہو گئے ۱۹۴۵ء اور میں واپس آکر لاہور میں مقیم ہوئے اور آخر یہیں ۹ فروری ۱۹۵۰ء کو ۷۵ برس کی عمر میں آسودۂ خواب ہوئے۔ آپ نے وقت کے بڑے بڑے اعزاز حاصل کئے مگر دنیا انہیں مخزن کے ایڈیٹر اور اردو کے سرپرست کی حیثیت سے یاد رکھے گی۔ کیونکہ علمی اور ادبی احترام کے آگے دنیا کے سارے اعزاز ہیچ ہیں۔

اقبال

جانے کتنے سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی رہی پھر کہیں جاکر ۱۸۷۵ء میں بمقام سیالکوٹ اقبال پیدا ہوئے۔ ــــ ایک کامیاب تعلیمی زندگی گزارنے کے بعد ۱۹۰۵ء میں بغرض تعلیم انگلستان روانہ ہوئے۔ یہیں انگلستان کے مشہور مستشرقین پروفیسر براؤن، نکلسن وغیرہ سے استفادہ کا موقع ملا۔ جرمنی سے انہوں نے پی، ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی پھر انگلستان واپس آکر بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی ــــ ۱۹۲۲ء میں ان کو نائٹ ہڈ یعنی سر کا معزز خطاب ملا ــــ اقبال ایک وسیع النظر شاعر ہیں۔ انہوں نے فلسفۂ مشرق و مغرب دونوں کا عمیق مطالعہ کیا ہے۔ وہ فارسی ادب کے بھی عالم تھے۔ اقبال نے اردو شاعری کو ایک نئی ڈگر سے آشنا کیا۔ ان کی شاعری میں ایک آفاقی پیغام ہے۔ انہوں نے غور و فکر کی نئی راہوں کی نشان دہی کی ہے۔ اقبال کا نقطۂ نظر رجائی اور زندگی سے بھرپور ہے۔ ان کی تصانیف زبان زدِ عام اور مقبولِ خواص و عوام ہیں۔ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو انتقال ہوا۔

شاہ سلیمان صاحب پھلواروی

پھلواری صوبہ بہار میں عظیم آباد پٹنہ سے ملحق ایک مشہور مردم خیز قصبہ ہے جہاں ڈیڑھ دو سو برس کے عرصے میں بہت سے باکمال، اہل علم، علما، صلحا، مشائخ اور شعرا پیدا ہوئے۔ مولانا شاہ سلیمان بھی یہیں کے رہنے والے تھے۔ ستتر اٹھتر برس کی عمر پاکر ۲۷ صفر ۱۳۵۴ھ (۱۹۳۵ء) کو فوت ہو گئے۔ اس لحاظ سے غالباً ۱۲۷۶ھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کے سلسلے میں ہندوستان کے تین باکمالوں یعنی مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی، مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے فیض پایا۔ طب بھی پڑھی اور اپنی زندگی کا آغاز طبیب کی حیثیت سے کیا۔ لکھنؤ کی صحبت میں شعر کہنے شروع کیے۔ حاذق تخلص تھا۔ عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ شوق نیموی کے ہمدرس و ہم صحبت تھے۔ وسیع النظر عالم، بذلہ سنج ادیب، پُر اثر واعظ، موقع شناس مقرر اور بڑے بڑے بزرگوں کے حلقہ سے فیضیاب صوفی تھے۔ تاریخ کا شوق اور عربی نظم و نثر کا اچھا ذوق تھا۔ تصوف کا رنگ ہمیشہ غالب رہا۔ قادری بھی تھے اور چشتی بھی۔ حاجی شاہ امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بھی نسبت تھی۔ پورے پچاس برس تک ہندوستان کا گوشہ گوشہ ان کے پُر کیف و پُر اثر خطبوں اور وعظوں سے معمور رہا۔ جس جلسہ میں وہ ہوتے تھے ان کے سوا ہر آواز ماند پڑ جاتی تھی۔ ندوۃ العلماء اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس ان کے وعظ کے بغیر بے مزہ اور پھیکے رہتے تھے۔ وہ مذہب کے معاملے میں اپنی وسیع المشربی کے لحاظ سے قدیم و جدید کے درمیان حلقۂ اتصال تھے۔

مولانا محمد علی جوہر

رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کامریڈ اور ہمدرد کے ایڈیٹر، اردو کے قادر الکلام شاعر، انگریزی اور اردو کے زبردست ادیب، اندر صحافی، آتش بیان مقرر، ماہر سیاست دان، ہندوستان کی کامل آزادی کے مخلص علمبردار اور مسلمانوں کے محبوب ترین رہنما تھے۔ ۱۸۷۸ء میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ کالج سے بی اے کیا۔ انڈین سول سروس کی تعلیم کے لیے انگلستان گئے، واپس آکر کچھ عرصہ رام پور اور بڑودہ میں ملازمت کی پھر نوکری سے استعفیٰ دے کر ۱۱ جنوری ۱۹۱۱ء کو کلکتہ سے کامریڈ جاری کیا۔ مگر جلد ہی اسے دہلی میں لے آئے۔ اس میں انگریزی انشا پردازی کے وہ وہ جوہر دکھائے کہ ایچ جی ویلز جیسا انگریز ادیب یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ "محمد علی نے برک کی زبان، میکالے کا قلم، اور نپولین کا دل پایا ہے"۔ دراصل ان کا دماغ مغربی مگر دل مشرقی تھا۔ طرابلس اور بلقان کی جنگوں میں مسلمانوں کی مظلومی پر تڑپ اٹھے۔ ترکوں سے ہمدردی کی پاداش میں نظر بند کر دیے گئے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں کانگرس کا ساتھ دیا اور گاندھی جی کو خوب اچھالا پھر ہندوؤں کی تنگ نظری کی بنا پر کانگرس سے الگ ہو کر کامل آزادی کا مطالبہ کیا اور گول میز کانفرنس میں شریک ہو کر مشرق کی حمایت میں مغرب سے مغرب کے ہتھیاروں سے لڑے۔ ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو لندن میں انتقال ہوا۔ اور بیت المقدس میں دفن ہوئے۔ یوں کہنا چاہیے کہ وہ ایک آفتاب تھے جو مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہوا۔ اور اب مشرق اور مغرب کے متحدہ مرکز بیت المقدس میں آرام فرما ہے۔

مولانا شوکت علی

یہ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے بڑے بھائی تھے مگر نہ ان جیسے عالم تھے نہ مقرر۔ رام پور کی ریاستی فضا میں آنکھ کھولی۔ علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔ کرکٹ کے کھلاڑی اور پورے صاحب بن کر نکلے، ملازم ہوئے۔ پھر نوکری چھوڑ کر سر آغا خاں کے سیکرٹری کی حیثیت سے مسلم یونیورسٹی کے لیے چندہ جمع کرتے رہے۔ جب پہلی جنگ عظیم کے بعد خدام کعبہ اور خلافت کی تحریک شروع ہوئی تو محض اس خیال سے کہ کانگرس آزادی کی حامی ہے اپنے بھائی کے ساتھ اس میں شریک ہو گئے۔ اور گاندھی کو جیب میں لیے لیے پھرتے رہے۔ مگر ہندوؤں کی تنگ نظری ان کے خلوص اور سچے ہندی کا ساتھ نہ دے سکی۔ "وہ سپاہی تھے۔ ان تھک کام کرنے والے، نڈر، پُر دل اور پُر امید، وہ کبھی کسی حال میں ناامید نہیں ہوتے تھے۔ ان کی تقریر چند فقروں کی ہوتی تھی۔ مگر وہ لوگوں میں زندگی

پھونک دیتے۔ تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کو بھی کبھی مایوس نہ ہونے دیتے تھے۔ یہ انہیں کا کام تھا کہ ۱۹۲۰ء سے مرتے دم تک سارے ہندوستان کو چھان مارا تھا۔ تیس برس کی جانکاہ محنت کے بعد بدرت نے سپاہی کی کمر کھول دی اور وہ (۲۸ نومبر ۱۹۳۸ء میں) ابدی آرام کے لیے دائمی نیند سو گئے۔ جامع مسجد دہلی کی سیڑھیاں ان کی خوابگاہ بنیں۔" (یادِ رفتگاں)

جلیل مانک پوری

جلیل حسن نام، جلیل تخلص تھا۔ ۱۸۶۹ء میں اپنے وطن مانک پور ضلع پرتاپ گڑھ (اودھ) میں پیدا ہوئے والد کا نام مولوی حافظ عبد الکریم تھا۔ جلیل کی ابتدائی تعلیم خاص مشرقی انداز میں ہوئی۔ گھر پر عربی، فارسی اور اردو کی متداولہ درسی کتب پڑھیں اور قرآن مجید حفظ کیا۔ مزید تعلیم کے لیے لکھنؤ گئے۔ جہاں عربی اور فارسی کی فاضلانہ استعداد بہم پہنچائی اور عروض و قوافی کا خاص ملکہ حاصل کیا۔ یہیں شاعری کا ذوق پیدا ہوا۔ امیر مینائی کی شاگردی اختیار کی۔ استاد نے رامپور میں امیر اللغات کی تدوین کے لیے دفتر قائم کیا۔ تو جلیل ان کے سیکرٹری مقرر ہوئے اور ان کے ہمراہ بنارس، بھوپال اور حیدرآباد گئے۔ حیدرآباد میں مہاراجہ سرکشن پرشاد کے مہمان رہے اور دو رسائل "محبوب الکلام اور ہدیۂ آصفی" کی ترتیب و اشاعت کا کام سرانجام دیتے رہے۔ اسی اثنا میں امیر مینائی کا انتقال ہو گیا تو ان کے بعض شاگردوں نے آپ کو استاد کا جانشین قرار دیا۔ داغ کے انتقال کے بعد نواب میر محبوب علی خان نے جلیل کو اپنا استاد مقرر کیا۔ پھر نواب عثمان علی خان نے استاد اور شاعر دربار مقرر کر کے "نواب فصاحت جنگ بہادر" اور امام الفن کے لقب عطا کیے۔ ۷۷ برس کی عمر پا کر ۳ر جنوری ۱۹۴۶ء کو وہیں انتقال کیا۔ مرحوم نے تاج سخن، جان سخن، معراج سخن، سرتاج سخن، گلِ صدرنگ، عطرِ سخن یادگار چھوڑی ہیں۔ امیر مینائی کی سوانح عمری اور دکن کی تاریخ بھی لکھی تھی۔

نواب سید علی حسن خان

محسن الدولہ حسام الملک شمس العلماء نواب سید محمد علی حسن خان بن نواب سید صدیق حسن خان مرحوم رئیس بھوپال ۲ ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء کو پنجشنبہ کے روز پیدا ہوئے۔ والد کے فیض صحبت نے کتاب و سنت اور فنونِ دانش و حکمت کا ذوق آشنا بنایا۔ ہر علم و فن کے باکمال استادوں سے تعلیم حاصل کی۔ علمی ادبی چرچوں کے سبب ان کے کانوں میں کوئی بات پڑی وہ عربی زبان کے عالم، فارسی کے ماہر اور اردو کے مشاق اہلِ قلم تھے۔ انہوں نے متعدد مذہبی اور تاریخی کتابیں تصنیف کیں۔ شعرائے اردو کا تذکرہ "بزمِ سخن" ان کی جوانی کی یادگار ہے۔ فطرۃ اسلام، مردم دیدہ اور مآثر صدیقی ان کی بہترین کتابیں ہیں۔ لکھنؤ کے لال باغ میں اپنی کوٹھی بھوپال ہاؤس میں اکثر رہتے تھے۔ لکھنؤ کی تعلیمی اور مذہبی تحریکوں میں شریک ہو کر ہر قسم کی جانی و مالی خدمتیں انجام دیں۔ مدت تک ندوۃ کے اعزازی ناظم رہے۔ مجسم اخلاق۔ حد درجہ پاک باطن، نیک طینت، صلح کل اور پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ ۳۰ رمضان ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۳۶ء کی صبح کو بہتّر برس کی عمر میں انتقال کیا۔

سید حسین بلگرامی

نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی سی آئی ای ڈاکٹر سید علی بلگرامی کے برادر بزرگ تھے۔ گو علمی اور ادبی قابلیت میں چھوٹے بھائی سے بڑھ نہیں سکے مگر پبلک اور سیاسی زندگی میں ان پر فضیلت رکھتے تھے۔ آپ ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے عرصہ دراز تک حیدرآباد دکن میں معزز عہدوں پر ممتاز رہ کر سیکرٹری آف اسٹیٹ ہند کی کونسل میں منتقل ہو گئے۔ آپ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں کوئی معرکۃ الآرا یادگار نہیں چھوڑی صرف چند مضامین اور وہ خطبات جو علی گڑھ ایجوکیشنل کانفرنس میں پڑھے گئے "رسائل عماد الملک" کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ انہیں کی وجہ سے ادبی دنیا میں شہرت ہے۔ ان سے تعلیم اور سائنس کی ترقی کے متعلق آپ کے خیالات معلوم ہو سکتے ہیں۔ دائرۃ المعارف کا قیام جس کا مقصد نایاب اور مفید عربی کتابیں شائع کرنا تھا۔ آپ ہی کی مبارک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ آپ نے بہت سا وقت قرآن شریف کے انگریزی ترجمہ پر بھی صرف کیا۔ مگر وہ مکمل نہ ہو سکا ۱۲۹۱ھ میں رسالہ المخزن الفوائد جاری کیا تھا جو علمی و اخلاقی مضامین پر مشتمل تھا تاریخ، فلسفہ، سائنس اور ادب و اخلاق وغیرہ پر اچھے اچھے مضمون اس میں شائع ہوتے تھے۔ بہترین کلام کا انتخاب بھی کیا تھا جو

چھپ گیا ہے۔ ۳ جون ۱۹۲۶ء کو بادِ مرگ نے ان کا چراغِ حیات گل کر دیا۔

نواب محمد اسحاق خاں

آپ جہانگیر آباد کے مشہور رئیس نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کے صاحبزادے اور محمڈن کالج علی گڑھ کے سیکریٹری تھے۔ آپ کو شعر و سخن کا مذاق ورثے میں ملا تھا۔ آپ نے حضرت امیر خسروؔ کی کل تصنیفات بڑی تلاش و جستجو سے فراہم کیں اور انہیں خاص اہتمام سے چھپوانے کا بندوبست فرمایا۔ ان میں سے چار مثنویاں آئینہ سکندری، دول رانی خضر خان، لیلیٰ مجنوں اور قرآن السعدین ان کی زندگی ہی میں مع مبسوط اور دلچسپ مقدمات کے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس سے شائع ہو گئی تھیں کچھ بعد میں طبع ہوئیں۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کا دیوان بھی انھوں نے بڑی شان سے شائع کیا تھا۔ انتقال ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں ہوا۔ قبر دہلی میں ہے۔

مہاراجہ سر کشن پرشاد

راجہ کشن پرشاد نام، مہاراجہ یمین السلطنت بہادر کے سی ایس آئی خطاب۔ مہاراجہ چندو لال کے پرپوتے، نرندر پرشاد کے نواسے اور راجہ ٹوڈرمل کی یادگار تھے۔ اصل وطن لاہور تھا۔ یہاں سے ان کا خاندان پہلے دہلی اور پھر حیدر آباد پہنچا۔ ۱۲۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ عالیہ میں تعلیم پائی۔ عربی، فارسی اور انگریزی میں کافی مہارت حاصل کی۔ نانا کے جانشین اور جاگیرات پیشکاری سے سرفراز ہوئے۔ ۱۳۰۱ھ میں پیشکاری کے ساتھ معین المہام فوج بنائے گئے۔ ۱۳۱۹ھ میں مدار المہامی سرفراز ہوئی۔ ۱۳۳۰ھ میں اس خدمت سے سبکدوش ہو کر ۱۳۴۵ھ میں پھر صدارتِ عظمیٰ کے جلیل القدر عہدے پر سرفراز ہوئے۔

شاعری کا خاص مذاق تھا۔ داغؔ اور آصفؔ کے شاگرد تھے۔ ایک زمانہ میں امیرؔ، جلیلؔ، ظہیرؔ دہلوی اور سرشارؔ وغیرہ آپ کے زمرۂ مصاحبین میں شامل تھے۔ بعد میں فانیؔ بدایونی، ہوشؔ بلگرامی، محویؔ، غبارؔ، ثاقبؔ، صفیؔ وغیرہ دربار میں رہے۔ آپ کا کلام صوفیانہ جذبات سے مملو ہے۔ کلام کے کئی مجموعے مختلف ناموں سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی ایک نعت کو یہ شرف حاصل ہے کہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے پیچھے کتب خانہ شیخ الاسلام کی ایک دیوار پر آویزاں ہے۔ جون ۱۹۴۰ء میں وفات پائی۔

بیخودؔ بدایونی

مولوی عبد الحیٔ نام، بیخودؔ تخلص تھا۔ مولوی غلام سرور صدیقی کے فرزند اور بدایوں (یو پی) کے رہنے والے تھے۔ بڑے خوش وضع، رنگین مزاج، اور ظریف طبع انسان تھے۔ فنِ شعر میں پہلے مولانا حالیؔ کی شاگردی اختیار کی۔ مگر طبیعت کو چونکہ غزل سے زیادہ مناسبت تھی۔ اس لیے بعد میں داغؔ کو استاد بنا لیا اور طبع کی خوب خوب جولانیاں دکھائیں۔ نومبر ۱۹۱۲ء میں انتقال ہوا۔ کلام کا مجموعہ مرآۃ الخیال کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

خواجہ عبد الرؤف عشرتؔ لکھنوی

خواجہ عبد الرؤف نام، عشرتؔ تخلص، والد کا نام خواجہ عبد الشکور تھا۔ ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم مولوی احمد علی ندوائی اور قطب الدین احمد مالک مطبع نامی سے اور عربی مولوی فتح محمد لکھنوی اور مولوی فریاد حسین مراد آبادی سے پڑھی۔ اسی زمانے میں شاعری کا شوق ہوا۔ شیخ محمد جان شادؔ پیرِ دبیرؔ نے حدائق البلاغت اور رسالہ قافیہ پڑھائے۔ متروکات سمجھائے۔ میر تقی میرؔ کے قواعد و اصول ذہن نشین کرائے اور غزل گوئی کی اجازت دی۔ دیوان مرتب ہو چکا ہے مگر نظم سے زیادہ نثر لکھتے تھے۔ لکھنؤ کے ماضی و حال اور جانِ عالم کی کہانی ان کا خاص موضوع تھا (گویا لکھنؤ کی زندہ تاریخ تھے)۔ کئی کتابوں کے مصنف اور کئی شاگردوں کے استاد تھے اور غضب یہ کہ آخری وقت تک لکھتے رہے۔ جون ۱۹۴۰ء میں انتقال فرمایا۔ وفات کے وقت اسی برس سے کم نہ ہوں گے۔ شاعری کا مکمل سٹ، لغات اردو کا مکمل سٹ، مضمون نویسی، اصلاح زبان اردو، زباندانی، ہجولی، ترجمان پارس اور رہنمائے اردو وغیرہ چند کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ تذکرہ آبِ بقا آپ کے مضامین نظم و نثر کا مجموعہ ہے۔

ایم مہدی حسن (افادی الاقتصادی)

آپ گورکھپور کے رہنے والے تھے۔ مشرقی تعلیم کے ساتھ انگریزی تعلیم حاصل کر کے ملازمت اختیار کی اور معمولی ملازمت سے ترقی کر کے تحصیلداری کے عہدے تک پہنچے۔

مگر عمر نے وفا نہ کی اور نوجوانی کی موت نے ۲۲ نومبر ۱۹۲۱ء کو ان کی ہونہار زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ وہ ایک سحر نگار ادیب اور ایک خاص طرزِ انشا کے موجد تھے لفظوں سے مصوری کرتے تھے۔ ان کی کتاب افادات مہدی بہت مشہور ہے۔ وہ دار المصنفین کی مجلس انتظامی کے رکن بھی تھے۔ ادب و انشا کا ایسا ذوقِ سلیم رکھنے والے افراد مدتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے طرزِ انشا میں کچھ لطیف خصوصیات ایسی ہوتی تھیں کہ احساس ذوق ہی سے تعلق رکھتی تھیں۔ بیان نہیں کی جا سکتیں۔ بعض اوقات بے راہ رو بھی ہو جاتے تھے رسالہ نقاد آگرہ کی ابتدائی اشاعتوں میں انہوں نے اپنے ادبِ لطیف کے جو نمونے شائع کئے تھے ان میں یہ کمال کھیلے ہیں۔ مقیاس الشباب اور نغمۂ عیش جیسی عریاں تراکیب بے محابانہ استعمال کی ہیں۔ حسین شخصیتوں کے حسن کا تجزیہ بھی بے باکی سے کیا ہے۔

نسیم بھرت پوری

سید شبیر حسین نام، نسیمؔ تخلص تھا۔ ریاست بھرت پور میں ۱۸۶۱ء میں پیدا ہو کر ۱۹۰۹ء میں انتقال کیا غالباً ریاست ہی کے محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔ شاعری میں داغؔ کی شاگردی اختیار کی۔ استاد کو اپنے اس شاگرد پر بڑا ناز تھا۔ حیدرآباد کے اکثر معرکوں میں خود بلا کر شریک کیا۔ نسیمؔ نے اکثر غزلیں معرکۃ الآرا طرحوں میں لکھیں اور خوب شہرت حاصل کی دلی پنچ اور مخزن کے مضمون نگار بھی تھے۔ افسوس کہ زیادہ عمر نہ پائی، جوانی ہی میں استاد کو داغِ مفارقت دے گئے۔ بڑے ذہین اور ہونہار تھے استاد کے قدم بقدم رکھتے تھے۔ زبان نہایت صاف اور شستہ تھی۔ دل میں چٹکیاں لینے کے لحاظ سے ان کے اکثر اشعار داغؔ سے ملتے جلتے ہیں

میر نثار علی شہرت

آپ دلی کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد منشی حسین علی فرحتؔ شاہ نصیرؔ مرحوم کے شاگرد تھے۔ شہرتؔ نے پہلے اپنے والد سے شاعری میں اصلاح لی۔ پھر حکیم مولا بخش قلقؔ کے شاگرد ہوئے اخبار کوہ نور لاہور کے علاوہ اخبار انجمن پنجاب، پنجاب پنچ اور خیر خواہ عالم دہلی وغیرہ کے بھی ایڈیٹر رہے۔ جے پور اور میرٹھ میں بھی ملازمت کی اور بہت عرصہ ریاست جموں و کشمیر میں محکمہ تعلیم کے افسر رہے۔ باوجود پیرانہ سالی قلم ہاتھ سے نہیں رکھا۔ کئی سال لاہور میں مضمون نگاری کرتے رہے۔ دیسی ریاستوں کے حالات اور معاملات پر خامہ فرسائی کا خاص ملکہ تھا۔ ۱۹۲۰ء کے قریب لاہور میں فوت ہوئے۔ اجیر ہندی کتاب کے علاوہ یہ دو شعر انہیں کے ہیں

یہ جنت ایک پائیں باغ ہے اس گل کے ایواں کا
جہنم ایک شرارہ ہے ہمارے داغِ سوزاں کا

فنا ہوتے ہی پہنچا ایک منزل اس سے بھی آگے
پتہ کوئی بتاتا ہی نہ تھا عمرِ گریزاں کا

چوہدری خوشی محمد ناظر

خوشی محمد نام، ناظرؔ تخلص تھا۔ ۱۸۶۲ء مطابق ۱۲۸۹ھ میں ہریا والا ضلع گجرات (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام چوہدری مولاداد خاں تھا۔ ناظرؔ نے ابتدائی تعلیم گھر پر مولوی انوار الدین صاحب آزرؔ سے، ثانوی تعلیم مدرسہ سے اور اعلیٰ تعلیم علی گڑھ کالج سے حاصل کی جہاں سے انہوں نے ۱۸۹۳ء میں بی اے کی ڈگری لی۔ ریاست کشمیر میں ملازمت اختیار کی۔ بہت عرصہ کشمیر اور لداخ کے گورنر رہے۔ آخر یکم جنوری ۱۹۳۵ء کو ریونیو منسٹر کے عہدہ سے سبکدوش ہو کر چک جھمرہ (ضلع لائل پور) میں (جہاں موصوف کی خاصی بڑی زمینداری تھی) اقامت گزیں ہو گئے۔ وہیں زندگی کے آخری ایام قومی، ادبی خدمات میں گزار کر یکم اکتوبر ۱۹۴۴ء کو انتقال فرمایا۔

چوہدری صاحب بچپن ہی سے شعر کہتے تھے اور مولانا حالیؔ سے اصلاح لیتے تھے۔ گو ابھی غزل سرائی کا رنگ پختہ نہ ہونے پایا تھا کہ علی گڑھ کی ادبی فضا نے نیچرل شاعری کا ایسا رنگ چڑھایا کہ آخری دم تک اس کے شیدائی رہے۔ آپ کے کلام کا مجموعہ "نغمۂ فردوس"

ہ دو جلدوں میں شایع ہو چکا ہے۔ آپ کی مشہور نظم "جوگی" اردو کی کلاسیکی نظموں میں شمار ہوتی ہے۔

ہجور کاشمیری

کشمیر کے شاعر انقلاب منشی غلام احمد مہجور سرینگر کے پیرزادگان سے تھے۔ انہوں نے پیری مریدی کا سلسلہ ترک
کر کے محکمہ بندوبست میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ نہایت روشن خیال اور ذی علم تھے۔ کشمیری زبان کے علاوہ
اردو، فارسی میں بھی بہت اچھے شعر کہتے تھے۔ ذوق سخن کے علاوہ کشمیر کی تاریخ سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں چاپ
ہ چھپ چکی ہے۔ ایک کتاب ملکۂ کشمیر حبہ خاتون کے حالات میں اور ایک پٹواریوں کے متعلق "پٹواری" کے نام سے لکھی تھی لیکن ان سب سے غالب
بڑی کتاب جو آپ نے ترتیب دی وہ شعرائے کشمیر کا تذکرہ ہے جو دو تین جلدوں میں ہے۔ یہ کتاب ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔
کے پاس قلمی کتابوں کا نادر ذخیرہ تھا۔ انہی قدیم کتب اور تذکرۂ شعرا کے سلسلہ میں علامہ اقبال، نواب حبیب الرحمان خان شروانی اور ۔ مورخ کشمیر
محمد الدین فوق سے آپ کی خط و کتابت رہتی تھی۔ آپ نے اپنی پُر اثر کشمیری شاعری کے ذریعے کشمیر کو جدید تحریکات سے روشناس کیا اور
، بیداری کی روح پیدا کی۔ تقسیم ملک کے بعد یہ ساز خاموش ہو گیا۔

خ الہند مولانا محمود الحسن

مولانا محمود الحسن کے والد مولانا ذوالفقار علی انسپکٹر مدارس تھے اور اتنے جید عالم کہ انہوں
نے حماسہ اور دیوان متنبی کی شرحیں اردو میں لکھی ہیں۔ مولانا محمود الحسن نے عربی ادب کی
ہ تعلیم انہیں سے حاصل کی اور قرآن و حدیث اور فقہ وغیرہ کا درس مولانا محمد قاسم نانوتوی سے لیا۔ مولانا نہایت سلیم الفطرت، ذہین، ذکی اور
تھے۔ اس لیے شباب ہی میں تمام علوم کی تکمیل کی۔ ان کے تبحر علمی کی وجہ سے انہیں دار العلوم دیوبند کا صدر مدرس منتخب کیا گیا جو خدمت وہ
سال تک انجام دیتے رہے۔ ۱۹۱۰ء میں انہوں نے مؤتمر الانصار کی بنیاد رکھی اور اس کا پہلا اجلاس مراد آباد میں کیا جس میں ہندوستان
تمام بڑے بڑے علما اور فضلا جمع ہوئے۔ مولانا نے انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کو علم دین سے اور طبقہ علما کو سیاست حاضرہ سے واقف کرنے
ہ لیے نوجوانوں کو دعوت دی کہ وہ دیوبند آکر ان سے حدیث کی تعلیم حاصل کریں۔ ایک سی آئی ڈی ایجنٹ نے شاگردی کے پردے میں جاسوسی کے
ض انجام دیئے جس کی بنا پر مولانا حکومت کے باغی قرار دیئے گئے۔ چنانچہ ۱۹۱۶ء میں جب مولانا حج کرنے بیت اللہ شریف گئے تو انگریزوں
شریف مکہ کے ذریعے انہیں گرفتار کر کے جزیرہ مالٹا میں قید کر دیا۔ جولائی ۱۹۲۰ء میں وہاں سے رہا ہو کر دہلی آئے مگر اتنے علیل تھے
۱۹۲۱ء میں انتقال فرما گئے۔ آپ نے مولانا رشید احمد گنگوہی کے رسالہ تجوید کی نہایت فاضلانہ شرح لکھی ہے۔

علامہ راشد الخیری

ناول نویسی میں مولانا نذیر احمد کے صحیح جانشین تھے۔ ان کی توجہ زیادہ تر عورتوں کی تعلیم و ترقی اور ان کے
مصائب زندگی پر مرکوز رہی۔ چونکہ عبارت درد انگیز اور پُر تاثیر ہوتی تھی۔ اس لیے مصور غم کے لقب
سے مشہور تھے۔ کثیر التصانیف ہیں۔ بعض مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں: صبح زندگی، شام زندگی، نوحۂ زندگی، عروس کربلا، زہرہ مغرب
سنہ کالال، فاطمہ کا لال، وغیرہ۔ رسالہ تمدن اور عصمت کے ایڈیٹر تھے۔ ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے اور ۳ فروری ۱۹۳۶ء کو دہلی میں وفات
پا گئے۔

مولوی محمد بشیر الدین

خان بہادر مولوی محمد بشیر الدین میرٹھ کے مشہور خاندان کمبوہ سے تھے۔ شعبان ۱۲۷۴ھ مطابق اپریل
۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام حاجی قمر الدین تھا۔ فارسی تعلیم اپنے وطن میرٹھ میں حاصل
کرنے کے بعد ۱۸۸۳ء میں اٹاوہ آئے اور وہاں کے نجم الاخبار سے متعلق ہو کر ۱۸۹۷ء تک اس کی ادارت کے فرائض نہایت قابلیت سے
انجام دیتے رہے۔ سر سید کی تعلیمی تحریک شروع ہوئی تو اوّل اوّل عام مسلمانوں کی طرح اسے مفید نہ سمجھتے ہوئے اس کی مخالفت کی لیکن آہستہ آہستہ
اس کے مفید ہونے کا یقین ہو گیا۔ چنانچہ ۱۸۹۵ء میں جب اٹاوہ سے اپنا اخبار "البشیر" جاری کیا تو علی گڑھ تحریک کی حمایت میں سرگرم

کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ یہ اخبار ہفتہ وار تھا اور مسلمانوں کے تعلیمی اور اقتصادی مسائل پر نہایت سیر حاصل بحثیں کرتا تھا۔ فرقہ وارانہ جھگڑوں اور ذاتی مناقشات سے یہ اخبار ہمیشہ الگ رہا۔ گو خدمت میں کسی بڑے سے بڑے اخبار سے پیچھے نہیں رہا۔ ۱۸۹۶ء میں مولانا نے مسلمان بچوں کے لیے ایک اسلامیہ ہائی سکول آرہ میں جاری کیا اور ساری عمر اس کی ترقی کی فکر میں گزار دی۔ وہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے جوائنٹ سیکرٹری اور مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر بھی تھے ان قومی اور تعلیمی خدمات کے اعتراف میں حکومت نے خان بہادر کا خطاب اور سرکار نظام نے سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ تاحین حیات عطا کیا۔

مولانا نے بہت لمبی عمر پائی۔ ان کی شمع حیات پورے بانوے برس فروزاں رہنے کے بعد ۱۲ جون ۱۹۵۷ء کو خاموش ہو گئی۔ وہ قدیم زمانہ کے شرفا کی ایک محترم یادگار اور نہایت نیک نفس، ہمدرد اور پاک باز بزرگ تھے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی

مولانا رشید احمد سلسلۂ گنگوہ کے بزرگوں اور دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں درجۂ اختصاص رکھتے تھے۔ وہ عالم باعمل، واقف رازِ طریقت اور صاحب سیف و قلم تھے۔ ان کی ذات سے رشد و ہدایت اور علم و عرفان کے جو چشمے پھوٹے وہ اب تک پاک و ہند کو سیراب کر رہے ہیں۔ سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی تحریک جہاد کی ناکامی کے بعد جب مجاہدین نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں دوبارہ منظم ہو کر جان کی بازی لگائی تو تھانہ بھون کے علاقے میں اس جماعت کے امام حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، سپہ سالار مولانا محمد قاسم نانوتوی، میمنہ کے افسر مولانا محمد منیر اور میسرہ کے کماندار حافظ ضامن تھے۔ مولانا رشید احمد اس میں قاضی لشکر تھے۔ گو یہ تحریک بھی کامیاب نہ ہوئی۔ مولانا کو بغاوت کے الزام میں قید کیا گیا مگر کافی ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے بعد میں چھوڑ دیا گیا۔ ۹ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء کو اٹھتر سال سات ماہ کی عمر میں مولانا نے وصال کیا۔ ہدایۃ الشیعہ، زبدۃ المناسک، لطائف رشیدیہ، براہین قاطعہ، سبیل الرشاد، میلاد شریف، رسالہ جمعہ، احتیاط الظہر، ہدایۃ المعتدی آپ کی تصانیف ہیں۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن نے آپ کے رسالہ جمعہ کی نہایت فاضلانہ شرح لکھی ہے۔

مولانا عبدالماجد بدایونی

خطیب الامت مولانا شاہ عبدالماجد قادری بدایونی ہندوستان کے ایک مشہور علمی خانوادے کے روشن چراغ تھے۔ وہ عالموں میں عالم، صوفیوں میں صوفی، شاعروں میں شاعر اور قومی تحریکات کے مخلص رہنما تھے۔ ان کی ذات ہر حیثیت سے قابل فخر تھی۔ خدام کعبہ، طرابلس، بلقان، کانپور، خلافت، کانگریس، تبلیغ، تنظیم، مسلم کانفرنس، یہ تمام وہ مجالس ہیں جو ان کی خدمات سے گراں بار ہیں۔ ان کو ہر وقت اور ہر نفس کام کی ایک دھن لگی رہتی تھی جس کے پیچھے عمر بھر آرام و سکون، اہل و عیال اور جان و مال سب قربان تھے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ گھر میں کفن دفن کا سامان ہو رہا ہے اور وہ مردہ قوم کی مسیحائی کے لیے عازم سفر ہیں۔ اس دور عروج میں انہوں نے اپنا مدرسہ شمس العلوم بھی قائم کیا تھا اور ۱۳ دسمبر ۱۹۳۱ء کی رات کو ان کی زندگی کی منزلیں پوری ہو گئیں۔ ان کا انتقال لکھنؤ میں ہوا۔ لاش بدایوں منتقل کی گئی۔ وہ سرتاپا محبت تھے۔ ان کی ہستی محبت کا آئینہ خانہ تھی۔ ان کی تقریریں جذبات اسلامی کی ترجمان ہوتی تھیں۔ رسالہ خلافت، الاظہار، تسہیل المنطق، التہذیب، الخلافۃ الاسلامیہ، رسالہ تعریف المدافع والاستطاعہ، تاریخ خلافت وغیرہ چند رسالے اور کتابیں ان کی یادگار ہیں۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی

فرنگی محل کے دور العلم والعمل نے علم، اخلاص، فضل و کمال، ایمان و معرفت اور زہد و ورع کے ایک سے ایک بڑھ کر نمونے پیدا کیے۔ مولانا عبدالباری اس کی آخری یادگار تھے۔ متاخرین میں مولانا عبدالحی کے بعد ان کی ذات نمایاں ہوئی جو بزرگ اجداد کی روایات کی حامل تھی۔ انہوں نے مولانا عبدالحی کے شاگرد خاص مولانا عین القضاۃ سے لکھنؤ میں تحصیل کی۔ پھر حجاز گئے۔ حدیث کی سند لی۔ ملک شام کا سفر کیا۔ علما سے فیض اٹھایا۔ مدینہ سے ہندوستان واپس آئے اور خدام کعبہ میں پرجوش شرکت کی۔ پھر مجلس خلافت اور جمعیۃ العلماء کی تاسیس میں حصہ لیا۔ ترک موالات کے علمبردار بنے۔ فرنگی محل میں مدرسہ نظامیہ کے نام سے ایک باقاعدہ مدرسہ عربیہ کی بنیاد رکھی جس سے متعدد اصحاب فکر اور اہل قلم پیدا ہوئے۔ ارشاد و ہدایت، وعظ و نصیحت، درس و تدریس، تلاش و مطالعہ، تحریر و تالیف ان کے روزانہ مشاغل تھے۔ وہ فقہ

حنفی مسلک کے پرجوش حامی تھے اور ان کی قلمی و عملی کوششیں زیادہ تر اسی کے متعلق صرف ہوتی تھیں۔ انہوں نے اپنے بعد ۱۰۰ کے قریب چھوٹی بڑی تصنیفات و رسائل کی فہرست یادگار چھوڑی جن میں سب سے زیادہ مفید اور کارآمد ان کی اردو تفسیر تھی جو ناتمام رہی۔ امام محمد کی سیر کبیر کا کام بھی ان کے پیش نظر تھا علم حدیث میں بھی ایک دو رسالے ہیں۔ افسوس! ۱۹، ۲۰ جنوری ۱۹۲۶ء کی درمیانی شب یہ چشمۂ فیض ہمیشہ کے لیے خشک ہو گیا۔ وفات کے وقت مولانا کا سن غالباً ۷۴ برس کے قریب ہوگا۔ (یاد رفتگاں)

مولانا آزاد سبحانی

مولانا کا اصل نام عبدالقادر اور وطن سکندرپور ضلع بلیا تھا۔ وہ فلسفہ الٰہیات کے فاضل، وسیع النظر عالم، سحر بیان خطیب اور شاعر تھے۔ پہلے پہل ان کے نام کو شہرت اس وقت حاصل ہوئی جب آریہ سماجیوں نے ہندوستان میں فتنۂ ارتداد بپا کیا اور مولانا شبلی نعمانی جیسے قوم پرور نے اس کے انسداد کی طرف خاص توجہ کی۔ یہ وہی فتنہ تھا، جس کو ۱۹۲۳ء میں دوبارہ شدھی کے نام سے سوامی شردھانند نے ابھارا اور جس کے باعث تحریک خلافت اور ترک موالات کے زمانہ (۱۹۲۰ء) کا قائم شدہ ہندو مسلم اتحاد ملیامیٹ ہو گیا۔ اس فتنہ کے استیصال کے لیے مولانا آزاد سبحانی نے کانپور میں مدرسہ الٰہیات قائم کرکے بیشمار مبلغ پیدا کیے۔ تحریک خلافت، ترک موالات اور مسلم لیگ میں شامل ہو کر بھی مولانا نے آزادئ وطن کے لیے سرگرم حصہ لیا جب کلکتہ میں سیاسی اختلافات کے باعث مسلمانوں کی اکثریت نے مولانا ابوالکلام آزاد کی امامت میں نماز عیدین پڑھنے سے انکار کر دیا تو ان کی جگہ مولانا آزاد سبحانی نے دو سال امامت و خطابت کے فرائض انجام دیے۔ مولانا کے خطبے عام طور پر عالمانہ اور محققانہ ہوتے تھے۔ ۱۹۴۵ء میں مولانا نے "حکومت ربانیت" کے نام سے ایک روحانی اور اصلاحی تحریک شروع کی اور گورکھپور سے ایک ماہوار رسالہ "روحانیت" کے نام سے نکالا جو ڈیڑھ سال بعد بند ہو گیا۔ مذہبیت کے باوجود مولانا روس کی کمیونزم سے بہت متاثر تھے۔ انتقال سے چند سال قبل روس کی سیاحت بھی کر آئے تھے۔ مزاج میں تلون تھا۔ اس لیے جم کر کوئی کام نہ کر سکے۔ پھر بھی سیاسی رنگ میں "آزادی" اور "مالابار اور موپلا" دو رسالے تصنیف کیے۔ روحانیت اور مذہب پر بھی متعدد کتابیں لکھیں جو ناقدری کا شکار ہو گئیں۔ جولائی ۱۹۵۶ء میں ۷۵ برس کی عمر پا کر اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ ؏

نصیبوں میں لکھا تھا خاک گورکھپور ہو جانا۔

مسیح الملک حکیم اجمل خاں شیدا

مسیح الملک حکیم اجمل خاں دہلی کے نامور طبیب، خاندان شریفی کے چشم و چراغ، مجدد طب حکیم محمود خاں کے فرزند اور ملک کے ممتاز سیاسی رہنما تھے۔ ۱۷ شوال ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۸۶۳ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ۲۰ برس کی عمر میں تمام علوم متداولہ یعنی منطق، فلسفہ، ادب، طبیعات، حدیث اور تفسیر میں مہارت حاصل کر لی۔ فن طب اپنے بھائی حکیم عبدالمجید خاں سے سیکھا۔ خاندان کے دوسرے بزرگوں سے بھی چند طبی کتابیں پڑھیں۔ ابتدائی زمانہ ریاست رام پور میں گزرا جہاں ہر علم و فن کی ہزاروں کتابیں پڑھ ڈالیں۔ اپنے بھائی حکیم واصل خاں کے انتقال کے بعد دہلی آ کر اپنی آبائی گدی سنبھالی اور بڑی کوشش سے طبیہ کالج دہلی قائم کیا۔ وطن کی آزادی میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۰۸ء میں حکومت ہند نے ان کو حاذق الملک کا خطاب عطا کیا۔ جب سیاسی کشمکش بہت بڑھی اور حکومت سے ٹکر ہوئی تو خطاب واپس کر دیا۔ اس ایثار اور قربانی پر قوم نے ان کو مسیح الملک کا خطاب دیا۔ آپ شاعر بھی تھے اور شیدا تخلص کرتے تھے۔ کلام کا مجموعہ چھپ چکا ہے۔ طبیعت غیور اور اخلاق بلند تھے۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۲۷ء کو رام پور میں اس مخلص اور یگانۂ روزگار ہستی کا انتقال ہو گیا۔

سائل دہلوی

نواب ابوالمعظم مرزا سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی ۱۸۶۸ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب آپ کے والد اور نواب سعید الدین خاں طالب آپ کے چچا تھے۔ تعلیم کی تکمیل اپنے دادا نواب ضیاء الدین خاں نیر رخشاں کی نگرانی میں کی۔ عربی فارسی کے زبردست عالم تھے۔ ہندی اور سنسکرت بھی اچھی خاصی جانتے تھے۔ حاذق الملک حکیم اجمل خاں سے طب بھی پڑھی اور اس میں خاصی استعداد پیدا کی۔ نواب مرزا خاں داغ دہلوی کے داماد تھے اور فن شعر میں انہیں کی شاگردی بھی اختیار کی۔ غزل خوب کہتے تھے۔ طبیعت نہایت نفاست پسند تھی۔ بڑے وضعدار، وجیہ اور خوش پوش بزرگ تھے۔ خوش اخلاقی اور مشرقی تہذیب کا عمدہ نمونہ تھے۔ آخری عمر میں شکار کھیلتے کھیلتے بندوق سے پاؤں زخمی ہو گیا تھا۔ اس لیے رکشا یا پالکی میں بیٹھ کر روزانہ سیر کو نکلتے تھے۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۴۵ء کو طویل علالت کے بعد انتقال کیا۔ غزلوں کے چھ دیوان یادگار چھوڑے مگر ایک بھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا۔

پنڈت شیو نرائن شمیم

رائے بہادر پنڈت شیو نرائن شمیم کے بزرگ کشمیر سے نکل کر پہلے ریاست جے پور میں آباد ہوئے پھر آگرہ میں ۱۸۴۲ء کے قریب یہ خاندان پنجاب میں آ گیا۔ آپ کی پیدائش اکتوبر ۱۸۵۹ء میں بمقام لاہور ہوئی۔ فارسی کی ابتدائی تعلیم جامع مسجد شاہ پور میں ہوئی۔ انٹرنس کا امتحان مشن سکول جالندھر سے پاس کر کے گورنمنٹ کالج لاہور میں دو برس تک فرسٹ آرٹس میں پڑھا۔ اس کے بعد وکالت کا امتحان پاس کر کے جالندھر میں پریکٹس شروع کر دی۔ وہیں سے اخبار شمیم ہند جاری کیا جو ڈیڑھ برس بعد لوگوں کی بدمذاقی کا شکار ہو گیا۔ باقی ساری عمر لاہور میں گذاری۔ سوشل معاملات میں خاص دلچسپی تھی۔ ۱۸۹۳ء میں کتاب "کشمیری پنڈت" لکھی جو اصلاح رسوم کے متعلق تھی۔ تحفۂ شمیم میں مختصر اصلاحی کہانیاں ہیں۔ بدھ اور اس کا مت (سوانح عمری اور مذہبی تعلیم کے متعلق) چاند (ایک دلچسپ ناول) ایم اے بنا کے کیوں میری مٹی خراب کی (ناول جسے غیر معمولی ہر دلعزیزی حاصل ہوئی) پلیڈنگ (قانونی) وغیرہ آپ کی چند تصنیفات ہیں۔

شاعری کی ابتدا ۱۸۷۰ء میں ہوئی یہ مولانا محمد حسین آزاد کے فیضان تعلیم کا نتیجہ تھی۔ مگر یہ شوق دیوانگی کی حد تک نہ پہنچا۔ نثر کی جانب میلان زیادہ رہا۔ تاریخی ذوق کی بنا پر پنجاب ہسٹوریکل سوسائٹی کے صدر مقرر کیے گئے۔ قدیم مجلس آئین ساز کے رکن اور پنجاب یونیورسٹی کی مجلس منتظمہ کے ممبر تھے۔ ہندوستان اور انگلستان کے گوشے گوشے کی سیاحت کی۔ آپ کے سفرنامے دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے۔

منشی محمد الدین فوق

نام محمد الدین فوق تخلص۔ آبائی وطن کشمیر۔ والد کا نام منشی لدھا خاں۔ ولادت فروری ۱۸۷۷ء میں بمقام کوٹلی ہرنارائن ہوئی جو سیالکوٹ کے نزدیک ایک گاؤں ہے۔ ۱۸۹۶ء میں مڈل کا امتحان دینے کے بعد جو اس وقت یونیورسٹی امتحان تھا سیالکوٹ میں جا کر پٹوار کا کام سیکھنا شروع کر دیا۔ پھر چند دن جموں میں ملازمت کرنے کے بعد ۱۸۹۶ء میں لاہور آ کر پیسہ اخبار کے دفتر میں ملازمت اختیار کر لی۔ ۱۹۰۱ء میں اپنا ہفتہ وار اخبار پنجۂ فولاد جاری کیا جو ۱۹۰۶ء میں بند ہو گیا، اس کے بند ہوتے ہی ماہنامہ کشمیری میگزین جاری کیا جو ۱۹۱۳ء میں ہفتہ وار اخبار کشمیری بن گیا۔ ۱۹۳۴ء تک کشمیر اور اہل کشمیر کی خدمت کرتا رہا۔ ۱۹۱۴ء میں رسالہ طریقت نکالا جو چار سال تک رہا۔ ۱۹۱۸ء میں رسالہ نظام جاری کیا مگر وہ جلد بند ہو گیا۔

منشی محمد الدین فوق بیک وقت شاعر بھی تھے اور ادیب بھی۔ مورخ بھی تھے اور صحافی بھی۔ ان چاروں خصوصیتوں میں انہوں نے نام پیدا کیا۔ آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد سو کے قریب ہے جن میں تاریخ حریت اسلام، تاریخ کشمیر، تاریخ اقوام کشمیر، تاریخ بڈشاہی، تاریخ اقوام پونچھ، سوانح علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، تاریخ شالامار باغ اور کلام فوق وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ کشمیر کا یہ سب سے بڑا مورخ ۱۴ ستمبر ۱۹۴۵ء کو ہمیشہ کے لیے دنیا سے اٹھ گیا۔

ڈاکٹر انصاری

ڈاکٹر مختار احمد انصاری گو نسب و وطن کے لحاظ سے ضلع غازی پور کے ممتاز قصبہ یوسف پور کے ایک نہایت شریف خاندان سے تھے مگر ایثار و قربانی اور خدمت ملک و ملت کی بنا پر ان کا تعلق پورے ہندوستان سے تھا۔ انہوں نے ایک شفیق معالج کی حیثیت سے زندگی کا آغاز کیا اور اپنے فیضِ کرم، لطف و محبت، حسنِ اخلاق اور جذبۂ خدمتِ خلق سے بلا تمیز مذہب و ملت لوگوں کی سچی غمخواری کی۔ سنہ ۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان میں وہ مولانا محمد علی مرحوم کے زیر قیادت طبی وفد لے کر ترکی گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۰، ۳۲ برس تھی۔ اس کے بعد ان کا شجاعانہ اسلامی کارنامہ سنہ ۱۹۱۸ء میں مسلم لیگ دہلی کے صدر کی حیثیت سے وہ یادگار خطبہ ہے جس میں سب سے پہلے خلافت اور مقاماتِ مقدسہ کی نسبت مسلمانوں کے جذبات کا بے خوفی سے اظہار کیا گیا اور مذہبی کتابوں کے حوالے سے مسلمانوں کے دعووں کے دلائل پیش کیے گئے تھے۔ اس کے بعد فوراً ان کا یہ مضمون پڑھا ہی گیا اور خلافت، کانگرس اور ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں میں انہوں نے اپنوں کو غیر، آشناؤں کو بیگانہ اور دوستوں کو دشمن بنا لیا اور اپنی شرافت کے سبب سے دوستوں کے غیظ و غضب اور جفاکشی کو پوری متانت اور سنجیدگی کے ساتھ برداشت کیا۔ آخر ۹ مئی سنہ ۱۹۳۶ء کی رات کو ڈیرہ دون سے آتے ہوئے راستے میں حرکت قلب بند ہو گئی۔ اور ہستی کا چراغ گل ہو گیا۔ چنانچہ ۱۰ مئی کی صبح کو اس دہلی نے جہاں ان کے بیسیوں رنگین جلوس نکل چکے تھے ان کی بے روح لاش کا استقبال کیا۔ مگر اب ہجوم کے چہروں پر مسکراہٹ کے بجائے رنج و غم، آنکھوں میں نور کی جگہ آنسو، دل میں خوشی کے بدلے اضطراب تھا۔ (یادِ رفتگاں)

میر غلام بھیک نیرنگ

سید غلام بھیک نام اور نیرنگ تخلص تھا۔ اپنے عہد کی نمایاں شخصیت تھے۔ وہ دورانہ ضلع انبالہ کے رہنے والے تھے۔ تعلیم لاہور میں حاصل کی جب گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتے تھے تو لاہور کی کوئی ادبی یا قومی تحریک ایسی نہ تھی جس میں آپ اپنی ہمہ گیر جمعیت کے ساتھ موجود نہ ہوں۔ آپ بہت اچھے ادیب، شاعر اور نقاد تھے۔ غزل، نظم، مضمون، تقریر ہر شے پر قادر تھے۔ لاہور کے قدیم مشاعروں میں اقبال کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ کلامِ نیرنگ اور غبارِ افق دو کتابیں آپ کی شاعری کی یادگار ہیں۔ آپ کا شمار پنجاب اسکول کے اس گروہ سے ہوتا ہے۔ جو مولانا حالی کے بعد سرسید سے متاثر ہوا اور جس نے شاعری میں زندگی کے مسائل داخل کیے۔ اس گروہ میں اقبال، ناظر، ہمایوں، اعجاز اور نیرنگ خاص طور پر مشہور ہیں۔ مذہبی جذبہ سے بھی سرشار تھے شدھی اور سنگھٹن کے دنوں میں قابلِ قدر تبلیغی خدمات انجام دیں اور ہزاروں ان پڑھ مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچایا۔ تقسیمِ ہند کے بعد ہجرت کر کے لاہور چلے آئے جہاں ۱۶ اکتوبر سنہ ۱۹۵۲ء کی رات کو فوت ہو کر یہیں دفن ہوئے۔

سر تیج بہادر سپرو

تیج بہادر سپرو کشمیری الاصل تھے۔ ذات اور گوت کے لحاظ سے چند پشت اوپر جا کر اقبال اور وہ ایک ہی ہو جاتے ہیں۔ مذہب نے ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ پیدائش مولوی نذیر احمد کے وطن بجنور میں سنہ ۱۸۷۵ء کے لگ بھگ ہوئی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد سنہ ۱۸۹۵ء میں الٰہ آباد جا کر ہائی کورٹ میں وکالت شروع کی جو اتنی چمکی کہ سنہ ۱۹۱۹ء میں وائسرائے نے انہیں اپنا مشیر قانون بنا لیا۔ اس وقت کے لحاظ سے یہ اقتدار ایک ہندوستانی کے لیے معراج سے کم نہ تھا مگر اس عہدے پر وہ زیادہ دن تک نہ رہ سکے بعض وجوہ کی بنا پر ڈیڑھ سال کے بعد اسے ترک کر کے پھر الٰہ آباد ہائی کورٹ میں وکالت شروع کر دی۔ ان کی قانونی قابلیت مسلمہ تھی۔ انہوں نے بہت روپیہ کمایا، مگر سب مہمان نوازی اور نیک کاموں میں صرف کر دیا۔ اردو سے بے پایاں محبت تھی۔ خود نہایت شستہ اور پاکیزہ زبان بولتے تھے۔ شام کو روزمرہ ان کے یہاں شاعروں اور ادیبوں کا دربار لگتا تھا جس میں عموماً اردو الفاظ، محاورات اور شعر و شاعری پر گفتگو ہوتی تھی اور ان کی رائے اور سوجھ بوجھ ہمیشہ قابلِ احترام سمجھی جاتی تھی۔ وہ ہندوستانی اکیڈمی الٰہ آباد کے مستقل سرپرست تھے۔ ۲۰ جنوری سنہ ۱۹۴۹ء کو ۷۴ سال کی عمر پا کر انتقال کیا۔

آغا شاعر دہلوی

آغا مظفر بیگ قزلباش نام، شاعر تخلص تھا۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ نادر شاہ درانی کے ساتھ ہندوستان آئے اور دہلی میں آباد ہوئے۔ والد کا نام آغا عبد علی تھا۔ آغا شاعر دہلی میں ۵ مارچ ۱۸۷۱ء کو پیدا ہوئے۔ عربی اور فارسی گھر میں پڑھی۔ فنِ شعر میں نواب احمد سعید خاں طالب دہلوی کے شاگرد ہوئے۔ پچیس تیس برس کی عمر میں حیدر آباد گئے تو داغ کی شاگردی اختیار کی۔ تین سال نواب نصیر الملک کی مصاحبت میں مرشد آباد گزارے۔ وہاں سے افسر الشعرا کا خطاب ملا۔ جھالاوار ریاست میں دس سال درباری شاعر کی حیثیت سے رہے۔ یہاں سے رسالہ آفتاب بھی نکالا۔

زبان میں شیرینی، گھلاوٹ اور روانی تھی۔ پڑھتے بھی خوب تھے۔ کلام میں استادانہ رنگ تھا۔ بہت عرصہ لاہور میں رہے۔ مشاعروں میں شریک ہو کر اپنا رنگ جماتے تھے۔ نثر بھی بہت اچھی لکھتے تھے۔ مخزن لاہور میں آپ کے مضامین نظم و نثر اکثر شائع ہوتے تھے۔ معاشرت قدیم وضع کی تھی۔ قرآن پاک کا منظوم اردو ترجمہ آپ کا بڑا کارنامہ ہے۔ غزلیات کا ایک مجموعہ تیر و نشتر کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ عمر خیام کی رباعیوں کا منظوم ترجمہ خمکدۂ خیام کے نام سے کیا۔ خمارستان، آویزۂ گوش، قتل بے نظیر، پر پرواز اور دامنِ مریم بھی آپ کی چند مشہور کتابیں ہیں۔ ۱۱ مارچ ۱۹۴۰ء کو دہلی میں اُن کا سازِ سخن خاموش ہو گیا۔

بیخود دہلوی

سید وحید الدین احمد نام، بیخود تخلص۔ خاص دہلی کے رہنے والے تھے لیکن آپ کی ولادت ۲۳ رمضان المبارک ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء کو ریاست بھرت پور میں ہوئی۔ یہاں آپ کے اجداد ممتاز عہدوں پر فائز تھے۔ بیخود کے والد سید شمس الدین احمد بھی شاعر تھے اور سائل تخلص کرتے تھے۔

بیخود نے ابتدائی تعلیم دہلی میں حاصل کی۔ قرآن اور کتب متداولہ ختم کرنے کے بعد فارسی و اردو کی مزید تحصیل مولانا حالی سے کی۔ اسی زمانے میں انہیں شاعری کا شوق ہوا۔ مولانا حالی کے مشورے سے ۱۸۹۱ء میں داغ کی شاگردی اختیار کی اور چھ ماہ تک حیدر آباد میں استاد کے پاس رہے پھر وطن واپس آ کر چند سال کی مشق سے استاد کے رنگ کو ایسا اپنایا کہ ان کا شمار ارشد تلامذہ میں ہونے لگا۔

بیخود فنون سپہ گری سے بھی واقف تھے اور سیر و شکار کے شائق۔ لہٰذا معاشی پریشانیوں سے بچنے کے لئے انگریزوں کو اردو فارسی پڑھاتے تھے۔ آخری عمر میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ بڑے ملنسار، زندہ دل اور پابند وضع انسان تھے۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہو چکے تھے۔ دیوان غالب کی شرح لکھی اور مجموعۂ کلام درگفتارِ بیخود کے نام سے شائع کرایا جو تقریباً سات ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔ اکثر اشعار میں زبان کی خوبیاں موجود ہیں۔ ۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو انتقال ہوا۔

نواب سر مزمل اللہ خاں

بھیکم پور ضلع علی گڑھ کے مشہور شروانی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ سرسید کی گود میں کھیل کر جوان ہوئے۔ عربی و فارسی کی اچھی تعلیم پائی۔ انگریزی بھی بقدر ضرورت جانتے تھے۔ فارسی کے شاعر تھے۔ مرزا ہجر طہرانی سے اصلاحیں لیں۔ فارسی کا پورا دیوان مرتب کیا۔ تقریر شگفتہ اور پر مذاق کرتے تھے۔ ان کی فیاضی کا یہ حال تھا کہ علی گڑھ کالج، ایجوکیشنل کانفرنس، مسلم یونیورسٹی، اسلامیہ اسکول اٹاوہ، الٰہ آباد یونیورسٹی، ہندو یونیورسٹی بنارس، دار العلوم ندوۃ العلماء، دار العلوم دیوبند غرض کوئی علمی اور تعلیمی ادارہ ایسا نہ تھا جو ان کے چشمۂ فیض سے سیراب نہ ہوتا تھا۔ وہ ہر قوم اور ہر فرقہ کے نیک کاموں میں بلا تخصیص حصہ لیتے تھے۔ یہاں تک کہ جمعیت العلماء اور کانگرس بھی ان کے خوانِ کرم سے بہرہ یاب ہوئیں۔ اپنی دولتمندی کے باوجود بے حد سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ حج کعبہ اور مدینہ منورہ کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ چوہتر برس کی عمر میں دنیا

دونوں کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو کر ۲۸ ستمبر ۱۹۳۸ء کو اسی برس کی بھری دنیا سے رخصت ہوئے۔ (یادِ رفتگاں)

مرزا ذاکر حسین قزلباش ثاقب لکھنوی

ثاقب کا سلسلۂ نسب حاجی علی قزلباش ماژندرانی المعروف بہ علی قلی خاں شاملو سے ملتا ہے۔ ان کے اجداد ترک وطن کر کے بہ سلسلۂ تجارت اکبر آباد چلے آئے۔ والد کا نام مرزا محمد حسین تھا۔ اکبر آباد ہی میں ۱۲ جنوری ۱۸۶۹ء (۱۹ رمضان ۱۲۸۵ھ) کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی فارسی عربی تعلیم گھر پر ہوئی۔ ۱۸۸۵ء میں سینٹ جانس کالج آگرہ میں پہنچے۔ کالج سے نکل کر پہلے تجارت شروع کی پھر کلکتہ میں سفیر ایران کے پرائیویٹ سیکرٹری ہو گئے اور ۱۹۰۶ء میں ریاست محمود آباد میں پہنچ کر میر منشی مقرر ہوئے اور اس طرح راجہ صاحب محمود آباد کے درباری شاعر قرار پائے۔

شاعری کی باقاعدہ ابتدا غالباً ۱۸۸۴ء کے قریب ہوئی چھپن سال شاعری کی خدمت کی۔ اس طویل عرصہ میں یہ کوشش رہی کہ زبان میرؔ کی اور تخیل غالبؔ کا سا ہو۔ دیوان چھپ چکا ہے۔ ۱۹۴۹ء میں انتقال ہوا۔ ذاتی لحاظ سے بڑے خوش مزاج، با اخلاق، صاحب مروت اور خاکسار طبیعت کے انسان تھے۔

حکیم آزاد انصاری

تاریخی نام نذیر حسین تھا مگر مشہور الطاف احمد کے نام سے تھے۔ ابو الاحسان کنیت اور آزاد تخلص تھا اگرچہ سہارنپور کے رہنے والے تھے مگر ۲ رجب ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) کو ناگپور (سی پی) میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد محمد حسن اوورسیری کے عہدے پر فائز تھے۔ آزاد نسباً شیخ انصاری تھے جن کا سلسلہ حضرت ایوبؓ انصاری تک پہنچتا ہے۔ اٹھارہ انیس سال کی عمر تک مختلف درس گاہوں میں فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی پھر مولانا حکیم نور الدین سہارنپوری ڈاکٹر احمد خاں صاحب لکھنوی اور حکیم معین الدین نانوتوی سے فن طب کی تکمیل کی ۱۹۰۰ء میں ڈیرہ دون میں مطب کھولا ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۹ء تک کانپور میں یہی مشغلہ رہا ۱۹۱۱ء میں انبالہ چھاؤنی میں مطب شروع کیا۔ آٹھ سال بعد وہاں سے ہٹے تو علی گڑھ، دہلی، حیدر آباد میں وقت گذرا۔ حیدر آباد میں عینک کی تجارت شروع کر دی۔ ۱۹۴۲ء میں انتقال ہوا۔ ۱۸۹۰ء میں شعر کہنے شروع کئے تو پہلے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب بیدل سہارنپوری سے اور بعد میں مولانا حالیؔ سے اصلاح لی۔ ان کا کلام پاکیزگی جذبات، لطافت زبان ندرت بیان اور تسلسل خیالی کی وجہ سے انفرادیت کا حامل ہے مگر مجموعے کی صورت میں چھپ نہیں سکا۔

لالہ سری رام ایم اے دہلوی

لالہ سری رام دہلی کے ایک مشہور خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کا سلسلہ راجہ ٹوڈرمل سے ملتا ہے۔ آپ کے پدر بزرگوار رائے بہادر مدن گوپال ایم اے بیرسٹرایٹ لاء اور عم نامدار رائے بہادر ماسٹر پیارے لال آشوب ہیں۔ لالہ سری رام ۱۸۷۵ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم پائی بارہ برس کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ لاہور آئے ۱۸۹۵ء میں بی اے اور ۱۸۹۸ء میں ایم اے اور منصفی کے امتحان پاس کر کے منصف مقرر ہوئے اور چند سال لاہور، امرتسر اور دہلی میں اس کرسی کو زینت دیتے رہے۔ مگر دمہ کے مرض میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے ۱۹۰۷ء میں ملازمت ترک کر دی۔ اس کے بعد علمی مشاغل میں مصروف ہو گئے۔ تذکرہ ہزار داستان۔ یا خمخانۂ جاوید آپ کی عدیم المثال تالیف ہے۔ جس کی چار ضخیم جلدیں چھپ چکی ہیں۔ پہلی ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی تھی اور چوتھی ۱۹۲۳ء میں۔ مگر ابھی ناتمام ہے۔ یہ ان شعرائے اردو کے حالات کا تذکرہ اور ان کے منتخب کلام کا مجموعہ ہے جن کے تخلص حرف شین تک پہنچتے ہیں۔ ان میں کامل، ناقص، اعلیٰ، ادنیٰ، کہنہ مشق، نو مشق، عزلت نشین اور ہنگامہ آرا غرض ہر قسم اور صنف کے شاعر و متشاعر شامل ہیں۔ اس قدر سرمایہ فراہم کرنے میں مولف نے اپنی عمر عزیز

دولت جس کاوش اور فراخ دلی سے صرف کی ہے اس کی مثال اگر نایاب نہ ہو تو کمیاب ضرور ہے۔ ۱۹۳۰ء میں لالہ سری رام کے انتقال کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا۔

خواجہ ناصر نذیر فراق دہلوی

خواجہ میر درد کی یادگار اور مولانا محمد حسین آزاد کے شاگرد تھے۔ دہلی میں خواجہ میر درد کی بارہ دری کے ایک گھروندے میں رہتے تھے۔ بقول شاہد احمد مدیر ساقی "سرخ و سپید رنگ، سفید گھلواں داڑھی، گول چہرہ، بھاری ڈیل، انگشتیا نگندے پڑا ہوا فرغل، سر پر کبھی صافہ کبھی ٹوپی، پاؤں میں سلیم شاہی، ہاتھوں میں رعشہ تھا اور بہت تھا مگر خود ہی لکھتے۔ ان کی تحریر قسمت کی تحریر ہوتی تھی کہ پڑھنے میں نہ آتی تھی"، وہ مخزن کے ابتدائی دور کے لکھنے والوں میں سے تھے۔ جب مخزن بند ہو گیا تو انہوں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ پھر ساقی کے لئے انہوں نے "لال قلعہ کی جھلک" قسط وار لکھی۔ بڑی پیاری زبان لکھتے تھے۔ مگر آپ کی اکثر تصانیف شائع نہ ہو سکیں۔ سر عبدالقادر کی فرمائش پر ایک ناول "المورکھا" لکھنا شروع کیا تھا، مخزن بند ہوا تو ان کی ہمت بھی ٹوٹ گئی۔ پھر اور لوگوں کے اصرار پر اسے مکمل بھی کر لیا مگر اس کے چھپنے کی نوبت نہ آئی البتہ مولانا محمد حسین آزاد کی ناتمام تصنیف "ڈرامہ اکبر" کی تکمیل ان کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ آپ کی پیدائش ۱۴ اگست ۱۸۶۵ء کو اور انتقال ۱۲ فروری ۱۹۳۳ء کو ہوا۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں: میخانہ درد، دلی کا آخری دیدار، دلی کا اجڑا ہوا لال قلعہ، مضامین فراق، بیگموں کی چھیڑ چھاڑ، چار چاند، دکن کی پری، سات طلاقنوں کی کہانی وغیرہ۔

مولانا ظفر الملک

مولانا ظفر الملک علوی کو کون نہیں جانتا۔ رسالہ "الناظر" لکھنؤ کے قابل مدیر کی حیثیت سے ادبی دنیا میں کافی روشناس ہیں۔ ان کا نام اسحاق علی تھا۔ کاکوری کے رہنے والے تھے۔ انگریزی قابلیت نہایت اعلیٰ تھی۔ تصوف کی جانب میلان زیادہ تھا۔ نہایت منکسر المزاج اور فرشتہ خصلت انسان تھے۔ انہوں نے اردو زبان کی خدمت کیلئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی اور ہر وقت انہیں خیالات میں مستغرق رہتے تھے۔ کئی دفعہ لاہور آئے۔ اکثر بزرگوں سے ان کے ذاتی تعلقات تھے۔ وہ پرجوش قومی اور مذہبی رہنما بھی تھے۔ لکھنؤ کی اکثر تحریکوں میں ان کا نام سنا جاتا رہا ہے۔ تحریر و تقریر میں شمشیر بے نیام تھے۔ دو کتابیں ان کی یادگار ہیں "ملا اشرار" میں انہوں نے ملک کے خود غرض لیڈروں کا کچا چٹھا بیان کیا ہے اور "سیاسی رہنماؤں کے کارنامے" میں سیاسی خود غرض رہنماؤں کے پوست کندہ حالات شائع کئے ہیں۔ اخبار "شیر بہار پٹنہ" بھی آپ کی ادارت میں شائع ہوتا رہا ہے۔

احسن مارہروی

سید علی احسن نام، احسن تخلص، مارہرہ (ضلع ایٹہ) وطن والد کا نام حاجی سید مجتبیٰ تھا جو حسن تخلص کرتے تھے۔ ۹ نومبر ۱۸۷۶ء کو پیدا ہوئے۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا اور درسی تعلیم حاصل کی۔ چودہ برس کی عمر میں شعر کہنے شروع کئے۔ اس فن میں داغ کے شاگرد تھے۔ حیدر آباد دکن جا کر استاد کی صحبت میں بہت عرصہ رہے۔ اردو زبان کے ماہر اعلیٰ پایہ کے ادیب۔ قادر الکلام شاعر اور کامل الفن استاد تھے۔ ۱۸۹۵ء میں ایک ماہوار گلدستہ "ریاض سخن" کے نام سے جاری کیا۔ ۱۹۰۴ء میں لالہ سری رام ایم اے کی مشہور تالیف خمخانۂ جاوید جلد اول کی ترتیب کے سلسلے میں لاہور آئے۔ داغ کے انتقال کے بعد ان کی یاد میں رسالہ "فصیح الملک" بھی یہیں سے جاری کیا جو ۱۹۱۰ء تک شائع ہوتا رہا۔ "جلوۂ داغ" کے نام سے استاد کی سوانح عمری لکھی۔ ان کا غیر مطبوعہ کلام "یادگار داغ" کے نام سے طبع کرایا۔ ۱۹۲۶ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اردو فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور ۱۹۳۰ء تک کام کرتے رہے۔ آخری عمر میں "انشائے داغ" کے نام سے استاد کے خطوط کی جمع و ترتیب میں مشغول تھے کہ ۳۰، ۳۱ اگست

۱۹۴۰ء کو پٹنہ میں انتقال ہوگیا۔ احسن فنی تنقید میں بلند مرتبہ رکھتے تھے دیوان ولی نہایت قابلیت سے مرتب کیا۔ اردو لشکر اور تحفہ احسن بھی ان کی عمدہ تصانیف ہیں مگر تاریخ نثر اردو کا پایہ بہت بلند ہے۔

مولوی عنایت اللہ دہلوی

مولوی عنایت اللہ علی گڑھ کالج کے دور اوّل کے ممتاز تعلیم یافتہ تھے علم و ادب کا مذاق اپنے نامور باپ مولوی ذکاء اللہ دہلوی سے ورثہ میں پایا تھا۔ طالب علمی کے زمانے سے ان کے یہ جوہر نمایاں تھے۔ سرسید کو جب کبھی ضرورت پڑتی تھی ان سے ترجمہ وغیرہ کا کام لیتے تھے۔ پروفیسر آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام کا ترجمہ "دعوت اسلام" اسی دور کی یادگار ہے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ۱۸۹۳ء میں وہ کالج لائبریرین مقرر ہوئے۔ کچھ دنوں ریاضی کی پروفیسری اور تہذیب الاخلاق کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ ۱۹۰۰ء میں جونپور کی عدالت ججی میں منصرم اور ۱۹۱۵ء میں ریاست گوالیار کے شعبہ فنانس کے انڈر سیکرٹری مقرر ہوئے۔ مگر ترجمہ کا مشغلہ برابر جاری رہا اور اس میں ان کو اتنی شہرت حاصل ہوگئی کہ جب حیدر آباد میں دارالترجمہ قائم ہوا تو سرکار نظام نے ۱۹۲۰ء میں ان کو دارالترجمہ کا ناظم مقرر کیا۔ چودہ سال تک بڑی قابلیت کے ساتھ اس خدمت کو انجام دے کر ۱۹۳۴ء میں اس سے سبکدوشی حاصل کی اور ڈیرہ دون کی پرسکون فضا میں قیام کیا۔ وہیں ۲۲ر اکتوبر ۱۹۴۳ء کو وفات پائی۔ وہ غیر زبانوں کی کتابوں کو اس طرح اردو کے قالب میں ڈھالتے تھے کہ تصنیف کا گمان ہوتا تھا۔ ان کے چھوٹے بڑے تراجم کی تعداد پچاس ساٹھ سے اوپر ہوگی۔ ان کی سب سے اہم علمی خدمت اندلس کا تاریخی جغرافیہ ہے۔ وہ طبعاً شریف متواضع اور خاکسار تھے۔ ۷۳ برس کی عمر پائی۔ ساری عمر عروس ادب کی خدمت میں گزار دی۔ شادی کا خیال ہی نہیں کیا۔

علی نقی صفی لکھنوی

علی نقی نام، صفی تخلص، سادات زیدی سے تھے۔ اصلی وطن غزنی تھا جہاں سے اُن کے مورث اعلیٰ سید نور الدین شاہ التمش کے عہد میں دہلی آئے۔ صفی کے پردادا سید احسان علی نے فیض آباد میں سکونت اختیار کی۔ نصیر الدین حیدر کے عہد میں ان کے بیٹے سید سلطان حسین لکھنؤ چلے آئے۔ ان کے ساتھ ان کے دو بھائی سید حسین اور سید فضل حسین بھی تھے۔ امجد علی شاہ کے عہد میں سید حسین شاہزادہ مرزا سلیمان قدر کی اتالیقی پر مقرر ہوئے اور سید فضل حسین جو صفی کے والد تھے شاہزادہ کے رفیق خاص قرار پائے۔

صفی ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عربی فارسی کی تعلیم مولوی نجم الدین کاکوروی اور شیخ حافظ علی بہروی سے حاصل کی۔ اس کے بعد انگریزی کی طرف متوجہ ہوئے اور کیننگ کالجیٹ اسکول سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۷۹ء میں سرکاری ملازمت اختیار کی اور ۱۹۲۳ء تک مختلف عہدوں پر رہ کر پنشن یاب ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں انتقال کیا۔ صفی کی مشہور مثنوی تنظیم الحیات ہے۔ کلام کا ایک مجموعہ لخت جگر عرصہ ہوا شائع ہوا تھا۔ دوسرا مکمل مجموعہ حال ہی میں چھپا ہے۔

منشی دیانرائن نگم

۲۲ر مارچ ۱۸۸۲ء کو کانپور میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا منشی شیو سہائے وکیل تھے اور کانپور ڈسٹرکٹ بورڈ کے وائس چیرمین۔ والد منشی شیو پرشاد بھی وکیل تھے۔ دیانرائن نے اردو فارسی گھر پر پڑھی۔ ۱۹۰۳ء میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۰۱ء میں ان کا پہلا مضمون رسالہ مخزن میں شائع ہوا۔ ۱۹۰۳ء میں رسالہ زمانہ کی ادارت سنبھالی۔ یہ رسالہ اسی سال بریلی سے نکلا تھا۔ آپ اسے کانپور لے آئے۔ ابتدا ہی سے انہوں نے اس ادبی پودے کو سیراب کرنا شروع کیا۔ چالیس سال تک اس کی آبیاری میں جی جان سے مصروف رہے اور اسے ہرا بھرا تناور درخت بنا دیا۔ ملک کے بڑے بڑے ادیبوں نے اس پرچے کے لئے مضامین لکھے اور

اس کی بلند ادبی حیثیت قائم رکھنے میں امداد دی۔ اس نے کیفیت و کمیت دونوں اعتبار سے اردو زبان کی ایسی گراں قدر خدمت انجام دی ہے جس کے بار احسان سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

منشی دیا نرائن نگم نے زمانہ کے ساتھ ساتھ ۱۹۱۲ء میں ایک ہفتہ وار اخبار آزاد نکالا جو بڑا کماؤ پوت ثابت ہوا۔ کئی سال کرائسٹ چرچ کالج کانپور میں فارسی کے پروفیسر بھی رہے۔ آنریری مجسٹریٹ بھی اور میونسپل بورڈ کے ممبر بھی۔ رائے صاحب کا خطاب پایا۔ الہ آباد یونیورسٹی کورٹ کے ممبر اور ممتحن بھی تھے۔ غرض ان کی زندگی مختلف قسم کے فرائض کی انجام دہی میں صرف ہوئی۔ ۱۹۴۲ء میں سرگباش ہو گئے۔

صاحبزادہ آفتاب احمد خاں

علی گڑھ کالج نے قومی خدمت گزاروں کی سب سے پہلی جو جماعت پیدا کی تھی اس میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کا نام سرفہرست ہے۔ وہ سرسید کی پالیسی کے بہت بڑے مقلد تھے ان کا عقیدہ تھا کہ مسلمان ایک طرف تو خدا کے آگے سر جھکائیں اور اپنے کو اس کا ادنیٰ بندہ سمجھیں اور دوسری طرف خدا کی خلافت و نیابت سے سرفراز ہو کر عالم اور عمل کی قوت سے عالم پر اپنے علم کے زور سے حکمرانی کریں۔ وہ ۴ر مئی ۱۸۶۷ء کو پیدا ہوئے ۱۸۷۸ء میں علی گڑھ کالج میں داخل ہوئے ۱۸۹۱ء میں بیرسٹری کی تعلیم کے لئے ولایت گئے۔ ۱۸۹۴ء میں علی گڑھ واپس آکر پریکٹس شروع کی اور ساتھ ہی کالج اور ایجوکیشنل کانفرنس کی خدمت بھی کی۔ ۱۹۱۷ء میں انڈیا کونسل کے ممبر ہو کر انگلینڈ گئے۔ مگر وہاں کی آب و ہوا موافق نہ آئی ۱۹۲۱ء میں اس عہدے سے استعفیٰ دے کر پھر مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہو گئے اور یونیورسٹی میں طبی شعبہ قائم کیا جو ۱۹۲۶ء میں ان پر فالج کا حملہ ہوا اور تین برس اسی امید و بیم میں خاموش زندگی بسر کی۔ آخر ۸ر جنوری ۱۹۳۰ء (شعبان ۱۳۴۸ھ) کو فالج کا دوسرا حملہ ہوا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔ مرحوم بے حد ملنسار، خوش خلق اور متواضع تھے۔ انہوں نے ایجوکیشنل کانفرنس کو بڑا ترقی دی۔ اس کے خزانے روپوں سے بھر دئے۔ اس کی علیحدہ عمارت بنوائی۔ اس میں کتب خانہ قائم کیا۔ وظائف کیلئے ریاستوں سے امداد دی، رقمیں مقرر کرائیں اور ملت کی تعمیر میں اپنے اخلاص کا ثبوت دیا۔

مولوی نورالحسن صاحب نیّر

مولوی نورالحسن صاحب نیّر بی اے ایل ایل بی حضرت محسن کاکوروی کے فرزند رشید انگریزی کے عالم اور عربی کے فاضل تھے۔ وہ سخن ور، سخن سنج، سخن شناس اور سخن داں ہونے کے علاوہ ندوۃ العلماء کے ممتاز رکن تھے۔ کچھ عرصہ دارالعلوم کے معتمد بھی رہے۔ ان کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ "نوراللغات" کی تالیف ہے جو اردو کی مستند لغاتوں میں شمار ہوتی ہے۔ ان کا انتقال اکتوبر ۱۹۳۶ء مطابق رجب ۱۳۵۵ھ میں ہوا۔

سید وحید الدین سلیم پانی پتی

سید وحید الدین نام، سلیم تخلص، پانی پت وطن، والد کا نام حاجی سید فرید الدین تھا جو درگاہ حضرت بوعلی شاہ قلندر کے مجاور اور سید غوث علی شاہ کے مرید تھے ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد میر علی حزیں سے فارسی پڑھی پھر ایک مقامی سکول سے مڈل پاس کیا اور اورینٹل کالج لاہور میں داخلہ لے کر عربی ادب اور تفسیر مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے اور فقہ، حدیث، منطق اور فلسفہ مفتی عبداللہ ٹونکی سے تحصیل کئے۔ یہاں سے نکل کر ایجرٹن کالج بہاولپور میں اردو کے معلم مقرر ہوئے چھ سال کی ملازمت کے بعد مدرسہ عالیہ رامپور میں ہیڈ مولوی ہو کر چلے گئے۔ ۱۸۹۴ء میں سرسید نے انہیں اپنا لٹریری اسسٹنٹ مقرر کیا۔ علی گڑھ سے ۱۸۹۹ء میں آپ نے ایک رسالہ معارف کے نام سے جاری کیا جو ۱۹۰۱ء میں بند ہو گیا۔ کچھ دنوں مولانا علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے ایڈیٹر بھی رہے پھر لاہور آکر زمیندار میں کام کیا بعد میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں ادب اردو کے پروفیسر ہو کر چلے گئے جہاں آخر عمر تک رہے

۲۹ر جولائی ۱۹۲۸ء کو سرطان کے عارضے میں بمقام ملیح آباد انتقال کیا۔

مولانا اردو زبان کے بے نظیر فاضل، زبردست ادیب، اعلیٰ درجہ کے شاعر بے مثل نقاد اور بہت بڑے ماہر لسانیات تھے۔ نئے الفاظ ایجاد کرنے کی ان میں خاصی قابلیت تھی۔ وضع اصطلاحات ان کی نہایت بلند پایہ علمی کتاب ہے۔ افکار سلیم ان کے کلام کا مجموعہ اور افادات سلیم بعض مضامین کا مجموعہ چھپ چکا ہے۔ حضرت عمرو بن العاص کی مبسوط سوانح عمری بھی انہوں نے شائع کی تھی۔

نصیر حسین خیالؔ

نواب سید نصیر حسین خیالؔ صوبہ بہار کے ایک ممتاز و متقدر خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۸۷۸ء میں عظیم آباد پٹنہ کے محلہ حاجی گنج میں پیدا ہوئے۔ عربی، فارسی اور انگریزی کی تعلیم گھر ہی حاصل کی۔ فرانسیسی بھی بقدر ضرورت سیکھی۔ شادؔ عظیم آبادی کی شاگردی اختیار کر کے شعر کہنے شروع کئے۔ مگر جلد طبیعت نثر نویسی کی طرف مائل ہو گئی۔ پہلے رسالہ حسن حیدر آباد میں اڑنگ کے فرضی نام سے لکھنا شروع کیا۔ پھر جب ۱۸۹۷ء میں علی سجاد نے عظیم آباد سے رسالہ ادیب جاری کیا تو اس میں مسلسل مضامین لکھے جو اتنے پسند کئے گئے کہ آپ کی زباندانی اور انشا پردازی کی دھوم مچ گئی۔ آپ نے داستان اردو کے نام سے ایک بسیط کتاب لکھی جس کے چند اجزا بعض رسائل میں شائع ہوئے اور اس کا ایک حصہ مغل اور اردو کے نام سے کتابی صورت میں چھپا۔ اس ساری کتاب کا خلاصہ آپ نے آل انڈیا اردو کانفرنس لکھنؤ کے خطبہ صدارت میں پیش کیا جو ۲۹ر دسمبر ۱۹۱۶ء کو قیصر باغ کی بارہ دری میں منعقد ہوئی۔ یہ خطبہ بھی ادارہ اشاعت اردو حیدر آباد کے اہتمام سے شائع ہو گیا ہے۔ شاہنامہ فردوسی پر تنقیدی مضمون داستان عجم کے نام سے طبع ہوا ہے۔ آپ ایک خاص طرز تحریر کے مالک تھے، موضوع کی فطرت کے مطابق الفاظ استعمال کر کے مضمون میں حسن پیدا کر دیتے تھے۔ عبارت میں سادگی کے باوجود بانکپن ہوتا تھا۔

۱۱ر دسمبر ۱۹۳۴ء کو فوت ہو کر حضرت شادؔ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

مولانا حمید الدین فراہی

اعظم گڑھ سے دو اسٹیشن پہلے پھریہا ایک گاؤں ہے۔ مولانا حمید الدین بن مولوی عبد الکریم یہیں ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۲ء) میں پیدا ہوئے۔ اسی پھریہا کو عربی شکل دے کر مولانا اپنے نام کے ساتھ فراہی لکھا کرتے تھے۔ مولانا شبلی کے ماموں زاد بھائی تھے۔ انہیں کے قدم بہ قدم چل کر مولانا فاروق چڑیا کوٹی، مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی، مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور دیگر باکمال بزرگوں سے فارسی اور عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ انگریزی بھی پڑھی اور ۱۸۹۲ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کی سند حاصل کی۔ ۱۸۹۷ء میں وہ مدرستہ الاسلام کراچی میں مدرس مقرر ہوئے اور ۱۹۰۶ء تک رہے۔ یہیں ۱۹۰۳ء میں ان کا فارسی دیوان شائع ہوا۔ اس کے بعد وہ عربی کے مددگار پروفیسر کی حیثیت سے علی گڑھ چلے گئے۔ کچھ عرصہ الہ آباد یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر رہے۔ اس عرصہ میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔ چنانچہ اقسام القرآن کے علاوہ سورۂ ابی لہب، سورۂ قیامت اور سورۂ تحریم کی تفسیریں شائع کیں۔ ۱۹۱۴ء کے اوائل میں مولانا الہ آباد سے حیدر آباد پہنچے اور جامعہ عثمانیہ کا خاکہ بنانے میں مصروف ہوئے۔ یہاں تک کہ اگست ۱۹۱۹ء میں باقاعدہ اس کے افتتاح کی نوبت آئی لیکن عین اس وقت جب جامعہ کا ہیولیٰ صورت قبول کر رہا تھا مولانا ناسازیٔ طبع کی بنا پر استعفا دے ایک ہزار روپیہ ماہوار کی جگہ چھوڑ کر وطن واپس چلے آئے اور سرائے میر کے مدرستہ اصلاح کی اعزازی خدمت کرتے ہوئے۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۳۰ء (۱۹ر جمادی الثانی ۱۳۴۹ھ) کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ وہ اس عہد کے ابن تیمیہ تھے۔ پورے تیس برس قرآن پاک کو سمجھتے اور سمجھاتے رہے۔ ان کی تصانیف زیادہ تر عربی میں ہیں۔

میر جالبؔ دہلوی

سید بشارت علی نام، جالبؔ تخلص تھا۔ دہلی کے سادات نقوی سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۸۶۷ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ دو سوا دو برس کی عمر تھی کہ صاحب عالم میرزا مغل خلف میرزا احمد بخش ابن میرزا نجبۃ بخش ابن اکبر شاہ ثانی ان

کے باپ کی خستہ حالی دیکھ کر ان کو اپنے گھر لے گئے جہاں انہوں نے شاہزادوں کی طرح تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اس کا اثر زبان و اخلاق پر بھی پڑا اور قدامت پرستی کا نہایت گہرا نقش آپ کے دل پر بیٹھ گیا جو مرتے دم تک قائم رہا۔ مولانا حالی، مولوی اشرف علی خاندانی معلم شاہی، مولانا محمد اسحاق مدرس فلسفہ و الہیات دارالعلوم اور مولانا نذیر حسین محدث دہلوی سے عربی فارسی پڑھنے کے بعد سینٹ سٹیفنس مشن کالج دہلی سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ بارہ تیرہ سال کی عمر میں شعر موزوں کرنے لگے پہلے مجروح کو دکھائے پھر ان کے مشورہ سے داغ کی شاگردی اختیار کی۔ میر نثار علی شہرت نے مضمون نگاری کا شوق دلایا جس پر مسیح الملک حکیم اجمل خاں نے اپنا اکمل الاخبار آپ کے سپرد کر دیا۔ کچھ عرصہ اودھ اخبار لکھنؤ، دکن گزٹ بمبئی، اخبار وکیل امرتسر اور پیسہ اخبار لاہور میں کام کیا۔ ہمدرد کے اجراء پر دہلی تشریف لے گئے وہاں سے تعلقہ داران اودھ کے روزانہ اخبار ہمدم لکھنؤ میں چلے گئے بعد میں اپنا اخبار ہمت جاری کر لیا۔ لکھنؤ ہی میں ساٹھ ستر برس کی عمر پا کر ۵ جولائی ۱۹۳۰ء کو فوت ہو گئے۔ نہایت پختہ مغز اخبار نویس تھے۔ تقریر و تحریر پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ معلومات کے لحاظ سے چلتی پھرتی انسائیکلوپیڈیا تھے۔

محمد ہادی رسوا | مرزا محمد ہادی نام، رسوا تخلص تھا۔ ان کے والد آغا محمد تقی تھے جن کے بزرگ مازندران سے دلی آئے اور وہاں سے لکھنؤ جا کر آباد ہوئے۔ مرزا محمد ہادی ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے بچپن ہی سے ذہین اور ہونہار تھے۔ اپنے شوق سے عربی، فارسی، عبرانی، یونانی، انگریزی اور ہندی میں اچھی خاصی استعداد پیدا کی۔ کیمیا اور فلسفہ کا بھی نہایت گہرا مطالعہ کیا۔ رڑکی سے انجینئری کا امتحان پاس کر کے پہلے صوبہ سرحد میں ریلوے کے اوورسیر ہوئے پھر مدرس ہو گئے۔ اشراق نامی پرچہ نکالا جس میں ارسطو اور افلاطون کی تصنیفات کے ترجمے چھاپے۔ بعد میں الحکیم نام کا رسالہ مذہبی مباحث پر فلسفیانہ نظر ڈالنے کے لئے بھی نکالتے رہے۔ ریڈ کرسچن کالج کھلا تو اس میں عربی فارسی کے پروفیسر ہو گئے اپنے چند فلسفیانہ مضامین کے ترجمے امریکہ بھیج کر پی ایچ ڈی اور ڈی ایس سی کی ڈگریاں حاصل کیں حیدر آباد میں دارالترجمہ قائم ہوا تو عثمانیہ یونیورسٹی میں ملازم ہو کر کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ ۱۹۳۱ء میں انتقال ہوا۔

مرزا رسوا بے نظیر قابلیتوں کے مالک مایہ ناز ادیب، بلند پایہ شاعر اور بڑے کامیاب ناول نویس تھے۔ انہوں نے متعدد ناول لکھ کر اردو کا دامن بھر دیا۔ ان کی شیریں بیانی اور عبارت آرائی کا انداز کچھ ایسا ہے کہ تحریر میں گفتگو کا مزا آتا ہے وہ حیات انسانی کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے ناول اپنے زمانہ کا مرقع ہیں۔ امراؤ جان ادا، افشائے راز، غریب خانہ، ذات شریف، اختری بیگم اور شریف زادہ، بہرام کی رہائی، خونی عاشق، شیطان کا عاشق، خونی بھید، خونی شہزادہ، لیلیٰ مجنوں، خونی جورو وغیرہ ناولوں نے انہیں شہرت دوام بخشی ہے۔ وہ فن شعر میں مرزا اوج کے شاگرد تھے جوانی میں غالب کا رنگ پسند تھا بعد میں مومن کے رنگ میں نہایت صاف سادہ اور لطیف شعر کہتے تھے۔ کلیات اردو، مثنوی امید و بیم، نظم بھی یادگار ہیں۔

میر ناصر علی | میر ناصر علی ۱۸۴۶ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ آپ کے جد امجد اپنے وقت کے بڑے فاضل سمجھے جاتے اور مناظرہ کرنے میں مشہور تھے میر صاحب نے ایسے مذہبی ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہ علم دین سے واقف اور انگریزی تعلیم سے بہرہ ور تھے۔ انہوں نے نمک کے محکمہ میں ۲۵ سال ملازمت کی اور کوئی پینتالیس سال پنشن کھائی۔ دہلی میں اپنی حویلی نمک والوں کے پھاٹک میں رہتے تھے اعلیٰ کارکردگی کی وجہ سے خان بہادر کا خطاب بھی ملا تھا۔ فلسفیانہ انشا پرداز تھے اپنی ساٹھ سال کی طویل ادبی زندگی میں بہت کچھ لکھا بڑے معرکے سر کئے۔ سر سید احمد خاں کے تہذیب الاخلاق کے جواب میں تیرھویں صدی اور پھر تاصری ہنگامہ نکالا اور سر سید کی آزاد خیالی کے لتے لے ڈالے۔ مگر آخر میں خود ان کے مشہور ہو گئے۔ کوئی تیس سال ان کا رسالہ صلائے عام جاری رہا۔ ایک زمانے میں اس کا طوطی بولتا تھا۔ بیشتر مضامین ان کے اپنے ہوئے تھے۔ نظر نکتہ رس تھی۔ بال کی کھال نکالتے تھے۔ اپنی پنشن سے وہ تھوڑے روپے اس کے اخراجات کے الگ کر لیتے اور تھوڑی سی کاپیاں چھاپ کر قدر دانوں میں تقسیم کر دیتے تھے کوئی خریدار بننا چاہتا تو چندہ واپس کر دیتے کہ یہ پرچہ آپ کی سمجھ میں نہ آئے گا

ان کا ذاتی کتب خانہ بہت بڑا تھا مگر لوگ کتابیں چرا کر لے جاتے تھے۔ بڑے نفیس مزاج اور نفیس خیال بزرگ تھے۔ انہیں نئی نسل کے لوگوں کی کوئی بات پسند نہ تھی حد یہ کہ گفتگو۔ چھیاسی برس کی عمر پا کر ۱۲ جون ۱۹۳۳ء کو رحلت فرمائی۔ "گیا گوشۂ سخن خالی،" سن وفات ہے۔ میر صاحب نے کوئی مستقل تصنیف اپنی یادگار نہیں چھوڑی۔ ان کے مضامین اردو ادب میں کلاسیکی درجہ رکھتے ہیں۔

"مولانا سید سلیمان ندوی" سلیمان ندوی نومبر ۱۸۸۴ء میں ضلع پٹنہ (بہار) کے ایک گاؤں دیسنہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی پھر ۱۹۰۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے۔ ندوۃ العلماء میں اُن کے علمی و ادبی ذوق کی نشوونما اچھی طرح ہوتی رہی۔ یہیں انہوں نے مولانا فاروق چریاکوٹی اور شبلی سے تربیت حاصل کی۔ ۱۹۰۶ء میں ندوہ کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو شبلی نے ان کو الندوہ کا سب ایڈیٹر مقرر کر دیا۔ اس میں انہوں نے مختلف قسم کے مضامین لکھے جولائی ۱۹۱۲ء میں ابوالکلام آزاد نے کلکتہ سے اپنا مشہور ہفتہ وار اخبار "الہلال" نکالنا شروع کیا تو سید صاحب اس کے اسٹاف میں داخل ہو گئے۔ اپنے استاد شبلیؒ کی وفات کے بعد ان کی معرکۃ الآرا تصنیف سیرت النبیؐ کی تکمیل بھی کی۔ ۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی کی سرکردگی میں جو وفد خلافت یورپ بھیجا گیا ان کے ایک ممبر سید صاحب بھی تھے ——— ۱۹۳۳ء میں ان کی مشہور تصنیف "خیام" شائع ہوئی۔ ۱۹۳۹ء میں ان کی کتاب نقوش سلیمانی شائع ہوئی جو ان کی تقریروں اور تحریروں کا مجموعہ ہے۔ نومبر ۱۹۵۳ء میں کراچی میں وفات پائی۔

"خواجہ حسن نظامی" خواجہ صاحب ۲ محرم ۱۲۹۶ھ کو پیدا ہوئے۔ بارہ سال کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے ایک مدت مالی پریشانیوں میں بسر ہوئی ——— ۱۹۱۱ء میں انہوں نے مصر، شام و حجاز کا سفر کیا۔ اور ایک سفرنامہ شائع کیا۔ انہوں نے اپنے ۱۹۱۸ء تک کے مضامین کا مجموعہ بھی شائع کروایا جو کافی مقبول ہوا۔ غدر دہلی کے افسانے اور غدر کے متعلق کوئی گیارہ بارہ کتابیں لکھیں ——— خواجہ صاحب بڑے دوست نواز اور صلح جو انسان تھے۔ ان کا حافظہ بے مثل تھا۔ ویسے ان کے مزاج میں اعتدال اور استقلال کی کمی تھی۔ اپنی رائے بڑی جلدی بدل دیتے تھے۔ ——— خواجہ صاحب اپنے انداز بیان اور مخصوص مسائل کی وجہ سے "مصورِ فطرت" کہلاتے ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۳۱ جولائی ۱۹۵۵ء کو انتقال ہوا۔

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی پنڈت برجموہن دتاتریہ نام، کیفی تخلص تھا۔ ۱۳ دسمبر ۱۸۶۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد پنڈت کنہیا لال ریاست نابھہ میں پولیس افسر تھے۔ ان کا انتقال کیفی کی صغر سنی میں ہو گیا۔ اپنے شوق اور محنت سے علم حاصل کیا۔ عربی، فارسی، انگریزی، سنسکرت، و ہندی بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ آپ کا شمار اعلیٰ پایہ کے ادیبوں شاعروں اور نقادوں میں ہوتا ہے۔ فن شعر میں مولانا حالی کے شاگرد تھے۔ ملازمت کے سلسلے میں زیادہ عرصہ کشمیر میں گزرا۔ نوجوان شاعروں اور ادیبوں کو آپ کی صحبت سے بڑا فائدہ پہنچا۔ بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔ بھارت درپن، خمخانۂ کیفی، پریم ترنگنی، شوکتِ ہند، توزک قیصری، منشورات، کیفیہ، آئینۂ ہند، جگ بیتی، خمسہ کیفی، مرأت خیال، ناگزیر قیل وقال، عورت اور اس کی تعلیم، چراغ ہدایت، پریم دیلوی، نہتا راجہ، راج دلاری، مراری دادا وغیرہ۔ آپ کا دیوان بھی واردات کے نام سے چھپ چکا ہے۔ یکم نومبر ۱۹۵۵ء کو دہلی کے قریب قصبہ غازی آباد میں وفات پائی۔

بے نظیر شاہ وارثی ان کا نام سید محمد بے نظیر شاہ ہے اور نام ہی کا پہلا حصہ یعنی "بے نظیر" بطور تخلص استعمال کرتے ہیں۔ کٹرا مانک پور ضلع الٰہ آباد وطن ہے۔ لیکن عرصہ دراز سے وطن کی سکونت ترک کر کے حیدر آباد چلے گئے۔

۔ان کے والد مولوی شاہ احسان علی قادری بہت بڑے صاحب طریقت بزرگ اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے خلیفہ تھے بے نظیر شاہ
۱۸۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی میں اچھی خاصی مہارت حاصل کی۔ شاعری کی مختلف اصناف میں بھی کمال پیدا کیا۔ غزل اور مثنوی میں
کا پایہ بہت بلند ہے۔ ان کی مثنوی "۔۔۔الکلام" جو ایک صوفیانہ رنگ کی نظم ہے۔ بہت مقبول ہے۔ اس کے اکثر حصے اردو شاعری کے
بد انتخابات کے لئے سرمایۂ زینت بنے ہوئے ہیں۔ یہ مثنوی ۱۳۱۵ھ میں مطبع نولکشور میں طبع ہوئی تھی۔ بے نظیر شاہ مثنوی اور قصیدہ
امیر مینائی کے اور غزل میں وحید الہ آبادی کے شاگرد اور منقد ہیں۔

لانا مناظر احسن گیلانی

مولانا مناظر احسن ضلع پٹنہ کے ایک گاؤں گیلانی کے رہنے والے تھے اور ایسے گھر کے چشم و چراغ جہاں علم و فضل کے علاوہ خوشحالی اور فارغ البالی بھی تھی۔ ان کے دادا مولانا سید محمد احسن اپنے
۔۔۔ کے جید عالم تھے۔ تایا حاجی ابوالنصر اپنے علم و فضل اور شعر و شاعری کے ذوق کی وجہ سے اپنے ہم چشموں میں بڑی عزت کی نگاہ
سے دیکھے جاتے تھے۔ مولانا کے والد حافظ ابوالخیر زیادہ تر زمینداری اور کاشتکاری کے کاموں میں لگے رہتے۔ ان کو آموں کے باغ
لگانے کا بڑا شوق تھا۔ بڑے مخیر اور فیاض تھے۔ مولانا نے ابتدائی تعلیم گیلانی میں حاجی ابوالنصر سے پائی۔ پھر ٹونک جا کر نو سال مولانا برکات احمد
کے حلقہ درس میں رہے۔ وہاں سے دیوبند گئے اور مولانا محمود حسن مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا اصغر حسین سے
فیضیاب ہوئے۔ طالب علمی کے زمانہ میں دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن اور دارالعلوم کے ماہوار رسالوں القاسم اور الرشید کے ایڈیٹر
رہے۔ دیوبند سے آکر کچھ دنوں مونگیر میں ندوۃ العلما کے بانی مولانا محمد علیؒ کی خانقاہ میں رہے۔ وہاں سے پھر القاسم کی ادارت
کے لئے دیوبند بلا لئے گئے۔ جہاں پڑھتے پڑھاتے اور لکھتے لکھاتے رہے یہاں تک کہ مولانا حمید الدین فراہی کی کوشش سے ۱۹۲۰ء
میں آپ کو عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد میں شعبہ دینیات کا استاد مقرر کر دیا گیا۔ جہاں سے ۱۹۴۹ء میں اس شعبہ کے صدر کی حیثیت
سے ریٹائرڈ ہوئے اور ۵ جون ۱۹۵۶ء کو اپنے وطن میں انتقال فرمایا۔ مولانا کو زبان و قلم پر بڑی قدرت تھی۔ بہت سی کتابیں ان کے
علم و فضل کی یادگار ہیں۔ تحریر و تقریر میں معلومات کے دریا بہاتے تھے۔

شفق عماد پوری

مولوی سید حسن مرتضیٰ نام، شفق تخلص اور عماد پور (بہار) وطن تھا جہاں یہ ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ چار برس کی عمر تھی کہ ان کے والد مولوی سید حسن رضا صدر الصدور اضلاع مغربی و شمالی فوت ہو گئے اور انہوں نے
۔۔۔ کی گود میں پرورش پا کر اس قدر ترقی کی کہ سارا بہار ان کی ذات پر فخر کرنے لگا۔ تعلیم کی خاطر گیا، عظیم آباد اور الہ آباد کے سفر
اختیار کئے۔ حکیم عابد علی کوثر عظیم آبادی سے طب اور مولانا ظہیر احسن شوق نیموی سے حدیث پڑھی۔ نو برس کی عمر میں شعر کہنے شروع کئے۔
پہلے اپنا کلام کوثر کو دکھایا بعد میں شوق نیموی کو۔ ۱۸۹۲ء میں امیر مینائی کے شاگرد ہوئے اور ہر صنف سخن میں کمال حاصل کیا۔ ان کا زیادہ
تر کلام اسلامی رنگ کا ہے۔ نظموں، سلاموں، نعتوں، رباعیوں اور غزلوں کے مختلف مجموعے خیابان رحمت، حدیقۂ آخرت، ثمرۂ عقیدت
پنجہ نوبہار، دل صد پارہ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ اخلاق کی تعلیم پر ایک کتاب تہذیب الآفاق شاعری کے متعلق دو کتابیں منتخب العروض
و تحقیق سخن اور فارسی انشا پردازی کا نمونہ نگارستان (قدیم) وغیرہ بھی آپ کی یادگار ہیں۔

سید سجاد حیدر یلدرم

ان کا اصل وطن نہٹور (یوپی) میں تھا۔ ۱۹۰۱ء میں علی گڑھ کالج سے بی۔ اے کی سند حاصل کی۔ کالج کے زمانہ ہی میں انہوں نے نواب محمد اسماعیل خاں رئیس علی گڑھ سے ترکی زبان سیکھی جس کا فائدہ

یہ ہوا کہ پرنسپل مارسین کی سفارش سے ۱۹۰۴ء میں ترکی سفارت خانہ عراق میں ترجمان کی حیثیت سے لے لئے گئے۔ جدید ترکی ادب پر فرانسیسی ادب کے بے حد اثرات تھے۔ انہوں نے وہ اثرات قبول کرکے یلدرم کے نام سے مخزن لاہور میں مضامین لکھنے شروع کئے جن کا مجموعہ ۱۹۰۶ء میں خیالستان کے نام سے چھپا۔ اسی سال وہ بغداد سے ہندوستان آکر ڈیرہ دون میں سابق شاہ افغانستان امیر یعقوب خاں کے اسسٹنٹ پولیٹیکل افسر مقرر ہوئے۔ ترکی کے انقلاب اول کے بعد ۱۹۱۱ء میں ترکی گئے۔ واپس آکر اپنے عہدے کا چارج لیا۔ ۱۹۱۲ء میں راجہ محمود آباد کے پرائیویٹ سیکرٹری، ۱۹۱۵ء میں ڈپٹی کلکٹر سلطان پور (اودھ) اور ۱۹۲۰ء میں مسلم یونیورسٹی کے قیام پر پہلے رجسٹرار اور اردو کے صدر مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۹ء میں ہردوئی کے ڈپٹی کلکٹر، ایک سال بعد جزائر انڈیمان کے ریونیو کمشنر وہاں سے واپسی پر غازی پور میں ڈپٹی کلکٹر بنے ۱۹۳۳ء میں فریضہ حج ادا کیا اور ۱۹۳۵ء میں پنشن پاکر ڈیرہ دون میں سکونت اختیار کی ۱۹۳۷ء میں بچوں کی تعلیم کی خاطر لکھنؤ آ بسے۔ ۱۹۴۲ء میں کابل کی سیاحت کی اور ۱۲ اپریل کی رات کو لکھنؤ میں عالم آخرت کا سفر اختیار کیا۔ وہ اردو میں ادب لطیف کے بانی تھے۔ کئی ترکی ناولوں کے ترجمے بھی کئے۔ جن میں خوارزم شاہ بہت مشہور رہے۔ ہماری ادبی تاریخ میں ان کا ایک خاص مقام ہے

عظمت اللہ خاں

عظمت اللہ خاں ۱۸۸۷ء میں اپنے آبائی وطن دہلی میں پیدا ہوئے لیکن ابھی پانچ برس کے تھے کہ اپنے والد نعمت اللہ خاں کے ہمراہ حیدرآباد دکن چلے گئے۔ ابتدائی تعلیم حیدرآباد میں اور اعلیٰ تعلیم علی گڑھ میں حاصل کرکے حیدرآباد کے محکمہ تعلیمات میں ملازم ہو گئے۔ دوران ملازمت میں ان کی شاعری اور انشا پردازی کی خوب شہرت ہوئی۔ وہ مدرسہ کی معلمی سے ترقی کرکے مددگار ناظم کے عہدۂ جلیلہ تک پہنچے تھے کہ عین جوانی میں ۱۹۲۷ء میں ہم سے رخصت ہو گئے۔

عظمت اللہ خاں فطرتاً آزاد فکر، ظریف الطبع اور خوش باش تھے۔ انہوں نے مولانا حالیؔ کے بعد رسمی غزل کے خلاف سختی سے آواز بلند کی اور سماج کے بعض مذموم پہلوؤں پر بڑی بے باکی سے قلم اٹھایا ان کی شاعری ہندی شاعری کے لطیف احساسات اور دلکش ماحول کا بڑا اچھا مجموعہ ہے۔ یہ انہیں کے شہ پاروں کا اثر ہے کہ اردو میں غنائی شاعری کو فروغ ہوا اور غزلوں اور نظموں کے ساتھ ساتھ گیتوں کی قابل قبول تخلیق ہوئی۔ ان کے کلام کا مجموعہ "سریلے بول" کے نام سے چھپ چکا ہے۔

ڈاکٹر سر راس مسعود

نواب مسعود جنگ بہادر سید راس مسعود، سرسید کے پوتے اور جسٹس سید محمود کے بیٹے ہونے کی وجہ سے ایک بڑے خاندان کی یادگار تھے ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ سے بی اے کرنے کے بعد ولایت گئے اور تعلیم سے فارغ ہوکر وہ پہلے پٹنہ میں ہیڈ ماسٹر ہوئے۔ وہاں سے کٹک پروفیسر ہوکر گئے۔ پھر حیدرآباد میں ناظم تعلیمات اور اس کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر اور آخر میں ریاست بھوپال کے وزیر تعلیم مقرر ہوئے ۴۸ برس کی عمر پائی۔ ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء کی دوپہر کو بعارضہ تپ میعادی انتقال کیا۔ بڑے وجیہہ و شکیل، کشیدہ قامت، سرخ و سفید، ہنس مکھ، شیریں زبان، خوش گفتار اور ملنسار تھے۔ ہر شخص سے جھک کر ملتے تھے جس مجلس میں ہوتے سب پر چھا جاتے۔ "جاپان کا تعلیمی نظم و نسق" اور "انتخابات زریں" (اردو اشعار کا انتخاب) وغیرہ بعض رسالے اور مضامین ان کی علمی و ادبی یادگار ہیں۔ مشہور مستشرق موسیو گارساں دتاسی کے وہ لکچر جو اردو زبان کی تاریخ پر پیرس میں دیئے گئے تھے، فرانسیسی زبان سے آپ ہی نے اردو کے سانچے میں ڈھالے۔ سرسید کے خطوط بھی آپ نے بڑی تلاش و جستجو سے فراہم کرکے دو جلدوں میں ترتیب دیئے۔

مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی

مرزا محمد ہادی نام اور عزیز تخلص تھا۔ ربیع الاول ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۲ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مرزا محمد علی تھا جو اپنے زمانہ کے اہل فضل و کمال میں تھے۔ خاندان کا علمی مذاق کئی پشتوں سے ثابت ہے چنانچہ عزیز نے بھی اس سنت خاندانی کی تکمیل کی اور پھر متعدد استادوں سے جن میں مولوی محمد حسین، مولوی سید لطیف حسین، مولوی سید ابوالحسن، پیارے مرزا، مولوی شیخ فدا حسین، شمس العلماء مولوی عبد الحمید فرنگی محلی، مولانا محمد نعیم، سید اولاد حسین بلگرامی، آغا سید محمد صاحب صادق کے نام قابل ذکر ہیں، تحصیل علم کی۔ ان بزرگوں سے صرف و نحو، فقہ، اصول، ادبیات، معقولات اور درسیات فارسی کی تکمیل کی اس لئے شاعری کے ساتھ ساتھ علمی فضل و کمال کے جوہر بھی رکھتے تھے۔ آپ کے کلام کے دو مجموعے گلکدہ اور صحیفہ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ شاگردوں میں جوش ملیح آبادی اور اثر لکھنوی بہت مشہور ہیں۔ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں بمقام لکھنؤ انتقال کیا۔

خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی

پاک و ہند کے فارسی گو شعرا میں خواجہ عزیز الدین عزیز ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ آپ کے والد خواجہ امیر الدین ور ابو شال و پشمینہ کی تجارت کے سلسلے میں کشمیر سے نکل کر لکھنؤ آئے اور وہیں کے ہو رہے۔ یہ نواب واجد علی شاہ کا زمانہ تھا۔ خواجہ عزیز یہیں ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) میں پیدا ہوئے۔ جوانی میں باپ کا انتقال ہو گیا۔ دولت بے حد تھی مگر سر پرست کوئی نہ تھا۔ اس لئے سب کچھ ناتجربہ کاری کی نذر ہو گیا۔ باپ نے عربی فارسی کی بہت اچھی تعلیم لائق استادوں سے دلوائی تھی وہی کام آئی۔ کیننگ کالج لکھنؤ میں فارسی کے پروفیسر ہو کر اپنے علم و فضل اور بے نظیر فارسی شاعری کی بدولت شہرت حاصل کی۔ ایک دفعہ کشمیر جاتے ہوئے دہلی میں مرزا غالب سے ملاقات ہوئی اور غالب نے آپ کے کلام کی تعریف کی۔ آپ کی تصنیف کردہ کتابوں میں مثنوی ید بیضا، قیصر نامہ، اورنگ حضوری اور ہفت بند عزیزی بہت مشہور ہیں۔ مثنوی ارمغان، احباب بھی لکھی تھی مگر چھپ نہ سکی۔ وفات ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں ہوئی۔ دیوان آپ کی وفات کے کئی سال بعد آپ کے سب سے چھوٹے فرزند حافظ خواجہ وصی الدین نے جو ڈپٹی کلکٹری کے عہدے سے پنشن لے کر لکھنؤ میں آنریری مجسٹریٹ تھے طبع کرایا۔ کلام نہایت شگفتہ اور شستہ ہے۔

مفتی کفایت اللہ

مفتی کفایت اللہ صدر جمعیت العلمائے ہند دہلی کا وطن شاہجہانپور تھا۔ آپ کا کوئی بزرگ شیخ جمال یمن سے آکر بھوپال میں مقیم ہوا۔ وہاں سے یہ خاندان شاہجہانپور چلا آیا۔ مفتی کفایت اللہ ۱۲۹۲ھ میں وہیں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد شیخ عنایت اللہ گو غریب تھے مگر بچہ کو عالم دین بنانے کی تمنا دل میں رکھتے تھے۔ پانچ برس کی عمر میں آپ کو حافظ برکت علی کے مکتب میں بٹھایا گیا جہاں قرآن مجید ختم کیا۔ اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم حافظ نسیم اللہ کے مکتب سے اور اعلیٰ تعلیم مولوی اعزاز حسن کے مدرسہ اعزازیہ میں حافظ بدھن خاں اور مولانا عبید الحق سے حاصل کی۔ پھر مراد آباد کی شاہی مسجد کے مدرسہ میں جا کر کچھ کتابیں پڑھیں۔ یہاں سے ۱۳۱۲ھ میں دیوبند چلے گئے جہاں کتب حدیث کا درس مولانا عبد العلی میرٹھی اور مولانا محمود حسن سے حاصل کیا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر پانچ سال تک شاہجہان پور کے مدرسہ عین العلم میں کام کیا۔ پھر ۱۳۲۱ھ میں مدرسہ امینیہ دہلی کے مدرس ہو گئے جہاں ۷ رجون ۱۹۲۰ء (۱۳۴۰ھ) کو مولوی امین الدین ایوبی بانی مدرسہ کے انتقال پر اس کے مہتمم بنائے گئے۔ اس کام کو وہ آخر تک نبھاتے رہے یہاں تک ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء (۱۳۷۲ھ) کو انہوں نے اپنے گھر واقع کوچہ چیلاں دہلی میں انتقال فرمایا۔ آپ نے مسلم لیگ، مجلس خلافت اور کانگرس کی تحریکوں میں عملی حصہ لیا۔ مصیبتیں بھی اٹھائیں اور کئی رسالے اپنی یادگار چھوڑے۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری

ڈاکٹر عبدالرحمٰن سیوہارہ ضلع بجنور کے باشندے تھے۔ ایام طالب علمی ہی میں ان کی ہونہار شخصیت سے ملک و قوم کی توقعات وابستہ ہو گئی تھیں۔ ان کی قابلیت خداداد اور ذہانت قابل رشک تھی کم و بیش چودہ پندرہ زبانوں کے ماہر تھے۔ ایسٹ اینڈ ویسٹ میگزین میں ان کا جو مضمون سروجنی کی شاعری پر شائع ہوا تھا۔ وہ ان کی نقادانہ شان اور تبحر لسانی کا علمبردار تھا۔ مسلم یونیورسٹی کی تاسیس اور اس کے دستورالعمل کی ترتیب میں بہت کچھ امداد دی۔ اردو ادب کے عاشق تھے۔ بھوپال کے سرکاری کتب خانے سے غالب کے غیر مطبوعہ دیوان کا جو نسخہ دستیاب ہوا تھا اس پر ان کا علمی مقدمہ اردو ادب میں ایک گراں مایہ اضافہ ہے۔ مگر اردو کی یہ بدنصیبی ہے کہ اس کا یہ افتخار روزگار ادیب نوجوانی ہی میں موت کی لاابالیوں کی نذر ہو گیا۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری اپنے قابل فخر علمی امتیازات اور قابل رشک ذاتی اوصاف کے سبب ملک کے ان چند گنے چنے افراد میں سے تھے جن پر کوئی ملک بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔

ظفر علی خاں

ظفر علی خاں ۱۸۷۳ء میں ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں کوٹ مہرتھ میں پیدا ہوئے۔ پٹیالہ سے میٹرک اور علی گڑھ سے ۱۸۹۲ء میں ایف اے کیا۔ ان کے والد کشمیر میں محکمہ ڈاک اور تار کے افسر اعلیٰ تھے۔ انہوں نے بھی اسی محکمے میں ملازمت اختیار کی جو زیادہ دیر نبھ نہ سکی اور پھر علی گڑھ لوٹ آئے۔ یہاں سے بی۔ اے کیا۔ اور وہیں نواب محسن الملک کے پرائیویٹ سیکرٹری بن گئے۔ آپ سیاسی لیڈر ہونے کے علاوہ بہت بڑے ادیب، خطیب، صحافی اور شاعر تھے۔ ان کی تقریروں میں جادو کا اثر تھا۔ تحریک خلافت کے سلسلے میں ان کو ایک تقریر کرنے کی وجہ سے پانچ سال قید کی سزا ملی۔ اور پھر ۱۹۳۶ء تک کئی بار قید اور کئی بار رہا ہوئے۔ ان کی مجموعی قید کوئی بارہ سال کے قریب ہے طویل علالت کے بعد ۱۹۵۶ء میں فوت ہوئے۔ ظفر علی خاں نے سیاست میں ہجو کو استعمال کیا اور اس کی بنا قومی و ملکی مقاصد پر رکھی۔ اور اس قدرت کلام کے بل پر مولانا نے بڑے بڑے معرکے سر کئے۔ ان کی زد سے اقبال، قائد اعظم، ابوالکلام آزاد، محمد علی جوہر، گاندھی جی اور جواہر لال جیسے لوگ بھی نہ بچ سکے۔

نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ لطائف الادب نثر میں۔ اور بہارستان وغیرہ نظم میں شائع ہوئیں۔

ڈاکٹر ضیاء الدین احمد

لفٹننٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد قبیلہ کنبوہ سے تعلق رکھتے تھے وہ ۱۸۷۳ء میں بمقام میرٹھ پیدا ہوئے۔ ان کے والد حافظ معین الدین احمد محکمہ مال میں ملازم تھے اور انہوں نے تحصیلداری تک ترقی کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تو مکتب اور مدرسہ سے لے کر علی گڑھ اور کیمبرج یونیورسٹی تک کی انتہائی ڈگریاں حاصل کیں۔ اور تاریخ اور ریاضی میں امتیاز حاصل کیا۔ ملازمت میں مدرس سے ترقی کر کے پہلے پرنسپل ایم اے او کالج۔ پھر پرو وائس چانسلر اور آخر میں چانسلر و ریکٹر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے عہدے تک پہنچے مختلف وقتوں میں مجلس قانون ساز آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اور وائسرائے ڈیفنس کونسل کے ممبر بھی رہے اور ہر جگہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی۔ ریلوے، مالیات، ٹیکس، تعلیم اور مزدوروں کے مسائل پر ان کی رائے بڑی وقیع ہوتی تھی۔ وہ نادار اور ہونہار طلبہ کی امداد کے لئے طرح طرح کی ترکیبیں سوچتے رہتے تھے۔ اپنی آمدنی کا بڑا حصہ ان کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ انہوں نے کتنوں کو عہدے دلوائے۔ بیروزگاروں کو روزگار سے لگایا، بھوکوں کو کھلایا۔ بہت سے مستحقوں کی سفارشیں کیں اور کتنوں کی خالی خالی جیبیں اپنے پاس سے بھریں ۱۹۴۷ء میں علی گڑھ کی خدمات سے سبکدوش ہونے کے بعد ستر برس کی عمر میں یورپ اور امریکہ کی تعلیمی ترقیوں کا مطالعہ و مشاہدہ کرنے کے لئے گئے ہوئے تھے کہ لندن میں فالج کا حملہ ہوا۔

اور ۲۲/۲۳ دسمبر ۱۹۴۲ء کو اس جہانِ فانی سے رحلت کی۔ تابوت ہوائی جہاز کے ذریعے علی گڑھ پہنچا اور ۴ر فروری ۱۹۴۳ء کو سرسید کے پہلو میں مغربی جانب دفن کیا گیا۔

سر رضا علی

سرسید رضا علی مراد آباد کے سادات رضوی سے تھے۔ ۴ر مئی ۱۸۸۰ء کو قصبہ کندرکی میں پیدا ہوئے۔ شروع ہی سے منچلے اور ہونہار تھے۔ علی گڑھ سے بی اے ایل ایل بی کرکے وکالت میں نام پیدا کیا۔ محسن الملک کے پرائیوٹ سیکرٹری بنے۔ سیاست میں شہرت حاصل کی۔ قومی کاموں میں سرگرم حصہ لیا۔ سرکاری جاہ و منصب کے نیچے مرتبے طے کرتے ہوئے کے ٹی سی بی ای کے خطابات پائے مرکزی اسمبلی کے ممبر، پبلک سروس کمیشن کے رکن، مسلم لیگ کے صدر، ہائی کمشنر اور پتہ نہیں کیا کیا ہوئے۔ یورپ روس اور افریقہ کی سیاحت کی۔ قانون اور سیاست کی خشکیوں کے باوجود ایک خوش ذوق سخن فہم اور اچھے خاصے اہل قلم بھی تھے۔ اعمال نامہ کے نام سے آپ بیتی لکھی اور اس میں محسن الملک، وقار الملک، جسٹس محمود، بک اور ماریسن، سر علی امام، مظہر الحق، راجہ صاحب محمود آباد، نواب صاحب ڈھاکہ، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، ڈاکٹر سر ضیاء الدین، مولانا شبلی، اکبر الٰہ آبادی، مولانا محمد علی، شوکت علی سے لے کر کلکتہ کی مشہور مغنیہ گوہر جان تک خدا معلوم کتنوں کی قلمی تصویریں اس مرقع میں کھینچ دیں اور کتاب کو اسلامی ہند کی چالیس پچاس برس کی ایک سرسری تاریخ بنا دیا۔ ایسی تاریخ جس میں قدم قدم پر شعر و ادب مداخلت کرتے نظر آتے ہیں۔

مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

یہ اردو کے ممتاز ادیب اور بلند پایہ مورخ تھے۔ ۱۸۷۵ء میں صوبہ یوپی کے مردم خیز خطہ نجیب آباد ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا مولوی محمد شاہ خاں بھی بڑے فاضل بزرگ تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی میں اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر ایک معمولی مدرس کی حیثیت سے زندگی شروع کی۔ پہلے نجیب آباد کے ایک مڈل سکول میں ٹیچر رہے۔ پھر وہیں گورنمنٹ ہائی سکول میں فارسی مدرس مقرر ہوئے مگر وہاں دل نہ لگا۔ ملازمت چھوڑ کر پنجاب آئے جہاں عرصہ دراز تک مختلف صیغوں میں کام کرتے رہے۔ یہیں انہوں نے اپنی پہلی کتاب مرقاۃ الیقین شائع کی۔ کچھ دنوں دیال سنگھ کالج اور لوکل کیمبرج کالج میں پروفیسر رہے۔ ایک ہفت روزے کی ادارت بھی کی اور چند ایام روزنامہ زمیندار کے ایڈیٹر بھی رہے پھر دل برداشتہ ہو کر واپس اپنے وطن نجیب آباد چلے گئے جہاں سے ماہوار رسالہ عبرت جاری کیا۔ اس رسالہ میں اکثر تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کے بند ہونے کے بعد بھی مولانا تاریخی کتابیں لکھتے رہے یہاں تک کہ ۱۰ مئی ۱۹۳۸ء کو پیغام اجل آ پہنچا۔ تاریخ اسلام، آئینہ حقیقت نما یا مقدمہ تاریخ ہند، اسلامی سپاہیانہ زندگی، مذہب اور تلوار، معیار العلماء، نظام سلطنت وغیرہ بڑی بلند پایہ کتابیں ہیں۔

مولانا معین الدین اجمیری

آپ ایک نومسلم گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد مولانا عبدالرحمان بلیا کے رہنے والے نومسلم راجپوت تھے۔ والدہ بھی داخل اسلام ہوئی تھیں اور دانا پور (بہار) ان کا گھر تھا۔ مولانا عبدالرحمان ریاست ٹونک میں سیکرٹری کونسل تھے۔ مولانا معین الدین ۲۵ صفر ۱۲۹۹ھ کو دیولی (راجپوتانہ) میں پیدا ہوئے۔ قسمت کی خوبی نے مولانا سید برکات احمد بہاری ثم ٹونکی سے تلمذ کا رشتہ قائم کر دیا۔ ان سے جملہ علوم معقول و منقول کی تکمیل کے بعد علم ریاضی مولانا لطیف اللہ سے حاصل کیا۔ بائیس سال کی عمر میں خود درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ ڈھائی سال مدرسہ نعمانیہ لاہور میں صدر مدرس رہنے کے بعد ۱۳۲۶ھ میں اجمیر کو شرف سکونت بخشا اور مدرسہ معینیہ الحق قائم کیا۔ پندرہ سال یہاں درس دیا۔ ۱۳۲۳ھ

میں کارپردازان مدرسہ سے اختلاف کی بنا پر استعفیٰ دے کر محرم ۱۳۴۲ھ میں دارالعلوم حنفیہ صوفیہ کے نام سے دوسرا مدرسہ قائم کر کے بارہ سال تک اس مدرسہ کے طلبہ کو اپنے فیوض علمی و عملی سے سرفراز فرمایا۔ مولانا کی تصانیف میں ترمذی شریف کا ایک ناتمام حاشیہ، وجود علم و معلوم، کلی طبیعی اور مسئلہ وہر پر مکمل اور جامع تقریریں، حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی محققانہ سوانح عمری وغیرہ موجود ہیں۔ سیاسی تحریکوں میں قید و بند کی سختیاں بھی برداشت کیں۔ تحریک کشمیر کے زمانہ میں مجلس احرار کے ڈکٹیٹر رہے۔ آخر ۴۳ سال اجمیر میں رہنے کے بعد ساٹھ سال کی عمر میں ۱۰ محرم ۱۳۵۹ھ (مارچ ۱۹۴۰ء) کو عین عاشورہ کے دن اس شہید علم و عمل نے دنیا سے کوچ کیا اور اجمیر والوں نے دوہرے محرم کا سوگ منایا۔

نواب ذوالقدر جنگ بہادر

نواب ذوالقدر جنگ بہادر ایم اے بیرسٹرایٹ لا، ہوم سیکرٹری حیدرآباد نواب آغا مرزا بیگ المخاطب بہ نواب سردار الملک بہادر کے صاحبزادے تھے جو اعلیٰ حضرت میر ایوب علی خاں کے اتالیق اور پھر ایک مدت تک اعلیٰ حضرت کی پیشی کے چیف سیکرٹری رہے۔ نواب ذوالقدر جنگ بہادر مئی ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سینٹ جارج گرامر سکول اور سکاٹش ہائی سکول میں حاصل کرنے کے بعد تکمیل تعلیم کے لئے حکومت نظام کی طرف سے ۱۸۹۳ء میں ولایت بھیجے گئے جہاں آپ نے مڈل ٹمپل لندن و کرائسٹ کالج میں داخل ہو کر ۱۸۹۹ء میں بیرسٹری پاس کی۔ اور ۱۹۰۰ء میں حیدرآباد واپس آ کر پہلے تھرڈ پریذیڈنسی مجسٹریٹ اس کے بعد چیف پریذیڈنسی مجسٹریٹ اور ۱۹۱۰ء میں پیشین جج ہائیکورٹ مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ ہوم سیکرٹری کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ پھر دوسری معتمدیوں کا تجربہ حاصل کیا اور آخر میں پھر ہوم سیکرٹری ہو گئے۔ آپ کو علم سے خاص دلچسپی تھی۔ ۱۹۲۸ء میں حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے آٹھویں سالانہ اجلاس کی صدارت کی اور تاریخ اندلس پر ایک دلچسپ کتاب لکھی۔

ظفر عمر

"نیلی چھتری اور بہرام کی گرفتاری" کے مصنف ظفر عمر علی گڑھ کے پرانے گریجویٹ تھے۔ وطن نہٹور ضلع بلند شہر تھا۔ ان کے نام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اصل نام ظفر علی تھا۔ ان کے باپ کو کسی شیعہ بزرگ نے طعنہ دیا کہ آپ سنی ہو کر "علی" کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اس پر اس کا نام ظفر عمر رکھ دیا گیا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد پولیس محکمہ میں ملازم ہوئے اور کارہائے نمایاں انجام دئے۔ ان کے جاسوسی ناول اسی زمانے کے تجربات و مشاہدات پر مبنی ہیں۔ ان ناولوں نے اتنی مقبولیت حاصل کی اور ان سے اتنی آمدنی ہوئی کہ ایک ایک ناول کے نام پر ایک ایک کوٹھی بنوائی۔ نیلی چھتری، چوروں کا کلب اور لال کھنڈر تینوں کوٹھیاں شمشاد بلڈنگ سے قلعہ کی طرف جانے والی سڑک پر ہیں۔ نیلی چھتری میں وہ خود رہتے تھے۔ بڑے وجیہہ آدمی تھے لیکن ایک بار گولی کا نشانہ بنے اور ٹانگ کاٹ دینی پڑی۔ ان کی صاحبزادی اختر حسین رائے پوری سے بیاہی ہوئی ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان آ گئے تھے۔ یہیں انتقال ہوا۔

سید طفیل احمد منگلوری

سید طفیل احمد منگلوری علی گڑھ کالج کے ابتدائی برگ و بار ہیں۔ یہ کالج ۱۸۷۵ء میں قائم ہوا۔ اس کے چار سال بعد یہ ابتدائی کلاس میں داخل ہوئے اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کے ساتھ مل کر قومی کاموں میں حصہ لینے لگے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر انہوں نے اپنی عمر کا طویل عرصہ علی گڑھ کالج کے قدیم طلبہ کو متحد کرنے اور ان کی ڈائرکٹری مرتب کرنے میں صرف کیا۔ وہ علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی، مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر، اس کی انتظامیہ مجلس کے رکن اور بارہ سال تک ایجوکیشنل کانفرنس کے آنریری جائنٹ سیکرٹری رہے۔ انہوں نے مختلف مقامات پر اسلامیہ اسکول قائم کرانے کے علاوہ علی گڑھ میں غریب طلباء کے لئے مسلم یونیورسٹی سٹی ہائی سکول قائم کیا جو مسلم یونیورسٹی کے ماتحت اب تک چل رہا ہے۔ اپنی تصانیف اور رسالہ سودمند کے ذریعے

مسلمانوں کو کفایت شعاری اور تجارت کی طرف متوجہ کیا۔ چار سال تک صوبہ متحدہ کی کونسل کے ممبر رہ کر سیاست کا عملی تجربہ حاصل کیا اور ایک کتاب "حکومت خود اختیاری" لکھی۔ متعدد مفید رسائل کے علاوہ جو نظامی پریس بدایون نے شائع کئے ہیں "مسلمانوں کا روشن مستقبل" کتاب تصنیف کر کے اردو زبان کی تاریخ اور سیاست میں ایک نہایت بیش بہا اور قیمتی اضافہ کیا۔

منشی پریم چند

اصل نام دھنپت رائے تھا۔ پریم چند کے تخلص سے مشہور تھے۔ ۱۸۸۰ء میں بنارس کے قریب موضع پانڈے پور میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی منزلیں طے کر رہے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ محکمۂ تعلیم میں ملازمت اختیار کر کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۰۱ء میں ہوا جب آپ نے رسالہ "زمانہ" کانپور میں مضامین لکھنے شروع کئے۔ آپ کا قلم ہندی اور اردو دونوں دریاؤں کا سنگم تھا۔ پریما، سیوا سدن، پریم آشرم، رنگ بھوم اور کایا کلپ آپ کے ہندی ناول ہیں جن میں سے سیوا سدن کا اردو ترجمہ بازارِ حسن کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ رنگ بھوم کے ترجمہ کا پہلا حصہ چوگانِ ہستی کے نام سے شائع ہوا ہے۔ جلوۂ ایثار، پردۂ مجاز، میدانِ عمل، فردوسِ خیال اور گوشۂ عافیت وغیرہ آپ کے چند اردو ناول ہیں۔ پریم پچیسی، پریم بتیسی، پریم چالیسی، زادِ راہ اور خاکِ پروانہ آپ کے مختصر افسانوں کے مجموعے ہیں جن میں دیہاتی بھائیوں کی کہانی اپنے شہری بھائیوں کو سنائی گئی ہے۔ پریم چند کی زبان کچھ ایسی زیادہ فصیح و بلیغ نہ تھی۔ عبارت تکلف و بناوٹ سے پاک اور حد درجہ سادہ ہوتی تھی۔ ان کی کہانیوں کا اثر ان کی زبان میں نہیں بلکہ ان کے اسلوبِ بیان میں ہے۔ انہوں نے دیہاتی تمدن، ہندوستانی وضع و آداب اور ہندی اخلاق کی جو تصویریں کھینچی ہیں وہ ہمارے ادبی مرقع کی زندہ جاوید یادگاریں ہیں۔ انہوں نے اکتوبر ۱۹۳۶ء میں اپنے دوستوں کو آخری اسلام کہا اور اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اصغر گونڈوی

اصغر حسین نام، اصغر تخلص اور وطن گورکھپور تھا۔ مگر گونڈہ میں مستقل قیام کے باعث گونڈوی کہلاتے تھے۔ یکم مارچ ۱۸۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ باقاعدہ تعلیم کسی مدرسہ میں حاصل نہیں کی۔ اپنے شوق مطالعہ سے عربی، فارسی اور انگریزی میں خاص قابلیت پیدا کی۔ فنِ شعر میں منشی خلیل احمد وجد بلگرامی اور منشی امیر اللہ تسلیم سے مشورہ کیا اور نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل کی۔ ان کے کلام میں متانت اور سنجیدگی اور اندازِ بیان میں شگفتگی اور رنگینی پائی جاتی ہے۔ نظموں میں فارسی الفاظ اور محاورات کی کثرت ہے مگر روانی برابر موجود ہے۔ کچھ دنوں لاہور کے ادارہ اردو مرکز میں رہ کر ادبی خدمت کی پھر انڈین پریس الہ آباد چلے گئے آخری زمانہ میں ہندوستانی اکیڈیمی کے رسالہ ہندوستان کے ایڈیٹر رہے۔ ۳۰ نومبر ۱۹۳۶ء کو انتقال ہوا۔ نہایت متقی، پرہیزگار اور درویش صفت انسان تھے۔ تصوف سے خاص لگاؤ تھا۔ نشاطِ روح اور سرودِ زندگی ان کے کلام کے مجموعے ہیں۔

حسرت موہانی

حسرت ۱۸۷۵ء میں قصبہ موہان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں حاصل کی۔ اس دیہاتی زندگی کی سادگی اور معصومیت کے نقوش ان کی زندگی پر گہرے ثبت ہیں۔ انہیں بچپن ہی سے شعر و سخن کا شوق تھا۔ بڑے ذہین اور طباع تھے۔ علی گڑھ سے بی اے پاس کیا۔ پانچ بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ علی گڑھ کے زمانہ تعلیم سے ہی ان کا رجحان سیاست کی جانب تھا۔ وہ قومی تحریکوں میں خاص دلچسپی لیتے تھے اور اکثر حکومت کے جبر و استبداد کے خلاف سرگرم سخن رہتے۔ اسی وجہ سے انہیں جیل کی سخت سزا بھگتنی پڑی۔ ۱۹۰۸ء میں انہوں نے "اردوئے معلیٰ" میں ایک مضمون "مصر میں انگریزوں کی پالیسی،، شائع کیا جس کی وجہ سے ڈیڑھ سال کی سزا پائی۔ ۱۹۱۶ء میں پھر قانونِ تحفظ ہند کے تحت اُن کو نظر بند کر دیا گیا۔

لیکن چکی کی شفقت کے ساتھ انہوں نے مشقِ سخن بھی جاری رکھی۔ وہ غزل میں نئے رنگ اور نئی طرز کے موجد ہیں — مئی ۱۹۵۱ء میں ۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

خان بہادر سید رضا علی وحشت

سید رضا علی نام، وحشت تخلص تھا۔ ان کے جد امجد حکیم غالب علی نے اپنے آبائی وطن دہلی سے نکل کر ہوگلی (کلکتہ) میں سکونت اختیار کی۔ آپ کے پدر بزرگوار حکیم مولوی شمشاد علی شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے۔ وحشت ۱۸ نومبر ۱۸۸۱ء کو بمقام کلکتہ پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۸ء میں مدرسہ عالیہ کلکتہ سے انٹرنس پاس کیا لیکن مطالعہ کتب سے امتیازی مستعد او حاصل کرلی۔ انگریزی لٹریچر سے بھی خاصی دلچسپی رہی۔ اس زبان میں ان کی درسی کتابیں انگریزوں کو اردو سیکھانے میں بڑی مددگار ثابت ہوئیں۔ کچھ عرصہ پرشین آفس امپیریل ڈیپارٹمنٹ میں چیف مولوی کے عہدے پر فائز رہے ۱۹۲۷ء میں جب اسلامیہ کالج کلکتہ قائم ہوا تو اردو فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۲ء میں پنشن لی۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) چلے آئے۔ وہیں فوت ہوئے۔

۱۸۹۶ء یعنی پندرہ برس کی عمر میں شعر کہنے شروع کئے۔ ابوالقاسم محمد مظہر الحق شمس کی شاگردی اختیار کی۔ ۱۹۱۰ء میں پہلا دیوان شائع ہوا جس کے آخر میں فارسی کلام بھی ہے۔ ۱۹۵۲ء میں وحشت کا دوسرا دیوان ترانۂ وحشت لاہور سے شائع ہوا۔ ان کے شاگرد پاک و ہند کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔

محفوظ الحق

خان بہادر پروفیسر محمد محفوظ الحق ۶ جنوری ۱۹۰۰ء کو بمقام سعداللہ پور ضلع پٹنہ صوبہ بہار پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے ایم اے فارسی کا امتحان درجہ اوّل میں پاس کرکے پہلے ڈھاکہ کالج میں اور اس کے بعد پریسیڈنسی کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ کلکتہ یونیورسٹی کے شعبہ جات عربی، فارسی، اسلامی تاریخ و تمدن سے بھی وابستہ رہے۔ فارسی زبان و ادب کے جیّد عالم تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے دارا شکوہ کی مشہور فارسی تصنیف مجمع البحرین انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع کی۔ پھر شہنشاہ بابر کے فرزند میرزا کامران کا فارسی دیوان قابل قدر مقدمہ کے ساتھ طبع کرایا۔ اس مقدمہ کا خلاصہ انگریزی زبان میں بھی اشاعت پذیر ہوا۔ اس کے بعد ایچ اے ہارلے پرنسپل اسلامیہ کالج کلکتہ اور پروفیسر عبدالمقتدر کے تعاون سے امین احمد رضی کی تاریخی و جغرافیائی سائیکلوپیڈیا کی پہلی جلد کو انگریزی میں منتقل کیا جو ہفت اقلیم کے نام سے ۱۹۳۹ء میں چھپی۔ رباعیات عمر خیام کا دلکش ترجمہ ۱۹۴۰ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ کتابوں کی تصنیف و تالیف کے علاوہ آپ کی زندگی ہمیشہ اردو، عربی و فارسی ادبیات کی تحقیق و تنقید کے لئے وقف رہی۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رکن، اس سوسائٹی کے جائنٹ فیلو، جنرل سیکرٹری کلکتہ کے مشہور انگریزی ادبی رسالہ بنگال پاسٹ اینڈ پریذنٹ کے ایڈیٹر، مسلم انسٹی ٹیوٹ کے سیکرٹری اور ایران سوسائٹی کے ممبر بھی تھے۔ آخر ۱۰ جون ۱۹۴۶ء کو بمقام کلکتہ انتقال ہوا۔

مولوی مہیش پرشاد

مشرقی زبانوں میں فارسی تو غیر مسلموں میں عموماً مقبول رہی ہے اور بے شمار ہندو اور سکھ منشی فاضل درائے فارسی مل جاتے ہیں مگر عربی میں جس ہندو نے سب سے پہلے فضیلت کی سند حاصل کی وہ مہیش پرشاد تھے انہوں نے اورینٹل کالج لاہور میں داخل ہوکر باقاعدہ عربی پڑھی اور مولوی فاضل کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ اسی بنا پر مولوی مہیش پرشاد کے نام سے مشہور ہوئے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ بنارس ہندو یونیورسٹی میں مشرقی علوم کے پروفیسر ہو گئے۔ غالب ان کا مقبول شاعر تھا۔ انہوں نے غالب کے مطالعہ میں اپنی عمر عزیز کا بہترین حصہ صرف کیا۔ غالب ہی پر بڑی محنت اور خلوص سے تحقیقی اور تنقیدی مقالے

ے اور خطوط غالب کی جمع و ترتیب میں خاص کام کیا اب وہ اس دنیا میں موجود نہیں، مگر جب تک غالب زندہ ہے مولوی مہیش پرشاد
م بھی زندہ رہے گا۔

ی شاہجہانپوری

سید ظہور احمد نام، وحشی تخلص اور شاہجہانپور وطن تھا۔ بچپن ہی سے بڑے ذہین تھے۔ مختلف قابل اساتذہ سے
عربی و فارسی کی تحصیل کی۔ ندوۃ العلماء میں وہ مولانا سید سلیمان ندوی کے ہمدرس تھے۔ ۱۹۰۲ء میں
ے نواب محسن الملک مرحوم نے دارالعلوم کا معائنہ کیا۔ تو سید سلیمان ندوی کے ساتھ انہیں بھی امتحاناً پیش کیا گیا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد
ں نے اخبار نویسی شروع کی۔ کچھ عرصہ پیسہ اخبار لاہور میں کام کیا۔ پھر رسالہ دین و دنیا دہلی کی ادارت کی اور اسے رنگا رنگ دلچسپیوں کا گلدستہ
ر ایسی عوام پسند روش پر ڈال دیا کہ آج تک ہر فکر و خیال کے لوگ اسے شوق سے مطالعہ کرتے ہیں۔ دہلی سے رسالہ تجلی بھی ان کی ادارت میں
ارہا۔ وہ نثر و نظم دونوں پر قادر تھے۔ نظمیں، غزلیں اور افسانے سب ہی کچھ لکھتے تھے۔ چند کتابیں بھی تصنیف کیں جن میں فلاح دین و دنیا بڑی مقبول ہوئی۔
ا کی بعض دوسری کتابوں کے نام یہ ہیں۔ آداب مجلس، انور پاشا، بیوی کے فرائض، تفسیر سورۃ یٰسین، حجاج بن یوسف، محبوبہ کربلا، مباویات تجارت
یا دجہان ناصر، عروس مصر، معرکہ فرانس، پراسرار دوشیزہ، جینیفہ کے ہوش ربا کارنامے۔ رہبر زندگی۔ فن اشتہار۔ میاں بیوی، سنہری زلفیں، طوفان
رگی، عروج کابل وغیرہ۔

اداں بلگرامی

سید اولاد حسین نام، شاداں تخلص، بلگرام ضلع ہردوئی (صوبہ اودھ) وطن تھا۔ ان کا نسب اکیس واسطوں
سے سید جلال الدین بخاری تک اور تینتیس واسطوں سے حضرت امام علی نقی کے بیٹے جعفر تواب تک
پہنچتا ہے۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت بھی ان کے اجداد سے ہیں۔ سید اولاد حسین بن سید تفضل حسین ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء میں کو آت
ح آرہ میں پیدا ہوئے جہاں ان کے دادا مولوی فدا حسین وکالت کرتے تھے۔ ابتدائی فارسی اپنے دادا سے اور عربی صرف و نحو
ر شرح تہذیب تک منطق مولوی مرزا ابوتراب کشمیری سے لکھنؤ آکر پڑھی۔ پھر انگریزی سکولوں میں داخل ہو کر انٹرنس تک تعلیم
صل کی۔ ۱۸۹۴ء میں مدرسی کا پیشہ اختیار کیا مگر تعلیم جاری رکھی اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات
س کئے۔ کچھ عرصہ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں کام کیا۔ ۷ر فروری ۱۹۰۱ء کو مدرسہ عالیہ رام پور میں فارسی کے مدرس ہو گئے۔ کئی سال
رینٹل کالج لاہور میں رہے اور صدہا شاگردوں نے فیض حاصل کیا۔ شاعری میں سید محمد مصطفےٰ عرف لڈن صاحب خورشید لکھنوی
ے شاگرد تھے۔ درۂ نادرہ کی شرح لکھی۔ اس کے علاوہ رسالہ فلسفہ زبان و فلسفہ خواب، تنقید مثنوی گلزار نسیم، مضمون بلنک
رس و نثر مرہز، شرح فن معما و معمیات، حدائق البلاغت شرح معمائے جامی، شرح نورس ظہوری و شرح تاریخ وصاف وغیرہ
ی چھپ چکی ہیں۔

یماب اکبر آبادی

عاشق حسین نام، سیماب تخلص اور آگرہ وطن تھا۔ ۱۲۹۸ھ ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ عربی ادب، اصول منطق اور
فارسی کی تحصیل کے بعد انگریزی پڑھی۔ ایف اے میں تھے کہ آپ کے والد محمد حسین صدیقی فوت ہو گئے۔
دآپ تعلیم ترک کر کے ریلوے میں ملازم ہو گئے مگر شعر و شاعری کا شوق غالب آیا اور ملازمت چھوڑ کر زبان و ادب کی خدمت شروع کر دی۔
ہلے رسالہ مرصع جاری کیا۔ پھر ڈونڈے جا کر آگرہ اخبار کے ایڈیٹر ہو گئے۔ بعد میں پیمانہ، ثریا، تاج اور شاعر خود نکالے۔ نظم و نثر پر قادر تھے۔
اعری میں داغ کے شاگرد اور سینکڑوں شاگردوں کے استاد تھے۔ خوش فکر اور پرگو تھے۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۳۰۰ تک پہنچتی ہے۔ نظموں

اور غزلوں کے کئی مجموعے نیستاں، صہبائے کہن، کلیم عجم، بادہ دوشین، نشید نو، سازو آہنگ، سرود غم، نفیر غم، کار امروز وغیرہ کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد کراچی میں مقیم ہو گئے تھے۔ یہاں سے ماہنامہ پرچم جاری کیا۔ آخر ہیں چار ماہ فالج میں مبتلا رہنے کے بعد ۷۱ برس کی عمر میں ۳۱ر جنوری ۱۹۵۱ء کو انتقال کیا۔ ان کے آخری زمانہ کا شعر ہے ؎

یہ ہے سیماب اک ناگفتہ بہ افسانہ کیا کہئے
وطن سے کنج غربت میں چلے آنے پہ کیا گزری

مولانا محمد عرفان خاں

آپ ہزارہ سرحد کے رہنے والے تھے۔ سلسلۂ خیرآباد کے عالم معقولات اور مدرس تھے۔ ۱۹۱۰ء کی قومی تحریکات نے درس و تدریس کی مسند سے اٹھا کر قوم و ملت کی خدمت میں لگا دیا۔ ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۴ء میں ملکانوں کے فتنۂ ارتداد کے موقع پر مخلصانہ خدمت کی۔ بیسیوں میل ان کے علاقوں میں بھوکے پیاسے پیدل سفر کیا اور جان کی بازی لگائی۔ اس کے بعد جمعیت العلماء دہلی سے وابستہ ہو گئے۔ شریف حجاز اور ابن سعود کی لڑائی کے زمانہ میں حجاز جا کر معاملات کی تحقیقات کی۔ پھر ۱۹۲۶ء میں موتمر اسلام کی شرکت کے لئے گئے۔ اسی مصروفیت میں ان کی زندگی کے آخری سال بسر ہوئے۔ قومی تحریکوں کے سلسلہ میں قید بھی ہوئے اور اسی قید میں انہوں نے قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ قریباً پچاس برس کی عمر پا کر مئی ۱۹۳۶ء میں انتقال کیا۔ نہایت دوست پرور، ہنس مکھ، ظریف، مہمان نواز اور فیاض تھے۔ تمام عمر مجرد رہے۔ فقر و فاقہ کی حالت میں بھی خودداری کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

مرزا فرحت اللہ بیگ

مرزا فرحت اللہ بیگ کے آباؤ اجداد شاہ عالم ثانی کے عہد میں ترکستان سے ہندوستان آئے اور دہلی میں آباد ہوئے جہاں وہ ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مرزا حشمت اللہ بیگ تھا۔ دہلی کے مختلف مکتبوں اور مدرسوں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہندو کالج میں داخل ہو کر ۱۹۰۵ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۰۷ء میں حیدرآباد گئے اور ایک مدرسہ میں مدرس ہو گئے۔ پھر ہائیکورٹ کے مترجم سے ترقی کرتے کرتے اسسٹنٹ ہوم سیکرٹری کے عہدے تک پہنچ گئے۔ ۱۹۱۹ء میں انہوں نے اپنا سب سے پہلا مضمون رسالہ افادہ آگرہ میں لکھا۔ ۱۹۳۲ء سے باقاعدہ لکھنا شروع کیا۔ اگرچہ انہوں نے مزاحیہ رنگ میں مضمون نویسی کی ابتدا کی مگر بعد میں ہر قسم کے مضامین لکھے ـــــ سوانحی، افسانوی، تنقیدی، اصلاحی، معاشرتی مگر مزاحیہ رنگ سب میں نمایاں رہا۔ ان کے مضامین کے سات مجموعے مضامین فرحت کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ ان کی صاف، شستہ اور سلیس عبارت میں نہایت لطیف اور سنجیدہ ظرافت ہوتی ہے۔ اس فن کے وہ امام تھے۔ ان کی نظموں، غزلوں، رباعیوں کا مجموعہ "میری شاعری" کے نام سے شائع ہوا ہے مگر ان میں بھی مزاحیہ رنگ نمایاں ہے۔ ان کا انتقال ۲۷ر اپریل ۱۹۴۷ء کو ہوا۔

"فانی"

شوکت علی خاں فانی ایک ایسا انسان تھا جسے زندگی نے قدم قدم پر شکست دی، جسے قسمت نے ناکامیوں اور نامرادیوں کے سوا کچھ نہ دیا۔ جسے پیاس بجھانے کے لئے دریائے راحت میں سے ایک قطرہ بھی نہ ملا ـــــ پھر اگر کوئی ایسا انسان زندگی کی حسین بہاروں سے منہ موڑ کر موت کی سنسان راہوں پر آ بیٹھے تو کیا تعجب ہے۔ اور اب اگر وہ زندگی کو دیوانے کا خواب نہ سمجھے تو آخر کیا سمجھے ـــــ فانی محبت میں ناکام رہے، زندگی گزارنے کے لئے کوئی کاروبار کرنا چاہا پھر ناکام رہے۔ گھبرا کر لکھنؤ چھوڑ آگرہ چلے آئے۔ لیکن یہ ہوا بھی راس نہ آئی۔ دل بہلانے کی خاطر ایک ماہ نامہ "تسنیم" جاری کیا لیکن کسی ناکام انسان کا رسالہ کیوں کر کامیاب ہوتا ـــ ملازمت کی تلاش میں ایک مدت تک مارے مارے پھرنے کے بعد آخر حیدرآباد میں ایک سکول کی ہیڈ ماسٹری ملی۔ لیکن قسمت کو یہ کہاں

گوارا تھا کہ فانیؔ بھی آسودگی کے سانس لے سکے آخر یہ ہیڈ ماسٹری بھی چھین لی گئی ـــــ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی حد ہوتی ہے مگر فانیؔ کی نامرادیوں کی کوئی حد نہ تھی۔ آخر فانیؔ دنیا سے بیزار، زندگی سے بد ظن، دوستوں سے بدگمان ہو کر اپنی نامرادیوں کے بحرِ عمیق میں ڈوب گئے۔ فانیؔ ققنس کی طرح تمام زندگی درد بھرا راگ گاتا رہا اور آخر گاتے گاتے ایک دن جل کر بھسم ہو گیا۔ اب خدا کرے فانیؔ کی خاک سے ققنس کی طرح کوئی اور فانیؔ پیدا نہ ہو۔

ان کی پیدائش ۱۳ ستمبر ۱۸۷۹ء کو اور وفات ۲۷ اگست ۱۹۴۱ء کو ہوئی۔

سید انور حسین آرزو لکھنوی

سید انور حسین عرف منجھو صاحب میر ذاکر حسین یاسؔ لکھنوی کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ ان کے جدِ اعلیٰ نواب سید جان علی خاں المخاطب بہ نواب تہور خاں اورنگ زیب کے عہد میں اپنے والد میر شہامت علی خاں کے ہمراہ ہرات سے ہندوستان آئے اور اجمیر میں قیام کیا۔ نواب تہور خاں کے پوتے نواب سیف الدین خاں المعروف بہ نواب مرزا اکمل بیگ اجمیر سے لکھنؤ آئے۔ یہاں دارالامر کی بارہ دری میں میر ذاکر حسین یاسؔ کا قیام تھا۔ آرزوؔ کی ولادت ۸ ذی الحجہ ۱۲۸۹ھ ۱۸۷۲ء کو ہوئی۔ والد بھی شاعر تھے اور بھائی میر یوسف حسین قیاسؔ بھی فکرِ سخن کرتے تھے۔ گھر کے ماحول اور لکھنؤ کے مشاعروں نے آرزوؔ کے مذاقِ شعری کی تربیت کی۔ جلالؔ لکھنوی کے شاگرد تھے اور استاد ہی کے رنگ میں شعر کہتے تھے۔ ۱۳۲۶ھ میں جلالؔ کا انتقال ہوا۔ دو سال بعد ۱۳۲۸ھ میں جلالؔ کے شاگردوں نے انہیں استاد کا جانشین تسلیم کیا۔ آخری عمر میں فلمی کمپنیوں کے اصرار سے فلمی گانے لکھے۔ کچھ عرصہ نیو تھیٹرس کلکتہ میں رہے پھر اسی گردش میں بمبئی پہنچے۔ وفات سے قبل کراچی چلے آئے اور یہیں ۱۹۵۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔ آرزوؔ کا پہلا دیوان فغانِ آرزو ۱۳۴۳ھ میں شائع ہوا تھا۔ دوسرا جہانِ آرزو کے نام سے نظامی پریس لکھنؤ سے ۱۹۳۶ء میں طبع ہوا۔ بہت سے ڈرامے بھی لکھے جو مقبول ہوئے۔

مولوی سید ممتاز علی

شمس العلماء مولانا سید ممتاز علی ۲۷ ستمبر ۱۸۶۰ء کو پیدا ہوئے اتفاق سے یہ دن عید میلاد النبیؐ کا تھا عمر بھر تحریک عید میلاد کی اشاعت کرتے رہے اور ۱۵ جون ۱۹۳۵ء کو عید میلاد ہی کے دن انتقال ہوا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی برکت تھی۔ ابتدائی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کی نگرانی میں ہوئی۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن مرحوم (اسیر مالٹا) ان کے ہم سبق تھے۔ ۱۸۷۱ء میں انگریزی کی تحصیل شروع کی ۱۸۸۲ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کا امتحان دیا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ کچھ عرصہ پنجاب چیف کورٹ میں مترجم رہے۔ پھر سر سید نے ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ ۱۸۹۸ء میں مولانا نے لاہور میں "رفاہ عام" کے نام سے ایک مطبع، "دار الاشاعت پنجاب" کے نام سے ایک کتاب خانہ اور "تہذیب نسواں" کے نام سے زنانہ اخبار جاری کیا اور تعلیم نسواں کی نہایت مفید خدمت انجام دی۔ ۱۹۰۹ء میں آپ نے بچوں کے لئے "پھول" اخبار جاری کیا جو اب تک سرکاری اور غیر سرکاری حلقوں میں مقبول ہے۔ مولانا نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں حقوق نسواں، زاد معاد، رد الملاحدہ، تذکرۃ الانبیا، شیخ حسن وغیرہ مشہور ہیں لیکن آپ کا سب سے بڑا علمی اور دینی کارنامہ "تفصیل البیان" ہے یہ آیاتِ قرآنی کی ایک مبسوط فہرست ہے جو معانی و مطالب کے اعتبار سے مرتب کی گئی ہے۔ آپ کے لائق فرزند سید حبید علی اور سید امتیاز علی تاجؔ اب تک آپ کے کام کو نہایت کامیابی سے چلا رہے ہیں۔

حافظ محمد اسلم جیراج پوری

مولانا محمد اسلم جیراج پوری ہماری بزمِ علم و ثقافت کے دورِ پیشیں کی یادگار تھے۔ ۷ ربیع الاول ۱۲۹۹ھ کو موضع جیراج پور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی سلامت اللہ

ریاست بھوپال میں محکمہ تعلیمات کے افسر تھے۔ انہوں نے قرآن مجید حفظ کرانے کے بعد مشہور استادوں سے عربی و فارسی کی تعلیم دلائی اور پھر درس نظامیہ کی جملہ کتب خود پڑھائیں۔ تعلیم سے فارغ ہو کر پیسہ اخبار لاہور میں مترجم مقرر ہوگئے۔ دو سال بعد وہاں سے علی گڑھ کالجیٹ سکول میں چلے گئے پھر مسلم یونیورسٹی سے متعلق ہوگئے۔ ایک زمانہ میں ان کے مقالات کی بڑی دھوم تھی۔ ۱۹۲۱ء کی تحریک ترک موالات کے زمانہ میں آپ نے علی گڑھ کالج چھوڑ کر جامعہ ملیہ میں شرکت اختیار کی اور تا دم مرگ اسی سے وابستہ رہے۔ آخر جنوری ۱۹۵۶ء میں جامعہ نگر ہی کی خاک میں آرام کیا۔ مولانا باقاعدہ اور وسیع المطالعہ عالم، قناعت پسند، گوشہ نشین، متواضع اور منکسر المزاج بزرگ تھے۔ آپ کی تالیفات میں تاریخ الامت کو بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ کتاب چھوٹی چھوٹی آٹھ جلدوں میں ہے۔ اس کے علاوہ چند ادبی اور تنقیدی مضامین اور سوانحی تالیفات مثلاً حیات جامی اور حیات حافظ بھی ان کی یادگاریں ہیں۔ قرآن مجید کا مطالعہ بڑے شوق اور شغف سے کرتے تھے۔ جس کا ثبوت تاریخ القرآن اور تعلیمات قرآن وغیرہ کتب سے ملتا ہے۔

"محمود شیرانی"

محمود شیرانی اکتوبر ۱۸۸۰ء میں بمقام ٹونک پیدا ہوئے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر ۱۸۹۵ء میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے لاہور آئے اور سنٹرل ماڈل سکول میں داخل ہوئے۔ لیکن انگریزی اور ریاضی سے مناسبت نہ تھی اس لئے اورینٹل کالج میں داخل ہو کر ۱۸۹۹ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۰۴ء میں بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلستان گئے۔ والد کے انتقال کی وجہ سے ان کا خرچ بند ہوگیا۔ لیوزک کمپنی نے آپ کو مشرقی مخطوطات اور دوسری قدیم اشیا کی خرید پر مامور کر دیا کچھ اس سے اور کچھ وظیفے کی مدد سے ان کی مالی حالت اچھی ہوگئی۔ ۱۹۱۳ء میں تھوڑی مدت کے لئے ہندوستان واپس آئے مگر جنگ عظیم کی وجہ سے پھر نہ جا سکے! انہیں مخطوطات اور نادر سکے جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ پہلے اسلامیہ کالج لاہور اور پھر اورینٹل کالج لاہور میں ملازمت کی ــــ ان کی مشہور تصانیف "پنجاب میں اردو" اور "تنقید شعر العجم" ہیں آخر ۱۹۴۶ء میں انتقال ہوا۔

سر محمد یعقوب

مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد ماجد مولوی محمد اسماعیل وکیل شاہجہان پور نہایت نیک، متین اور دین دار بزرگ تھے۔ ندوۃ العلماء کے رکن تھے اور ۱۹۰۸ء کی تبلیغی تحریک میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

سر محمد یعقوب نے اگرچہ انگریزی تعلیم حاصل کی۔ مگر مذہبی ذوق ورثہ میں پایا۔ وہ بڑے خوش قسمت تھے۔ مراد آباد کی وکالت سے لے کر کونسل کی صدارت تک انہوں نے ترقی کی۔ پھر سرکار نظام کے مشیر اصلاحات بھی رہے۔ نومبر ۱۹۴۲ء میں انتقال کیا۔ بڑے خوش خلق، تواضع پسند متحمل مزاج اور کشادہ دست تھے۔

مولانا تاجور نجیب آبادی

احسان اللہ خاں نام، تاجور تخلص۔ وطن نجیب آباد۔ والد کا نام محبت اللہ خاں تھا۔ ۱۸۹۴ء میں بمقام نینی تال پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دیوبند سے فضیلت حاصل کی پھر ۱۹۱۴ء میں لاہور آکر اورینٹل کالج سے مولوی فاضل اور منشی فاضل پاس کیا۔ پہلے دیال سنگھ ہائی سکول میں اورینٹل ٹیچر لگے۔ کچھ عرصہ بعد دیال سنگھ کالج میں پروفیسر ہوگئے اور بقیہ زندگی درس و تدریس میں گزارنے کے بعد ۳۰ جنوری ۱۹۵۱ء کو لاہور میں انتقال کیا۔

مولانا شاعر، ادیب اور صحافی کی حیثیت سے بہت مشہور تھے۔ ۱۹۱۱ء میں لدھیانہ سے ماہنامہ آفتاب اردو جاری کیا اور ۱۹۱۴ء میں تاج الکلام۔ ۱۹۱۶ء میں لاہور آکر پانچ سال تک مخزن کی ادارت کی۔ ۱۹۲۲ء میں ہمایوں کے جائنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے کچھ عرصہ بعد بچوں کے لئے پریم جاری کیا۔ ۱۹۲۹ء میں رسالہ ادبی دنیا نکالا جو آجکل مولانا صلاح الدین کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔

۱۹۳۰ء میں شاہکار جاری کیا جو بڑا بلند پایہ رسالہ تھا۔ میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز کے تعاون سے اردو مرکز قائم کر کے اردو نظم و نثر کا بہترین انتخابات ۳ جلدوں میں شائع کیا۔ مگر ان کے کلام کا مجموعہ آج تک شائع نہیں ہوا۔

یاس یگانہ چنگیزی لکھنوی

مرزا واجد حسین جن کا تاریخی نام مرزا افضل علی بیگ تھا۔ پہلے یاس تخلص کرتے تھے مگر بعد میں شعرائے لکھنؤ کی لاگ سے یگانہ تخلص کرنے لگے۔ ان کے مورث اعلیٰ مرزا احسن بیگ چغتائی اپنے بھائی مرزا مراد بیگ کے ہمراہ ایران سے ہندوستان آئے۔ مرزا احسن علی بیگ صاحب سیف تھے اور دور مغلیہ میں انہیں عظیم آباد میں جاگیر ملی جو یاس کے والد مرزا پیارے صاحب کے زمانہ تک تقسیم ہوتے ہوتے ختم ہو چکی تھی۔ مرزا واجد حسین کی ولادت ۱۳۰۱ھ میں ہوئی۔ درسیات فارسی کی تکمیل کے بعد انگریزی پڑھی۔ شاعری میں سید علی خاں بیتاب اور شاد سے استفادہ کیا۔ ۱۹۰۴ء میں کلکتہ جا کر مٹیا برج میں شہزادہ مرزا محمد مقیم بہادر کے صاحبزادوں کے اتالیق مقرر ہوئے مگر ۱۹۰۶ء میں صحت کی خرابی کے باعث لکھنؤ چلے آئے۔

۱۹۱۴ء میں یاس کے کلام کا پہلا مجموعہ نشتر یاس شائع ہوا۔ جب مولانا تاجور نجیب آبادی نے لاہور میں اردو مرکز قائم کیا تو مرزا یاس کو لاہور بلا لیا۔ یہیں ان کی کتاب آیات وجدانی شائع ہوئی پھر دوسرا مجموعہ گنجینہ کے نام سے شائع ہوا۔ مگر ان کی شاعری کی تمام خوبیاں غالب شکنی کے جذبے میں دب کر رہ گئیں۔ انتقال ۹ رفروری ۱۹۵۶ء کو ہوا۔

نوبت رائے نظر

نوبت رائے نام، نظر تخلص تھا۔ لکھنؤ کے کائستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی اردو اور انگریزی خوب جانتے تھے۔ شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ آغا مظہر لکھنوی کی شاگردی اختیار کی۔ ۱۸۹۷ء میں لکھنؤ سے رسالہ خدنگ نظر جاری کیا جو سات سال بعد بند ہو گیا۔ ۱۹۰۵ء میں رسالہ زمانہ کانپور کے مدیر معاون مقرر ہوئے۔ مگر ۱۹۱۰ء میں اس سے الگ ہو کر اخبار آزاد کی عنانِ ادارت سنبھالی۔ ازاں بعد لکھنؤ جا کر مد تفریح، کی ایڈیٹری کی۔ پھر اودھ اخبار میں چلے گئے۔ لیکن صحت کی خرابی کی بنا پر وہاں سے بھی تعلق منقطع کر لیا۔ آخر میں کچھ عرصہ اخبار خادم ہند کے ایڈیٹر رہے۔ اعلیٰ پایہ کے انشا پرداز ہونے کے علاوہ خوش نویس اور مصور بھی تھے۔ ۱۰ راپریل ۱۹۲۳ء کو انتقال کیا۔ نہایت سادہ مزاج اور خوش خلق تھے۔ بقول منشی دیا نرائن نگم "فطرت سے انہوں نے علم و ادب کے لئے نہایت موزوں طبیعت پائی تھی۔ قدرت نے انہیں نہایت حسنہ و سلیم ذوق سخن عطا کیا تھا۔ بچپن میں ان کو صحبت بہت اچھی ملی جس سے طبیعت میں رفعت، مزاج میں متانت اور عادت میں سنجیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ ذہن بلا کا تھا معیار خیال بہت اونچا اور مطمح نظر نہایت بلند تھا۔"

قاضی عبدالغفار

مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔ اپنی ادبی اور سیاسی زندگی کا آغاز یکم جون ۱۹۱۲ء سے ہمدرد دہلی میں مولانا محمد علی جوہر کے مددگار کی حیثیت سے کیا۔ جب مولانا محمد علی کی صحت بگڑنے لگی تو ہمدرد اور کامریڈ کے سلسلے میں زیادہ تر ذمہ داریاں انہیں پر آ پڑیں۔ مولانا کی نظر بندی کے بعد قاضی صاحب کلکتہ چلے گئے اور وہاں سے روزنامہ جمہور جاری کیا۔ اس کے بعد حیدر آباد جا کر روزانہ پیام نکالنا شروع کر دیا جو دس پندرہ سال تک جاری رہا۔ ان کی ادبی شہرت کا آغاز لیلیٰ کے خطوط سے ہوا جو سب سے پہلے نیرنگ خیال لاہور میں چھپنے شروع ہوئے۔ اس کے بعد ان کی کتابیں مجنوں کی ڈائری اور تین پیسے کی چھوکری بہت مقبول ہوئیں۔ ترجموں میں "اس نے کہا"، خلیل جبران کا آزاد اردو ترجمہ اور "سیب کا درخت"، گالزوردی کا ترجمہ بہت مشہور ہیں۔ سوانح نگاری میں "آثار جمال الدین"، "حیات اجمل" اور "ابوالکلام آزاد" جیسی کتابیں یادگار چھوڑیں۔ تنقیدی

مضامین بھی بکثرت لکھے مگر ان کا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا۔ عمر کے آخری دنوں میں علی گڑھ آکر انجمن ترقی اردو (ہند) کے سیکرٹری اور اس کے ہفتہ وار ترجمان "ہماری زبان" کے مدیر کی حیثیت سے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ آخر ۱۷ جنوری ۱۹۵۶ء کو ۶۷ برس کی عمر پا کر علی گڑھ میں انتقال کیا اور یونیورسٹی کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

علامہ عبداللہ یوسف علی

آپ کا نام عبداللہ اور آپ کے والد کا نام خان بہادر یوسف علی شجاع الدین تھا۔ باپ کا نام ساتھ ملا کر آپ عبداللہ یوسف علی کہلاتے تھے۔ بمبئی کے قریب شہر سورت میں ۴ محرم الحرام ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۸۷۲ء کو پیدا ہوئے۔ تعلیمی زندگی مدرسہ انجمن اسلام بمبئی سے شروع کی۔ ولسن کالج بمبئی سے بی اے کی ڈگری لی اور کیمبرج یونیورسٹی سے ایم اے اور بیرسٹری کے امتحانات پاس کر کے ۱۸۹۵ء میں انڈین سول سروس میں داخل ہوئے یوپی کے صوبہ میں اسسٹنٹ مجسٹریٹی سے لے کر کلکٹری اور ججی تک کے عہدے پر سرفراز رہنے کے بعد فنانشل ڈیپارٹمنٹ حکومت ہند میں انڈر سیکرٹری مقرر ہوئے۔ پھر حیدرآباد میں صیغہ مال کے صدر المہام کی حیثیت سے تشریف لے گئے جہاں سے فارغ ہو کر انگلستان چلے گئے اور وہاں بیرسٹری شروع کر دی۔ قیام انگلستان کے زمانہ میں آپ نے ایشیا اور یورپ کی متعدد زبانیں سیکھیں اور ان زبانوں کے اخبار و رسائل میں نہایت فاضلانہ مضامین لکھ کر اپنی قابلیت کا سکہ منوایا۔ ڈچ زبان میں آپ نے ایوولیوشن آف انڈین کلچر اور جرمن زبان میں انڈیا اور یورپ نامی کتابیں لکھیں۔ اس کے بعد ہندوستان چلے آئے اور اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل مقرر ہوئے تین سال بعد ولایت گئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد پھر آ کر اس کالج کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ اس عرصہ میں انہوں نے قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور یہ ان کا آخری عظیم بالشان کارنامہ ہے۔ آخری عمر میں پھر انگلستان میں مقیم ہو گئے تھے۔ وہیں طویل علالت کے بعد ۱۰ دسمبر ۱۹۵۳ء کو لندن کے ایک ہسپتال میں انتقال فرمایا۔

بہادر یار جنگ نواب بہادر خان

نواب بہادر یار جنگ بہادر خان کا نام آتے ہی ایک خوبصورت نوجوان ہشاش بشاش متبسم چہرے، صحیح و تنومند جسم، خوبصورت اور دلفریب قد بالا کے ساتھ حیدرآبادی شیروانی اور ترکی ٹوپی میں ملبوس نظروں کے سامنے آجاتا ہے جس کی شخصیت ہر پہلو سے محبوب تھی۔ وہ ارادے کے پکے، بات کے دھنی، مخلص و وفادار، خدا ترس، عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، بہادر مسلمان، بہادر سپاہی، اور بہادر پٹھان تھے۔ ان کی پیدائش ۱۹۰۵ء میں ہوئی وہ سدوزئی قبیلہ سے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد آخری مغل عہد میں ہندوستان وارد ہوئے۔ پہلے جے پور میں طرح اقامت ڈالی اور راجہ سے کچھ جاگیر حاصل کی پھر حیدرآباد جا کر جمعدار کے عہدے پر سرفراز ہوئے اور تیس ہزار کی نسلاً بعد نسل جاگیر پائی۔ بہادر خاں نے عیش و راحت کی آغوش میں پرورش پائی۔ ان کی عربی تعلیم کچھ زیادہ نہ تھی تاہم حج کے موقع پر حجاز میں اور حج کے بعد مصر میں کچھ روز قیام کر کے اتنی مہارت بہم پہنچالی تھی کہ قرآن پاک کی آیتوں کا مطلب بے تکلف سمجھ لیتے تھے اور تفسیروں سے مدد لے کر صبح نماز کے بعد اپنے قریب کی مسجد میں لوگوں کو قرآن پاک کا درس سناتے تھے۔ ہفتہ میں ایک دن اقبال کی کتابوں کا درس ہوتا تھا اور اقبال کے فلسفے کی گتھیاں سلجھائی جاتی تھیں انہوں نے حیدرآباد کے جاگیرداروں کو جگایا عام مسلمانوں کو اتحاد المسلمین کے زیر سایہ ایک مرکز پر جمع کیا۔ پاکستان کے نظریے کی حمایت میں قائد اعظم کا ساتھ دیا۔ اپنے تمام خطابات واپس کر دئے اور ۲۵ جون ۱۹۴۴ء کو اس دنیائے دوں سے کوچ کیا۔

مرزا محمد عسکری

مرزا محمد عسکری بی اے لکھنؤ کے مشرقی تمدن کی آخری یادگاروں میں سے تھے۔ مدت تک لانگ کالج کے صدر مترجم کی حیثیت سے سلسلہ ملازمت میں منسلک رہے۔ انگریزی، اردو اور فارسی زبانوں پر کافی عبور تھا۔ انگریزی سے اردو ترجمہ کا خاص سلیقہ تھا ان کی ترجمہ کی ہوئی متعدد کتابیں اس وقت تک شائع ہو چکی ہیں جن میں رام بابو سکسینہ کی تاریخ ادب اردو بہت مشہور و مقبول ہے۔ اس ترجمہ میں مرزا صاحب نے بہت سی مفید باتوں کا اپنی طرف سے اضافہ بھی کیا ہے۔ مرزا غالب کی شاعری (تنقیدی مقالہ)، فن لسانیات، ادبی خطوط غالب اور اکادمی بھی آپ کی چند تصانیف ہیں لیکن نوادر میں تبسم اور آئینہ بلاغت ان کی دو کتابیں ایسی ہیں جن میں مرزا صاحب اپنے صحیح خد و خال کے ساتھ بہت بلند نظر آتے ہیں۔ وہ بڑے اچھے دوست اور بڑے دلچسپ بزرگ تھے۔ زبان بڑی چٹخارے دار بولتے تھے۔ لوگ ان کے پاس صرف ٹکسالی بولی ٹھولی اور کبھی کبھی شستہ جگت سننے جاتے تھے مگر اب وہ قبر کا گوشہ آباد کر چکے ہیں۔ تاریخ وفات ۵ ستمبر ۱۹۵۰ء ہے۔

سید ضمیر الدین احمد

خان بہادر سید ضمیر الدین احمد عظیم آباد پٹنہ کے ایک عالی خاندان رئیس اور نامور ادیب تھے ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۸۸۵ء میں پریسیڈنسی کالج کلکتہ سے فلسفہ، انگریزی اور فارسی میں اعزاز کے ساتھ بی اے پاس کیا۔ اسپیکر وغیرہ اخباروں میں مضمون نویسی کے ساتھ ساتھ آپ نے انگریزی اور اردو میں متعدد کتابیں لکھیں جن میں شیر شاہ کی لائف (انگریزی)، راسخ کی لائف (انگریزی)، داؤد پینی کی لائف (انگریزی)، ترجمہ طبقات اکبری (انگریزی)، فلسفہ تصوف، کوکبۂ ملوکی و ملوکی، سیرت اشرف وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ کوکبۂ ملوکی و ملوکی میں ملک قطب الدین ایبک سے لے کر خلجی سلاطین تک کے تاریخی حالات درج کئے گئے ہیں۔ سیرت اشرف مخدوم شرف الدین بہاری کی سوانح عمری ہے۔ آخر الذکر کتاب بہت قابل قدر اور ادبی نقطۂ نظر سے بڑی اہم ہے۔ عرصہ ہوا چھپی تھی۔ اب نایاب ہے۔ جنوری ۱۹۴۲ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ ممتاز شاعر اور ادیب سید بدر الدین احمد صاحب بدر آپ ہی کے فرزند ہیں۔

سلطان حیدر جوش

سلطان حیدر نام، جوش تخلص تھا مگر کلام دیکھنے میں نہیں آیا۔ نثر کی طرف طبیعت زیادہ مائل رہی۔ وہ باپ کی طرف سے شیخوپورہ (بدایوں) کے فریدی خاندان سے تھے اور ماں کی جانب سے ان کا سلسلہ حکیم احسن اللہ خاں دہلوی سے ملتا ہے۔ ان کا بچپن دہلی میں گزرا۔ وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ انٹرنس پاس کرنے کے بعد ۱۸۹۰ء میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ پہنچے لیکن تعلیم ادھوری ہی رہی ۱۹۱۲ء میں ملازمت کا سلسلہ تحصیلداری سے شروع ہوا اور ۱۹۳۶ء میں نیک نامی سے ترقی کر کے ڈپٹی کلکٹری سے پنشن پائی۔ باقی عمر علی گڑھ میں گزاری اور وہیں ۱۴ مئی ۱۹۵۳ء کو ہمیشہ کے لئے آرام کی نیند سو گئے۔

وہ ایک مخصوص رنگ کے نہایت عمدہ نثر لکھنے والے تھے جن کے مضامین اکثر مخزن لاہور، الناظر لکھنؤ، ہمدرد دہلی، کہکشاں لاہور، نقیب بدایوں اور سرگذشت علی گڑھ کے صفحات کی زینت ہوتے تھے۔ ابن مسلم ایک ناول بھی لکھا جو بے حد مقبول ہوا۔ ایک کتاب بانئ شیخوپورہ محتشم خاں نواب فرید خاں کے حالات میں لکھ کر تاریخ کی خشکی کو ادب کی رنگینی سے دور کیا۔

مولانا عبدالسلام ندوی

مولانا عبدالسلام ندوی اعظم گڑھ کے ایک چھوٹے سے گاؤں علاؤالدین پٹی میں ۱۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر کے مکتب میں، فارسی کی تکمیل اپنے خسر مولوی عبداللہ سے، عربی کی تحصیل کانپور، آگرہ اور مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں کرنے کے بعد ۱۹۰۶ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے۔ اور ۱۹۱۰ء میں یہاں سے فراغت حاصل کر کے یہیں ادب کے مدرس ہو گئے۔ شعر و ادب اور لکھنے پڑھنے کا ذوق ابتدا سے تھا۔ میر ضامن علی جلال لکھنوی کے رنگ سے متاثر ہو کر نہایت اچھے شعر کہتے تھے۔ مولانا شبلی نے ان کی صلاحیتوں کا اندازہ کر کے پہلے الندوہ کا سب ایڈیٹر اور پھر ایڈیٹر مقرر کیا۔ اس کے

بعد سیرۃ النبی کی تالیف میں ان سے مدد لی۔ ڈیڑھ دو سال مولانا ابوالکلام آزاد کے الہلال میں کام کیا۔ ۱۹۱۳ء میں دارالمصنفین اعظم گڑھ قائم ہونے پر اس سے وابستہ ہو گئے۔ آخر ۱۳ اور ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۶ء کی درمیانی شب کو موت نے دفعتۃً اس سے جدا کر دیا۔ مولانا فطری مصنف و اہل قلم اور ادیب و انشا پرداز تھے۔ سرسری مطالعہ سے کتابوں کا عطر کھینچ لیتے تھے۔ نہایت معصوم، بے نفس، قناعت پسند اور مستغنی انسان تھے۔ پوری زندگی نام و نمود سے بے نیاز ایک گوشے میں بیٹھ کر علم و فن کی خدمت میں گزار دی۔ مذہبیات سے لے کر شعر و ادب تک ہر موضوع پر ہزاروں صفحے لکھے۔ ان کی اہم تصانیف اسوۂ صحابہ، سیر الصحابیات، سیرت عمر بن عبدالعزیز، ابن یمین، تاریخ اخلاق اسلامی، حکمائے اسلام، شعر الہند، اقبال کامل، تاریخ فقہ اسلامی، ابن خلدون، انقلاب الامم، انقضائی اسلام اور فقرائے اسلام وغیرہ ہیں۔

مولوی مسعود عالم ندوی

سید مسعود عالم ۲۱ محرم ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۱۰ء کو بہار کے ایک گاؤں اوگانواں ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا حکیم سید ابوالفتح عبدالشکور کا شمار صوبہ بہار کے بلند پایہ علماء میں ہوتا ہے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اور مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں اور تکمیل دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہوئی۔ عربی زبان و ادب کا شروع سے شوق تھا۔ اسی میں مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی۔ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۵ء تک چار سال لکھنؤ سے ایک عربی ماہنامہ "الضیا" نکالتے رہے۔ انگریزی ایف اے تک پرائیویٹ پڑھی۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۷ء سے اکتوبر ۱۹۴۴ء تک خدابخش لائبریری پٹنہ میں مرتب فہرست (کیٹلاگر) رہے اور اس عرصہ میں عربی جرائد میں مضامین لکھنے کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اس کے بعد جماعت اسلامی کی سرپرستی میں "دارالعروبہ" کے نام سے عربی دارالتصنیف کی بنیاد رکھی اور آخری دم تک اس کے نگران رہے۔ اس سلسلے میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی بہت سی کتابیں عربی میں منتقل کیں۔ ۱۶ مارچ ۱۹۵۴ء کو کراچی میں وفات پائی۔ متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں جن میں اسلام اور اشتراکیت، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، دیار عرب میں، محمد بن عبدالوہاب، مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار پر ایک نظر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ وہ بہت تلے محتاط الفاظ میں نہایت مختصر لکھتے تھے۔

مولوی اکرام اللہ خاں ندوی

مولوی صاحب ندوہ کے فارغ التحصیل اور مولانا شبلیؔ کے عزیز اور لائق شاگردوں میں تھے۔ مولانا شبلی کی زندگی ہی میں الندوہ کی ادارت کی۔ بعد میں نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی ان کو ایجوکیشنل کانفرنس میں لے گئے۔ اور وہ مستقل طور پر اسی سے وابستہ رہے۔ کانفرنس گزٹ کی ادارت اور تصنیف و تالیف کا کام آپ کے سپرد تھا چنانچہ آپ نہایت خاموشی سے اپنے تحقیقی اور علمی مشاغل میں لگے رہتے تھے۔ بہت موٹے اور بھدّے خد و خال کے پستہ قد بزرگ تھے۔ شخصیت میں کوئی وجاہت اور جاذبیت نہ تھی۔ وطن شاہجہان پور تھا لیکن علی گڑھ میں بس گئے تھے اور کانفرنس کمپاؤنڈ کے ایک مکان میں بیوی بچوں کے ساتھ رہتے تھے۔ ۱۹۵۲ء میں انتقال ہوا اور یہیں سپرد خاک ہوئے۔ "وقار حیات"، آپ کی مشہور تصنیف ہے۔

مولوی سعید انصاری ندوی

فتح پور ہسوہ کے رہنے والے ہیں۔ سلسلۂ نسب موضع یاسین پور کے انصاری خاندان سے ملتا ہے جس کے ارکان اکبر اعظم کے عہد سے لے کر اب تک برابر خطیب ہوتے چلے آئے ہیں۔ مولوی سعید ۱۶ فروری ۱۸۹۴ء کو پیدا ہوئے۔ اختر علی تاریخی نام ہے۔ تعلیم کی منزلیں ۱۳۲۰ھ سے ۱۳۲۹ھ تک کانپور میں طے ہوئیں۔ باقی عمر تصنیف و تالیف اور شعر و شاعری میں گزری۔ زیادہ عرصہ دارالمصنفین اعظم گڑھ میں رہے۔ ان کی عربی نثر کو پروفیسر مارگولیتھ بہت پسند کرتے تھے۔ ۱۹۱۷ء میں موصوف نے انہیں عربک لٹریری ایسوسی ایشن آف لندن کا رکن منتخب کیا۔ ستمبر ۱۹۳۲ء میں رسالہ

ہندوستانی الہ آباد کے حصہ اردو کے ایڈیٹر ہوئے۔ آپ شاعر بھی ہیں اور نثر نگار بھی۔ نقاد بھی ہیں اور مورخ بھی۔ بجنور کے رسالہ فاران کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ نہایت با مذاق، روشن خیال، وسیع النظر عالم ہیں۔ اندازِ بیان متین اور شستہ ہے۔ طرز تحریر ایسا ہے کہ اس میں سر سید اور شبلی کے رنگ ملے جلے نظر آتے ہیں۔ سیر الانصار، سیر الصحابہ اور جاپانی شاعری وغیرہ آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

اختر شیرانی

داؤد خاں نام، اختر تخلص تھا۔ مشہور فاضل اور محقق حافظ محمود شیرانی کے فرزند تھے۔ ۴ مئی ۱۹۰۵ء کو ریاست ٹونک میں پیدا ہوئے۔ لاہور آ کر ۱۹۲۱ء میں منشی فاضل اور ۱۹۲۲ء میں ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا۔ شعر گوئی کا شوق بچپن سے تھا۔ پہلی نظم جو ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی جس نے ان کا نام سارے ہندوستان میں مشہور کر دیا۔ مختلف وقتوں میں ہمایوں، انتخاب، بہارستان، خیالستان، رومان اور شاہکار کے ایڈیٹر رہے۔ مولانا محمد علی جوہر کے روزانہ اخبار ہمدرد دہلی کے لئے ادبی کالم بھی لکھتے رہے۔ ادارہ اردو مرکز میں مولانا تاجور کے معین و مددگار کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ کچھ عرصہ انجمن ترقی اردو دہلی سے بھی وابستہ رہے۔ ۱۹۴۰ء میں وطن واپس چلے گئے۔ مگر تقسیم ملک کے بعد پھر لاہور آ گئے۔ بادہ نوشی نے ان کے دل و دماغ اور دوسرے اعضا پر بہت برا اثر کیا جس کے باعث ۹ ستمبر ۱۹۴۸ء کو میو ہسپتال لاہور میں انتقال ہو گیا۔ قبر میانی صاحب میں ہے مگر وہ اپنی رومانی شاعری کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان کی نظموں کے مجموعے صبح بہار، اختر ستان، لالہ طور، طیور آوارہ، شہناز، شہرود، نغمۂ حرم اور پھولوں کے گیت کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر محمد دین تاثیر

محمد دین نام، تاثیر تخلص تھا۔ ۲۸ فروری ۱۹۰۲ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ میں اور اعلیٰ تعلیم مشن کالج لاہور میں پائی۔ ۱۹۲۲ء میں جب حکیم یوسف حسن نے نیرنگ خیال لاہور سے جاری کیا تو اس کے عملۂ ادارت میں شریک ہوئے۔ ۱۹۲۶ء میں کچھ عرصہ اسلامیہ کالج لاہور میں انگریزی کے پروفیسر رہ کر محکمہ اطلاعات پنجاب میں ملازم ہو گئے مگر یہ جگہ پسند نہ آئی اس لئے ۱۹۲۷ء میں پھر اسلامیہ کالج میں چلے آئے۔ ۱۹۳۳ء میں انگلستان گئے جہاں سے ۱۹۳۶ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لے کر واپس آئے۔ کچھ عرصہ ایم اے او کالج امرتسر میں پرنسپل رہے۔ ۱۹۴۰ء میں سری پرتاپ کالج سری نگر کے پرنسپل مقرر ہو کر کشمیر چلے گئے۔ اس کے بعد قیام پاکستان تک شملہ اور دہلی میں حکومت کے مختلف عہدوں پر فائز رہ کر ۱۹۴۸ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل ہو گئے۔ اسی دوران میں کشمیر کے مسلمانوں کے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لئے امریکہ گئے اور ۳۰ نومبر ۱۹۵۰ء کو لاہور میں انتقال کیا۔

تاثیر نہایت با ذوق اور ذی علم تھے۔ نظم و نثر میں نہایت بلند پایہ رکھتے تھے۔ ادب اور آرٹ کے نقاد بھی تھے۔ "آتش کدہ" ان کے کلام کا مختصر سا مجموعہ "وعزیز کے نام" ان کے خطوط کا مجموعہ، "ریکول ایک" ناول ان کی یادگار کے طور پر شائع ہو چکے ہیں۔

چراغ حسن حسرت

چراغ حسن نام، حسرت تخلص۔ ۱۹۰۱ء میں پونچھ (کشمیر) کے ایک گاؤں بیار میں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے نانا حسن اور اپنے والد شیخ بدر الدین سے حاصل کرنے کے بعد میٹرک کا امتحان پاس کیا اور لاہور آ کر ۱۹۲۴ء میں بی اے کا امتحان دیا۔ حصول تعلیم کے بعد معلمی کا پیشہ اختیار کیا لیکن کچھ دنوں بعد کلکتہ جا کر اخبار نویسی شروع کر دی اور عصر جدید، نئی دنیا، جمہور، استقلال اور پیغام وغیرہ جرائد میں فرائض ادارت انجام دئے۔ ۱۹۲۵ء میں مولانا ظفر علی خاں انہیں لاہور لے آئے۔ لاہور میں حسرت نے زمیندار، انصاف، احسان، احرار، شہباز، شیرازہ اور دیگر اخبارات کے اداروں میں کام کیا۔ بعد ازاں آل انڈیا ریڈیو کی ملازمت اختیار کی۔ دوسری جنگ کے شروع میں فوجی اخبار کے ایڈیٹر مقرر ہو کر برما اور ملایا گئے۔ واپس آ کر امروز کی زمام ادارت سنبھالی۔ ۱۰ جنوری ۱۹۵۱ء کو یہاں سے مستعفی ہو کر ریڈیو پاکستان میں قومی پروگرام مرتب کرنے پر ملازم ہو گئے۔ مگر پھر لاہور آ گئے۔ اس دوران میں آپ کو دل کا عارضہ ہو گیا اور آپ ۲۶ جون ۱۹۵۵ء کو ہمیشہ کی نیند

سو گئے۔

عسرت ایک قادر الکلام شاعر ہونے کے علاوہ بے مثال مزاح نویس اور طنز نگار تھے۔ پنجاب کا جغرافیہ، مردم دیدہ، دو ڈاکٹر، کیسے کا چھلکا، پربت کی بیٹی، تاریخ کے خطوط، اقبال، کشمیر، سرگزشت اسلام اور مطائبات وغیرہ آپ کی چند قابل ذکر تصانیف ہیں۔

پروفیسر محمد نعیم الرحمٰن | پروفیسر محمد نعیم الرحمٰن صاحب ایم۔ اے۔ ایم آر اے ایس پہلے عربی و فارسی کے پروفیسر اور فیلو مدراس یونیورسٹی تھے بعد میں الٰہ آباد یونیورسٹی میں آ گئے تھے۔ وہ اپنی کتاب "خلافت موحدین" کی وجہ سے ادبی دنیا میں مشہور ہیں یہ کتاب اندلس (اسپین) اور مراکش کی ایک نہایت مستند تاریخ کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ ہے جس کی اشاعت میں انہوں نے نہایت خوش مذاقی، سلیقہ اور ہنرمندی کا ثبوت دیا ہے۔ اس کتاب کو اردو ادب میں ایک عمدہ اضافہ تسلیم کیا گیا ہے۔ ۱۹۳۰ء میں انہوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے متعلق ایک جرمن ناٹک کا اردو ترجمہ کیا تھا جو "ناتن" کے نام سے چھپ چکا ہے اور قابل دید ہے۔

سید نجیب اشرف | سید نجیب اشرف ندوی ایم اے دارالمصنفین اعظم گڑھ کے رفیق اور اسماعیل کالج اندھیری (بمبئی) کے پروفیسر ہیں۔ ان کا سب سے بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے سلطان الہند محمد اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کے رقعات مرتب کئے اور ان پر ایک نہایت فاضلانہ مقدمہ لکھا جو "مقدمہ رقعات عالمگیر" کے نام سے دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع کیا۔ اس میں فن انشاء اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کا حال اور انشا کے اصول اور خاص عالمگیری انشا پر بحث، اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی پیدائش سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود اس کے خطوط و رقعات کی روشنی میں تنقیدی نگاہ ڈالی گئی ہے۔

اختر میاں جوناگڑھی | قاضی احمد میاں نام، اختر تخلص تھا۔ جوناگڑھ کے اچھے کھاتے پیتے علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں آ گئے تھے اور کراچی میں مقیم ہو گئے تھے۔ نہایت وسیع المطالعہ مورخ اور بڑے اچھے ادیب اور شاعر تھے۔ انجمن ترقی اردو کے سہ ماہی رسالہ "اردو" میں ان کے بلند پایہ تحقیقی مقالے اکثر شائع ہوتے رہتے تھے۔ قومی آواز میں بھی وہ مستقل لکھتے تھے۔ وفات سے پیشتر سندھ یونیورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ چند کتابیں ان کی یادگار ہیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

(۱) اسلام کا اثر یورپ پر۔ (۲) انار کلی بیگم۔ (۳) سیپارۂ دل (غزلیات کا مجموعہ) (۴) حیات نظامی۔ (۵) طبقات الامم (ایک اندلسی مورخ کی تاریخ کا ترجمہ)۔ (۶) اسلامی کتب خانے (۷) علم اور اسلام۔

آپ کا انتقال ۵ اور ۶ اگست ۱۹۵۵ء کی درمیانی شب کو حرکت قلب بند ہونے سے حیدرآباد سندھ میں ہوا لاش کراچی لے جا کر دفن کی گئی۔

میرا جی | میرا جی کا ادبی نام اس قدر شہرت حاصل کر چکا ہے کہ ان کا اصل نام محمد ثناء اللہ ڈار ان کے جاننے والوں تک کو معلوم نہیں۔ وہ ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد منشی مہتاب الدین ریلوے انجینئر تھے۔ ملازمت کی وجہ سے مختلف جگہ قیام رہا۔ میرا جی کی تعلیم و تربیت بھی مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر ہوتی اور ادھوری رہی۔ مگر ذوق کتب بینی کے ساتھ ساتھ بچپن ہی میں شعر کہنے شروع کئے

ابتدا میں ساحری تخلص کرتے تھے مگر جب سکھر اور جیکب آباد سے لاہور آئے تو ان کی زندگی ایک ایسے انقلاب سے دوچار ہوئی کہ وہ ساحری سے میراجی بن کر بالکل ہی بدل گئے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے حلقۂ ارباب ذوق میں دلچسپی لینی شروع کی ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۱ء تک رسالہ ادبی دنیا کے نائب مدیر رہے پھر آل انڈیا ریڈیو میں ملازم ہو کر دہلی چلے گئے۔ وہاں انہوں نے حسب ضرورت مسودات لکھنے میں مہارت حاصل کی۔ گیت بھی لکھے اور اتنے کہ ان کا مجموعہ "گیت ہی گیت" کے نام سے شائع ہوا۔ مگر دہلی پہنچ کر میراجی شراب میں ایسے غرق ہوئے کہ کسی کام کے نہ رہے۔ دہلی سے بمبئی جا کر ایک ادبی ماہنامہ "خیال" جاری کیا۔ آخر ۳ نومبر ۱۹۴۹ء کو بمبئی کے ایک اسپتال میں انتقال کیا۔ میراجی کی زندگی خاصی پُر اسرار اور پیچیدہ تھی، وہ جنسی جذبات کا شکار رہے۔ ان کی اکثر نظموں میں بھی پیچیدگی اور ابہام پایا جاتا ہے۔

سعادت حسن منٹو

سعادت حسن منٹو امرتسر کے ایک معزز کشمیری خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور برصغیر پاک و ہند کے مشہور افسانہ نگار تھے۔ وہ ۱۱ مئی ۱۹۱۲ء کو سمرالہ (ضلع لدھیانہ) میں پیدا ہوئے۔ امرتسر میں تعلیم پائی۔ میٹرک کے بعد کچھ عرصہ علی گڑھ کالج میں گذارا مگر جلد ہی تعلیم کا سلسلہ ختم کر کے امرتسر کے روزانہ "مساوات" سے منسلک ہو گئے۔ باری علیگ نے منٹو کو تخلیقِ ادب کے راستے پر لگایا۔ ابتدا میں انہوں نے یورپی زبانوں کے افسانے اردو میں منتقل کئے اور لاہور کے مشہور رسائل "ہمایوں" اور "عالمگیر" کے علی الترتیب فرانسیسی اور روسی ادب نمبر مرتب کئے جس سے ان کے تراجم کی دھاک بیٹھ گئی۔ اس کے بعد انہوں نے طبع زاد کہانیاں لکھیں اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کا شمار اردو کے بہترین افسانہ نگاروں میں ہونے لگا۔ کچھ عرصہ وہ بمبئی کے ہفت روزہ "مصور" کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے پھر آل انڈیا ریڈیو دہلی میں ملازم ہو گئے۔ یہاں انہوں نے بعض نہایت کامیاب ریڈیو ڈرامے اور فیچر لکھے۔ جن کے مجموعے "منٹو کے ڈرامے"، "تین عورتیں"، "کروٹ" اور "جنازے" وغیرہ ناموں سے چھپ چکے ہیں۔ دہلی سے پھر بمبئی گئے جہاں فلمی کہانیاں اور مکالمے لکھے۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور آ کر ان دوستوں کے اسکیچ لکھے جو فنون لطیفہ کی دنیا میں مشہور تھے۔ یہ اسکیچ "گنجے فرشتے" نامی کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ منٹو کی حقیقت پسندی اور جرأت و بے باکی بعض اوقات عریانی کی حد تک پہنچ جاتی تھی۔ ان کے افسانوں کے مجموعوں میں دھواں، خدا کی خدائی، خالی بوتلیں، خالی ڈبے، ٹھنڈا گوشت، سرکنڈوں کے پیچھے، تلخ ترش شیریں، سڑک کے کنارے اور "منٹو کے نمائندہ افسانے" وغیرہ شامل ہیں۔
۱۸ جنوری ۱۹۵۵ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔

مجاز

اسرار الحق نام، مجازؔ تخلص تھا۔ ۱۹۱۱ء میں اپنے وطن قصبہ رودولی ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شیخ سراج الحق لکھنؤ میں جج کے عہدے پر فائز تھے۔ مجاز کی ابتدائی تعلیم و تربیت یہیں ہوئی۔ ۱۹۳۶ء میں علی گڑھ یونیورسٹی سے بی اے پاس کرنے کے بعد کچھ عرصہ آل انڈیا ریڈیو دہلی میں اور کچھ عرصہ حکومت بمبئی کے محکمہ اطلاعات میں ملازم رہے۔ اس کے بعد انجمن ترقی ادب لکھنؤ کے سرگرم کارکنوں اور نیا ادب کے ادارہ میں رہ کر ہارڈنگ لائبریری دہلی میں ملازم ہو گئے لیکن تھوڑا عرصہ بعد ملازمت چھوڑ کر صرف شعر و شاعری کے ہو گئے۔ مجاز کی شاعری میں اپنے ماحول کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں۔ ابتدا میں وہ رومانی شاعر تھے۔ بعد میں ملکی حالات سے متاثر ہو کر ان کی شاعری میں انقلابی رنگ پیدا ہو گیا۔ ان کا پہلا مجموعہ کلام "آہنگ" کے نام سے ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ اس میں کچھ نظموں کا اضافہ کر کے مجاز نے ۱۹۴۵ء میں "شب تاب" کے نام سے اور پھر مزید اضافے کے بعد ۱۹۴۹ء میں "ساز نو" کے نام سے طبع کرایا۔ وہ ۵ دسمبر ۱۹۵۵ء کو فوت ہوئے۔

---

(۳)

مکتوب مولانا ابوالکلام آزاد

مکتوب بنام بیگم حسرت موہانی

تحیۃ وسلاما۔

اخبارات میں صوبجات متحدہ کی گورنمنٹ کا مولوی حسرت کے متعلق کمیونک نظر سے گذرا اور آپ کا خط بھی برسٹل بیورلیہ نے شائع کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ آپ لوگوں نے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا کی مجسم تفسیر دنیا کو دکھلادی۔ قرآن نے ان کامل انسانوں کا ذکر کیا ہے جو اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہیں اور پوری استقامت کے ساتھ اس پر جم گئے ہیں۔ پھر وعدہ کیا ہے کہ ایسی پاک ہستیوں کے لئے نہ تو کوئی چیز ڈرانے والی ہے اور نہ غمگین کرنے والی۔ مولوی حسرت نے اور آپ نے ثابت کر دیا کہ ایسے کامل انسانوں سے مسلمانوں کی بستیاں ابھی بالکل خالی نہیں ہوئی ہیں۔ یہ مقام یوسفی کا کامل ترین درجہ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے دو راہیں کھولی گئی تھیں۔ آزادی اور معصیت، قید خانہ اور طاعتِ حق! انہوں نے آخری راہ اختیار کی اور فرمایا "رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ" خدایا! قید خانہ مجھ کو کہیں زیادہ محبوب ہے اس چیز سے جس کی طرف مجھ کو بلایا جا رہا ہے۔ الحمد للہ کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے حسرت کو مقامِ یوسفی کے کامل اتباع کی توفیق دی، اور اس فضیلت میں کوئی دوسرا ان کا شریک و نظیر نہیں۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ۔

البتہ موجودہ عہد سے اس مقام کے فہم و قدر شناسی کی امید نہیں۔ یہ عہد صرف تخم ریزی کا ہے جو کاشتکاری کے کاموں میں سب سے زیادہ محنت طلب اور مشکل وقت ہے۔ فصل کاٹنے کا وقت نہیں ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو دنیا ان لوگوں کو یاد کرے گی جنہوں نے بیج بونے کی محنت اپنے ذمہ لے لی تھی اور پھل کھانے کی لذت آنے والوں کے لئے چھوڑ دی تھی۔ اس وقت آسمان و زمین ان لوگوں کی بڑائی پر شہادت دیں گے۔ اور وہی دنیا جو اس وقت غافل سو رہی ہے اٹھے گی تاکہ ان کی پرستش کرے۔ حسرت جو کچھ کر رہا ہے ہندوستان اس کو پچاس برس بعد سمجھ سکے گا۔ اس وقت اس سے زیادہ امید نہ رکھئے کہ چند اخباروں میں دو چار مضمون نکل جائیں گے اور وقت کی حالت دیکھتے ہوئے یہ بھی خلافِ توقع ہے۔ جو حالت اس بارے میں دنیا کی متفقہ تاریخ بتاتی ہے، اس کا مقتضی تو یہ ہے کہ ہر طرف سے تحسین کی جگہ ملامت کی صدائیں اٹھیں اور لوگ کہیں کہ یہ مجنون

. . . . یہ تو پاگل ہوگیا ہے۔ اقوام و ممالک کی اصلاح و خدمت کا اصلی منبع و سرچشمہ انبیاء کرام کی زندگی اور ان کا پاک نمونہ ہے۔ سوان کا حال جو قرآن نے بتلایا ہے وہ معلوم ہے جب کہ وہ اپنی قوم کو زندگی اور کامیابی بخشنا چاہتے تھے تو قوم پتھروں کی بارش سے ان کا استقبال کرتی تھی۔

جب میں آپ کے عزم و استقامت اور اس کے ساتھ تنہائی و کس مپرسی کو سوچتا ہوں تو کہہ نہیں سکتا کہ قلب کا کیا حال ہوتا ہے۔ یہ اللہ ہی کی مدد ہے اور اس کے روح القدس کا القا جس نے آپ کو ان مصائب و شدائد میں بھی وہ درجۂ عزم بخشا ہے جو کسی ایک مرد کو بھی آج نصیب نہیں۔ افسوس میں خود مجبور و معطل ہو رہا ہوں اور اپنے وجود کا آپ کے لئے کچھ سود مند نہیں پاتا۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میں کیونکر آپ کے لئے مفید ہو سکتا ہوں۔ کوئی ضرورت، کوئی کام، کوئی خدمت مجھے لکھئے شاید میں کچھ کر سکوں اور اس طرح اپنے قلب نادم و خجل کو تسکین دے سکوں۔ آپ کی مالی حالت آج کل کیسی ہے؟ مصارف و ضروریات کا کیا انتظام ہے۔ مکان قائم ہے یا نہیں اگر قائم ہے تو کیونکر اس کا انتظام ہوا ہے؟ امید ہے کہ ان امور کو مفصل لکھیں گے۔

آپ نے فوٹو کی نسبت لکھا تھا یہاں ایک شخص نے اپنے شوق سے لیا تھا۔ میں نے ایک کاپی کے لئے اس کو لکھا ہے کہ آپ کو بھیج دے۔ میں تو اس کو ایک محض بے کار شے سمجھتا ہوں۔ تعجب ہے کہ آپ کو اس کے لئے اصرار ہے۔

مخلص ابوالکلام عفا اللہ عنہ

مکتوب مولوی عبدالحق صاحب — (۲) — مکتوب الیہ ڈاکٹر عابد حسین صاحب جامعہ دہلی

بنجارہ روڈ حیدرآباد دکن

۲۲ مارچ ۱۹۳۱ء

شفیقی و مکرمی۔ تسلیم

میں اورنگ آباد چلا گیا تھا۔ آج ہی واپس آیا ہوں۔ صدیق حسن کی بیٹی کی شادی تھی۔ ان کا اور ان کی والدہ کا سخت اصرار تھا کہ جب تک آپ نہ آئیں گے ہم لڑکی کو رخصت نہ کریں گے، ناچار مجھے جانا پڑا۔ آپ کا خط بس میں حضرت یجوؔ کا ہدایت نامہ ملفوف تھا مجھے پہنچ گیا۔ اس میں اب کسی بحث یا گفتگو کی گنجائش باقی نہیں جس بے تکلفی سے انہوں نے حیدرآباد کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے اور "بکمال ادب" اعلیٰحضرت کی خدمت میں "عرض" کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اسے پڑھ کر بے اختیار (اور تو کیا کہوں) ان پہ پیار آتا ہے۔ انہیں کیا معلوم کہ اس رقم کے حاصل کرنے میں جو حضرت کی نظر میں اس قدر قلیل اور حقیر ہے مجھے کیسی کیسی کھکیڑیں اٹھانی پڑیں اور کیسے کیسے جتن کرنے پڑے۔ دس سال کی متواتر جد و جہد کے بعد یہ دن نصیب ہوئے ہیں۔ اس پر بھی اہل کرم کا یہ خیال ہے کہ ہم نے بہت دیا۔ ضرورت سے زیادہ دیا ؎

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا
یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

یہ بڑا طولانی قصہ ہے کبھی زبانی بیان کروں گا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ اتنی رقم بھی مل گئی ورنہ مجھے کوئی توقع باقی

نہیں رہی تھی۔ وہ صاحبان علم وفضل جو ان چیزوں کے سمجھنے کے بڑے مدعی ہیں۔ انہیں کبھی یہ توفیق نہ ہوئی (اگرچہ زبانی بہت کچھ تائید اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے) کہ میری اس تجویز کو اپنی تائید کے ساتھ آگے بڑھائیں یا اس کی منظوری کے لئے کوئی کوشش کریں۔ ان چیزوں کا قدردان صرف ایک شخص تھا۔ یعنی مرحوم نواب عمادالملک اور وہ اس میں کبھی پس وپیش نہیں کرتے تھے اور فوراً مدد دینے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ لیکن آخر عمر میں وہ معذور ہو گئے تھے۔ اور اگرچہ ان کے اختیار میں کچھ نہ تھا لیکن اس پر بھی یہ حال تھا کہ جہاں تک ہو سکتا تھا اور جو کچھ ہو سکتا تھا اس سے دریغ نہ کرتے تھے اعلیحضرت کو لکھتے تھے۔ ان کے مقربین کو بلا کر کہتے تھے۔ اہل حل وعقد کو سمجھاتے تھے اور اپنی ذات سے بھی بلا تامل مدد کرتے تھے اور کبھی زبان پر نہیں لاتے تھے۔ ایسے لوگ اب نہیں رہے۔ اب تو ہر کام بازار کا سودا ہو گیا ہے۔ سودے کی طرح معاملہ کرو تو ہوتا ہے۔ ورنہ کوئی نہیں پوچھتا۔ مجھے کس قدر حسرت وافسوس ہے کہ میں آجکل حیدرآباد میں ہوں اور نواب عمادالملک ہادرہ نہیں ہیں۔ ان کی ذات سے مجھے بڑی تقویت تھی اور بڑے بڑے کام کھیل معلوم ہوتے تھے۔ اب کوئی ایسا نہیں رہا جو علمی کاموں کی دل سے شوق سے قدر کرتا ہو۔ ہاں اچکوں لفنڈوں کی طرح داؤ پیچ سے۔ دھوکے سے یا خوشامد سے یا سر ہو کر کوئی کام نکال لے تو نکال لے۔

میرا ارادہ اکیڈیمی کے جلسے میں الہ آباد جانے کا نہیں تھا۔ لیکن ڈاکٹر تاراچند کا ایک خط ایسا آیا ہے کہ اب مجھے انکار کرتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے۔ البتہ ایسے موقعوں پر ایک گر بہت کام آتا ہے وہ یہ کہ خط کا جواب ہی نہ دیا جائے اور چپ سادھ لیں۔ یہ گر میں نے ڈاکٹر تاراچند ہی سے سیکھا ہے۔ لیکن اسے میں ان کے حق میں اس قدر استعمال کر چکا ہوں کہ یہ ہتھیار بھی اب کھنڈا ہو گیا ہے۔ اس لئے اب میں کچھ ڈھل مل سا ہو رہا ہوں۔ آپ بھی ہمت کیجئے۔ چلئے۔ کچھ نہیں تو ملاقات ہی کا لطف رہے گا۔

امید ہے کہ رقم پہنچ گئی ہوگی۔ رسیدیں صدیق حسن کے نام اورنگ آباد بھیج دیجئے گا۔ ڈاکٹر... صاحب اچھے ہیں۔ اپنا کام خوب کر رہے ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ فرنچ سرکل کے دلدادہ ہیں۔ یہاں فرانسیسی دان نفنگوں (یہ نوفرز کا ترجمہ ہے) نے اپنی سوسائٹی بنائی ہے۔ جس کا نام فرنچ سرکل رکھا ہے۔ اس میں صرف فرانسیسی بولی جاتی ہے۔ کسی دوسری زبان کے بولنے کی اجازت نہیں۔ فرانسیسی گیت گائے جاتے ہیں اور فرانسیسی ناچ ناچتے ہیں۔ مرد وعورت ہر دو جنس اس میں شریک ہیں۔ مجھے تو ان کے لچھن کچھ اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ ہاں آپ کی جامعہ کا معاملہ ابھی کونسل میں پیش ہے۔ ریاست بھوپال نے یہ دریافت کیا تھا کہ جامعہ کو حیدرآباد سے کیا امداد دی گئی ہے۔ اور کب سے دی گئی ہے۔ اس کا جواب اور تمام واقعہ (متنازعہ فیہ) لکھ دیا گیا ہے۔ میرا ارادہ ہے۔ کہ میں شعیب کو لکھ کر کوئی ایسی تحریر منگاؤں جس سے یہ معلوم ہو کہ اگرچہ چیف کمشنر دہلی نے وہاں بھی امداد کے مسدود کرنے کے لئے لکھا تھا۔ مگر کوئی معقول وجہ نہ ہونے سے امداد جاری ہے۔ اور جو اندیشہ چیف کمشنر نے ظاہر کیا ہے۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی خدمت میں بہت بہت سلام کے بعد میرا شکریہ پہنچا دیجئے گا۔ کہ ان کے

چلیے حارث یا نارثی نے ان کی ہدایت پر بمبئی سے عید کے موقع پر کیلے بھیجے تھے۔ بہت اچھے تھے۔ اور ہم سب نے خوب کھائے۔ تاہم گنج سے سیراب تک آتے آتے رہے ہیں پٹھان صاحبان پیک کرنا خوب جانتے ہیں۔ ایک صاحب نے جو اپنے وقت کے بہلول دانا معلوم ہوتے ہیں تمباکو (بنا ہوا پینے کا تمباکو) کے ساتھ پیک کرکے بھیج دیئے۔ پارسل جو کھولا تو حیرت ہوئی۔ کالے کالے تمباکو میں سرخ سرخ بیر کیا! ایسے معلوم ہوتے تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ آبنوس میں لعل و یاقوت جڑے ہوئے ہیں۔ تمباکو میں تمباکو فروش کوڑیاں تو البتہ جڑ دیتے ہیں۔ گر بیروں کی پٹھان ہی کو سوجھ سکتی ہے۔

مجیب صاحب کیسے ہیں۔ میرا سلام کہہ دیجئے گا امید ہے کہ آپ سب صاحب خیر و عافیت سے ہوں گے۔ افلاطون زماں.... .... خاں کچھ دنوں سے یہیں تھے۔ یہاں سے اورنگ آباد قیام کرکے دہلی تشریف لے گئے۔ افسوس کہ مں قتے بوانے کی نوبت نہ آئی۔ اب ان سے کہئے کہ فلسفے کا پیچھا چھوڑیں اور کوئی اور دھندا کریں۔

ڈاکٹر سلیم صاحب سے ملاقات ہو تو ان کو اور ان کی بیوی کو میرا بہت بہت سلام کہہ دیجئے گا۔

۲۲ مارچ ۱۹۳۱ء

نیازمند عبدالحق

مکتوب مولانا عبدالماجد دریابادی (۳) بنام مولوی ضیاء احمد صاحب بدایونی

بسم اللہ

کرم گستر وعلیکم السلام

خود مدیر میگزین سلمہ اللہ ہی کا خط کیا کم تھا۔ کہ اس پر مستزاد آپ کا سفارش نامہ! ؎

تبسم بھی شریک نگہ ناز ہوا

آج کچھ اور بڑھائی گئی قیمت میری

کیسے انکار کروں۔ معذرت کن الفاظ سے پیش کروں؟ کاش آپ کو میری مصروفیتوں کا تفصیلی علم ہوتا! آپ خود ہی اُس وقت ایسا حکم نہ دیتے لا یکلف اللہُ نفساً الا وُسعَھا۔ جب اللہ نے اس عذر کی بنا پر بندوں کو معافی دے دی ہے تو کیا خود بندے بندوں کے حق میں اپنی درگزر سے کام نہ لیں گے؟

لکھ ڈالنا تو خیر کچھ ایسا مشکل نہیں۔ قلم گھسیٹ دینے میں وقت ہی کیا ایسا لگتا ہے اصل سوال پڑھنے کا ہے۔ کسی ادیب یا شاعر کو از سرِ نو پڑھے بغیر کیسے اس پر لکھ دیا جائے۔ اور پھر پڑھنے ہی کا وقت نکالنا تو محال ہے۔ —— اپنے محبوب سے محبوب ادیب یا شاعر کا از سرِ نو مطالعہ کرنا۔ ایک مجاہدۂ عظیم ہے۔ اور یہیں آکر بجز آپ سے معذرت کر دینے کے کوئی چارہ نہیں رہتا۔

خدمت صرف اتنی ممکن ہے کہ کچھ عام مشورے دے دوں۔ خود وہ نمبر سامنے ہو تو اس پر بطور دیباچہ یا پیش لفظ چند سطریں لکھ دوں یا کوئی خاص مقالہ آجائے تو اس پر الٹی سیدھی کچھ رائے دے دوں —— بڑے پہلوانوں کو آپ نے سنا ہوگا کہ اکھاڑے میں اتر کر کشتی کے قابل نہیں رہ جاتے باہر بیٹھے ہوئے داؤ پیچ بتا سکتے ہیں۔

فن کے گُر سکھا بتا دیتے ہیں۔

مزاح و ظرافت اور طنز و تعریض دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ امید ہے۔ امید ہے کہ اس فرق کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جائے گا۔ بلکہ خود شوخی و ظرافت کے درمیان میں جو لطیف فرق ہے۔ اُسے نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔

شاعروں میں حضرت اکبر اور نثر نگاروں میں محمد علی جوہر ان سب اصناف کے جامع ہوئے ہیں۔ اکبر پر تو یقینی ہے۔ کہ میگزین میں خوب کھل کر لکھا جائے گا۔ باقی کسی کو جوہر کی نثر نگاری پر بھی پوری توجہ کرنا چاہئے۔ مضامین محمد علی حالات محمد علی۔ نگارشات محمد علی وغیرہ کے نام سے کئی مجموعے نکل چکے ہیں۔ کم از کم انہیں تو مزدہ ہی لیا جائے۔

لطیف۔ سبک۔ شوخ نگاری کی مثالیں ریاض خیرآبادی کے ہاں کثرت سے ملیں گی۔ کوئی ریسرچ کرکے ذرا دیکھے تو۔ اور نذیر احمد تو کسی طرح بھولنے والی چیز ہی نہیں۔

غیر مشہور اور گمنام لکھنے والوں میں یہ دو بھی از سر نو قدر دانی کے محتاج ہیں۔ ایک سید محفوظ علی بدایونی مغفور دوسرے شیخ ولایت علی۔

ظرافت اپنے حدود سے تجاوز کرکے ذاتیات اور شخص ہجو گوئی تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کی مثالیں اودھ پنچ اسکول میں بہت ملیں گی۔ اور گلزار نسیم پر جو قیامت خیز بحث شروع ہوئی تھی۔ اس میں آخر میں طرفداران شرر بھی اسی سطح پر اتر آئے تھے۔ ملاحظہ ہوں ہفتہ وار ظریف مرحوم کی فائلیں ــــــ ایک طرف ہیں خطوط "بوالحلیمن کے نام" دوسری طرف ہیں مکتوب "سجادی خانم کے نام"۔

ہزل۔ ہکیٹر۔ مخانثی سب کے ڈانڈے آکر مسخ شدہ ظرافت میں سے مل جاتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام کا جو مقام ادبیات میں ہے۔ وہ تو نظر میں ہو ہی گا۔ بہرحال کے لکھنے والوں میں شوکت تھانوی رشید صدیقی۔ قاضی عبدالغفار۔ سالک۔ پطرس اور کنہیا لال کپور۔

ہر مذہبی مناظرانہ رسالوں اور کتابوں میں جو ایک دوسرے پر غلاظتیں اچھالی گئی ہیں اُن سے بھی کترا کر کیسے گذریئے گا! انہیں بھی سمیٹنا لازمی ہے ــــــ ایک مولوی صاحب رسالہ لکھتے ہیں "شریعت کا لٹھ" معاً دوسری طرف سے جواب نکلتا ہے "شریعت کا آرہ"۔ پھر شریعت کا ــــ" وقس علیٰ ہذا۔ ایک رسالہ کا عنوان ہوتا ہے "کھڑاؤں کے معنی میں) معاً جواب نکلتا ہے "کفش" (جوتی کے معنی میں)۔ بریلی سے آواز آتی ہے۔ کہ "دیوبند کا ایک دلوبیہ کہتا ہے"۔ دیوبند سے جواب نکلتا ہے "تو نے جو ہم کو اپنا خصم قرار دیا ہے۔ الخ ــــــ اس چمن کی سیر آپ نے نہ کرائی۔ تو کچھ نہ کیا۔

ایک مستقل عنوان "علی گڑھ کا حصہ ظرافت و طنز میں" ضرور رکھئے اور اس کی ابتدا خود سرسید سے کیجئے ــــــ لیجئے معذرت نامہ خود ہی مضمون بن چلا۔

والسلام۔ نیازمند عبدالماجد

از جناب اے ایس بخاری پطرس (۴) بنام جناب عبدالمجید صاحب سالک

برادر محترم۔

آپ کے خط سے دہری ندامت ہوئی۔ جب آپ کا خیال آتا تھا۔ تو شرم کے مارے لمحہ بھر کو ہاتھ پاؤں سرد ہو جاتے تھے۔ لیکن یقین مانیے۔ کہ اپنی خاموشی کی سزا بھی سب سے زیادہ مجھ ہی کو ملتی رہی۔ احباب بعید تر ہوتے گئے اور میری تنہائی بڑھتی گئی مہینوں کی غفلت کے بعد کسی کو خط لکھا بھی تو جواب نہ آیا۔ کیونکہ وہاں توجہ کا چشمہ اس عرصے میں خشک ہو چکا تھا۔ مجھے ندامت اور توبہ کا صلہ بھی نہ ملا۔ لیکن سالک کی وفا شعاری ہمیشہ استحقاق سے تجاوز کر جاتی ہے۔ خدا آپ کو زندہ و سلامت اور خوش و خرم رکھے۔ آئین دوستی آپ ہی کے دم سے زندہ ہے۔ ورنہ وائے باایں اُلفتیں مر رہی ہیں اور جو مر نہیں چکیں وہ درگور ہیں۔

جولائی ۱۹۵۰ء میں یہاں پہنچا۔ تو ذیابیطس کی شکر اپنے ساتھ لایا۔ کئی ہفتے روزانہ پیشاب کا مطالعہ کرتا رہا۔ اور زندگی کے باقی اوراق سب تہ کرکے رکھ دیے۔ کہ شفائے شافی ہوئے تو زندگی کا دھارا پھر ٹھیک سے بہنے لگے گا۔ لیکن جب تک اُس میں شکر شامل ہے۔ باقی شیرینیاں حرام ہیں ٹیکے کی پچکاریاں اور قطرہ پیمانلیاں۔ دن رات اسی نوع کے "شیشہ آلات" کی نذر ہو گئے۔ اس عرصے میں مکان کی تلاش رہی۔ یکے بعد دیگرے دو اپارٹمنٹ بدلے۔ دونو عارضی تھے۔ لیکن یقین ہو گیا۔ کہ اپارٹمنٹ میں رہنا ہم سہل پسندوں کے لئے ناممکن ہو گا۔ ایک پہاڑ سی عمارت اس میں درجنوں ڈربے کوئی چھوٹے کوئی بڑے۔ ہر ہمسایہ مقفل اور پراسرار۔ آٹومیٹک لفٹ۔ میں پندرھویں منزل پر رہتا تھا۔ کئی مرتبہ خیال آیا کہ اگر "۱۵" کا بٹن دبانے کے بعد روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے۔ تو یہ لفٹ کا قفس کم بخت بے حس و بلا تامل پندرھویں منزل تک چڑھتا چلا جائے گا۔ اور وہاں پہنچ کر اس کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور اسے اتنی بھی تمیز نہ ہو گی۔ کہ جس نے بٹن دبایا تھا۔ وہ اب محض ایک لاش ہے۔ دروازہ کھلنے پر بھی باہر نہیں نکل سکتا۔ اس خیال سے عجیب دہشت ہوتی تھی۔ انسان کو ہر وقت یہ توقع رہتی ہے۔ کہ اس کے مرجانے پر کچھ غلغلہ ہو گا۔ کوئی تھامیگا۔ کوئی اٹھائے گا۔ کوئی روئے گا۔ کوئی چلّائے گا۔ جب یہ توقعات یک لخت مفقود ہو جائیں۔ تو ہم ایشیائی لوگوں کو چاروں طرف تاریکی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ یہاں آکے معلوم ہوا۔ کہ ہم لوگوں کی زندگی جماعت کی کتنی عادی ہے۔ اس عرصے میں ملازم بھی کوئی نہ تھا۔ کھانا ہمیشہ باہر کھاتا تھا۔ بجز صبح کے ناشتے کے۔ چنانچہ انڈے پکانے میں مہارت حاصل کر لی۔ لیکن وہ جو بازار سے ہر دوسرے تیسرے دن سودا سلف کے بنڈل اٹھا کر گھر لانے پڑتے تھے۔ اس میں کبھی مہارت حاصل نہ ہوئی۔ ہمیشہ اپنے آپ پر ترس آتا تھا۔ کہ اللہ اللہ جن کے طویلے بیچ کئی دن کی بات ہے۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ زندگی احتجاج اور افسردگی کا مجموعہ تھی۔

ستمبر ۱۹۵۰ء میں مکان کرائے پر لے لیا۔ ایک حبشن کو ملازم رکھ لیا۔ لیکن ساتھ ہی جنرل اسمبلی کا زمانہ آگیا۔ ڈیلیگیٹوں کا قافلہ پاکستان سے آن پہنچا۔ رات تو شہر میں گزرتی تھی۔ لیکن صبح نو بجے سے شام کے سات آٹھ بجے لیک سکیس میں رہتے تھے۔ جو یہاں سے بیس میل کے فاصلے پر ہے۔ دن کم و بیش نماز فجر سے شروع ہوتا تھا۔ کیونکہ

ظفر اللہ خاں صاحب جو یہاں سے اور بھی تیس میل دور رہتے ہیں۔ باوجود اس فاصلے کے صبح نو بجے سب سے پہلے آن پہنچتے تھے۔ ہم شب زندہ دار ٹھیرے۔ کچھ نہ پوچھئے کہ دنیا و عاقبت دونوں میں سُرخروئی حاصل کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارا یہ حال تھا۔ کہ ؎

رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم
دھوئے دھبّے جامۂ احرام کے

اسمبلی ختم ہوئی۔ تو کشمیر کا شعلہ پھر بھڑکنے لگا۔ اسمبلی کے ڈیلیگیٹ اسمبلی ختم کرنے کے بعد اور موٹروں اور فریجیڈیروں کا سودا چکانے کے بعد پاکستان لوٹے۔ تو محمد علی اور ان کا قافلہ آن پہنچا۔ وہ گئے تو ڈاکٹر گراہم کا قضیہ نکلتا چھوڑ گئے۔ خدا خدا کر کے پچھلے ہفتے گراہم یہاں سے روانہ ہوئے۔ تو پہلی مرتبہ اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن یہ بھی کب تک۔ رات دن چکر میں ہیں سات آسماں ......

رفتہ رفتہ نئی زندگی کا عادی ہو گیا ہوں۔ جب میں یہاں پہنچا۔ تو دفتر کو (اپنے معیار کے مطابق) مردہ پایا۔ اس سے متقدمین کی گستاخی خدمت مقصود نہیں۔ ہر طبیعت کا تقاضا الگ ہوتا ہے۔ میری طبیعت ایسی ہے کہ بے حسی سے کام کر ہی نہیں سکتا۔ ہلکا ہلکا سا بخار نہ چڑھا رہے تو سمجھتا ہوں کہ حرارت عزیزی سے محروم ہوں۔ اور جمود طاری ہو رہا ہے۔ یہاں حالت یہ تھی۔ کہ یو۔ این کا فیصلہ کراچی پہنچا دیا۔ کراچی کے لیفنے پر ووٹ دے دیا۔ الّہ الّہ خیر سلا۔ یہ مشن محض ایک ڈاکخانہ بن کر رہ گیا تھا۔ کاروا رخاص بجز ہرکارے کے کچھ نہ تھا کام پھیلایا۔ تو خود اس کا بوجھ میرے کندھوں پر پڑا۔ اپنی وقت پسندی کی شکایت کس سے کروں یہاں کا کام وقت بہت زیادہ چاہتا ہے۔ ساٹھ ملکوں کے ساٹھ وفد۔ ہر ایک کا ووٹ کسی نہ کسی موقع پر اہم بن جاتا ہے سفارتی گفت و شنید عجیب سست رفتار ہوتی ہے۔ ساٹھ وفدوں میں سے ہر ایک کو سلام کیجئے۔ مناسب وقفے کے بعد خیریت دریافت کیجئے بیوی بچوں کا حال پوچھئے۔ کھانے کی دعوت دیجئے۔ موسم کا ذکر بالتفصیل کیجئے۔ حرف مطلب زبان پر یوں لایئے کہ بار نہ ہو۔ پھر ہفتوں جواب کا انتظار کیجئے۔ اس دوران میں مسکراتے رہیئے۔ اور نگاہ رکھئے۔ کہ قارورے مل رہے ہیں۔ یا کہیں رُک گئے ہوں۔ تو روغن قاز۔ آتش سیال۔ یا قطرۂ تیزاب جیسا حکم بتائے۔ کام میں لایئے۔ کاک ٹیل پارٹیوں میں حاضری دیجئے یہ کاک ٹیل پارٹیاں بھی خدا جانے کس موذی نے ایجاد کی تھیں جب حکومتیں شخصی ہوا کرتی تھیں۔ تو کئی باتیں دسترخوان پر پوری ہو جاتی تھیں۔ محمد شاہ ایسی دعوت دے۔ کہ نادر شاہ کا دل پسیج جائے۔ تو یہ ہوئی سیاست۔ لیکن یہاں تو کوئی بغیر اپنی حکومت کے اشارے کے انگلی تک نہیں ہلاتا۔ پھر بھی کمبخت ضیافتوں پر وقت اور روپیہ ضائع کرتے رہتے ہیں۔ شراب کا میں کبھی دلدادہ نہ تھا۔ لیکن عصمت بچانے کے لئے ایک گلاس ضرور ہاتھ میں رکھنا پڑتا ہے۔ ورنہ ہر دو منٹ کے بعد کوئی نہ کوئی آپ سے تواضع برتے گا۔ اور آپ جواب دیتے دیتے اور اپنا دامن بچاتے بچاتے تھک جائیں گے۔ بھیڑ ہمیشہ اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ (اور یہ تصادم محض کھووں تک ہی محدود نہیں ہوتا۔) وقت ایسا ہوتا ہے۔ کہ آپ شام کا کھانا اس سے پہلے کھا سکتے ہیں۔ نہ بعد میں۔ لیکن جو لوگ سفیر یا وزیر بن جائیں۔ ان کی قسمت میں یہی لکھا ہے کہ ہفتے میں دو تین مرتبہ یہ سزا ضرور بھگتیں۔ میں کاک ٹیل کا یوں منتظر رہتا ہوں۔ جیسے کوئی کسی آپریشن کا منتظر ہو۔ کہ تکلیف بھی ہوگی۔ لیکن اس کے

بغیر چارہ بھی نہیں جس دن کاک ٹیل پارٹی ہو۔ میری شام غارت ہو جاتی ہے۔ دو گھنٹے مسکرا مسکرا کر گلے اکڑ جاتے ہیں۔

خوبیٔ قسمت سے مجھے مکان ایسا مل گیا ہے۔ کہ طبیعت اس میں خوش رہتی ہے۔ مکان سرکار دیتی ہے۔ لیکن ملازموں کا خرچ خود برداشت کرنا پڑتا ہے اور چونکہ رتبہ بڑا ہے۔ تنخواہ تھوڑی۔ اس لئے تنخواہ کے مطابق مکان لیجئے۔ تو پاکستان کی توہین ہوتی ہے۔ اور رتبے کے مطابق ٹھاٹھ رکھئے تو جیب ساتھ نہیں دیتی۔ ہفتوں اسی کشمکش میں گزرے بالآخر ایسا مکان مل گیا جس میں ڈیڑھ ملازم سے کام چل جاتا ہے اور پاکستان کے نام کو بھی بٹہ نہیں لگتا۔ (ملازمہ کی تنخواہ چھ سو روپیہ ہوا ہے۔ اس کی خوراک اور رہائشی کمرہ الگ) چھ کمرے ہیں۔ لیکن تین منزلوں پر۔ بالکل لب دریا۔ اور رات دن آتے جاتے جہازوں کے نظارے سے تنہائی کا احساس کم رہتا ہے۔ ایک ہزار کے قریب کتابیں۔ اور چند سرخ پتھر کے مجسمے چغتائی کی تین تصویریں ایک اونٹ کی اوجھڑی کا لیمپ دو تین پاکستانی پھلکاریاں۔ ایک تانبے کا آفتابہ سلفچی۔ یہ سب ساتھ لایا تھا۔ ان کی وجہ سے دل میں لہو کی ایک بوند نظر آتی رہتی ہے۔

میرے شغل تین قسم کے ہیں۔ ایک تو سیاسی یعنی شطرنج اور ملاقاتیں۔ اور جاسوسی۔ اور دعوتیں اور بحثیں اور گفت و شنید یں۔ اور کراچی کے ساتھ ٹیلیگراف بازی۔ اور تعمیل احکام۔ دوسرے پبلسٹی یعنی مسلسل تقریریں۔ بیشتر کشمیر پر۔ پاکستان کے عام حالات پر چند ادب اور دیگر کلچرل معاملات پر۔ میری مانگ بہ نسبت اور علاقوں کے۔ کالجوں۔ سکولوں۔ یونیورسٹیوں اور گرجاؤں میں زیادہ ہے۔ اور روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ اب تک کوئی سو دو سو لیکچر دے چکا ہوں۔ اور اس سلسلے میں اکثر سفر میں رہتا ہوں۔ دنیا میں ہمارا دشمن بجز ہندوستان کے اور کوئی نہیں ہے۔ لیکن ہندوستان کا نام بڑا ہے۔ گاندھی اور سانپ اور سادھو اور بھان متی اور شیر اور ہاتھی سب اسی کے حصے میں آتے ہیں۔ پاکستان سے لوگ کم واقف ہیں کماحقہ پبلسٹی کے لئے کھربوں روپیہ چاہئے۔ اس لئے جو موقعے مل جاتے ہیں ان سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اکثر لوگ صاف دل لیکن ہندوستان سے بے حد مرعوب ملتے ہیں۔ تاہم معقول بات کیجئے تو اثر پذیر ضرور ہوتے ہیں۔ ایک گرجے میں لوگ پاکستان کے حالات سے اس قدر متاثر ہوئے۔ کہ لیکچر کے بعد سب نے زانوؤں کے بل کھڑے ہو کر پاکستان کی بہبود کے لئے دعا مانگی اور ایک مذہبی HYMN میں پادری صاحب کے تصنیف کردہ دو بند پاکستان کے متعلق شامل کرلئے کالجوں اور سکولوں کے بیشتر طالب علم میرے کمرے کا طواف کرتے رہتے ہیں۔ اور پاکستان کے ٹکٹ اور تصویریں اور پمفلٹ مجھ سے لے جاتے ہیں۔ ان دو شغلوں سے فراغت ملے۔ تو ادبی ذوق کی آبیاری کرتا ہوں۔ یہاں پڑھے لکھے لوگ زیادہ ہیں۔ علما کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ مقررین اس قدر مختلف ہیں۔ کہ گھنٹوں ہمزبانی کے بعد بھی ہم خیالی کم نصیب ہوتی ہے۔ بیچاروں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ جب امریکہ کے پاس سب کچھ موجود ہے۔ تو ایسے لوگ اپنے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے کلچرل دنیا میں سب کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔ بجز حسن مذاق کے چنانچہ حسن کو لپ سٹک اور ہوائی جہاز میں ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ روپے اور سامان کی بہتات ہے۔ جتنا کھا سکتے ہیں۔ اس سے دگنا پھینک دیتے ہیں۔ دکانیں اٹا اٹ سامان سے بھری رہتی ہیں۔ اشتہاروں کی وہ بھر مار ہے۔ کہ سورج چاند نظر نہیں آتے۔ ایک اخبار کے سنڈے ایڈیشن میں اتنا کاغذ لگاتے ہیں۔ کہ پاکستان کے سب اخبار دس سال تک اس پر چھپ سکتے ہیں۔ تاہم خوش نہیں رہتے۔ کسی چیز پر قانع نہیں ہوتے۔ اور ایک بیقراری سی ہر وقت ان پر

مسلط رہتی ہے۔ جب موقع ملے۔ ایک آدھ دن ہارورڈ یونیورسٹی میں جاکر گزارتا ہوں۔ وہاں رچرڈ صاحب انگریزی کے پروفیسر ہیں۔ کیمبرج میں میرے استاد تھے۔ ان کی مروّت کی وجہ سے وقت وہاں اچھا کٹ جاتا ہے۔ انہی کی بدولت میرے دو اِک چند لیکچر بھی انگریزی اور امریکن اساتذہ کے متعلق ہوئے۔ نیویارک میں دوست مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں۔ ذہنی اور مادی دونو فاصلے زیادہ ہیں۔ دوستوں کا جمگھٹا جس کے ہم لوگ عادی ہیں۔ وہ یہاں میسّر نہیں۔ بجز اس کے کہ ایک "پارٹی" کا انتظام کیجئے۔ لیکن میں نے "پارٹیاں" صرف سیاست والوں کے لئے وقف کر رکھی ہیں۔ ان سے عہدہ برآ ہونے کے بعد پیسہ ہی اتنا پاس نہیں ہوتا۔ کہ انسان پاؤں پھیلا سکے۔ لیکن دو تین مصنّفوں اور ایک آدھ تھیئٹر کے ارباب حل و عقد سے ملاقات ہے۔ ان کی بدولت کبھی کبھار شام رنگین ہو جاتی ہے۔ مگر آپ جانتے ہیں۔ دوستی کے رشتے جو شباب میں قائم ہو جائیں۔ ان کا بدل باقی تمام عمر میں نصیب نہیں ہوتا۔ اس لئے تشنہ رہتا ہوں۔ اب کچھ اردو کی کتابیں بھی منگوائی ہیں تین چار مہینے اردو کی صورت سے محروم رہا۔ پیاس کے مارے زبان باہر لٹکنے لگی تھی۔

صحت کے متعلق پریشانی رہتی ہے۔ ڈاکٹروں سے چھٹکارا نہیں ہوتا۔ خدا حکومت پاکستان کا بھلا کرے۔ کہ علاج معالجے کے اخراجات وہ برداشت کرتی ہے۔ ورنہ یہاں کی فیسیں ایسی ہیں کہ خود ادا کرنی پڑتیں۔ تو مردہ ہی خراب ہوتا۔ ذیابیطس مجھے نہیں۔ تاہم احتیاط ضرور کرنی پڑتی ہے۔ پھر کچھ سرطان کے عود کا شبہ ہوا۔ پھر جگر میں خرابی پیدا ہوئی۔ چنانچہ ہر ہفتے ایک نہ ایک ٹیسٹ ہوتا رہتا ہے۔ ناک میں دم آگیا ہے (ان باتوں کا ذکر زبیدہ سے ہرگز ہرگز نہ کیجئے گا۔ وہ بیچاری ناحق پریشان ہو گی) احباب سے محض بے خبر ہوں۔ تاثیر کی موت کا اب تک یقین نہیں آتا۔ آغا حمید کی شادی پر ان کو تہنیت کا ایک تار دیا۔ جواب نہ آیا حسرت صوفی۔ ہاشمی۔ عابد۔ کسی نے کبھی خط نہیں لکھا۔ (مجرم میں بھی ہوں) جو پاکستانی یہاں آتے ہیں۔ ان سے داستانیں سنتا رہتا ہوں لیکن وہ اپنی دنیا کا حال بیان کرتے ہیں۔ میری دنیا کی بات کوئی نہیں کرتا۔ نیا شعر ایک برس سے نہیں سنا۔ بار بار وہی شعر گاتا رہتا ہوں۔ جو عہد رنگین میں فردوس گوش ہوئے تھے۔ ہارمونیم ساتھ لایا تھا۔ کبھی کبھی اس پر تنہائی میں قوالی گاتا ہوں۔ پاکستانیوں میں سے محمد علی آفتاب عبدالقیوم۔ نذیر بیگ خان۔ عبدالقادر (فائیننس) غلام محمد وغیرہ یہاں آتے جاتے ہیں۔ ان سے چند مجلسیں قائم ہو جاتی ہیں لیکن بلانوشوں کی اس سے کیا تسکین ہو سکتی ہے۔

بڑھاپا بھی آرہا ہے۔ اس کا احساس مجھے ابھی تک نہیں ہوا۔ لیکن آثار تو اندھے کو بھی دکھائی دے رہے ہیں۔ وزیر اعظم کے ساتھ جو امریکہ کا دورہ کیا تھا۔ اس سے صحت پر سخت چوٹ پڑی۔ کسی دن دو تین گھنٹے سے زیادہ نہ سویا۔ اور عظیم ذمہ داری کی وجہ سے اعصاب پر بھی بہت اثر پڑا۔ اس کے بعد آج تک تعطیل نصیب نہیں ہوئی۔ اکتوبر۔ نومبر میں تین مہینے کے لئے پیرس جانا ہو گا۔ کیونکہ جنرل اسمبلی اس سال وہاں ہو گی۔ ارادہ ہے۔ کہ بیچ میں کرسمس کے لگ بھگ دو تین ہفتوں کیلئے کراچی کا چکر لگاؤں لیکن دیکھئے حالات کیا کروٹ لیتے ہیں۔ آپ کی زندگی میں بھی انقلاب کی وفات سے انقلاب آگیا ہو گا۔ خدا کرے آپ کی ہمت میں خم نہ آئے۔

اپنے حالات سے مجھے مطلع رکھئے گا۔ انشاءاللہ میں اب خط و کتابت میں کوتاہی نہ کروں گا۔ خط ضرور لکھئے کوئی شعر مل جائیں۔ تو وہ بھی بھیج دیجئے۔ کوئی کتاب کام کی ہو تو وہ بھی منصور سے کہئے فارن آفس کی معرفت ڈپلومیٹک بیگ میں بھجوا دے گا.........

خلص۔ د۔ ر

نیاز فتحپوری (۵) مکتوب الیہ مختارالدین آرزو

گرامی عزیز!

اس سے زیادہ کم نصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ باوجود پرستار غالبؔ ہونے کے میں اس محفل میں شریک نہ ہو سکوں جو اس کی یاد میں قائم کی جائے ـــــ اور اسے بھی جانے دیجئے، آپ کا حکم تھا، یوں بھی اس کی تعمیل مجھ پر واجب تھی لیکن افسوس ہے کہ زندگی کے جس دور سے گزر رہا ہوں، اس نے اجابت کیا، خود مجھ کو اپنے آپ سے شرمندہ کر رکھا ہے۔ شکایت کروں تو کس کی اور معذرت کروں تو کس کے سامنے ـ!

غالبؔ پر اس وقت تک بہت کچھ لکھا گیا ہے، کبھی حالیؔ کی ذہنیت سے، کبھی نقش کے زاویۂ نگاہ سے لیکن اس نقطہ نظر سے

کہ خیالش وہ آئینۂ جان راصیقل

بہت کم توجہ کی گئی ہے ـ اور یہ چیز ہمیں صرف اس کے "نقش ہائے رنگ رنگ" ہی میں مل سکتی ہے ـ

فارسی پڑھ لینا یا لکھ لینا آسان ہے ـ اسی طرح اساتذۂ فارسی کے کلام کا ترجمہ کر لینا بھی دشوار نہیں ـ لغت، فرہنگ اور شرحیں سبھی کچھ موجود ہے ـ لیکن ذوق کو لیا کیجئے گا ـ غالبؔ نے بھی ہمیشہ اسی کا ماتم کیا اور اب بھی یہی رونا ہے

دارو نفاوت آسے شدن تا گریستن

مجھے یقین ہے کہ غالبؔ نمبر کی تکمیل میں آپ نے کوئی دقیقہ کوشش کا نہ اٹھا رکھا ہوگا ـ ریسرچ، انتخاب، نفسیاتی مطالعہ فنی تبصرہ وغیرہ سبھی کچھ ہوگا اور خوب ہوگا، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ غالبؔ فہمی کی صحیح فضا پیدا کی جائے۔ کوئی اکاڈمی قائم کی جائے محض ریسرچ کے لئے نہیں (یہ گورکنی بہت ہو چکی ہے) بلکہ وہ ذوق پیدا کرنے کے لئے، جو غالبؔ کا وجدان رکھے ـ کہ کر غالبؔ کو سمجھ سکے ـ یہ میں آپ سے کہہ رہا ہوں، کوئی دوسرا ہوتا تو شاید نہ کہتا اور اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آپ اپنی انتہائی تعلیم سے فارغ ہو چکے ہیں اور شاید زیادہ مدت تک وہاں نہ رہیں ـ خدا کرے غالبؔ نمبر غالبؔ اکاڈمی کی بنیاد ثابت ہو اور آپ یونیورسٹی چھوڑنے سے پہلے ہی اسے مستحکم کر سکیں ـ

۲۱ ستمبر ۱۹۴۹ء

آپ کا نیاز فتحپوری

ب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب (۶) مکتوب الیہ مولانا عرفان صاحب

مخدوم محترم ـ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سلام روستائی قبول فرمایئے! اور اگر مصروفیت اجازت دے تو یہ کام کر دیجئے ـ سنا ہے کہ بمبئی میں اصفہانی نامی کوئی تاجر ہیں جنہیں مسئلہ خلافت سے لگاؤ تھا ـ ان کے پاس وفد خلافت کے متعلق ولایتی اخباروں کے تراشے جمع ہیں اور وفد کے بہت مکمل حالات ان سے مل سکتے ہیں ـ میں جامعہ میں مولانا محمد علی مرحوم کی سوانح عمری کے سلسلہ میں اس قسم کا مواد چپکے چپکے جمع کر رہا ہوں ـ اگر آپ کسی طرح یہ تراشے یا اس قسم کی جو چیزیں بھی ان کے پاس ہوں حاصل کر کے بھیج دیں تو بڑا احسان ہو ـ

مولانا کی یادگار کے سلسلے میں طرح طرح کی تجویزیں "قوم" نے پیش کی ہیں ـ لیکن تجویز کرنے والوں کو کچھ نہ کچھ جانتا ہوں اور اپنی قوم کو بھی تھوڑا بہت پہچانتا ہوں، اس لئے امید نہیں کہ کچھ ہو ـ البتہ اپنے دل کا حال جانتا ہوں ـ وہاں مولانا کی موت

نے زندگی سے بھی زیادہ گہرا نقش چھوڑا ہے۔ آپ تو خوب جانتے ہیں کہ مجھے مولانا کی بہت سی باتوں سے اختلاف تھا، خود مولانا بھی اس بات کو جانتے تھے۔ لیکن میں یہ کبھی نہیں بھول سکا کہ اپنی موجودہ زندگی کے لئے ان کا رہینِ منت ہوں۔ ان کی نظر کے فیض سے مجھے میری نئی زندگی ملی، اب یہ اچھی ہے یا بُری بہت کچھ اُن کی دی ہوئی ہے اور آرزو ہے کہ انہیں بدنام نہ کروں۔ دعا کیجئے کہ کچھ بن پڑے۔

بیگم محمد علی مدظلہا بھی کل صبح رام پور سے تشریف لائی ہیں۔ جس شب کو رام پور جا رہی تھیں جامعہ کے تمام اساتذہ اور طلبہ اسٹیشن پر حاضر ہوئے تھے۔ لیکن اسٹیشن پر ایسی گڑبڑ تھی اور خود بیگم صاحبہ گریہ و ماتم کے باعث اس قدر پریشان تھیں کہ بس سب سلام کر کے واپس آ گئے، میں رام پور کی گاڑی کے وقت تک وہیں رہا۔ آج اُن سے ملا تھا۔ کل پھر جاؤں گا۔ ان سے مل کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ خدا صبر عطا فرمائے!

شوکت صاحب کب آ رہے ہیں؛ باسط کا کیا حال ہے؛ عابد کو دعا۔ فقط۔

مورخہ ۱۲ر فروری ۱۹۳۱ء   خادم ذاکر حسین

مکتوب مولانا غلام رسول مہر   (۷)   مکتوب الیہ مختار الدین آرزو

باسمہٖ سبحانہٗ

جانِ برادر، گرامی نامہ آج ملا۔ آپ کے جذبات لطف و محبت کا شکر گزار ہوں اللہ تعالیٰ جزا دے۔ کہاں کا طرزِ تحریر اور کیسا اسلوبِ نگارش۔ نہ کوئی زبان سیکھی نہ قواعد کا علم حاصل کیا۔ پیشِ نظر مطالب [illegible] کو پھیلانے کی کوشش کرتا رہا۔ ہر چیز اذعان و یقین کی بنا پر کہتا ہوں۔ دلی احساس کے ساتھ کہتا ہوں۔ اس لئے وہ غالباً مختلف حلقوں میں ایک گونہ اثر پیدا کرتی ہے۔ اقبال نے خوب کہا ہے ؎

شاعری زیں مثنوی مقصود نیست   بت پرستی، بت گری مقصود نیست

اور نظیری اس سے پہلے گویا میری ہی زبان سے کہہ چکا ہے:

سخن طرازی و دانش ہنر نظیری نیست   قبول دوست مگر نالۂ حزیں گردد

میں نے آپ کے پہلے گرامی نامہ کا جواب بھی مختصراً دے دیا تھا۔ غالباً اب تک مل گیا ہو۔ آپ میرے احساسات سے واقف ہیں۔ اس ہمہ گیر تباہی کے باعث دل کی جو حالت ہو سکتی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ یہ ان ساری پریشانیوں [illegible] باتیں کہنے کا اضطراب۔ ایسی حالت ہے کہ گویا بھونچال آ گیا ہے۔ گرد و پیش کے مکان اور دیواریں پے بہ پے گر رہی ہیں اور ایک قلبِ حزیں کی تڑپ یہ ہے کہ جو کچھ بھی بچ سکتا ہے اسے بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار سکے جائیں۔

یا سیل آ گیا ہے اور حد درجہ تیز و تند۔ جو سب کچھ اپنے ساتھ بہائے لئے جا رہا ہے، اور میں اس فکر میں ہوں کہ جہاں تک ہاتھ پہنچ سکتا ہے ان [illegible] کو محفوظ کر لوں جو اس بے پناہ بہاؤ میں لپٹے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔

یا باغ سموم کی جولاں گاہ بن گیا ہے۔ تمام درخت جل رہے ہیں۔ اور ایک عریاں شاخ پر:

ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنم اب تک   اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

جس طرف نظر اٹھاتا ہوں تیرگی ہی تیرگی ہے یعنی وہ کیفیت بھی نہیں جسے نظیری نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے کہ:
آفتاب امروز چوں برق از دیار ما گزشت

لیکن

ہر چہ ہست از قامت ناساز و بے اندام ہست

میں تھوڑے سے اطمینان اور ذرا سی فرصت کا طلب گار ہوں پھر تفصیلاً لکھوں گا۔ پہلے عریضے کی طرح یہ عریضہ بھی صرف آپ کے گرامی نامہ کی رسید ہے اور بس:

پیغام خوش تر از دیار ما نیست

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا مہر

۱۰ جولائی ۱۹۴۸ء

مکتوب الیہ ول محمد نقوش

(۸)

مکتوب مولانا عبدالمجید سالک

مکرمی حضرت نقوش۔ السلام علیکم

خط ملا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ڈاکٹر صاحب کے جو اشعار آپ نے لکھے ہیں۔ ان میں بظاہر تو کوئی اشکال نہیں معلوم نہیں آپ کو کیوں وسوسہ پیدا ہوا:

عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گام عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنیٔ پیغام ابھی

اگر مجازی معنی نہ بھی لئے جائیں، تو قاصد سے مراد حضرت رسول خدا صلعم ہیں۔ کہ عاشق حضور کا پیغام سنتے ہی بے تامل مصروف عمل ہو گئے۔ اور اہل عقل ابھی تک موشگافیوں ہی میں مصروف ہیں۔
اور حقیقت میں حضور کے پیغام کا تقاضا یہی ہے کہ اس پر "عمل" کیا جائے۔ اس کے معنی سمجھنے اور اس کی خلاصی معلوم کرنے کی کوشش بالکل لغو ہے۔

یارب اس ساغر لبریز کی مے کیا ہو گی
جادۂ ملک بقا ہے خط پیمانۂ دل

کوئی خاص عمیق معانی نہیں ہیں۔ دل کو شاعر عام طور پر ساغر اور جام سے استعارہ کرتے ہیں شاعر کہتا ہے کہ اس ساغر کا "خط" جادۂ ملک بقا ہے۔ جب اس کی اتنی بلند حیثیت ہے تو پھر خیال کیجئے کہ اس ساغر لبریز کی مے کی اہمیت کس قدر ہو گی۔

مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطوں

یہ اشعار عورت کے متعلق لکھے گئے ہیں۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ اگرچہ عورت دنیا میں کوئی بہت بڑا دماغی و علمی کارنامہ

انجام نہیں دے سکی۔ مثلاً "مکالماتِ افلاطون" کے پائے کی کوئی کتاب نہیں لکھ سکی۔ لیکن "ہستیٔ افلاطون" تو بہرحال اسی کی صلاحیت تخلیق کی ممنون ہے۔ آخر افلاطون بھی عورت ہی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

"شعلے سے شرار ٹوٹا" حقیقت میں فارسی محاورے کا ترجمہ ہے۔

تپ شعلہ کم نہ گردد ز گسستن شرارہ

شعلے سے جب بار بار ایک چنگاریاں اڑتی ہیں تو اس کو کہتے ہیں شرارہ یا از شعلہ می گسستند۔ یعنی شرارے شعلے سے ٹوٹ رہے تھے۔ والسلام

۹ ستمبر ۱۹۴۰ء

سالک

مکتوب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی (۹) مکتوب الیہ ڈاکٹر عبداللہ

مخدوم مکرم

آپ کا مقالہ "اقبال کے محبوب فارسی شاعر" ("اردو" جولائی ۱۹۴۶ء) پڑھ کر ابھی ختم کیا ہے۔ خوب ہے اور بہت خوب۔ ایک بات کہوں گا۔ "اقبال اور حافظ" والا ٹکڑا ذرا تشنہ رہا۔ اقبال کا حافظ کو سخت کہنا، اس پر بعض لوگوں کا بُرا ماننا۔ تعریض میں ایک رسالہ لکھا جانا، پھر دوسری اشاعت میں سے ان شعروں کا جو بنا سے بے لطفی ہوئے تھے خارج کیا جانا اقبال کا ایک نرم سی معذرت (دوسری اشاعت میں) کرنا۔ یہ سب آپ صاف اڑا گئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ ان چیزوں کا بہت تفصیل سے ذکر کرتے۔ مختصر لفظوں میں ان کا تذکرہ کر کے محض واقعات اور ان کی علت بتا دیتے، صرف اتنی تفصیل سے جو آپ کے مقالے کے ڈھانچے میں سما سکتی۔

اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ اقبال آغازِ کار میں حافظ سے بہت متاثر ہوئے۔ آپ نے جو بالمقابلہ مثالیں دی ہیں ان میں کم ایسی ہیں جو آپ کے دعوے کے ثبوت میں مفید ہو سکیں۔ محض ایک لفظ یا ایک محاورے کی دونوں کے کلام میں موجودگی مشکل ہی سے ایک کا دوسرے پر اثر ثابت کر سکتی ہے۔ "فقیہ" اور "شکر انگیختن" اوروں کے ہاں بھی ہوگا۔ اگر نہیں بھی ہے تو ہو سکتا تو ہے۔

"شنیدہ ام کہ سگاں را قلادہ میبندی | چرا بگردنِ حافظ نمی نہی رسنے"

یہ شعر الحاقی بتایا جاتا ہے۔ جس غزل میں یہ ہے اسی میں نہیں اور شعر قدیم ماخذوں کی رو سے الحاقی ٹھہرتے ہیں۔ خاص کر اس شعر کی بحث فیضی سے چلی۔ فیضی کہتا ہے:

منم فیضی کہ در میدانِ معنی | چو من چابک سوارے تیز تک نیست
بر جلدِ شعرِ من از پوست تا مغز | بجائے مردم ناپاک رگ نیست
بداں می ماند ایں پاکیزہ گفتار | کہ در دیوانِ حافظ لفظِ سگ نیست

میر غلام علی آزاد بلگرامی "سروِ آزاد" میں لکھتے ہیں (صفحہ ۲۰) کہ شیخ محمد یحییٰ الہ آبادی کتاب "اعلام الانام" میں لکھتے ہیں کہ فیضی کی نظر حافظ کے اس شعر پر نہ پڑی: شنیدہ ام ..... الخ

یہ تنقید بہت سرسری ہے۔ فیضی نے جب دعوا کیا ہے: "در دیوانِ حافظ لفظِ سگ نیست" تو پہلے دیکھ لیا ہوگا کہ حقیقت میں دیوان حافظ میں کہیں یہ لفظ نہیں آیا ہے۔ آزاد سے معلوم ہوتا ہے، دیوان کے مختلف نسخوں میں یہ شعر دیکھا تب یہ لکھا کہ بعض نسخوں میں لفظِ "حافظ" کی جگہ لفظِ "عاشق" ہے اور مقطع یوں ہے:

مزاجِ دہر تبہ شد دریں بلا حافظ　　　کجاست فکرِ حکیمی و رای برہمنی

آزاد کی تحقیق درست ہے۔ قدیم نسخوں میں اس غزل میں "سگ" نہیں ہے۔ لیکن اس زمانے میں بھی کچھ کوششیں ہوئی ہیں مثلاً ابوالفیض عبدالرحیم (حیدرآبادی) نے حافظ کے دیوان کو متعدد پرانے نسخوں کی مدد سے ترتیب دیا، اور کوئی پندرہ سولہ برس ہوئے ان کا دیوان حافظ دارالطبع سرکار عالی، حیدرآباد میں چھپا۔ کتاب اچھی اور صحیح نہیں چھپی پھر بھی بہت مفید ہے۔ عبدالرحیم صاحب نے بتایا ہے کہ یہ سگ والا شعر خسرو دہلوی کا ہے حافظ کا نہیں۔ میں نے خسرو کے دیوانوں میں تلاش کیا مگر سب دیوانوں کو نہ دیکھ سکا۔ آپ خود تلاش کر کے دیکھ لیجئے گا۔ بہرحال یہ صحیح ہے کہ حافظ کے قدیم نسخوں میں یہ شعر نہیں۔ ایران میں ایک اور عبدالرحیم (خلخالی) نے ایک ایسے نسخے کا متن شائع کیا ہے جس کی کتابت حافظ کی وفات کے صرف ۳۵ برس بعد ہوئی تھی۔ اس میں یہ شعر نہیں، اور مقطع اسی طرح ہے جیسے آزاد نے لکھا ہے۔ غزل بجائے ۱۲ کے صرف ۹ بیت کی ہے۔

ایک شعر اور ہے جس میں "سگ" آیا ہے:

راستی حدِّ تو حافظ نبود صحبتِ ما　　　بس اگر بر سرِ ایں کوی کنی سگ بانی

خلخالی والے نسخے میں یہ پوری غزل نہیں ہے۔ اور پرانے نسخوں میں اکثر ایسے ہیں جن میں یا تو پوری غزل نہیں یا غزل ہے تو یہ شعر اس غزل میں نہیں۔

ایک لطیفے کی آپ کو خبر دیتا ہوں، آپ کو یاد ہوگا کہ "ہماری زبان" (پہلی نومبر ۱۹۵۷ء) میں ایک خط محمد شریعت خاں شروانی کا شائع ہوا تھا۔ خان صاحب نے انجمن کے رسم خط پر اعتراض کئے تھے اور ان کے خط کے خاتمے پر ادارے کی طرف سے جواب دے دیا گیا تھا۔ اس سال مئی میں خاں صاحب نے جواب الجواب مولوی عبدالحق صاحب کو ایک خط کی صورت میں بھیجا مگر حجم اس کا چھیالیس گنجان لکھے ہوئے صفحے! اتنے لمبے چوڑے خط کا "ہماری زبان" میں چھپنا ناممکن مگر ان کے خط کے تین چار مقامات نقل کر کے ان کے جواب دیے جائیں گے اور یہ ۱۶ ستمبر یا پہلی اکتوبر کے پرچے میں شائع ہو سکیں گے۔ آپ اسے یاد رکھیے گا اور جب یہ چیز چھپے تو اسے پڑھیے گا۔ والسلام

۱۹ اگست [illegible]　　　نیازمند

مکتوب ڈاکٹر عابد حسین　　　(۱۰)　　　مکتوب الیہ ڈاکٹر سید عبداللہ

مکرمی جناب ڈاکٹر صاحب۔ تسلیم

کچھ دن ہوئے آپ نے ازراہِ عنایت مجھے ایک فہرست اپنی تصنیفات کی جن پر آپ نظرِ ثانی فرما رہے ہیں اور ایک فہرست زیرِ تصنیف کتابوں کی روانہ فرمائی تھی۔ میں اس عرصہ میں بہت مصروف اور زیادہ تر دہلی سے باہر رہا۔

اس لئے آپ کا شکریہ اب تک نہ ادا کر سکا۔ معافی چاہتا ہوں۔

آپ کو یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ چند احباب جن میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب بھی شامل ہیں دہلی میں ایک دارالاشاعت قائم کر رہے ہیں۔ اس ادارے کی طرف سے زیادہ تر ماہرین تعلیم سے بچوں کی کتابیں لکھوا کر شائع کی جائیں گی۔ لیکن منتخب علمی اور ادبی کتابیں بھی معقول تعداد میں شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ آپ کی فہرست میں سے حصّہ "ج" کی نمبر ۱-۲-۳-۴-۵ کے مسودے دیکھنے کا اشتیاق ہے تاکہ ان میں سے جو کتاب اس دارالاشاعت کی طرف سے شائع ہو سکے اس کے بارے میں آپ سے یہ درخواست کروں کہ آپ مجھے اشاعت کے لئے عنایت فرما دیجئے۔ ظاہر ہے کہ انگریزی کتابوں کا اردو ترجمہ درکار ہوگا۔

مہربانی فرما کر مطلع فرمایئے کہ ان مسودوں کے دیکھنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اگر آپ اس عرصہ میں دہلی تشریف لانے والے ہوں تو بہت اچھا ہے۔ ورنہ پھر میں یہ درخواست کروں گا کہ یہ مسودے ساتھ ساتھ یا الگ الگ کر کے مجھے روانہ فرما دیجئے۔

یقین ہے کہ ان کتابوں کی اشاعت کے لئے دوسرے پبلشر بھی آپ سے تقاضا کر رہے ہوں گے۔ لیکن غالباً آپ کتابوں کی ... اور خوبی کے ساتھ طبع ہونے کے معاملہ میں ہم لوگوں پر زیادہ اعتبار فرمائیں گے۔ مالی حیثیت سے بھی انشاءاللہ آپ کو نقصان نہیں رہے گا۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ زیادہ نیاز،

۹ جنوری ۱۹۴۶ء

مخلص سید عابد حسین

(۱۱)

مکتوب نگار رشید احمد صدیقی — مکتوب الیہ طاہر فاروقی

فاروقی صاحب، سلام مسنون۔

گرامی نامہ ملا۔ آپ اتنے اچھے آدمی ہوتے ہوئے بھی دیوتاؤں کی نظر سے اب تک کیونکر اوجھل رہے۔ جو ایسے آدمی کو دنیا میں زیادہ دن جینے نہیں دیتے!

آپ نے اس ممتحن کے سلسلہ میں میری جتنی خدمت فرمائی ہے اس سے مجھے خیال پیدا ہوا (لیکن ذرا دیر میں) کہ آخر کامیابی جانچنے کا کام بھی آپ نے اپنے ذمہ کیوں نہ لے لیا۔

آپ نیز میں ایک گُر بھی آپ کو بتا دوں۔ دستخط کرنے کا اصول یہ ہے کہ اگر دستخط کرنے سے انکار نہ کیجئے تو خواہ کوئی دستخط کر دستخط اسی کی سمجھی جائے گی۔ اس لئے اگر فریق ثانی پر بھروسہ ہو تو اس کی طرف سے بلا تکلّف دستخط کر دینا چاہئے۔ میں نے ہمیشہ ایسا کیا اور کبھی کوئی گڑبڑ نہ ہوئی۔ البتہ میں آپ کو ایک بات یہ بھی بتا دوں کہ اس کا امکان ہے کہ میں خود اپنے ہاتھ سے دستخط کر کے مُکر جاؤں۔

آپ علی گڑھ آ کر کیا پڑھتے، کیا کوئی پروگرام مدّ نظر ہے۔ میں تعطیلات میں یہیں رہوں گا۔ سرور صاحب رام پور میں۔ فریدی صاحب کو خدا جلد سے جلد صحت یاب کرے اور آپ کو اطمینانِ کلّی نصیب ہو۔ آمین۔

میری طرف سے مزاج پرسی فرما دیجئے گا۔ بیوی بچے سب بخیر ہیں اور آپ کے لئے دعا گو

۱۵ مئی ۴۵ء

رشید احمد صدیقی

(۱۲)

مکتوب خواجہ غلام السیدین — مکتوب الیہین زہرہ، بلقیس و کوکبہ

میری پیاری زہرا، بلقیس و کوکبہ۔ خدا تمہیں ہمیشہ بخیریت رکھے۔ تمہیں یہ تو معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں کئی دن سے کلکتہ میں بے کار پڑا ہوا ہوں۔ ۳۰ کو جہاز میں جگہ نہیں ملی۔ اس لئے اب کل صبح چار بجے روانگی ہے خدا کرے سفر ٹھیک طرح ہو جائے کل میں اور میرے ساتھی (ڈاکٹر صاحب) ۴۷-۹-۱۰ گاندھی جی سے ملنے گئے تھے۔ بہت تپاک سے ملے اور دیر تک باتیں کرتے رہے لیکن افسوس ہے کہ پوری طرح ان کو سن نہ سکے کیونکہ ایک تو وہ بہت آہستہ بولنے لگے ہیں (غالباً یہ بھی "کفایتِ قوت" کا ایک طریقہ ہے) دوسرے دانت نہ ہونے کی وجہ سے الفاظ صاف نہیں نکلتے۔ شو شو شو شو کی قسم کی آوازیں بیچ میں بار بار نکلتی ہیں (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کہیں مصداق کو اپنی نقل اتارتے سن لیا ہے اور اب وہ مصداق کی نقل کی نقل اتار رہے ہیں!)۔ اگر وہ دانت لگوا لیں تو قوم پر بڑا احسان کریں۔ ۔۔۔ خیر یہ تو محض زہرا کی SENSE OF HUMOUR (یہ نیاز بھی خوب ہے) کو خوش کرنے کی باتیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے کلکتہ میں کمال کر دکھایا ہے۔ اور اگر یہاں وہ نہ آتے تو عجب نہیں کہ یہاں بھی پنجاب کا سا رنگ ہوتا اور اس کی وجہ سے تمام ہندوستان خون میں رنگا جاتا! اب یہ حال ہے کہ ہندو مسلمانوں میں کسی قسم کی کشمکش کا احساس نہیں ہوتا۔ کل تمام (ہمارے ہی ہوٹل میں) کلکتہ کے بہت سے مسلمان تاجروں کی طرف سے ان کو ایک RECEPTION دیا گیا تھا جس میں انہوں نے مندروں کی مرمت کے لئے گاندھی جی کو ایک تھیلی روپوں کی پیش کی! اور گاندھی جی نے ایک کروڑ روپیہ کی اپیل کی ہے (زیادہ تر ہندو تاجروں سے) تاکہ فساد کی وجہ سے جن لوگوں کے گھر بار تباہ ہو گئے ہیں (ان میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے) ان کو دوبارہ بنانے کا کام کیا جائے۔ تاجر تال مٹول کریں گے لیکن یہ بندۂ خدا ان سے پوری یا کم و بیش رقم وصول کر کے چھوڑے گا! اس وقت ان کو صرف ہندو مسلم مسئلہ کی فکر ہے، اور اس پر انہوں نے اپنی جان کی بازی لگا رکھی ہے۔

اچھا اب خدا حافظ۔ میں چین جانے سے پہلے تمہیں یہ آخری خط لکھ رہا ہوں اور اگر یہ میرا بالکل آخری خط بھی ہوتا تو میں تم سے وہی بات دہراتا جو ہم ہر کو کہی تھی یعنی یہ کہ تم تینوں کو پیار، محبت، سلوک اور رواداری کے ساتھ رہنا چاہئے اور اپنے دل میں فراخی اور برداشت پیدا کرنی چاہئے۔ جب گاندھی جی تمام ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل جول کے لئے اپنی جان کی بازی لگا سکتے ہیں تو کیا تم تینوں بہنیں آپس میں بھی مل جل کر نہیں رہ سکتیں، کل گاندھی جی کے سامنے اقبال کا نیا شوالہ گایا گیا تھا جس کا یہ شعر انہوں نے اپنی تقریر میں دہرایا۔ اسے تمہاری نذر بھی کرتا ہوں:

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

اپنی امی جان اور پھوپی جان اور پھوپا جان اور سب گھر کے ملازمین کو میرا سلام کہنا۔ چھدو کو نیچے لکھی ہوئی سطریں پڑھوا دینا تم لوگوں کی یاد بہت آتی ہے۔ خصوصاً رات کی تنہائی میں خدا جلد ملائے اور بخیریت کے ساتھ ملائے۔

تمہارا محبت کرنے والا پاپا سیدین

میری پیاری چھدو ۔پیار ۔ کمو

نئے ہندوستان میں ہم نئی جنت بسائیں گے۔

ار ستمبر ۱۹۴۷ء تمہارا پاپا

ملتوب ڈاکٹر تاراچند (۱۳) مکتوب الیہ تمکین کاظمی

حکیم مومن خاں انیسویں صدی کے پہلے حصے کے ممتاز شعرا میں سے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سلطنت مغلیہ کا ٹمٹماتا چراغ بجھنے کو تھا۔ شاہی اقتدار پر زوال آچکا تھا اور مغلیہ حکومت تیزی کے ساتھ کمزوری اور انحطاط کا شکار بن رہی تھی، پرانی ہندوستانی تہذیب جو پچھلے ایک ہزار سال میں پھولی اور پھیلی تھی اس نئی فضا میں جو ملک میں قائم ہو رہی تھی اپنی زندگی کے آخری لمحے گن رہی تھی۔ تعجب ہے اور سخت تعجب کہ بدبختی کے زمانے میں ادب کے آسمان پر چاند اور تاروں کے جھرمٹ آن بان کے ساتھ اپنی آخری جھلک دکھاتی ہے اور ہمارے دلوں کو لذت بخش نور سے بھر دیتی ہے۔

شاہ نصیر، ذوق، غالب اور مومن ہی وہ تابندہ ستارے ہیں جو اس زمانے کی تاریکی پر خوشنما روشنی ڈالتے ہیں۔ مومن کی شاعری نزاکت اور بلند پروازی پختگی اور متانت کے ساتھ اس تہذیب کا آئینہ ہے، ان کے یہاں نادر استعارے ہیں تازہ تشبیہیں ہیں، اعلیٰ تخیل ہے، جذبات کی صحیح تصویریں ہیں، وہ الفاظ کا ایک طلسم باندھتے ہیں اور ان کے ہیر پھیر سے نئے نئے مضامین پیدا کرتے ہیں۔ وہ غزل میں ایک نیا طرز ایجاد کرتے ہیں۔ نسیم دہلوی، منشی امیر اللہ تسلیم اور مولوی حسرت موہانی نے، ان کی پیروی کی ہے۔ لیکن مومن اقلیم غزل کے تاجداروں میں ہیں۔ دوسرے اصناف سخن میں انہوں نے امتیاز نہیں حاصل کیا۔ ان کی مثنویاں معمولی بلکہ عامیانہ رنگ میں ہیں، البتہ مومن کا کلام مدحیہ قصائد کے بدنما داغ سے پاک ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے ایسے باکمال شاعر کو ایک مستقل کتاب کا موضوع قرار دیا۔ فقط

تاراچند

یہ ٹائپ شدہ خط ہے اس پر ڈاکٹر تاراچند کے دستخط ہیں۔ تاریخ انہوں نے لکھی ہی نہیں
مگر مجھے ۱۰ر جنوری ۳۸ء کو ملا ہے۔
میں نے مومن پر مستقل کام شروع کیا تھا، اسی کے لئے ڈاکٹر صاحب نے یہ لکھا ہے۔
تمکین کاظمی

مکتوب رگھوپتی سہائے فراق (۱۴) مکتوب الیہ طاہر فاروقی

مکرم بندہ، سلام و نیاز!

آپ یقین مانئے میں ایک مدت سے خود آگرہ آنے کے لئے بے چین ہوں، اور آپ کا خط پاکر مجھے اپنا یہ شعر یاد آنے لگا ہے:

فسردہ خاطری ہے نا شکیبا دلوں کی آگ کون اُکسا رہا ہے

لیکن ۲۷ر جنوری اور ۲۸ر جنوری دونوں تاریخوں کے لئے فیض آباد و فتح پور کے مشاعروں کے لوگوں نے مجھے روپے بھیج دیئے

ہیں اور آگرہ کو ترجیح دیتے ہوئے بھی اخلاقی فرض کو اس ترجیح پر ترجیح دینا پڑ رہا ہے۔ آپ کا پیار اخلاص اور حضرت مبتلیٰ کا پیر برہ اصرار... نوں دل کا دامن پکڑے ہوئے ہیں پھر اس پر آپ کے طلبا کا اصرار۔ غم عشق کو گویا غم وائف نے کہیں کا نہ رکھا۔

میرے پاس طرح میں غزل نہ تھی اور فیض آباد، فتحپور اور الہ آباد کے ایک مشاعرہ کے لیے جو جناب وائس چانسلر صاحب اپنے یہاں کر رہے ہیں، اور جس میں سوا شعر نے صرف خود تین سامعین میں ہوں گی اور جس کی طرح ہے

"کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں"

(ذرا اس شوخ طرح کو ملاحظہ کیجئے) ان تمام مشاعروں کے لیے غزلیں تیار کرنی ہیں ورنہ کم از کم پانچ سات شعر کی غزل آپ کی طرح میں بھی حاضر خدمت کر دیتا بھئی کیا کروں ہیں تو تلملا کر رہ گیا۔ خیر ایک نئی غزل بھیج رہا ہوں، پسند آئے اور مناسب سمجھئے تو کسی اچھے پڑھنے والے سے اس کے چند شعر پڑھوا دیجئے گا۔

ہاں لیکن میں آگرہ کبھی آنا ضرور چاہتا ہوں۔ اگر ۲۳ر فروری کو آپ کوئی مشاعرہ کریں تو حاضر ہو سکتا ہوں ورنہ آئندہ سال اور وہ بھی بشرطیکہ کم از کم ۱۵ر دن پہلے مجھے اطلاع مل جائے۔ اگر ۲۷ر جنوری ۱۹۶۲ء آئندہ سال کے لیے اٹل تاریخ ہے تو خیر یہی سہی۔ ورنہ ۳۰-۳۱ر اکتوبر اور یکم نومبر چھٹیاں ہیں دیوالی وغیرہ کی اور ان چھٹیوں میں تمام طلبا بھی وہیں ہوں گے کیونکہ جی بھر کر دسہرہ کی چھٹی میں گھر رہ چکے ہوں گے۔ موسم بھی نہایت خوشگوار ہوگا۔ بہر حال میں اپنی رائے ناخواندہ مہمان کی طرح آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔

اب اور اظہار معذوری و ندامت کے سوا کیا عرض کروں،

کھوئی ہوئی سی عشق کی ہستی قبول کر
پلّے نہ ہوش ہے نہ گرہ میں ہیں مستیاں

۲۰ر جنوری

نیاز کیش رگھوپتی سہائے۔ فراق

مکتوب نگار مالک رام

(۱۵)

مکتوب الیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرۃ المکرم! مجھے افسوس ہے کہ ہیں البدیع کے مجوزہ صفحوں کا عکس نسبتاً دیر سے بھیج رہا ہوں۔ خدا معلوم میرا گذشتہ خط جس میں کتاب کے کوائف کی تفصیل تھی آپ تک پہنچا یا نہیں۔ خدا کرے کہ یہ عکس آپ کو وقت پر مل جائے اور آپ کے مفید مطلب ثابت ہو۔ میری امید کے خلاف تصویریں زیادہ صاف نہیں حالانکہ اصل بہت روشن ہے۔ مشکل یہ پیش آئی کہ یہاں اسکندریہ میں خاص کتابوں کے عکس لینے والا کوئی مصور... نہ ملا۔ کتنے دن اسی تلاش میں نکل گئے آخر مجبور ہو کر میں ایک عام فوٹوگرافر کو ساتھ لے کر دارالکتب گیا اور امین مکتبہ کی اجازت سے پہلے اور آخری صفحوں کی تصویر اتروائی۔ کتاب کے اختتام کے بعد ایک صفحہ پر اسامہ کا ایک میمیہ قصیدہ ہے اور اسی ورق کی پشت پر کسی اور صاحب کا جوابی قصیدہ۔ کتاب اور اسامہ کے قصیدے کے کاتب الگ الگ معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ دونوں کی کتابت کا ڈھنگ ایک سا ہے۔

ایک اور بات یاد آئی۔ میں نے پچھلے خط میں اسامہ کے چار شعر نقل کئے تھے جو اس نے کتاب کے متن میں بطور سند لکھے ہو ر-۱۱۰ھو ؛ سے پہلے شعر کے مصرع ثانی کا آخری لفظ کچھ مشتبہ تھا اور غالباً میں نے اس کی طرف اشارہ

بھی کر دیا تھا۔ آخری بار جب تصویر اتروانے کے لئے گیا تو دوبارہ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لفظ ہَمَن بمعنی گروی ہے۔
اب مصرعہ یوں ہوگا و اسنرهنوا قلبی ومن یجب الدین لی وخوادی امو هن ۔ معنی صاف ہیں۔
خدا آپ کو اپنے عزائم اور مرام میں کامیاب و شادکام کرے۔ آمین۔
میں پوری کتاب کے عکس کے لئے کوشش کر رہا ہوں۔ انشاء اللہ جلد اس سے متعلق بھی لکھوں گا۔
مجھے اپنے مضمون کے متعلق ایک بات یاد آگئی۔ میں نے جہاں آزردہ کے غالبؔ کے مکان پر آنے اور انہیں مشاعرے میں شمولیت کی دعوت دینے کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ طرح نظیری کی مشہور غزل خورسند است، بیداست رکھی گئی ہے۔ یہاں نظیریؔ کی جگہ سعدیؔ لکھ دیا جائے۔ کیونکہ اگرچہ اس زمین میں نظیریؔ، خانخاناں عبدالرحیم، ظہوریؔ اور دوسروں کی غزلیں بھی ہیں لیکن سب سے پہلے سعدیؔ نے غزل لکھی تھی۔ اس لئے اگر ممکن ہو تو یہ اصلاح ضرور کرا دیں۔
آپ نے اپنے پچھلے خط میں غالبؔ کے خط کی تاریخ سے متعلق پھر لکھا ہے اور مجھ سے اتفاق کیا ہے۔ میرے ذہن میں ایک اور بات آئی ہے۔ کہیں یہ سن ۱۸۴۸ء تو نہیں جس کی جگہ وہ غلطی سے ۱۸۰۴ء لکھ گئے ہوں۔ اس صورت میں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ۱۸۴۸ء تک ان کی والدہ زندہ تھیں جو اگرچہ ناممکن نہیں لیکن مستبعد ضرور ہے۔ اس پر ایک اور شبہ بھی وارد ہوتا ہے کہ ایک قانونی دستاویز میں تاریخ کی ایسی غلطی کیوں ہوئی۔
تاریخ سے متعلق مزید تحقیق ایک اور طریقے پر بھی ہو سکتی ہے، یعنی خط کے مکتوب الیہم کب تک زندہ تھے۔ نواب عدریار جنگ بہادر قبلہ کی کوٹھی حبیب منزل میں جائیے، وہاں نواب صاحب کے برادر نسبتی جناب عبدالوحید خاں صاحب ہیں، ان سے پوچھئے کہ جناب خداداد خاں صاحب کب تک زندہ تھے۔ شاید آپ کو معلوم نہ ہوگا خداداد خاں صاحب، ان عبدالوحید خاں صاحب کی والدہ بسم اللہ بیگم کے دادا تھے۔ اگرچہ اس کا امکان کم ہے کہ جناب عبدالوحید خاں صاحب کو خداداد خاں صاحب کی تاریخ وفات معلوم ہو لیکن کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔ جناب عبدالوحید خاں صاحب کو میرا اسلام مسنون عرض کریں۔
خدا آپ کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین۔ والسلام والاکرام

خاکسار مالک رام

۱۱ راپریل ۱۹۴۹ء، اسکندریہ، مصر

ابھی ابھی آپ کا ۲ ماہ حال کا پوسٹ کارڈ ملا۔ شکریہ۔ اس میں کوئی نئی جواب طلب بات نہیں۔ سوائے اس کے کہ ایک میانی صفحہ کا فوٹو بھی درکار ہے۔ انشاء اللہ تعمیل حکم کی جائے گی۔

مالک رام

مکتوب الیہ طاہر فاروقی

(۱۶)

مکتوب سید محی الدین زور

محب محترم!
آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۵ر جنوری مجھے آج ۱۲ر جنوری کو حیدر آباد میں ملا۔ میں علی گڑھ میں صرف ایک روز ۱ر جنوری کو مقیم رہا اور شاید یہ خط وہاں ۷ر کو پہنچا۔ اگر مجھے ۷ر کو مل جاتا تو میں یقیناً ایک روز آگرہ میں گذارتا۔ کیونکہ دلی میں، رکو نہ سیکنڈ کلاس ڈبہ میں جگہ ملی اور نہ فرسٹ میں۔ اس لئے دوسرے روز نکلنا پڑا۔ کاش یہ وقت آگرہ میں گذر جاتا اور آپ حضرات سے فیضیاب ہو سکتا۔

آپ نے جس محبت سے اگر و اُنے کی دعوت دی ہے اس کی میں دل سے قدر کرتا ہوں او ان شاء اللہ جب کبھی پھر شمالی ہند کے لئے نکلوں تو ضرور آگرے میں شرفِ نیاز حاصل کروں گا۔ پروفیسر رشید احمد صاحب نے خواہش کی ہے کہ ایسٹر کی چھٹیوں میں حیدرآباد میں اربابِ اردو کا ایک اجتماع کیا جائے تاکہ دکنی قدیم و جدید ادب سے مختلف اقطاعِ ہند کے اہلِ علم پوری طرح واقف ہوں اور تاریخ ادبِ اردو اور زبان کی تدوین و توسیع کے بارے میں تبادلۂ خیال کریں۔ انہوں نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس تحریک کا تفصیلی خاکہ تیار کر کے روانہ فرمائیں گے وہ آئے تو میں وزیرِ تعلیمات حیدرآباد کی طرف سے دعوت نامے جاری کراؤں گا۔ امید ہے کہ آپ اور مولانا حامد حسن صاحب قادری بھی ضرور تشریف فرما ہوں گے۔

آپ کے خلوص اور کرم کا رہینِ منت

۱۴ ؍ جنوری ۴۴ء

سید محی الدین قادری زور

مکتوب امتیاز علی عرشی (۱۷) مکتوب الیہ مالک رام

محترم ۱۷ ؍ جون کا والا نامہ ۲۶ ؍ جون کو مل گیا تھا۔ آج ڈیڑھ ماہ کے بعد جواب لکھنے بیٹھا ہوں، اور یہ سوچ کر مطمئن ہوں کہ مسلمان کے لئے رمضان مبارک میں کام نہ کرنے کا کوئی عذر کب درکار ہوتا ہے۔ کیا یہ کچھ کم ہے کہ میں برابر روزہ رکھتا رہا۔ فرمائیے، ٹھیک ہے۔ یہاں جمعہ کو رمضان کا پہلا روزہ رکھا گیا اور ۲۹ دن کے بعد جمعے ہی کو ختم کر دیا گیا۔ ۷ ؍ اگست یوم شنبہ ہمارے یہاں یوم عید تھا۔ بارش تقریباً پورے مہینے خوب ہوئی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ پہ مقیم ہیں۔ بھوک پیاس برائے نام ہی لگتی تھی۔ یوں شکایت جس کا جی چاہے کرے۔ انسان جلد باز اور بے صبرا ہے۔

قاسم بن سلام کا رسالہ خدا جانے آپ کو ملا یا نہیں۔ مل گیا ہو تو مہربانی فرما کر ذرا کوشش کر دیکھئے۔ الجادرہ ماقبل اسلام کا مشہور شاعر ہے۔ اتنا بڑا شاعر ہے کہ تذکرہ نگار یہ لکھتے ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے روبرو کسی مشاعرہ کا ذکر آتا تو وہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ جادرہ کا کلام بھی وہاں پڑھا گیا تھا یا نہیں۔ اگر جواب نفی میں ملتا تو وہ یہ خیال فرما لیتے کہ وہاں اچھا کلام نہیں پڑھا گیا۔ مگر ہے بہت کم گو۔ اسے کتاب الاجناس کے سائز پر چھاپا جائے تو اس کے حجم سے آدھا حجم ہو گا۔

ایک جرمن عالم نے ۱۸۵۰ء میں اسے شائع کیا تھا۔ مگر وہ نسخہ اب ناپید ہو گیا۔ میں نے اس کے نسخے کے ساتھ دو نسخے لنڈن کے، دو مکتبہ خدیویہ کے اور ایک رامپور کا اپنے سامنے رکھ کر کتاب کو مرتب کیا ہے۔ ان مخطوطوں کے علاوہ عربی ادب میں جہاں کہیں اس کا کوئی حوالہ نظر آیا ہے، اس کو بھی نوٹ کیا ہے۔ غرض کام حسبِ عادت محنت سے انجام کر دیا ہے، اور اس لئے توقع ہے کہ اہلِ علم پسند فرمائیں گے۔ جادرہ کے حالات کے لئے اغانی ملاحظہ فرمائیے۔ وہاں اس کا تذکرہ اور اشعار دونوں ملیں گے۔

قادر نامہ کا یہ نسخہ سنہ ۱۲۸۰ھ میں مجلس پریس دہلی میں باہتمام کنہیا لال چھپا تھا۔ سائز $\frac{30 \times 20}{16}$ اور صفحات کی تعداد ۱۶ ہے۔ آخر میں تجنیس اللغات مؤلفہ مولانا جامی شامل ہے۔ یہ چند اشعار کا ایک قطعہ ہے جس میں فراہی کی نصاب الصبیان کے انداز پر لغات نظم کئے گئے ہیں۔ سرورق پر اس کو اسمائے فارسی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ کتاب میں طباعتی غلطیاں متعدد ہیں۔ ہاں، ایک بات یہ اور قابلِ ذکر ہے کہ جامی والے قطعہ کے بعد دوسری بحر کا ایک اور قطعہ بھی لغاتِ فارسی پر مشتمل پایا جاتا ہے۔ اس کے مصنف کا پتہ نہیں چل سکا۔

دہلی کے ایک فاضل وزیر الحسن عابدی صاحب ایم اے کو حکومت ہند نے ایران سے ثقافتی تعلقات بڑھانے کے سلسلے میں تہران یونیورسٹی مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے بھیجا ہے۔ یہ صاحب وہ ہیں جن کے پاس غالب کی ایک کتاب باغ دودر کا نسخہ موجود ہے۔ فارسی کا بہت اچھا ذوق رکھتے ہیں اور صاحب فہم وذکا ہیں۔ ان کا حال ہی تہران سے خط آیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے انتخاب غالب کے متعدد نسخے ایران کے کئی محققوں کو تنقید کے لئے پیش کئے تھے۔ ان کی تنقید میں ایک جگہ کتابی شکل میں مرتب کر رہا ہوں۔ بعید نہیں کہ جلد ہی اس مجموعے کو چھاپ دیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ایرانیوں نے غالب کی زبان اور تخیل کو کس نقطۂ نگاہ سے پرکھا ہے۔ مجھے ایرانی موجودہ مذاقِ شاعری کے متعلق حسن ظن نہیں۔ اس لئے یہ توقع نہیں رکھتا کہ وہ غالب کے ساتھ انصاف کر سکیں گے۔ مگر غالب علیٰ کلِّ غالب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی شاعری کی قوت ایرانیوں سے بھی داد حاصل کر لے۔

وزیر الحسن صاحب نے یہ دریافت کیا ہے کہ پچھلے سال غالب پر نیا کام کیا ہوا ہو تو اس سے اطلاع دوں۔ کیا آپ نے کچھ اور کام کیا ہے۔ اور یہاں صاحب، علی گڑھ میگزین کا غالب نمبر نکل رہا ہے۔ اس میں آپ شرکت ضرور فرمائیں۔ یہ غالب پر ایک جامع کتاب کی شکل میں ہوگا۔ آپ جس عنوان پر لکھیں مجھے ضرور اطلاع دیں، اور اگر براہِ راست ایڈیٹر کو لکھ دیں تو یہ اور بھی اچھا ہے۔

کیوں صاحب، یہ اپنے آنے کی اطلاع تو دی جاتی ہے، مگر ہمیں بلانے کا بھی کبھی مژدہ سننے اور دیکھنے میں آئے گا۔

خدا آپ کو شاد و بامراد رکھے اور خیریت کے ساتھ ہندوستان واپس لائے۔ والسلام مع الوف الاحترام،

۱۰/ اگست ۴۸ء مخلص عرشی

<u>مکتوب سید مسعود حسن رضوی</u> (۱۸) <u>مکتوب الیہ ڈاکٹر سید عبداللہ</u>

مکرمی تسلیم

آپ کے دو خط وصول ہوئے۔ میری کچھ کتابیں بعض وجوہ سے بے ترتیب ہو گئی تھیں، اور مطلوبہ کتب کی تلاش کے لئے فرصت نہ ملی۔ اس سبب سے جواب میں اتنی تاخیر ہوئی۔ نوادر الالفاظ کا جو نسخہ میرے پاس ہے وہ ۱۲۲۲ھ میں نقل کیا گیا تھا۔ آپ کے پاس اس کے کئی نسخے اس سے بہت پیشتر کے لکھے ہوئے موجود ہیں۔ اس لئے میرا نسخہ آپ کے لئے غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ غرائب اللغات کا کوئی نسخہ میرے پاس نہیں ہے۔ مگر میرے علم میں ایک جگہ موجود تھا۔ اس کو دیکھنے کی ادھر نوبت نہیں آئی۔ میں اس کی فکر میں ہوں، اس کو دیکھ کر میں اس کی حالت سے آپ کو مطلع کروں گا۔ اور اگر آپ اس کا دیکھنا ضروری سمجھیں گے تو اسے آپ کے پاس بھجوانے کی کوشش کروں گا۔ معلوم نہیں کہ عجائب اللغات کا کوئی نسخہ آپ کی نظر سے گزرا یا نہیں اور اس کے وجود کا آپ کو علم ہے یا نہیں۔ یہ کتاب بھی اسی زمانے کی تالیف ہے۔ اس کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غرائب اللغات کی تالیف کے بعد اور نوادر الالفاظ کی تالیف سے پہلے لکھی گئی تھی اس کا کوئی مکمل نسخہ تو میں نے بھی نہیں دیکھا ہے لیکن منتخب عجائب اللغات میرے پاس موجود ہے۔ اس میں صرف ۲۳ ورق ہیں۔ یہ نسخہ بہت کرم خوردہ ہے۔ اس کے ہر ورق پہ دونوں طرف باریک کاغذ چڑھا کر اسے محفوظ کر لیا

ہے۔ اگر اس کا کوئی مکمل نسخہ نہیں مل جائے تو ان تینوں کتابوں کو ملا کر ایک کتاب مرتب کرنا شاید بہتر ہو، اس طرح کہ ہندی لفظ لکھ کر اس کے معنی جس کتاب یا جن کتابوں میں ملیں ان کو نقل کرکے بریکٹ میں کتاب کا مختصر نام یعنی غرائب یا عجائب یا نوادر لکھ دیا جائے۔ ان تینوں کتابوں کو ملا کر جو کتاب مرتب کی جائے اس کا نام بھی ان تینوں ناموں کا مجموعہ یعنی لغات غرائب و عجائب و نوادر رکھا جائے۔ ان تینوں کتابوں میں لغات کی ترتیب بھی یکساں نہیں ہے۔ اب ان کو جدید اصول کے مطابق ترتیب دینا چاہیئے۔

جناب احسن مارہروی مرحوم بھی نوادر الالفاظ کو ایڈٹ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، مگر ان کا یہ ارادہ موت نے پورا نہ ہونے دیا۔ مرحوم کے ایک صاحب زادے مسلم یونیورسٹی کے دفتر میں ملازم ہیں۔ ان کو خط لکھ کر دریافت کیجئے ممکن ہے کہ نقاب کے کسی اچھے نسخے کا پتا لگ جائے یا اس سے متعلق کچھ مواد مل جائے۔

۲۰ رفروری ۶۳ء

نیاز کیش سید مسعود حسن رضوی

منشی رادھا کرشن آتش لکھنوی نے الفاظ ہندی کی ایک مختصر فرہنگ مرتب کرکے اس کا تاریخی نام ظہیر العلما رکھا اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ مولوی اوحد الدین بلگرامی اور سراج الدین علی خاں آرزو کے لغات ہندی میں چند لغات میری نظر سے نہیں گزرے۔ میں نے ان کو "عرق ریزی تمام اور تلاش مالا کلام" کے ساتھ تصانیف اساتذہ سے منتخب اور مستنبط کرکے اس مختصر فرہنگ میں جمع کر دیا ہے۔ آتش عربی اور فارسی بخوبی جانتے تھے۔ اُن کی کتاب خان آرزو کی نوادر الالفاظ کا ضمیمہ یا تکملہ ہے۔ لیکن اس کی تالیف نوادر الالفاظ کے بہت دنوں بعد ہوئی ہے۔ اس لئے اس میں جو لغات ایسے ہوں کہ حقیقتاً نوادر الالفاظ میں موجود نہ ہوں ان کو اصل کتاب کے حاشیے پر جگہ دی جا سکتی ہے۔ ظہیر العلما بہت چھوٹا رسالہ ہے۔ جس میں صرف ۱۲ ورق ہیں۔ یہ رسالہ بہت کمیاب ہے اور غالباً کبھی طبع نہیں ہوا۔

سید مسعود حسن رضوی

مکتوب شیخ محمد اکرام — (۱۹) — مکتوب الیہ ڈاکٹر سید عبداللہ

مشفقی!

السلام علیکم۔ دو نوازش نامے ملے۔ آپ نے چھ مئی کے خط میں، مئی کو دیوان دیکھنے کی نوید خوشی سنائی تھی۔ اس لئے میں جواب سے پہلے دوسرے خط کا منتظر رہا۔ کل پونا سے ہو کر آپ کا دوسرا خط ملا۔

پروفیسر صاحب کا قلمی دیوان بڑے کام کی چیز معلوم ہوتا ہے۔ باندہ وغیرہ کی غزلوں کے متعلق آپ نے تفصیلات مجھے بھیج دیں۔ اب مجھے یہ دریافت کرنا ہے کہ جن اردو غزلوں کو میں نے ۱۲۱ - ۲۳۲ تک ترتیب دیا ہے۔ ان میں کی اور بھی کوئی غزلیں ...... قلمی دیوان کے متن وغیرہ میں موجود ہیں یا نہیں۔ یہ غزلیں غالب نامہ کے ص ۲۴۲ - ص ۲۸۱ تک ہیں۔ آپ کی سہولت کے لئے میں نے علیحدہ کاغذ پر ان غزلوں کے مطلع وغیرہ درج کر دیئے ہیں۔ آپ قلمی دیوان سامنے رکھ کر ان مطلعوں کے سامنے رکھ کر ہاں یا نہ لکھ دیں۔ تو میرا مقصد حل ہو جائے۔

یہ کام سب سے اہم ہے۔ امید ہے علمی مواقع، جتنی جلد آپ کو اس کا موقع دیں گے۔ آپ اس طرف متوجہ ہوں گے۔

میرا اپنا خیال ہے کہ نسخہ حمیدیہ کے حاشیہ کی ۱۱ غزلیں ۱۸۲۶ء سے پہلے کی لکھی ہوئی ہیں۔ اگر میرا خیال صحیح ہے تو یہ غزلیں قلمی نسخہ کے متن میں موجود ہونی چاہئیں۔ آپ کے جواب سے یہ مسئلہ بھی طے ہو جائے گا۔

آپ لکھتے ہیں کہ غالب کا سفر کلکتہ ۲۶ ذی قعدہ ۱۲۴۲ سے تین ماہ پہلے شروع ہوا۔ براہِ کرم مطلع کریں۔ کہ یہ رائے کس شہادت پر مبنی ہے۔ بظاہر تو یہ بات قرینِ قیاس ہے۔ لیکن غالب نے معتمد الدولہ کی تعریف میں جو نثر لکھی ہے۔ اس کی تاریخ تحریر ۲ محرم الحرام دی ہے (ملاحظہ ہو غالب نامہ ص ۲۴-۲۵)۔

آپ کے خط کا بڑی بے تابی سے انتظار کروں گا۔ یقین ہے کہ جتنی جلدی آپ سے ہو سکے گا آپ امورِ دریافت طلب کا جواب دیں گے۔

آپ اورینٹل کالج میگزین بذریعہ وی پی بھجوا دیں۔ یا پتہ بھیج دیں تو میں زرِ چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیج دوں۔

شبلی کے متعلق آپ کے خط سے میرے شبہے رفع نہ ہوئے۔ بلکہ اور مستحکم ہو گئے۔ کیونکہ ان کے کیرکٹر کی پیچیدگیوں کی نسبت آپ کی بھی وہی رائے ہے جو میری۔ ہاں سرسید اور حالی کی نسبت مجھے آپ کی رائے سے اختلاف ہے۔ خالص ادبی نقطۂ نظر سے میں آزاد کی تصنیفات کو شبلی کی کتابوں سے بہتر سمجھتا ہوں۔ حالی کی طرزِ تحریر میں شبلی کی شگفتگی نہیں۔ لیکن میرے دل میں حالی کی جو قدر ہے وہ شبلی کی ہرگز نہیں۔ دونوں کا بطور انسان کے موازنہ کیجئے۔ اور دیکھئے کہ حالی کا پلہ کتنا بھاری ہے۔ اس کے علاوہ شبلی میں (BALANCED JUDGMENT) اور ژرف نگاہی نہیں تھی۔

یہ مضمون بہت وسیع ہے۔ میں انشاء اللہ غالب نامہ پریس میں بھیجنے کے بعد کسی قدر تفصیل سے اظہارِ خیال کروں گا۔ قرینِ قیاس ہے کہ آپ کو کئی باتوں میں مجھ سے اختلافِ رائے ہوگا۔ لیکن اس سے آپ تصویر کا یہ رخ بھی دیکھ سکیں گے۔ آج کل شبلی اور جانشینانِ شبلی (مولانا ابوالکلام۔ سید سلیمان ندوی دار المصنفین) نے مسلمانوں کی ذہنی زندگی پر اسی طرح قبضہ جما رکھا ہے۔ کہ سرسید اور حالی کی سچی خوبیاں بھی ہمیں نظر نہیں آتیں۔ آخر یہ طلسم کبھی نہ کبھی تو ٹوٹے گا!

اکرام

۲۱ مئی

(۲۰)

مکتوب الیہ جناب نثار احمد فاروقی

مکتوب پروفیسر حامد حسن صاحب قادری

جنابِ مکرم۔ السلام علیکم

کرم نامہ صادر ہوا۔ منظر صاحب نے جس روز آپ کو خط لکھا ہوگا اسی روز یا اس سے ایک روز بعد ان کے پاس میرا رجسٹرڈ لفافہ پہنچ گیا ہوگا۔ آج کل جو ہم لوگوں کے لئے "ہنگامی ہنگامہ" برپا ہے۔ اس کی بے غایت مصروفیت کے سبب سے تاریخ جلد نہ لکھ سکا۔ جب منظر صاحب کا دوسرا خط شدید تقاضے کا آیا تو پرچے اور کاپیاں ہاتھ سے رکھ کر تعمیلِ فرمائش شروع کر دی اور عجلت میں جو بن پڑا بھیج دیا اگرچہ ایسا نہ ہو سکا جیسا میں چاہتا تھا یا ہو سکتا تھا۔ تاریخی مادے اور قطعے واقعی عمدہ نہ ہوئے۔ صرف شرکتِ غم کی خاطر بھیج دیجئے مگر قرآن مجید سے تاریخ خوب ہوگئی۔ وہ آپ کو بھی لکھتا ہوں:

قد رحمہ و ذالک الفوز المبین —— (سورہ انعام پارہ ۷)

قرآن مجید میں (فقد) ہے۔ میں نے (ف) کو حذف کر دیا ہے۔ لوحِ مزار پر نام کے نیچے بس یہ آیت کافی

ہے لیکن بڑی لوح ہو تو جس کسی کا بہترین قطعہ ہو وہ لکھوائیں۔
اسی سنہ کی ایک اور آیت بھی نکلی ہے سورۂ والفجر کی:۔

یایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک۔

آیت یوں ہے یا یتھا۔ میں نے یائے ندا یعنی حرف (ی) حذف کر دی ہے۔ یہ آیت میں نے منظر صاحب کو نہیں لکھی کہ ایک ہی کافی ہے۔ گو یہ اس سے بہتر ہے۔ آپ چاہیں تو لکھ دیں۔ دونوں میں سے جو پسند ہو۔ آپ کی طرح دوسرے حضرات بھی یہ فرما دیا کرتے ہیں یا سمجھتے ہیں کہ مجھ سے بہتر تاریخ گو نہیں۔ میں اس کو آپ کی اور ان کی قدر افزائی سمجھتا ہوں ورنہ میرے علم میں تین سال پہلے تک دہلی میں ایسے تاریخ گو تھے (جو اب پاکستان میں ہوں گے) اور لکھنؤ اور دوسرے مقامات پر ہیں جن کے کمال کے سامنے میری تاریخیں ہیچ ہیں۔ البتہ میرا سا خبط کسی کو نہ ہوگا کہ دن رات تاریخیں کہتا ہوں۔ بات بات پر کہتا ہوں۔ اسی دھن میں رہتا ہوں۔ آج ہی آپ کا خط آنے سے پہلے کئی تاریخیں فرمائشی لکھ چکا تھا۔ میرے لئے تاریخوں کی بے گار عرش سے اتری ہے یعنی آج جن بزرگ کی تاریخیں کہیں ان کا وصال ہوئے ۵ سال ہوئے ۱۳۵۹ھ میں ہوا تھا۔ مجھ سے اب فرمائش کی گئی۔ اپنے شوق اور خبط سے جو کہتا ہوں ان کا یہ حال ہے کہ لڑکی کے ہاتھ سے بند ر روٹی لے گیا تو کہا "بڑا موذی و ظالم ہے" (۱۹۵۱ء)۔ ایک بچی کے ہاتھ میں بچھو نے کاٹ لیا تو کہا "یہی طبیعت کثر دم کا اقتضا ہے یہی" (۱۹۵۰ء) ایک دوست کے ہاں لڑکی ہوئی تو کہا "بیٹی مبارک بیٹی مبارک" (۱۳۷۰ھ) وطن میں ایک عزیز کو بڑھاپے میں تپلون پہننے کا شوق ہوا۔ ۵۵ سال کی عمر میں پہلی مرتبہ تپلونیں بنوائیں، میں نے تاریخ کہی:۔

تن گئے بھائی بھی تپلون میں آج	ان کی ٹانگوں کو سلاخیں کہئے
خوب تپلون کی نکلی تاریخ	"شجرۂ شوق کی شاخیں کہئے"

۱۹۵۱

ایک سال تنگ بقرے سبب سے قربانی نہ ہو سکی تو کہا "عبد الاضحیٰ کیا جو قربانی نہ ہو" (۱۳۶۷ھ) ۔ اعزا و احباب پاکستان چلے گئے تو کہا "ہو گئے خاندان بارہ باٹ" (۱۳۶۸ھ) پاکستان کی دو تاریخیں قرآن مجید سے بڑی عجیب نکالی تھیں۔ ایک ہجری ایک عیسوی۔ ابھی پاکستان بن نہ چکا تھا۔ صرف ۳ جون ۱۹۴۷ء کو اعلان ہوا تھا کہ میں نے تاریخیں کہہ لیں۔ ہجری تاریخ صرف تین لفظوں سے نکلی تھی۔ وہ قطعہ میں نظم ہو گئی۔

آیۂ قرآن سے تاریخ یہ ہے ارشاد کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ ۱۳۶۶ھ

مشہور آیت ہے کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاس ...... دوسری عیسوی تاریخ کے لئے قرآن مجید جیسی ضخیم کتاب میں میری تلاش کی داد دیجئے: احلنا دار المقامۃ من فضلہ لا یمسنا فیھا نصب (سورہ فاطر رکوع ۴ پارہ ۲۲) اس کا ترجمہ یہ ہے: "اس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے گھر میں اتارا جہاں ہم کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی" اپنے ہاں کے استاد عربی کو سنایئے۔

اگر آپ جواب کے لئے ٹکٹ نہ بھیجتے تو میں کارڈ میں لکھ دیتا کہ منظر صاحب کو تاریخیں بھیج دیں۔ مگر لفافہ لکھا تھا تو میں نے سوچا کہ دو آنے وصول ہونے چاہئیں۔ سو وہ مجھے وصول ہوئے کہ میں نے اپنی شان میں قصیدہ سنا ڈالا۔ آپ کے تو ضائع ہی ہوئے کہ آپ کا وقت ضائع ہوا۔ مگر اس کو شاعر کا درد شکم سمجھ لیجئے یا "حیف بر جانِ سخن گر بسخنداں نرسد" بلکہ دونوں ہی سمجھئے۔ یہ اتو واقعی جی چاہا کہ آپ کو تاریخیں سناؤں اور آپ کے سخنداں ہونے میں بھی شک نہیں۔ ابھی تو خدا جانے کتنی لکھتا اس لئے کہ بندر، بچھو، پتلون کی قسم کے بھی بے شمار لطیفے ہیں مگر ورق تمام ہوا... پھر بھی پرمٹ کی تاریخ اور سن لیجئے:

کڑی شرطیں ہوئیں جانے پہ عائد   بڑھی کچھ اور پاکستان سے دوری
کہی تاریخ سن کر قادری نے   ہوا ہے لیجئے پرمٹ ضروری
۱۹۴۸ء

اب اپنے مقدمہ کی بات خاتمہ پر سنئے۔ اس زمانے میں تو نصف مئی تک کاپیوں جانچوں سے ہی فرصت نہ ملے گی آگرہ، دہلی، علی گڑھ وغیرہ کے ۷ پرچے میرے پاس ہیں۔ لیکن فی الواقع اب میں سوچنے، لکھنے کے قابل نہیں رہا۔ سکون میسر نہیں ہر وقت پریشانی رہتی ہے ایسے میں کیا لکھ سکوں گا۔ آپ کا کلام خود ایسا اچھا ہے کہ کیا فرمانے ہیں علمائے دین کی قسم کے رقعہ وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ میری تحریر سے کیا وزن پیدا ہوگا۔ کچھ بوجھ ہی بڑھ جائے گا۔ ہم سے بوڑھوں کو ریٹائرڈ ہی سمجھئے۔ والسلام

آگرہ ۱۲ اپریل ۱۹۵۱ء   احقر حامد حسن قادری

(۲۱)

مکتوب پروفیسر محمد شفیع   مکتوب الیہ، ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

عزیزم، وعلیکم السلام

میں آج کل آپ کا مضمون دیکھ رہا ہوں۔ ہمارے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ دس آف پرنٹس مفت دیئے جاتے ہیں۔ اگر زائد تعداد مطلوب ہو تو اس کے لئے مضمون نگار صاحب زائد کاغذ بہم پہنچائیں۔ چونکہ یہاں کاغذ خصوصاً آرٹ پیپر بہت گراں ہے غالباً آپ کاغذ کے مصارف برداشت کرنے یا کاغذ بھیجنے کا انتظام نہ کر سکیں۔

ہماری کوشش یہی ہوگی کہ آپ کا مضمون ایک ہی قسط میں نکل جائے۔

افسوس ہے کہ سرورق علیحدہ چھاپنے کا کوئی انتظام نہیں۔ یوں آپ چاہیں تو وہیں چھپوا سکتے ہیں۔ بلاکس کے لئے میں یہ کوشش کر رہا ہوں کہ وائس چانسلر صاحب خاص منظوری دو سو روپیہ تک دے دیں۔ امید ہے کہ اس سے شاید چار پانچ بلاک بن اور چھپ سکیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ باقی بلاک وہاں بنوا کر چھپوا لیں۔ مجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حکومت ہندوستان کو بلاک بھیجنے میں کوئی اعتراض ہوگا یا نہیں۔ لیکن اگر آپ بلاک بنوانے کے بعد چھپوا کر ہم کو بھیج سکتے تو غالباً ان کو کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ میری مراد ان بلاکوں سے ہے جو چار یا پانچ سے زائد ہوں؟

حالنامہ کے بقایا ۱۹۴۳ء مجھے آپ کب تک بھجوا سکیں؟ یہ بات میں لائبریری والوں سے آج پوچھ لوں گا کہ ایک یا رقم آپ کو کیوں نہیں پہنچی۔ ان کے ایجنٹ نے تو ان کو ضروری کارروائی کر لینے کی اطلاع دے دی ہے۔

آپ اپنے وطن کا ایڈریس بھی مہربانی کر کے ہمیں بھیج دیجئے۔

تکملہ، اتنا لکھنے کے بعد آپ کا دوسرا عنایت نامہ بھی ملا۔ اس میں چھٹیوں کا ایڈریس بھی دیا ہے۔ پروفیسر نجیب صاحب

ادب عربی سے بہت اچھی طرح واقف ہیں اگر یہ مضمون لیں تو ان کے مشورے سے اس کے حدود معین کرنے چاہئیں۔ کراچ کووسکی KRALCHKONSKY نے جدید ادب عربی پر کافی کام کیا ہے۔ شاید پچاس سال سے کم عرصہ لینا ہوگا ابن القفطی اور ابن الدبیثی دونوں نام اچھے ہیں، وظیفہ دینے والے ان کو ناپسند کیوں کریں گے۔ خطاطی کے متعلق کرنے کے لائق کام یہ ہے کہ ایک کتاب تذکرۂ خطاطان کے طور پر مرتب کی جائے جو اسلامی دنیا کے مشاہیر خطاطان کے حالات پر مشتمل ہو اور ان کے کارناموں کے نمونے سامنے لائے اس ڈکشنری میں سبھی لوگ آسکتے ہیں۔ دیباچے میں ارتقاء خط پر تفصیلی بحث ہونی چاہئے لیکن اس میں دو دقتیں ہوں گی۔ (۱) ہر شخص خوبصورت خط کو پہچان سکتا ہے لیکن اس خوبصورتی کی تجزی فن کار کے سوا دوسرے کے لئے بہت مشکل ہے اس لئے جہاں تک فن کے ارتقاء کا تعلق ہے اس کی تجزی کے لئے فنی استعداد ضروری ہے اور بیان میں بہرحال اشکال پیش آئے گا (۲) نمونے بکثرت چھپنے چاہئیں، ورنہ اس میں صرف زیادہ منظور ہوگا۔ اس لئے فنڈ کافی ہونا چاہئے۔

میرے نزدیک کم سے کم زحمت غالباً ابن القفطی یا ابن الدبیثی میں ہوگی اور ان کی تصحیح کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ والسلام

یکم جون ۱۹۵۵ء لاہور

مخلص محمد شفیع

مکتوب جناب مولانا حسین احمد مدنی

(۲۲)

مکتوب الیہ جناب عبدالصمد صارم

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ میں اس وقت سفر میں ہوں۔ لاہور اور سہارنپور کے درمیان گاڑی چل رہی ہے ایسے ہی اوقات میں فرصت ملتی ہے۔ پہلا والانامہ میرے سامنے نہیں ہے۔ یکم ربیع الثانی کا والانامہ سامنے ہے۔ والدین کی اطاعت ہر اس چیز میں واجب ہے جو کہ از قسم معصیت نہ ہو لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق نیز والدین اگر غیر مسلم بھی ہوں تو ان کی خدمت گزاری اور حسن معاشرت ضروری ہے وان جاھداک لتشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفا۔ اگر خلاف طبع ابن مفارقت زوجہ کا حکم کریں تو ابن کو زوجہ کا طلاق دینا ضروری ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حضرت عمرؓ نے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو باپ کے حکم کے امتثال کا ارشاد فرمایا بہرحال ہر امر اور ہر مشغلہ میں والدین کو راضی رکھنا اور خدمت کرنا ضروری ہے۔ الا فی المعصیۃ۔ میں حسب ارشاد دعا کرتا ہوں والسلام

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب شیخ محمد عبداللہ

(۲۳)

مکتوب الیہ مولانا غلام رسول مہر

مکرمی جناب مولانا مہر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا نوازش نامہ مرقومہ ۹/۶/۴۶ مدت ہوئی مجھے مل چکا تھا مگر کانفرنس کی سالانہ اجلاس کی پریشانیوں کی وجہ سے جواب دینے میں آج تک قاصر رہا۔ امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے۔ یکے بعد دیگرے جو دو عدد مقالہ افتتاحیہ آپ نے چند مہینے ہوئے کشمیر کی نذر کر دیئے تھے وہی باعث شکوہ بنے اور ان کو میں نے موجود رکھا ہے۔ انشاء اللہ بازندہ صحبت

باقی۔ لاہور آ کر کسی وقت گلہ شکوہ کر لیں گے۔ سیاسیات میں اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن اس کا اثر انسان کے ذاتی تعلقات پر نہیں پڑنا چاہیئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ باوجود سیاسی اختلافات کے میرے دل میں آپ کی اور جناب سالک صاحب کی بہت ہی عزت ہے اور وقت مصیبت جو امداد آپ نے مظلوم کشمیریوں کو دی اس کو ہم لوگ کبھی نہیں بھولیں گے۔ میری طرف سے سالک صاحب کو محبت بھرا عرض وسلام۔

۱۴ اکتوبر ۳۹ء

آپ کا خیر اندیش شیخ محمد عبداللہ

(۲۴)

مکتوب جوش ملیح آبادی — **مکتوب الیہ میکش اکبر آبادی**

حضرت میکش، ابھی آفتاب طلوع نہیں ہوا ہے۔ ہوا کا ہر جھونکا کرۂ زمہریر بنا ہوا ہے۔ افق گلرنگ ہے۔ چڑیوں کی آوازوں میں گھلتی ہوئی برف کی موسیقی ہے۔ مادہ کبوتر کے زچہ خانے یعنی روشن دان سے اس کے بچوں کی پھڑپھڑاہٹ اور کبوتروں کی غٹر غوں کی آوازیں بھیرویں کے سُر پیدا کر رہی ہیں۔ ظرفِ غسل میں نل کا پانی بول رہا ہے ایک موسیقی کے ساتھ ــــ اور میں بیٹھا ہوا آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ انسانی فطرت کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ سیکڑوں دوستوں اور ڈیڑھ دو درجن بیویوں میں سے میکش کے سوا اس وقت کوئی اور کیوں نہ یاد آیا۔ اسے کون سمجھ سکتا ہے۔ ممکن ہے میکش اس سہانے سماں میں اس لئے یاد آ رہے ہوں کہ ان کا دل صبح کی طرح لطیف و درخشاں ہے۔ لیکن حقیقت کیا ہے یہ بات کس کی سمجھ میں آ سکتی ہے۔

لیجئے کرن پھوٹ رہی ہے:

حسن جنبید ز خواب و مژہ برہم زد — فتنہ برپا شد و نشتر بہ رگِ عالم زد

ذرے ذرے میں گلابی رنگ مچل رہا ہے۔ حیات آنکھیں مل مل کر اور جنبشِ سر سے بکھری زلفوں کو پیشانی سے ہٹا ہٹا کر انگڑائیاں لے رہی ہے ــــ یہ کس وجود کی تصدیق کی جا رہی ہے؟ یہ کس حقیقتِ مستور کے ثبوت کا پرچم لہرا رہا ہے؟ مدت ہوئی میں نے کہا تھا ؎

ہم ایسے اہلِ نظر کو تلاشِ حق کے لئے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

کاش وہی وجدانی دور اب بھی ہوتا۔ تفکر نے میرے وجدان کے سینے کو اپنے تیروں سے چھلنی کر دیا ہے۔ معلوم نہیں میں خوش ہوں یا غمگین۔ شاعر کی حیثیت سے تو مجھے شاید غمگین ہی ہونا چاہیئے۔ شاعری اجمال و وجدان چاہتی ہے، اور تفکر تفصیل و حقیقت کی تلاش میں رہتا ہے۔ اس شخص کی ذہنی کشمکش کا تصور کیجیے جو ان اضداد کا حامل ہو ؏

کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

کیا کروں۔ کدھر جاؤں۔ کیا فیصلہ کروں۔ مرا جاتا ہوں اس کشمکش میں۔ گھلا جاتا ہوں اس کاوش میں۔ جتنا کریدئیے اتنا ہی کرکرا۔ آخر کیا کیا جائے۔ کیا کیا جائے۔ کیا کیا جائے؟ کیا میں دیوانہ ہو جاؤں گا؟

جس وقت جھلکتی ہے مناظر کی جبیں — راسخ ہوتا ہے ذاتِ باری کا یقیں
کرتا ہوں جب انساں کی تباہی پہ نظر — دل پوچھنے لگتا ہے کہ "خدا ہے، کہ نہیں"

خدارا کوئی میری رہبری کرے۔ کوئی مجھے اس کشمکش سے نجات دلائے۔ کوئی اس گردش کرنے والے گرستے کے اندر جو میری آواز پہ اس طرح لبیک کہتا ہوا بڑھے کہ قطبین کے درمیان ہل چل مچ جائے ؟

اللہ رے سناٹا۔ آواز نہیں آتی

ایک اتھاہ تاریکی، ایک لامحدود سکوت۔ ایک بے پایاں ناہمواری اور ذہنِ انسانی کا کارواں ٹھوکروں پہ ٹھوکریں کھاتا گرتا پڑتا، چیختا چلاتا، بلبلاتا، روتا، پیٹتا چلا جا رہا ہے۔ منزل کیا ہے، میرِ کارواں کدھر ہے۔ کچھ معلوم نہیں، اِلاّ

بیچ وایں قدر ہست کہ بانگے جرسے می آید

۱۴ر دسمبر ۳۷ء میں ہوں آپ کا دیوانہ دوست جوش

کچھ روز تک تو نازشِ فرزانگی رہی آخر ہجومِ عقل نے دیوانہ کردیا

دیوانہ کردیا۔ آخر ہجومِ عقل نے دیوانہ کردیا۔ کاش ہی ہو جاتیاں تو بیداری و خواب کے بین بین زندگی بسر ہو رہی ہے دماغ کی دنیا میں ہر آن ایک جھپٹے کا سا وقت رہتا ہے۔ اور ہر ساعت دونوں وقت ملتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ بیداری و خواب۔ خوابِ بیداری۔

خود اپنے دلدوں کو بھی پہچانتا نہیں
کس راستے کے موڑ پہ ہوں جانتا نہیں

(۲۵)

مکتوب جناب حفیظ جالندھری مکتوب الیہ جناب عبدالمجید صاحب۔ سالک

حضرت استاذی جناب سالک، السلام علیکم!

گرامی نامہ ملا۔ آپ کی مبارک باد کا شکر گزار ہوں۔ میں بھی پنڈت جی بھی۔ آپ کے خط نے میرے سینے پر جو بوجھ تھا اُسے کچھ ہلکا کر دیا ہے۔ یہ حضرت صاحب لاہور کب سے پہنچ گئے۔ میں دو تین دن سے تندرست ہو کر دفتر میں حاضری دے رہا ہوں گیارہ دن سے دہلی کا خراجِ علالت ادا کر رہا تھا۔ حضرت صاحب کو نہ فون کر سکا نہ ملاقات ہوئی۔ اب معلوم ہوا کہ وہ دہلی میں تھے ہی نہیں۔

بندہ نواز باتیں جو میں آپ سے کہوں گا ہولناک سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ مجھ کو بچا لیا میرے پروردگار نے۔ بہر حال ان کا اظہار آپ کے سامنے ضروری ہے۔ میں بُرا ہوں یا بھلا اپنی ذات کے لئے ہوں۔ میں نے جان بوجھ کر آج تک کسی سے بھی برائی نہیں کی۔ شاید مجھے توفیق ہی ودیعت نہیں ہوئی۔ اس کے باوجود دنیا جینے نہیں دیتی۔ سچ پوچھئے تو جہاں تک دنیا کا واسطہ ہے مجھے اب قطعاً اس کی پروا نہیں۔ البتہ چند نفوس میری دنیا ہیں۔ جن کو میں جیتے جی تو نہ چھوڑوں گا۔ اور اس دنیا میں آپ کا وجود سب سے اہم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کے ہزاروں مخلص دوست ہیں۔ لیکن میرے تو دو چار ہی دوست ہیں جن میں آپ سب سے قدیم ہیں۔ دوست نہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ۔ اپنی زندگی کی کشمکش میں آپ سے ہمیشہ دور رہا۔ اور دوسرے لوگ جو مجھ سے کسی نہ کسی طرح "ناخوش" تھیں آپ سے قریب۔ اور سگِ حضوری بہ از برادرِ دوری۔ اس کے باوجود ایک ساعت کے لئے بھی مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ آپ میری برائی سُن کر ان لوگوں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوں گے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سالک سے دشمنِ سالک کے لئے یہ توقع نہیں ہو سکتی ___

میرا ارادہ ہے کہ یہاں دہلی میں ایک آل انڈیا مشاعرہ کیا جائے جس میں زندگی بخش خیالات کا اظہار کیا جائے اور موجودہ بزدلانہ ذہنیت کو بدلنے کے لئے شعرا سے امداد لی جائے۔ میں نے یہ تجویز پیش کی ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ منظور ہو جائے گی۔ اس مشاعرے میں آپ کو بھی شامل ہونا ہے۔ اور "مجاہدین و شہدا" ایک مرتبہ پھر دنیا آپ کی زبان مبارک سے سن لے تو کیا حرج ہے۔

اہلیتین محترمین ابھی لاہور ہی میں ہیں۔ اور بچیاں بھی۔

یہاں مکان ہی اب تک نہیں ملا تھا۔ میں اور پنڈت دونو ادھر اُدھر ٹاپتے پھرتے تھے۔ اب کل قرول باغ میں ایک جگہ کرایہ پر لی ہے۔

صاحب زادوں کو سلام، بچیوں کو دعا۔ پنڈت جی اپنا خط خود لکھیں گے۔

خادم حفیظ

مکتوب الیہا شہناز ہاشمی

(۲۶)

مکتوب حضرت جگر مراد آبادی

عزیز بیٹی! سلامت رہو، خوش رہو!

میں ایک زمانے سے دائم المریض سا ہو گیا ہوں۔ دو چار دن تک کے لئے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے بالکل ہی صحت مند ہو گیا ہوں اور پھر دس پندرہ دن وہی عالم۔ دماغ و دل یکسر غیر حاضر رہنے لگے۔ کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ یہ آثار برے سہی لیکن ہیں۔ اور موت تو ایک ایسی صداقت ہے جس سے گریز ممکن نہیں، اور اگر ممکن بھی ہو تو آخر ایک نعمت سے گریز کے معنی کفران نعمت نہیں تو اور کیا ہو سکتے ہیں۔ تم جانتی ہو میں سنا کرتا، دیکھتا ہوں لیکن میں اظہار خلوص و محبت کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔

تم نے جس مشاعرہ سے متعلق لکھا تھا اس کا تو زمانہ گذر چکا۔ گمان غالب ہے کہ ۳۱ جنوری کے مشاعرہ میں شریک ہوں گا۔ مشاعرہ غالباً منزل سے متعلق ہے، یقیناً تمہیں اس کا علم ہو چکا ہوگا۔

میرا قیام تو حسب دستور رشید صاحب (مخدوم محترم) ہی کے مکان پر رہے گا لیکن تم ان کے مکان سے قریب ہو، اس لئے اکثر و بیشتر آنا جانا ہوگا۔ اور دیر تک مختلف موضوعات پر باتیں ہوا کریں گی۔ اب تو ماشاءاللہ تم گریجوایٹ ہو گئی ہو، لیکن پیاری بیٹی! یاد رکھو علم ایک بوجھ بن جاتا ہے جو صرف کتابوں تک محدود نہیں ہے۔

کونین کی ہوس میں ہے انساں ذلیل و خوار

کونین، اپنے سینے کے اندر سمیٹے ہوئے

کتاب سے صرف کتاب بن سکتی ہے۔ زندگی نہیں بن سکتی۔

بات کہاں سے کہاں پہنچی۔ اس وقت رات کے گیارہ بجے ہیں طبیعت مضمحل ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اچھا خدا حافظ۔ اپنی امی جان یا میری محترمہ بھاوج صاحبہ کی خدمت میں میری طرف سے سلام و اشتیاق۔ اور اپنے دونوں بھائیوں کو بہت سی دعائیں۔ اور ہاں تمہاری "آپا" بھی ۱۳ جنوری تک دہلی سے علی گڑھ آ جائیں۔

برادر مکرم و محترم ہاشمی صاحب کو خط لکھو تو میری جانب سے سلام پیش کر دینا اور یہ بھی لکھ دینا کہ مشاعرہ ... ان کی شرکت ضروری ہے۔ صرف جگر کے لئے۔

دعا گو جگر مراد آبادی عفی عنہ

۲۰ جنوری ۱۹۵۳ء گونڈہ

میرے پیارے نئے پیارے اپنے نوح مجروح کی دعائیں لو۔

کل کی ڈاک سے وہ خط جس کو بس اب انتہائی غم ناک کہنا چاہیے ملا ایک چھری تھی کہ کلیجے میں اتر گئی ایک تیر تھا کہ دل پر چل گیا بے ساختہ آنکھوں سے آنسو گر پڑے دل تڑپا طبیعت بے قرار ہوئی پچھلی صحبتیں نگاہوں پر پھر گئیں آہ میں نے کیا سُنا کیا دیکھا اُف اُف حضرت مجھ پر نواب میر حسن علی خاں صاحب کی موت غضب ہے قیامت کبریٰ نہ سہی صغریٰ سہی۔

ابتدائے ۱۸۹۱ء کا زمانہ تھا نزدیک بازار عابد شاپ کے پاس حضرت داغ کے دولت خانے پر مقیم ہوا وہیں نواب صاحب بھی رہتے تھے محبوب گنج والا مکان اب نہیں اُس کو استاد کو چھوڑے ہوئے کئی مہینے گذر چکے مرزا خورشید علم صاحب کی کیمرہ بازی کا زور شور ہے یہ ساری باتیں مجھے اس وقت یاد آتی ہیں اور میں دل تھامے ہوئے خط لکھ رہا ہوں۔

ابھی داغ صاحب کو کامل مرنجھے نہ بھولا تھا کہ ان کا غم بھی اٹھانا پڑا نواب صاحب اپنے اور میرے استاد کی مکمل اور جیتی جاگتی تاریخ تھے استاد کے زمانے تک اور کس کو ہم نوالہ و ہم پیالہ رہنے کا موقع ملا بات دن کی حضوری ہر اچھے برے کام میں اُٹھتے بیٹھتے موافقت دونوں خوب نباہ گئے ماتم کرنے کے لئے میں رہ گیا۔

میر آصف الدین بخش (صاحب) تو مجھ سے لے نفیر نواب، اُس زمانے میں صغیر سن تھے میرے پاس بہت آتے میں بھی متعدد بار بازار چلنے میاں والے مکان میں نواب صاحب کے ساتھ گیا۔ اُس زمانے میں سمند سیاہ زانو گھوڑا دیکھا جسے تم ہیں نواب صاحب جوتتے تھے یہ واقعات یاد کرتا ہوں اور اپنا سر پیٹتا ہوں ہائے میر آصف الدین صاحب بھی چل بسے جنہوں نے بھی انتقال کیا میرا بھائی بھی مفارقت کے صدمے سہم رنج و غم اٹھا کر وہاں پہنچ گیا جہاں سے اب واپسی کی امید نہیں۔

کلیجا دکھانے کا ہو تو دکھاؤں دل چاک کرنے کا ہو تو چاک کروں۔ بار بار آنسوؤں کا سلسلہ قائم ہوتا ہے اور ٹوٹ جاتا ہے نواب صاحب ہمیشہ فارغ البال رہے روپیہ پیسے کے لحاظ سے کبھی کمی نہیں ہوئی لیکن بڑا ستم یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں سے اپنی نظروں کے سامنے دو لڑکیاں اور ایک لڑکے کو پیوند خاک کیا جن سے امید تھی یہ انہیں دفن کریں گے انہیں کو خود انہیں دفن کرنا پڑا ہائے ہائے یہ تو سب کچھ ہوں جنہیں کچھ بھی واسطہ نہیں وہ بھی جس قدر غم کریں کم ہے۔ کاش آپ کو میرا پتہ نہ معلوم ہوتا کہ آپ مجھے خط بھیج کر اس زندہ نہ تڑپاتے۔

دو ڈھائی سال سے شاید وہ بہت معذور ہو گئے تھے کہ میرے دو تین خطوں کا جواب نہیں دے سکے جب یہ صورت پیش آئی تو میں اکثر نواب عزیز یار جنگ سے اُن کی خیریت دریافت کر لیتا تھا پار سال بمبئی کے مشاعرے کی واپسی میں مصمم ارادہ کیا کہ حیدرآباد جا کر داغ صاحب کے مزار پر فاتحہ پڑھوں اور نواب صاحب سے مل کر خود بھی روؤں اور انہیں بھی رلاؤں مگر بمبئی پہنچ کر ایسا بیمار ہوا کہ ساری حسرتیں خاک میں مل گئیں اور مجھے وطن ہی آنا پڑا مرحوم زندہ ہوتے تو شاید سر کر حیدرآباد دیکھ لیتا اب آؤں تو کس کے پاس آؤں ہائے وہ صورت ہی مٹ گئی۔

ایک ساتھ کس کس کی تعزیت کی جائے نواب میر آصف الدین صاحب ان کی بہنیں امیر مرحوم یہ سانحات پے در پے ایسے ہیں کچھ نہ لکھا جاتا ہے نہ کہا جاتا ہے دنیا کے دستور یہی ہیں ممکن ہے آپ کی دادی صاحبہ اور جملہ موجودہ اعزا مجھ سے واقف

ہوں۔ لہٰذا سب کی خدمت میں ایک غم زدے کی طرف سے الفاظ تعزیت پہنچائے میرا قدردان میرا بھائی تو اٹھ گیا اب یہ آپ کی سعادت پہ منحصر ہے کہ آپ مجھے یاد رکھیں یا نہ رکھیں آپ کو میں اپنے بھائی کی یادگار سمجھتا ہوں یہ خاص آپ کی عنایت تھی جو اپنے غم میں مجھے آپ نے شریک کیا ذرا طبیعت کو سکون ہوئے تو تعمیل ارشاد میں قطعہ تاریخ حاضر کروں آپ کا پتہ میں نے اپنے رجسٹر میں درج کر لیا ہے دیوان کے متعلق ہر مشورے کے لئے حاضر ہوں اور خط کو اس فقرے پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اور سب کے ساتھ مجھے بھی صبر دے اور جدا ہونے والوں کو جنت نصیب کرے فقط۔

۴ رجب ۱۳۵۰ھ غم زدہ نوح ڈاکخانہ نارہ ضلع الہ آباد

مکتوب اثر لکھنوی (۲۸) مکتوب الیہ عطا آصفی

مکرمی تسلیم۔

آپ کا پوسٹ کارڈ ملا۔ نوازش کا شکریہ۔ میری اکثر کتابیں شائع ہوئیں مگر افسوس کہ میرے پاس اس وقت سوائے "بہاراں" کی چند آب زدہ و کرم خوردہ جلدوں کے اور کوئی موجود نہیں ورنہ حاضر خدمت کرتا۔ بہاراں علیحدہ رجسٹرڈ پارسل پوسٹ سے روانہ کر رہا ہوں۔ قبول فرمائیے۔

شائع شدہ کتابوں کی فہرست یہ ہے:-

۱۔ اثرستان (دیوان غزلیات) مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ ۱۹۲۴ء
۲۔ رنگاری بیگم (منظوم ڈرامہ) " " " ۱۹۲۷ء
۳۔ بہاراں (دیوان دوم) " " " ۱۹۳۹ء
۴۔ رنگ بست (دوسری زبانوں کی نظموں کے منظوم تراجم) مطبوعہ اردو اکیڈیمی۔ لاہور ۱۹۴۲ء
۵۔ لالۂ گل۔ مجموعۂ قطعات و رباعیات فیروز سنز لاہور ۱۹۴۳ء
۶۔ نغمۂ جاوید (بھگوت گیتا کا مکمل منظوم ترجمہ) راج محل پبلشرز جموں توی ۱۹۴۴ء
۷۔ اثر کے تنقیدی مضامین۔ نظامی پریس بدایوں ۱۹۵۶ء

کلام کے انتخابات مختلف حضرات نے شائع کئے۔ مثلاً نیاز صاحب فتحپوری نے "گلہائے جعفری" کے نام سے۔ انظامی بدایونی مرحوم نے "اثر کے ڈیڑھ سو نشتر" کے عنوان سے۔ مرحوم چونکہ ایک اخبار نویس ذوالقرنین کے مالک اور اڈیٹر تھے انہوں نے صرف ایسے اشعار انتخاب کئے تھے جو آج کل کے سیاسی حالات پر تمثیلاً روشنی ڈالتے تھے۔ اور وہ اپنے مضامین میں ان اشعار کو اس خوبی سے کھپاتے تھے کہ خود مجھے حیرت ہوتی تھی۔ کسانوں کی حمایت میں ایک مضمون تھا اس میں یہ شعر نقل کیا ہے

لٹ رہا ہے چمن اور آہ نہیں کر سکتے پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی مجبور نہیں

مرحوم نے ایک جدت یہ بھی کی تھی کہ پچاس مطلعے لئے تھے۔ پچاس درمیانی اشعار اور پچاس مقطعے۔ ایک انتخاب اقور ہانی نے بھی عرصہ ہوا شائع کیا تھا۔ کتنی ہی کتابیں اور ہیں جن کو طبع کرانے کی فکر ہے۔ دیکھئے جو نوبت آئے۔ کیونکہ عمر کی اس

منزل میں آگیا ہوں جس کو عام شاعروں کے برخلاف پیری کا رونا رونے کے بجائے اس طرح نظم کیا ہے ؎

دریا ہوں مگر ایسا دریا جو بحر کے نزدیک آ پہنچا

وہ جوش و روانی ختم ہوئی ہر شغل و علاقہ چھوٹ گیا

مجھ میں یہ سخت عیب ہے کہ اپنی طرف سے مراسلت میں پیش قدمی نہیں کرتا مگر خط کا جواب دینا فرض سمجھتا ہوں خط بھیجئے گا۔ تو انشاء اللہ جواب میں پہلو تہی نہ کروں گا۔

۵ر نومبر ۱۹۴۶ء کشمیری محلہ لکھنؤ۔ خاکسار اثر

مکتوب آل احمد سرور (۲۹) مکتوب الیہ خلیل الرحمٰن اعظمی

خلیل صاحب تسلیم

آپ نے مجھ سے مسلم یونیورسٹی گزٹ کے لئے ایک پیام مانگا ہے۔ چنانچہ یہ چند سطریں حاضر ہیں۔

نئے علی گڑھ کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ تحصیل علم کا ہے۔ ہمارے علمی اداروں میں تحصیل علم کی روایت دھندلی ہوتی جا رہی ہے۔ موجودہ دور کی بہاں فزس مشکلات نے ہنر کو علم کا نام دے رکھا ہے۔ ذہن کی تربیت اور شخصیت کی نشو و نما کے بجائے 'سرٹی فکیٹ' کو سب سے بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ علی گڑھ کے سرٹی فکٹ کے ساتھ علم کی لگن اور علم کا حیات بخش اور حیات افزا تصور بھی ہونا چاہئے۔ تعلیم کا مقصد روزی کمانے کے ساتھ انسانیت اور تہذیب کی مشعل کو بھی روشن رکھنا ہے اس بلند تصور کے لئے بڑے عزم اور ولولے اور بڑے استقلال اور پامردی کی ضرورت ہے

ہماری موجودہ یونیورسٹیاں، زندگی کی مقررہ شاہراہوں سے آشنا کرنے پر قانع ہوتی جاری رہی ہیں۔ یہ دور نئے راستے نئے تجربے، زندگی کے نئے امکانات، رہنمائی کی نئی نئی صورتیں چاہتا ہے۔ علی گڑھ اس منزل میں اسی وقت رہنمائی کر سکتا ہے جب ہمارے طالب علم اور ان کے سرپرست بیج بونے سے پہلے فصل کاٹنے پر اصرار نہ کریں۔ صبر، ریاض، خون جگر کی جتنی آج ضرورت تھی اتنی پہلے کبھی نہیں ہوئی۔

سرسید نے ہندوستان کے مسلمانوں کو جاگیردارانہ تمدن کی قدروں سے نکال کر مغربی تمدن اور اس کے ہمہ گیر پہلوؤں سے آشنا کرایا۔ یہ ایک تاریخی کارنامہ ہے۔ اب ایک دوسرا تاریخی موڑ ہمارے سامنے ہے۔ 'طرز کہن پہ اڑنا' اور آئین نو سے ڈرنا' زندہ قوموں کی پہچان نہیں ہے۔

آزاد ہندوستان اپنی قومی تہذیب کی بنیاد پر اپنے فکر و فن کی عمارتیں کھڑی کرنا چاہتا ہے۔ یہ غلط بات نہیں ہے۔ غلطی مغربی تہذیب کے ناقص، روایتی اور جذباتی تصور میں ہے، علی گڑھ ہندوستانی تہذیب کی صالح روایات پر اصرار کر کے جس میں اردو زبان و ادب کا سارا سرمایہ شامل ہے ہندوستان اور انسانیت کی ایک بڑی خدمت انجام دے سکتا ہے۔

آج ہمارے طالب علموں میں علم کی لگن مفقود ہو گئی ہے۔ ان کے یہاں ایسی بے یقینی اور بے دلی عام ہے جو کسی بڑے مقصد اور اعلیٰ جذبے سے متاثر نہیں ہوتی۔ یہ کھوئی ہوئی دولت واپس مل جائے تو ہمارا کارنامہ موجودہ دور میں کچھ کم تابناک نہ ہوگا۔

ہمارے اساتذہ وقت پر حکمرانی کے بجائے اس کے بہاؤ میں تنکے کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔ اچھے کالج کے لیے ضروری ہے کہ انہیں وہ آسانیاں اور سہولتیں مہیا کی جائیں کہ وہ اپنے تہذیبی اور ذہنی کاموں میں منہمک رہ سکیں۔
جذباتیت، تنگ نظری، پیر پرستی ہندوستان کے بہت بڑے مرض ہیں۔ عقلیت، وسعتِ قلب اور اصول پرستی سے ان کا علاج کیا جا سکتا ہے، مگر اصول ایسے نہ ہوں جو صرف اپنے فائدے کے لئے بنائے جائیں اور اپنے نقصان پر بدل دیئے جائیں۔

علی گڑھ ایک زمانے سے حکومت کے چشم و ابرو کو زیادہ دیکھتا رہا ہے۔ انہیں اس رجحان کو بدلنا ہے ہماری وفا ملک و قوم سے ہونا چاہیئے۔ حکومتیں آنی جانی چیز ہیں۔ ہندوستان کے جلوۂ صد رنگ میں علی گڑھ کی تہذیبی بہار بھی ... چیز ہے۔ اور آج نہیں تو کل ملک و قوم اس پر فخر کریں گے۔ نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پُر سوز اپنے حق کو ... علی گڑھ میں ایک نئی زندگی ابھر رہی ہے جس کی قوتوں سے ابھی ملک ناواقف ہے۔ علی گڑھ والوں کا فرض ہے کہ ذگوں کو گزٹ اور دوسرے ذرائع سے اس قوت سے آشنا کریں اور اسے محبوب و مقبول بنائیں۔

آل احمد سرور
لکھنؤ
۴ ستمبر ۱۹۵۰ء

دو ایک چھوٹے نوٹ بھی کچھ عرصے کے بعد آپ کو بھیجوں گا۔ سرور

(۳۰)

مکتوب مختار الدین احمد آرزو
مکتوب الیہ خلیل الرحمن اعظمی

خلیل صاحب مکرم سلام مسنون
"ہم نے کس رات نالہ سر نہ کیا" شاعر نے اپنا مافی الضمیر ادا کیا ہے۔ اس مصرع میں میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ کب یاد نہ آئے۔ سفر ہو یا حضر، مشرق ہو یا مغرب، قیام ہو یا قعود، آپ ہر جگہ یاد آتے رہے اور بہت یاد آتے رہے۔ دل چاہتا تھا کہ آپ ساتھ ہوتے تو یہ سفر کس قدر خوشگوار ہو جاتا۔
میں شرقِ اوسط کا دورہ کرتا ہوا ۷ اکتوبر کو لندن پہنچا۔ بغداد، بیروت، دمشق، قاہرہ ہر جگہ گیا۔ لوگوں سے ان کی باتیں سنیں، اپنی کہیں، بغداد اور قاہرہ، ہارون رشید اور ابن طولون والا بغداد اور قاہرہ نہیں ہے، یہ بالکل بدل گیا ہے اور آپ کو انگلستان اور امریکا کا کوئی بازار معلوم ہوگا۔ ان مقامات پر بعض لڑکیاں جو لباس پہنی ہوئی تھیں اس کے بارے میں کیا کہوں۔ وہ لباس کم تھا اور زیبائش زیادہ۔ اس میں اس قدر عریانی تھی جو میں نے لندن اور آکسفورڈ میں بھی نہیں دیکھی۔ مسلمان قوم تو بہت ذہین اور تیز رفتار قوم ہے نا، جس طرف قدم بڑھاتی ہے، اپنے راہبروں سے بھی آگے نکل جاتی ہے۔ عراق اور مصر میں غرباء اور فلاحین تو اپنے قومی لباس میں ہیں۔ بقیہ سب کے سب فرنگی لباس اور تہذیب میں لپٹے ہوئے ہیں۔ بیروت بہت خوبصورت جگہ ہے میرا قیام وہاں ایک بہت قیمتی ہوٹل میں غلطی سے ہو گیا تھا جس کی عمارت تقریباً ایک چوتھائی میڈیٹیرین (بحر متوسط) کے اندر واقع ہے۔ سمندر کی متلاطم موجیں میرے ہوٹل کی دیوار سے ٹکراتی تھیں اور پیچھے ہٹ جاتی تھیں۔ شام اور بھی خوبصورت ہوتی ہے، سامنے بندرگاہ کی روشنیاں بڑی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ دوسرے دن پاس ہی کے ایک دوسرے ہوٹل میں منتقل ہو گیا یہ بھی وہیں بحر متوسط کے ساحل پر واقع ہے ...

قیمتی نکلا۔ لیکن اب تو، چونکا تھا کب تک بیری بیرو لگاتا۔ بتا، ایک ۔ ن کا کرایہ ۳۰ لبنانی پونڈ (تقریباً ۳۔ اسٹرلنگ پونڈ سے زیادہ کا خرچ روزانہ تھا) عافیت کا یہ حال کہ ہر کمرے میں ٹیلیفون، یا ریڈیو نہیں، یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی، اندر ہوٹل کے لئے، چائے منگوانی ہو ٹیلیفون کر لیجئے، پان کی ضرورت ہو ٹیلیفون حاضر ہے۔ فوراً بیرا پانی لئے ہوئے آئے گا۔ بڑے بھی واللہ کیا بات بنا، مجھے ویٹر پر امبیسیڈر کا شبہ ہوتا تھا۔ میرے کمرے کا بیرا واقعی بیرا سے زیادہ سفیر معلوم ہوتا تھا۔ میں وقت بھی ٹیلیفون ہی سے پوچھتا تھا۔ یہاں وقت پوچھا۔ ایک لبنانی لڑکی کی خوبصورت آواز عربی میں آئی اور وقت بتا دیا، وہ جانتی تھی میں فرانسیسی نہیں جانتا اس لئے عربی بول لیتی تھی۔ یہاں فرانسیسی اثرات بہت ہیں، فرنچ چلے گئے لیکن اثرات اب بھی باقی ہیں۔ انگریزی سے کام چل جاتا ہے لیکن زیادہ نہیں۔ یہاں عربی بہت کام آئی۔

میرے ہوٹل PALM BEACH کے نیچے BAR تھا۔ مجھے یہ بات معلوم نہ تھی اس کا راستہ باہر سے تھا، دیکھا کہ شام سے موٹریں آنے لگیں اور لوگوں کا مجمع شروع ہوا۔ میں نے سمجھا کوئی پارٹی ہے، اندر زینے سے جا کر دیکھا کہ بہت سے لوگ بیٹھے ہیں، شراب کا دور چل رہا ہے، رقص جاری ہے، الٹے پاؤں اوپر آیا، اور پھر لفٹ کے ذریعہ اپنے کمرے میں۔

یہاں جن لوگوں سے ملاقات کی ان میں دو قابل ذکر ہیں، امریکن یونیورسٹی بیروت کے نائب صدر اور مشہور مستشرق ڈاکٹر زریق، یہ بہت مصروف تھے اس دن یونیورسٹی کھلی تھی اس لئے سینیٹ میں شریک ہونا تھا، لیکن جب ایک میٹنگ ختم کر کے وہ اپنے کمرے میں آئے تو ان کے سیکرٹری نے میرا ذکر کیا۔ فوراً بلا لیا اور بہت دیر تک باتیں کرتے رہے اور مشورے دیتے رہے۔ بعض اساتذہ سے بھی ملایا۔ ان کے یہاں کی لائبریری بہت خوبصورت ہے ایک پوری منزل زیر زمین ہے۔ اور مشرقی کتابوں کا بڑا اچھا ذخیرہ یہاں دیکھنے میں آیا۔

دوسرے صاحب محمد سلام تھے، یہ صائب سلام کے بھائی ہیں جو گزشتہ موقع پر لبنان کے وزیر اعظم تھے۔ مسلمانوں کے حقوق کے یہاں پر بھی بڑے علم بردار ہیں، پتا نہیں کتنے کالج اور مدارس مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کے لئے کھول رکھے ہیں انہوں نے۔

یہاں کا سکہ مجھے بہت پسند آیا المونیم کا ہوتا ہے اور بہت خوبصورت اور ہلکا انگلستان کا پنس نہایت بھاری اور بھدا، اسے جیب میں لئے پھرنا ایک مصیبت ہے۔ لندن پہنچا تو مفتی صاحب لینے کو موجود تھے، میں نے انہیں روم سے کیبل کر دیا تھا۔ علی گڑھ کے بہت سے لوگ ملے۔ انہوں نے کچھ ایسا کر رکھا ہے کہ کئی گھنٹہ تک ایسا معلوم ہوا جیسے میں لندن میں نہیں علی گڑھ میں ہوں۔ دوسری شب ڈاکٹر مشہود عالم صاحب نے کھانے پر بلایا۔ کھانا ہندوستانی تھا اور بہت لذیذ خود ہی ان لوگوں نے مل کر پکایا تھا۔ عزیز صاحب زولوجی کے بھی موجود تھے۔ سالم صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ وہ آپ کو پوچھ رہے تھے اور آپ سے بہت دل چسپی لے رہے تھے۔ موصوف سے ہر شخص یہاں شاکی نظر آتا ہے۔ اور ہر شخص ان سے ڈرا ہوا معلوم ہوا۔ لوگوں کو شکایت یہ ہے کہ وہ اچھی طرح نہیں ملے، واللہ اعلم شاید ملنے کی کوشش نہیں کی۔ ایک دن اورینٹل اسٹڈیز کی لائبریری میں بھی گیا تھا بہت خوبصورت عمارت ہے اور بہت اچھا انتظام، کتابیں زیادہ تر لڑکیاں نکال کر دیتی ہیں

اور وہی انتظام دیکھتی ہیں کیفے میں تو ہر جگہ لڑکیاں بھی آپ کو ملیں گی۔ ایک بار بڑا لطیفہ ہوا ایک مشہور کیلی آکسفرڈ کا ہے۔ ایک بار میں وہاں کافی پی۔ اتفاً ایک ویٹرس کافی بنا کر لائی اور شکر کی ڈلی ڈال کر اس نے سامنے بڑھائی۔ ابھی وہ واپس ہونے کے لئے اچھی طرح مڑی بھی نہیں تھی کہ مجھے بے اختیار ہنسی آگئی اور بہت زور سے ہنسا، وہ بڑی متحیر کہ معاملہ کیا ہے لوگ بھی حیران کہ بات کیا ہوئی۔ ہوا یہ کہ اس وقت پتا نہیں کہاں سے ہمارے رفتی صاحب یاد آگئے کہ وہ اس وقت ہوتے اور یہ دیا آتا کی لڑکی انہیں کافی بنا کر دیتی تو وہ ہزار ویٹرس سہی، لیکن وہ ضرور مسکرا کر کہتے: "ارے بھئی پہلے آپ لیجئے" آپ نے تو کافی پی ہی نہیں!"

یہ یونی ورسٹی واقعی بین الاقوامی یونی ورسٹی ہے، کہاں کہاں سے لوگ آئے ہوئے ہیں۔ خیر میں تو بہت کچھ لکھ گیا اب اپنی سنائیں اور علی گڑھ کے حالات تفصیل سے لکھئے 'مرے بعد مے خانہ پر کیا گذری' احوال غالب پر آپ نے مضمون لکھنے کو کہا تھا اور ایک مضمون آجکل کے لئے اس کا کیا ہوا۔ اب اپنا وعدہ پورا کیجئے اور جلد۔ اور ممنون ہوں گا اگر احوال غالب کے تبصروں کی نقل بھیج دیں تاکہ دوسری جلد کے گرد پوش پر درج کرایا جائے۔ امید آپ بہر حال بخیر ہوں گے اور مجھے بھولے نہ ہوں گے اور تفصیلی خط لکھتے رہیں گے۔ والسلام

آپ کا بھائی مختار الدین احمد

۸ر نومبر ۶۳ء

اعظمی صاحب کے لئے ایک غزل حاضر خدمت کرتا ہوں:

اس قدر بھی نہ ہم کو ایذا دو — رحم انساں پہ اے پری زادو
مرحبا رہروانِ کوچۂ یار — راہِ گلشن ہمیں بھی دکھلا دو
اے مقیمانِ کشورِ ہستی — آج کی شب ہمیں بھی یاں جا دو
خوب اگر میں برا ہوں اے خوباں — مجھ سے بہتر جہاں میں دکھلا دو
اے بتاں کب تلک یہ سنگ دلی — کچھ خدا کا بھی ڈر ہے جتلا دو
اے مری مرگ و زندگی میں تمہیں — کس کی خواہش ہے کچھ تو فرما دو
تم تسلی کا اک سخن پیارے — ناسمجھ دل کو میرے سمجھا دو
جیسے زلفوں کو اپنے سلجھایا — میرے دل کی گرہ بھی سلجھا دو
کل سے رونق گرفتہ دل ہے میاں — چل کے آج اسکے جی کو بہلا دو

دیوانِ رونق صہ ۳۲۰ کتب خانۂ بوڈلین آکسفرڈ، ذخیرۂ ایلیٹ: نمبر ۲۸۵

یہ غزل ایک گمنام شاعر میر غلام حیدر رونق کی ہے جن کا زمانہ بارھویں صدی ہجری کا معلوم ہوتا ہے، اُن کا دیوان بوڈلین میں دیکھ رہا تھا کہ اس غزل پہ نگاہ پڑی، مقطع پسند آیا، غزل نقل کرلی، اور اب آپ کو نقل کر کے بھیج رہا ہوں۔ تعجب نہیں کہ آپ کو زمین اور بحر پسند آجائے تو آپ کی بھی ایک غزل اس زمین میں تیار ہو جائے۔

مختار الدین احمد
آکسفرڈ

۸ر نومبر ۶۳ء

سید احتشام حسین (۳۱) مکتوب الیہ صمد شاہین

محترمی، تسلیم۔

"نیا دور" کا پہلا نمبر نظر نواز ہوا پھر آپ کا خط ملا۔ آپ کے اخبار مائی سوورین کے چند پرچے یہاں ایک صاحب کے پاس آئے تھے انہیں دیکھتے ہوئے آپ کے اس نئے رسالے کا اشتہار بھی دیکھا تھا غالباً اُس وقت اس کا نام کچھ اور تھا اِن باتوں کو بھول گیا تھا لیکن رسالے کی رنگینی اور جاذب نظری نے سب کچھ یاد دلا دیا۔ ترقی پسند ادب کا مستقبل روشن ہے کہ اسے ایسی جگہوں پر ایسے ذہین اور باشعور کام کرنے والے مل گئے ہیں جہاں اُردو کی زندگی ہی خطرے میں معلوم ہوتی ہے۔

میں نے رسالہ کو شروع سے آخر تک پڑھا۔ اِس کی ترتیب میں بے حد خوش سلیقگی کا اظہار ہوتا ہے۔ مضامین اور نظموں کا تنوع پہلی ہی نظر میں اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے اور مضامین کو سلسلہ وار پڑھتے وقت بھی یہ تنوع باقی رہتا ہے ایک رسالہ جو مختلف قسم کے مضامین کا مجموعہ ہوتا ہے شاید اس کی ترتیب میں اس خوبی کی جستجو کی جا سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ بنگلور میں اس سے زیادہ بہتر طباعت کا انتظام نہ ہو سکتا ہو گا ورنہ "نیا دور" شاید اس سے بہتر شائع ہوتا۔ ہاں ایک بات ٹائٹل پیج کے متعلق بھی کہنا چاہتا ہوں ـــــ نئے دور کا آفتاب اپنی سنہری کرنیں دنیا پر ڈال رہا ہے، ملوں کا دھواں صنعت و حرفت کی ترقی کا اظہار کر رہا ہے، زمین سرسبز ہے، پہاڑوں کی چوٹیاں سر اٹھائے ہوئے ہندوستانی قوم کی عظمت اور سربلندی کا پتہ دے رہی ہیں اور ایک آزاد طائر آزاد فضا میں سرخوشی کے عالم میں اُڑتا ہوا آزادی کی علامت سا معلوم ہونے لگتا ہے۔ لیکن اس رنگا رنگ سرورق میں نکلتے ہوئے سورج کی کرنیں کچھ جاپانی جھنڈے کی شکل سی اختیار کر لیتی ہیں "نکلتے ہوئے سورج" کے اس ملک سے ہم ہندوستانیوں کو کتنی نفرت ہے یہ کہنے کی بات نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ مماثلت بالکل اتفاقی ہے اور اُس پر دھیان دینا غیر ضروری حرف گیری ہے لیکن جی چاہتا ہے کہ اگر کسی طرح ٹائٹل پیج میں ترمیم ہو سکے تو کتنا اچھا ہو ـــــ

خیر یہ تو ایک یونہی سی بات ہے، اب جاپانیوں کے خیال سے ہم اپنی زندگی کے افق پر اُبھرتے ہوئے سورج سے منہ کیوں موڑیں! اگر رسالہ فاشسٹ دشمنی کا اظہار کر رہا ہو تو سرورق پر غور کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے پہلے ہی نمبر میں بعض کہنہ مشق ادیبوں کو اکٹھا کر لیا ہے اور جو ایک آدھ کسی قدر نئے نام ہیں وہ اس طرح نقارہ بجاتے ہوئے دھوم دھام سے داخل ہوئے ہیں کہ اُن کے مستقبل کو سوچ کر خوشی ہوتی ہے۔ میری مراد ممتاز شیریں صاحبہ اور آپ سے ہے۔ ممتاز شیریں صاحبہ کا طویل مضمون میں نے بڑی دلچسپی سے پڑھا اور مجھے موصوفہ کی وسیع النظری اور مطالعہ کی کثرت پر حیرت ہوتی ہے، پھر افسانہ نگاروں کا تجزیہ، اُن کے افسانوں کے متعلق پر خلوص اور ناقدانہ رائیں۔ یہ باتیں تو بہت دنوں میں آتی ہیں مگر افسانوں کے متعلق اس مضمون کو پڑھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن کی جگہ برسوں سے پرانے لکھنے والوں کے ساتھ نہیں ہے۔ آنگارہ کے کنٹری افسانہ کا ترجمہ بھی موصوفہ نے بہت شستہ اور رواں کیا ہے۔ آپ کا افسانہ بھی میرے لئے آپ کی پہلی اُردو تحریر ہے اور اس ابتداء کے ساتھ ایک اچھی انتہا کا تصور ذہن میں آتا ہے۔ آپ نے شادی کے پیچیدہ مسئلے کو پیچیدہ ہی شکل میں خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

باقی ماندہ مضامین تقریباً سب کے سب میرے پڑھے ہوئے ہیں۔ فیض کا مضمون تعریف سے بے نیاز ہے، کرشن چندر کی پُر خلوص تشریح مسئلہ کے ایک آدھ پہلو کو بالکل ہی چھوڑ جانے کے باوجود بہت اچھی ہے۔ منٹو کا افسانہ اور اشک

کا ڈرامہ دونوں "خاصہ" کی چیزیں ہیں۔ اِن نظموں کے انتخاب میں ابھی کافی ترقی کی گنجائش ہے۔ اگر مطبوعہ نظموں کا شامل کرنا درست ہے تو آپ کو اس سے بہتر نظمیں [illegible] دوسروں کی بجائے خود انہیں سے اجازت لی جا سکتی ہے۔

بہرحال مجموعی حیثیت سے "نیا دور" ایک کھلے ہوئے محاذ کی حیثیت سے مختلف الخیال ادیبوں کو جمع کرنے کا بہت اچھا آلہ معلوم ہوتا ہے۔ ترقی پسندی کے عام مفہوم کو سامنے رکھ کر جو لوگ بھی مخلصانہ انداز میں عوام کے بنیادی مسائل سے دلچسپی لیتے ہیں، تمدن کی برکتوں کو عام کرنا چاہتے ہیں، سارے انسانوں کے لئے آزادی اور ترقی کے خواہاں ہیں اُن سب کو شریک کیجئے۔ آپ نے "افتتاحیہ" میں اپنے مقاصد کی جو وضاحت کی ہے اُس سے قریب قریب مجھے اتفاق ہے۔

اپنے قلمی معاونوں میں مجھے بھی سمجھئے لیکن ادھر میری صحت کافی خراب ہے اِس لئے دو ایک مہینے کچھ نہ لکھ سکوں گا۔ فی الحال اگر آپ میرا کوئی مضمون چاہتے ہوں تو میرے مجموعۂ مضامین "تنقیدی جائزے" میں سے لے سکتے ہیں جو اس مہینے میں ادارۂ اشاعت اردو حیدرآباد دکن سے شائع ہوا ہے۔ اس میں مواد اور ہیئت پر ایک طویل مضمون ہے جو کہیں شائع بھی نہیں ہوا ہے اگر آپ چاہیں تو اُسے لے سکتے ہیں۔

میں نیا دور کی کامیابی کا دل سے خواہاں ہوں۔

مخلص سید احتشام حسین

۲۵ ستمبر [illegible]   لکھنؤ

مکتوب الیہ صمد شاہین

(۳۲)

مکتوب اختر حسین رائے پوری

مکرم بندہ۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ سے اپنی ندامت کا اظہار کس طرح کروں۔ آپ یقیناً مجھے بدتہذیب سمجھتے ہوں گے۔ کم از کم آپ کے متواتر تقاضوں کا جواب تو دینا ہی چاہیئے تھا۔ اس بدمزاجی کی وجہ کیا عرض کروں۔ کوئی دو ماہ والد صاحب کی علالت کی وجہ سے پریشان رہا۔ ابھی انہوں نے انتقال فرمایا تھا کہ بہار میں ہنگامہ ہوا۔ شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ میرا آبائی وطن پٹنہ ضلع ہے اس فساد میں [illegible] کا قتل [illegible] گھر بھی جل گیا۔ غرض ایک پریشانی ہو تو عرض کروں۔

میں نے مضمون کے لئے بڑی مشکل سے مواد جمع کیا ہے آپ جانتے ہیں کہ بنگلہ کی کتابیں کلکتہ سے ملتی ہیں اور پچھلے دنوں وہاں کا کاروبار [illegible] بند [illegible] کتابیں بڑی دقت سے بار بار ملیں۔ اب بھی مضمون تو لکھ دوں گا لیکن آپ کے رسالہ کا جو حرج ہوا اس کے [illegible] ذمہ دار ضرور رہوں۔ [illegible] میرا مضمون ایک [illegible] ہفتہ میں دہلی سے روانہ ہو سکے گا۔

یہ خط ممتاز شیریں کو بھی دکھلا دیں۔ میں واقعی بہت نادم ہوں۔

مخلص

اختر حسین

۱۱ دسمبر   ۴ - پارک ایریا۔ قرول باغ دہلی

مکتوب الیہا ممتاز شیریں

(۳۳)

مکتوب محمد حسن عسکری

مکرمی، آداب۔ کل آپ کا خط ملا۔ مجھے بڑی شرمندگی ہے کہ آپ کو انتظار کرنا پڑا ہے۔ میں اس زمانے میں عجیب و غریب حماقتوں میں مبتلا رہا ہوں۔ بہرحال آج ہی سروری صاحب کی کتاب [illegible] پر تبصرہ لکھ کے بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ

اسے شائع نہ کرنا چاہیں تو پھاڑ پھینکیں ۔ ایک مضمون ایک فرانسیسی اخبار سے ترجمہ کرکے بھیج رہا ہوں ۔ آپ شائع نہ کرنا چاہیں تو اسے بھی پھاڑ پھینکیں ۔ یہاں مجھے فرانسیسی اخبار اور رسالے کثرت سے دیکھنے کو مل جاتے ہیں ۔ ان میں ایسے عجیب و غریب مضمون ہوتے ہیں کہ انگریزی میں ان کا نام و نشان بھی نہیں ملتا ۔ ایسا لالچ ہوتا ہے کہ ان سب کا ترجمہ کر ڈالوں ۔ گو ہندوستان میں دلچسپی کسے ہے ۔ اگر آپ کبھی کبھی شائع کرنا پسند کریں تو آپ کو بھیج دیا کروں ۔ مثلاً آج کل امریکہ، فرانس، اٹلی سب جگہ یہ وبا پھیلی ہوئی ہے کہ فحش نگاری کے مقدمے چل رہے ہیں ۔ آج کل امریکہ کے ناول نگار HENRY MILLER پر فرانس میں مقدمہ چل رہا ہے ۔ اسے ایک TEST CASE سمجھا جا رہا ہے اور ادیبوں نے ان کے دفاع کے لئے ایک کمیٹی بنائی ہے تو MILLER کا ایک مضمون نکلا ہے جس میں انہوں نے OBSECENITY اور PRONO—GRAPHY کا فرق بتایا ہے ۔ اسے بھی ترجمہ کرنے کو جی چاہتا ہے ۔

آپ کا دیباچہ میں ابھی تک نہیں لکھ سکا ۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ جلدی میں گھسیٹ دوں ۔ بہرحال اب یہی شروع کرتا ہوں ۔ ابھی تو میں نے آپ کے بھیجے ہوئے افسانے پڑھے تک نہیں ۔ لیکن میری بے معنی مصروفیتوں کا علم ہو تو آپ مجھے معاف کر دیں گی ۔

اس خط پر پورے ٹکٹ نہیں لگا رہا ہوں تاکہ بیرنگ ہو کر آپ کو مل تو جائے ۔

شاید "ارمان" آپ کو ملا ہوگا ۔ اس رسالے کے اڈیٹر میرے بڑے دوست ہیں اگر ممکن ہو تو انہیں کوئی مضمون عنایت فرما دیں ۔

شاہین صاحب کو آداب ۔

خاکسار

محمد حسن عسکری

۱۶ر فروری [illegible] دہلی

(۳۴)

مکتوب شادانی — **مکتوب الیہا ممتاز شیریں**

عزیزہ من!

بیگانوں میں شاید اس طرح مخاطبت کا دستور نہیں مگر بات یہ ہے کہ میں آپ کو ایک بیگانہ سمجھ کر یہ خط نہیں لکھ رہا ہوں ۔ میرا خیال ہے کہ جو لوگ اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ سب ایک خاندان کے افراد ہیں اور اسی بنا پر میں نے آپ کو عزیزہ کہا اور ایسا ہی سمجھتا ہوں ۔ اتنی تمہید کافی ہے ۔ اب مطلب کی بات سنیئے ۔

جو لوگ یہاں کے حالات سے واقف ہیں ان سب کی متفقہ رائے یہی ہے کہ اس زمانے میں اردو زبان و ادب کی اشاعت جس درجہ مشرقی پاکستان میں ضروری ہے اتنی اور کہیں نہیں ۔ اس بنا پر میں نے اور میرے رفقا نے یہ تہیہ کیا ہے کہ آئندہ فروری سے اردو کا ایک اچھا اور معیاری ماہنامہ ڈھاکے سے جاری کیا جائے ۔ اس کا نام "خاور" ہوگا ۔ میری خواہش ہے کہ خاور کے پہلے نمبر کے لئے آپ ایک اچھا سا مختصر افسانہ لکھ دیں ۔ میں بھی ممنون ہوں گا اور اردو زبان پر بھی آپ کا احسان ہوگا ۔

خوش قسمتی سے یہاں خاصی تعداد میں پڑھے لکھے لوگ جمع ہو گئے ہیں جن کا تعاون مجھے حاصل رہے گا ۔ یہ لوگ "خاور" کے لئے اچھے سے اچھے تنقیدی تحقیقی اور دوسری قسم کے مقالات لکھیں گے لیکن افسانہ نگار ان میں کوئی نہیں ۔ کیا میں امید رکھوں کہ اس [illegible] خدمت میں آپ میرا ہاتھ بٹائیں گی ۔ جواب کا انتظار کروں گا ۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔ والسلام ۔ دعاگو ۔

شادانی

۸ر دسمبر ۱۹۵۱ء — ۱۳ ۔ نیل کھیت روڈ ۔ رمنا ۔ ڈھاکا ۔

مجھے آپ کا پتا معلوم نہیں اس لئے یہ خط عسکری صاحب کی معرفت بھیج رہا ہوں ۔ فقط ۔

(۳۵)

مکتوب سید امتیاز علی تاج — مکتوب الیہا بیگم فصیح اللہ

ہمشیرہ محترمہ، تسلیم

آپ کا گرامی نامہ مسز امتیاز علی کے نام پہنچا۔ وہ ان دنوں مدراس میں ہیں۔ معافی چاہتا ہوں کہ آپ کا گرامی نامہ جو ان کے نام تھا میں نے کھولا اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جب سے مسز امتیاز مدراس گئی ہیں۔ کئی بار ایسا ہو چکا ہے۔ کہ ان کے نام کوئی خط آیا اور میں نے بند کا بند پتہ تبدیل کر کے مدراس روانہ کر دیا۔ وہاں انہوں نے کھولا تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی ضروری بات دفتر کے متعلق تھی۔ چنانچہ مسز امتیاز نے خود مجھے لکھا۔ کہ ان کے نام کے خط میں یہاں کھول لیا کروں ان میں جو تعمیل طلب بات ہو۔ اس کی تعمیل کر دیا کروں۔ اور اس کے بعد خط بھیج دوں۔ ان حالات میں مجھے امید ہے کہ خط کھولنے پر آپ برا نہ مانیں گی۔ اور مجھے معاف فرما دیں گی۔

آپ نے مسز امتیاز کے لئے از راہِ محبت و نوازش آم ارسال فرمانے کا جو ارادہ کیا اس کے لئے دلی شکریہ قبول فرمایئے لیکن مدراس اتنی دور ہے کہ وہاں آموں کا اچھی حالت میں پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ بہرحال آپ کا گرامی نامہ میں انہیں بھیج دوں گا۔ اور اس سے انہیں آپ کے اس شیریں ارادے کا علم ہو جائے گا امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گی۔ بھائی فصیح صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیجئے۔

خاکسار:

سید امتیاز علی تاج

(۳۶)

مکتوب جناب جوش ملسیانی — مکتوب الیہ آغا محمد صادق صاحب

اخلاص پرور صادق صاحب زاد عنایتکم تسلیم

عنایت نامہ پہنچا۔ توجہات۔ حسنِ ظن اور یاد فرمائی کا بہت شکریہ۔ میں آپ کے پچھلے مکتوب کا جواب بھی لکھ چکا ہوں۔ تعجب ہے کہ وہ خط کیوں نہیں پہنچا۔ پاکستان میں اور بھی خطوط کے متعلق مجھے اسی قسم کی شکایت ہے انقلاباتِ زمانہ کے اثرات سے ملاقات کی صورت بلاشبہ موہوم ہو گئی ہے اور سردست اس مشکل کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ اس یاس انگیز عالم میں نصف الملاقات بھی لیا غنیمت ہے۔ میں آپ کی نیک دعاؤں کے اثر سے مع الخیر ہوں۔ عزیزی عرش بھی دہلی میں بخیریت سے ہیں۔ گزشتہ واقعات اور اس چنگیزی دور سے ادبی زندگی بھی برائے نام رہ گئی ہے۔ یہاں ہر طرح محفوظ رہنے کے باوجود دو نہایت قریبی رشتہ داروں کی تباہی و بربادی نے طبیعت کو بالکل افسردہ کر دیا ہے۔ یہی غنیمت ہے کہ وہ جانیں بچا کر ادھر پہنچ گئے ہیں۔ اب ان کی بے

سروسامانی سوہانِ روح ہو رہی ہے۔ آپ کے افکار متعلقہ حوادثِ گزشتہ پڑھنے کا شوق غالب ہے۔ عیش صاحب کے ساتھ ادبی محاذات کی تفصیل بھی ضرور لکھیے۔ فیروز پور کے ایک ادیب نے ان کی ایک غزل کے برخلاف تنقید بھی شائع کی ہے۔ اس تنقید میں معترض بہت حد تک حق بجانب نظر آتا ہے۔

میں نے آپ کو بارہا یاد کیا ہے۔ اور آپ کی خاموشی پر متحیر رہا ہوں۔ اب اس عنایت نامے سے بہت اطمینان ہوا۔ امید ہے کہ ترسیل و رسائل کا سلسلہ منقطع نہ ہوگا۔ موسمی تعطیلات میں کرتار ہی کو قیام گاہ تصور کرنا ناگزیر تھا۔ اس کے سوا اور جاتے تو کہاں جاتے۔ آپ کی رشتہ داریاں بھی غالباً مشرقی پنجاب ہی میں تھیں۔ ۱۵ مارچ کو دہلی کے مشاعرے میں شامل ہوں گا۔ یہ مشاعرہ رات کو براڈ کاسٹ بھی ہوگا۔ زیادہ اظہارِ خلوص و محبت۔

شکور، ضلع جالندھر یکم مارچ جوش ملسیانی

صرف ایک ہی خط اس سے پہلے یہاں پہنچا تھا۔ اس کا جواب لکھ دیا تھا۔

(۳۷)

مکتوب فیض احمد فیض — مکتوب الیہ چراغ حسن حسرت

حسرت صاحب قبلہ۔ آداب

آپ کا گرامی نامہ کافی دنوں سے آیا رکھا ہے" ایک زمانہ کے بعد کشائش دیدۂ دل کا کچھ سامان ہاتھ آیا اس لئے جواب کی کاوش کی بجائے خط اندوزی میں محو رہا خاص طور سے غنی و دانش کے یہ دو شعر بہت پسند آئے،

زبس کہ حسن فزود و غمش گداخت مرا
نہ من شناختم او را نہ او شناخت مرا

اور" آرزو با خوب لیکن اینقدر با خوب نیست"

پہلے شعر کا ایک جزو داغ نے بھی باندھا ہے لیکن اس شعر کے مقابلہ میں بہت پھیکا ہے غالباً آپ کو بھی یاد ہوگا۔

وہ روز روز ترقی پہ حسن ہے اُن کا
کہ صورت اُن کی مجھے بھول بھول جاتی ہے

گنا بیگم کے متعلق ایک عرصہ سے تجسس تھا۔ اس کے بارے میں مزید معلومات کا کہیں ذخیرہ ہو تو لکھیے گا، اس کا ایک شعر مجھے بھی یاد ہے،

کہاں تک لکھے جاؤں خط اس کو ہمدم
وہ جب بھولتے ہیں یونہی بھولتے ہیں

آپ نے جو غزلیات طوالت کے ڈر سے نہیں لکھیں وہ اب لکھ بھیجئے اور اپنی نئی کتابیں بھی بھیج دیجئے
(یہاں سے ایک سطر منسز آنیسہ نے کاٹ دی ہے)

ایک زمانے سے آرزو تھی کہ اردو شعرا کا کوئی ڈھب کا انتخاب مرتب ہو جائے۔ آج کل اسی کام میں مصروف ہوں، تھوڑا سا کیا ہے بہت سا باقی ہے۔ حال ہی میں میر و سودا کو دوبارہ استعجاب سے پڑھا جس سے شبہ ہونے لگا ہے کہ سودا میر سے بڑا شاعر تھا۔ یہ صحیح ہے کہ میر کے اچھے اشعار کی نظیر سودا کے ہاں نہیں ملتی لیکن سودا کے کلام کی عام سطح میر سے بلند ہے اور فنی وسترس میں میر ان سے یقیناً پیچھے ہیں۔

میں نے لغویات کا ایک نیا مجموعہ "دست صبا" کے نام سے چھپنے کے لئے بھیج دیا ہے افسوس کہ آپ لاہور میں نہیں ہیں ورنہ میں چاہتا تھا کہ آپ ایک نظر دیکھ لیتے۔ چار پانچ سال انگریزی اخبار میں سر مارنے سے جو تھوڑی بہت اردو آتی تھی وہ بھی بھول گئی ہے اس لئے ان منظومات میں ضرور بہت سی قباحتیں رہ گئی ہوں گی۔ آپ دیکھ لیتے تو کچھ صاف ہو جاتا۔

عید کے دن آپ نے لاہور کی طرف رخ کر کے نعرہ لگانے کو کہا ہے "یہاں تو عید شب برات کی قید نہیں" مستقل یہی کیفیت رہتی ہے اس کے اظہار میں ایک شعر میں نے بھی کہا تھا۔

یہ ضد ہے یادِ حریفانِ بادہ پیما کی
کہ شب کو چاند نہ نکلے نہ دن کو ابر آئے

اس وقت بے ساختہ مولانا عبدالباری آسی کی شرح غالب یاد آگئی جو غالب کے ہر شعر کی تشریح کے بعد لکھتے ہیں "میں نے بھی کہا ہے"

امید ہے آپ کا مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔

نیاز مند

فیض احمد فیض

(۳۸)

مکتوب ن۔م۔ راشد

مکتوب الیہا ممتاز شیریں

محترمہ تسلیمات۔

گرامی نامہ ملا "نیا دور" ابھی تک موصول نہیں ہوا۔ شاید اور ایک دو دن میں پہنچ جائے یہاں سے تبدیل ہو کر ۲ نومبر کو کراچی ریڈیو پاکستان ہیڈ کوارٹرز میں چارج لے رہا ہوں۔ اگر کراچی میں رہ کر "نیا دور" کی کوئی خدمت کر سکا تو مجھے بڑی خوشی ہوگی "نیا دور" کے ذریعے آپ بے حد مفید کام کر رہی ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہوں

باقی ہیں جن کے ساتھ اس قدر ذہنی ہم آہنگی کا احساس ہوا ہے جس قدر "نیا دور" سے۔

مخلص

راشد

ریڈیو پاکستان لاہور ۲۱ نومبر ۱۹۴۹ء

(۳۹)

مکتوب الیہ صمد شاہین

مکتوب کرشن چندر

عزیزی، تسلیم و نیاز۔

آپ کا خط مدت ہوئے ملا تھا۔ کئی روز کے بعد آپ کا بھیجا ہوا رجسٹرڈ پیکٹ ملا۔ ڈاکخانے والوں نے کھول لیا تھا۔ یا شاید ان سے یہ کھل گیا تھا۔ بہرحال نیا دور کی ایک جلد اور آپ کے مضامین بھی مجھے مل گئے۔ محترمہ ممتاز شیریں کا افسانہ "دیپا" ... "نیا دور" کی دوسری جلد میں شامل کر رہا ہوں۔
نیا دور کے لئے میں ضرور لکھوں گا۔ لیکن کچھ اور مہلت دیجئے۔ تیسری جلد کے لئے کوئی مضمون یا کہانی بھیج سکوں گا۔ اس رسالے کو آپ ایک سہ ماہی میں کیوں تبدیل نہیں کر دیتے۔ اس میں آپ ہندوستان کے تمام اردو رسالوں کے بہترین مضامین۔ افسانے۔ ڈرامے۔ نظمیں وغیرہ شامل کیجئے۔ اردو میں اب تک کوئی اچھا (LITERARY DIGEST) موجود نہیں۔ یا آپ اسے دو ماہی رکھئے۔ اس سے کام لیجئے جو مغرب میں (DIGEST) سے لیا جاتا ہے غالباً آپ کا ارادہ اسے نیو رائیٹنگ اور ڈائجسٹ کے بیچ کی چیز بنانے کا ہے؟ — ابھی میں نے رسالہ ختم نہیں کیا اس لئے مفصل رائے پھر لکھ بھیجوں گا۔ نظموں کا انتخاب خاص طور پر لائق تحسین ہے۔ حضرت حسرت موہانی کی غزل مقطع کے سوا ہر لحاظ سے مرصع ہے۔ خورشید اسلام کی نظم "انا" کی ایک دلچسپ تفسیر ہے۔ لیکن یہ ایک ایسی ذہنی واردات ہے کہ جس کی تخلیق غالباً عمر کے پچیس سال گزر جانے کے بعد نہیں ہو سکتی۔ آپ کی بیگم صاحبہ نے ۴۳ء کے افسانوی ادب کو بنظر غائر دیکھا ہے۔ یہ جائزہ ایک مستقل ادبی حیثیت رکھتا ہے۔ "مگر" کے بارے میں ان کی رائے کس قدر صحیح ہے۔ حیرت ہوتی ہے۔ جب میں نے افسانہ لکھا تھا۔ تو میں اس کے ٹکڑوں سے مطمئن نہ تھا۔ اسے بار بار دیکھنے اور پڑھنے کے بعد بھی میں ان دو ٹکڑوں سے غیر مطمئن ہی رہا لیکن اس کے باوجود میں اپنے افسانے میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کر سکا۔ شاید ہی ایسا ہوتا ہے کہ میں اپنے افسانے میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا کر سکوں جو ایک دفعہ لکھا جاتا ہے۔ لکھا جاتا ہے۔ اور بعد میں تصحیح کی بہت کم گنجائش رہتی ہے اور ذہن افسانے کی طرف سے غیر مطمئن رہتے ہوئے بھی یا کسی سقم کو محسوس کرتے ہوئے بھی کوئی تبدیلی گوارا نہیں کرتا۔ بقولے نہ عجیب مصیبت ہے! چند روز ہوئے اختر الایمان۔ وشوامتر عادل۔ مہندر ناتھ۔ مدھوسودن بمبئی سے

پرنار لیس کھیلنے کے لئے آتے تھے۔ تو میں نے انہیں "نیا دور" دکھایا۔ اور مدھوسودن اور مہندر ناتھ کو خاص طور سے محترمہ کا مضمون پڑھ کر سنایا۔ تاکہ عبرت ہو۔ اس سے نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوگا۔

جوش صاحب بمبئی گئے ہوئے تھے۔ پرسوں واپس آئے ہیں۔ ایک ماہ کے بعد "حرف آخر" کو مکمل کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔ میرے خیال میں "حرف آخر" جوش کے انداز بیان اور انداز فکر کی بہترین ترجمان ہوگی دیکھئے تاریخ کیا رائے قائم کرتی ہے؟

My Sonean کا مطالعہ برابر کرتا رہتا ہوں۔ اسے پڑھ کر مجھے اپنے کالج کا زمانہ یاد آجاتا ہے جب میں نے اور میرے ایک پروفیسر نے مل کر ایک ایسا ہی پرچہ انگریزی میں لاہور سے جاری کیا تھا۔ بڑی دلچسپ داستان ہے۔ پھر کبھی آپ کو سناؤں گا۔ مگر اس کہانی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں ابھی ایسے پرچے کامیاب نہیں ہوسکتے۔ نہ جانے آپ یہ پرچہ کس طرح چلا رہے ہیں۔

مخلص

کرشن چندر

(۴۰)

مکتوب عصمت چغتائی — مکتوب الیہ اختر انصاری

اختر صاحب۔ آداب

میری مدد کیجئے یعنی آپ کا کوئی نیا مضمون ہو تو مجھے دیجئے میں ایک رسالہ تاجوراً ایڈٹ کر رہی ہوں اس کی ذلت نہ ہوجائے۔ کوئی خاص ادبی چیز ہو۔ مجھے تو آپ کا نام چاہیئے پہلے پرچے کے لئے اگر کوئی نظم ہو تو وہی سہی۔ بھابی صاحبہ کو آداب بچوں کو پیار۔ بمبئی تو آپ آچکے۔

مضمون کب تک بھیجیں گے۔

خاکسار: عصمت

(۴۱)

مکتوب احمد علی — مکتوب الیہ صمد شاہین

مکرمی، تسلیم

آپ کا خط ملا۔ شکریہ۔ نہ معلوم بات کیا ہے کہ آپ کے بھیجے ہوئے پرچے مجھے نہیں ملے۔ نیا دور کے دو پرچے ضرور ملے تھے یعنی نمبر ا اور ۲-۳ اور ۴ نہیں ملے۔ ممکن ہے کہ دہلی گئے ہوں اور وہیں پڑے ہوں یا کسی اور صاحب نے لے لیئے۔ آپ نے لکھا ہے کہ نیا دور کے تیسرے نمبر میں بھی میری کوئی چیز شائع ہوئی

ہے۔ وہ کون سی؟ امید ہے کہ آپ نے انشا پریس دہلی سے اس کے شائع کرنے کی اجازت لے لی ہوگی۔ پچھلی مرتبہ "ہماری گلی" کے شائع ہونے پر وہ خوش نہیں تھے۔

میں نے عرصہ کے بعد ایک طویل افسانہ لکھا تھا وہ عنقریب انشا پریس دہلی سے الگ کتابی صورت میں شائع ہونے والا ہے اور کتاب باتصویر ہوگی۔ عنوان "موت سے پہلے" ہے اگر آپ ریویو کریں یا میرے افسانوں پر مجموعی طور سے ریویو میں شامل کریں تو انشا پریس کو لکھ کر بھجوا دوں گا اور کوئی چیز ادھر اردو میں نہیں لکھی۔ آج کل اردو شاعری پر انگریزی میں کام کر رہا تھا۔ اور ایک انتخاب کر کے انگریزی نظم میں ترجمہ کیا ہے۔ ولی سے لے کر داغ تک مشہور غزل گو شعرا کے کلام کا انتخاب ہے۔ ولایت جلد بھیجنے کا ارادہ ہے اگر اردو میں کوئی چیز لکھی تو ضرور خیال رکھوں گا۔

اگر ۴ یا ۵ اکتوبر سے پیشتر نیا دور کے دونوں پرچے یعنی نمبر ۳ اور ۴ یہاں بھیج دیں تو ممنون ہوں گا اس کے بعد کوئی مہینے بھر کے لئے دلی جانے کا ارادہ ہے

نیاز مند:

کلکتہ ۱۳ ستمبر ۱۹۴۵ء احمد علی

(۴۲)

مکتوب راجندر سنگھ بیدی — مکتوب الیہا ممتاز شیریں

محترمہ! آداب

منٹو میموریل کے سلسلے میں جو آپ کام کر رہی ہیں نہایت قابلِ تحسین ہے میں بھی چاہتا تھا کہ کوئی ایسا قدم اٹھاتے جس سے ہمارے عزیز مرحوم کے لواحقین کی کسی طرح مدد ہو۔ چنانچہ اس خیال کے پیش نظر میں نے کسی رسالے کے لئے مضمون نہیں لکھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اخبار رسالے والوں اور ناشروں کو منٹو کی وفات کا غم نہیں ہوا۔ لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر نے اس سانحہ کو پرچہ بیچنے کا ذریعہ بنا لیا۔ اور یہ بات بہت ہی افسوس کے قابل ہے جو کام کرنے لائق تھا وہ نہیں کیا۔ ایسی مایوس کن ہمدردی کے سلسلے میں مجھے ذوق کا شعر یاد آتا ہے

نگاہ دوست کچھ ایسی پھری ہے ہم بدنصیبوں سے
کہ اب تو جس کا جی چاہے وہی غمخوار ہو جائے

آپ یہ کتاب کب تک شائع کر رہی ہیں۔ کب تک میرا مضمون مل جانا چاہیئے اگرم کوٹ" تکمیل پا چکی۔ چل بھی چکی۔ اچھی رائے کے مالکوں نے اسے بے حد سراہا ہے لیکن چونکہ

ہمارے پروڈیوسروں نے عوام کے مذاق کو بگاڑ کر دیا ہے۔ اس لئے یہ تصویر مقبولِ عام نہ ہو سکی۔ جب کبھی میں اسے اپنی ہی کوتاہی سمجھتا ہوں، ان کا قصور نہیں گردانتا۔ فلم کو ENTERTAINMENT کا ذریعہ ہونا ہی پڑتا ہے۔

آپ نے نیا دور کے زمانے میں بے حد خوبصورت کام کیا ہے۔ اب بھی کسی ایسے ہی کام کی سبیل نکال لیں گے۔

زیادہ آداب۔ راجندر سنگھ بیدی

(۴۳)

مکتوب الیہا ممتاز شیریں

مکتوب غلام عباس

السلام علیکم۔ میں سخت نادم ہوں کہ اس سے قبل آپ کو خط نہیں [illegible] ہے کہ میں نے دل میں عہد کر رکھا تھا کہ خط بھی لکھوں گا جب افسانہ بھیجوں گا۔ اس سے افسانہ لکھنے کو ایک تحریک ہوگی مگر آپ کے خط نے مجھے اس عہد کو توڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جب سے لندن آیا ہوں، بی بی سی کے کاموں میں اس قدر منہمک رہا ہوں کہ ایک سطر تک نہیں لکھ سکا۔ میرے سارے احباب مجھ سے ناراض ہو گئے ہوں گے۔ اور غالباً آپ بھی اگر ایسا ہے تو ازراہِ کرم آپ مجھے معاف کر دیجئے۔ آپ کی ناراضی میرے لئے سخت تکلیف کا باعث ہے کیونکہ آپ نہ صرف میری عزیز و محترم دوست ہیں بلکہ محسن بھی۔

تین چار روز سے میں نے آپ کے لئے ایک چیز لکھنی شروع کی ہے۔ امید ہے کہ اس سال کے ختم ہونے سے پہلے پہلے میں اسے آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ خدا کرے کہ اب کے میں اس وعدے کو نبھا سکوں۔

لندن میں آکر مجھے زیادہ تر مایوسی ہی ہوئی۔ البتہ کتابوں کی بہتات ہے۔ اور کتابوں کے علاوہ صرف یہی ایک جاذبیت ہے جو مجھے لندن میں رہنے پر اکسا رہی ہے۔ ورنہ میں اب تک واپس آ گیا ہوتا۔

نیا دور کا پرچہ مل گیا تھا۔ بہت بہت شکریہ۔ یہاں بہت سے لوگوں نے اسے ذوق و شوق سے پڑھا۔ منیب الرحمٰن اکثر بی بی سی میں آتے رہتے ہیں۔ اور کام بھی کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل پتہ کی معرفت خط لکھیے انہیں مل جائے گا۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بلا تکلف لکھیے۔

بچوں کو بہت بہت پیار

والسلام غلام عباس

(۴۴)

مکتوب حیات اللہ انصاری — مکتوب الیہ صمد شاہین صاحب و جناب ممتاز شیریں صاحبہ

السلام علیکم

دیکھیے بات یہ ہوئی کہ میں نے آپ کا بھیجا ہوا نیا دور اس امید سے کھولا کہ اب اپنے دوستوں سے ملاقات ہوگی۔ لیکن منتخبہ اور پورا پڑھ کر معلوم ہوا کہ جن دوستوں سے ملاقات ہوئی ہے وہ کشمیر کی راہ سے آکر مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے دوستوں کو بھلا میں کیسے دوست سمجھوں! مجھے ان کا یہ رویہ دیکھ کر افسوس ہوا۔ میں نے کہا کہ بہتر ہے اس وقت تک ان سے الگ رہوں جب تک حالات ایسے نہ پیدا ہو جائیں کہ یہ اچھے دوست بن سکیں۔

میری رائے یہ ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ نیا دور ہندوستان کے مصنفوں اور ناظرین میں مقبول ہو تو اس قسم کے مضامین نہ لیں۔ سیاسیات سے اس کو الگ رکھیے۔ اگر آپ میری رائے سے اتفاق کرتے ہیں تو میرا افسانہ آپ شوق سے شائع کریں اور اس کے بعد آپ کا میں اور میرا آپ کے اوپر دوستانہ حق رہے گا۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کا قلم دشمن کی فوج کا سپاہی بن کر آئے اور اس پرچے میں برابر مانوں بلکہ اپنے قلم کو بھی اس فوج میں بھرتی کر دوں۔

میں سیاسی بحث سے بالکل الگ رہ کر آپ کو یہ رائے دیتا ہوں۔ اور اس رائے کی تجارتی قیمت بھی آپ محسوس کر سکتے ہیں۔ دونوں رسائل ہندوستان میں جگہ پا سکتے ہیں جو کم سے کم اس کے اقبالی دشمن نہ ہوں۔ وقتی سیلاب سے اپنا دامن بچانا بہادری بھی ہے اور انجام کار نفع بخش بھی۔

اس بے مانگے مشورے کا برا نہ مانئے گا۔ بات آپڑی تھی اس لیے میں نے کہہ دی۔

ہاں بھائی احمد علی کا پتہ کیا ہے؟ ان کو میرا سلام کہہ دیجیے گا۔ پتہ معلوم ہونے پر خط لکھوں گا۔

حیات اللہ

(۴۵)

مکتوب علی عباس حسینی — مکتوب الیہ صمد شاہین

حضرت مکرم۔ تسلیم

نیا دور بھی ملا اور گرامی نامہ بھی۔

کرشن چندر پر کم لکھنے کی شکایت سر آنکھوں پر۔ مگر ان ترقی پسند عناصر اربعہ — اشک، عصمت، عزیز احمد اور کرشن چندر — نے ابھی تک ناول کتنے لکھے ہیں۔ اور میری کتاب ہے "ناول نامہ" مجھے اس سے بحث نہیں کہ ناول کے علاوہ انہوں نے کیا لکھا ہے یا وہ کیسے لکھنے والے ہیں۔ مجھے تو انہیں بحیثیت ناول نگار ہی کے دیکھنا ہے۔ سوال کا ناول "شکست" میری نظر میں نہ تو "اس دور کا نمائندہ" ہے اور نہ "کامیاب ترین ناول"۔ اشک کا ناول اس

زیادہ کامیاب ہے اور سجاد ظہیر کا ناول "لندن کی ایک رات" بدرجہا بہتر ہے — بہرحال یہ اپنی اپنی پسند ہے اور اپنی اپنی رائے — ان حضرت کے ناولوں کے متعلق جو میری ایمانداری سے رائے تھی وہ میں نے ظاہر کر دی۔

میری یہ مراد نہیں کہ میں ان میں سے کسی کو بھی اعلیٰ درجہ کا انشا پرداز یا مصنف نہیں مانتا ہوں یہ سب اچھے لکھنے والے اور بہت اچھے لکھنے والے ہیں۔ اور مستقبل کا ادب ان کے دامنوں اور آنچلوں سے وابستہ ہے۔ میری عرض صرف اتنی ہے کہ اشک، عصمت و سجاد ظہیر و کرشن چندر نے بحیثیت ناول نویس کے کوئی ایسی جگہ ہمارے ادب میں نہیں حاصل کی ہے کہ ان کے متعلق، خواہ موافقت میں ہو یا مخالفت میں، دس بیس جملوں سے زیادہ لکھا جاسکے۔

نیا دور کا چوتھا نمبر بہت وزنی ہے۔ نظمیں زیادہ پسند نہ آئیں۔ سوائے قاضی نذرالاسلام اور شفیع منصور کی نظموں کے سب میں بلا کی یاسیت ہے۔ اور میں یاسیت کو ترقی پسندی اور نوجوان ترقی پسندی کی ضد سمجھتا ہوں۔ ایشیا ازل سے "تقدیر" کو رو رہا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کا اندازِ تکلم اور لب و لہجہ اب بدل دیا جائے — اسی لئے میں آپ کی وساطت سے حضرت یوسف ظفر سے عرض کروں گا کہ وہ اپنی نظم "ہمزاد" کی سرخی بدل دیں اور اس کا تیسرا بند اس سے نکال دیں۔ وہ ایک فلسفیانہ چیز تو یقیناً نہ رہے گی لیکن ایک ایسا نگینہ بن جائے گی جس میں نام کا بھی دھبہ نہ ہوا

حصہ نثر گرانبہا ہے۔ قاضی عبدالغفار کا قصہ پرانے ڈھنگ کا ہے مگر ایک ایک جملہ چنا تلا ہوا۔ ماسٹی کی سادگی میں بلا کی نشتریت ہے۔ آپ کا بھولے بھٹکے "جنگ سے فائدہ اٹھانے والے سرمایہ داروں کی اچھی تصویر ہے اور راودھا کرشن کا "ایک لاکھ ستانوے ہزار آٹھ سو اٹھاسی" ادب و تاریخ و طنز کا ایک غیر فانی امتزاج!

— رہیں ممتاز شیریں اور ان کا ۱۹۴۷ء کا افسانوی ادب" تو حضرت ان کی محنت و کاوش کی داد نہیں دی جا سکتی۔ انہوں نے رطب و یابس سب کچھ پڑھ ڈالا ہے۔ بلا کی جانفشانی کی ہے۔ اندازِ نگارش و انتقاد بھی گو غیر پختہ ہے مگر خوب ہے — لیکن ایک بات کھٹکتی ہے۔ وہ اپنی اردو میں جا بجا انگریزی کے پیوند لگاتی ہیں یہ انگریزی دانی کا مظاہرہ نہیں ہے بلکہ اردو میں اظہارِ مدعا کی بے بسی کا — اگر یہ واقعہ ہے تو بطور مدیر کے یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ ایسے مقامات کو اردو کا جامہ پہنا دیا کریں۔ اور ان کے اس طرح کے مضامین کو جو وسعتِ مطالعہ عمیق نظر اور جگر کاوی کے حامل ہوں، خالص اردو والوں کے لئے خارزار بننے سے بچالیں اردو کے ایک پرانے خادم کی طرف سے ممتاز شیریں صاحبہ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کر دیجئے گا — وہ مستقبل قریب ہی میں اردو کے صفِ اوّل کے ناقدوں میں شمار کی جانے لگیں گی! نیا دور آپ جس سلیقے سے نکال رہے ہیں وہ صد درجہ قابلِ ستائش ہے۔ ہر نمبر صوری و معنوی دونوں حیثیتوں سے بیش بہا اور گرانمایہ ہوتا ہے۔ خدا کرے یہ استقلال سے جاری رہے!

علی عباس حسینی

رسول پور، بارہ بنکی ۱۳ ستمبر ۱۹۴۸ء

مکتوب خواجہ احمد عباس (۴۶) مکتوب الیہا ممتاز شیریں

محترمہ تسلیم

آپ کا نوازش نامہ پھرتا پھراتا یہاں پہنچا۔ سیاسی لیڈروں کی کانفرنس جو یہاں ہو رہی ہے اس کی وجہ سے جواب دینے کی مہلت نہ ملی۔ آج سخت بارش ہو رہی ہے۔ کانفرنس کے ٹھکانے پر جانا مشکل ہے۔ اس لئے موقع غنیمت جان کر آپ کے خط کا جواب دینے بیٹھا ہوں۔

آپ کو "چڑھاؤ اتار" پسند آیا۔ یہ معلوم کر کے ازحد خوشی ہوئی۔ کیونکہ "نیا دور" میں آپ کا تنقیدی مضمون پچھلے سال کے افسانوں پر پڑھ کر آپ کی ناقدانہ نظر کا کافی رعب چھایا ہوا تھا۔ یعنی افسانہ لکھتے وقت اکثر یہ خیال گزرتا تھا "دیکھیں ممتاز شیریں صاحبہ اس کو کتنے نمبر دیتی ہیں"۔ مجھے آپ کے تمام VERDICTS اور آپ کی تمام ناقدانہ قدروں سے مکمل اتفاق نہیں ہے۔ مگر آپ کی تنقید کے خلوص اور آپ کی قابلیت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اسی لئے میں آپ کی رائے کی اتنی قدر کرتا ہوں۔ "چڑھاؤ اتار" کے لئے جو تعریفی الفاظ آپ نے استعمال کئے ہیں ان کا شکریہ۔ یہ افسانہ خود مجھے بھی کافی پسند ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر لکھنے والے کو تو اپنی ہر چیز پسند ہوتی ہے! ۔ ۔ ۔ ۔ یہ میری افسانہ نویسی کے دوسرے دور کی پیداوار ہے اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ "ایک لڑکی" والے افسانوں کے مقابلے میں اس کی پختگی اور روانی زیادہ پائی جاتی ہے مگر BASICALLY افسانوں (بلکہ تمام ادب اور آرٹ) کے متعلق میرا نظریہ وہی پرانا ہے۔ یعنی واقعیت اور اصلیت کی تصویر کشی۔ اس کو اکثر دوست میرے جرنلسٹ ہونے پر محمول کرتے ہیں۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ بہر حال جب درجنوں چوٹی کے افسانہ نگار دل اور دماغ سے افسانہ نکالتے ہیں تو کیا حرج ہے کہ ایک معمولی درجے کا افسانہ نگار اصلی واقعات میں اپنی کہانیوں کا مواد تلاش کرے۔ "چڑھاؤ اتار" تو خیر میرے اپنے کشمیر کے کئی سفروں کے جذباتی تجربے (یعنی اوپر جاتے وقت شگفتگی اور رومانیت کا محسوس ہونا اور اترتے وقت کوفت اور DEPRESSION) پر مبنی ہے۔ جس کو میں نے ایک فرضی کہانی کے رنگ میں پیش کیا ہے ورنہ پچھلے چند سال میں میری اکثر کہانیاں اور ڈرامے بالکل اصلی واقعات پر مبنی ہیں مثلاً "ایک پائلی چاول"۔ بمبئی میں ایک عورت نے واقعی اناج کی دکان میں بے ہوش ہو کر بچہ جنا۔ رپورٹ اخباروں میں شائع ہوئی۔ میں نے تخیل کا رنگ دے کر اس کو افسانہ بنا دیا۔ آپ کو اس کا CLIMAX غیر واقعی (UNKEEL) یا کم از کم UNUSUAL اور ACC.DENTAL معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس ماحول، اس دور کا تو خیال کیجئے جس میں ہم اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ جنگ۔ بمباری۔ راشننگ۔ بنگال میں لاکھوں کی موت۔ سڑکوں کے کنارے لاشیں۔ کتے اور انسان ایک جھوٹے پتّل کی خاطر لڑتے ہوئے۔ اناج کی دکان کے آگے میل بھر لمبی قطاریں۔ کیا یہ سب چند سال ہوئے ہمارے وہم و گمان میں آسکتی تھیں؟ اس لحاظ سے "ایک پائلی چاول" کی پیدائش کا عجیب و غریب ACCIDENT اس عجیب و غریب دور اور اس FANTASTIC ماحول کی ترجمانی کرتا ہے۔ جس میں ہم رہتے ہیں۔ اب اسے آپ جرنلزم سمجھئے۔ ادب سمجھئے۔ آرٹ سمجھئے یا نہ سمجھئے۔

میں اس کو ایک جائز اور ضروری ادبی خدمت سمجھتا ہوں۔ میرے ڈرامے "زبیدہ" کا پلاٹ (یعنی ایک پردہ دار مسلمان عورت کا پردہ چھوڑنا اور اپنے شوہر والوں کی خدمت میں جان دینا) بھی اخبار کے کالم سے "چرایا" ہوا ہے اور حال ہی میں میں نے پانچ چھوٹے چھوٹے افسانے VICTORY DAY پر لکھے ہیں جو "نیا ادب" میں شائع ہو رہے ہیں۔ یہ سب کے سب بھی ایک TOPICAL اور اخباری رنگ میں لکھے گئے ہیں مگر پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ ان میں "افسانویت" کا ضروری جزو موجود ہے۔ ایک اخبار نویس اپنے مخصوص تجربے کو افسانوی ادب کی خدمت کے لئے استعمال کر رہا ہے!

اس سلسلے میں ایک شکایت مجھے اکثر افسانہ نویسوں سے ہے۔ جہاں تک زبان کا اور کردار نگاری کا تعلق ہے وہ باکمال ہیں اور میں ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا۔ مگر ان کے افسانوں میں مجھے "افسانویت" یعنی STORY VALUE نہیں ملتی۔ کیریکٹر سکیچ کہہ لیجئے۔ فلسفیانہ تخیلات کی ایک زنجیر کہہ لیجئے "مگر ہوا کیا؟" جو کہانی کو کہانی بناتا ہے بالکل غائب۔ یہ ضروری نہیں کہ کہانی میں پرانی قسم کا پلاٹ ہو مگر کہانی میں کوئی نہ کوئی افسانوی جھٹکا، کوئی TWIST، کوئی CLIMAX ہونا چاہئے SOMTHING MUST HAPPEN! — چیکوف، موپاساں، او ہنری۔ افسانوی ادب کے ہر ممتاز نمائندے کے ہاں یہ چیز ضرور ملے گی۔ مگر ہمارے ہاں کہانی، مضمون، سکیچ ان میں حدِ فاصل ہی باقی نہیں رہی۔ ابھی میں عسکری کا افسانہ "مرا مجادی" پڑھ رہا تھا۔ کیا بلا کی کردار نگاری ہے۔ کیا روانی ہے۔ کیا خوبصورت زبان ہے "مگر پھر ہوا کیا؟" میرا دماغ اخیر وقت تک یہی سوال کرتا رہا۔ اور کچھ بھی نہ ہوا۔ یعنی افسانہ افسانہ نہ بنا۔ ممکن ہے یہ نظریہ صرف میرا ہی ہو۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ افسانے میں پلان یا —— STRUCTURE ہونا عام طور سے ہندوستان میں افسانوی کمزوری سمجھی جاتی ہے۔

خیر چھوڑیئے اس بحث کو۔ آپ سمجھیں گی میں اپنے افسانوں کی کمزوریوں کو DEFEND کر رہا ہوں۔ مگر واقعہ یہ نہیں ہے۔ میں اپنی کمزوریوں کو خوب سمجھتا ہوں۔ میرے افسانوں میں (سوائے چند کے) گہرائی، جزویات (DETAILS) اور بے ساختہ روانی کی کمی ہے۔ مگر یہ میرے ادبی "کچے پن" کا ثبوت ہیں نہ کہ میرے اخبار نویس ہونے کا۔ نہ اس کا کہ "میں کچھ کہہ کر جلدی سے آگے بڑھ جانا چاہتا ہوں" اور نہ اس کا کہ افسانوں میں اصلی واقعات کا کوئی دخل نہ ہونا چاہئے!۔

مدت سے "نیا دور" کے لئے افسانہ بھیجنا چاہتا ہوں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ سال بھر میں چند افسانے ہی لکھے جاتے ہیں۔ ایک "نئے زاویے" میں قید ہو جاتا ہے۔ ایک دو "ادب لطیف" کی نذر ہوتے ہیں اور باقی "نیا ادب" کی۔ حال میں ایک افسانہ "پاؤں میں پھول" (جس کا ۳/۴ حصہ سوائے افسانوی کلائمکس کے واقعہ ہے) لکھا تھا۔ خیال تھا "نیا دور" میں بھیجوں گا۔ کہ "چمنستان" کے ایڈیٹر آغا سرخوش بمبئی آئے اور اپنے سالنامے کے لئے اصرار کر کے لے گئے۔ مجھے یہ افسانہ بہت پسند ہے۔ شاید آپ کو بھی ناپسند نہ ہو۔ بہر حال اگر آپ اسے "نیا دور" کے کسی اگلے شمارے میں REPRODUCE کر سکیں تو بہت اچھا ہو کیونکہ "چمنستان" کی اشاعت بہت ہی محدود ہے۔

ستمبر یا اکتوبر میں اردو ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس حیدر آباد میں ہو رہی ہے۔ بمبئی سے فوج کی فوج آ رہی ہے۔ کرشن چندر۔ سجاد ظہیر۔ سردار جعفری۔ مہندر ناتھ۔ بلراج ساہنی۔ شیلا بھاٹیہ۔ وشوامتر عادل۔ شاید جوش اور ساغر بھی وغیرہ۔ میں ارادہ کر رہا ہوں۔ کیا یہ امید رکھیں کہ آپ سے اس موقعہ پر ملاقات ہو سکے گی؟

آپ کے خط کا پھر بہت بہت شکریہ! اپنی لکھی ہوئی چیز کی تعریف پڑھ کر کون خوش نہیں ہوتا۔ اور جب یہ تعریف ایسی ہستی سے کی ہو جو ایک قابل ناقد اور خود حساس افسانہ نگار ہو تو پھر اس سے بڑھ کر ادبی محنت کا کیا انعام ہو سکتا ہے؟

۲۹ رجون [illegible]　(شملہ)　　　　آپ کا مخلص (خواجہ) احمد عباس

صمد صاحب اور "نیا دور" کے دیگر احباب کو سلام اور حیدر آباد میں آنے کی دعوت۔

جواب میرے بمبئی کے پتے پر دیں۔ میں جولائی کے پہلے ہفتے میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔

SAMUDRA TARENG, CADDEL ROAD, BOMBAY 28.

(۴۷)

مکتوب احمد ندیم قاسمی　　　　　　مکتوب الیہ اختر انصاری

برادرِ مکرم، السلام علیکم۔

نہایت شرمندہ ہوں کہ آپ کے نامۂ گرامی کا جواب ایک قابلِ اعتراض تاخیر کے بعد عرض کر رہا ہوں۔ دراصل خود میری ناسازئ طبع اور اس کے بعد میرے برادرِ بزرگ کی خطرناک علالت اس تاخیر کی وجوہات ہیں، طالبِ درگذر ہوں۔

اگر بھائی اکرام قمر نے آپ کو یہ لکھا کہ میں آپ سے ناراض ہوں، تو یہ کسی غلط فہمی پر مبنی تھا۔ یہ ممکن ہے کہ اکرام صاحب کے سامنے میں نے اس نوع کا ذکر کیا ہو، اور انہوں نے نسبتاً "شدید" معانی نکالے ہوں، آپ کی شرافت اور صاف دلی کا معترف ہوں، اور اپنے محترم مخلص دوستوں سے ناراض ہونا گناہ سمجھتا ہوں، ساتھ ہی ڈائری میں جو چند سطور آپ نے سپردِ قلم فرمائی ہیں۔ ان کے متعلق معمولی سا دوستانہ شکوہ کیا جا سکتا ہے، ناراضی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، بہرصورت اس قصے کو چھوڑیئے،

آپ کی شاعری، افسانہ نگاری اور تنقید نگاری اردو ادب میں یقیناً اساسی حیثیت رکھتی ہیں، میں زمان دنوں سے آپ کا اسمِ گرامی سن رہا ہوں، جب شعر کہنے کا شعور تک نہ تھا، ہمارے ترقی پسند حضرات کی یہ خامی یقیناً تخریبی اور جانبدارانہ ہے، کہ وہ ان لوگوں کے کام کو فراموش کر بیٹھتے ہیں، جنہوں نے نئے ادب کے ایوان کی دیواریں اٹھائیں، نہ جانے کیا سبب ہے کہ وہ چھت کی آئینہ رنگ چکا چوند پر ریجھ جاتے ہیں، اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہ چھت ان دیواروں کے سہارے کھڑی ہے، اور یہ پرانے معمار ابھی تک زندہ ہیں، شاید آپ کو اس لئے نظر انداز کیا جا رہا ہے کہ آپ کی شاعری وجدان کے بعید ترین گوشوں کو چھو آتی ہے، اور نئے شعرا میں سے اکثر حضرات خیال کو صورت پر، اور پھر صورت کو الفاظ پر اور اس کے بعد نام نہاد حقیقت پر اور حقیقت کو خالی خولی شہوانی انداز کی جنسیات پر اور جنسیات کی صحیح صورت کو فن کے "بناؤ سنگار" پر قربان کر دیتے ہیں، اور کامیاب کسی میں بھی نہیں ہوتے، مجھے

یقین ہے کہ موجودہ دور کے اکثر شعراء دس پندرہ برس کے اندر ادبی حیثیت سے مر جائیں گے صرف اگر ہمارے پڑھنے والوں کے ذہنوں میں صحیح ادبی شعور نے جڑ پکڑ لی۔

لیکن میں استدعا کروں گا کہ آپ اردو سے ناامید نہ ہوں، آپ کے پاس سچی شاعری کے گہر ہائے بے بہا ہیں انہیں اگر اپنے دل و دماغ میں چھپائے رکھیں گے تو یہ سرمایہ دارانہ حرکت ہوگی، آپ لکھتے چلے جائیے۔ اپنے کام کی حیثیت تسلیم کرائے بغیر لکھتے چلے جائیے، میرا یقین ہے کہ وقت مجبور ہو کر آپ کی حیثیت کو تسلیم کرے گا۔ سچا ادب نقاد کا محتاج نہیں۔

میری صحت میں بدستور افاقہ ہو رہا ہے، انشاءاللہ دسمبر جنوری تک لاہور واپس جانے کے قابل ہو جاؤں گا۔ "فلستان" کے لئے بھائی سعادت حسن (منٹو) مجھے مجبور کرتے رہے ہیں، مگر فی الحال میں نے پختہ ارادہ نہیں کیا۔

ادب لطیف کی ادارت اپریل ہی میں چھوڑ دی تھی۔

سنا ہے "آبگینے" کا نیا ایڈیشن شائع ہوا ہے، خدا جانے کہاں سے!

امید ہے آپ بخیر ہوں گے، مجھے ہمیشہ اپنے قریب سمجھئے۔ والسلام

۲۸ اکتوبر ۱۹۴۵ء - انگہ تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا (پنجاب)	آپ کا احمد ندیم

(۴۸)

مکتوب الیہا ممتاز شیریں — **مکتوب نگار اوپندر ناتھ اشک**

محترم بہن، تسلیم

آپ کا پہلا خط بھی ملا تھا اور دوسرا بھی، ابھی جب میں اس کا جواب دے رہا تھا، مل گیا۔ مشکور ہوں۔

میری صحت پہلے سے بہتر ہے، لیکن ابھی ڈاکٹر آٹھ دس ماہ اور یہیں رہنے کا مشورہ دیتے ہیں، اور میرا یہ حال کہ میرے پاس ایک ماہ کا بھی خرچ نہیں، وہ رشتے دار، جو کچھ مدد کر سکتے تھے، لاہور میں تباہ ہو گئے۔ اور اب خود مدد کے محتاج ہیں۔ آٹھ دس ہزار روپیہ پچھلے دو برس میں کمایا تھا، سو کس ایک برس کی بیماری اور بیکاری میں خرچ کر چکا ہوں، سنتا ہوں۔ یو۔پی گورنمنٹ نے ہندی کے لئے میری خدمات کے پیش نظر دو سو روپیہ مہینہ دو برس کے لئے دینا منظور کیا ہے اگر وہاں سے روپیہ آنا شروع ہو گیا تو کچھ کتابوں کی رائلٹی سے اور کچھ نئے افسانے وغیرہ لکھ کر (ہندی میں آج کل ایک افسانے کے ۵۰ روپیہ مل جاتے ہیں) میں سوچتا ہوں کہ آٹھ دس ماہ نکالوں ورنہ الہ آباد چلا جاؤں گا۔

میں فسادات سے متعلق ایک افسانہ لکھ تو رہا ہوں، اگر وقت پر ختم ہو گیا اور کچھ تسلی بخش بن گیا تو ضرور "نیا دور" میں بھیج دوں گا۔ ورنہ آپ سمجھ لیجئے گا کہ اچھا نہیں لکھا گیا۔ در اصل افسانہ ہو یا ڈرامہ، اس کی ٹیک ٹیک کے بارے میں میرا اپنا ایک نقطہ نظر ہے، جب تک مجھے کوئی چیز خود تسلی بخش نہیں لگتی، خواہ دوسرے کتنا بھی اسے پسند کیوں نہ کریں میں اسے کبھی پریس میں نہیں بھیجتا۔ اس کے علاوہ مجھ میں URGE تو بے حد زیادہ ہے لیکن شاید

GENIUS کی کمی ہے۔ ایک ہی بیٹھک میں کبھی کوئی چیز ختم نہیں کر پاتا۔ مجھے چیزیں لکھنے میں ضرورت سے زیادہ وقت لگ جاتا ہے۔ شاید آپ کو یقین نہ آئے لیکن "قید حیات" تین برس میں لکھا گیا۔ اور اس طویل عرصے میں سات بار میں اسے لکھا۔ کئی بار کم محنت بھی کرنی پڑتی ہے اور کئی بار اتنی محنت کے باوجود بھی چیز اچھی نہیں بنتی۔ یہ سب اس لئے لکھ رہا ہوں کہ آپ میری مجبوری کو سمجھ لیں۔ اگر افسانہ حسب خواہش ختم ہو گیا۔ تو ضرور آپ کو بھیج دوں گا میں اکیلا آدمی ہوں 'کوشلیا گھر کے' بچے کے 'اور میری تیمارداری کے کاموں میں لگی رہتی ہے۔ اور جہاں تک ادب کا تعلق ہے سوا کبھی کوئی مضمون ٹائپ کر دینے کے میری زیادہ مدد نہیں کر سکتی۔ اور مجھے دن کو چار گھنٹے جبری آرام کرنا پڑتا ہے اور رات کو ساڑھے نو کے بعد سونا پڑتا ہے۔ اس لئے میری رفتار بہت کم ہے۔ پھر بھی میں نے لکھنا شروع کر دیا ہے۔ ختم ہوا تو آپ کو پہنچ جائے گا نہ ہوا تو میں امید کرتا ہوں میری بیماری کے پیش نظر آپ معاف کر دیں گی۔

ازلی راستے کی کاپیاں آگئی ہیں۔ گرد پوش کے بغیر — میں ایک آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ کتاب اچھی نہیں چھپی میری بیماری کا فائدہ اٹھا کر پبلشر نے اسے نہایت ذلیل کاغذ لگایا ہے۔ لیکن ڈرامے فرسٹ ریٹ ہیں۔ آپ یقیناً پسند کریں گی۔ ریویو کی چنداں ضرورت نہیں، کر سکیں تو خود ہی کر دیجئے گا، ورنہ جانے دیجئے۔ میں کسی کو جانتا نہیں جو اس پر ریویو کر سکے۔ خود لکھ کر بھیجنا مجھے پسند نہیں۔ سید احتشام حسین کچھ کر سکتے ہیں۔ لیکن نہ تو ان سے میرا تعارف ہے اور نہ ان کا پتہ ہی مجھے معلوم ہے۔ اگر آپ کو ان کا موجودہ پتہ ہو تو مجھے لکھئے گا۔ ذاتی طور پر تو میں اتنا جانتا ہوں کہ اردو کے نام نہاد ڈرامے کے نقاد ڈرامہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ اگر کوئی ان ڈراموں کو عام ناظر کی نظر سے پڑھ کر ان پر کچھ لکھ سکے تو بہتر ہو گا۔ اگر نیا دور میں لکھیں تو آپ ہی لکھیں، ورنہ ریویو کی بات چھوڑیں۔ پڑھ کر اپنے تاثر لکھئے گا۔ کچھ ڈرامے تو آپ نے پڑھے ہی ہوں گے لیکن چھٹا بیٹا نیا ڈرامہ ہے۔ اور اگرچہ ۱۹۴۰ء میں لکھا تھا لیکن مجھے اب بھی بے حد پسند ہے۔ انسان کی کبھی نہ پوری ہونے والی آرزو' (ماں کا یہ خیال کہ جو پانچ بیٹے نہیں کر سکے وہ چھٹا بیٹا کر دے گا) اور بربادِ زندگی کے سمبل کے طور پر میں اسے کامیاب تخلیق سمجھتا ہوں۔ بہرحال آپ اور شاہین اپنی رائے دیجئے گا۔

کراچی جا کر اپنا پتہ دیجئے گا۔ اور شاہین کی خدمت میں میرا اسلام دیجئے گا۔

۱۶ر جنوری ۱۹۵۸ء محمد ناڈس۔ بی بلاک پنج گنی (ستارہ) آپ کا اوپندر ناتھ اشک

P.S آپ نے "طوفان سے پہلے" پسند کیا، اس کے لئے مشکور ہوں۔ وہی ڈرامہ میری بیماری کا باعث بنا۔ میں اسے ڈائریکٹ بھی کر رہا تھا۔ اور اس میں ایکٹ بھی۔ زیادہ EXERTION اور سردی لگ جانے کے باعث پانچ ماہ پہلے بیمار پڑ گیا اور اب تک بیمار ہوں۔ اس کی تعریف — تو ہمیں اردو کیا اور ہندی کیا، تعریف بارہا گٹ بندی میں بھلا ہے۔ جن لوگوں کی آنکھوں میں ڈرامے کو سنتے وقت آنسو تھے وہ بھی جب ذکر کرتے ہیں تو دوسرے ڈراموں کا ہی۔

'ازلی راستے' الگ رجسٹرڈ پیکٹ سے ارسال ہے اگر ممکن ہو تو کہیں اس کی اشاعت کا اعلان کر دیجئے۔

"قید حیات" بھی چھپ گیا ہے۔ ابھی کوئی کاپی نہیں آئی۔ آتے ہی ارسال کروں گا۔

ممتاز مفتی (۴۹) **مکتوب الیہا ممتاز شیریں**

محترمہ۔

آپ کا خط ملا۔ مجھے آپ کو جان کر بے حد خوشی ہوئی۔ اس لئے کہ میری طرح آپ کا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا۔ آپ کہیں گی یہ فقرہ نئے دور سے چوری کیا گیا ہے۔ میں کہوں گا "وہ کردار" باجی سے چوری کیا گیا ہے۔ جھگڑا بڑھا تو شاہین صاحب کو منصف بنایا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ میری طرف داری کریں گے۔ اس لئے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ مجھ پیچیدی کا الزام نہ لگائیں۔ رہی بات آپ کا کچھ پتہ نہ چلنے کی تو دیکھ لیجئے کبھی آپ مجھے خط نہیں لکھتیں! اور کبھی خط لکھ دیتی ہیں!!! آپ کی لکھائی چھپائی مجھے ناپسند ہے۔ اور نقد و نظر کا حصہ پھیکا ہے۔ پھیکا اور کھوکھلا۔ انداز تحریر میں رسمی وقار ہے اور بس قصہ ختم۔ اور آپ کی وہ نظم "—— کے نام"!! پھر آپ مجھ سے کہتی ہیں من گھڑت قصے نہ لکھا کرو!!! مانا کہ نفس کشی اور صبر اچھی خصوصیات ہیں لیکن کوئی کہاں تک بات کو دل میں دبا رکھے۔

نئے دور کے لئے کہانی طلب کرنا غلطی ہے۔ میرا مطلب ہے تمہید باندھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر اور جب بھی آپ چاہیں ۱۵ دن کی مہلت اور ایک خط۔ بس۔ اگر میں کوشش کروں تو ایک "تحریری جھنجھوڑ" جھوٹ موٹ کی ہو۔ سچی نہیں۔

یہ رسالہ بازی کی بیماری عام ہوتی جا رہی ہے۔ ممکن ہے میں بھی اس کی لپیٹ میں آ جاؤں اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو پرچے کا نام ہوگا فلمان (بے معنی)۔ کوشش کی جائے گی کہ ادب سے کنارہ کش رہیں۔ صرف فلم کا رونا روئیں۔ ملک حسیب احمد۔ فکر تونسوی اور ممتاز مفتی۔ مدیر ہوں گے۔ اور ممتاز شاہین مضمون نگار ہونگی اگر یہ پرچہ حقیقت کی شکل اختیار کر سکا تو وہ نئے دور کو تقویت دینے کی کوشش کریگا۔ ایڈیٹران آپ کے پرچے کے معاون ہوں گے۔ بات طے ہونے پر آپ کو اطلاع دی جائے گی۔

اب رہی بات انحراف زدہ کرداروں کی تو میں آپ سے کہہ دوں کہ آج تک میں کسی NORMAL کردار سے نہیں ملا۔ میرا تجربہ ہے کہ NORMAL محض ایک خیالی چیز ہے۔ ممکن ہے غلط ہو۔ بہر حال میں کوشش کروں گا کہ آئندہ سے سوشل چیزیں لکھوں۔

فوٹو —— امید ہے بھیج سکوں گا۔

اشتہار کا شکریہ ادا کرنے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن آپ کہیں گی "رسمی بات"۔

میں نے کہا آپ کے شاہین صاحب خط لکھنے سے ہچکچاتے ہیں کیا۔ آج تک صرف ایک پوسٹ کارڈ لکھا ہے انہوں نے۔ انہیں میرا سلام دیجئے اور کہئے۔ ایک ایسے مشہور جریدہ کے ایڈیٹر کو ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ میرا مطلب ہے۔ دقت یہ ہے کہ میں اپنا مطلب واضح کرنا جانتا ہی نہیں۔ یہ ہے ان لوگوں کا حال جنہیں آپ ادیب کہتے ہیں۔

آپ کہئے؟

۲۷ نومبر ۱۹۴۶ء بازار۔ اچھرہ۔ لاہور

ممتاز مفتی۔

مکتوب بلونت سنگھ (۵۰) مکتوب الیہا ممتاز شیریں

ڈیئری جی۔

گرامی نامہ ملا۔ شکریہ۔ یقیناً میرے لئے خوشی کا مقام ہے کہ آپ کو میری کہانی "لمحے" پسند آئی۔ چندن کے سالنامے میں "گرینڈ ہوٹل" اور شاہراہ ۲ میں "دیپلے ۴۸" شائع ہو چکی ہیں۔ اگر آپ کی نظر سے گزریں تو اپنی قیمتی رائے سے مطلع فرمائیے گا۔

نیا دور کے لئے ایک طویل مختصر افسانہ لکھ رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ بہت جلد آپ کی خدمت میں ارسال کر سکوں گا۔ حالاتِ زندگی کے متعلق گزارش ہے کہ جناب فکر تونسوی میرا کریکٹر اسکیچ لکھ رہے ہیں۔ اس مضمون میں ہر فن پر بحث نہیں ہو گی۔ اس سلسلے میں میں نے انہیں معلومات بہم پہنچائی تھیں۔ چناں چہ اب میں نے انہیں خط لکھا ہے کہ میرا اعمال نامہ واپس بھیج دیں تاکہ آپ کے کام آئے ـــــ منتظر ہوں، ورنہ از سرِنو لکھ کر آپ کو بھیج دوں گا۔ میری زندگی کا مختصر سا خاکہ بشیر ہندی کی مرتب کردہ کتاب "میرا پسندیدہ افسانہ" میں شائع ہوا تھا اگر وہ حاصل ہو جائے تو خوب ہو۔

صمد صاحب کی خدمت میں آداب۔

۷ رمئی ۴۹ء (دہلی) بندہ بلونت سنگھ

مکتوب عزیز احمد (۵۱) مکتوب الیہا ممتاز شیریں

محترمہ۔ تسلیمات۔

گرامی نامہ کا بہت بہت شکریہ۔ میں نے فراق صاحب کو لکھ دیا ہے کہ ان کی نظموں پر جو ریویو میں نے لکھا ہے وہ آپ لوگ "نیا دور" میں شائع کر رہے ہیں۔

آپ نے مجھ سے "نیا دور" نمبر ۵ اور اس سے پہلے کے نمبروں کے متعلق رائے دریافت کی ہے میرے خیال میں "نیا ادب" بمبئی کے بعد ترقی پسند ادب کی نمائندگی آپ کے رسالے سے بہتر اور کوئی ادبی مجلہ نہیں کرتا۔ ساقی کا معیار اب سوقیانہ ہو گیا ہے، اور "ادبِ لطیف" کا معیار بھی غالباً اس کے اڈیٹروں کی تاجرانہ ذہنیت کی وجہ سے گرتا جاتا ہے۔ اس لئے ایک ایسے رسالے کی بڑی سخت ضرورت تھی جس کی زمام سلجھے ہوئے ذہن کے نوجوانوں کے ہاتھ میں ہو۔ میرے خیال میں بڑی ضرورت اس کی ہے کہ آپ اس رسالے کو ماہوار کر دیں۔

نمبر ۵ کا تنقیدی حصہ بہت اچھا ہے۔ احتشام کا مضمون اقبال پر بہت اچھا ہے۔ جزئیات میں مجھے ان سے اختلاف ہے اور میں نے اس مضمون کے متعلق انہیں ایک بہت تفصیلی خط لکھا ہے۔ اسی طرح عطا محمد صاحب کا مضمون فراق کی تنقید وں پر اچھے معیار کا ہے، اور بہت سی تنقیدی خوبیوں کا حامل ہے۔ میرے خیال میں وہ فراق کی تنقیدی خصوصیات کو جانچنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ سروری صاحب میرے پرانے استاد ہیں۔ اور جدید اردو شاعری ان کا خاص موضوع ہے۔ ظفر علی خاں کے متعلق ان کا مضمون دلچسپ ہے جلی عباس

حسینی صاحب کے مضمون میں البتہ مجھے ذرا اصلیت معلوم ہوتی ہے۔ مجھے اور کرشن چندر دونوں کو انہوں نے "جنس نگاری" کی بنا پر ملزم ٹھہرایا ہے۔ مجھے تو اس الزام سے انکار نہیں مگر بچارے کرشن چندر پہ یہ الزام لگانا ذرا زیادتی ہے۔ انہوں نے قیصی رامپوری کی طرف بہت زیادہ توجہ کی ہے، جن کا نام شاید کوئی اردو مؤرخ اپنی کتاب میں شامل بھی نہ کرنا چاہے، اور کرشن چندر کو صرف ایک چھوٹے سے پیراگراف میں ختم کر دیا ہے۔ اپنی حد تک مجھے ان سے یہ بھی شکایت ہے کہ غالباً انہوں نے "گریز" کو یہ مضمون لکھتے وقت نہیں پڑھا تھا حالانکہ اس کا نام انہوں نے لے دیا ہے۔

اس مجموعے میں جو افسانے ہیں ان میں قرۃ العین حیدر کا "ہم لوگ" مجھے بہت پسند آیا۔ قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں پیکرڈ اور بوک وغیرہ ضرورت سے زیادہ ہوتی ہیں اور شاید ہی ان کے افسانے کسی گوشے سے "ترقی پسند" (بجز ایک طرح منفی معنوں کے) قرار دیئے جائیں مگر اس لڑکی میں اپنے خاص ماحول کی زندگی کے مشاہدے اور اس کے بیان کی ایسی خداداد صلاحیت ہے جو میرے خیال میں ہندوستانی ہی کیا بہت کم نوجوان مغربی خاتون افسانہ نگاروں میں ہوگی۔ اس تبدیلی کے دور میں CONVENT کی پڑھی ہوئی لڑکی کی تصویر سے اردو ادب خالی ہی رہ جاتا اگر قرۃ العین حیدر نے اس کی مصوری نہ کی ہوتی۔

اس کے بعد مدھوسوان کا افسانہ ہے۔ مدھوسوان کے افسانوں کا ماحول اگرچہ دلچسپ ہے مگر ذرا محدود سا ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ افسانہ جو نمبرہ میں شامل ہے، اس ذہنی جنسی گورکھ دھندے کی ابتدا ہے۔ اور سمندر اور تین کمرے انتہا۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے افسانے دلچسپ ہیں اور ان میں زندگی ہے۔

مہندر ناتھ کے اور امرت رائے کے افسانے میں بجز پروپاگنڈا کے اور کچھ نہیں۔ ان کے موضوع اور طرز خیال سے ظاہر ہے۔ ہر روشن خیال آدمی کو ہمدردی ہوگی، لیکن بہرحال "زندگی" سے یہ دونوں افسانے خالی ہیں۔ ان میں کوئی واقعہ نہیں کوئی روئداد نہیں، کوئی کردار سے البادی اور ٹھوس نہیں۔ سرلا دیوی کے "کلنک" میں پھر تھوڑی بہت جان ہے۔

نظموں میں مجھے احمد ندیم قاسمی کی "عزم و عمل" خصوصیت سے پسند آئی۔ وہ اگر رومانی افسانے لکھنا چھوڑ کے نظم ہی کی طرف توجہ کریں تو ممکن ہے کہ ان کا نام باقی رہ جائے۔

بحیثیت مجموعی جیسے کہ میں کہہ چکا ہوں "نیا دور" کا معیار بہت اچھا ہے۔ خدا مستقبل میں اسے اور ترقی دے۔

شاہین صاحب کو سلام

۲۹ر نومبر ۱۹۴۴ء معرفت بیلارشا حیدرآباد دکن مخلص عزیز احمد

مکرر۔ امید ہے کہ "گریز" اور "ترقی پسند ادب" پر نمبر ۶ میں آپ یا شاہین صاحب ریویو فرمائیں گے

(۵۲)

مکتوب قرۃ العین حیدر — مکتوب الیہا ممتاز شیریں

اے بھائی ممتاز شیریں۔

بعد دعاؤں و تسلیمات فدویانہ کے واضح ہو کہ میں خیریت سے ہوں اور خیریت آپ کی مع اہل و میاں خداوند کریم

سے نیک مطلوب ہے۔ دیگر احوال یہ ہے کہ پچھلے ہفتے آنا اس کمترین ناچیز کا طرف کوئٹے کے ہو گیا جہاں اس خاکسار کا ارادہ رہنے کا چار دن تلک ہے۔ موسم ابھی سے بہت خنک ہے۔ اور مقام یہ بہت سرسبز و شاداب ہے۔ چاروں طرف پھلوں پھولوں کی کثرت دیکھ کر آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے اور مقابلے میں کراچی کے یہ مقام بہت نفیس معلوم ہوتا ہے اور قدرت اُس پاک پروردگار کی یاد آتی ہے جس نے بلوچستان کے ان چٹیل پہاڑوں میں اس وادی کو پیدا کیا۔ برف گرنے سے پہلے پہلے ارادہ ہے کہ زیارت کی سیر کر آویں جو یہاں سے ستر میل کے فاصلے پر چھوٹا سا ایک ہل اسٹیشن ہے۔ جہاں قائداعظم پچھلے سال رہے تھے۔

دیگر یہ کہ یہاں بھائی احمد ندیم قاسمی صاحب بھی جلوہ افروز تھے لیکن ہمارے آنے سے قبل ہی وہ روانہ طرف لاہور کے ہو گئے۔ جس کی وجہ سے نیاز ان سے نہ حاصل ہو سکا۔ جس کا از حد قلق اس ناچیز کو ہے۔

دیگر یہ کہ نیا دور آپ اس خاکسار کو اگر اوپر کے پتے پر ارسال فرمادیں تو دعائے خیر سے یہ ناچیز مع جملہ متعلقین کے یاد کرے گا۔

دیگر یہ کہ باقی سب خیریت ہے۔ خدا حافظ۔ فقط

۲۳ اگست ۱۹۴۹ء

اپنی عفی عنہا

(۵۴)

مکتوب الیہا بیگم فصیح اللہ خاں

مکتوب جناب امتیاز علی

پیاری بہن۔

محبت نامہ پہنچا شکریہ۔ آپ اتنی جلدی نینی تال سے اتر رہی ہیں؟ نینی تال حسین تو ہے مگر گیلی گیلی جگہ ہے اس لئے میں زیادہ پسند نہیں کرتی نسبتاً شملہ کو پسند کرتی ہوں۔ مسوری باوجود بارشوں کے دلچسپ بہت ہے اس دفعہ مسوری جا رہی تھی۔ کوٹھیوں کے نقشے بھی منگوائے تھے کہ ڈاکٹر نے کہا کہ کشمیر جائیے۔ وہاں کی اور دو کوٹھیوں کو لکھا جن میں پہلے رہ چکی تھی کہ اب ڈاکٹر کا خیال ہوا کہ میں سمندری مقام پر جاؤں تو میرے لئے مفید ہوگا۔ چنانچہ انشاء اللہ اب ۳۱ جولائی کو کراچی جا رہی ہوں نومبر تک کے لئے۔ وہاں سے بمبئی پونا بڑودہ ہوتے ہوئے واپس آؤں گی۔

آپ کی محبت کا شکریہ۔ مگر آموں کی تکلیف کا خیال نہ کیجئے۔ آخر گذشتہ سال آپ نے پارسل بھیجا ہی تھا۔ اب اس دفعہ بھیجیں گی تو مجھے بہت ہی شرم آئے گی۔ اس لئے منع کرتی ہوں اور تکلف کی تو ضرورت بھی نہیں ہے۔ آپ نے بھیجنے کا خیال کیا اور میں نے شکریہ ادا کیا بات وہی ہوئی۔

ہاں کہئے نینی تال میں کیا کیا؟ اس دفعہ گرمی لاہور میں غیر معمولی پڑی اور میں جون میں اتنی دیر تک لاہور میں کبھی نہیں رہی اس دفعہ یاسمین کو چونکہ سکول میں داخل کرا یا تھا اس لئے اس کی چھٹیوں کا انتظار کر رہی تھی۔ اب ۲۷ کو چھٹیاں شروع ہو رہی ہیں۔

مسز ہاشمی کے نام ضمیر صاحب کا خط آیا تھا جس میں لکھا تھا کہ وقت آنے پر آپ کا خاص خیال رکھا جائے گا۔

یاسمین آپ کو یاد کرتی ہے۔

امید کہ آپ خوش اور تندرست ہوں گی۔

۳ رجون ۱۹۵۶ء ۳ بہاول پور روڈ۔ لاہور آپ کی ——

آپ کے نواب اور بیگم صاحبہ تو مسوری ہیں۔ وہاں اور کئی دوست ہیں، اور کئی جا رہے ہیں۔ دل بہت چاہتا ہے کہ وہیں جاؤں پر وہاں میری صحت کچھ اچھی نہیں رہتی گذشتہ سال ۸ پونڈ گھٹ گئی تھی۔

مکتوب نگار ہاجرہ مسرور (۵۴) مکتوب الیہ نصیر الدین ہاشمی

مخدوم و محترم۔ تسلیم و نیاز۔

آپ کا شفقت نامہ کل مجھے موصول ہوا۔ آپ کی اس توجہ اور مہربانی کی بیحد ممنون ہوں۔ آپ نے اپنے گرامی نامے میں مجھے کافی شرمندہ کیا ہے۔ میں کیا اور میری ادبی خدمات کیا۔ ہاں یہ آرزو ضرور ہے کہ واقعی سنجیدگی سے اردو افسانے کی تعمیر میں حصہ لوں۔ اور اپنے بزرگ آزاد خیال ادیبوں اور نقادوں کے سامنے سرخرو ہوں۔

"نقوش" کانفرنس کے موقع پر شائع نہ ہو سکا اس کا بیحد قلق ہے۔ "نقوش" کی ضمانت کا جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا بہر حال پہلا شمارہ لکھا پڑا ہے۔ امید ہے کہ دو ایک ہفتے کے اندر یہ آپ کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔ امید ہے کہ آپ اپنی گرامی قدر رائے اور مشوروں سے مطلع فرمائیں گے۔ ساتھ ہی اردو کے مستقبل کے بارے میں مفصل اظہار رائے بھی۔

ندیم بھائی آپ کے وعدے سے بہت خوش ہیں او۔ وہ بہت بہت سلام عرض کرتے ہیں۔ ہم آپ کے گرانقدر مقالے کے منتظر رہیں گے۔ بہت بے چینی سے "نقوش" کی پالیسی ترقی پسندانہ ہے۔ (ہر آزاد مملکت کے ادب کو ترقی پسند ہونا لازمی ہے) مگر ہم خام سستی ترقی پسندی سے منکر ہیں۔ ہم اعلےٰ درجے کا ادب پیش کریں گے۔ اور اپنے مخالف بزرگوں کو بتائیں گے کہ دراصل ترقی پسند ادب کیا ہے۔ ہم انشاء اللہ اپنے بزرگوں کو ساتھ لے کر چلیں گے اور کام کریں گے اور وقت کے تقاضوں کا ساتھ دیں گے۔

خدیجہ بہن سلام عرض کرتی ہیں۔

ہمیں آپ کے مفصل گرامی نامے کا انتظار رہے گا۔ امید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے۔

دو تین دن سے لاہور بھی خدا گرم ہو رہا ہے۔ سنتے ہیں یہاں گرمی بہت پڑتی ہے۔ اس خیال سے جان نکل رہی ہے۔ والسلام

۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء ادارہ "فروغ اردو" لاہور نیازمند ہاجرہ مسرور

مکتوب نگار خدیجہ مستور (۵۵) مکتوب الیہا ممتاز شیریں

ڈیر شیریں بہن تسلیم۔

کئی دن ہوئے آپ کا لفافہ موصول ہوا تھا اس سے قبل وہ کارڈ بھی موصول ہوئے تھے جس میں افسانے کی پہلی بار کی رسید تھی بہت بہت شکریہ!

اپنے زیرِ ترتیب مجموعے میں آپ "لمحی" ضرور شامل کر سکتی ہیں۔ لیکن یہ افسانہ میری کتاب "بوچھار" میں بھی ہے۔ جس کے دائمی حقوق دے چکی ہوں۔ اس لئے آپ کو میرے ناشر چودھری رشید احمد صاحب مکتبۂ جدید سے اجازت لینا ہوگی۔ میں بھی انہیں خط لکھ دوں گی کہ وہ آپ کو اس افسانے کی اجازت ضرور دے دیں۔

ہاجرہ مسرور کا جو افسانہ آپ کو پسند ہو لے لیجئے مگر میری رائے یہ ہے کہ آپ ان کے کچھ نئے افسانوں کا انتظار کیجئے۔ یہ وہ افسانے ہیں جو انہوں نے ادبی دنیا سے کنارہ کشی کرنے سے قبل لکھے تھے۔ اب وہ شائع ہوں گے۔ "سرگوشیاں" "پیچھے چوری" "بھالو" اور "تاریک دھرتی" یہ سب بہت اچھے افسانے ہیں۔ "تاریک دھرتی" تو خصوصیت سے۔ یہ افسانہ انہوں نے ۱۶ راگست ۱۹۴۶ء کے راست اقدام والے دن سے متاثر ہو کر لکھا ہے اس میں نہ صرف فسادات کا ذکر ہے بلکہ قحطِ بنگال اور جہازیوں کی ہڑتال کے واقعات بھی بڑی خوبصورتی سے پیش کئے ہیں۔ یہ افسانہ غالباً "سویرا" لاہور میں شائع ہوگا۔ سرگوشیاں بھی غالباً آپ کو بہت پسند آئے گا۔ کم از کم یہ افسانہ مجھے تو بہت اچھا لگا۔ یہ افسانہ "ادبِ لطیف" لاہور میں شائع ہوگا۔ ویسے اگر آپ "آپ ہی کی دنیا کا ذکر ہے" لینا چاہتی ہیں تو لے لیجئے۔ مگر ہاجرہ نے اپنی نئی کتاب کے مجموعے کی ترتیب کے سلسلے میں اس افسانے میں تھوڑا سا رد و بدل کر دیا ہے۔ اس صورت میں لیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔

مختصر حالاتِ زندگی اور تصویروں کی شاید آپ کو جلدی نہ ہوگی۔ کیونکہ فسادات کی وجہ سے حالات ایسے ہو رہے ہیں کہ لاہور کا کوئی ناشر فی الحال اشاعتی کام نہیں کر رہا ہے۔ دوسرے ہم لوگ بھی کافی پریشان ہیں۔ شاید آپ کو اخبارات سے معلوم ہوتا رہتا ہوگا۔ کہ بھڑکی ہوئی آگ کی لپیٹ میں یو پی بھی آگیا ہے۔ خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ جن سے یہ ہولی کھیلی گئی وہ تو ٹھنڈے ٹھنڈے سدھار گئے۔ مگر جن سے ابھی نہیں کھیلی گئی وہ اس درجہ پریشان کہ ذہن مفلوج ہوئے جاتے ہیں۔ ہم لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں سے اپنی فیملی کو لاہور میں تبدیل کر دیں مگر سفر بھی کچھ کم خطرناک نہیں۔ ہوائی اڈوں تک پر حملہ کرنے سے نہیں چوکا جا رہا ہے۔ بہرحال ارادہ یہی ہے کہ کسی طرح یہاں سے بچ کر نکل جائیں۔ لکھنؤ کی حالت بھی اچھی نہیں۔ کہا نہیں جا سکتا کہ کس وقت فساد شروع ہو جائے۔ طبیعت بیحد پریشان ہے۔ ایسی حالت میں کچھ لکھنا پڑھنا بڑا مشکل کام ہے۔ بہرحال مجھے امید ہے کہ آپ کو سوانح حیات کا زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے گا۔ اور اگر دیر ہو جائے تو معاف کر دیجئے گا۔ ہاجرہ مسرور اچھی ہیں۔ اور آپ کو اور شاہین صاحب کو سلام کہتی ہیں۔ میرا بھی سلام کہیئے گا۔ امید ہے کہ آپ دونوں بعافیت ہوں گے۔

۱۲ ستمبر ۱۹۴۷ء معرفت ایم علی صدیقی جوہرائی ٹولہ۔ لکھنؤ۔ کمترین خدیجہ مستور

مکتوب تسنیم سلیم چھتاری (۵۶) مکتوب الیہ اختر انصاری

کل شام مجھے آپ کا خط ملا۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں!

آپ نے اپنے متعلق جو کچھ تحریر کیا اس کا مجھے آپ کے اظہار سے قبل ہی کچھ کھٹکا تھا! میں نے دیکھا ہے کہ اگر میں کسی انسان سے متاثر ہوں میرے دل میں اس کی وقعت ہو مجھے اس سے عقیدت ہو جائے تو وہ ضرور کوئی پریشان!

مریض!! یا انتہا سے زیادہ معروف شخص ہوتا ہے یہ میرا ازلی خیال اور پختہ تجربہ ہے ! نہ جانے کیوں جو لوگ اپنی زندگی سے بیزار ہو جاتے ہیں میری نگاہ میں ان کی زندگی کی قیمت بڑھ جاتی ہے !

اس دفعہ بھی ایسا ہی ہوا میں آپ کے افسانوں سے زیادہ آپ کی منظومات پسند کرتی ہوں۔ خصوصاً آپ کے قطعات !! اور مجھے وہم سا تھا کہ میں آپ کو خط لکھوں گی تو آپ جواب نہ دیں گے اور جواب بھی دیا تو وہ ایسا ہوگا جو مجھے کچھ دیر کے لئے خاموش کر دے میں آپ سے کس طرح اصرار کروں!

میں "فریبِ مسلسل" چند ایسے افسانہ نگاروں سے لکھوانا چاہتی ہوں جو میری نگاہ میں حیاتِ انسانی کے صحیح پہلو پیش کر سکیں اور آپ کا انکار اس طرح ثابت ہوا جیسے ستار کا ایک تار ٹوٹ جائے اور دل خراش جھنجھناہٹ کے علاوہ کچھ باقی نہ رہے ! کاش میں آپ کو مجبور کر سکتی۔

اگر آپ اس خط کا جواب جلدی نہ دے سکیں تو احساسِ شرمندگی نہ کریں اور جب کبھی جواب دینے بیٹھیں تو مجھ سے معافی نہ مانگیں آپ کی اور مجھے دونوں کو اپنے افعال پر حقوق حاصل ہیں۔ اگر مجھے آپ کو خط لکھنے کا حق مل گیا تو آپ کو بھی جواب نہ دینے کا اختیار ہونا چاہیئے۔

میرا اس خط کو لکھنے سے صرف یہ مقصد ہے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ بخدا آپ کے جواب سے میں آزردہ نہیں ہوں مجھے تکلیف ضرور ہوئی مگر اس کے آپ ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ میرا ارادہ تھا کہ کتاب مارچ کے اختتام تک شائع ہو جائے مگر کیا کروں کہ جب آپ لوگ معذرت کر رہے ہیں تو مرتب کے پاس کیا باقی بچا۔ کتاب کی اشاعت غالباً مجھے مئی تک روکنی ہوگی اور اس عرصے میں کبھی آپ کچھ لکھ سکیں تو میری گزارش کو نظر انداز نہ کریں اگر آپ نے افسانے لکھنے چھوڑ دیئے تو نظم لکھنے کی قسم نہیں کھائی۔ بجائے اگر آپ نے مجھے کوئی منظوم چیز بھی جو "فریبِ مسلسل" میں شریک ہو سکے عطا کر دی تو بڑی بہت بندھ جائے گی۔

خدا پریشانیاں بھی بہت دیکھ کر دیتا ہے اور بقدر ہمت میں بھی ان سے مبرا نہیں ہوں۔ اگر آپ میری کتاب چھپنے تک بھی کچھ نہ لکھ سکے تو صرف میں آپ کو اس کی تکلیف دوں گی کہ آپ میری کتاب دیکھ کر اظہارِ خیال کریں۔

بہار کا پتہ لکھ رہی ہوں۔ ۲۰ مارچ کے بعد سے کم از کم چار مہینے تک میرا یہی پتہ رہے گا۔

پتہ:۔ بنگلہ نمبر ۲۰ باره چکیا۔ ضلع چمپارن۔ صوبہ بہار۔

۱۵ مارچ ۱۹۵۷ء راحت منزل۔ میرس روڈ۔ علی گڑھ۔ خیر طلب تسنیم سلیم چھتاری

(۵۷)

مکتوب کنہیا لال کپور — مکتوب الیہا ممتاز شیریں

محترمہ۔

آداب۔ خط آپ کا ملا۔ شکریہ۔ نیا دور مجھے نہیں ملا۔ آپ کا خیال درست ہے۔ راستے میں کہیں بھٹک کر رہ گیا ہوگا۔ بہرحال اب دوسری کاپی بھیجنے کی تکلیف نہ فرمائیں۔ کیونکہ ایک دوست کی وساطت سے اسے پڑھ چکا ہوں۔ میں 'نیا دور' کا مداح اور قتیل ہوں۔ اس لئے اسے میں سعادت تصور کروں گا۔ اگر اس کے لئے کچھ

لکھ سکوں۔ نیا دور نمبر ۲ میں آپ کا مضمون اور تصاویر میں یوسف ظفر کا فوٹو بہت پسند آیا۔ آپ نے میرے متعلق جو تعریفی کلمات لکھے ہیں۔ اُن کے لئے شکریہ قبول فرمائیے۔ آپ اگر جائزہ لیتے وقت تعریف کا عنصر ذرا کم اور تنقید کا عنصر ذرا زیادہ کر دیں تو مضمون زور دار ہو جائے۔ آپ اور بھائی صمد شاہین بہت نیک کام کر رہے ہیں ہمیں آپ دونوں پر فخر ہے۔ کم از کم آپ نے میرے ایک مقولے کی تکذیب فرما دی "کہ کوئی ہندوستانی عورت نقاد نہیں بن سکتی۔" آپ میں ایک کامیاب نقاد کی ساری خوبیاں موجود ہیں۔ یہ علٰحدہ بات ہے۔ کہ آپ کا نقطہ نظر کبھی کبھی ضرورت سے زیادہ ہمدردانہ ہوتا ہے!

'نیا دور' کو نہ اب 'پیغاموں' کی ضرورت ہے۔ نہ تبلیغ و توصیف کی۔ یہ اب دونوں سے بالاتر ہے۔ اور بے نیاز بھی۔ تاہم رسمی طور پر دو ایک سطریں لکھ رہا ہوں۔ دوسرے صفحے پر ملاحظہ فرمائیے۔

"نیا دور" کا اٹھان غضب کا ہے۔ خدا جانے شباب کتنا قیامت خیز ہوگا ....

.... نیا دور جنوبی ہند کا واحد ادبی رسالہ ہے۔ جس پر شمالی ہندوستان بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔"

کنہیا لال کپور

یاد آوری کا شکریہ۔ بھائی صمد شاہین کو سلام۔

۱۲ر اکتوبر ۱۹۴۵ء ڈی اے وی کالج لاہور مخلص کنہیا لال کپور

مکتوب شوکت تھانوی

(۵۸)

مکتوب الیہ چراغ حسن حسرت

مولانائے محترم، آداب نیاز

نوائے وقت کے حرف و حکایت میں شہر خبرو کے متعلق آپ نے جو کچھ فرمایا ہے اُسے پڑھ کر بہت لطف آیا۔ خوب خوب ترکیبیں آپ کو سوجھی ہیں اور آپ نے سجھائی ہیں۔ بہر حال لطف آگیا۔ میرا اور آپ کا رشتہ معاصرانہ تو ہے نہیں کہ میں جواب لکھنے بیٹھ جاؤں۔ آپ بہر حال بزرگ ہیں اور میں ایک تربیت یافتہ خورد جس کو بزرگوں کا احترام سکھایا گیا ہے۔ میرا منصب صرف یہ ہے کہ خوشہ چینی کروں مجھے ابھی آپ سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔

اس پروگرام کی ابتدا ہی اس طرح ہوئی تھی کہ شہر خبرو نے اپنے اس عجیب و غریب نام کی وضاحت کی تھی کہ "میرا نام شہر یار تھا۔ والدین نے دلار میں شہرو کہنا شروع کر دیا اور اب چونکہ میں ذرا باخبر سا آدمی ہوں اور خبردار بھی رہتا ہوں لہٰذا میرا نام شہرو کی جگہ شہر خبرو پڑ گیا اور مجھ کو میرے دوست احباب آئے گئے سب شہر خبرو کہتے ہیں۔"

یہ میں اس لئے نہیں لکھ رہا ہوں کہ آپ کے اعتراض کا جواب مد نظر ہے بلکہ میں تو خوش ہوں کہ شہر خبرو آپ سے ایک کامیاب طنز کرانے کا بہانہ بن گیا۔

ہم لوگوں میں نام اس بری طرح بگاڑے جاتے ہیں کہ بعض نام تو عجیب مضحکہ خیز صورت اختیار کر لیتے ہیں مثلاً میرے ایک دوست بدرالدین، بدّو کہلاتے تھے۔ شمس الدین کو شمسو۔ شہاب الدین کو شبّو۔ فضل اللہ کو فضلو

کہتے تو آپ نے بھی سنا ہوگا۔ لکھنؤ کے مشہور ڈرامہ نگار منشی احسن اپنے گھر میں اچھن صاحب کہلاتے تھے۔
بہر حال میں خوش ہوں کہ آپ نے شہر خبرو کا پہلا پروگرام نہیں سنا جس میں وجہ تسمیہ تھی ورنہ اس دلچسپ طنز سے محروم رہنا پڑتا۔
امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔

۱۱ر دسمبر ۱۹۵۵ء - ریڈیو پاکستان - لاہور

آپ کا عقیدت کیش شوکت تھانوی

(۵۹)

مکتوب جذبی

مکتوب الیہ باقر مہدی

باقر صاحب!
میرا خط دیکھ کر غالباً آپ کو حیرت ہوگی۔ مجھے خلیل صاحب کی نظم "ارضِ دکن" کی ضرورت ہے۔ شاید میں خلیل صاحب کے کچھ کام آسکوں۔ ازراہِ کرم جلد سے جلد بھیج دیجئے۔
ہاں آپ کی گندی سیاست کا علم آپ کے جانے کے بعد ہوا۔ آپ غالباً یوسف صاحب کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر تو سوچئے کہ آپ کا رویّہ میری جانب کہاں تک ایماندارانہ ہے مخالفت وہی اچھی ہے جو کسی اصول پر مبنی ہو۔ حق و صداقت کا دامن اگر آپ نے چھوڑ دیا، تو خود آپ ہی کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ آپ میرا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔
یہ بھی یاد رکھئے کہ آپ میرے طالب علم ہیں۔ اور غالباً یہی سمجھ کر آپ کی بعض ایسی باتوں کو بھی میں نے نظر انداز کیا جو نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھیں۔ آپ شاعر اور ادیب بننا چاہتے ہیں اور شہرت کے بھی طلبگار ہیں۔ لیکن شاعر اور ادیب بننے سے پہلے آپ کو ایک اچھا انسان بننا پڑے گا۔ اتنا اچھا انسان بننا پڑے گا کہ مخالفوں کی اچھی باتوں کو بھی آپ سراہنے لگیں۔ آپ کی شخصیت جس قدر بلند ہوگی، آپ تعصبات سے جس قدر پاک ہوں گے، آپ اپنے نفس کا جس قدر احتساب کر سکیں گے، اسی قدر آپ میں خلوص کا وہ جوہر پیدا ہوگا جو آرٹ کے لئے ضروری ہے، ادیب اور سازش، دو متضاد چیزیں ہیں۔ جو ادیب اپنے ضمیر کی آواز دباتے ہیں، وہ آج تک اچھے نہیں ہو سکے۔
ایک بات اور عرض کروں۔ سستی شہرت کے پیچھے نہ دوڑیئے۔ رسالوں میں نظم یا تصویر کا چھپ جانا اِس امر کی دلیل نہیں کہ آپ اچھے ادیب بھی ہیں۔ صاحب ذوق نقاد بہت ہی کم ہیں۔ لیکن ہمیں انہیں کی رائے پر اعتماد چاہیئے۔ خواجہ منظور کے جانے کے بعد، ہندوستان میں ایسے بے غرض نقاد آپ کو شاید ہی ملیں لیکن ادیب ایسے ہی نقادوں کی بدولت ترقی کرتا ہے۔ ایسے ہی نقادوں کو ڈھونڈیئے جو آپ کی تعریف کرنے کے بجائے آپ کی خامیوں پر روشنی ڈالیں۔ ادیب کو اپنی خامیوں کا پتہ ذرا مشکل ہی سے چلتا ہے۔
آپ کہیں گے کہ میں نے نصیحت کا دفتر کھول دیا ہے۔ یقین کیجئے کہ یہ نصیحتیں نہیں ہیں مشورے ہیں میں آج بھی آپ کا بہی خواہ ہوں۔ جس طرح یوسف صاحب کو میں نے سمجھایا تھا، اسی طرح آج آپ کو بھی سمجھاتا

ہوں۔ جس طرح یوسف صاحب اپنی گذشتہ حرکتوں پر آج پشیمان ہیں، اسی طرح آپ کو بھی پشیمانی ہوگی، بشرطیکہ آپ نے ضمیر کی آواز کو ہمیشہ کے لئے نہ دبا دیا۔

آپ میرے چکر میں نہ پڑیئے اور مجھے اپنے لئے ایک مسئلہ نہ بنایئے۔ اس سے آپ کو کچھ حاصل نہ ہوگا۔ آپ کے تبرے سے میرا کیا بگڑے گا۔ لیکن خود آپ کا بہت کچھ بگڑ جائے گا۔ خود آپ کی شخصیت میں بعض ایسی چیزیں پیدا ہو جائیں گی جن کی وجہ سے آپ میں، نہ بلند نظری پیدا ہو سکے گی اور نہ کشادہ دلی۔ آپ جن حضرات کے اشاروں پر اس گندی سیاست میں پڑے ہیں، ان میں سے بعض کے متعلق آپ کو خود تجربہ ہو جائے گا کہ وہ کس قدر تنگ نظر، تنگ دل، حاسد اور خود پرست ہیں۔ ان کی صحبت میں آپ کو یہی چیزیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ زندگی کی راہ ذرا سوچ سمجھ کر طے کیجئے۔ اور پھر ادیب کی زندگی کی راہ تو اور بھی مشکل ہوتی ہے۔

اب انجمن کے متعلق سنئے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ یوسف صاحب کے اصرار سے میں پہلے پہل اس انجمن میں شریک ہوا۔ خدا جانے انہیں مجھ سے اس قدر عقیدت کیوں تھی۔ بہرحال اس انجمن سے میں نے بارہا الگ ہونا چاہا لیکن آپ نے اور خلیل صاحب نے مجھے باندھے رکھا۔ اس سال بھی سلامت صاحب کے صدر ہونے کے بعد میں نے کئی بار کوشش کی کہ اس انجمن سے الگ ہو جاؤں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ میٹنگ میں برابر شریک ہوتے رہنا میرے لئے کچھ دشوار سا ہے۔ یہ میرے مزاج کی افتاد ہے۔ میں آزاد رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ لیکن اب آپ حضرات کی سازشوں کو دیکھتے ہوئے میں نے طے کر لیا ہے کہ آپ کی انجمن ترقی پسند مصنفین سے کسی قسم کا ربط نہ رکھوں۔

ایک چیز اور واضح کر دوں۔ آپ مخالفت کی دھن میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ علیگڑھ کی انجمن ترقی پسند مصنفین صرف طلبا کی انجمن ہے۔ صدر اور مجلس عاملہ کا انتخاب لڑکے ہی کرتے ہیں۔ اساتذہ اور دوسرے حضرات اس میں حصہ نہیں لیتے چنانچہ ان پر وہ پابندی عائد نہیں ہو سکتی جو طلبہ پر ہوتی ہے۔ صدر کا انتخاب اس لئے ہوتا ہے کہ وہ طلبہ کے آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتا رہے۔ طلبہ کے علاوہ جو لوگ انجمن کی فیس دیتے ہیں، وہ محض آپ کے ہمدرد ہیں اور مجلس عاملہ کے JURISDICTION میں نہیں آتے۔ دوسرے آپ حضرات نے ابھی تک کوئی دستور مرتب نہیں کیا ہے، حالانکہ میں نے بارہا امسال آپ حضرات کو اس طرف متوجہ کیا۔

بہرحال آپ اور خورشید صاحب دونوں میری اس علٰحدگی پر خوش ہوں گے۔ خورشید صاحب تو خاص طور سے میرے استعفٰی کے متمنی تھے اور کئی بار اس خواہش کا اظہار کر چکے تھے۔ میں جانتا تھا کہ وہ آخر میرے استعفٰی دینے پر اس قدر مصر کیوں ہیں۔ یہی نا کہ میرے خلاف رجعت پسندی کا الزام لگا کر پروپیگنڈا کر سکیں۔ حالانکہ چاہیئے یہ تھا کہ اگر میں انجمن سے الگ ہونے کی کوشش بھی کرتا تو وہ مجھے علٰحدہ نہ ہونے دیتے۔ خواہ ذاتی طور پر کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہوتا کم از کم میں نے ذاتی اختلافات کو اپنی صدارت کے زمانہ میں انجمن کے کاروبار میں کبھی داخل نہیں ہونے دیا۔ پار سال بھی فرید کو میں نے خاص طور سے خورشید صاحب کے پاس ممبر بنانے کے لئے بھیجا تھا۔ اور فرید نے خود میرے سامنے خورشید سے باتیں کی تھیں، لیکن وہ ممبر نہ ہوئے۔

بہر حال آئندہ سال میں ممبری کی تجدید نہیں کروں گا۔ میری ترقی پسندی یا رجعت پسندی کا دارومدار میری شاعری پر ہے۔ وہی کہوں گا جو میں اپنے نزدیک صحیح سمجھتا ہوں۔ آپ حضرات اگر میرے خلاف پروپیگنڈا کرنا چاہیں، تو یاد رکھیے میں اس کا کوئی جواب نہ دوں گا۔ گالی کا جواب گالی سے کیوں دیا جائے خاموشی ہی کافی ہے۔

ایک بات اور رہ گئی۔ آپ یا خورشید صاحب میرے حریف نہیں ہو سکتے۔ میرے حریف میرے ہم عمر شعرا اور ادیب ہیں۔ آپ تو خیر بہت چھوٹے ہیں آپ کے منہ لگنا ایسا ہی ہے جیسے میں کسی طالب علم کے منہ لگوں۔ لیکن خورشید، سلام مچھلی شہری یا فکر تونسوی کے منہ لگنا بھی میں اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ یہ نہ سمجھیے کہ میں از راہِ غرور کہہ رہا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات ہر اعتبار سے مجھ سے چھوٹے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ادب میں میری کیا جگہ ہے۔ اور اس سلسلہ میں میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں۔ میں نے کوئی بڑا کارنامہ نہیں پیش کیا ہے۔ لیکن اس کی تیاری میں ضرور مصروف ہوں۔ یہ تو ساری عمر کی محنت ہے۔ اس کے بعد ہی کچھ کہا جا سکتا ہے کہ میں نے کیا کیا ——— مخلص

۶-۱ میرٹھ سول لائنس۔ علیگڈھ جذبی

میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کے متعلق میں کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ میں غالباً آپ کو ایک حرف بھی نہ لکھتا، لیکن یہ سوچ کر کہ آپ ابھی بچے ہیں اور بڑی حد تک جذباتی بھی ہیں، آپ کو متنبہ کر دیا۔ اب آپ جانیں۔

امید ہے کہ آپ اس خط کو ٹھنڈے دل سے پڑھیں گے، اور ٹھنڈے دل سے سوچیں گے۔ خلیل صاحب کی نظم ضرور بھیج دیجئے۔

میراجی

بنام ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو

(۱)

مکرمی! تسلیم

خط پہنچا۔ اپریل کی بجائے دوبارہ مئی کا شمارہ پہنچنے پر معذرت خواہ ہوں۔ اب سالنامہ اور اپریل دونوں کے متعلق مینیجر کو ہدایت کر رہا ہوں۔ ایک ہفتہ تک نہ پہنچنے پر شکایت بے تکلفی سے کر دیجئے گا۔ مضامین کی داد کا شکریہ۔

خلیل جبران کی المجنون اردو میں کتابی صورت میں لاہور ہی سے شائع ہو چکی ہے۔ اس لئے اس کا ترجمہ تو اب بے مصرف ہوگا۔ دنیائے ادب کے متعلق جو تجاویز اور رائے زنی آپ نے تحریر کی ہیں اس سے پورا اتفاق رائے رکھتا ہوں۔ لیکن یہ معاملہ میرے فیصلہ کرنے کا نہیں، میں نے تو اس جائزے کی تحریک کی تھی اب یہ مدیر ادبی دنیا کے ہاتھوں میں ہے اور بدقسمتی سے آپ کے اور میرے علاوہ اور ہر شخص اُن ہی کے رویے کی تعریف کرتا ہے، اصل مقصد تو جائزے کا وہی تھا جو آپ نے سمجھا لیکن ..... زندگی یوں بھی بسر ہو رہی ہے۔

امید کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

۲۷ رمئی سنہ ۱۹۴۰ء ادبی دنیا دی مال لاہور میراجی

بنام قیوم نظر

(۲)

قیوم، خطوں کے شکوے چھوڑو یعنی ملاقات تک کے لئے انہیں بھول جاؤ، تمہیں شاید ابھی پوری طرح معلوم نہیں کہ وہ میراجی جسے تم جانتے ہو اب اپنے دل کی گہرائی میں ڈوب کر رہ گیا ہے، ---- لیکن کہیں نثر میں جذباتی شاعری نہ کرنا شروع کر دوں، اس لئے زندگی کے عملی پہلو کی طرف دھیان دے کر ان باتوں کے بارے میں کچھ لکھنا چاہتا ہوں جو بہت روز سے مجھے تنگ کر رہی ہیں لیکن جنہیں میں اپنی تن آسان طبیعت اور ریڈیو کی نوکری کے باعث اب تک تم سے نہ کہہ سکا، آپ کے خطوں کا مفصل جواب لاہور آنے پر ہوتا رہے گا۔ اب باتیں سنو۔

۱۔ دہلی میں حلقے کی بنیاد کا مسئلہ ٹیڑھا ہے اس لئے سالانہ رپورٹ صرف اس قسم کے ذکر ہی سے تیار کر دو کہ اس سال ہمارے حلقے کی مقبولیت صوبے سے نکل کر کل ہند ہونے کی دھمکی دے رہی ہے چنانچہ دہلی اور

علیگڑھ سے اس ضمن میں درخواستیں آچکی ہیں۔ اور عنقریب اس سلسلے میں انتظامی کمیٹی حلقے کی رضامندی سے مناسب قدم اٹھائے گی۔

۲۔ حلقے کا جو قرض میرے ذمے ہے۔ اس کے متعلق شیر محمد اختر کا ایک خط آیا تھا، اس میں لکھا تھا کہ مقروض حضرات کے نام کھلے اجلاس میں سنا دیئے جائیں گے۔ غالباً ۶ دسمبر کو، ۲ دسمبر کو میں ملازم ہو گیا تھا، اس سے پہلے کے چیک تدبیریں ڈوب چکے تھے اس لئے چھ سے پہلے تو کسی صورت میں میں قرض ادا نہ کر سکتا تھا دوسرے مجھے یہ بھی خیال آیا کہ دیکھیں میراجی سے ذاتی تعلق آپ لوگوں کی کمزوری دکھاتا ہے یا جس طرح میں جب وہاں تھا اب بھی آپ لوگ ہر صورت میں حلقے کی اصول پرستی کو قائم رکھتے ہوئے بغیر جھجک کے نام پڑھ کے سنا دیتے ہیں۔ معلوم نہیں اس سلسلے میں معاملہ کس منزل پر ہے۔ میں تو ابھی دو ایک ماہ تک شاید قرض ادا نہ کر سکوں۔ کیونکہ گزشتہ پہلی تنخواہ مکمل اماں جان کی نذر کی تھی (وہ آجکل یہیں ہیں) نیز تمام کاکے وغیرہ کا عملہ یہاں آیا تھا، اب رہا دوسری تنخواہ فروری یکم کا معاملہ تو اگر حلقے کے جلسے پر میں لاہور آؤں تو اس بار بھی کچھ نہ ہو سکے گا اور حلقے کے جلسے پر میں ضرور آنا چاہتا ہوں، تم اس معاملے میں مفصل مشورہ لکھو۔

۳۔ حلقے کا سالانہ اجلاس کس تاریخ کو ہے۔ مجھے کن تاریخوں کے لئے لاہور آنا چاہیئے، یہ سب باتیں بھی مفصل لکھو تاکہ میں ابھی سے اُن تاریخوں کا کام پہلے سے کرنے کا انتظام کر لوں۔ نیز رخصت کا معاملہ بھی طے کرنے کے لئے درخواست دے دوں۔

۴۔ آورش کی صحیح کاپی ارسال ہے اس کے مطابق تصحیح کرا دو اگر کتابت ہو چکی ہو، کیا کتاب حلقے کے سالانہ اجلاس پر موجود ہو گی، اس دفعہ انتخابی کمیٹی کون سی تھی، کتنی کل نظمیں چنی گئیں، کتنی جلدیں کتاب کی چھپ رہی ہیں، کتاب کی قیمت کیا ہے، اس سلسلے کی تمام باتیں بھی لکھو۔

۵۔ سالانہ اجلاس پر میں مضمون کیا پڑھوں گا، ہاں اگر کوئی معقول تجویز نہ ہو سکی تو میرے خیال میں شاید یہ بہتر رہے کہ ایک رنگا رنگ پروگرام کیا جائے یعنی مختلف ارکان پندرہ پندرہ بیس بیس منٹ کے مضامین پڑھیں جن کے موضوع وقت یعنی زمانے کی رفتار متعلقہ ادب اردو اور مصنفین اور حلقے سے تعلق رکھتے ہوں مثلاً

جنگ اور ادب
جنگ کے زمانے میں حلقہ ارباب ذوق کی سرگرمیاں وغیرہ
جنگ اور شاعری
جنگ کا اثر مصنفین کی شخصیت پر،

یہ قطعاً ضروری نہیں کہ جنگ کا لفظ ہر مضمون کے عنوان میں آئے کیوں کہ یوں تو تمام پروگرام جنگ نامہ بن کر رہ جائے گا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جنگی حالات یا جنگی زمانے میں جو اہم مسئلے مصنفین اور کسی زبان کے ادب کو پیش آتے ہیں۔ ان کے بارے میں خیال آرائی کی جائے جیسے روس کے ادب کو جنگ نے کیا کیا اسپین کی اس سلسلے

میں بہت اچھی مثال ہے اور اس موضوع پر میرا خیال ہے کہ آفتاب احمد بیدرہ منٹ کا ایک اچھا مضمون لکھ سکتا ہے، ایک موضوع یہ بھی ہے LOVE IN WAR TIME۔ ضروری نہیں کہ ہر موضوع جس طرح میں نے کہا کہ جنگ سے براہ راست متعلق ہو اسی طرح ادب سے بھی براہ راست متعلق ہو۔ ایک طرح سے یہ تمام پروگرام جو پانچ سات مضامین پر مشتمل ہو سکتا ہے زندگی کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتا ہے۔

جنگ کے زمانے میں وہی دنیا جہاں کٹ مرتی ہے وہاں مختلف ممالک اور مختلف نسلوں کا خون بھی ایک دوسرے میں گھل مل جاتا ہے اور اس سے دنیا کی کا توازن ہر نسلی یا ملکی جز وکی وسعت اور حیات نو سے پورا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں بھی جلد مفصل لکھو۔

۶۔ صلاح الدین احمد، یوسف ظفر، چودھری نذیر وغیرہ قسم کے لوگوں کے بارے میں ملاقات پر فیصلے ہونگے فی الحال سب سے نباہ کئے جاؤ۔

۷۔ ایک نظم جو یہیں آکر لکھی تھی تمہارے اور دیگر بھکڑوں کے لئے ارسال ہے، امید ہے کہ دلچسپ ہوگی اور اچھی بھی۔ میرے خیال میں اولاد کی خواہش، اس سے پہلے اس انداز کی کوئی نظم اردو زبان میں موجود نہیں جس میں اولاد کی خواہش جو ایک "نارمل" بات ہے کے ساتھ ساتھ مصنف کے نفسی پیچ اور جنسی تخریب کے اشارے بھی موجود ہوں۔

۸۔ ریڈیو میں ارکان حلقہ کی ملازمت کے بارے میں بھی ملاقات ہی پر باتیں ہو سکیں گی۔

۹۔ الطاف گوہر کو دو تین پیڑ لگاؤ اور پانچ سات گالیاں دو۔ مختار صدیقی سے کچھ نہ کہو! (اچھا ہوا کہ آپ کا امتحان بخیریت ختم ہوا۔) شاید ملازم ہونے پر اس کا دماغ نفسی الجھنوں سے کسی حد تک آزاد ہو جائے۔ شیر محمد اختر سے میری معذرت کہو، اس سے بھی مل کر ہی دل کا غبار نکلے گا۔ اور آساب ودصغدر سے بھی معذرت کہو کہ ان لوگوں کے خطوں کا کوئی جواب نہ دیا میں نے۔

۱۰۔ میں زیادہ سے زیادہ چار دن کے لئے آسکوں گا۔ کم سے کم دو دن کے لئے۔ اگر دو دن کے لئے بھی آیا تو پروگرام یہ ہوگا کہ جس روز حلقے کا جلسہ ہو اُس روز دن کو گھر پر سامان وغیرہ یہاں لانے کے لئے تیار کروں گا نیز گھر والوں کو بہلاؤں گا۔ دوسرے روز سارا دن ایک محفل راجہ رام کے ہاں ہوگی جس میں آپ سب لوگ شامل ہوں گے۔ اور وہیں سب باتیں اور آئندہ کے متعلق سب فیصلے ہوں گے اور شام کو میں روانہ ہو جاؤں گا۔ کوشش میں چار دنوں کی کروں گا اور امید ہے کہ چار دن کی رخصت مل جائے گی۔

اب جلد جواب لکھو اسی وقت بیٹھ جاؤ۔ کچھ اس وقت لکھو باقی دوسرے روز۔ بہر حال جواب جلد مجھ تک پہنچے۔ تاکہ ابھی اور خط وکتابت میرے لاہور آنے کے بارے میں کرنی ہو تو اس کے لئے بھی وقت رہے کیونکہ آج ۱۷ تاریخ ہے، میں ہر صورت میں یکم کے بعد ہی آسکتا ہوں یعنی تنخواہ لے کر۔

قیوم تم بہت اچھے ہو۔ لیکن افسوس یہ ہے:—

۱۷ جنوری ۴۳ء　دہلی　　　میرا جی

منٹو

بنام ممتاز شیریں

(۱)

مکرمی، تسلیم۔

"نیا دور" کا پہلا نمبر ملا۔ بنگلور جیسے دور افتادہ شہر سے ایسا کامیاب پرچہ نکالنا بڑی ہمت کا کام ہے۔ امید ہے آپ اسے جاری رکھیں گی۔ گو "نیا دور" اپنی قسم کی واحد چیز نہیں پھر بھی اردو ادب میں یہ ایک اضافے کا باعث ہو سکتا ہے۔ "نیا دور" کے لئے میں اپنا تازہ افسانہ یا مضمون بھیجنے کے لئے تیار ہوں۔ مگر اصول کے مطابق میں ایک سطر بھی معاوضے کے بغیر نہیں لکھتا۔ اگر آپ میرا حق الخدمت ادا کر سکیں تو مجھے "نیا دور" کی معاونت میں کوئی عذر نہیں ہوگا۔

"نیا دور" کے لئے میرا یہ پیغام ہے کہ پرانے دور کے رندوں کا نئے دور کے شعلہ آشاموں کے ساتھ "شراب کا رشتہ" ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے ہم زلف ہیں۔

امید ہے آپ بخیریت ہوں گی۔

خاکسار

سعادت حسن منٹو بمبئی

بنام ممتاز شیریں

(۲)

خاتون مکرم، تسلیمات۔

مکتوب گرامی مورخہ ۵/ اگست ۴۸ء ملا۔ جواب کا شکریہ۔ مگر آپ کا مختصر افسانہ ابھی تک موصول نہیں ہوا۔ آج کل ڈاک کی ترسیل بہت ہی ناقص ہے۔ خدا کرے کہ مل جائے۔

پاکستان کے رسالوں کی واضح اور قطعی پالیسی کے متعلق آپ کا ارشاد درست ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ حکومت بھی ابھی تک کوئی واضح اور قطعی پالیسی متعین نہیں کر سکی۔ "نیا دور" میں شاہین صاحب نے جو طویل اداریہ لکھا ہے میں اسے بہت غور سے پڑھوں گا۔

میں آپ سے قطعی وعدہ نہیں کرتا۔ مگر میں "نیا دور" کے فسادات نمبر کیلئے کوئی افسانہ لکھنے کی ضرور کوشش کروں گا۔ ادھر میں نے فساد کے موضوع پر چند افسانے لکھے ہیں مگر اس وقت ذہن میں کوئی چیز موجود نہیں ممکن

ہے لکھنے بیٹھوں تو کچھ سوجھ جائے۔ اگر ناکام رہا تو آپ کو مطلع کر دوں گا۔

فسادات نمبر کے مضامین کی فہرست کافی مرعوب کن ہے۔

محسوس عورتوں پر شاید اب میں اور کچھ نہ لکھ سکوں۔

شاہین صاحب کی خدمت میں آداب۔ عسکری آپ کو علیحدہ خط لکھیں گے۔

خاکسار سعادت حسن منٹو

۳ اراگست ۱۹۴۷ء

---

(۳)

<u>بنام ممتاز شیریں</u>

خاتونِ مکرم

السلام علیکم۔ عرصہ ہوا آپ کا ایک خط ملا تھا جس میں درج تھا کہ آپ فسادات نمبر بھیج رہی ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ ابھی تک مجھے نہیں ملا اس لئے میں اپنی رائے لکھنے سے معذور ہوں۔

"اردو ادب" کا غبار زدہ پہلا شمارہ اب شائع ہو چکا ہے۔ امید ہے مل گیا ہو گا۔ مجھے افسوس ہے کہ یہاں کی پراگندہ ادبی فضاء کے باعث میں اور عسکری کوئی خاص چیز پیش نہیں کر سکے۔ بہر حال جو کچھ بن پڑا ہے حاضر ہے۔ ایک افسوس اور ہے کہ "سویرا" والوں نے دو مضمون چرا کر شائع کر دیئے —— ہو سکتا ہے یہ ترقی پسندی ہو۔

"اردو ادب" کا دوسرا شمارہ زیر ترتیب ہے۔ براہِ کرم فوراً ہی اپنے افسانے یا تنقیدی مضمون سے ممنون و متشکر فرمائیے۔

لاہور کی عدالت میں "ٹھنڈا گوشت" کا مقدمہ پیش ہے۔ میں نے آپ کو اور صمد شاہین صاحب کو صفائی کے گواہ کے طور پر طلب کیا ہے۔ لاہور آئیے گا تو اسی بہانے آپ دونوں سے شرفِ ملاقات بھی حاصل ہو جائے گا۔

امید ہے آپ دونوں بخیریت ہوں گے۔ صمد صاحب کی خدمت میں سلام۔

خاکسار سعادت حسن منٹو

مجاز

بنام اختر انصاری

(۱)

پیارے اختر

مجاز کا سلام قبول کرو۔

اچھا سنو جس اسکیم کے بارے میں تم سے اکثر خیال آرائیاں کی ہیں وہ بالآخر چھیڑ دی ہے، یعنی آج ہی ایک ترقی پسند ماہنامہ کا ڈیکلریشن داخل کیا ہے۔ نام "نیا ادب" ہے۔ اب بتاؤ تم اس کے لئے کیا قربانی کر سکتے ہو۔

فی الحال کوئی اچھی سی چیز روانہ کر دو۔ اور آئندہ کے لئے وعدہ کرلو۔ افسوس علیگڈھ میں تم سے مفصل باتیں نہ ہو سکیں خیر پھر سہی۔ آج کل "نئے ادب" کا جنون ہے۔ تم کو بھی اس کی ترقی میں شریک ہونا ہے۔

ہم سبط حسن اور جعفری اس کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ تم بھی کچھ وہاں ہاتھ بٹاؤ۔ مگر اس سے قبل اشاعت کے لئے کوئی چیز انتخاب کرکے روانہ کر دو۔ زیادہ لکھنا فضول ہے۔ تم ہمارے اپنے ہو۔

۷۔ لال باغ۔ لکھنؤ ۱۲ر فروری ۱۹۳۹ء

تمہارا مجاز

(۲)

بنام اختر انصاری

اختر،

کل دلی سے عرش ملسیانی کا خط ملا، تمہاری خیریت بھی لکھی تھی، ہمارے رسالہ کے دو نمبر شائع ہو کر جا چکے ہیں۔ تیسرا نمبر بذریعہ وی۔پی روانہ ہے۔ پہلے اُسے وصول کرلو پھر کوئی گفتگو ہوگی۔

اگر تم خفا ہو تب بھی للہ ہی میں سننے کے لئے تیار ہوں۔ جولائی نمبر ترقی پسند مصنفین کی ANTHOLOGY ہوگی اس میں تمہاری کہانی "میں نے ایسا کیوں کیا" کا انتخاب ہوا ہے۔ اگست اور آئندہ کے لئے کچھ بھیج دو۔ اور صاف نہایت بے تکلفی سے اپنی رائے لکھو۔ فی الحال ہماری بے تکلفی کا جواب دو۔ علیگڈھ آکر تم سے ملوں گا کب؟ یہ نہیں کہہ سکتا۔

دفتر ماہنامہ نیا ادب۔ نظیر آباد۔ لکھنؤ۔

۱۲ر جون ۱۹۳۹ء

تمہارا

مجاز

(۳)

یا قطب العارفین!

نیا ادب تُسے یہ تمہارا تغافل سمجھ میں نہیں آتا۔ رہے بھی کوئی کہانی اس طرف ہوئی، تو بھیج دونا! - یا پھر اُس قسم کے قطعات وغیرہ - کچھ تو تمہارے لئے بھی کرو -

تمہارے ایک قطعہ نے بہت تڑپایا۔ سامنے ہوتے تو پیٹ جاتا۔ "شباب اور فرصت کی سازش تھی وہ" کیا مصرعہ دیا ہے - یعنی کیا زندہ نہیں رہنے دوگے۔

کبھی کبھی یاد ہی کر لیا کروگے - لکھنؤ کی طرف کب آرہے ہو جب ہم علیگڈھ آ رہے ہوں گے؟

جواب دوگے؟

تمہارا
مجاز

۲۱ر اکتوبر ۳۹ء　　لکھنؤ

ننھے گڑ کی کا کیا حال ہے ملے تو پیار کہہ دینا۔

(۴)

بنام اختر

بھئی اختر

تم نے وہ کہانی ابھی تک نہیں بھیجی - یہ زیادتی ہے - تم نصف سے زیادہ نقل کرا چکے تھے - پھر کیا حادثہ پیش ہو گیا۔

جلد از جلد ———

تمہارا
مجاز

۱۴ر نومبر ۴۱ء　　لکھنؤ

(۵)

بنام رضا انصاری

پیارے رضا،

تمہارا خط ملا - جو میری غیر موجودگی میں یہاں آگیا تھا - میں ان دنوں لاہور چلا گیا تھا - ابھی آیا ہوں نوکری کرنی ہے۔ تفصیل سے ملاقات ہونے پر بتاؤں گا -

جواب میں دیر ہونے کی بھی یہی وجہ ہوئی — کہ ابھی آیا ہوں - اچھا تو حالات یہ ہیں - کہ یہاں سے ایک شاندار قافلہ یعنی شوکت، مادام زہرہ، ایک آدھ کامریڈ اور ہم خود بھی ۲۱ر مئی کی صبح کو جمعہ کے دن جی آئی پی سے روانہ ہو رہے ہیں - یہ جھانسی سے شام یا رات کو گزرے گی - تم بھی اس طور پر چلو کہ ہمیں جھانسی پر مل جاؤ - وہی گاڑی تمہیں جھانسی سے بمبئی کے لئے ملے گی - وقت دریافت کر لینا - یہاں سے تو ۹ بجے صبح کو روانہ ہوتی ہے - ساتھ ہو جائے گا تو سفر اچھا ہی ہوگا تو گویا تم جھانسی میں مل رہے ہو - سبط کو کیا کیا جائے اور کیا کہا جائے - ہم تو چار دن ہی کام کر کے چھٹی لے کر جا رہے ہیں - لہذا سعادت مندی مستلزم -

اچھا فی الحال خدا حافظ

تمہارا مجاز

۲۔ راجپور روڈ۔ دہلی ۔ ۱۹ / مئی ۱۹۴۳ء

آج سنا ہے کسی کے نام خط آیا ہے لیکن ہم قسم کھاتے ہیں ہم نہ دیکھیں گے اور نہ پوچھیں گے۔

(۶)

یا قطب العارفین،

ایک گناہگار کا سلام قبول ہو۔

بیمار تھا۔ معلوم ہوا ہوگا۔ اب اچھا ہوں۔ یہ معلوم ہو یعنی یوں کہ نہ جانے کب ملی گذھ بھی آؤں۔ ابھی تو نہیں۔ دو ماہ کی چھٹیاں گزاری ہیں۔

رسالہ ادیب کے لئے ——— مضمون۔ کہانی۔ قطعہ۔ نظم۔ غزل۔ کچھ بس بھیجدو۔ شدید انتظار رہے گا۔ مفصل باتیں بعد کو ہوں گی۔ بہت سی باتیں تفصیل سے لکھنی اور کرنی ہیں۔

جواب کا انتظار نہیں چیز کا انتظار کروں گا۔ اور دیگر احوال کیا ہیں۔ یہاں تو وہی عالم ہے۔

تمہیں ایک مطلوبہ رسالہ بھجوا دیا تھا۔

تمہارا

مجاز

۱۱ / ستمبر ۱۹۴۳ء دہلی

عطیات

ذیل میں ان کرم فرماؤں کے نام اور خطوط کی تعداد درج ہے جن کے علمی اور دلی تعاون سے یہ پرچہ ترتیب پایا۔

نام	خطوط
ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو	١١٤ خطوط
ڈاکٹر محی الدین قادری زور	١٧٥ خطوط
محمد عبد اللہ قریشی صاحب	١٢٢ خطوط
سید رفیق صاحب مارہروی	١٢٣ خطوط
نواب سید شمس الحسن صاحب	٧٣ خطوط
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ	٥٨ خطوط
غلام رسول صاحب مہر	٢٩ خطوط
امتیاز الدین صاحب اٹاوہ	٢٦ خطوط
مرتضیٰ حسین صاحب بلگرامی	٥ خطوط
سید الطاف علی صاحب بریلوی	٣٣ خطوط
رئیس احمد صاحب جعفری	١٤ خطوط
حسن مثنیٰ صاحب	٢١ خطوط
مالک رام صاحب	٦٩ خطوط
پروفیسر محمد مسلم صاحب۔ پٹنہ	١٦ خطوط
تمکین کاظمی صاحب۔ حیدرآباد دکن	٤٢ خطوط
طاہر فاروقی صاحب۔ پشاور	١٤ خطوط
نصیر الدین صاحب ہاشمی	٧٥ خطوط
حضرت دل شاہجہان پوری	٣٤ خطوط
محمد اظہار الحسن صاحب۔ جہلم	٤٣ خطوط
پروفیسر آغا صادق حسین صاحب۔ کوئٹہ	١٦ خطوط
سید امتیاز علی صاحب تاج۔ لاہور	٣٢ خطوط
محمود احمد صاحب عباسی	١٢ خطوط
حکیم سید امیر احمد صاحب اثیم ترمذی	٧ خطوط
یٰسین علی خاں صاحب۔ حیدرآباد دکن	٤٠ خطوط
غلام یزدانی صاحب۔ حیدرآباد دکن	٨ خطوط
پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب	١٦ خطوط
ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ صاحب۔ لاہور	٣٧ خطوط
ڈاکٹر وحید قریشی صاحب	٢١ خطوط
جلیل احمد صاحب قدوائی	٩ خطوط
امتیاز علی خاں صاحب عرشی	٤٠ خطوط
سید دل محمد صاحب فضا جالندھری	١٩ خطوط
شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی	٨ خطوط
آغا محمد باقر صاحب۔ لاہور	١٤ خطوط
بزمی چریاکوٹی صاحب	٨ خطوط
جناب شفا گوالیاری	٤٩ خطوط
عبد المجید صاحب سالک۔ لاہور	١٢ خطوط
اعجاز سکندر صاحب نازش	١٦ خطوط
ایم حبیب خاں صاحب	١١ خطوط

نام	تعداد
محمد کبیر خاں صاحب	۲۶ خطوط
حامد حسن صاحب قادری	۳ خطوط
سید اصغر حسین صاحب راغب مرادآبادی	۱۱ خطوط
وقار راشدی صاحب ۔ حیدر آباد سندھ	۱۱ خطوط
اے ۔ اے ۔ عراقی صاحب ۔ کانپور	۲ خطوط
مولوی محمد وارث صاحب کامل	۳ خطوط
اقبال عظیم صاحب ۔ چٹاگانگ	۱ خط
نثار اٹاوی صاحب	۳ خطوط
وحید احمد صاحب شیخوپورہ	۷ خطوط
قیوم نظر صاحب ۔ لاہور	۸ خطوط
محترمہ نیر جہاں شاعر صاحبہ	۲ خطوط
مولوی محمد حسین خاں صاحب زبیری	۱۴ خطوط
ظہیر احمد صاحب ایم اے ۔ دہلی	۸ خطوط
احمد جمال پاشا صاحب ۔ لکھنؤ	۴ خطوط
پروفیسر عبدالصمد صاحب صارم	۱ خط
محمد علی خاں صاحب	۴ خطوط
فصیح اللہ خاں صاحب عیلیمی ۔ ملتان	۱ خط
سخاوت مرزا صاحب ۔ حیدرآباد دکن	۱ خط
مقبول احمد صاحب مقبل	۱ خط
اکبر علی خاں صاحب	۱ خط
عبدالقوی صاحب دسنوی ۔ بمبئی	۳ خطوط
الطاف علی صاحب ۔ بریلوی	۱ خط
انیس احمد صاحب	۵ خطوط

یوں تو میرے نزدیک اس نمبر میں شامل ہر خط کی بڑی قیمت ہے۔ مگر زیادہ قیمتی خطوط جن دوستوں نے مرحمت فرمائے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

(۱) ڈاکٹر مختار الدین آرزو (۲) ڈاکٹر محی الدین زور (۳) مولانا غلام رسول مہر (۴) مولوی عبداللہ قریشی (۵) سید رفیق مارہروی (۶) سید نواب شمس الحسن (۷) امتیاز الدین (اٹاوہ) (۸) الطاف علی بریلوی (۹) رئیس احمد جعفری (۱۰) حسن مثنیٰ صاحب اور (۱۱) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

غالب کے ۹۴ خط مختار الدین آرزو نے مرحمت فرمائے۔ ایک مالک رام صاحب نے۔ ایک مقبول صاحب مقبل نے۔ ایک محمد اسحٰق صاحب حقانی نے اور ایک اکبر علی خان صاحب نے۔

زندہ ادیبوں کے خطوط اس فہرست میں شامل نہیں ہیں۔ جو اپنے مواد کے اعتبار سے بڑے قیمتی ہیں انشاءاللہ انہیں الگ نمبر کی صورت میں آئندہ پیش کیا جائے گا۔ پروگرام کے مطابق ہم خطوط کے چار نمبر پیش کریں گے جن میں سے ایک یہ ہے۔

اگر کسی دوست کے پاس اور بھی قیمتی خطوط ہوں تو وہ بھی ہمیں عنایت فرمائیں تاکہ وہ محفوظ ہو جائیں۔

[مرتب]

مطبوعات

اور یہ کتاب اتنی مقبول ہوئی تھی کہ صرف دو مہینے کے اندر اندر پہلا اڈیشن ختم ہو گیا تھا۔

اس کتاب میں قرآن اور احادیث کی روشنی میں زندگی کے ہر شعبہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ حاکمانِ وقت کے فرائض علما پر اور رعایا کے فرائض حاکمانِ وقت پر پوری تفصیل سے درج ہیں۔ ۲/۸

امراؤ جان ادا اردو ادب میں سب سے دلچسپ اور سب سے معیاری ناول اگر کوئی ہے تو وہ صرف امراؤ جان ادا ہی ہے۔ یہ ایک بیسوا کی داستانِ حیات ہے جسے مرزا رسوا نے لکھ کر خود بھی عالمی شہرت حاصل کر لی اور ادا کے کردار کو بھی لافانی کرداروں میں شامل کر دیا اس ناول کو اگر زبان کے اعتبار سے ہی پڑھ لیا جائے تو بھی بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔ یہ ناول اپنی تمام تر دلچسپیوں کے ساتھ لکھنوی معاشرت کا مرقع بھی ہے۔ خورشید الاسلام کا معرکۃ الآرا دیباچہ بھی اس کتاب کی زینت ہے۔ ۴/-

منٹو یہ سعادت حسن منٹو کی افسانوی رنگ میں سوانح ہے جسے منٹو کے بچپن کے دوست ابوسعید قریشی نے لکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سوانح میں بڑا توازن اور بڑی کام کی باتیں ہیں۔ اس میں منٹو کی نہ تو بے جا تعریف ہے اور نہ ہی خدا واسطے کی دشمنی، منٹو جو کچھ اور جیسا کچھ تھا اُسے ہو بہو ابوسعید قریشی نے پیش کر دیا ہے۔ ۴/۴

قول و قرار یہ عدم کا مجموعۂ کلام ہے۔ عدم اردو کا ایک ایسا غزل گو شاعر ہے جو بڑے سادے سے انداز میں عشق و محبت کے معاملات کو پانی کر کے رکھ دیتا ہے۔ بھاری بھر کم ترکیبوں اور استعاروں سے ان کا ذہن اور قلم بغاوت پر آمادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ہر غزل بناوٹ نہیں ہے بلکہ فن کی تمام لطافتوں کے ساتھ ایک حقیقت ہے۔ ۳/-

پیچ و خم یہ بھی عدم کی ایک سو سے زائد مترنم دلآویز اور پیاری پیاری سی غزلوں کا ایک سادہ سا مجموعہ ہے جسے اب پچاس نئی غزلوں کے اضافے کے ساتھ دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے اس کی ہر ہر غزل اور ہر ہر شعر پر جھوم اُٹھنے کو جی چاہتا ہے۔ داغ کے بعد جتنی روانی اور سلاست ان کے حصے میں آئی وہ اور کسی کا میسر نہیں۔ ۳/۰

اصحابِ کہف نیاز فتحپوری نے مصر کے ایک بڑے مشہور ڈرامہ نگار توفیق الحکیم کے ایک نادر ڈرامے کو اُردو میں منتقل کیا ہے۔ یہ ڈرامہ قرآن کے ایک مشہور واقعہ سے متعلق ہے جو قرآن سے قدرے مختلف ہے۔ لیکن جو کچھ اس میں ہے اور اسے جس طرح پیش کیا گیا ہے۔ وہ بعید از عقل نہیں ہے۔ یہ ڈرامہ مصر میں بے حد مقبول ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے اردو میں بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ۱/۱۲

آنچل یہ بھی احمد ندیم قاسمی کے مختصر افسانوں کا مجموعہ ہے ۔ ندیم جس انداز سے دیہاتی زندگی اور اس کے مسائل کو احمد ندیم قاسمی نے اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔ وہ اردو کے کسی اور ادیب کو نصیب نہ ہو سکا۔ ندیم خود دیہات کا رہنے والا ہے اس لیے وہ دیہاتیوں کی زندگی اور ان کے تمام مسائل کو بخوبی جانتا ہے اور ان کے الھڑ اور بھولے رومانس سے بھی آشنا ہے۔ ۳/-

پندرہ اگست رشید اختر ندوی کا مقبول عام ناول۔ یہ ناول اس دور کی تاریخ ہے جب انسان آزادی ایسی نعمت ملتے ہی حیوان بن گیا تھا۔ آزادی ملتے ہی مسلمانوں پر جو کچھ بیتی یہ ناول اس کی تفسیر ہے جسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اتنی زبردست قربانیوں کے بعد مسلمانوں کی آنکھیں آج بھی بند ہیں نہ جانے یہ ان کی کون تباہیوں کا پیش خیمہ ہے۔ ۳/-

پانچ ناولٹ مرتبہ سید وقار عظیم اس مجموعہ میں منٹو، عزیز احمد، ممتاز مفتی، کرشن چندر، شوکت تھانوی، اشفاق احمد، اے حمید اور انتظار حسین کے بہترین ناولٹ شامل ہیں۔ یہ مجموعہ بے حد مقبول ہوا ہے -- اس ایک مجموعے میں پانچ بہترین ناولٹوں کے علاوہ تین چار بہترین مقالے اور دو تین بہترین منظوم کہانیاں بھی شامل ہیں۔ ۳/-

نقوشِ لطیف مرتبہ احمد ندیم قاسمی۔ یہ کتاب زندہ رہنے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس میں اردو کی تمام نمائندہ افسانہ نگار خواتین نے اپنے حالاتِ زندگی بھی لکھے ہیں اور

ادب کے بارے میں اپنے نظریات کا بھی اظہار کیا ہے۔ یہ مجموعہ اتنا دلچسپ اور اتنے کام کا ہے کہ کبھی بھلایا ہی نہیں جا سکتا۔

قریباً تمام افسانہ نگار خواتین کے فوٹو بھی شامل ہیں جس سے اس کتاب کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ ۶/-

مضامین جمال الدین افغانی جمال الدین افغانی ایسا نڈر اور بے باک رہنما تھا۔ جس سے انگریزوں کی سلطنت کانپ اٹھتی تھی۔ ان جیسا انگریزوں کا دشمن اور مسلمانوں کا خیرخواہ ڈھونڈے سے نہیں ملے گا۔

مسلمانوں کو ایک مرکز پر لانے کے لیے انھوں نے عربی میں ایک اخبار "العروۃ الوثقیٰ" کے نام سے جاری کیا تھا۔ اس میں جتنے آتشیں مضامین نکلے تھے۔ وہ سب اس کتاب کی زینت ہیں۔ ان کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو گا کہ مسلمانوں کو ایک مرکز پر لا کر تمام دنیا کی سرداری کا جو خواب انھوں نے دیکھا تھا وہ آج بھی پورا ہو سکتا ہے۔ ۵/-

انتقاد سید عابد علی عابد کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ، عابد صاحب نامور شاعر، بہترین انشا پرداز اور بے مثل نقادوں میں ایک ہیں۔ تنقید میں روایتی نقادوں کی طرح ثقالت اور یاوہ گوئی نہیں ہوتی۔ یہ جو بات بھی کہنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈتے ہیں اور جچی تلی بات کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تنقیدوں میں شعروں کی سی مٹھاس اور فیصلوں میں تلوار کی سی کاٹ موجود ہے۔ ان کے نزدیک کسی لفظ کا غلط استعمال گناہ ہے اور یہ بھی گناہ ہے کہ نقاد اپنے ساتھ قاری کو بھی الجھا دے۔ ۳/-

تصانیف شوکت تھانوی

مولانا	۳/۸	سسرال	۲/۴
غزالہ	۶/-	کارٹون	۳/۸
بے قاعدہ	۲/-	مابدولت	۳/-
بار خاطر	۳/-	بقراط	۲/۸
خدانخواستہ	۳/-	جوڑ توڑ	۴/-
سودیشی ریل	۲/-	مضامین شوکت	۲/۸
کتیا	۳/۸	غالب کے ڈرامے	۲/۸
سانچ کو آنچ	۳/۸	قاضی جی (۳ حصے) فی حصہ	۲/۸

ادارۂ فروغِ اردو۔ ایبک روڈ۔ لاہور

ا ب ت

بچوں کی پرورش کا پہلا سبق

بچے نازک، ناتواں اور بڑی دیکھ بھال کے محتاج ہوتے ہیں۔ تاہم ان کے اندر نشوونما کی زبردست صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ مناسب نگہداشت، اچھی غذا اور عمدہ ٹانک کے استعمال سے اُن کے پنپتے ہوئے اور زندگی سے بھرپور جسم کو پوری پوری افزائش کا موقع مل سکتا ہے۔

نونہال کے باقاعدہ استعمال سے آپ کے بچے کو وہ تمام اجزا مناسب مقدار میں مہیا ہوتے رہیں گے جو ان کی نشوونما اور اُسے بیماریوں سے بچانے کے لئے ضروری ہیں۔
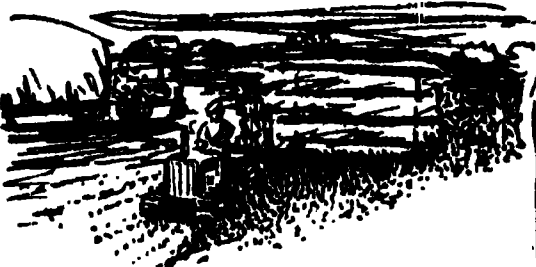
ایک اہم موقعہ!
کھیتوں میں مہینوں کی صبر آزما محنت کے بعد
فصل کاٹنے کے وقت ایک کامیاب کسان کی
خوشی اور مسرت کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟
آئی۔سی۔آئی کی تیار کردہ کھادوں اور کیڑے
مکوڑوں کو فنا کرنے والی ادویات نے آج کل
کھیتی باڑی کے کاموں میں بڑی سہولتیں پیدا
کر دی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی مختلف طریقوں
آئی۔سی۔آئی دنیا بھر کا معیار زندگی بلند کرنے
میں کوشاں ہے۔
آئی۔سی۔آئی کا ادارہ ان چیزوں کو جو آپ
خریدنا چاہتے ہیں بنانے میں مدد کرتا ہے۔
ICI
امپیریل کیمیکل انڈسٹریز (پاکستان) لمیٹڈ
(امپیریل کیمیکل انڈسٹریز لمیٹڈ لندن کی ایک ذیلی کمپنی)
کراچی لاہور چٹاگانگ ڈھاکہ